دھنک

نعت اور اردو کی شعری تہذیب	مبین مرزا (مہمان مدیر)
اپنی بات	صبیح رحمانی
قصیدۂ دعائیہ نعت رنگ کے لیے	ڈاکٹر ریاض مجید

تمجید

مناجات	احمد ندیم قاسمی
شورازل	پیرزادہ قاسم
میرے مولا میرے داتا	شوکت عابد

مقالات

تحقیقِ نعت۔صورت حال اور تقاضے	ڈاکٹر معین الدین عقیل
برسبیلِ نعت۔الفاظ وتراکیب	ڈاکٹر ریاض مجید
نعتیہ ادب کی تخلیق، تنقید اور تحقیق کے تلازمے	ڈاکٹر عزیز احسن
اردو نعت میں مابعد جدیدیت کے اثرات	کاشف عرفان
طلع البدر علینا۔منظرومحلِ وقوع ایک تحقیق	ڈاکٹر افضال احمد انجم
مذاہب عالم کا فلسفہ اخلاق اور اردو نعت نگار	ڈاکٹر اصغر علی بلوچ/ ڈاکٹر شبیر احمد قادری
ملی شاعری میں نعتیہ عناصر۔۱۹۶۵ کی جنگ کے تناظر میں	ڈاکٹر محمد طاہر قریشی
نعت کے منفی عناصر	ڈاکٹر اشفاق انجم
نعت اور رسول اکرم کے تقاضے	گوہر ملسیانی
حدائق بخشش اور کلیاتِ حسن کے متن کا المیہ	ڈاکٹر صابر سنبھلی

اُردو کے سکھ نعت گوشعرا — فاروق ارگلی
علامہ نور بخشش توکلی کی العمدۃ فی شرح البروہ کی اہمیت — ڈاکٹر اشفاق جلالی
نعتیہ کلیات کی روایت ۔ایک مطالعاتی جائزہ — ڈاکٹر شہزاد احمد
اردو کے نعتیہ اشعار میں چٹائی، غارِ حرا اور جو کے
تذکار اور سیرت نبوی کے حقائق — منظر عارفی
نعت نامے اور نقدِ نعت — ڈاکٹر داؤد عثمانی
سرائیکی شاعری میں نعت — خورشید ربانی
گلدستۂ معرفت ایک قدیم مجموعہ نعت — ساجد صدیق نظامی
فروغ حمد ونعت میں دبستانِ وارثیہ کا کردار — قمر وارثی

حریمِ عقیدت

گوشۂ انور شعور
انور شعور کا شعر عقیدت — ڈاکٹر عزیز احسن
جلیل عالی کی نعتیہ نظم جگمگ نور نہایا رستہ کا (خصوصی مطالعہ)
جگمگ نور نہایا رستہ — امین راحت چغتائی
ایک منفرد نعتیہ واردات — پرویز ساحر
گوشۂ سید ضیاء الدین نعیم
سید ضیاء الدین نعیم کے نعتیہ اظہاری زوایے — ڈاکٹر عزیز احسن

فکروفن

علامہ یوسف بن اسماعیل النبھانی ۔ایک عظیم مدح نگار — ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی
اقبال حضور رسالت مآب میں — ڈاکٹر فتح محمد ملک
محسن کاکوروی کا قصیدہ لامیہ — ڈاکٹر حبیب الرحمٰن نعیمی
دبیر کا نعتیہ کلام — پروفیسر شفقت رضوی
انشا کی نعتیہ شاعری — ڈاکٹر تقی عابدی

مولانا ظفر علی خان کی نعتوں میں مستقبل کی ایک جھلک ڈاکٹر زاہد منیر عامر
نعتیہ مسدس روح انقلاب اور زاہد کلیم ڈاکٹر عبدالکریم
مولانا غلام رسول مہر کی ایک نایاب نعت ڈاکٹر محمد سہیل شفیق
ڈاکٹر محمود احمد غازی حمد و نعت کے آئینے میں پروفیسر محمد اقبال جاوید
ایک رہ نوردِ شوق۔ سرشار صدیق جہاں آراء لطفی

مطالعاتِ نعت

المدیح النبوی۔ ایک مطالعہ ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی
پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر۔ ایک مطالعہ پروفیسر انوار احمد زئی

کتابوں پر تبصرہ ڈاکٹر عزیز احسن
سفرِ نعت جمشید کمبوہ
حدِ ادراک سے آگے رشید امین
رحمت عالمین صلی اللہ علیہ وسلم مہر وجدانی
نعت شناسی ڈاکٹر داؤد عثمانی
کلیاتِ مظہر حافظ مظہر الدین مظہر
اسما النبی۔ پیراہن شعر میں۔ اسما النبی۔ صدف ضمائر میں ابوالامتیاز۔ ع۔ س مسلم
غزل کاسہ بکف ریاض حسین چودھری
Poems In Praise of The Holy Prophet **Shakir Ali Jaffery**
Source of The Light **Dr.Saleem Ullah Khan**

ایوانِ مدحت

محشر بدایونی، عرش صدیقی، نعیم صدیقی، ڈاکٹر وحید قریشی، شان الحق حقی،
عبدالعزیز خالد، حفیظ تائب، حنیف اسعدی، حکیم سروسہانپوری، شبنم رومانی، اختر لکھنوی، شہزاد احمد،
امجد اسلام امجد، خورشید رضوی، ثروت حسین، انور مسعود، ریاض مجید، ریاض حسین چودھری،

ستیہ پال آنند، پیرزادہ قاسم، احمد جاوید، افتخار عارف، خالد احمد، انور جمال، رشید قیصرانی،
لالہ صحرائی، پرتو روہیلہ، نصیر ترابی، شوکت ہاشمی، گوھر ملسیانی، سید انوار ظہوری، انجم نیازی،
ملک زادہ جاوید، انور محمود خالد، عزیز احسن، حنیف اخگر ملیح آبادی، سلیم کوثر، سعود عثمانی،
فراست رضوی، لیاقت علی عاصم، اظہر عنایتی، محمد فیروز شاہ، اشفاق انجم، صابر سنبھلی،
رئیس احمد نعمانی، منیر سیفی، صفدر صدیق رضی، قمر وارثی، نورین طلعت عروبہ، عقیل عباس جعفری،
خورشید ربانی، اجمل سراج، عنبرین حسیب عنبر، عرش ہاشمی، شاکر القادری، آفتاب مضطر،
کاشف عرفان، سرور حسین نقشبندی، سمعیہ ناز، صبیح رحمانی

خطوط

ڈاکٹر فتح محمد ملک، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری،
ڈاکٹر معین نظامی، رؤف نیازی، ڈاکٹر زاہد منیر عامر، پروفیسر محمد اقبال جاوید، ڈاکٹر صابر سنبھلی،
مفتی غلام حسن قادری، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر اشفاق انجم، ڈاکٹر ناصر الدین صدیقی،
احمد صغیر صدیقی، ڈاکٹر عبدالکریم، فراست رضوی، ریاض حسین چودھری، گوہر ملسیانی،
سلیم اللہ جندران، شاکر کنڈان، رئیس احمد نعمانی، سعید بدر، سید ضیاء الدین نعیم، تنویر پھول،
انجم نیازی، محمد ثاقب رضا قادری، شبیر انصاری، زاہد ہمایوں، محمد طاہر حسین،
سمیعہ ناز، ساجد صدیق نظامی

عطیات کتب برائے نعت ریسرچ سینٹر
(مطبوعات نعت ریسرچ سینٹر)

☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات!

الحمدللہ! نعت رنگ اپنی اشاعت کی پچیسویں منزل سرکرنے میں کامیاب وکامران ہوا۔تقریباً بیس سال پہلے نعت کی تخلیقی رو‘ کو نئے شعور سے ہم آہنگ کرنے‘نعتیہ ادب کوادب کے مرکزی دھارے سے ملانے اوراس کی فکری اورتنقیدی جہتوں کوواضح کرنے کے ساتھ ساتھ اسے ادب کے بامعنی سرمائے کا حصہ بنانے کے لیے جوسفر آغاز کیا گیا تھا اس نے کامیابیوں کی کتنی منازل طے کیں؟ اس کا اندازہ کرنا تومستقبل میں ادب کے مورخین کا کام ہے سواسے ان ہی پرچھوڑ دینا چاہیے۔مگراس مرحلے پر مجھے نعت رنگ کی ابتدا سے لے کرآج تک اس کے تمام قلمی معاونین کے ساتھ ساتھ زیرنظر شمارے میں شامل ان تمام دوستوں کا بطورِخاص شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے نعت رنگ کواپنے افکار کی رنگارنگی سے خوبصورت اورفکرانگیز بنایا۔ان تمام دوستوں اور بزرگوں کے تعاون اورقلمی معاونت کے نتیجے میں نعت رنگ کے گذشتہ شماروں میں صنفِ نعت کی تنقید وتحقیق کے حوالے سے جوکام ہوا ہے وہ اردو زبان وادب کی تاریخ کے حوالے سے عقیدت نگاری کے باب میں اب تک کی جانے والی متفرق کوششوں کوایک واضح اورمنفرد جہت عطا کرتا ہے۔

شمارہ ۲۵ تک آتے آتے نعت رنگ کا شعری،ادبی،تخلیقی اورتنقیدی اثاثہ اس اہمیت کا حامل ضرور ہوگیاہے کہ آئندہ صنف نعت پرکسی بھی کام کے لیےاسے لازمی حوالے کی حیثیت حاصل رہے گی۔یہ سب ربِّ کریم کی تائید وتوفیق کے ساتھ ساتھ نعت رنگ کے قلمی معاونین کی مخلصانہ اورپُرخلوص

کاوشوں کا ہی نتیجہ ہے۔

کاش نعت رنگ کی اشاعت کے تسلسل اوراس کی ہمہ جہت خدمات اورمقبولیت کے وسیع ہوتے ہوئے دائرے کو اس سلورجوبلی شمارے کی صورت میں دیکھنے کے لیے آج ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں،ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ،ڈاکٹر سیدمحمد ابوالخیر کشفی،ڈاکٹر فرمان فتح پوری،مشفق خواجہ،ڈاکٹر عاصی کرنالی،پروفیسر شفقت رضوی ،پروفیسر حفیظ تائب،ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی،مظفروارثی ،رشید وارثی ، پروفیسر محمد اکرم رضا،حنیف اسعدی،ادیب رائے پوری،تابش دہلوی،شبنم رومانی،سرشار صدیقی ، پروفیسر جعفر بلوچ،شفیق الدین شارق،جمال پانی پتی،پیرزادہ محمد اقبال فاروقی،علامہ عبدالحکیم شرف قادری،مولانا اسیدالحق قادری،ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی،عبدالعزیز خالد،ڈاکٹر نجم الاسلام اورآفتاب کریمی جیسی شخصیات ہمارے درمیان موجودہوتیں جنہوں نے ہرمرحلے پر نعت رنگ کو اپنی توجہ ، پسندیدگی،رہنمائی اورحوصلہ افزائی سےنوازا۔دمِ تحریر ان میں سے ہرایک کامسکراتا چہرہ میرے سامنے ہے اور میراحوصلہ بڑھارہاہے بالکل اسی طرح جس طرح نعت رنگ کی ہرنئی اشاعت پران کی محبتیں میرے عزم کومستحکم کرنے کا باعث بنتی تھیں۔نعت رنگ کے رنگوں میں اعتماد اوراعتبار کے جتنے بھی رنگ ہیں وہ اس کے قلمی معاونین اور سرپرستوں کی حوصلہ افزائی ہی سے نمایاں ہوئے ہیں۔دعاہے کہ ربِ کریم ان مرحومین کواس خدمت کااجراپنی شان کے مطابق عطافرمائے اور جوحیات ہیں انہیں تادیرصحت وسلامتی کے ساتھ ذکرِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سائبان میں رکھے۔

زیرِنظر شمارے کی تیاری میں میری کوشش رہی ہے کہ نعت رنگ اپنے تشکیلی دور سے نکل کرایک رجحان ساز اور تاریخ ساز تکمیلی دور میں داخل ہوتا نظر آئے۔ یقیناً یہ مشکل کام تھا اورایک مشترکہ جدوجہد چاہتا تھا سوتمام قلمی معاونین اس خصوصی شمارے کے حوالے سے بھی ہمارے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اپنی عقیدت اورفن کے تال میل اورشعور وادراک کی

ہم آہنگی سے نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری تخلیقی اور معنوی کائنات پر غور وفکر کے نئے زاویوں اور نئے امکانات کو پیش کرتے ہوئے اس شمارے کو ادب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فروغ میں فکر افروزی کی ایک عصری دستاویز بنادیا ہے۔

منہاج القرآن یونیورسٹی میں نعت چیئر کا قیام:

فروری ۲۰۱۵ میں ماہ ربیع النور کے سلسلے میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اجتماعات میں شرکت کی غرض سے دو ڈھائی ماہ کینیڈا میں قیام رہا مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب بھی کینیڈا ہی میں تشریف رکھتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر ضیاء الحق رازی جو ڈاکٹر طاہرالقادری کے تحقیقی امور میں معاون ومددگار کے طور پر ڈاکٹر صاحب کے قریب ہیں، ان سے خواہش کا اظہار کیا کہ ملاقات کی کوئی سبیل نکالی جائے ۔ رازی صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے بات کی اور یہ میری خوش نصیبی ہے کہ ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب نے باوجود علالت کے مجھے خصوصی طور پر ملاقات کا شرف عطا فرمایا۔ اس طرح ایک معینہ وقت پر میں اور میرے نہایت عزیز دوست سید نہال احمد، ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچے ڈاکٹر صاحب کی صحت کے مسائل ان کے چہرے سے عیاں تھے پھر بھی نعت کے تعلق سے انہوں نے ہمیں خاصا وقت دیا۔ میں نے انہیں نعت ریسرچ سینٹر کے قیام، مقاصد اور منصوبوں کے بارے میں تفصیلاً آگاہ کیا اور اس کے تحت شائع ہونے والی چند مطبوعات ان کی خدمت میں پیش کیں ۔ ساتھ ہی منہاج القرآن یونیورسٹی میں نعت چئیر کے قیام کے لیے درخواست بھی پیش کردی۔ اور انہیں یہ بھی بتایا کہ میں نے پاکستان کی تمام بڑی جامعات کو اس سلسلے میں خطوط لکھے تھے ۔مگر اس کے جواب میں مجھے یہ طریقِ کار بتایا گیا کہ نعت چیئر کے لیے یونیورسٹی کو پانچ کروڑ روپے کی ادائیگی کرنی ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی توجہ سے میری گزارشات کو سنا مطبوعات کو دیکھا اور اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے نعت ریسرچ سینٹر کی خدمت کو سراہا اور ساتھ ہی منہاج القرآن یونیورسٹی میں نعت

چئیر کے لیے بھرپور آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ’’اگر منہاج القرآن یونیورسٹی میں نعت چئیر قائم نہ ہوسکی تو اس ادارے کے وجود کا جواز ہی نہ رہے گا‘‘۔ڈاکٹر صاحب نے مجھے منہاج القرآن یونیورسٹی کے حوالے سے اپنی ترجیحات اور توقعات کے بارے میں بڑی تفصیل سے بتایا جسے جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ ان کی نظر یونیورسٹی کے نصاب،نصب العین،نظم وانتظام کے ساتھ تعلیمی اور تحقیقی معیارات کے تمام زاویوں پر بھی بہت گہری ہے۔ وہ منہاج القرآن یونیورسٹی کو دنیا کی عظیم الشان جامعات کے مقابل ایک نمایاں حیثیت میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں اور اپنے اس خواب کو تعبیر سے ہمکنار کرنے کے لیے انہوں نے اپنے دونوں صاحبزادگان ڈاکٹر حسن محّی الدین قادری اور ڈاکٹر حسین محّی الدین قادری کو ذہنی،علمی اور فکری طور پر جس طرح تیار کیا ہے وہ ان کے منصوبہ ساز ذہن اور قائدانہ صلاحیتوں کا عکاس ہے ۔ جولوگ قوموں کی زندگی میں تبدیلی کے خواہاں ہوتے ہیں وہ اپنے رہنمایانہ کردار کو عملی زندگی میں اسی طرح شعور اور سلیقے سے ظاہر ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے اپنی گفتگو میں نعت کے تنقیدی زاویوں پر بھی بات کی اور محافلِ نعت میں در آنے والی اکثر بے تمیزیوں کی طرف اشارے بھی کیے۔جس سے ان کے گہرے تنقیدی شعور اور شاعرانہ ذوق کا اظہار بھی ہوا۔

یہ ملاقات میرے لیے کئی حوالوں سے بڑی اہم ثابت ہوئی ایک تو ڈاکٹر علامہ محمد طاہر القادری صاحب جیسی ہمہ جہت علمی و دینی شخصیت سے ہم نشینی اور دوسرے اپنی درخواست کی قبولیت (نعت چیئر کا قیام) یہ دونوں باتیں میرے لیے روحانی سرشاریوں کا باعث بنیں ۔خدا کرے منہاج القرآن یونیورسٹی میں نعت چئیر کا جلد باقائدہ قیام عمل میں آئے اور امت اس کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہو۔آمین

فروغِ نعت کے نئے آفاق:

فروغِ نعت کے نئے آفاق پر گفتگو کرتے ہوئے مجھے نعت رنگ کے ابتدائی اداریے یاد آرہے ہیں

جن میں اکثر میں نے صنف نعت سے اربابِ ادب کی عدم توجہی کا گلہ کرتے ہوئے ان خواہشات کا اظہار کیا کہ نعتیہ ادب کو بھی ادب سمجھ کر قبول کیا جائے اور اس کے محاسن اور ادبی پہلوؤں کا جائزہ بھی اتنی ہی سنجیدگی سے لیا جائے جتنی سنجیدگی سے ادب کی دیگر اصناف کو دیکھا جاتا ہے۔نعت رنگ کو نعت شناسی کی ایک تحریک کا رنگ دیتے ہوئے یہ بات ہمیشہ میرے پیشِ نظر رہی ہے کہ نعت صرف ایک صنفِ سخن ہی نہیں ہے بلکہ اس کا موضوعِ عظیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس کے حوالے سے اسلام اور امتِ مسلمہ کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔اسی لیے نعت گوئی ہمارے لیے محض تہذیبِ نفس یا تطہیرِ نطق کا وسیلہ نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کی تعمیر، اصلاح اور دینِ اسلام کی تبلیغ و توسیع کا ذریعہ بھی ہے۔درحقیقت نعت رنگ کا سارا سفر اسی شعور کو عام کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔

یہ بات خاصی خوش آئند ہے کہ نعت کے ادبی فروغ کے لیے ’’نعت رنگ‘‘ کی بیس سالہ جدوجہد کے نتیجے میں نعت کی ادبی مقبولیت کا اب ایک ایسا ماحول بن گیا ہے کہ معاصر ادبی منظرنامے پر نعت کے تخلیقی وفور کی ایک تازہ لہر نظر آتی ہے جس میں اردو کے نامور شعرا کے دوش بدوش نوآموز شعرا بھی نعت گوئی کو اپنے تخلیقی اظہار کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔نعت رنگ میں تنقیدی مباحثوں اور مکالموں کے روشن ہونے سے آدابِ نعت گوئی کے باب میں شعرا کا احساسِ ذمہ داری بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ نعت کو تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے میں جو اندیشے مانع تھے وہ دور ہوئے ہیں اور علمی ، لسانی،عروضی اور تنقیدی زاویوں سے بے لاگ گفتگو کی ایک ایسی فضا قائم ہوئی ہے جس ادبی سطح پر نعت کی مقبولیت میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے نعت کو دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کرنے والے حلقوں میں بھی اس کو بطورِ صنفِ سخن دیکھنے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں۔اس عمل میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں طرح کے ادبی ادارے اب خاصے فعال نظر آرہے ہیں۔بقول مجازؔ کچھ اس طرح کا منظرنامہ بن رہا ہے :

ذہنِ انسانی نے اب اوہام کے ظلمات میں
زندگی کی سخت طوفانی اندھیری رات میں
کچھ نہیں تو کم سے کم خوابِ سحر دیکھا تو ہے
جس طرف دیکھا نہ تھا اب تک، ادھر دیکھا تو ہے

جشنِ نعت، حیدرآباد دکن:

۲۰۰۲ میں ادارۃ الانصار اور سالارِ جنگ میوزیم حیدرآباد دکن کے زیرِ اہتمام دو روزہ عظیم الشان کل ہند سیمینار بعنوان ''جشنِ نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' منعقد ہوا۔ ہندوستان بھر سے اہم ادبی شخصیات نے اس سیمینار میں شرکت کی اور مقالات پیش کیے۔ انہی مقالات پر مشتمل ایک مجموعہ ''مقالاتِ نعت'' میرے پیشِ نظر ہے جسے اسد سنائی (جو خود بھی دکن ایک معتبر نعت گو ہیں) نے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد، دکن نے قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے تعاون سے دسمبر ۲۰۱۳ء میں شائع کی ہے۔ مقالات کے اس مجموعے میں ڈاکٹر شاہ خسرو حسینی، ڈاکٹر قاضی جمال حسین، سلیم شہزاد، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، علیم صبا نویدی، ڈاکٹر مصطفیٰ شریف، ڈاکٹر سید طلحہٰ رضوی برق، ڈاکٹر محمد علی اثر، ڈاکٹر رحمت یوسف زئی، ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس، سکندر احمد، ڈاکٹر لطف الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالحمید، ڈاکٹر راہی فدائی، ڈاکٹر مظفر شہ میری اور ڈاکٹر سید شاہ محمد حسیب الدین حمیدی کی تحریریں شامل ہیں۔ نعت کے ایک خدمت گزار کی حثیت سے یہ بات میرے لیے نہ صرف بہت اہمیت رکھتی ہے بلکہ خوشی کا باعث بھی ہے کہ اس مجموعے کے تمام مقالہ نگار بھارت ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب پاکستان کی طرح بھارت میں بھی نعت شناسی کی فضا بن رہی ہے۔ بھارت کی جامعات میں نعت پر لکھے جانے والے تحقیقی مقالات سے قطع نظر اب اس طرح کے ادبی اداروں کا وہاں نعتیہ ادب پر سیمینار منعقد کرنا اور ان میں پیش کیے گئے مقالات کا سرکاری اداروں

کے تعاون سے شائع ہونا، نعت شناسی کے بڑھتے ہوئے رجحان کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب جناب وہاب اشرفی کے رسالے ''مباحثہ'' میں کچھ پرانے ترقی پسندوں اس تعصب کے برملا اظہار کی گونج سنائی دے رہی تھی کہ ادبی رسائل میں حمد و نعت کے شائع ہونے سے اردو جیسی سیکولر زبان کے متاثر ہونے کا خطرہ ہے۔ مقالاتِ نعت کی اشاعت کے اور ادبی رسائل و جرائد میں نعت کی شمولیت باعثِ اطمینان ہے۔ نعت رنگ (ہندوستانی ایڈیشن) اور جہانِ نعت (مدیر: غلام ربانی فدا) جیسے نعتیہ جرائد کا بھارت سے اشاعت پذیر ہونا، ادبی پرچوں کا نعت کو اپنی اشاعتوں کی اپنی زینت بنانا اور نعت نمبروں کی اشاعت کا اہتمام کرنا وہاں کے ادبی منظرنامے پر ایک مثبت تبدیلی کی علامت ہے۔

عالمی اردو کانفرنس اور نعت:

۱۹/۱۱کتوبر ۲۰۱۴ء کو آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی کے زیرِ اہتمام ساتویں عالمی اردو کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں پہلی بار نعت پر بطور صنفِ سخن ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس کا عنوان ''اردو زبان اور نعتیہ ادب'' تھا۔ یہ اجلاس جن حالات میں منعقد ہوا اور جیسی بے توجہی کا شکار رہا اس کے باوجود، آرٹس کونسل کے اربابِ حل وعقد کو مبارکباد پیش کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی لمحہ تھا جب نعت کو بطور صنفِ سخن پہلی بار کسی عالمی اردو کانفرنس میں جگہ ملی۔ اس اجلاس کی صدارت افتخار عارف نے کی اور اظہارِ خیال کرنے والوں میں پروفیسر سحر انصاری، ڈاکٹر عزیز احسن، گوہر اعظمی، شوکت عابد، احمد شاہ، محمود احمد خان اور راقم الحروف شامل تھے۔ آرٹس کونسل کے سیکریٹر جنرل، جناب احمد شاہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ آئندہ آرٹس کونسل کے زیرِ اہتمام ہونے والی عالمی اردو کانفرنس میں نعتیہ شاعری پر ایک اجلاس ہمیشہ منعقد کیا جائے گا۔ ہم نعت ریسرچ سینٹر کی جانب سے آرٹس کونسل، پاکستان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے نعت شناسی کی تحریک کو آگے بڑھانے میں اپنا کردار

ادا کیا۔

انجمن ترقیِ اردو اور نعت:

۱۷؍جنوری 2015 کو انجمن ترقی اردو، کراچی نے پہلی مرتبہ ایک مذاکرہ بعنوان ’’صنفِ نعت، ادبی اور ثقافتی ورثہ‘‘ منعقد کیا۔ جس میں شیخ الجامعہ اردو یونیورسٹی جناب ڈاکٹر ظفر اقبال، ڈاکٹر پیرزادہ قاسم رضا صدیقی، ڈاکٹر ستیہ پال آنند، پروفیسر سحر انصاری، پروفیسر انوار احمد زئی، ڈاکٹر عزیز احسن، محترمہ شائستہ زیدی، طاہر سلطانی، صاحبزادہ عباس وغیرہم نے مقالات پیش کیے اور ڈاکٹر فاطمہ حسن نے بحسن و خوبی اس اجلاس کی نقابت کے فرائض انجام دیے۔ اس مذاکرے میں مقررین اور مقالا نگاروں کے علاوہ شہر کے کثیر اہلِ علم نے شرکت کی ۔اس کاوش پر انجمن ترقی اردو کے اربابِ بست و کشاد ہماری دلی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

حلقہء اربابِ ذوق، کراچی:

۲۲؍جولائی ۲۰۱۳ء کو آرٹس کونسل کراچی میں، حلقہء اربابِ ذوق کی تنقیدی نشست کا اہتمام ہوا جس میں ڈاکٹر عزیز احسن نے ’’نعتیہ ادب میں تنقید کی اہمیت‘‘ پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ بعدازاں اسی حلقے کی ایک اور تنقیدی نشست منعقدہ اتوار ۶؍جولائی ۲۰۱۴ء میں ڈاکٹر عزیز احسن کو ’’آزاد نظم میں نعتیہ اقدار‘‘ کے موضوع پر گفتگو کی دعوت دی گئی اور انھوں نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ ہم حلقہء اربابِ ذوق، کراچی کے احباب کی نعت سے دلچسپی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جناب عقیل عباس جعفری اور ان کے رفقاء کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ اس ادبی فورم پر انھوں نے دیگر اصنافِ سخن کی طرح نعت کو بھی اہمیت دی اور تنقیدی نشست میں اس پر گفتگو کا اہتمام کیا۔

سنڈے میگزین، روزنامہ ’’جسارت‘‘ کراچی اور گوشۂ نعت:

ڈاکٹر عزیز احسن (ڈائرکٹر نعت ریسرچ سینٹر) کو سنڈے میگزین، روزنامہ جسارت، کراچی کے میگزین

اڈیٹر جناب اجمل سراج نے متعدد بار دعوت دے کر ان سے نعتیہ ادب پر کئی مقالات لکھوائے جو میگزین کے ادبی حصے کی زینت بنتے رہے۔ مقالات کا یہ سلسلہ جلد ہی مقبولیت کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ تب اجمل سراج ایک دن نعت ریسرچ سینٹر کے دفتر تشریف لائے اور بڑے خلوص سے یہ تجویز میرے سامنے رکھی کہ جسارت سنڈے میگزین اب اپنا ایک خصوصی صفحہ نعتیہ ادب کے لیے مختص کرنا چاہتا ہے، آپ اس کے لیے کوئی نام تجویز کردیں۔ الحمد للہ! اسی وقت یہ طے ہوا کہ ''نعت کائنات'' کے عنوان سے ایک صفحہ مختص کیا جائے گا جو ادبی صفحات میں ایک جداگانہ تشخص اور تسلسل کے ساتھ شائع ہوتا رہے گا۔ اب اس صفحے پر ڈاکٹر عزیز احسن اور منظر عارفی سمیت دیگر نعت شناسوں کے مضامین اور مختلف شہروں میں منعقد ہونے والے نعتیہ مشاعروں کی رپورٹیں قارئین کی دلچسپی کا باعث بنی ہوئی ہیں۔

جسارت سنڈے میگزین کی اس کاوش کو اسلامی ادب سے دلچسپی رکھنے والے ایک بڑے حلقے نے بالخصوص اور ادبی حلقوں نے بالعموم اپنی پسندیدگی سے نوازا اور اسے مدح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے ایک خوبصورت اسلامی معاشرے کی تشکیل کی کوششوں کا حصہ بھی قرار دیا۔ ہم ''نعت کائنات'' کی کامیاب اشاعتوں پر جناب اجمل سراج اور ان کے ادارے کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا!

سہ ماہی ادبیات، اسلام آباد کا نعت نمبر:

اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ایک سرکاری ادارہ ہے جو پاکستان کی قومی اور علاقائی زبانوں کے ادب اور ادیبوں پر مختلف حوالوں سے کام کرتا رہتا ہے۔ سہ ماہی ادبیات، اسی ادارے کے تحت شائع ہونے والا ایک ادبی جریدہ ہے۔ مقامِ شکر ہے کہ ایک طویل عرصے کے بعد اس ادارے کی توجہ نعتیہ ادب کی جانب بھی مبذول ہوئی۔ ادبیات کا شمارہ ۱۰۱، جنوری تا جون ۲۰۱۴ء نعت نمبر کی صورت

میں منصہء شہود پر آیا۔ ہم اس ضمن میں اکادمی ادبیات پاکستان اور سہ ماہی ادبیات کی مجلسِ ادارت کو اس اہم پیش رفت پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ادارہ ادبیاتِ پاکستان، مستقبل میں نعتیہ ادب کے فروغ میں بھرپور حصہ لیتے ہوئے نعت نمبروں کے ساتھ اور نعتیہ شاعری کے جامع انتخاب کی اشاعتوں کے اہتمام کی طرف بھی توجہ کرے گا۔

نئے دکھ:

نعت رنگ کے ہر شمارے میں تحریر کی ایک منزل ایسی بھی آتی ہے جب میرا قلم وفیات کی وادی میں اترتا ہے ان ساعتوں میں دل کا عجب عالم ہوتا ہے ہزار ضبط کے باوجود بچھڑنے والوں کا غم اشکوں کے سیل رواں کی صورت امنڈ آتا ہے کئی راتیں ایسی گزرتی ہیں جن میں مرحومین کی یادوں کا ہجوم جاگتا ہے اور جگاتا ہے

اشکِ غم و الم سے ہیں آنکھیں بھری ہوئی
پھرتا ہوں کشتیوں میں سمندر لیے ہوئے

(ذوقی مظفرنگری)

ایسی حالت میں حواس پر قابو رکھنا اور کچھ لکھنا کہاں ممکن رہتا ہے! مگر میری خواہش صرف یہ ہوتی ہے کہ اسم محمد صلی اللہ علیہ والہٰ وسلم کے سائبان میں زندگی گزارنے والے ان خوش نصیبوں کا کچھ نہ کچھ تذکرہ مدح نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٰ وسلم کی اس عصری دستاویز میں محفوظ ہوجائے۔ یہ ہماری تہذیبی ضرورت ہے ورنہ ان کے غلاموں کو ہمارے تذکرے کی ضرورت نہیں وہ جس ذکر سے رشتہ قائم کر چکے ہیں وہ ذکر ہی ان کی دائمی زندگی کی ضمانت فراہم کرتا ہے بقول شاہ انصارالہٰ بادی ع

ان پہ مرتے ہیں تو مرتے نہیں مرنے والے

شفیق احمد فاروقی المدنی (مرحوم)

ممتاز ومحترم روحانی پیشوا اورخوبصورت نعت گو شاعرقاضی شفیق احمد فاروقی کراچی سے تعلق رکھتے تھے۔ناظم آباد میں خانقاہ گلزار سعیدیہ ان کا اوران کے سلسلے کا باعظمت نشان ہے ہم ایک ہی شہر کے باسی تھے مگر عجیب بات یہ ہے کہ میری ان سے پہلی ملاقات دیارِحبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہوئی میرے ایک محترم دوست ریاض احمد جو بن لادن کمپنی میں بحثیت سول انجنیئر عرصہ ۳۵ سال سے ملازمت کررہے ہیں اورمکہ المکرّمہ میں مقیم ہیں اورتعمیرات حرمین شریفین میں تکنیکی معاونت فراہم کرنے پر مامور ہیں انہوں نے کئی بارشفیق احمد فاروقی صاحب کا ذکر کیا اورملاقات کے لیے دعوت دی چند برس پیشتر جب میں بغرض ملازمت جدہ منتقل ہوا تو یہ مرحلہ بھی ان کی رفاقت ہی میں طے ہوا اورہم دونوں ایک دن شفیق صاحب سے ملنے گئے جو مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔شفیق صاحب کو میں نے اسم بامسمٰی پایا۔شفقت ،دل جوئی اورمہمان نوازی ان کی شخصیت کے ایسے عناصر تھے جو ان سے ملنے والے اشخاص پر چند ہی لمحوں میں واضح ہوکرایک دائمی نقش قائم کرلیتے تھے اس ملاقات کے بعد ان سے ایک ایسا تعلق خاطر پیدا ہوا جو ان کی زندگی تک قائم رہا اکثرفون پر بات ہوتی وہ اپنے نعتیہ اشعار سناتے اورکئی بار بذریعہ برقی ڈاک اپنا کلام ارسال کرتے جواباً جب میں انہیں فون یاملاقات پر ان کلاموں کے حوالے سے اپنے تاثرات سے آگاہ کرتا تو وہ دعاؤں سے نوازتے ۔نعت رنگ ،میاں محمد طبیب، اوران کے محبوب خلیفہ اورنعت ریسرچ سینٹر کے ڈائریکٹر ڈاکٹر عزیز احسن اکثر ہماری گفتگو کے مشترکہ موضوعات میں ہوتے۔شفیق صاحب کی شخصیت کا سب سے نمایاں رنگ عشق نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا رنگ تھا جو انہیں کراچی سے اٹھا کر مدینہ طیبہ لے آیا تھا مجھے ایسے کئی بزرگوں کی صحبت نصیب رہی ہے جو دنیا کے مختلف حصوں سے اٹھ کر مدینہ طیبہ میں آ گئے کہ انہیں اس عارضی زندگی کے بعد دائمی زندگی کا ہرلمحہ حضورعلیہ الصواۃ السلام کے قدمین میں نصیب ہو۔شفیق صاحب کو بھی میں نے انھی کیفیتوں اوراسی جستجو میں دیکھا بقیع میں آباد ہونے کی حسرت ان کی زندگی کا سرنامہ

اوران کے کلام کی نمایاں خصوصیت تھی۔

تمنا دل میں رکھتے ہیں کہ موت آئے مدینے میں

یہیں پر دفن بھی ہوں ہم تمنا دل میں رکھتے ہیں

تمنا ہے نہ نکلیں ہم کبھی باہر مدینے سے

رہے جاری کرم پیہم تمنا دل میں رکھتے ہیں

بالآخراس منزل تمنا کو انہوں نے اگست ۲۰۱۴ء میں پالیا اور بقیع میں آباد ہوئے (انااللہ وان الیہ راجعون) ان کے صاحبزادے ضیاء فاروقی صاحب نے جب مجھے یہ خبر دی تو میرے ذہن میں ان کی خوش بختی کے حوالے سے نعت کا یہ شعر تازہ ہوگیا۔

شکر صد شکر کے موت آئی در آقا پر

اب مدینے سے کہیں جانے کا امکان گیا

کیف رضوانی (مرحوم)

کھو جانا اپنی ذات میں اک عام بات ہے

انساں وہی ہے جس کو غم کائنات ہے

اس خوبصورت شعر کے خالق اورممتاز مزاح نگار کیف رضوانی ۲۸ ستمبر ۲۰۱۴ ءکو کراچی میں وفات پاگئے (انااللہ وان الیہ راجعون) ان کا اصل نام سید فخر الحسن تھا ان کے کالموں کا مجموعہ ’’کانا پھوسی‘‘ اورشعری مجموعہ ’’سحر گزیدہ‘‘ کے نام سے شائع ہوچکا تھا وہ اشتہار سازی کے ادارے سے منسلک رہے ۔کئی فلموں کے نغمات بھی کیف رضوانی کی شہرت کا ذریعہ بنے اورمزاح نگاری میں بھی ان کا نام خاصا نمایاں رہا مگر مجھے یہ کیف رضوانی ایک درویشانہ رنگ میں ملے جس کا نقش اب تک میرے ذہن پر قائم ہے ایک محفل نعت کے اختتام پرایک بزرگ مجھ سے ملے ۔روشن نورانی چہرہ جس پرخوبصورت

ریش مبارک اپنی بہار دکھارہی تھی متانت وجاہت اور گہری سنجیدگی ان کی شخصیت کے حسن کو مزید نمایاں کررہی تھی میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت دھیمے اور اپنائیت بھرے لہجے میں بولے میرا نام کیف رضوانی ہے اور پھر ایک لفافہ تھماتے ہوئے بولے اس میں میری ایک نعت ہے جو میں نے آپ کے ایک کلام سے متاثر ہوکر لکھی ہے آپ کے لیے لایا تھا۔میں نے شکریہ کا اظہار کیا اور وہ لفافہ لے لیا پھر چند لمحوں میں کیف صاحب حاضرین کے ہجوم میں کہیں گم ہوگئے بعدازاں ان کا مجموعہ کلام دیکھنے کا موقع ملا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ان کی شاعری کا ہر پہلو اور ہر موضوع اس امر کا مظہر تھا کہ وہ اپنے گرد وپیش کی سیاسی ،سماجی اور اس میں سانس لینے والی اجتماعی زندگی کے بناض وترجمان ہیں ان کی عطا کردہ نعت نے بھی مجھے روحانی سرشاریوں سے ہم کنار کیا۔انہوں نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے شدید اور سچے جذبے کوشعری معیارات کے ساتھ نہایت خوبصورتی سے پیش کیا ہے چند شعر آپ بھی ملاحظہ فرمایئے اوران کے لیے دعائے مغفرت میں میرے ہمنوا بن جایئے۔

تقدیر سنور جائے سرکار کے قدموں میں
یہ جان اگر جائے سرکار کے قدموں میں
اک بار رکھوں اُن کے قدموں میں یہ سراپنا
پھر عمر گذر جائے سرکار کے قدموں میں
یہ کیفؔ کی حسرت ہے ڈھل جائے وہ خوش بو میں
اور جاکے بکھر جائے سرکار کے قدموں میں

ابھی میں یہ سطور لکھ ہی رہا تھا کہ جناب شوکت عابد صاحب جوکیف رضوانی کے دیرینہ رفیق کار تھے تشریف لائے ۔انہیں معلوم ہوا کہ میں کیف رضوانی پرکوئی تعزیتی نوٹ لکھ رہاہوں توانہوں نے ایک ایسا واقعہ سنایا کہ مجھے کیف رضوانی کے کلام میں کیفیت اوروارفتگی کی اصل وجہ معلوم ہوگئی بقول شوکت

عابد، کیف رضوانی نے انہیں ایک دن بتایا کہ ان کے کوئی دوست عمرہ پر تشریف لے گئے تو انہیں روضہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٰ وسلم سے آواز آئی کہ کیف رضوانی سے کہو کہ نعت لکھے اور یہ بات بتانے کے بعد کیف رضوانی زاروقطار رونے لگے انہوں نے کریم آقا صلی اللہ علیہ والہٰ وسلم کے اس پیغام کے بعد غزل گوئی ترک کر کے نعت گوئی شروع کی ۔اپنے خوبصورت ترنم سے شاعروں کو لوٹنے والے کیف رضوانی حکم سرکار کے کیف میں ایسے گم ہوئے کہ صرف اور صرف نعت ہی کے ہو کر رہ گئے ۔یہ بات سن کر میرے دل میں یہ خیال مزید راسخ ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٰ وسلم کا اپنے اُمتیوں سے تعلق کس درجہ قوی ہے جس پر ان کی چشم عنایت پڑ جائے اسے نعت گوئی کی توفیق مل جاتی ہے مگر نعت گوئی کا حکم کیف رضوانی کو تو بہت واضح اور حکمیہ انداز میں ملا تھا۔ مجھے اُن کی قسمت پر رشک آ رہا ہے ۔ ع

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کے جائے ہے!

کاش ان کے اہل خانہ کیف رضوانی کے قلمی سرمائے سے ان کی نعتوں کو علیٰحدہ کر کے شائع کرنے کا اہتمام کرسکیں۔

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج (مرحوم)

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج ۱۹۶۰ء میں کراچی میں پیدا ہوئے ۔حفظ قرآن ،قانون ،صحافت اور مطالعات اسلامی میں تعلیمی اسناد حاصل کرنے کے بعد انہوں نے قرآن مجید کے آٹھ منتخب تراجم کو اپنی تحقیق کا موضوع بنا کر پی ایچ ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی ۔قرآن فہمی ان کے ذوق اور شوق کا محور رہی ۔ سو (۱۰۰) کے قریب تحقیقی مقالات اور پندرہ چھوٹی بڑی فکر انگیز کتابیں ان کا تحریری اور علمی اثاثہ ہیں۔التفسیر کے نام سے ایک خالص علمی و تحقیقی جریدہ بھی نکالتے رہے ۔جامعہ کراچی کے شعبۂ

مطالعات اسلامی کے صدر شعبۂ ڈین اور سیرت چئیر کے ڈائریکٹر تھے۔ایک متحرک ، فعال اور وسیع النظر اور وسیع القلب شخصیت جس نے کراچی کے خون آشام ماحول میں ظلم تعصب تفرقہ بازی اور جہل کی تاریکی کو علم کے چراغوں سے کم کرنے کے کوشش میں اپنی زندگی صرف کی بالآخر ۱۸/ستمبر ۲۰۱۴ء کو اس جہاد میں جام شہادت نوش کر کے اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔(انا اللہ وان الیہ راجعون)
موصوف کو شاعری سے بھی شغف رہا۔چند نعتیں بھی ان کے سرمایہ علمی سے فراہم ہوئی ہیں ان کی ایک نعت ۲۰۱۲ء میں نعت رنگ شمارہ ۲۳ کی زینت بنی جوان کے نصیب العین جذبہ عمل اور عشق کا اعلامیہ تھی اس میں سے چنداشعار ملاحظہ ہوں:

ان کے نام پاک پر مرجایئے — موت کو فخر شہادت کیجیے
مزرع اسلام کو پھر سینچ کر — قلبِ کافر پر قیامت کیجیے
حق پرستی کی سزا کیونکر ملے — آگے بڑھیے اور جرأت کیجیے
حق نے باطل کو مٹایا جس طرح — پھر اسے زندہ حقیقت کیجیے
فیصلہ کن انقلاب آنے کو ہے — پیش دعوے پرشہادت کیجیے

موت کو فخر شہادت بنا لینے والے اس باعمل عالم اور نعت گو کی یاد ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہے گی۔

ڈاکٹر مظفر حسن عالی (مرحوم)

ڈاکٹر مظفر حسن عالی یکم مئی ۱۹۵۹ء میں بہار میں پیدا ہوئے۔میرا ان سے ابتدائی تعارف سہ ماہی الکوثر سہسرام کی وساطت سے ہوا جو مجھے جناب مولانا ملک الظفر سہسرامی کی طرف سے گاہے گاہے ملتا رہا۔ان شماروں میں مجھے جناب مظفر حسن عالی کی تحریروں نے خصوصی طور پر متاثر کیا ان کی تحریر کا اسلوب اوران کا اندازِ فکر دونوں اس بات کو ظاہر کرتے تھے کہ وہ ادب کے نئے فکری زاویوں

اور جدید مسائل سے آگاہ بھی ہیں اور ان پر گفتگو کا شعور بھی رکھتے ہیں یہ بات بھی اہم تھی کہ وہ ادب اور زندگی دونوں میں روایات کے احترام کو بھی برقرار رکھتے ہوئے ہر قسم کی فکری اور فنی بے راہ روی سے اجتناب برتنے کے قائل تھے ۔اس توازن نے ان کی تحریروں کو قابل توجہ بنا دیا تھا ان کا ایک مضمون اردو کی نعتیہ شاعری کا تاریخی وتہذیبی مطالعہ جب میری نظر سے گزرا تو مجھے خوشی ہوئی کہ ادب کے دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ فن نعت گوئی پر بھی ان کی گہری نظر تھی یہ مضمون ان کی کتاب ''نغمہ وحدت کا شاعر ساحر شیوی''میں شامل تھا جو ساحر شیوی صاحب کے مذہبی کلام کے حوالے سے لکھا جانے والا ایک اہم مقالہ ہے۔ ۱۶جون ۲۰۱۴ء کو ڈاکٹر مظفر حسن عالی اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے (انا اللہ وان الیہ راجعون) ان کی رحلت کی اچانک اطلاع نے خاصا آزردہ کیا کاش وہ کچھ اور وقت زندہ رہتے اور مزید کچھ ایسے وقیع مضامین صنف نعت پر لکھ سکتے ۔سچ کہا نذیر فتح پوری نے:

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس

ورنہ دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لیے

چوہدری فضل حق (مرحوم)

نعتیہ کتب کے مطالعے کا ذوق مجھے بچپن سے رہا نعتیہ کتابیں تلاش کرنا اور انہیں جمع کرنا میری روحانی تسکین کا سبب بنتا رہا اوائل عمری ہی میں جن لوگوں کے نام نعت گوئی کے حوالے سے تواتر سے سامنے آتے رہے ان میں ایک نام فضل حق کا بھی تھا۔ اردو اور فارسی میں ان کی نعتیں اپنے استادانہ رنگ وآہنگ اور شاعرانہ حسن کی وجہ سے الگ پہچان رکھتی ہیں ۔نثر و نظم دونوں شعبوں میں ان کا کام قابل قدر ہے وہ ۱۹۲۳ء کو ضلع گجرات کے گاؤں مرالہ میں پیدا ہوئے ۔ڈسٹرکٹ بورڈ کھاریاں سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور میٹرک مسلم زمیندار ہائی اسکول گجرات سے کیا جب کہ بی ۔اے زمیندار کالج گجرات سے کیا۔ فوج اور پولیس کے محکموں میں ملازمت کی اور پولیس میں انسپکٹر جنرل کے عہدے

تک ترقی پائی ۔ ریٹائرمنٹ سے پہلے کچھ عرصہ وزارت داخلہ میں سیکرٹری بھی رہے ایک قومی روزنامے میں بھی آپ کے کالم'' گاہے گاہے باز خواں'' کے نام سے شائع ہوتے رہے۔مطبوعہ کتب میں آہنگ حجاز، مہر عرب، غم صحرا، سوئے حرم، خار مژگان اورسورج شامل ہیں ان کی ایک نعت کے چند شعر ملاحظہ فرمائیں اورذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے ان کے عشق کی حدت کومحسوس کریں:

پھر مہرباں ہواہے غم فرقتِ رسول طے ہوگا اب کے مرحلہ مدحتِ رسول

جاں کو بہم کروں سرمژگاں کو نم کروں تب جاکے نقش ہوگا خطِ عظمتِ رسول

بے اذن لب کشا ہو کسے اختیار ہے نعت رسول ہے اثرِ شفقتِ رسول

ہنگامِ عرضِ غم مجھے درکار ہے فقط اک موجِ نیم تیری یمِ رحمتِ رسول

خواہش بھی جس میں،ڈر بھی ہوجس میں یقیں بھی ہو ہے وہ غمِ لطیف فقط نعمتِ رسول

اس کے لیے قبول ہے دل کا زیاں مجھے جاں سے عزیز تر ہے مجھے حسرتِ رسول

۲۰۱۴ء میں یہ اہم نعت گوشاعر ہم سے جدا ہوکر سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔(انا اللہ وان الیہ راجعون)

سرشار صدیقی (مرحوم)

سرشار صدیقی کا شمار عصر حاضر کے معروف شاعر، ادیب اورکالم نگاروں میں ہوتا تھا ان کا اصل نام اسرار حسین محمد ارمان تھا۔وہ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کوکان پور میں پیدا ہوئے۔پتھر کی لکیر، زخم گل، ابجد، بے نام، خزاں کی آخری شام، ہجرت پہ مامور ہیں ہم، تشکیلِ سرشار صدیقی، باز دید اور اعتبار ان کے شعری مجموعے ہیں جو زیورطبع سے آراستہ ہوئے ۔نثری کتب میں حرف مکرر، شنیدہ، اجمال ، رفتگاں ، واحد متکلم اور ہراول دستہ، شائع ہوچکی ہیں جب کہ نعتیہ ادب کو انہوں نے دوخوبصورت شعری مجموعے

عطا کیے جن میں اساس اور میثاق شامل ہیں ان دونوں مجموعوں میں شامل نعتیہ غزلوں اور نظموں میں عصری حسیت اور شاعرانہ شعور نے مل کر نعت کے موضوعات اور اسالیب کو مزید وسعت آشنا کیا ہے۔ پایانِ عمر میں حرمین شریفین کی متواتر حاضری نے ان کے کلام اور زندگی میں حضوری کی کیفیت کو خاصا گہرا کر دیا تھا۔نئی اردو نعت کے کسی بھی ادبی جائزے کو سرشار صدیقی جیسے تازہ کار اور باشعور نعت نگار کے ذکر کے بغیر مکمل کرنا یقیناً دشوار ہوگا۔

۲۰۱۴ء کو سرشار صدیقی بھی ایک کامیاب ادبی اور روحانی زندگی گزار کر یقیں کی اس روشنی کو ساتھ لیے ہوئے راہی ملک عدم ہوئے :(انا اللہ وان الیہ راجعون)

میں خاک پائے رسالت میں گرد راہِ حرم　　　مجھے خدا کی زمیں پر کہیں بھی دفن کرو

میں روز حشر جہاں سے اٹھایا جاؤں گا　　　وہ ارض شوق مری جنتِ یقیں ہوگی

وہ سرزمین مدینے کی سرزمیں ہوگی

جاوید احسن خان (مرحوم)

معروف شاعر و ناقد جاوید احسن کا تعلق ڈیرہ غازی خان سے تھا ان کی پیدائش یکم دسمبر ۱۹۴۸ء تحصیل تونسہ میں ہوئی وہ زندگی بھر شعر و ادب کی خدمت کرتے رہے ڈیرہ غازی خاں میں نیشنل سنیٹر کے ریز یڈنٹ ڈائریکٹر بھی رہے ان کی مطبوعہ کتب میں جمالِ صحرا،لوح شفاعت اور چشمِ غزال شامل ہیں جب کہ نثری کتب میں سرائیکی ثقافت اور فی احسن تقویم شامل ہیں۔ جاوید احسن صاحب سے میرا تعلق اس وقت قائم ہوا جب ان کی کتاب فی احسن تقویم (نعتیہ شاعری کا تنقیدی جائزہ) شائع ہوئی۔ یہ سات ابواب پر مشتمل ۱۴۴ صفحات کی کتاب ہے جو اختصار، سادگی، دردمندی،صدق نیت اور حب رسول کی غیرت کے اجزا سے مملو ہے وہ نعت رنگ کے باقاعدہ قاری تھے۔''نعت نامے'' مرتبہ (ڈاکٹر محمد سہیل شفیق مطبوعہ ۲۰۱۴) کے صفحہ نمبر ۶۲۱ پر ان کا ایک خط میرے نام موجود ہے جس میں :

نعت رنگ کے بارے میں ان کا اظہار پسندیدگی اورنعت سے شغف دونوں نمایاں ہیں'' لوح شفاعت'' ان کا نعتیہ مجموعہ ہے ۔ ۲۰۰۹ء میں شائع ہونے والا یہ خوبصورت مجموعہ ان کے عشق اورفنی ریاضت کا آئینہ ہے ۔۵ اکتوبر۲۰۱۴ءکو یہ خادم نعت اپنا توشہ آخرت ''لوح شفاعت'' لیے ہوئے اپنے رب کی طرف کوچ کرگیا۔(اناللہ وان الیہٰ راجعون)

رب جہاں ہے شانِ جلالت لیے ہوئے
نکلا ہے آفتاب قیامت لیے ہوئے
جاوید !بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں
روز حساب'' لوحِ شفاعت'' لیے ہوئے

محمدعبدالقیوم خان طارق سلطان پوری (مرحوم)

شعر وادب کی دنیا میں طارق سلطان پوری کے نام سے متعارف' محمد عبدالقیوم جنوری ۱۹۶۱ءکوحسن ابدال کے شمال میں ایبٹ آباد سے تقریباً سات میل کے فاصلے پروادی ہرو میں سلطان پور نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ۔میٹرک کا امتحان حسن ابدال سے پاس کیا بعدازاں دورانِ ملازمت کراچی سے منشی فاضل ،فاضل اردو کے امتحانات پاس کیے اور پھرکراچی یونیورسٹی ہی سے گریجویشن کے بعد۱۹۷۲ء میں کراچی یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی اور پہلی پوزیشن حاصل کی ۔وہ نیشنل بینک کراچی میں برانچ منیجر کی حیثیت سے تقریباً بیس سال تک اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے ان کا سلسلہ ارادت گولڑہ شریف سے جڑا ہوا تھا۔ان کی ادبی خدمات کا دائرہ نصف صدی کو محیط ہے''ماہ طیبہ'' کوٹلی لوہاراں کے پرانے شمارے اس بات کے گواہ ہیں کہ طارق سلطان پوری کب سے نعت کے دامن سے وابستہ تھے ان کی اکثر ایمان افروزنعتیں جو اکثر مولانا احمد رضا خاںؒ کی زمینوں میں ہیں ان شماروں میں نظر آتی ہیں''ماہ طیبہ'' کے مدیر مولانا ابوالنور محمد بشیر اپنے رسالے میں اکثر

طرحی مصرعے دیتے جس میں زیادہ تر مصرعے مولانا احمد رضا خاںؒ فاضل بریلوی کے ہوتے تھے اور یوں اس وقت کے نامور شعرا کلام رضا پر نعتوں کے چمن زار سجاتے رہے کاش کہ کوئی صاحب ہمت ''ماہ طیبہ'' کی فائلوں سے عقیدت ومودت کے ان گلابوں کو جمع کر کے گلدستہ کی صورت میں مرتب کر سکے۔

طارق سلطان پوری کے شعری اظہار پر فکر اقبال واحمد رضاؒ کی چھاپ بہت واضح دکھائی دیتی ہے انہوں نے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاںؒ کی زمینوں میں درجنوں نعتیں تخلیق کی ہیں اعلیٰ حضرت سے ان کی عقیدت کا ثبوت ان کی ایک نعت میں اس طرح بھی سامنے آیا ہے:

موج زن جذبہ تقلید رضا ہے دل میں
اسی جذبہ سے لکھا ہے یہ قصیدہ ترا

طارق سلطان پوری کی قدرت کلام اور زود گوئی دونوں ہی متاثر کن تھیں ایک طرف نعت کے معاصر منظر نامے پر ان کی نعت گوئی ان کے تعارف کا قوی حوالہ بن چکی تھی اور دوسری طرف مادہ ہائے تاریخ نکالنے میں ان کی مہارت نے انہیں بطور تاریخ گو درجہ استناد پر فائز کر دیا تھا انہوں نے اپنے کثیر نعتیہ کلام کے سرمائے کے علاوہ مادہ ہائے تواریخ کا ایک بڑا خزانہ بھی اپنے پیچھے چھوڑا ہے جو عصری شخصیات ،مطبوعات اور اہم واقعات کے حوالے سے یقیناً حوالے کی چیز ہے ہم عصر نعت نگاروں کی کتب اور ان کی تاریخ وفات وتقاریب اجرائے کتب وغیرہ کے حوالے سے اگر کوئی سلطان پوری کی کہی ہوئی تاریخوں کا جائزہ لے تو نعت کا پورا عصری منظر نامے سامنے آجائے گا۔یقیناً نعت سے الفت اور نعت کی خدمت کے جذبے کو نمایاں کرنے کے لیے ان کا یہ کارنامہ کافی ہے۔ڈاکٹر شہزاد احمد نے مجھ سے ان کی تین نعتیہ تضمینوں کا ذکر کیا جو سلام رضا پر لکھی گئی ہیں میرے خیال میں یہ اعزاز بھی اردو کے کسی اور شاعر کو شاید ہی حاصل ہوا ہو کہ اسے سلام رضا پر تین تضمین کہنے کی سعادت نصیب

ہوئی ہو مگر میرے پیش نظر ان کی دو مطبوعہ تضمین ہیں ایک ''بارانِ رحمت'' اور دوسری ''برہانِ رحمت'' یہ دونوں تضمین علیحدہ علیحدہ کتابچوں کی صورت میں ایک ہی سال یعنی ۲۰۰۵ء میں رضا اکیڈمی لاہور سے شائع ہوئی ہیں ان کے علاوہ مرحوم کی کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری اتنی طویل مدت تک نعت کے گلستاں کو اپنے خون جگر سے سینچنے والے قادر الکلام شاعر کے نعتیہ کلام کا شائع نہ ہونا عصر حاضر میں فروغ نعت کے دعوے داروں کے اجتماعی رویے پر ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔

صابر شاہ بخاری نے ماہ نامہ نعت کے شمارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۹۴، ضلع اٹک کے نعت گو شعرا میں ان کی درج ذیل غیر مطبوعہ کتب کا ذکر کیا ہے کاش یہ سرمایہ جلد زیورطبع سے آراستہ ہو کر محفوظ ہو سکے:

(۱) علایق بخشش (نعتیہ کلام)

(۲) چادر بخشش (نعتیہ کلام)

(۳) مضراب (غزلیات)

(۴) آوازہ حق (سیاسی نظمیں)

(۵) تاریخ راج (کتب ورسائل پر تاریخی قطعات)

(۶) ربابِ تاریخ (ممتاز علما مشائخ کرام کے وصال پر قطعات)

(۷) خیابان عقیدت (مناقب)

(۸) چادر رحمت (قصیدہ بردہ شریف کا منظوم اردو ترجمہ)

۱۸/ اپریل ۲۰۱۵ء کو یہ اہم نعت نگار اس جہانِ فانی سے اس یقین کے ساتھ کوچ کر گیا۔ (انا اللہ وان الیہ راجعون)

جلوۂ روئے محمد کا ہے واصف طارق
اس کی تربت میں اجالے ہی اجالے ہوں گے

نصرت نعیمی (مرحوم)

مولانا رجب علی خان نعیمی المتخلص نصرت نعیمی ایک مستند عالم دین، شعلہ نوا خطیب خوش فکر نعت گو اور خوش آواز نعت خواں تھے۔ مولانا کی پیدائش ۱۵ مئی ۱۹۴۶ء کو کراچی میں ہوئی ان کے اجداد کا مسکن اجمیر شریف تھا مولانا ابتدا میں بطور نعت خواں محافلِ نعت میں شرکت کرتے رہے مگر جب علما

کی صحبت میسر آئی تو علم دین سیکھنے کا شوق دامن گیر ہوا اور آپ نے جامع مسجد اللہ والی لائنز ایریا میں دارالعلوم قادریہ نعیمیہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۴ء میں سند حاصل کی ۔مولانا کی مقبولیت اور تعارف کا دائرہ نعت خوانی کی وجہ سے شروع ہی میں خاصا وسیع ہو چکا تھا کیونکہ وہ بیک وقت عربی، فارسی ، پنجابی ، گجراتی اور اردو میں نعت پڑھنے کی صلاحیت رکھتے تھے مگر جب بحثییت عالم دین انہوں نے جوشِ خطابت کے جوہر دکھانے شروع کیے تو انہیں اہلسنت والجماعت کے اکابر علما کی محبتیں اور سرپرستی بھی حاصل ہوئی اور یہیں سے مولانا کی تبلیغی اور سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔انہیں علامہ شاہ احمد نورانی ،علامہ شاہ فرید الحق سمیت دیگر جدید علما کی قربت اور رفاقت نے مزید مستعد اور فعال کیا اور یوں مولانا عقیدہ وعقیدت کے تحفظ کے لیے ان اکابر علما کے ساتھ مصروف عمل رہے نعت سے مولانا کے شغفِ نعت نے انہیں نعت خوانی سے نعت گوئی تک کا سفر کروایا جب ان کا مجموعہ کلام ''سعادت کے موتی ۱۹۹۴ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا تو مجھ سمیت کئی احباب خوشگوار حیرت سے دوچار ہوئے زبان وبیان کے ساتھ شائستگی اور تخلیقی شعور نے ان کے کلام میں عشق بنی کریمؐ کی روشنی کو مزید نمایاں کر دیا تھا۔مولانا شاعری میں افسر صابری کے شاگرد تھے ۲۲ فروری 2015ء کو یہ اہم عالم دین اور باشعور نعت نگار نہایت خاموشی سے اس دنیا سے رخصت ہو گیا میں ملک سے باہر تھا واپس آیا تو یہ خبر جناب منظر عارفی کی وساطت سے مجھ تک پہنچی ۔نہ کسی اخبار میں کوئی خبر دیکھی نہ اہل سنت والجماعت کے حلقوں میں کوئی نمایاں ذکر سامنے آیا۔افسوس کہ اپنے درمیان زندگی کی علامت بن کر رہنے والے لوگوں کو ہم کتنی جلدی فراموش کر دیتے ہیں آئیں مولانا کے کچھ نعتیہ اشعار پڑھ کر ان کے لیے دعا کو ہاتھ اٹھاتے ہیں:

جب لیا نام مصطفیٰ میں نے پا لیا دل کا مدعا میں نے

زندگی کو قریب سے دیکھا آپ کو یاد جب کیا میں نے

ہوگئیں ساری مشکلیں آسان　　یانبی دل سے جب کہا میں نے

توشۂ یادِ مصطفیٰ کے سوا　　کچھ نہ زادِ سفر لیا میں

شافعِ روزِ حشر کے صدقے　　بخشوائی ہے ہر خطا میں نے

دامن شاہِ دیں میں اے نصرت　　رحمتِ حق کو پا لیا میں نے

چند مرحوم ثناخواں رسول صلی اللہ علیہ والہٰ وسلم:

پچھلے دنوں ہم سے بچھڑنے والوں میں بعض اہم نعت خواں حضرات بھی شامل ہیں جو ایک طویل مدت تک اپنی مترنم آوازوں میں ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٰ وسلم کی خوشبو سے ہمارے معاشرے کو معطر کرتے رہے ان کا عشق نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٰ وسلم کی تبلیغ میں ثناخوانی کے ذریعے مصروف رہنا ان کی محبوبیت اور مقبولیت کا سبب رہا ایسے محترم ثناخوانوں میں سید اوصاف علی شاہ ۶/ اگست ۲۰۱۴ء کو لاہور میں، حافظ محمد حسین کسووال ۱۲/ اپریل ۲۰۱۵ء کو کسووال میں، معروف نعت گو اور نعت خواں عبدلستار نیازیؒ کے بڑے صاحبزادے اور معروف ثناخواں محمد شاہد نیازی یکم/مئی ۲۰۱۵ء کو لاہور میں جبکہ کراچی سے تعلق رکھنے والے سنئیر ثناخواں مجیب الرحمٰن صدیقی ۱۲/فروری ۲۰۱۵ء کو کراچی میں انتقال فرماگئے۔(انااللہ وان الیہ راجعون) دم تحریر ان تمام ثناخوانوں کی آوازوں میں ان کے مختلف نعتیہ کلاموں کی بازگشت میری سماعت کو آسودہ کررہی ہے مگر مجیب الرحمٰن صدیقی کی پڑھی ہوئی منور بدایونی کی اس نعت کی صدا ان میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

نعتِ محبوب داور سند ہوگئی　　فروِعصیاں مری مستند ہوگئی

مجھ سا عاصی بھی آغوش رحمت میں ہے　　یہ تو بندہ نوازی کی حد ہوگئی

عمر بھر میں نے دنیا میں نعتیں پڑھیں　　میری بخشش یہیں مستند ہوگئی

جو تجلی منور مرے دل میں تھی　　　　　　وہ پسِ مرگ شمعِ لحد ہوگئی

رب کریم اپنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٰ وسلم کے ان تمام ثنا خوانوں کی مغفرت فرمائے ۔

آمین۔

ڈاکٹر ریاض مجید۔فیصل آباد

قصیدۂ دعائیہ نعت رنگ کے لیے

نعت رنگ اپنی اشاعت کے پچیسویں پڑاؤ پر ہے ہم سب نعت کار ہی نہیں آنے والے ہر زمانے کے نعت کاروں کے لئے بھی یہ لمحہ مسرّت ہے اور ایک حوالے سے گزشتہ تمام نعت کاروں کی ارواحِ طیبہ کے لئے بھی خوشی کا باعث ہے۔کوئی قدر، روّیہ، خیال، نیک نیتی کے ساتھ اپنے تسلسل میں زندہ رہے تو وہ قدر ماضی، حال وآئندہ سب کے لئے فخر ومباہات کا سبب بنتی ہے۔قدریں، خلا میں زندہ نہیں رہتیں، مسلسل دہرائے جانے کے عمل کے ساتھ اپنی شناخت پکڑتی ہیں اور وقت کے ساتھ اُن کے رنگ اور گہرے ہوتے ہیں مستقبل پر تو ان کے اثرات پڑتے ہی ہیں ماضی کے کئی وابستگان بھی اس قدر کے حوالے سے ہر آتے۔دور میں اپنی پہچان تازہ کراتے ہیں۔نعت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم تو ایسی صنف شعر ہے کہ اپنے ممدوح کی بعثت سے قبل ہی اپنے کئی مبارک حوالے رکھتی ہے۔کتب سماوی اور نبیٔ منتظر کا تذکار صنفِ نعت کی آمد کا وہ پیش خیمہ ہے جس کی سرمدی چاپ کئی ہزاروں (Melliniums) سے آرہی تھی۔

تبعٔ حمیَری اوّل سے منسوب اشعارِ نعت سے شروع ہونے والا طیّب وطاہر سلسلہ، ہر زبان کے ادب اور ہر زمین کے شاعروں سے ہوتا ہُوا اردو شاعری کے دورِ حاضر میں جس وجاہت وافتخار اور اعتماد واعتبار سے برسرکار ہے وہ ایک حیرت وبہجت خیز ظہور (Exposure) لئے ہوئے ہے عربی، فارسی، اردو اور دیگر معلوم اور پاکستانی زبان کے اخبار وجرائد کے علاوہ یہ سلسلہ 'نعت رنگ' میں جس طرح عقیدت آشنا رجحانات ومیلانات کا ترجمان ہُوا ہے اس پر ہر نعت کار کا خوش ہونا ایک فطری

امر ہے۔

سو 'نعت رنگ' کو بہت مبارک—

اس کے مدیر و مرتب کو بہت بہت مبارک—

اور اس سے وابستہ قلمکاروں اور قارئین کو بہت بہت مبارک—

جس جس کی جس حیثیت میں 'نعت رنگ' کے ساتھ نسبت ہے خدا اُسے خوش رکھے اور نعت کی خدمت کے حوالے سے اس کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

'نعت رنگ' نے جن سعید قلمکاروں کو اپنی سلکِ نور میں پرویا ہے ان سب کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں اس موقع پر 'نعت رنگ' کے لئے ایک قصیدہ پیش خدمت ہے یہ قصیدہ، روایتی قصائد کی طرح پُر شکوہ قطعاً نہیں۔ خوشی و سرمستی کا تسلسل سے اظہار محض ہے میں عام طور پر مضامین، تقریظات اور حمد و نعت کی کتابوں کے فلیپوں کے لئے لکھی گئی آرا میں کتاب اور صاحبِ کتاب کے حوالے سے ایک دو رباعیاں بھی محبتاً لکھتا ہوں — برسبیل نعت اور اظہارِ تعلق کے لئے، رباعی کی صنف سے اپنی دیرینہ نیاز مندی برقرار رکھنے کے لئے — مگر 'نعت رنگ' کی کئی دہائیوں کی کارکردگی سے میں اس لمحے اپنے اندر ایسی اطمینان بخش مسرت کا وفور محسوس کر رہا ہوں کہ اس مسرّت کے اظہار کے لئے رباعی [جو پہلے ہی اپنے لکنت انداز اسلوب، سہل آثار رَوش (یہاں سہل، آسان و سادہ نہیں بلکہ تساہل و سست کوش کے مفہوم میں ہے) اور وضاحت گریز صنف ہونے کے سبب کم پڑھی اور کم کم لکھی جاتی ہے] مجھے اپنے فوری اظہار کے لئے قرین مطلب نظر نہ آئی۔ غالب کے مصرع میں یک لفظی تصرف اور مصرع کی بحر میں تغیر کے ساتھ — بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے 'رباعی' [مفاعلن، فعلاتن، مفاعلن، فعلاتن — غالب نے اس آہنگ کو خوبصورتی سے — حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے — والی غزل میں برتا ہے] — سو، میں نے ایک رواں دواں،

’چلنتر‘ سے Run on Line آہنگ میں یہ قصیدۂ نما نظم لکھ دی۔ (یہ نشیب میں لڑھکتا ہوا ایسا پھسلن آمیز آہنگ ہے کہ اس کے سارے اشعار کو بغیر رُکے ایک صوتی اکائی (Sound Unit) ریعنی ایک طویل سانس میں پڑھا جا سکتا ہے۔ فی مصرع چار بار مفاعلن فی شعر آٹھ بار اور پورا نظم پارہ رقصیدہ (x8 کُل اشعار)

’نعت رنگ‘ کے لئے اس قصیدہ نما نظم کا مسوّدہ ایک دو نشستوں میں تیار ہو گیا۔ اس کا مبیضّہ تیار ہونے میں البتہ دو تین نشستیں اور لگیں۔

قصیدۂ دعائیہ

(نعت رنگ کے لئے)

بہ اسمِ ربِّ سیّدؐ الرُّسل شروع کیجئے

دعائیہ قصیدہ ایک — ’نعت رنگ‘ کے لئے

ثبات، نقش کار کا ہے حُسنِ نقش کے سبب

ہیں حُسنِ نقشِ نعت سے ہم ایسے نعت کارئیے

جو بیج تُبعِ حِمیَری نے بوئے تھے — بنے چمن

خوشا کہ ہم فروغِ نعت کے زمان میں جئے

ہم اہلِ حرف کو دیا گیا ثنا گری کا فن
سعادتِ عظیم ہیں جو اِس پہ غور کیجئے
فضول — بے نتیجہ رائیگاں گزرتی عمر میں
خوشا نصیب پَل جو صَرف، سعیٔ نعت میں کئے
ہوئیں قبول بارگاہِ نُور میں وہ ساعتیں
شمارے ذکر کے ہوئے ہیں گھٹلیوں سے ثانیے
مدیرِ 'نعت رنگ' کی ادارہ ساز حیثیت
کو احترام سے، دِلی سلام پیش کیجئے
حُب آشنا ہیں حیرتی سفر یہ کیسے طے ہُوا؟
کچھ آ نہیں رہا سمجھ، جہاں تلک بھی سوچئے
خوشا! شمارہ وار اُس کا حُسنِ کارکردگی
یہ کم ہے جس قدر بھی اُس کے کام کو سراہیے!
وَرق وَرق نبھائیں کیا عظیم ذمّہ داریاں —
امر ہوئے وہ پَل جو اُس نے نعت میں بسر کئے
وقارِ صنفِ نعت اور نقدِ فن کے باب میں
ریاضت اُس نے کی، جو اُس کی داد کیوں نہ دیجئے!
فروغ نعت کے لئے یہ اُس کی سعیٔ مستقل
صد آفریں کہیں، ہزار شادباش دیجئے
جہان بھر سے نعت و نقدِ نعت کی فراہمی

جو کام ہم نہ مل کے کر سکے، اُس ایک نے کئے
حرم طلب غیاب کو سُجھائے ’نعت رنگ‘ نے
حضور بخش یاد کے سُرور بخش زاویے
ہوئے جو صَرف، ربط و ضبطِ نعت کی تلاش میں
اُس ایک دن کو آپ سال اِک شمار کیجئے
درست ہے، بجا ہے، سچ ہے، ٹھیک ہے، اگر کہوں
ہم ایسے بیسوؤں کے کام اکیلے آپ نے کئے
محبت رسولؐ کے گداز میں دُھلے ہوئے
وہ حمد آور اور نعت فکر ابتدایئے
عقیدتوں میں ڈُوبی وہ سطور انتساب کی
وہ ذکرِ کارِ رفتگاں سے حُب فزا اداریے
مسائلِ ثنا کے باب میں گرہ کُشائیاں
وفورِ جذب میں رچے وہ شمع رُو اداریے
ہر ایک صنفِ شعر میں فروغِ نعت کی لپک
غزل، قصیدہ، ہائیکو، رباعی، نظم، ماہیے
علائمِ غزل نے دی جلا بیانِ نعت کو
ملیح شاخچوں نے کس قدر صبیح گل دیئے
خطوطِ قارئین، نقطہ سنج و نقد آفریں
تاثراتِ حُب کے ترجمان اختتامیے

وہ تازہ وارداتِ نعتِ شہہؐ کی پیشوایاں
وہ رفتگاں کی سعی پُر ولا کے گنگ مرثیے
مقالے اہل نقد کے، بصیرتوں کے ترجماں
نکات آفریں ہیں سب، ہوں تبصرے کہ تجزیے
مطالعاتِ نعت کے تناظراتِ نَو بہ نَو
قدیم متن پر وہ خوشنما جدید حاشیے
خوشا فروغِ نعت کی ہمہ جہات کوششیں
زہے! حطیمِ نعت میں صِلا سرشت تلبیے
محبتِ حضورؐ میں ہوئے تمام ہم نَوا
قلندری و قادری، نظامی و اویسیے
حطیمِ 'نعت رنگ' میں قریں ہوئے قدم قدم
بلند لحن چشتیے، خموش سہروردیے
ہیں شانہ شانہ مدرسہ مزاج و خانقاہ طبع
ہیں صف بہ صف قدیم اور جدید نعت ہاریے
کس احترام اور کیسی خوش سلیقگی کے ساتھ
فروعی مسلکوں کے چاک احتیاط سے سیئے
لَویں کہاں کہاں کی اک چراغ داں میں جمع کیں
جلائے اک منڈیر پر، قریب و دُور کے دیئے
ستارے ایک برج کے، پتنگے ایک شمع کے

شعاعیں ایک مہر کی تمام نعت کاریئے
ثنا نہاد بدعتیں، وَلا نژاد جدتیں
کس اشتیاق سے ہیں ہم ورق سخن سرایئے
صلائے عام تھی مدیرِ ’نعت رنگ‘ کی مگر
ہمیں تھے سُست خُو، ہمیں رہے سدا لئے دیئے
ہُوا نہ نعت کے موافق ایک کام بھی — سدا
ہم اپنی سہل کاریوں کے کہفِ خواب میں جیئے
کریں کس اعتماد سے پُراعتبار گفتگو
ثناوری کے ذیل میں — ریاض سے عطایے
ہنر شناس دوستوں کے واسطے روایتاً
غزل کے رنگ میں بھی چند شعر پیش کیجئے
خوشا وہ چند دن جو نعت کی فضاؤں میں جیئے
حرم کی سرمدی، ولا فزا ہواؤں میں جیئے
حفیظ و حافظ ایسے نعت طینتوں کے درمیاں
سکنیت آشناؤں میں، ثنا اداؤں میں جیئے
ریاضِ جنّۃ میں بہ صد ہزار احترام ہم
سرشکِ توبہ سے دُھلی دُھلی فضاؤں میں جیئے
ستوں ہے جو مواجہ کے مقابل، اُس کی اوٹ میں
سلام و التجا کی سرمدی صداؤں میں جیئے

نشانِ رفعتِ حرم، وہ سبز گنبدِ کرم
دو دن ہم اُس کی رحمتیں چھڑکتی چھاؤں میں جیئے
طویل عرض داشتوں بسی، رُندھی صداؤں میں
خموش التجاؤں، زیرِ لب دعاؤں میں جیئے
غیاب زاد شور میں پلے بڑھے، دو چار دن
حضور یاب خامشی کی انتہاؤں میں جیئے
حیات تھی بہشت رُو —— جو باب جبرئیل پر
ذرا سی دیر حیرت آشنا گداؤں میں جیئے
ثنا سرشت، نعت طبع دوستوں کے قرب میں
ریاض جنہّ ایسی مغفرت سراؤں میں جیئے
تھے سب رفیقِ نعت جُو، درودخو، مدینہ رُو
ہیں یاد ہم جو چند دن ثنا سراؤں میں جیئے
گیاہ و خس کی شکل خاکِ رہگزارِ طیبہ میں
حرم کی سمت جاتے زائروں کے پاؤں میں جیئے
بقیع کس قدر رفیع ہے —— یہاں مکین ہیں
صحابہؓ جو رسولؐ آشنا فضاؤں میں جیئے
سفر جو واپسی کا تھا حجاب تھا، سُراب تھا
کہ جیسے کوئی تیرہ، بے صدا، خلاؤں میں جیئے
پلٹ کے گھر بقیہّ عمر بھر اداس —— غمزدہ

حرم کی یاد داشتوں کی دھوپ چھاؤں میں جیئے
کُھلی ہتھیلیوں کی رحل پر چمکتے اشک سے
بزرگ ماں کی مغفرت طلب دعاؤں میں جیئے
کوئی جواز — پچھلی صف میں بیٹھنے کا کچھ جواز
ریاض چُھپ کے کیوں ہمیشہ کم نماؤں میں جیئے!
پسِ غزل دعائیہ ہو 'نعت رنگ' کے لئے
مدام — اذنِ رب سے یہ پلے، پھلے، بڑھے، جیئے
صبیح نعتِ فکر سے ملیں مدیر اِسے سدا
یہی دعا کروں جو ہوں موافق اور قافیے
صدی صدی کو آپ کے متاعِ فن پہ ناز ہو
سراہیں کوشش آپ کی، سب آ رہے ہزاریے
ہر آتا سال اس کے جاتے سال سے ہو معتبر
شمارہ در شمارہ لائے تازہ فن کے زاویے
وَرق وَرق پہ 'نعت رنگ' کے سدا کِھلی رہیں
سُرور زا چمبیلیاں، بہشت رنگ موتیئے
ثنا فزا اشاعتیں سدا ہوں اِس کی خُلد رُو
مطالعے سے جن کے ہوں حرم سواد تخلیے
کچھ اور بڑھ گیا ہے کارِ نعت اس پڑاؤ پر
شمارہ در شمارہ احتیاط اور کیجیے

نہ ڈگمگائے لَو کبھی چراغِ ’نعت رنگ‘ کی
مدیر ہی نہیں اب آپ، امین بھی ہیں سوچیے!
نہ دل میں آئے شائبہ بھی فخر و خودنمائی کا
لَوائے نعت کو بہ صد ہزار عجز تھامیے
ریاضتِ تمام سے، مہارتِ دوام سے
بلند قصرِ نعت جتنا ہو سکے وہ کیجیے
جگر کا خوں تمام تر ہو صرف کارِ نعت میں
بنے بیان معجزہ، یہ کوشش آپ کیجیے
ہزار ہا دعاؤں کا ہے ماحصل یہ اک دعا
دعا — درازیٔ حیاتِ ’نعت رنگ‘ کے لئے
خطا کریں معاف فن شناس — فرطِ شوق میں
یہ مَیں نے چند شعر اک بہاؤ میں جو کہہ دیئے
ہوں قارئین ’نعت رنگ‘ سے مَیں معذرت طلب
بہ زعَم خویش اُن سے جو طویل یہ سُخن کیئے
جو مجتہد لسانیات کے ہیں اُن سے معذرت
وفورِ شوقِ یا اِسے قصورِ عجز جانیے
جو وضعٔ لفظیات میں رَوا رکھیں رعائتیں
زبان میں غلط سلط تصرّفات جو کیے
وہ رُخصتیں جو لیں زبان شاعری کے ذیل میں

پَرت پَرت برت لیے جو بار بار قافیے

یہ سوچ کر کہ اب ازالۂ خطا کے واسطے

ادائے قرض کے لئے جو بَن پڑے وہ کیجئے

بہ صد ہزار شکرِ ربِ سیّدؐ الرُّسل، ریاضؔ

قصیدۂ دعائیہ کا اختتام کیجئے

مناجات

اے خدا!

میری دعا ہے

کہ میں جب تجھ کو پکاروں

تو مری رات کے ماتھے پہ

ترے نام کا سورج _

دہکے

اے خدا!

میری دعا ہے

کہ گجر دم کی پراسرار فضاؤں میں

ترا نطق

کسی شاخِ برہنہ پہ اترتی ہوئی چڑیا کی طرح

میرے دل میں

کسی بے نام سے احساسِ مسرت سے

مسلسل _

چہکے!

اے خدا!

میری دعا ہے

کہ کسی صبح جب آنکھیں کھولوں

میری سانسوں میں

ترے قرب کا گلشن _

مہکے!

اے خدا!

میری دعا ہے

کہ تو افلاک سے اک بار اتر کر

مرے صحراؤں پر

اوس میں بھیگے ہوئے سبزۂ نورستہ کی مانند

مری حدِّ نظر تک

مہکے!

☆

(احمد ندیم قاسمی)

”شورِ ازل“

کسی گزرے زمانے میں
کہ جس کی مدت ہستی کا اندازہ
بہت آساں نہیں ہے
نہایت بے کراں پہنائیوں میں
سانس لیتی ہر توانائی
بہت مبہم سی ساعت میں
تصادم خیز رفتاری سے
پیہم رقص کرنے کا اشاریہ پا گئی
اور پھر
میان رقص باہم
ملنے والی شکتیوں نے
سم پہ وہ گھنگرو بجائے
جس سے اک جھنکار گونجی
گونج
لمحوں کی مگر صدیوں پہ پھیلی
کائناتوں کو بناتی
زندگانی کے عجب امکان لاتی
پھیلتی، گھٹتی کبھی بڑھتی
کہیں اک لمحۂ موجود کے پہلو میں آٹھری
عجب شورش عجب آواز تھی
اک شور تھا
شورازل پیدا سے شاید ملتا جلتا
جس نے موجودات کو
درہم کیا برہم کیا
سب ضابطوں کو فسق کر ڈالا
مگر اس عالم شورش میں
ساری انتہاؤں کے تصادم میں
فقط وہ تھا
جو حیرت سے مبرا
شورش ساعت سے بے پروا
بہت خوش کام و آسودہ
سکوں آثار ویسا ہی
کہ جیسا تھا۔خدا تھا

(پیرزادہ قاسم ۔کراچی)

مناجات

میرے مولا، میرے داتا
دل میرا آئینہ کر دے
روشن میرا سینہ کر دے
خوابوں کا مِرے رنگ بدل دے
رستے اور فرسنگ بدل دے
جینے کا مرے ڈھنگ بدل دے
ظرف کو میرے دے گہرائی
آئے نہ لب پر حرف شِکایت
رنج میں بھی دل پائے راحت
جان سکوں ہر شے کی حقیقت
ایسا دیکھنے والا کر دے
ادنی ہُوں مُجھے اعلیٰ کر دے
اپنی نظر میں مجھ کو گھٹا دے
دیکھنے والوں کی نظروں میں
قدر و قیمت میری بڑھا دے
مولا میرے دل کو بنا دے

اپنے در کا ایک قلندر
موج کو میری کر دے سمندر
عِشقِ نبیؐ کے نور سے یا رب
روح مری تابندہ کر دے
مُجھ میں مُجھ کو زندہ کر دے

☆

(سید شوکت۔ کراچی)

ڈاکٹر معین الدین عقیل۔ کراچی

تحقیقِ نعت: صورتِ حال اور تقاضے

ABSTRACT:

Dr. Moin-ud-din Aqeel has shared his experience of going through some research works and emphasised upon need of hard work in the field of research of Naatia Literature. He has aptly pointed out lacunae's in research works on Personalities due to restraints i.e. charisma of personalities and sacred circles around them which does not allow to narrate facts but inspires to paint personalities and their works, superfluously. Dr. Aqeel has emphasised to take research works on general topics of permanent values and hinted some works that were done in this field. The article contains thoughts to ponder in order to make research work useful and sustain worthy.

اصنافِ ادب، بالخصوص اردو زبان کی اصناف ادب میں،نعت گوئی یا نعت نگاری اگرچہ قدیم صنفِ سخن ہے اوراس کا قدرے ارتقا بھی تاریخِ ادب کے تقریباً ہر دور میں کسی نہ کسی اعتبار سے، قابلِ لحاظ رہاہے،لیکن اس کا فروغ گزشتہ چند دہائیوں میں زیادہ دیکھنے میں آیاہے۔مختلف اسباب کے ساتھ ساتھ،جو دینی سے قطع نظر معاشرتی بھی ہیں،میرے حیطۂ مطالعہ کی حد تک، یہ حالیہ فروغ کچھ صبیح رحمانی کے مجلّے ''نعت رنگ'' کے باعث بھی ہے جس میں اس کے مشمولات کے تنوع اورمعیار کی کشش کے علاوہ اس کی طباعتی جاذبیت اوردل کشی بھی شامل ہے۔میں شاید نعت کے موضوع پر کبھی کچھ نہ لکھتا لیکن اس مجلّے کی جاذبیت اور صبیح رحمانی کی تحریک وترغیب نے مجھے گاہے لکھنے پر آمادہ

کیا ہے۔شاید ایسے ہی اسباب ہیں کہ جن کے طفیل نعت کی تخلیق ہی نہیں اس کے ہمہ جہت مطالعے اور تحقیق وتنقید کا رجحان بھی عام ہوا ہے اور مبسوط ومختصر ہر طرح کے مطالعات وتحقیقات کو گزشتہ دو چار دہائیوں میں خاصا حوصلہ افزا فروغ ملا ہے اور یہ سلسلہ مزید وسعت اختیار کررہا ہے۔

مطالعے کی ایک صورت تو وہ ہے جو مضامین اور مفصل مقالات کی صورت میں ذاتی شوق و دل چسپی کے نتیجے میں سامنے آتی رہی ہے اور دوسری صورت اس کے مبسوط اور تحقیقی مطالعات کا عمل ہے جو جامع اور مفصل تحقیقی مقالات کے طور پر صرف کتابوں اور رسائل ہی میں نہیں جامعات کے سندی مقالات برائے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقصد سے لکھے جارہے ہیں۔ان سندی مقالات کے لکھے جانے کی وجہ سے گزشتہ سات آٹھ دہائیوں میں تحقیقات نے خاصا فروغ پایا ہے اور مطالعات وتحقیقات کا ایک عمومی رجحان عام ہوا ہے، جو ہر اعتبار سے مستحسن ہے۔ اگرچہ اس بنا پر اسناد کے حصول کی دوڑ بھی شروع ہوئی ہے جو سرسری، سطحی، اور غیر معیاری مقالات پر اسناد حاصل کرنے کی ناروا اور غیر اخلاقی و غیر قانونی کوششوں کا باعث بھی بنی ہے، لیکن اسی تسلسل میں معیاری اور اہم موضوعات پر تحقیقات ومطالعات بھی سامنے آئے ہیں۔اس نوعیت اور اس سطح کے مقالات کی روایت میں نعت اور اس کے متعلقہ موضوعات وعنوانات نے بھی توجہ حاصل کی ہے اور یہ سلسلہ روزافزوں ہے۔

یہاں یہ امر ضرور پیش نظر رہنا چاہیے کہ مطالعہ وتحقیق اپنے کسی مقصد کے تابع ہوتے ہیں۔دنیا بھر کے سارے موضوعات، بشمول نعت پر تحقیق اگر حصولِ سند کے مقصد سے انجام دی جائے تو یہ مقصد بڑی حد تک مادی فوائد کا حصول ہوسکتا ہے۔جب کہ نعت کے ساتھ عقیدہ و مسلک اور جذبہ و تقدس بھی منسلک ہیں۔اس حوالے سے نعت کی تخلیق اور اس کا مطالعہ جذبے وعقیدت کا ایک مظہر تو ہے لیکن اگر مطالعہ سندی نوعیت کا ہے تو وہ مادی مقصد کے حصول سے مبرا نہیں۔ہاں یہ اضافی فیض پیش نظر

ہوسکتا ہے کہ جب سندی مقالہ لکھنا ہی ہے تو وہ نعت پر کیوں نہ ہو؟ یہ امر بہر حال بے حد مستحسن اور بے لوث ہوتا ہے کہ کسی مادی مقصد کے بغیر نعت کا مطالعہ اور اس کی تحقیق پیشِ نظر ہو۔لیکن جہاں نعت کا مطالعہ و تحقیق موضوع بنیں وہاں جامعاتی تحقیقات ہی زیادہ نمایاں رہتی ہیں کیوں کہ ایک بڑی تعداد ایسی تحقیقات و مطالعات ہی کی ہے جو جامعات میں حصولِ سند کے مقصد سے انجام دیے جا رہے ہیں۔اگرچہ ایک زمانے میں جب جامعاتی تحقیقات کا رواج عام نہ تھا، ذاتی خواہش اور ذوق وشوق اس کا محرک بنتے تھے اور عمدہ تحقیقات منظرِ عام پر آتی تھیں لیکن جامعاتی تحقیقات کے رواج میں آنے کے بعد زیادہ اور منظّم تحقیقات جامعات ہی میں انجام پانے لگی ہیں۔لیکن جامعات میں ہونے والی تحقیقات کے بارے میں یہ کہنا کہ سب ہی معیاری اور مفید ہوتی ہیں، درست نہیں۔ یہ مقالہ نگار پر اور کسی حد تک نگرانِ تحقیق پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک عمدہ موضوع کا انتخاب کر سکتے ہیں، اور کس قدر لیاقت، جستجو اور محنت وسلیقے سے اپنا کام کرتے ہیں۔

یہاں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جامعات میں صنفِ نعت اور اس کے متعلقات پر ہونے والی تحقیقات اپنی نوعیت اور اپنے موضوعات کے اعتبار سے کس معیار کی حامل ہیں اور اسی مناسبت سے ان کی افادیت اور اہمیت کیا ہے؟ یہاں نوعیت کی حد تک تو یہ تسلیم ہے کہ یہ مطالعات سب ہی اسناد کے حصول کے لیے کیے گئے ہیں، چاہے ان کا مقصد مادی افادیت کے تابع ہو یا عقیدے و مسلک کے تحت ہو،لیکن ہم انھیں عقیدے و جذبے ہی کے تحت یہاں شمار کریں گے۔کم ہی ایسا نظر آتا ہے کہ بہ اعتبارِ ضرورت و اہمیت اور بہ لحاظِ دریافت و انکشاف کسی نے نعت کو اپنے مطالعے یا تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ جامعات میں ہونے والے مطالعات کی ایک فہرست ہمارے پیشِ نظر ہے، جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ نعت کے کس کس پہلو، یا موضوع اور عنوان کو مطالعات کے لیے منتخب کیا گیا ہے یا ترجیح دی گئی ہے؟ ان کی افادیت اور اہمیت کس قدر ہے؟

نعت کے زمرے میں، خصوصاً پی ایچ ڈی کی سطح پر، جو مطالعات انجام دیے گئے ہیں ان میں موضوعات کی اہمیت و افادیت بلکہ علمیت کے لحاظ سے، جو اس سطح کا عین تقاضہ تھا، کم ہی ایسے کام ہیں جنھیں فکر انگیز، معلوماتی، سیر حاصل اور جامع کہا جاسکے۔ کم ہی ایسے کام ہیں جنھیں اس سطح اور معیار کے مطابق سمجھا جائے۔ زیادہ ترجیح شخصی مطالعات یا موضوعات کو دی گئی ہے، جس سے اس عام تاثر کی تصدیق ہوتی ہے کہ شخصیات کے موضوع پر ہونے والے کام شاذ ہی معیاری اور جامع ہوسکتے ہیں۔ چوں کہ تحقیق دریافت و انکشاف کا کام ہے اور اس کے لیے خاص جستجو، تلاش و محنت اور عرق ریزی کی ضرورت ہے، اس لحاظ سے ایسے افراد جو ان تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، مناسب یا ضروری وقت نہیں دے سکتے، ضروری مآخذ اور مصادر کی تلاش و جستجو کا یارا نہیں رکھتے اور نہ ان میں ایسی صلاحیت ہوتی ہے اس لیے وہ بالعموم شخصیات کو موضوع بناتے ہیں۔ چاہے موضوعی شخصیت کتنی ہی وقیع اور قدآور ہو، موضوع کے لحاظ سے محدود ہوتی ہے کہ سارا موضوع اس کے گرد گھومتا ہے۔ پھر اگر اس شخصیت کا بھی صرف کوئی ایک پہلو یا ایک گوشہ پیشِ نظر رہے، جیسے نعت نگاری، تو موضوع اور بھی محدود ہوجاتا ہے۔ اس لحاظ سے، تحقیق کے میدان میں اور بحیثیت نگران، اپنے چالیس سالہ تجربے و مشاہدے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ جو افراد تلاش و جستجو کی دشوار گزار وادیوں میں سرگرداں نہیں رہنا چاہتے، محنت و مشقت سے گریز چاہتے ہیں، یا پھر فکری موضوعات پر اپنے ذہن کو آزمانے کا یارا نہیں رکھتے یا تحقیق و تجزیے کی صلاحیت نہیں رکھتے، بالعموم شخصیات کو موضوع بناتے ہیں۔ اس امر کی دوسری مصلحت یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی شخصیت کو موضوع اس لیے بھی بنایا جاسکتا ہے کہ اس طرح اس کی جانب اپنے عقیدت مندانہ جذبات کا اظہار ہوسکے۔ یا اگر وہ شخص زندہ اور معاصر ہو تو اس عمل کا ایک رُخ اس شخص کی خوش نودی اور اس سے مطلب براری بھی ہوسکتا ہے۔ اس طرح شخصیت پر ہونے والے کام شاذ ہی معیاری ہوتے ہیں۔ اس کام میں جذبات

حاوی رہتے ہیں اور ایک غیر جانبداری اور بے نیازی کا جو التزام رہنا چاہیے، وہ بالعموم نہیں رہتا۔ پھر اگر شخصیت زندہ ہو تو وہ شخصیت نامکمل ہوتی ہے کیوں کہ جس وقت وہ مطالعے یا تحقیق کا موضوع بنی ہے، اس کے بعد بھی تو اسے کچھ کرنا ہے، لکھنا ہے۔ کام کی تکمیل کے بعد کی اس کی تخلیقات یا سرگرمیوں کا تو اپنے مطالعے یا تحقیق کا موضوع نہیں بنایا گیا، اس لحاظ سے موضوع نامکمل یا ادھورا ہی کہا جائے گا۔

اب تک دوسو سے زیادہ مقالات، پی ایچ ڈی اور ایم فل دونوں سطحوں پر، ادبی شخصیات کے احوال و آثار پر لکھے جا چکے ہیں، لیکن کتنے ہیں جنھیں ''مولوی نذیر احمد'' (از افتخار احمد صدیقی)، ''رجب علی بیگ سرور'' (از نیر مسعود) اور ''امین الدین علی اعلیٰ'' (از حسینی شاہد) کے معیار کا کہا جاسکے۔ یہ شخصیات بھی اپنے اپنے زمرے میں تاریخِ ادب میں ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں اور حسنِ اتفاق سے انھیں محققین اور مصنفین بھی ایسے ملے جنھوں نے اس قدر محنت، تلاش و جستجو، اور سلیقے کا ثبوت دیا کہ ایک نظیر پیش کردی کہ شخصیات پر اگر کام کیے جائیں تو وہ ایسے ہوں۔ (ورنہ کراچی یونیورسٹی میں ۲۰۰۳ میں تو ایک کام ایک زندہ شاعر، کالم نویس اور ایک ادبی ادارے کے ایک عالی مقام منصب دار پر، جن کا ذکر معاصر ادب پر لکھی جانے والی کسی معیاری تاریخ ادب میں شاید کبھی آ نہ آسکے گا، لیکن ان پر ان کی زندگی ہی میں، ان کی خواہش اور ان کے سماجی اثرات کے نتیجے میں، پی ایچ ڈی کا مقالہ ایک ''فاضل'' نگران نے صرف دو ماہ کے عرصے میں لکھوا دیا اور ایسے ناجائز طریقے بھی اختیار کیے کہ تمام ضوابط کو پس انداز کرکے سند بھی دلوادی جس کے صلے میں اسی باثر شخصیت کے زیرِ اثر ''فاضل'' نگران صاحب موضوعِ مذکور کی زیر اثر ایک یونیورسٹی میں ایک اعلیٰ عہدے پر ''سرفراز'' بھی ہوگئے! شخصیات پر ''تحقیقی'' کاموں کی ایسی داستانیں مزید بھی ہیں۔)

شخصیات پر کام کے ضمن میں یہ شاید جذباتیت کی ایک نمائندہ مثال بھی ہے کہ مثلاً مولانا احمد رضا خان

کو بحیثیت نعت گوکم از کم آٹھ (۸) افراد نے پی ایچ ڈی کا موضوع بنایا! اور موضوع قریب قریب سب کا ایک جیسا ہی ہے! مولانا احمد رضا خان اپنی علمی و تصنیفی اور دینی خدمات میں چاہے جتنے بھی پہلو رکھتے ہوں، اور یقیناً رکھتے ہیں، لیکن ان میں نعت گوئی تو ایک جزوی پہلو ہے۔ وہ ایک پہلو کیا اس قدر وسیع و عمیق ہے کہ آٹھ افراد صرف اسی ایک پہلو کو موضوع بنائیں؟ اس تحقیق کا حاصل کیا نکلا؟ کیا کیا نئے نکتے نکلے، جو دیگر نعت گو شعراء سے یکسر مختلف اور ممتاز ہیں؟ یہ سب مقالات چھپتے تو ان امور کا جائزہ لیا جاسکتا تھا۔ لیکن کم زور مقالات کو کوئی کیوں چھپوانا چاہے گا۔ اس سے کئی طرح کی قلعی بھی تو کُھلنے کا امکان رہتا ہے۔

مولانا احمد رضا خان کے معاصر نعت گو شعرا میں محسن کاکوروی اور امیر مینائی، نعت گوئی سے قطع نظر بھی، نامور اور ممتاز شاعر کی حیثیت میں تاریخ ادب میں اپنا اپنا مقام رکھتے ہیں۔ ان دونوں کی اپنی اپنی دیگر مؤقر ادبی و علمی حیثیتوں کے ساتھ ساتھ نعت نگاری بھی ایسا شعبہ ہے جو بہت نمایاں اور مثالی ہے۔ محض نعت نگاری میں بھی ان دونوں کی حیثیت مولانا احمد رضا خان سے کم نہیں بلکہ فنی و معنوی لحاظ سے شاید زیادہ ہی وقیع ہے اور اسی لیے نصابوں کا لازمی حصہ بھی بنی ہے۔ لیکن ان دونوں بزرگوں پر اس حوالے سے کتنے کام ہوئے ہیں؟ صرف دو، اور وہ بھی انفرادی نہیں مشترکہ۔ اس جائزے سے یہ ثابت ہے کہ مولانا احمد رضا خان پر ہونے والے مطالعات میں کسی فنی امتیاز سے زیادہ عقیدت و مصلحت کا زیادہ دخل ہے، جو تحقیق کے معیار کے لحاظ سے مستحسن نہیں۔ کیوں کہ تحقیق اور مطالعے کے موضوع کو منفرد، اچھوتا اور نکتہ رس ہونا چاہیے کہ اس مطالعے یا تحقیق سے کچھ دریافت و انکشاف ہونا چاہیے، محض سرسری جائزہ یا تنقیدی مطالعہ نہ ہو۔ ایک ہی موضوع کے اگر آٹھ مطالعے ہوں گے تو ان میں محض تکرار ہوگی یا وہ ایک دوسرے سے استفادے کی تعریف میں شمار ہوں گے۔

شخصیات ہی کے ضمن میں یہ اعداد و شمار ہمیں اس مذکورہ فہرست سے اخذ ہوتے ہیں کہ پی ایچ ڈی کی

سطح پر کُل ۶۲ موضوعات میں ۱۸ موضوعات شخصی مطالعات پر مبنی ہیں، جن میں آٹھ فقط مولانا احمد رضا خان پر ہوئے ہیں۔ دیگر شخصیات میں امیر مینائی، محسن کاکوروی اور ظفر علی خان کے علاوہ، جو بحیثیت شاعر اور مصنف معروف و مؤقر نام ہیں، فرید عمادی، علیم صبا نویدی (دو مقالات)، ناوک حمزہ پوری، جمیل الدین شرقی، حافظ لدھیانوی ہیں جو موضوع بنے ہیں۔ ان میں ایک دو کے علاوہ سب ہی غیر معروف اور کسی ادبی معیار و وقعت کے حامل نام نہیں۔ اگر نعت نگاری کو شخصیت کے ایک جزو کے طور پر مطالعہ کرنا ہو تو ایسے متعدد اہم نام موجود ہیں، جیسے نیاز بریلوی، جنھیں کسی نے کسی سطح پر مطالعے کے لیے قابلِ توجہ نہیں سمجھا۔ متعدد اکابر شعرا، جیسے غالب، جنھوں نے نعتیہ قصائد و منقبت لکھے، اور بعض نے بکثرت بھی لکھے، انھیں کسی نے موضوع نہ بنایا، شاید اس لیے کہ ان پر کام آسان نہ تھا۔ قدیم اور دکنی شعرا کے ہاں انفرادی سطح پر بھی نعت تخلیقی زمرے میں شامل رہی، لیکن کسی نے شاذ ہی کسی ایسے شاعر کو موضوع بنایا، کیوں کہ کاتا اور لے دوڑی کے مصداق ان پر کام نہیں ہو سکتے تھے۔

مذکورہ عمومی مطالعات کے ضمن میں ایک عمومی مطالعہ غیر مسلم شعرا کی نعت گوئی پر دو مقالات میں ہوا۔ حمد اور سلام بھی موضوع بنے اور میلاد ناموں (تین مطالعات) پر بھی کام ہوا۔ علاقائی ارتقا کے حوالے سے مطالعے بھی ہوئے اور دکن، راجستھان، کراچی، بہار (دو مطالعے)، پاکستان، کرناٹک جیسے مقامات کے جائزے بھی لکھے گئے۔ ارتقائی اور تاریخی حوالے سے عہد نبوی میں نعت گوئی کا مطالعہ ہوا، جس کا موضوع عربی نعت گوئی ہی رہا ہوگا۔ شعرا الرسول بھی ایک مطالعے کا موضوع بنا۔ ہندوستان میں عربی نعت گوئی بھی موضوع بنی اور بھارت و پاکستان کی نعت گوئی کا تقابلی مطالعہ بھی کیا گیا اور عربی و اردو نعتیہ شاعری کا تقابلی مطالعہ بھی ہوا۔ محض نعت گوئی کا ارتقا یا تاریخ بھی موضوع بنی اور علاقائی نسبت سے مطالعہ بھی ہوا اور بطور صنف ادب بھی تاریخ لکھی گئی اور 'اردو میں نعت گوئی'، 'اردو شاعری میں نعت گوئی'، اردو شاعری میں نعت گوئی کا ارتقا'، 'اردو شاعری میں نعت'،

'اردو شاعری میں نعت گوئی کی روایت اور ارتقا'۔ 'اردو میں نعت گوئی کا ارتقا، ۱۹۴۷ کے بعد'، اس قسم کے سارے مطالعے اردو نعت گوئی کی تاریخ کا مختلف صورتوں میں جائزہ لینے تک محدود ہیں۔ ان میں بظاہر کسی تجزیے ونکتہ آفرینی کی کوشش ظاہر نہیں ہوتی۔ ایک دو مطالعے نعت کے صنفی اور ہیئتی مطالعے پر مشتمل ہیں اور ایک عمومی و سرسری جائزے تک مخصوص ہیں۔ ان میں، میرے مطالعے کی حد تک اور میرے معیار کے مطابق، ایک آدھ ہی مطالہ تحقیقی اور تجزیاتی نوعیت اور مزاج لیے ہوئے ہے۔

اگر چہ کہ اس طرح کے تاریخی یا ارتقائی نوعیت کے مطالعات میں ڈاکٹر سید محمد رفیع الدین اشفاق اور ریاض مجید کے مقالات و مطالعات بہت جامع اور معلوماتی ہیں لیکن دیگر ارتقائی اور تاریخی نوعیت کے جائزے زیادہ تر سرسری اور رواں مطالعے ہیں، جن میں گہرائی اور نکتہ آفرینی کم کم ہی نظر آتی ہے۔ اس طرح کے مطالعے ایک سندی تقاضہ تو پورا کرتے دکھائی دیتے ہیں لیکن تحقیق و مطالعے کے ایک معیار و افادیت کی نمائندگی نہیں کرتے۔ ان سے قطع نظر جن موضوعات اور جن مطالعات پر نظر جمتی ہے وہ زیادہ نہیں، جیسے: 'اردو نعت میں غیر اسلامی عناصر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'، 'اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر'، 'اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمایے کا تنقیدی مطالعہ'، 'اردو نعت گوئی کا موضوعاتی تنقیدی مطالعہ'، ''اردو نعت گوئی میں قران و حدیث کی تعلیمات'' (یا تلمیحات؟ یہ موضوع دونوں صورتوں میں بہت بڑا ہے۔ معلوم نہیں کہ مقالہ نگار نے اس کا حق کس حد تک ادا کیا ہے، جب کہ اس طرح کی ایک مثال کے تحت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے قران و حدیث کے محاورات پر علیحدہ علیحدہ جو دادِ تحقیق دی ہے وہ بے مثال اور سیر حاصل ہے۔ یا پھر ڈاکٹر سید عبدالمقیت کا حدیثوں کے حوالے سے کام بھی جو اپنے بلند معیار کے سبب اپنی مثال آپ ہے۔)۔ یہ ایسے موضوعات ہیں جن میں افادیت کا تلاش کیا جانا مشکل نہیں۔

ایک معیاری اور افادیت کی حامل تحقیق کے لیے موضوع کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ موضوع

ایسا ہونا چاہیے جو زندہ رہے اور محقق کو بھی اپنے ساتھ زندہ رکھے۔ پھر موضوع کی کوئی افادیت بھی ہونی چاہیے کہ اس سے ادب، علم اور معاشرے کو کیا مل رہا ہے، یا اس کے توسط سے علم و ادب یا معاشرے کی کیا خدمت کی جا رہی ہے۔ سرسری، سطحی، اور غیر معیاری موضوعات تاریخ سے محو ہو جاتے ہیں اور جلد فراموش ہو جاتے ہیں۔ اگر شخصیت موضوع بنے تو خود وہ شخصیت کتنا عرصہ تاریخ میں زندہ رہنے کے قابل ہے؟ اقبال، اور ایک حد تک غالب بھی، ہمیشہ زندہ رہیں گے، اس لیے ان پر ہونے والے معیاری کام بھی ہمیشہ زندہ رہ سکتے ہیں اور محقق و مصنف کو بھی اپنے ساتھ زندہ رکھیں گے۔ اوپر جن نعت گو شعراؑ کا ذکر ہوا، ان میں سے صرف اپنی نعت گوئی کی وجہ سے کون ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے یا تاریخ میں جگہ بنانے اور اس جگہ کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوگا؟ مولانا احمد رضا خان شاید اپنی نعت گوئی کے بجائے اپنی اصل دینی و علمی حیثیت میں تو زندہ رہیں گے لیکن اگر وہ اپنی اس علمی اور دینی حیثیت کے حامل نہ ہوتے تو کیا وہ صرف ایک شاعر اور وہ بھی ایک نعت گو شاعر کے طور پر اردو شاعری کی تاریخ اور تاریخِ نعت گوئی میں فنی امتیازات کے تناظر میں شامل ہوتے، جتنا اب ان کے عقیدت مند انھیں باور کرانے میں مصروف ہیں؟ یہ رویہ جذباتی ہوتا ہے۔

اسی طرح امیر مینائی اپنی ایک متنوع حیثیت کے سبب اپنا ایک ہمہ جہت مقام علم و ادب کی تاریخ میں رکھتے ہیں۔ وہ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی شاعر بھی ہیں، لغت نویس اور زبان داں بھی ہیں، عالم بھی ہیں، موسیقی کے ماہر بھی ہیں، اور دیگر کئی علوم کے شناور بھی ہیں۔ پھر نعت نگاری میں اپنے معاصرین میں شاید کسی سے کم رتبہ بھی نہیں، بلکہ ممتاز تھے۔ لیکن کیا صرف نعت گوئی کی وجہ سے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ یہی نوعیت مولانا ظفر علی خان کی بھی ہے کہ وہ یقیناً ایک نعت گو شاعر کی حیثیت میں معروف ہیں اور شاعر کی حیثیت میں بھی اپنی پُرگوئی اور قادر کلامی کے باعث اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ لیکن ان کی شہرت و مقبولیت ایک شاعر کے ساتھ ساتھ ایک صحافی اور ایک سیاسی رہنما کی بھی

ہے۔وہ اور امیر مینائی اپنی متنوع حیثیتوں میں یقیناً ایک صدی دوصدی تو تاریخ میں یاد رہیں گے لیکن اگر وہ اپنی مذکور حیثیتوں کے بجائے صرف اور صرف نعت گو ہوتے تو کب تک تاریخ میں یاد رکھے جاتے؟اس اعتبار سے ان کا مطالعہ محض ایک نعت گو کے طور پر خود ایک محقق کو کتنا وقیع وممتاز بناسکتاہے؟ یہ امر بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ جب شخصیت موضوع ہوتو مطالعہ کرنے والے کا تاثر یا احساس اس کے ساتھ جانبداری یا عصبیت کا بھی ہوسکتاہے اور یہ عین فطری عمل بھی ہے۔اس لیے شخصیت کا مطالعہ مشکل ہی سے غیر جانب داری سے کیا جاسکتاہے، جو تحقیقی دیانت داری کے اعتبار سے اور اخلاقی نقطہ نظر سے بھی مستحسن نہیں۔

اس لیے میں سمجھتاہوں کہ نعت گوئی پر اگر تحقیق ومطالعہ مقصود ہوتو اسے شخصیات پر منحصر ومخصوص نہیں ہونا چاہیے، کہ کوئی تنہا شخص اب تک اردو نعت گوئی کی تاریخ اوراس کی مستحسن روایت میں ایسا شاید موجودنہیں جوصرف اورصرف اپنی نعت گوئی کی وجہ سے تاریخ کا حصہ بنا رہے۔ہاں، اگر نعت گوئی کی روایت اور تاریخ یا اس کے رجحانات اورفن کا مطالعہ مقصود ہو،اور یہ ایک مخصوص دور، علاقے یا کسی عصری یا معاشرتی حوالے سے موضوع بنیں تو پھر مشترکہ رجحانات ومزاج کے حامل شعرأ کی نعت گوئی کا اجتماعی مطالعہ کیا جاسکتاہے اور یوں شخصیات موضوع بن سکتی ہیں۔اس طرح تقابلی مطالعہ بھی قدرے گوارا کیا جاسکتاہے جیسا کہ امیر مینائی اور محسن کاکوروی کا مطالعہ ہوا ہے۔لیکن اس قسم کے تقابلی مطالعے میں بھی فنی ہمسری کا لحاظ رہنا چاہیے اور مخصوص رجحان یا مزاج یا عصری حوالہ شامل ہوتو ایسا مطالعہ اس ایک حدتک جاندار ہوسکتاہے۔میرے خیال میں نعت گوئی میں اس طرح کے تقابلی یا مشترکہ رجحانات کے حوالے سے شخصیات کا مطالعہ کیا جائے تو وہ تنہا کسی شخصیت کے مطالعے سے زیادہ بہتر، مفید اور جامع ہوگا۔

مطالعے کے موضوع اور مقصد کے تناظر میں، میرے نقطہ نظر سے یہ بھی اہم ہے کہ مطالعہ افادی

مقصد سے ہونا چاہیے کہ یہ محض حصولِ سند یا مقام و منصب یا شہرت کی خاطر نہ ہو، اور اگر ایسا ہو تو بھی اسے یہ سوچ کر کرنا چاہیے کہ ہم اس مطالعے کے ذریعے اپنے معاشرے کو یا علم و ادب کو بھی کچھ دیں۔ یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے اس مطالعے سے علم و ادب اور تاریخ و تہذیب میں کوئی اضافہ ہونا چاہیے۔کوئی دریافت، کوئی انکشاف، کوئی نکتہ آفرینی،کوئی راہِ عمل، کوئی رہنمائی علم و ادب کو یا معاشرے اور ماحول کو اس مطالعے کے توسط سے میسر آئے۔ پھر موضوع بہت پھیلا ہوا، ہمہ جہت، متنوع، اور دوری اعتبار سے بسیط نہ ہو، ایسے مطالعے سرسری اور سطحی ہوتے ہیں۔ ان میں گہرائی اور گیرائی اور نکتہ آفرینی نہیں ہوسکتی۔ مطالعے اور موضوع کا عرصہ یا دور جتنا مختصر اور محدود ہوگا، اتنا ہی اس کا مطالعہ نکتہ رس اور نتیجہ خیز ہوگا۔شخصیات کا مطالعہ ہمیشہ ہمہ جہت ہوتا ہے، اس میں اگر صرف کسی جزو کا مطالعہ کرنا ہو، جیسے نعت نگاری، تب بھی ساری شخصیت پہلے پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا اور پھر اس کے بعد اس ایک مطلوبہ جزو کو موضوع بنانا ہوگا۔ اس طرح مطالعہ مبسوط ہو جائے گا اور اس صورت میں مطالعے کے تقاضے اور محقق کی ذمے داریاں بڑھ جائیں گی۔

تحقیق کے معیار کا بڑی حد تک تعلق موضوعات سے ہی ہے۔اس لیے اگر اپنی تحقیق کو معیاری، پرکشش اور افادیت کی حامل بنانا ہے تو سب سے زیادہ توجہ موضوع کے انتخاب پر ہونی چاہیے۔ یہ تقاضہ پی ایچ ڈی کی سطح کے لیے زیادہ ہے جب کہ ایم فل اور یہاں تک کہ ایم اے کے لیے لکھے جانے والے مقالات بھی اس تقاضے سے مبرا نہیں۔ یہاں سطحات و معیار کی مناسبت سے یہ لحاظ رکھا جاسکتا ہے کہ شخصیات کے مطالعے زیادہ سے زیادہ ایم فل کی سطح پر کیے یا کرائے جائیں۔ اس زمرے میں بڑے سے بڑے نعت گو کا مطالعہ بھی مناسب ہی ہوگا، کیوں کہ اوپر جو کمزوریاں اور نقائص شخصی مطالعات کے ضمن میں پیش کیے گئے ہیں ان کی روشنی میں یہ محض جذباتی فیصلہ ہی ہوگا اگر معیار پیشِ نظر ہو اور مطالعہ کسی شخص کا پی ایچ ڈی کی سطح پر کیا جائے۔اس لحاظ سے جو کام اب تک

شخصیات پر پی ایچ ڈی کی تکمیل کے لیے کیے گئے ہیں، وہ اگرچہ پی ایچ ڈی کی سند سے فیض یاب ہو چکے ہیں لیکن ان کا معیار، کم ہی کسی مقالے کا، ایک جائز تنقیح کے مطابق پی ایچ ڈی کی سطح پر شمار کے قابل ہوگا۔

اس معیار کے مطابق اکابر شخصیات، جو چاہے ماضیٔ قریب ہی سے تعلق رکھتی ہوں، صرف ایم فل کی سطح کے مطالعے کے لیے ملحوظ رکھی جانی چاہئیں جب کہ معاصر یا قریبی عہد کی شخصیات کا مطالعہ ایک جامع معیار کے مطابق پی ایچ ڈی کی سطح پر ہرگز معیاری نہیں ہوسکتا۔ معیار کے حوالے سے ایک ثقہ رائے کے مطابق کسی زندہ، یا ماضیٔ قریب کی کسی شخصیت پر ہونے والے سارے کام غیر معیاری ہوتے ہیں کیوں کہ معیاری کام کے لیے متعلقہ بنیادی، ثانوی اور ضمنی مآخذ و مصادر کسی شخص کے انتقال کے وقت فوری دستیاب نہیں ہو سکتے، منتشر اور دور افتادہ ہوسکتے ہیں اور شاید کہیں پوشیدہ اور چھپے رہ سکتے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دریافت ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے خطوط اور دستاویزات۔ پچاس ساٹھ سال کے بعد ہی کہیں یہ تمام چیزیں دستیاب ہوسکتی ہیں۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس شخص سے متعلق جذبات اور تاثرات میں ایک ٹھہراؤ بھی آجاتا ہے۔ اس وقت اس شخص کے بارے میں جو رائے دی جائے گی وہ غیر جانبدارانہ اور متوازن ہوگی۔ ورنہ بااثر شخصیات اور ان کے اعزا و لواحقین مطالعے کے نتائج پر اثر انداز ہوسکتے ہیں اور اس کی مثالیں موجود بھی ہیں کہ زندہ افراد نے خود اثر ڈال کر خود پر مقالے لکھوائے اور کم ظرف افراد نے اپنی نگرانی میں اپنے مادی یا منصبی فوائد کے لیے ایسے مقالات لکھوائے اور ان پر اسناد بھی جاری ہوچکیں!

زندہ یا معاصر و قریبی عہد کی شخصیات پر، نعت کے حوالے سے، تحقیقی کام ایم اے کی سطح پر کیے جانے میں کوئی قباحت نہیں۔ بلکہ شخصیات پر تو کام ایم اے کی سطح پر ہی ہونا چاہیے یا اگر شخصیت بڑی اور مؤقر ہو تو اس پر ایم فل کے مقالے لکھے جاسکتے ہیں۔ پی ایچ ڈی کی سطح پر کوئی کام شخصیت پر، اوپر

بیان کردہ معائب یا کمزوریوں کے سبب، خاص طور پر کسی جزوی موضوع کے حوالے سے، معیاری نہیں ہوسکتا اور زندہ بھی نہیں رہ سکتا۔زمانہ علمی فتوحات کے اعتبار سے تیزی سے ترقی کی جانب گامزن ہے۔اب مطالعہ وہ مفیداور مؤثر ہوتا ہے جس میں عصری و معاشرتی تقاضوں کا لحاظ رکھا جائے اور اس کا تعلق معاشرتی مسائل،عصری تقاضوں اور مستقبل کے امکانات سے جڑا ہوا ہو۔نعت کی حد تک بھی ایسے نظری،فکری اور معاشرتی موضوعات کا تعین ہوسکتا ہے جن سے نعت کے رشتے،فنی اور روایتی اور ساتھ ہی فکری ونظری، اپنے معاشرے سے جوڑ کر دیکھے جائیں اور ان سے اصلاح اور تعمیر کا کام بھی لیا جائے۔مذکورہ بالا فہرست میں جو کام ہوئے ہیں، میرے نقطہ نظر اور میرے معیار کے مطابق شاید محمد کا کاخیل کا مقالہ ''اردو نعت میں غیر اسلامی عناصر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' بے حد اہم موضوع پر لکھا گیا ہے۔معیار کا فیصلہ میں نہیں کرسکتا کہ وہ مقالہ میرے مطالعے میں نہیں آسکا،لیکن یہ قابلِ اطمینان ہے کہ یہ مقالہ ڈاکٹر صابر کلوروی کی نگرانی میں لکھا گیا، جو میرے ذاتی تعلقات اور ذاتی تجربے اور مشاہدے کے مطابق، ایک راسخ فکر استاد اور مصنف و محقق تھے۔بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ عنوان اور موضوع کا انتخاب شاید ان ہی کا طے کردہ ہو۔یہ موضوع ہر اعتبار سے تعمیری اور صحت مند جذبات کا آئینہ دار ہی نہیں بلکہ مقاصد کا آئینہ دار بھی ہے۔

اس طرح کے تعمیری وفکری موضوعات کی کمی نہیں۔ اگر مطالعے کا مقصد خود صحت مند اور تعمیری ہو تو نعت کی روشنی میں اور اس کے حوالے سے اس مذکورہ مقالے کے مثل، جس میں ہندو عقائد کے اثرات مسلمانوں پر دکھائے گئے ہیں، دیگر عقائد و مسالک اور مذاہب کے منفی یا مثبت ہر طرح کے اثرات کا مطالعہ بھی ممکن ہے۔ہم اصلاحِ احوال کے لیے ان بدعتوں اور غلط عقائد کو بھی موضوع بنا سکتے ہیں جن سے آج مسلم معاشرے داخلی طور پر اختلافات ونزاعات سے دو چار ہیں اور منفی عقائد کو اپنی زندگی اور اپنی تخلیقات کا موضوع بنا رہے ہیں اور انھیں جائز اور درست بھی سمجھتے ہیں۔ اسوۂ

حسنہ اور عہدِ رسالتؐ کے تعلق سے بھی ایسی متعدد باتیں ہماری روایات و حکایات کا حصہ بن گئی ہیں جنھیں تاریخ و حقائق تسلیم نہیں کرتے، اور آج یہ سب نعتوں کا لازمہ بن کر قبولیت عام کے درجے پر پہنچی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اس طرح کے مطالعے، جو حقائق کو اجاگر کریں اور سچ کو سامنے لاسکیں، نعت نگاری کی روایات کے حوالے سے ہماری توجہ اور ہمارے تحقیقی مطالعات کا تقاضہ کرتے ہیں۔ یہ امور صرف مقالہ نگاروں کی توجہ کے طلب گار نہیں بلکہ ان حضرات کی زیادہ توجہ چاہتے ہیں جو تحقیقی مطالعات کی نگرانی اور رہنمائی کے منصب پر فائز رہتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہماری تحقیق کو آج کے رسمی تقاضوں کے تحت مقالہ نگاروں سے زیادہ ان حضرات نے زوال اور بگاڑ سے دوچار کررکھا ہے جو طلبِ منفعت و منصب کی خاطر ''نگرانی'' کا ''فریضہ'' انجام دیتے ہیں اور خود معیاری تحقیق کے علائم و رموز سے بے نیاز بلکہ ناآشنا ہوتے ہیں۔ موضوع کا مسئلہ جو سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے، مطالعے کے معیار کے حوالے سے دراصل نگران کی لیاقت پر بھی منحصر ہوتا ہے۔

نعت نگاری کو اور خاص طور پر اس کے مطالعہ و تحقیق کو معیاری بنانے کے لیے یہ ضروری ہونا چاہیے کہ عربی زبان سے واقفیت کی اہمیت کو سمجھا جائے تاکہ اصل مآخذ اور مصادر کے مطالعے سے حقائق کی جستجو اور جانچ پرکھ ہوسکے اور خلاف واقعہ روایات اور حکایتوں کو نظر انداز بلکہ رد کیا جاسکے۔ تقابلی مطالعات کے ضمن میں جہاں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عربی و فارسی کے نمائندہ وممتاز نعت گو شعرا سے استفادہ کیا جائے اور ان کا ان کے مضامین و اسلوب کے حوالے سے اردو کے ہمسر شعرا سے تقابل کیا جائے، وہاں مقابل شاعر کی زبان سے بھی محقق کو واقف ہونا چاہیے تاکہ اصل زبان میں اس کی تخلیقات کو پڑھ کر رائے قائم کی جاسکے۔ پشاور یونیورسٹی میں اختر اورکزئی نے عربی و اردو کے صوفی شعرا کا مدح النبیؐ کے حوالے سے تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ یقین ہے کہ مقالہ نگار عربی زبان سے کامل واقفیت رکھتے ہوں گے تب ہی انھوں نے یہ عنوان منتخب کیا اور مقالہ لکھا۔ لیکن کچھ لوگ تراجم پر انحصار

کر کے مطالعہ کرتے ہیں جو قطعی نامناسب ہے۔اصل اور بنیادی ماخذ کے بغیر، ترجمہ چاہے کتنا ہی معیاری کیوں نہ ہو، کوئی کام معیاری نہیں ہوسکتا۔تقابلی مطالعے میں، جو اگر اردو کا کسی اور زبان کے شعرا سے تقابل کیا جارہا ہو، تو زبان دانی کا یہ تقاضہ ضرور ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔

مطالعے کے معیار کی بہتری کے لیے جہاں اس کا موضوع سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے وہیں اس کے رسمی اسالیب اور اس کی پیش کش کا حسن وسلیقہ بھی اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ ظاہری پیش کش ہی کسی مطالعے یا مقالے کو پُرکشش اور جاذبِ توجہ بناتی اور مطالعے پر صرف آمادہ ہی نہیں شاید مجبور بھی کردیتی ہے۔اس عمل کے لیے ضروری ہے کہ مقالہ نگار ان جدید اصولوں اور ضوابط سے واقف ہو جو مقالہ لکھنے کے لیے آج کی علمی دنیا میں ضروری سمجھے جارہے ہیں اور انھیں عالمی سطح پر اختیار کیا جارہا ہے۔اس ضمن میں ان کتابوں اور مقالات سے مدد لی جاسکتی ہے جو 'رسمیاتِ مقالہ نگاری' کے ذیل میں خاص اس مقصد سے لکھی گئی ہیں اور دستیاب ہیں۔

کسی مطالعے اور تحقیق کے لیے یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اگر مطالعہ کیا جائے اور اس کا مقصد اور اس کی سطح چاہے کچھ ہو، اسے معیار کی انتہائی بلند سطح تک پہنچانے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے جب موضوع انتہائی پُرکشش، یکسر نیا، اور فکر انگیز ہو۔ پہلے اسے کسی اور نے موضوع نہ بنایا ہو۔ساتھ ہی وہ کسی شخصی مطالعے تک یا اس کے لیے محدود ومخصوص نہ ہو۔شخصیات کا باہمی تقابلی مطالعہ کیا جاسکتا ہے اگر وہ شخصیات ہمسر ہوں اور متعلقہ میدان میں ہمیشہ زندہ رہنے والی ہوں۔فکری نوعیت کے موضوعات ،جن کا تعلق معاشرے اور اس کے مسائل سے ہو ،وہ تعمیری اور اصلاحی بھی ہوسکتے۔اس طرح ہم کیوں نہ ایسے موضوعات پر محنت کریں جن کے توسط سے ہم علمی خدمت بھی انجام دے سکیں اور اپنے معاشرے کی تعمیر وخدمت کا فریضہ بھی ہم سے انجام پاسکے۔اس طرح وہ موضوع بھی زندہ رہے اور اس کے طفیل ہم بھی تاریخِ ادب میں تادیر زندہ رہ

سکیں۔

پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید۔فیصل آباد

برسبیلِ نعت ـــــــ الفاظ وتراکیب

ABSTRACT:

Professor Dr. Riyaz Majeed is a renowned scholar and poet of Naat, who is distinguished for his critical vision. In the cited article he has provoked the thoughts of poets in order to create sets of combined words, to make Naatia Poetry more meaningful and attractive in literary sense. Good Poets of all ages have always contributed towards such exercises. Poetry is meant for the exploration of words, their associations and the expansion of their meanings. Some examples showing the use of combined words have also been presented in the article by the writer to help make his suggestion clearer. The article is a rich contribution towards critical thinking in the realm of devotional poetry.

علامہ اقبالؒ کے اُس شعر سے اس خود کلامی اور زیرِ لب گفتگو کو ایک اظہاریے کی شکل دیتے ہیں جس میں تمام فنونِ لطیفہ کے کمال کو ’خونِ جگر‘ کی آبیاری سے مشروط کیا گیا ہے۔اقبالؒ کہتے ہیں:

رنگ ہو یا خشت وسنگ‘ چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

(مسجد قرطبہ/ بالِ جبریل)

علامہ کے پہلے مصرعے میں بلیغ معنویت اور کمال کی مہارت ہے مصوّری ،فنِ تعمیر، مجسمہ سازی ،

موسیقی، شعر و ادب اور صدا و غنا (جس میں حسنِ قرات، صدا کاری، گلوکاری وغیرہ وہ تمام فنون آجاتے ہیں جن کا تعلق صوت، لحن اور آواز سے ہے) ــــــ علامہ نے مختلف فنون لطیفہ کا ذکر علامتی انداز میں ایک ہی سانس میں کر دیا ہے اور ان تمام فنون کو (اور بھی تمام موجود یا امکانی طور پر مستقبل میں سامنے آنے والے فنون) میں کمال حاصل کرنے کے لیے فنکار کی پُرانہماک محنت، مستقل ریاضت اور تاثیر ساماں جگر کاوی کی ضرورت کو ایک لازمے کی حیثیت دی ہے _ وہی بات جو میر تقی میؔر نے کہی تھی کہ:

مصرع کبھو کبھو کوئی موزوں کروں ہوں میں
کِس خوش سلیقگی سے جگر خوں کروں ہوں میں

علامہ اقبال اور میر تقی میر دونوں نے ایک ہی بات کہی مگر دونوں کا انداز ان کے مزاج اور طرزِ شعر کی طرح مختلف ہے انداز کے اس فرق کا سبب طبیعتوں اور اسالیب کے ساتھ ساتھ زمانے کا بُعد اور شعری منظر ناموں کا فرق ہے جن میں اُردو کے یہ دو عظیم شاعر شاعری کر رہے تھے۔ ان دونوں شعروں میں غزل اور نظم کے مزاج کا بھی عمل دخل ہے۔ میر تقی میر نے ایک مصرع کے لیے جس لازمۂ فن کی بات کی علامہ اقبال کے تمدنی شعور نے اسے تمام فنون پر پھیلا دیا ــــ میر کے شعر میں 'خوش سلیقگی' کے لفظ البتہ ایک اور تخلیقی لازمے اور کیفیت کی نشاندہی کرتے ہیں جو جگر خون کرنے کے مشترک اظہار (میر و اقبال میں) ایک اور خوبصورت قرینے، دلآویز طریقے اور شائستہ طرز کے مفہوم کا اضافہ کرتے ہیں۔

لفظیاتِ نعت کے بارے میں گفتگو کا آغاز بھی خوش سلیقگی اور قرینے کے لوازم سے کرتے ہیں۔ نعت کی صنف کا تعلق علامہ اقبال کے مصرع میں 'حرف' کے قبیلے سے، یعنی شعر و ادب سے ہے اور جیسا کہ ہمیں علم ہے کہ ادبیات کا سارا موجود اور امکانی اظہار حرف ہی کے ذریعے ممکن ہے لہٰذا ہمیں نعت

کے فن پر پہلا مکالمہ حروف اور الفاظ ہی کے حوالے سے کرنا ہوگا اُردو زبان کے وہ سب حروفِ تہجی جو اسے عربی، فارسی اور ہندی زبانوں سے دستیاب ہوئے ان کی تعداد 38 سے 48 کے لگ بھگ ہیں۔ لسانیات کی جدید بحثوں نے فونیم وغیرہ کے حوالے سے بعض حروف کے ساتھ ''ھ'' کی آواز کو بھی ایک جداگانہ حرفی اکائی تسلیم کیا ہے ورنہ نصف صدی پیشتر کی کتبِ قواعد اور لغات میں یہ حروفِ تہجی کچھ کم ہیں اور ان کی تعداد 38 کے قریب ملتی ہے۔ یعنی بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، کھ، گھ وغیرہ حروف کو اُن کی اصل صوت ب، پ، ت، ٹ، ج، چ، د، ڑ، ک، گ وغیرہ کے بعد ''ھ'' سے ملا کر لکھ دیتے تھے یوں حروفِ تہجی کی تعداد کچھ کم ہو جاتی تھی۔

حروف دوسرے حروف کے ساتھ مل کر الفاظ بناتے ہیں اور یوں الف سے لے کر ی تک کے حروف کے مرکّبات combinations یعنی الفاظ ایک دوسرے سے مل کر مصرعے، شعر اور نظم پارے بنتے ہیں۔ شعر کے اظہار کے لیے الفاظ ضروری ہیں ایک آدمی اپنے اندر کی دنیا اور محسوسات میں ہزاروں اچھے اچھے خیالات رکھے اگر وہ خیالات لفظوں میں مرتّب ہو کر اور شعروں میں ڈھل کر سامنے نہیں آتے وہ شاعر یا فنکار نہیں کہلا سکتا۔ اس کے خیال کی لفظوں کے ذریعے ترجمانی اور اس کے محسوسات کی فن کے ذریعے نمود، ضروری ہے۔

نعت کا تعلق چونکہ شعری ادب سے ہے اور یہ نثر کے مقابلے میں نظم یعنی شاعری ہی کے قبیلے کی ایک صنف ہے اس لئے اس کا اظہار بھی الفاظ یعنی انہی الف سے ی تک کے حروف میں ہوتا ہے جن کی نشاندہی ہم اوپر کر آئے ہیں۔ اُردو شعریات میں مستعمل لاکھوں الفاظ میں نعت کے حوالے سے تین طرح کے الفاظ ملتے ہیں یہ ایک سادہ سی تقسیم ہے جس کا ذکر بات شروع کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ اس کا کوئی خاص کلیہ نہیں جس طرح میں اس لمحے سوچ رہا ہوں اس حوالے ہی سے بات کر رہا ہوں قارئین کا اس سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

(ا) ____ وہ الفاظ جن کے اندر نعت کا فطری قرینہ موجود ہے جن کا تعلق اسلام اور ایمانیات سے ہے اس ذخیرہ الفاظ میں اسمائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد، احمد، امین، صادق، شاہد، سراج منیر، مبشر، اُمّی ____ ان الفاظ میں وہ تمام اسماء مبارکہ شامل ہیں جن کی تعداد ہزاروں میں ہے ''اسمائے النبی الکریم صلی اللہ علیہ واالہ وسلم، مرتبہ(صوفی برکت صاحب مطبوعہ دارلاحسان فیصل آباد) میں ان اسماء کی تعداد ۱۸۰۰ کے قریب ہے جنہیں انہوں نے قرآن مجید، احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتب سیر ومغازی، کتبِ تاریخ اسلامی اور دوسرے تاریخی مآخذ (قدیم کتب سماوی وغیرہ) سے حاصل کیا ہے۔

یہ تمام اسما خود مختصراً نعتیں ہیں کہ ان کے اندر نعت کا قرینہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہی ان کو نعتیہ قرینے سے مشرف کر دیتی ہے مثلاً ایک سیدھا سا لفظ عبد ہے۔ جیسا ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس کے شروع میں الف لام لگا کر العبد کہتے ہیں یا اس کے آخر میں ہ اور پیش لگا کر عبدہٗ کہتے ہیں یہ 'ال' اور 'ہ پیش کا۔ ۔عبد' سے پہلے یا عبد کے آخر میں استعمال۔ ۔العبد اور عبدہٗ کو ان تمام سیرتی اوصاف وکمالات کا حامل بنا دیتا ہے۔ جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ متصف ہے۔ بقول علامہ اقبال:

عبد دیگر، عبدہٗ چیزے دیگر
ما سراپا انتظار اُو منتظَر

ویسے تو تمام آدمی اللہ ہی کے بندے ہیں مگر عبدہٗ اور العبد کے الفاظ اس تخصّص کے حامل ہیں جن کا دوسرا کوئی آدمی اہل نہیں __ مکمل خودسپردگی (complete surrender) اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے سامنے کامل اطاعت (total submission) اور بفرماں برداری کا اہل۔ ۔یعنی یکسوٗ کامل مسلم آپ ؐ کے علاوہ اور کون ہے؟ اس 'ہے' میں سارے زمانے ہیں یعنی تھا، ہے اور ہوگا ____ سو ہم نے

دیکھا کہ عبد کے ساتھ ال اور ہ پیش لگانے نے اس لفظ کو نعت کا بڑا قرینہ دے دیا۔

اسمائے مبارکہ کے ساتھ آپصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی ذات با برکات سے تعلق رکھنے والے سارے الفاظ ۔آپ سے آپ نعت کے قرینے کے حامل ہیں یعنی وہ الفاظ جن میں آپ کے والدین ،اصحاب ،آل واطہار پاک ۔آپ سے منسوب شہر، روّیے، مسجدیں ماحول، شعائر، غزوات، عادات، فرامین، احکامات، احادیث، سنن، فرمودات ____ وغیرہ وہ تمام الفاظ جن کا تعلق اسلامی شعائر اور ایمانیا ت سے ہے اور جن کا تذکار آپصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت وسوانح اور شمائل وخصائل میں آتا ہے ۔ان میں حضرت آمنہؓ، عبداللہؓ، حلیمہؓ، فاطمہؓ، خدیجہؓ، عائشہؓ، حسنؓ، حسینؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر تمام صحابہ شامل ہیں اسی طرح نماز، حرم، مکہ، مدینہ، حرم، طواف، گنبدِ خضرا، غارِ حرا، غارِ ثور اور اسی قبیل کے ہزاروں الفاظ اپنے اندر نعت کا آپ سے آپ قرینہ رکھتے ہیں ۔ان الفاظ میں نعت کی نسبت بالقوہ (poitential energy) کی طرح موجود ہے جسے نعت کا شاعر خوش سلیقگی سے استعمال میں لاکر اس لفظ کے نسبتی جوہر کو بالعفل (kinetic energy) میں بدل سکتا ہے۔

دوسری قسم کے الفاظ وہ ہیں جو نعت کے حوالے سے آپ ہی آپ پہلی قسم کی طرح قرینہ یاب تو نہیں مگر جو اس باب میں قرینہ رُو ضرور ہیں ان الفاظ میں اخلاق اور انسان کی اچھی قدروں سے تعلق رکھنے والے لسانی ذخیرے میں موجود تمام الفاظ آجاتے ہیں مثلاً محبت، عشق، حُب، حسن، خیر، اچھائی، ایثار، درگزر، توبہ، نماز، عبادت وغیرہ۔

(۲) نعت کے اظہار میں نادرہ کاری کو آمیز کرنے کے لئے ہمارے پاس لاحقوں سابقوں کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔بس ذرا توجہ دینے کی ضرورت ہے ہم دستیاب ذخیرے کو نہ صرف نعت رنگ کر سکتے ہیں بلکہ عقیدت نگاری کی تمام صنفوں میں استعمال کر سکتے ہیں ۔مثلاً:

- آور کے ساتھ زورآور کی طرح نعت آور حمد آور منقبت آور وغیرہ
- خواہ کے ساتھ خیرخواہ کی طرح نعت خواہ حمد خواہ منقبت خواہ وغیرہ
- فکر کے ساتھ راست فکر کی طرح نعت فکر حمد فکر منقبت فکر وغیرہ
- آمادہ کے ساتھ نیم آمادہ کی طرح نعت آمادہ ثنا آمادہ حمد آمادہ وغیرہ
- اندیشہ کے ساتھ خوش اندیشہ کی طرح نعت اندیشہ ثنا اندیشہ حمد اندیشہ وغیرہ
- سگالی کے ساتھ خیرسگالی کی طرح نعت سگالی حمد سگالی ثناء سگالی وغیرہ
- مند کے ساتھ دولت مند کی طرح نعت مند ثنا مند منقبت مند وغیرہ
- دوست کے ساتھ انسان دوست کی طرح نعت دوست حمد دوست منقبت دوست وغیرہ
- حال کے ساتھ مست حال کی طرح نعت حال درود حال حمد حال وغیرہ
- دار کے ساتھ دیندار کی طرح نعت دار ثنا دار منقبت دار وغیرہ
- آشنا کے ساتھ فطرت آشنا کی طرح نعت آشنا ثنا آشنا سیرت آشنا وغیرہ
- شناس کے ساتھ غم شناس کی طرح نعت شناس ثنا شناس مدینہ شناس وغیرہ
- آثار کے ساتھ خوش آثار کی طرح نعت آثار حمد آثار مغفرت آثار وغیرہ
- خصال کے ساتھ خوش خصال کی طرح نعت خصال درود خصال طیبہ خصال وغیرہ
- مست کے ساتھ حال مست کی طرح نعت مست ثنا مست درود مست وغیرہ
- انداز کے ساتھ خوش انداز کی طرح نعت انداز حمد انداز منقبت انداز وغیرہ

- ساماں کے ساتھ بہار ساماں کی طرح نعت ساماں مغفرت ساماں بہشت ساماں وغیرہ
- جاہ کے ساتھ عالی جاہ کی طرح نعت جاہ حرم جاہ عرش جاہ وغیرہ
- آفریں کے ساتھ آفریں کی طرح نعت آفریں مغفرت آفرین نجات آفریں وغیرہ
- اسلوب سے خوش اسلوب کی طرح نعت اسلوب ثنا اسلوب منقبت اسلوب وغیرہ
- آرا سے جہاں آرا کی طرح نعت آرا حمد آرا منقبت آرا وغیرہ
- انجام سے خوش انجام کی طرح نعت انجام خیر انجام مدینہ انجام وغیرہ
- خیز سے صبح خیز کی طرح نعت خیز ثنا خیز حمد خیز وغیرہ
- انگیز سے فکر انگیز کی طرح نعت انگیز ثنا انگیز منقبت انگیز وغیرہ
- صفت سے شعلہ صفت کی طرح نعت صفت حمد صفت ثنا صفت وغیرہ
- رس سے نورس کی طرح نعت رس حمد رس درود رس وغیرہ
- رسیدہ سے عمر رسیدہ کی طرح نعت رسیدہ ثنا رسیدہ حرم رسیدہ وغیرہ
- پُر سے پُر اعتماد کی طرح پُر عقیدت پُر ثنا پُر احترام وغیرہ
- کوش سے سہل کوش کی طرح نعت کوش سکینت کوش حمد کوش وغیرہ
- کار سے خودکار کی طرح نعت کار ثنا کار منقبت کار وغیرہ
- بیاں سے خوش بیاں کی طرح نعت بیاں حمد بیاں سیرت بیاں وغیرہ
- خواہ سے خیر خواہ کی طرح نعت خواہ ثنا خواہ نجات خواہ وغیرہ

- دیدہ سے خزاں دیدہ کی طرح حرم دیدہ مدینہ دیدہ مواجہ دیدہ وغیرہ
- گفتار سے خوش گفتار کی طرح نعت گفتار ثنا گفتار حمد گفتار وغیرہ
- اطوار سے نیک اطوار کی طرح نعت اطوار درود اطوار حمد اطوار وغیرہ
- رُو سے رُوبرو کی طرح رُوبہ محمد رُوبہ طیبہ رُوبہ حرم وغیرہ

دیکھئے اس ذیل میں انوار ظہوری کا کیا خوبصورت مطلع ہے۔

یہ بات بھی ثابت ہے مری فردِ عمل سے
دل اب سے نہیں، روبہ محمدؐ ہے ازل سے

اس شعر کے ساتھ ہی میں ترکیب سازی کی اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ نعت کے مضامین اور فضا کو نعت آشنا رکھنے کے لیے لفظیاتِ نعت کا یہ صرف ایک پہلو ہے۔ جس کے التزام کی کوشش ہونی چاہیے۔ اس کوشش کا مقصد وہ قرینہ حاصل کرنا ہے جس سے غزل کی ہیئت میں کہی جانے والی نعت کا ماحول نہ صرف نعت رو لگے بلکہ جس سے اسلوب میں کچھ تازہ کاری بھی دَر آئے میں نے اوپر دی گئی فہرست میں الفاظ کے جو زوج اور تراکیب بنائی ہیں اس میں نعت، ثنا، حمد، منقبت وغیرہ کی تکرار محض ایک مثال کے طور پر ہے۔ ذرا غور کرنے اور پھر تخلیقی عمل میں اس غور اور توجہ کے ایک مستقل تخلیقی رویّہ بننے سے اس مثال کی بیسیوں نہیں سینکڑوں نئی نئی صورتیں سامنے آ جاتی ہیں۔ جیسے طلب میں سکینت طلب، مغفرت طلب، جنت طلب—— باب میں خلد یاب، مغفرت یاب، شفاعت یاب وغیرہ۔

سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن، قرآن کی سورتوں کے اسمائے مبارکہ، صحابہ کرامؓ، ارکان اسلام، شعائرِ دین، غرضیکہ ایمانیات سے متعلقہ ہزاروں الفاظ کے ذخیرے سے استفادہ کر کے، ایسے لاحقے اور سابقے وضع کئے جاسکتے ہیں جس سے نہ صرف یہ کہ نعت کی لفظی فضا اور معنوی ماحول اُس قرینے کا حامل نظر آئے جو نعت کے لیے ضروری

ہے بلکہ جس سے نعت کے اسلوب میں تازہ کاری کا احساس بھی پیدا ہو۔

یہ چند صفحے لکھتے ہوئے لاحقے اور سابقے کے ذیل میں سینکڑوں ایسے الفاظ میرے خیال میں لَو دے رہے ہیں جو ابھی مشرف بہ نعت نہیں ہوئے اور بقول احمد ندیم قاسمی صاحب:

منتظر ہیں کہ کوئی تیشۂ تخلیق اٹھائے
دفن ہیں کتنے صنم آج بھی کہساروں میں

لغات میں ایسے ہزاروں الفاظ ہیں جن کی تراکیب سازی سے انہیں لفظیاتِ نعت کے ذیل میں لایا جا سکتا ہے ___ کچھ نادرہ کار نعت گو شاعر ایسا کر بھی رہے ہیں۔

میں نے جو اوپر فہرست بنائی ہے وہ سامنے کے لفظوں کی ہے اگر کوئی شاعر فارسی کا کچھ گہرا ذوق رکھتا ہو تو اس فہرست کو ذرا اور وقیع اور بلیغ بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً راست فکر کی ترکیب تو عام ہے۔ نعت فکر، مغفرت فکر کی بلاغت دیکھئے اسی طرح لفظ اندیشہ سے نعت اندیشہ، نجات اندیشہ۔ ذوق سے، نعت ذوق، منقبت ذوق اور سگالی سے خیر سگالی کی طرح، نعت سگالی اور حمد سگالی کی ترکیب کے معنوی پھیلاؤ کو دیکھئے۔ آج ابوالخیر کشفی، عاصی کرنالی اور صوفی محمد افضل فقیر ہوتے تو یہ عاجز ان سے حوصلہ افزائی حاصل کر کے اس بحث کو جو الفاظ کے زوج 'لاحقوں' سابقوں کے حوالے سے ہے کچھ اور طویل کرتا اور اردو میں عقیدت نگاری کے ذیل میں الفاظ کے ایسے اندازِ استعمال کی ضرورت و اہمیت پر ذرا اور کھل کر بات کرتا۔ ان محبّانِ نعت میں سے ہر ایک پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

اعتدالِ معانی از من پُرس
کہ مزاجِ سخن شناختہ ام

(فیضی)

(شعر میں 'سخن' کی جگہ 'ثنا' پڑھے تو اور بھلا لگے گا)

نعت میں نادرہ کاری کے حصول کے لیے یہ بات ذہن میں رہے کہ صرف تراکیب سازی کی جمع آوری اوران کے استعمالِ محض سے بات نہیں بنتی پورے مصرع اورشعر کے ماحول میں اس ترکیب کو ہم آہنگ کرنا ضروری ہے لفظی طور پر نہیں ،معنوی طور پر۔ پھر شعر کی بحراور مجموعی لسانی ولغوی فضا کے ساتھ اس ترکیب کو' نعت سلیقہ' ' عقیدت آداب' اور'احترام مزاج' بنانا ضروری ہے ۔ یہ بات بھی ضروری ہے کہ ماضی میں ہو چکی شاعری کے دستیاب قرینوں کے پیشِ نظر نادرہ کاری ہونی چاہیے۔ جست نما اور چونکا دینے والی نہیں۔حمد ونعت کے ذیل میں مفاہیم ومطالب کے آداب واحترامات کے ساتھ الفاظ کے استعمال میں بھی ایک ایسی شائستگی اورخوش سلیقگی کا اہتمام ہونا چاہیے۔جس سے وہ قرینہ مل جائے جو ثنا کاری اورعقیدت نگاری کا لازمۂ اول ہے۔ بلکہ نعت طینت شاعروں کو اس قرینے کواپنے مستقل مزاج کا حصہ بنانے کے لیے احتیاط کوش رہنا چاہیے۔

ذیل کے کچھ شعر دیکھیے جن میں تراکیب سازی الفاظ کے زوج اورلاحقوں سابقوں کے ذریعے نعت کے مذکورہ بالا قرینے کے حصول کی کوشش کی گئی ہے۔

بڑے آداب ہیں اس احترام آباد طیبہ کے
یہاں نبض جہاں تیز اور ہوا آہستہ چلتی ہے

☆

ہوائیں مغفرت آثار ہوتی جاتی ہیں
رواں ہے سوئے حرم قافلہ درودوں کا

☆

سفر مدینے کا حُب خیز اور بھی ہو ۔اگر
رہِ سفر میں کوئی نعت دوست مل جائے

☆

اے خوشا! یہ سرشاری جو اثاثۂ جاں ہے

نعت دار سوچوں سے دل بہشت ساماں ہے

☆

ہوئی جاتی ہیں کیسے نعتوں پہ نعتیں

حرم کا سفر نعت آور بہت ہے

☆

مغفرت رُو ہو لفظ ترا

حمد میں التجا ہو بخشش کی

☆

سیرت شناس دوست جو دو چار جمع ہوں

حب دار ہو مکالمہ و گفتگو کا رنگ

(۳) نعت یاب، نعت رُو اور نعت طلب الفاظ کی گفتگو اور تراکیب کی نادرہ کاری کے حوالے سے جس لازمۂ نعت کا ذکر کیا گیا ہے وہ انتہائی اہم ہے۔ یاد رہے کہ جس طرح ہر روح اپنے اظہار کے لئے جسم کی محتاج ہے۔ اسی طرح ہر فکر، جذبہ احساس، واقعہ، تجربہ، واردات اور مشاہدہ چاہے وہ ظاہر ہو یا باطن کا اپنے اظہار کے لیے الفاظ چاہتا ہے۔ میرزا عبدالقادر بیدل کے ساتھ۔ ناصر سرہندی کا ایک دلچسپ مکالمہ لفظ اور معنی کے حوالے سے ہُوا جس میں میرزا بیدل نے الفاظ کی ضرورت واہمیت کے حوالے سے ایک حتمی اور بڑی خوبصورت بات کہی کہ معنی بھی تو ایک لفظ ہی ہے۔

افکاروخیالات کی دُنیا میں جتنی مرضی سیر کر لیں ۔اس سیر کا بیان الفاظ ہی میں ہوگا ___ وہی ’ا‘ سے ’ی‘ تک کے حروف کے لفظی مرکبات اور تراکیب ___ پرندہ آسمان میں جس بلندی پر بھی پرواز کر لے اس کو رزق کی تلاش میں زمین پر ہی اُترنا پڑتا ہے کچھ ایسا ہی مسئلہ معانی اور الفاظ کا ہے ۔معنی اگر چہ ایک لفظ ہی ہے ۔مگر پسِ معنی کی جو فضا اور اس کی جو امکانی وسعتیں ہیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ افکار کی وسعتوں کے تمام سلسلے الفاظ یعنی الف سے ی تک کے مختصر اور تنگ سے روزن ہی سے طلوع ہوتے ہیں گے اس روزن کے پیچھے ہزاروں کائناتوں کی تاریکی پر محیط باطن (معنی) کی دنیا ہے ۔ جو ہمہ وقت ، ہمہ پہلو اور ہمہ حال آمادۂ اظہار رہتی ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اظہار کے لیے حروف اور ان کے مرکبات پرانے ، محدود اور نت نئے افکار کی اقلیم کے مسافر کے لئے فرسودہ (cliche) نامکمل ، غیر تسلی بخش ہیں علامہ اقبال نے ذوق وشوق میں یہ شعر کہا ہے:

کِس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
تازہ ہیں میرے واردات کہنہ ہے بزمِ کائنات

یہ بھی کچھ ایسی ہی بات ہے کہ جب واردات کی تازگی ، بوقلمونی اور نئے پن کے مطابق موافق فضا واور شعری ماحول دستیاب نہ ہو تو حسّاس ذہنوں کو زندگی زہر ہی لگتی ہے دو شعر اور دیکھئے:

کہاں تلک میں سہوں لفظ ڈھونڈنے کا عذاب
کہے بغیر مری بات کیوں سمجھتے نہیں

اور

الف سے پہلے تھا اور ی کے بعد جو کچھ ہے
مرا یہ جرم کہ وہ حرف پڑھ گیا ہوں میں

ایسی صورت میں فنکار یا تو راز یاب خاموشی کے حامل تخلیہ میں معتکف ہو جائے گا کہ

خموشی معنئ دارد کہ در گفتن نمی آید ____

یا پھر وہ دستیاب لسانی وسائل اور ذخیرۂ الفاظ پہ قناعت کر کے اسے اپنے افکار کے اظہار کے مطابق اور موافق کرنے کی کوشش کرے گا۔ موجود سے بہتر اور بہتر سے بہترین اظہار کے پیرائے تلاش کرے گا ۔ یہ پیرائے حروف کے زوج ، مرکبات اور پھر الفاظ کی بہتر سے بہتر ترتیب (proper words in proper places) کے حصول کی کوشش کرے گا اور زندگی بھر اس کوشش کو جاری رکھے گا ۔

شعر اور روایت کے حوالے سے یہ کوشش ہی فن کی بنیاد ہے شعر یعنی اظہار کے باب میں جتنی کوشش ہوگی وہ اسی انداز میں روایت بنتی چلی جائے گی کسی بھی زبان یا صنف کی پہلی کوشش سے اب تک کی جانے والی کوشش کا سلسلہ اس باب میں روایت کے تسلسل کا سلسلہ ہوگا ____ سمندر کے پانی کی طرح جس میں پہلا پانی بھی موجود ہوتا ہے اور ہر لمحے تازہ پانی بھی گرتا رہتا ہے۔

اُردو شاعری کی روایت کے تناظر میں نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جائزہ لیں تو اس میں اُردوئے قدیم کے شعری نمونوں سے تا حال ایک تسلسل نظر آتا ہے۔

بابائے اُردو کی تصنیف ، اُردو کی بتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا حصہ سے ____ قدیم دکنی مثنویوں کے آغاز کے نعتیہ اشعار سے ____ عہدِ حاضر کی طویل یک کتابی نعتوں تک اُردو شاعری کی تخلیقی کوششوں کی ایک تاریخ ہے جس نے نعتیہ روایت کی آبیاری کی ہے جیسے جیسے اُردو زبان اُردو شاعری پروان چڑھی ہے ویسے ویسے اس میں سیرتِ رسول کے بیان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت ومحبت کے اظہار کے نمونے نظر آتے ہیں۔ یہ نمونے ایک روایت کے طور پر ہر دور ، دبستان ، علاقے کی اُردو شاعری میں کم وبیش موجود ہیں جب کوئی باکمال شاعر ادھر متوجہ ہوا ہے تو

اس نے اس روایت کو اپنی فنی مہارت سے رجحان ساز اور ثروت مند کیا ہے۔ محسن کاکوروی کا نعتیہ کلام محاسنِ شعری کے تمام پہلو لیے ہوئے ہے علامہ اقبال کی 'ذوق شوق' اُن کے اخلاقی مزاج کی طرح عالمگیر تہذیبی وتمدنی افکار کی حامل نعتیہ نظم ہے جس میں افکار کی وسعت کی طرح اظہار کی جدّت بھی ہے۔

عبدالعزیز خالد کا علمی انداز پر مشتمل نعتیہ اثاثہ تا حال توضیحی مطالعات کا متقاضی ہے۔ان کے ساتھ اُردو نعت کے معاصر منظر میں سینکڑوں شاعر اور اس روایت کو سنوارنے ،نکھارنے اور اسے وقیع بنا نے میں مصروف ہیں۔

شاعری کی کلاسیکی صنفیں محدود سہی کہ بقول غالب

بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

نئے شاعروں نے کثرت کے ساتھ غزل ہی کے اسلوب اور پیرائے میں نعت کہی اور مسلسل کہہ رہے ہیں غزل کی صنف کی طرح اور اُردو زبان کے لسانی سرمائے اور ذخیرۂ الفاظ کی تعداد بھی بقدرِ شوق نہ سہی مگر حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تعلق اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شوق انہی اصناف اور لسانی حد بندیوں میں مسلسل پروان چڑھ رہا ہے اور اب اس تسلسل کی اپنی جداگانہ تاریخ اور علاوہ شناخت ہے اس تاریخ اور شناخت نے چونکہ اُردو شاعری کے مروجہ اسالیب ہی میں ظہور کیا ہے لہٰذا اُردو شاعری کی روایت ہی کے آئینے میں اُردو نعت کی بھی روایت جلوہ گر ہوتی ہے۔

اُردو نعت میں لفظیات اور تراکیب کے حوالے سے مطلوب قرینہ اور لازمہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے نہ صرف نعت کی ثروت مندی کا باعث ہوگا بلکہ اُردو کی شعری روایت کے حسن اور تابکاری میں بھی اضافے کا سبب ہوگا۔

ڈاکٹر عزیز احسن۔کراچی

نعتیہ ادب کی تخلیق، تنقید اور تحقیق کے تلازمات!

ABSTRACT:

Dr. Aziz Ahsan has delineated some critical points for the purpose of guidance in the realm of creation of Naatia poetry, its criticism and research work pertaining to the same. The article contains examples of erroneous content and composition of Naatia Poetry in order to high light mistakes those are needed to avoid in future. The article contains references in order to make the substance authentic. The article is thought provoking and worth pondering to purify thought and content of Naatia poetry, its criticism and research work.

نعتیہ ادب کی تخلیق، تنقید اور تحقیق کرتے ہوئے دو باتوں کا خیال رکھنا لازمی ہے:

☆شعرِ عقیدت میں شعری جمالیات کے تقاضے.................اور

☆خیال کی بنت میں مضامین کی صحت کے تقاضے۔

☆شعرِ عقیدت میں شعری جمالیات کے تقاضے

ٹی۔ایس۔ایلیٹ نے بتایا ہے:

"When we are considering poetry we must consider it pri marily as poetry and not as another thing"

’’شاعری کو بنیادی طور پر محض شاعری کی حیثیت سے قبول کرنا چاہیے کسی اور

شے کی حیثیت سے نہیں''۔(۱)

یعنی شعری تخلیق کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اسے محض شاعری کے اصولوں کی روشنی میں قرطاس کی زینت بنایا جائے۔گویا نعتیہ تخلیق کا آغاز اسی نقطے سے ہوگا کہ جو شاعری ''نعت'' کے نام پر لکھی جارہی ہے آیا وہ شعری اقدار کی روشنی میں ''شاعری'' کہلانے کے قابل بھی ہے کہ نہیں۔

نقاد اور محقق کو بھی اچھی شاعری کے معیارات اور شعری جمالیات کے اصول پیشِ نظر رکھنے ہوں گے۔ اس عمل میں تنقید کے چار پہیئے "Four wheels" کام میں لائے جائیں گے،یعنی تقابل(Comparison) ،تجزیہ(analysis)، امتیاز(discrimination) اور تعیینِ قدر(evaluation)۔(۲)

اس مرحلے پر شاعر، نقاد اور محقق کے لیے چند اصولوں کی نشاندہی کر دینا مناسب ہے:

i۔لفظوں کا صحیح استعمال:

ڈاکٹر محمد ابوالخیر کشفی کی رائے ہے:

> ''نعت گو شاعر ہر لفظ کو اسی طرح پرکھتا ہے جیسے جوہری ہیرے کو اور پھر ہشت پہلو الفاظ کے ہیروں سے نعت کا ہار خلوص کے دھاگے سے پروتا ہے۔نعت کے الفاظ میں : ۱۔خلوص، ۲۔گہری معنویت، ۳۔تہہ داری، ۴۔عظمت،۵۔عشق، ۶۔فکر، ۷۔روانی، ۸۔ایک دوسرے سے ہم آہنگی کا اجتماع ضروری ہے''۔(۳)

کلیم عاجز نے بڑے پتے کی بات کی ہے، وہ کہتے ہیں:

> ''بقول انگریزی نقاد، کولرج کہ 'شاعری یہ نہیں کہ کیا کہا گیا ہے، شاعری یہ ہے کہ کیسے کہا گیا ہے'۔میں نے اس قول کو بہت فراخ دلی سے جانچا پرکھا

اور تجربے نے یہی کہا کہ بات سچ ہے۔اگر صرف اونچی بات ہی شاعری کہلاتی تو اونچی باتیں تو تھوڑی ہی ہیں۔زندگی کی حقیقتیں اور سچائیاں تو شمار میں آسکتی ہیں لیکن اچھی شاعری کا شمار مشکل ہے۔تو اچھی شاعری جو کہ کی گئی ہے وہ دراصل یہی ہے کہ کسی کہنے والے نے کسی انوکھے ڈھنگ سے کہہ دی تو کہی ہوئی بات بھی نئی ہوگئی''۔(۴)

تلفظ:

شاعری میں لفظوں کو درست تلفظ کے ساتھ استعمال کرنا لازمی ہے۔کیوں کہ لفظوں میں مستعمل حروف کی حرکات شعری سانچوں میں اپنی اصل ھیئت کو واضح کردیتی ہیں۔یہاں سکون کو حرکت یا حرکت کو سکون سے نہیں بدلا جاسکتا۔نثر میں لفظ کے تلفظ کی نشاندہی ،اعراب لگائے بغیر ممکن نہیں ہوتی لیکن نظم میں لفظ کا تلفظ شعر کی خواندگی ہی سے طے ہوجاتا ہے۔اس لیے اشعار میں لفظ کے تلفظ کی پابندی لازمی ٹھہرتی ہے۔ادب میں لفظوں کو عوامی سطح پر بولے جانے والے (غلط العوام) لفظوں کو استعمال کرنے کے بجائے لغت کی سند کے دائرے میں رہ کر برتا جاتا ہے۔مثلاً عوام ''برف'' فتح با،سکونِ ثانی وسوم کے بجائے فتح را یعنی را پر زبر کے ساتھ بولتے ہیں۔لیکن اس لفظ کے صحیح تلفظ میں را ساکن ہے،اس لیے شعر میں یہ لفظ اسی طرح لکھا جائے گا۔

معنیٰ:

لفظوں کے معانی کا علم بھی شاعر کو ہونا چاہیے۔نقاد کو اس سے بھی زیادہ معنی فہم ہونا چاہیے۔لغت میں ہر لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔شاعر اپنے شعر میں متعین معانی کا پابند تو نہیں ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ معانی کے کسی بھی لونی عکس کا پابند نہو۔زبان کسی شاعر کی انفرادی کوشش سے معانی میں تبدیلی نہیں کرتی ہے۔یہ الگ بات کہ شاعر نے اپنے آپ کو اتنا منوالیا ہو کہ کہہ سکے:

''سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا

مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' (۵)

لیکن یہ بات میرؔ ہی کو زیب دیتی ہے۔ ہر ہما، شما، لفظوں کو اپنی مرضی سے نہیں برت سکتا۔ چنانچہ نعت گو شعراء کو بھی لفظوں کے لغوی اور مرادی معانی کے تمام عکس سامنے رکھنے چاہئیں۔ نقاد بھی اسی کسوٹی پر نعتیہ اشعار کو پرکھے گا۔ کیوں کہ نعت میں لفظوں کے معانی قطعیت کے ساتھ طے ہونا ضروری ہیں۔ یہاں ابہام یا ذو معنویت کے عناصر بہت خطرناک نتائج مرتب کر سکتے ہیں۔

عروض:

ہماری کلاسیکی یا روایتی اصنافِ سخن مثلاً غزل، رباعی، قطعہ، مثنوی، مسدس، مسمط، مخمس، ترجیع بند وغیرہ، صنفی ھیئت کے علاوہ عروضی اوزان و بحور کی بھی پابند ہوتی ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں کہ ہر شاعر عروض داں ہو۔ لیکن ہر شاعر کا موزوں طبع ہونا بہرحال لازمی ہے۔ ورنہ وہ بے وزن اشعار کہے گا اور خود اپنا مذاق اڑوائے گا۔

اسی طرح نقاد کے لیے اشعار کی موزونیت جاننے کا فطری ہتھیار تو اس کا وجدان ہے، لیکن عروضی حوالے سے اشعار کو پرکھنے کے لیے علمِ عروض کی شد بد بھی ضروری ہے۔

اصنافِ سخن کی ھیئت:

اصناف سخن کی شناخت مختلف ھیئتوں میں ہوتی ہے۔ مثلاً غزل، جس کے ہر شعر میں دو مصرعے ہوتے ہیں اور ہر شعر اپنی معنیاتی اکائی کا غماز ہوتا ہے۔ قصیدہ، جس کا مطلع غزل کے مانند ہوتا ہے اور ہر شعر بھی غزل سے مشابہ ہوتا ہے کیوں کہ اس میں قافیہ اور ردیف (اگر شعر، مردف ہو تو) کی پابندی ضروری ہے۔ البتہ قصیدے کی زبان پر شکوہ (بھاری بھرکم الفاظ سے لبریز) ہوتی ہے کیوں کہ اس میں

شاعر اپنی علمی لیاقت کا اظہار بھی کرتا ہے۔مثنوی کا ہر شعر غزل کے مطلع کے مانند ہوتا ہے۔یعنی مثنوی کا ہر شعر ہم قافیہ بھی ہوتا ہے اور اگر ردیف موجود ہے تو بیت کے دوسرے مصرعے میں ردیف کی تکرار بھی لازمی ٹھہرتی ہے۔ رباعی کے اوزان کا ایک الگ جہان ہے۔اس کے لیے چوبیس بحریں مقرر ہیں اور متن میں فلسفیانہ گہرائی بھی ضروری ہے ۔ مسدس کے چھ مصرعوں کی جو ترتیب مقرر ہے وہی ہوگی، وغیرہ وغیرہ۔ایسی صورت میں شاعر پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کسی صنف سخن کو استعمال کرتے ہوئے اس کے ہیئتی تقاضے جانے اور برتے ۔نقاد بھی انہی اصولوں کے تحت اس شاعری کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھے گا۔

دیگر شعری اصناف مثلاً نظمِ معریٰ، نظمِ آزاد، سہ مصرعی یا ثلاثی، ہائیکو، نثری نظم، وغیرہ وغیرہ۔ان میں سے ہر صنف کے کچھ اصول ہیں، ہر صنف کی تخلیقی جمالیات ہے، اس لیے پہلے تو شاعر کے لیے لازمی ہے کہ وہ ان اصناف کے صنفی تقاضوں کا خیال رکھے، بعد ازاں نقاد کی ذمہ داری ہے کہ ان اصناف کے صنفی تقاضوں اور شعری جمالیات کی روشنی میں ایسی شاعری کا جائزہ لے۔محقق کو تو ہر لحاظ سے یہ نکات مدِ نظر رکھنے ہوں گے۔

صنائع بدائع کے استعمالات کا جائزہ:

شاعری میں حسن پیدا کرنے کے لیے خیال کو اچھے سے اچھے اور انتہائی موزوں الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس کوشش میں شاعر کبھی لفظوں کی تکرار اور کبھی صوتی ہم آہنگی کے لیے کچھ صنائع بدائع کا استعمال بھی کرتا ہے۔صنائع بدائع کے بالقصد استعمال سے، اشعار میں کچھ حسن تو پیدا ہوجاتا ہے لیکن تصنع اور بناوٹ کا عنصر بھی داخل ہوجاتا ہے۔تاہم محتاط کاوش، شعری حسن کے ساتھ تاثر میں اضافے کا باعث بھی بن سکتی ہے۔

جدید عہد خیال کی ترسیل میں ندرت پیدا کرنے کا ہے، صنائع بدائع کے اظہار کا نہیں۔اس لیے شاعر،

نقاد اور محقق کو ان باتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔

شعری جمالیات:

اچھے اور برے اشعار میں امتیاز کرنے کی غرض سے شاعر پر لازم ہے کہ اپنے تخلیقی سرمائے کو پرکھنے کے لیے کلاسیکی اور جدید ادب کی شعری تخلیقات کا بغور مطالعہ کرے۔نقاد اور محقق بھی کسی شعری تخلیق کا تجزیہ کرنے کے لیے قدیم و جدید شعراء کی تخلیقات کے گہرے مطالعے کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کرنے کی سعی کریں۔

معائبِ سخن سے گریز:

شاعر کے لیے معائبِ سخن سے بچنا بھی ضروری ہے مثلاً اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عیبِ تنافر کیا ہے اور کیسے پیدا ہوتا ہے؟

کلام میں عیبِ تنافر اس وقت پیدا ہوجاتا ہے جب کسی مصرعے میں ایک لفظ کا آخری حرف اور دوسرے لفظ کا پہلا حرف مل کر یک آہنگ ہوجائیں......جیسے

ہے حمدِ ربِ جہاں لاالہٰ الااللہ
کہ ہے جہاں میں اماں لاالہٰ الااللہ
تو سایہء رب ہے تو کہاں عقل کی زد میں
مخلوق تیرے رتبے سے آگاہ ہی نہیں ہے

پہلے شعر میں ’’ہے‘‘ کی ہائے ہوز کی آواز حمد کی حائے حطی میں مدغم ہو رہی ہے۔اور دوسرے شعر میں ’’آگاہ‘‘ کی ہائے ہوز ’’ہی‘‘ کی ہائے ہوز سے مل کر ایک آواز نکال رہی ہے جس سے لفظ ’’آگاہی‘‘ بن رہا ہے۔ یہ عیبِ تنافر ہے۔(واضح رہے کہ یہ اشعار بہت ہی کمزور ہیں لیکن یہاں شعر کی خوبصورتی یا بدصورتی کا ذکر نہیں ،عیبِ تنافر کی مثال دینی ہے)(٦)

وہی ہے مالک وہی ہے مولا وہی الہ ہے وہی احد ہے

وہی ہے دائم مرا ہے دعویٰ وہی الہ ہے وہی احد ہے

اس شعر میں اِلہٰ کی ہائے ہوز بھی ''ہے'' کی ہائے ہوز کے ساتھ مل رہی ہے اور صرف ایک ''ہ'' کی آواز قائم رہ سکتی ہے۔ چنانچہ اِلہٰ کے بجائے ''اِلاہے'' پڑھا جا رہا ہے۔ یہ عیب اصوات کے ادغام کی وجہ سے بہت سنگین ہو گیا ہے۔(۷)

عیب تنافر کی ایک اور مثال دیکھیے:

احمد فراز نے ایک مصاحبے میں بتایا کہ ذوالفقار علی بخاری کے سامنے انہوں نے اپنا ایک شعر پڑھا:

فراز تیری محبت کا پاس ہے ورنہ

یہ کیا ضرور وہ صورت سبھی کو پیاری لگے

تو بخاری صاحب نے کہا ''ہاں بیٹا'' کیا کپاس کہا ہے۔ یہ سن کر فرازؔ نے مصرع بدل دیا۔

فراز تیرے جنوں کا خیال ہے ورنہ (۸)

اب دیکھیے، تعقید کسے کہتے ہیں اور اس کی موجودگی سے شعر میں کیسی کراہیت پیدا ہو جاتی ہے؟

عیبِ تعقید اس وقت پیدا ہوتا ہے جب الفاظ شعری بُنت میں آگے پیچھے آئیں اور لفظوں کی ترتیب بگڑی ہوئی معلوم ہو۔

جب نقشِ کفِ پائے نبیؐ چوم ہیں آتیں

ہر دید طلب دل میں اترتی ہیں یہ آنکھیں

دامانِ طلب گار ہیں بھر جاتے گہر سے

جب فیض رساں در سے گزرتی ہیں یہ آنکھیں

پہلے شعر میں شاعر کہنا چاہتا ہے کہ جب میری آنکھیں نقشِ کفِ پائے نبیؐ چوم کر آتی ہیں تو جن

لوگوں کے دلوں میں دید کی طلب ہے ان کے دلوں میں میری آنکھیں اتر جاتی ہے۔یعنی وہ میری آنکھوں کو رشک سے دیکھتے ہیں۔اس شعر کے پہلے مصرعے میں تعقید بھی ہے اور مصرعے کی بُنت بھی بڑی کمزور ہے۔''چوم کے آتی ہیں'' کی جگہ ''چوم ہیں آتیں'' میں الفاظ بے ترتیب ہیں۔

دوسرے شعر میں ''دامانِ طلبگار بھر جاتے ہیں'' کی جگہ ''ہیں بھر جاتے'' میں تعقید ہے۔(۹)

شتر گربہ کیا ہوتا ہے اور اس عیب سے شاعری میں کیا خرابی پیدا ہوتی ہے؟

شتر اونٹ کو کہتے ہیں اور گُربہ بلی کو۔لہٰذا جب آپ کے ساتھ تم یا تیرا، تیری آئے تو اس کو عیبِ شُتر گربہ کہتے ہیں۔جیسے:

مانا حقیر ہیں ہم، پر آپؐ سے ہے نسبت
تم ہو سراپا رحمت، عاشق ہیں ہم تمہارے
معراج کے سفر میں، مہماں خدا کے گھر میں
رب نے کہا کہ پیارے ہم تیرے تم ہمارے

اشعار دونوں بہت کمزور اور ناقص ہیں لیکن اس موقع پر صرف شتر گربہ سمجھ لیجیے۔ پہلے شعر کے مصرعہء اولیٰ میں ''آپؐ'' سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تخاطب ہے، جبکہ دوسرے مصرعے میں ''تم......اور تمہارے'' سے خطاب ہے۔ دوسرا شعر انتہائی رکیک اور مبتذل ہے ۔ رب تعالیٰ سے منسوب بات کذب کی انتہا ہے۔لیکن مصرعہء ثانی میں ''ہم تیرے تم ہمارے'' میں تیرے اور تم کی وجہ سے شتر گربہ کا عیب بھی پیدا ہوگیا ہے۔(۱۰)

معائبِ سخن کی فہرست خاصی لمبی ہے۔لہٰذا صرف اتنا کہہ کر ہم آگے بڑھنا چاہتا ہوں کہ نعت گو شاعر کو بھی معائبِ سخن سے بچنا چاہیے اور نقاد کو بھی ایسے عیوب شاعری میں دیکھتے ہوئے خاموش نہیں رہنا چاہیے، محقق کو بھی اس پہلو پر نظر رکھنی چاہیے۔بعض لفظوں کا استعمال تو از روئے قرآن ممنوع

ہے۔مثلاً ''راعنا'' کے بجائے ''انظرنا'' کا لفظ استعمال کرنے کا قرآنی حکم (آیت نمبر ۱۰۴ سورۂ البقرہ) سب کے سامنے رہنا لازمی ہے۔

شعری معیارات کے حوالے سے بات سمیٹتے ہوئے مجھے ڈاکٹر ریاض مجید کی ایک تحریر یاد آ گئی۔ وہ کہتے ہیں:

> ''نعت محض ایک موضوع نہیں ایک فنی کل (whole) ہے۔ایک ایسی تخلیقی اور نامیاتی وحدت، جس میں خیال، لفظ، اسلوب، ہیئت، آہنگ اور دوسرے اسلوبیاتی وسائل اور شعری محاسن ، ایک موثر فنی اکائی کی طرح تخلیق یاب ہوتے ہیں۔نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرکزی ومحوری موضوع آپ کی ذاتِ گرامی سے محبت کا اظہار اور آپ کی شخصیتِ ستودہ صفات کا تذکار ہے۔اس موضوع سے ہزاروں مضامین نے جنم لیا''۔(۱۱)

(ii) خیال کی بنت میں مضامین کی صحت کے تقاضے:

نعتیہ ادب میں تخلیق کار، نقاد اور محقق کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہر سطح پر ''صداقت'' کی جستجو کرے۔یعنی تخلیق کار ہر وہ بات شعری زبان میں بیان کرے جو قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حوالے سے درست طور پر شاعر تک پہنچی ہو۔ نقاد اسی پیمانے پر شعرِ عقیدت کی پرکھ کا کام انجام دے اور محقق بھی اسی نہج پر تحقیق کرے۔

بدقسمتی سے اردو نعت میں غیر محتاط شعراء نے بہت سی ایسی روایات کو تلمیحاتی سطح پر عام کر دیا ہے جن کی اصل یا تو اسرائیلیات کی من گھڑت حکایات ہیں یا گمراہ فرقوں کی موضوعات۔ اس کی مثال جاننے کے لیے علامہ شہزاد مجددی کی تحقیقی کاوش کا صرف ایک نمونہ پیش کرنا ہی کافی ہوگا:

> ......**محمد شہزاد مجددی نے ایک بہت مشہور روایت ''الفقر**

وفخری و بہ افتخر" (فقر میرا فخر ہے اور میں اس کے ساتھ مفتخر ہوں) بے اصل بتاتے ہوئے امام ابنِ تیمیہؒ، العسقلانی، شیخ محمد پٹنی اور ان کے شیخ، حافظ ابن حجر اور محدث بریلوی حضرت احمد رضا خاںؒ وغیرہم کے حوالے سے اس روایت کو"موضوع" اور "باطل" لکھا ہے۔ اپنی تحقیق کو پیش کرتے ہوئے انہوں نے فتاویٰ الرضویہ جلد ششم کے صفحہ نمبر ۱۲۶ کا حوالہ بھی دیا ہے(۱۲)۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث نقل کرکے اس کے معانی کی تفہیم کے لیے بھی زعمائے حدیث کے حوالے دیے ہیں۔ حدیث شریف ہے "اللھم احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً و احشرنی فی زمرۃ المساکین" (اے اللہ! مجھے مسکین ہی زندہ رکھ، مسکنت میں موت دے اور مساکین کے ساتھ میرا حشر فرما)۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس روایت کو امام ترمذی نے غریب کہا اور اس کی سند میں ضعف ہے ۔ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے اسے الگ الگ طریق سے روایت کیا ہے ...... امام بیہقیؒ کہتے ہیں میرے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہاں اس مسکنت کا سوال نہیں کیا جس کا معنی قلت لیا جاتا ہے بلکہ آپؐ نے اس مسکنت کا سوال کیا ہے جس کا معنی انکسار اور عاجزی لیا جاتا ہے۔ ایک اور قابلِ غور امر یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فقر سے استعاذ اور پناہ مانگنا ثابت ہے اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تعلیم فرمائی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں فقر سے استعاذ

کے الفاظ یوں مروی ہیں:"اللھم اعوذ بک من فتنة الفقر" ترجمہ:اے اللہ! میں فقر کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں(بخاری الدعواة رقم ۵۸۹۱ مسلم فی الذکر والدعا رقم ۴۸۷۷)۔سنن ابی داوٗد میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی روایت میں دعائیہ کلمات یوں ہیں:اللھم انی اعوذ بک من الکفر و الفقر (ابو داوٗد......۳۲۴/۴ رقم ۵۰۹۰) ترجمہ: اے اللہ! میں کفر وفقر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔یہاں کفر کے ساتھ فقر کا تذکرہ لائقِ عبرت بھی ہے اورمحلِ تنبیہ بھی۔صحیح ابن حبان میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے:فقال رجل و یعتدلان؟ قال نعم (الاحسان ۳/رقم ۱۰۲۶) ترجمہ: ایک شخص نے پوچھا کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ آپؐ نے فرمایاہاں ۔مسند احمد اورصحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے.تعوذ و باللہ من الفقر (احمد رقم ۳/۱۰۸۷۳،ابنِ حبان، ۲۳۹/۱:رقم ۹۷۹) ترجمہ: فقر سے اللہ کی پناہ مانگو۔سننِ نسائی میں ہے. نعوذ و من الفقر و فاقه، ترجمہ: فقر و فاقہ سے اللہ کی پناہ مانگو ۔(نسائی:۵۷۷۵)......الغرض احادیثِ صحیحہ میں فقر سے پناہ ونجات اور برا ءت کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔یہاں ایک بات کوملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے لیے موجود، مذکور اور منصوص فضائل کا اظہار بھی فخر سے نہیں فرمایاہرجگہ فرمایا"ولا فخرٌ

و لا فخر“ کی تکرار سے اپنے رب کی بارگاہ میں اظہارِ عبودیت اور تواضع فرمایا ہے“۔(۱۳)

اس لیے نعت گو شعراء نعتیہ ادب کے محققین اور شعرِ عقیدت کی تنقیدی سرگرمیوں سے وابستہ اہلِ قلم کو چاہیے کہ نبی علیہ السلام سے منسوب ہر روایت کو اچھی طرح پرکھنے کے بعد قبول کریں۔کیوں کہ یہ معاملہ صرف بیان کی فصاحت اور بلاغت ہی کا نہیں ہے بلکہ ایمان کی حفاظت اور عقبیٰ کے مواخذے سے بچنے کا بھی ہے۔دو احادیث اور بھی دیکھ لیجیے:

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہٗ من النار(:جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا.....متفق علیہ) .... کفی بالحرء کذباً ان بحدث بکل ما سمع(کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کردے)۔(۱۴)

نعت کے مافیہ(content) یا متن (text) کی اہمیت ہر قسم کی شاعری کے مافیہ سے زیادہ ہے۔نعت کے نفسِ مضمون کے فکری رشتے قرآن و حدیث سے بڑے گہرے ہیں۔اس لیے قرآن و حدیث کے مفاہیم کو شعری قالب میں ڈھالنے کے ہنگام استنادی شان کو برقرار رکھنا' تاریخ اسلام کے مستند حوالوں کو شعری پیکر دینا بہت ضروری ہے۔اس موقع پر اپنے جذبات ،اپنی خواہشات اور اپنے مذہبی تعصّبات کو قابو میں رکھتے ہوئے راہِ مستقیم پر چلنا اور وادیِ نعت سے سرخرو گزر جانا بہت بڑی کامیابی کی دلیل ہے۔کیوں کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ سچائی کا عنصر ہر سطح پر برقرار رہ سکے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"لا یجمع اللہ ھٰذِہِ الامۃ علیٰ الضلالۃ

ابدا" (اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے

گا)"۔......"اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰی ضَلَالَۃِ

فَاِذَا رَاَیْتُمْ اخْتِلَافاً فَعَلَیْکُمْ

بِالسَّوَادِالْاُعْظَمِ ٥ (میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔اگرتم

امت میں اختلاف دیکھو تو بڑی جماعت کے ساتھ موافقت لازم

ہے)(۱۵)

اس حدیث کی روشنی میں امت کے سواد اعظم کی مستند روایات اور صحاح ستہ اوراحادیث وسیئر کی امہاتِ کتب کا مطالعہ کرنا شاعر کے لیےبھی ضروری ہے' نقاد کے لیےبھی اور محقق کے لیےبھی لازمی ہے۔

شاعری میں جذبہ اوراحساس ہی شعرکاحسن بڑھاتا ہے۔تاہم نعتیہ شاعری میں جذبےاوراحساس کے ارتعاشات کوشعری پردے پرابھارنے کاعمل انتہائی سچائی اوراحتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔

جدیدعہد نے نعتیہ مضامین کو بڑی وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ان موضوعات میں کیا کیا شامل ہے ؟اس طرح کی کوئی فہرست بنانا تو ممکن نہیں ہے لیکن ہم اس مسئلے کو چند احساساتی اورفکری ابعاد (dimensions) کےحوالے سے دیکھ سکتے ہیں۔مثلاً:

۱۔ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی ذات کے جمالِ صوری کےحوالے سےبھی شعر کہے جاسکتے ہیں۔

۲۔ حضورِاکرم کے اسمائے مبارکہ کی معنوی تنویر سےبھی اشعار میں جگمگاہٹ پیدا کی جاسکتی ہے۔

۳۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمال معنوی یعنی اسوۂ مقدسہ کے حوالے سے بھی اظہارِ خیال کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ شاعر، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی الفت اور آپ کی اتباع کی آرزو کا اظہار بھی کرسکتا ہے۔

۵۔ حضورِ اکرمصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کا ذکر بھی جزوِنعت بن سکتا ہے۔

۶۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے اسوۂ حسنہ کی کسی ادا کا ذکر بھی نعت کی زینت بن سکتا ہے۔

۷۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تعلق مع اللہ بھی نعت سے مترشح ہوسکتا ہے۔(ایسے تعلق کو صوفیائے کرام نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جہتِ ولایت سے تعبیر کرتے ہیں اوراسی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولایت کو ان کی جہتِ نبوت سے افضل جانتے ہیں......لیکن یہ بڑا نازک معاملہ ہے)۔

۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تعلق مع الخلق بھی نعت کا موضوع ہے۔دراصل یہی نبوت کی غرض وغایت ہے۔ نبی ہی تو خلق کو خالق سے متعارف کرواتا ہے اور خالق کے احکامات سے آگاہ کرتا ہے۔

۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کی عظمت کے حوالے سے بھی نعت میں روشنی پیدا کی جاسکتی ہے۔

۱۰۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے معجزات کے ذکر سے بھی نعت لکھی جاسکتی ہے۔

۱۱۔ اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تعلق کا اظہار بھی نعت ہے۔

۱۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنے اہل بیت یعنی آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ تعلق کا ذکر بھی مدح رسولصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

۱۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنی آل کے ساتھ تعلق بھی نعت کا موضوع ہے۔

۱۴۔ نبیصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اقوال یعنی حدیثِ پاک کے حوالوں سے بھی نعت مزین ہوسکتی ہے۔

۱۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعمال کے ملفوظی اظہار کو بھی نعت کہا جاتا ہے۔

۱۶۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے ایسے معاملات بھی نعت کا جزو بن سکتے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمنے کسی کو کوئی ایسا عمل کرتے دیکھا جس کی کوئی نظیر موجود نہ تھی، تب بھی آپ نے منع نہیں فرمایا۔ نبی اکرمصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایسے رویئے یعنی ”سکوت“ کو اصطلاحاً ”تقریر“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۱۷۔ حضورِ اکرمصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غزوات کا ذکر بھی نعت ہے۔

۱۸۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے خطبات کے منظوم اظہار کو بھی نعت کہتے ہیں۔

۱۹۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بزم آرائی کے ذکر کو بھی نعت کہتے ہیں۔

۲۰۔ شاعر کی طرف سے اپنے غم کا استغاثے کی شکل میں اظہار بھی نعت ہے۔

۲۱۔ امت کی طرف سے استغاثہ پیش کرنے کا عمل بھی نعت ہے۔

۲۲۔ شفاعت طلبی کی التماس بھی نعت ہے۔

۲۳۔ خواب میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیدار کی آرزو کا شعری اظہار بھی نعت ہے۔

۲۴۔ حضورِ اکرم سے نسبت رکھنے والے اشخاص، اصحاب، ازواج اور اشیاء کا ذکر بھی نعت ہے

۔شرط صرف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکے اقوال یا تاریخی حوالوں سے بات بالکل سچی ہواور بیان میں اعتدال رہے

۲۵۔ ہر اس خطے کا ذکر بھی نعت بننے کا متحمل ہوسکتا ہے، جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمنے اپنی حیاتِ دنیوی میں قدم رنجا فرمایا۔

۲۶۔ مدینہ منورہ کا ذکر، اس تک رسائی کی آرزو اور اس شہر کی فضیلتوں کا بیان، سب نعت ہے۔

۲۷۔ گنبدِ خضریٰ کا تذکرہ بھی نعت ہے اور مسجدِ نبوی کا حوالہ بھی نعت ہے۔

۲۸۔ شاعر اپنے احساسات کی سچی عکاسی کرتے ہوئے حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکا اظہار کرے تو وہ بھی نعت ہی ہے۔

غرضیکہ اس موضوع کے ہزار ہا زاویئے ہیں۔شاعر کے احساسات، اس کے قلبی احوال، ہجر نبوی کا اظہار، مدینہ طیبہ سے دوری کے احساس کا شعری مرقع ، مدینہ پہنچ جانے پر اپنے نصیب پر رشک اور حیرت و استعجاب میں ڈوب جانے کی کیفیت کا اظہار وغیرہ، سب ہی کچھ تو نعت کا موضوع بن جاتا ہے ۔شرط صرف اتنی ہے کہ بیان میں اعتدال ہو، اظہار میں سچائی ہو، تلمیحات کا پس منظر بالکل درست اور مستند ہو۔

شاعروں کے لیے یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ اگر وہ براہِ راست حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے مخاطبہ کریں تو اس میں قرآنِ کریم کی ہدایات کو پیشِ نظر رکھیں۔قرآن کریم میں ہے:

یٰٓاَ یُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْ فَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ

فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْھَرُوْالَہٗ بِالْقَوْلِ

کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ

اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بلند کرو اپنی آوازیں اوپر نبی کی آواز کے اور
نہ اونچی کرو اپنی آواز اس کے سامنے بات کرتے وقت جیسے اونچی آواز میں
بولتے ہو تم ایک دوسرے کے ساتھ ، کہیں ایسا نہ ہو کہ غارت ہو جائیں
تمہارے اعمال اور تمہیں خبر بھی نہ ہو' (۱٦)

ممنوعاتِ نعت:

نعت کے اشعار کی شعری بُنت میں شرعی حدود کا خیال رکھنے کے لیے کچھ امتناعی زاویوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔مثلاً:

نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔اس تصور کے منافی کوئی خیال شعر میں نہیں باندھنا چاہیے۔علامہ رزی جے پوری کہتے ہیں:

محمدؐ کو خدا کہنا ، خدا کو مصطفا کہنا
یہ ہے ترکِ مدارج ،شرک ہے، الزام وتہمت ہے (۱۷)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ،اللہ رب العزت کے بندے ضرور ہیں لیکن اللہ کی تمام مخلوقات میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات افضل ہے۔

...... بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن ہمارے شاعر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں انہیں وہی نام دینے کی کوشش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔جیسے:

وہ احمد ،اللہ احد ہے
اسمِ محمد اسمِ صمد ہے (۱۸)
وہ والی وہ عالی ہے

وہ مالک ہے وہ مولا

اللھم صلِ علیٰ (۱۹)

پہلے شعر میں شاعر نے اسمِ محمد کو اسمِ صمد کہا ہے۔ یہ تو مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ اللہ نے سورۂ اخلاص میں اپنا تعارف ''اللہُ الصَّمد'' کہہ کر کروایا ہے۔ یہی حال ''والی'' اور ''مالک'' کا ہے۔ یہ دونوں نام بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اسم شماری میں شاعروں نے ذرا احتیاط نہیں کی ہے۔ مثلاً عربی کا ایک جملہ ہے ''صلِّ علیٰ''......صَلِّ (فت ص، شد ل بکس) [فعلِ امر]......رحمت نازل فرما۔ درود وسلام بھیج ......علیٰ یعنی اوپر۔

اس صورت میں صرف صَلِّ علیٰ کہنے سے بات مکمل نہیں ہوتی ہے۔ صَلِّ علیٰ محمد کہنے سے بات بنتی ہے۔ لیکن بعض شعراء یہ جانے بغیر ایک مجہول فقرہ ہی لکھتے ہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ بعض شعراء اس مجہول فقرے کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی سمجھتے ہیں۔ جیسے:

صَلِّ علیٰ ہی حامیء کل ہے

صَلِّ علیٰ ہی والیء کل ہے

صَلِّ علیٰ سردارِ رسل ہے

صَلِّ علیٰ ہی والیء کل ہے

صَلِّ علیٰ ہے اسمِ احمدؐ

رحم و کرم ہے اس کا لاحد (۲۰)

اس لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنے کی درخواست کے لیے صرف ''صَلِّ علیٰ'' کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کے طور پر یہ مجہول فقرہ استعمال کرنا تو اور زیادہ قابلِ

گرفت ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ کسی اور کو آپصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا ہم مرتبہ یا ہم رتبہ ظاہر کرنا۔کسی خاص صفت میں نبیصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا شریک قرار دینا۔صریحاً شرک فی النبوت ہے۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکی ذات ہی صرف وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔صرف حضورِ اکرم ہی کی ذات ''معصوم عن الخطاء'' ہے۔حضورِ اکرم کے قرابت دار، اصحاب اور ازواج سب ''محفوظ عن الخطاء'' ہیں۔یہ نکتہ ضرور ملحوظ رہے۔

محض عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے خیال سے کسی فلمی گانے کی طرز پر نہ تو شعر کہے جائیں اور نہ ہی اس گانے کی دھن اپنائی جائے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا مطالبہ نہ کیا جائے کہ ''آپ ایک بار پھر دنیا میں تشریف لاکر ہماری حالتِ زار ملاحظہ فرمائیں''۔کیوں کہ اسلام میں آپصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی بعثتِ ثانی کا کوئی تصور نہیں ہے۔استغاثہ،بحدِ اعتدال پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

انبیائے سابقین کی ذات سے حضورِ اکرم کی ذاتِ اقدس کی افضلیت ثابت کرتے ہوئے کہیں ان انبیاءِ کرام علیہم السلام کی توہین کا پہلو نہ نکلے۔اس ضمن میں بہت احتیاط درکار ہے۔

کسی صحابی یا آپ کے کسی رشتہ دار امتی کا ذکر اس طرح نہ کیا جائے کہ حضورِ اکرمصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکی تبلیغی سرگرمیوں کی کامیابی کا سہرا ان کے سر باندھنے کی کوشش ظاہر ہو۔یا یہ ظاہر ہو کہ اگر وہ صحابی نہیں ہوتے تو دین پھیلتا ہی نہیں۔تمام اصحاب النبیصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم ، ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم اور بنی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکے ہاشمی قرابت دار،امت کے لیے محترم ضرور ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکے صرف خادم اور امتی ہیں۔

معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرمصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کو اپنی نشانیاں دکھانے کے لیے فلک ا

لافلاک کی سیر کرائی تھی۔اسی بات کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے۔اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے معراج کی تفصیلات قرآن کریم میں موجود ہیں اور تفاسیر میں معراج کی روایت صحیح احادیث کی روشنی میں بھی ملتی ہے۔اس لیے یہ کہنا کہ ''اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کو دیدار کے لیے طلب فرمایا تھا'' بڑی بھاری غلطی اور ظلم ہے کیوں کہ اللہ کی شان ''البصیر'' کا استخفاف ہوتا ہے۔

معجزات کے بیان میں بھی صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکی عظمت کا خیال پیش کیا جائے، کسی صحابی کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے کسی معجزے کا تصور پیش کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

نعتیہ اشعار میں اصحاب النبیصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم، ازواج النبیصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم اور نبی علیہ السلام کے قرابت داروں کا ذکر مناقب کے اشعار کی صورت میں آ تو سکتا ہے۔لیکن صرف اس لیے کہ ان اشعار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم ہی کی عظمت ظاہر ہو۔ان حضرات میں سے کسی کا بھی حسنِ سیر ت و کردار، کرامت اور حسنِ معنوی، صرف اور صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکی تربیت اور فیضانِ نظر کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے اس کے علاہ کچھ نہیں۔

تاریخی استناد کی روشنی میں نعتیہ اشعار کی پرکھ کے اصول:

تاریخی واقعات کو بھی اپنے تعصب کی نذر نہیں کیا جانا چاہیے......تاریخ میں لکھا ہے اور بہت لوگوں نے بغیر تحقیق یہ بات باور کر لی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور بلندی پر نصب بت کو توڑنے کا حکم فرمایا۔یہ واقعہ درایت کی رو سے بھی غلط ہے اور روایت بھی اس کی بالکل غلط ہے۔علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے بروایت سنن ابی داؤدلکھا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور تھے لیکن علی بن ابی طالب نہیں بلکہ نواسہء رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم، حضرت بی۔بی۔زینب رضی اللہ عنہا کے فرزند علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تھے:

"فحمل علی بن ابی العاص علیٰ

عاتقه یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علی بن ابی العاص کو اپنے

کاندھے پر اٹھایا"۔(۲۱)

رحمۃ اللعالمین کے مصنف قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے لکھا ہے:

"فتح مکہ کے دن یہی علی سبطِ رسول، نبی ﷺ کے ناقہ پر حضور کے ردیف

تھے"(۲۲)

یہ تو صرف ایک مثال ہے تاریخ میں بے احتیاطیوں اور قصداً داخل کی جانے والی جھوٹی روایتوں کی وجہ سے آج امت میں انتشار ہے۔

شعراء، نقادانِ فن اور محققین کی توجہ مبذول کروانے کی غرض سے چند ایک ایسی مثالیں پیش کر دینا ضروری ہے جن کی شعری بنت، قرآن، حدیث یا تاریخی سند سے متصادم ہے:

واقعہء معراج:

اردو نعتیہ شاعری میں سب سے زیادہ جس واقعے کو خیالی شاعری کے ذریعے روحِ قرآن کے خلاف شعری بنت میں لایا گیا ہے، وہ واقعہء معراج ہے۔اس کی بے شمار مثالیں نعتیہ ادب کا حصہ بن چکی ہیں۔قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے صاف بیان فرمایا ہے:

"(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گردونواح کو تاکہ دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں"۔(۲۳)

اس کے علاوہ سورۂ نجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔نہ درماندگی ہوئی چشمِ (مصطفٰے)
اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی
بڑی نشانیاں دیکھیں''۔(۲۴)

ضیاالقرآن میں پیر محمد کرم شاہ الازہری نے تفسیرِ مظہری کے حوالے سے لکھا ہے:

''یعنی آیاتِ کبریٰ سے مراد عالمِ ملکوت کی وہ عجیب وغریب چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفرِ معراج پر جاتے ہوئے اور واپسی کے دوران میں کیا جیسے براق، سمٰوات، انبیاء، فرشتے، سدرۃ المنتہٰی، جنت الماویٰ وغیرہا............ان اشیاء کو آیاتِ کبریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جن مخصوص تجلیات کا تعلق ہے اور اللہ کی رحمتوں اور برکات کا نزول جس کثرت سے ان پر ہوتا ہے، وہ کسی دوسری آیت کو نصیب نہیں''۔(۲۵)

آیاتِ قرآنی کے ترجمے اور کچھ تفسیری حاشیئے سے سفرِ معراج کی غرض وغایت واضح ہوجاتی ہے۔لیکن ہمارے شعراء اس سفر سے عجیب وغریب باتیں منسوب کرکے اپنے اشعار کو چٹخارے دار بنانے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔مثلاً:

''کچھ اس انداز سے بختِ شبِ معراج چمکا ہے
اجالا تو اجالا ہے، اندھیرا بھی اندھیرا ہے
جو پردہ مدتوں سے درمیاں تھا آج الٹا ہے
محمدؐ عرش پر بیٹھے ہیں چپ خالق یہ کہتا ہے
تمہارا گھر ہے اپنے گھر میں شرمایا نہیں کرتے'' (۲۶)

درجِ بالا بند میں پہلے تین مصرعے ہلال جعفری کے ہیں۔ان مصرعوں میں بیان کی صفائی بھی ہے اور اعتدال بھی لیکن قمر جلالوی کے جس شعر پر یہ تین مصرعے لگائے گئے ہیں وہ معراجیہ ادب میں انتہائی رکیک شعر ہے۔حیرت ہے کہ قمر جلالوی نے جو غلطی کی تھی اس کو تضمین نگار نے خوبی جانا اور اس مبتذل شعر کی تضمین کر دی!

قمر جلالوی کا یہ شعر غزل کا محاکاتی بیان لیے ہوئے ہے اور رومانوی انداز کی شاعری کا نمونہ پیش کر رہا ہے۔اس شعر میں نہ تو معراجِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی غرض و غایت کا لحاظ کیا گیا ہے اور نہ ہی واقعاتی صداقت کا پہلو سامنے رکھا گیا ہے۔یہاں تو ہر عیب سے پاک خالق کو اپنے مقدس اور پاکیزہ بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملتے ہوئے ایسے دکھایا گیا ہے کہ اس کی تشریح کرنے میں دینی حمیت اور ایمانی غیرت مانع ہے۔پھر اپنے رب سے ایسی بات بھی منسوب کر دی گئی ہے جو ہر قرینے سے ’’کذب‘‘ کے زمرے میں آتی ہے۔قمر جلالوی کے شعر کا دوسرا مصرعہ اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ یہ قول، اللہ تعالیٰ کا قول بن کر سامنے آیا ہے......

...... ع ’’تمہارا گھر ہے۔۔۔الخ‘‘۔

یہ تو ایک مثال ہے۔معراج کے حوالے سے نعتیہ شاعری میں بے شمار اشعار ایسے مل جائیں گے جن میں اللہ رب العزت کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیدار کا تمنائی ظاہر کیا گیا ہے۔گویا [معاذ اللہ] اللہ تعالیٰ زمین پر چلتے ہوئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکو نہیں دیکھ سکتا تھا۔اس ضمن میں بڑے بڑے جغادریوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔علامہ قابل گلاؤٹھوی کا ایک شعر ہے جس کی تضمین ہلال جعفری نے کی:

عرش پر نور کی قندیل سے چلتا ہے پتہ
عبد و معبود کی تشکیل سے چلتا ہے پتہ

آمدِ حضرتِ جبریل سے چلتا ہے پتہ

شبِ معراج کی تفصیل سے چلتا ہے پتہ

اپنے ہی حسن کے خود طالبِ دیدار ہیں آپؐ (۲۷)

اس تضمین کے دوسرے مصرعے میں ''تشکیل'' کا لفظ ''عبد و معبود'' کے لیے استعمال کیا گیا ہے ۔تشکیل کے معنی ہیں شکل بنانا،صورت بنانا، خاکہ تیار کرنا، بنانا،مرتب کرنا،شکل دینا۔(اردو لغت، اردو ڈکشنری بورڈ)۔معراج کے حوالے سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی ملاقات کوتشکیل کا نام دینا کسی طور مناسب نہیں ہے۔

خیر یہ تو لسانی مسئلہ ہے۔قابل گلاؤٹھوی نے ''اپنے ہی حسن کے خود طالبِ دیدار ہیں آپؐ'' کہہ کرمعراج کے واقعے کو عجیب رنگ دیدیا۔اب ذرا غور فرمایئے:

''آپ'' کی ضمیر اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف راجع ہے،تب تو یہ مطلب ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حسن ہی اللہ تعالیٰ کا حسن بھی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ہی حسن کی طلب میں معراج پر تشریف لے گئے تھے۔اس طرح سوچنے سے دو نکتے زیرِ غور آئیں گے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حسن اصل ہے اور [نعوذ باللہ من ذالک] اللہ تعالیٰ کا حسن فروع۔

معراج پر جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی مرضی سے تشریف لے گئے تھے۔

اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔پہلی بات اس لیے کہ اللہ کا وجود ''واجب'' ہونے کے بجائے ''ممکن'' ہونے کا احتمال پیدا ہوتا ہے......اور دوسری بات واقعاتِ معراج کے صریح خلاف ہے۔پتہ نہیں شاعر کو ''شب معراج کی تفصیل سے'' کیا پتہ چلا تھا؟

قمر عینی جیسے بالغ نظر شاعر نے جب معراج کی تلمیح کو متنِ شعر بنایا تو عجیب بات کہہ گیا:

''موسیٰ اللہ کے جلووَں کے تمنائی تھے

اُنؐ کے دیدار کا اللہ تمنائی ہے‘‘(۲۸)

اس شعر میں اللہ کو نعوذ باللہ دیدارِ محبوب ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمسے محروم جان کر یہ خیال نظم کر دیا گیا ہے کہ:

’’اللہ بھی ان کے دیدار کا تمنائی ہے‘‘۔

اس طرح اللہ کی دو صفات کی نفی ہوگئی۔ ’’البصیر‘‘ اور ’’الصمد‘‘۔ وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہے۔ تمنا کرنا محتاجوں کا کام ہے، اللہ کا نہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شان کا استخفاف:

نعتیہ شاعری میں بعض شعراء صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی شان ظاہر کرنے کے لیے بلا سند ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شان کا استخفاف ہوتا ہے۔ مثلاً:

قربان ہوا جاتا ہے اس در پہ زمانہ

جس در کا تو دربان بھی جبریلِ امیں ہے (۲۹)

یہاں شاعر روضہء رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کو درِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کہہ رہا ہے۔ جبریلِ امین نے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد زمین پر قدم نہیں رکھا۔ آخری مرتبہ جبریل امین ملک الموت کے ہمراہ تشریف لائے تھے اور سلام کے بعد یہ اطلاع دیدی تھی کہ ’’آج زمین پر اترنے کا میرے لیے آخری دن تھا۔ (۳۰)........... پھر وہ روضہء رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی دربانی کیسے کر رہے ہیں۔ دربانی کا منصب تو جبریلِ امین کے پاس اس وقت بھی نہیں تھا جب وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے پاس وحیء ربانی لاتے تھے۔ اس طرح کی باتیں شعراء بہت کرتے ہیں جن سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔

سلطانِ دو جہاں کی یہ عظمت تو دیکھیے

نعلین سر پہ جبریلؑ سا درباں لیے ہوئے (۳۱)

اس شعر کا دوسرا مصرع بحر سے خارج ہے۔لیکن اس مصرعے میں جبریلؑ کی دربانی کے اعلان کے ساتھ ہی ان کے سر پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے نعلینِ مبارک رکھوادیئے گئے ہیں۔یہ صریحاً حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شان کا استخفاف ہے۔ابوالفضل قاضی عیّاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' میں ''انبیاء اور فرشتوں کی تنقیص کرنے والے کا حکم'' کے عنوان سے ایک پورا باب باندھا ہے۔من گھڑت باتیں کذب کے درجے میں آتی ہیں۔ایسی باتوں سے نعت گو شاعر کو بھی گریز لازم ہے اور نقاد کی ذمہ داری ہے کہ اس پر گرفت کرے۔محقق بھی ان باتوں کا خیال رکھے!

قرآن کریم کے واضح اعلان سے انحراف کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

''اَنَا بَشَرٌ زمانہ تم کو سمجھے، ہم نہ سمجھیں گے

بنائے کن فکاں تم، وجہ تخلیقِ جہاں تم ہو'' (۳۲)

اس شعر کا متن،سورۂ حٰمٓ السجدہ کی درجِ ذیل آیت سے اخذ کیا گیا ہے۔

''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْ حٰی

اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّا حِدٌ...''

(اے نبیؐ ان سے کہیے کہ بس میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا بتایا جاتا ہے

بذریعہ وحی مجھے کہ بس تمہارا معبود ایسا معبود ہے جو ایک ہی ہے)۔(۳۳)

محولہ بالا شعر میں حضورِ اکرمصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی بشریت سے انکار کے لیے شاعر نے قرآن کے الفاظ دہرانے کے بعد اپنا موقف بیان کیا ہے۔اللہ مرحوم شاعر کی غلطی معاف فرمائے (آمین)!

حدیثِ قدسی سے انحراف کی مثال:

حدیثِ قدسی وہ حدیث کہلاتی ہے جو قرآنِ کریم کا حصہ نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی تلاوت قرآنِ پاک کی طرح کی جاتی ہے۔لیکن اس حدیث کا ’’متن‘‘ اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔یعنی:

’’حدیثِ قدسی وہ کلام ہے جس کے الفاظ تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے ہوں اور اس کے معانی الہام یا خواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بتلائے ہوئے ہوں‘‘۔(۳۴)

اس وضاحت کے بعد یہاں ایک حدیثِ قدسی نقل کی جاتی ہے:

’’کُنتُ کَنزًا مَخفِیًّا فَا حبِبتُ عَنْ اُعرِفَ فَخَلَقتَ ا لُخَلق‘‘

(میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو خلق کو پیدا کیا میں نے)‘‘۔(۳۵)

یہاں اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے لیے ’’چھپا ہوا خزانہ‘‘ کے الفاظ آئے ہیں۔اس حدیث کا علم ہمارے شعراء کو بھی ہے۔لیکن بعض شعراء،حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی ذات کو درجہء الوہیت پر فائز دیکھنے اور دکھانے کی آرزو رکھتے ہیں۔اسی لیے وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس سے ان کی تمنا بھی پوری ہوجائے اور نبی علیہ السلام کو،براہِ راست ’’الہٰ‘‘ کہنے کی تہمت سے بھی بچ سکیں۔ایسی ہی ایک کوشش ملاحظہ ہو:

آپؐ سے ظاہر ہوا ہے حسنِ ربِ ذوالجلال
کنت کنزاً کا خزانہ آپؐ ہیں بس آپؐ ہیں (۳۶)

اس شعر میں شاعر نے ’’کنت کنزاً کا خزانہ‘‘ کہہ کر ’’اللہ رب العزت‘‘ کے بجائے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی ذاتِ والا صفات کو مخاطب کیا ہے۔نعتیہ شاعری میں اس طرح کے مضامین باندھنا

کوئی مستحسن عمل نہیں ہوسکتا۔اس سے اجتناب ضروری ہے۔

حدیثوں کی صحیح روایت کے بجائے خیالی مضمون باندھنے کی مثال:

بخاری، مسلم ،بیہقی ،ترمذی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم نے کچھ روایات نقل کی ہیں جن کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ''دونوں شانوں کے درمیان بلند گوشت تھا''، یہ مہرِ نبوت تھی ۔(۳۷)

ان روایتوں کے برعکس شاعر نے مہرِ نبوت کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

سرکارؐ کی جبیں پہ رسالت کی مہر تھی
سینے پہ ثبت ختم نبوت کی مہر تھی(۳۸)

ظاہر ہے یہ تخیلاتی شعر ہے اور حقیقت سے بہت دور جا پڑا ہے۔

خیال کو واقعہ بنا کر پیش کرنے کی مثال:

ایسے اشعار پیش کرنے سے پیشتر ڈاکٹر عندلیب شادانی کا عام شاعری پر تبصرہ ملاحظہ ہو۔وہ لکھتے ہیں:

''معاد کا عقیدہ تو اکثر مذاہب میں پایا جاتا ہے لیکن قیامت کب آئے گی اس کی تعیین کسی نے نہیں کی...... ہمارے شعراء خصوصاً چوٹی کے غزل گو جس درجہ حساس واقع ہوئے ہیں، وہ ظاہر ہے۔بھلا ان سے اس غیر معین حالت کی برداشت کہاں ممکن تھی اور وہ کب تک انتظار کرسکتے تھے۔اس لیے انھوں نے اپنی خیالی دنیا بنائی اور اس دنیا میں پہنچنے کے لیے فرضی طور پر یا تو جلاد محبوب کی چھری سے ہلاک ہوئے یا پھر اس کے جور وستم کے باعث ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جان دیدی۔پھر قیامت قائم کی۔حشر ونشر کے سامان ہوئے ۔خدائی دربار سجایا اور داورِ محشر کے سامنے فریاد لے کر پہنچے۔چوں کہ یہ حضرات شاعر ہونے کی حیثیت سے گویا ایک ہی ''امت'' کے افراد

ہیں۔اسی لیے حشر میں سب کو تقریباً ایک ہی قسم کے واقعات پیش آتے ہیں‘‘۔(۳۹)

ڈاکٹر عندلیب شادانی نے غزل کے ایسے اشعار پر طنز کیا ہے، جو حشر میں عاشق کی فریاد پیش ہونے پر محبوب کے خجل ہونے کے تخیلاتی مضامین کے حامل تھے۔ایسے مضامین باندھنا روایتی غزل گوؤں کا بھی شعار رہا ہے اور جدید دور میں بھی کہیں کہیں یہ مضامین نظر آ جاتے ہیں۔اس کے باوجود غزل میں تخیلاتی شاعری کرنا ، واقعاتی حوالے سے کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو، بہت زیادہ معیوب نہیں سمجھا جاتا۔لیکن نعت ایک مقدس صنفِ سخن ہے۔یہاں بیان کی صداقت لازمی ہے۔چاہے وہ لمحاتی صداقت ہی کیوں نہ ہو۔شعر گوئی کے وقت جو کیفیت شاعر پر غلبہء عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طاری ہوجائے وہ بھی لمحاتی صداقت کے ذیل میں آتی ہے۔چنانچہ اس خاص کیفیت کے اظہار کو بھی صداقت ہی کے طور پر قبول کیا جانا چاہیے۔تاہم اس لمحاتی کیفیت کو اسی دنیاوی زندگی کا عکاس ہونا چاہیے۔حشر ونشر کے تخیلاتی بیان کو واقعاتی سطح پر بیان کرنے سے گریز لازم ہے۔ورنہ شاعر خواہ مخواہ دروغ گو قرار پائے گا۔ایسی باتوں پر عاقبت میں گرفت بھی ہوسکتی ہے۔درجِ ذیل اشعار پر ذرا غور فرمایئے:

’’دفن کر کے جب مرے احباب آقا چل دیئے
آ کے جلوؤں سے لحد کو جگمگایا شکریہ
پیاس ابھی بڑھنے بھی پائی تھی نہ میری حشر میں
جام کوثر تم نے خود آ کر پلایا شکریہ
عیب محشر میں کھلا ہی چاہتے تھے میں نثار
ڈھک کے پردہ اپنے دامن میں چھپایا شکریہ

سوئے دوزخ جب ملائک مجھ کو لے کر چل دیئے
میں ترے صدقے مجھے آکر چھڑا یا شکریہ
شکریہ کیوں کر ادا ہو آپ کا یا مصطفیٰ
کہ پڑوسی خلد میں اپنا بنایا شکریہ (۴۰)

درجِ بالا اشعارشعری جمالیات سے تو دور ہیں ہی، خالصتاً تصوراتی واقعات پر بھی مبنی ہیں۔شاعر کا اس دنیا سے رخصت ہوکر لحد میں چلا جانا اور وہاں حضورصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکا جلوہ افروز ہونا۔شاعر کا یومِ حشر حضورِاکرمصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے دستِ مبارک سے کوثر کا پیالہ پینا۔شاعر کے عیبوں کی حضورصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے ہاتھوں ستر پوشی ہونا۔شاعر کے بارے میں دوزخ کا فیصلہ ہوجانا اور حضورِاکرمصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکا شاعر کوفرشتوں کے چنگل سے چھڑانا۔حضورِاکرمصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا شاعر کو اس سخت گھڑی میں سہارا دینا اور جنت میں لے جا کر اپنے پڑوس میں جگہ عطا کرنا......کیا یہ سب کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے؟......جواب نفی میں ہی ہوگا!......پھر ان احوال کو اس طرح بیان کیوں کیا گیا کہ ایسا معلوم ہو جیسے یہ تمام واقعات شاعر کے ساتھ پیش آ چکے ہیں؟......اس کی وجہ شاعر کی نفسی کیفیت ہے اور کچھ نہیں۔ہوسکتا ہے شاعر نے کوئی خواب دیکھا ہو۔یہ بھی ہوسکتا ہے اور یہ زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ شاعر نے اپنے احوال کا تصوراتی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہو!......بہر کیف، کچھ بھی ہو، بیان میں صداقت کا عنصر قطعی نہیں ہے۔شاعر ابھی اسی دنیائے آب وگل میں ہے تب ہی تو شاعری کرر ہا ہے......اوراس دنیا میں یہ تمام احوال پیش آنا ممکن نہیں ....ان تمام اشعار میں نہ تو کوئی قرینہ‘خواب کا ہے اور نہ ہی شاعر کی تمنا کا اظہار ہوا ہے۔اگر شاعر اپنی تمنا کا اظہار کرتا تو صیغہء مستقبل میں بات کرتا اوردرخواست کرتا ہوا نظر آتا کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم! مجھے آپ کی ذاتِ والا صفات سے ایسی ایسی عنایات کی توقع ہے!اے کاش ایسا ہوجائے!......اس

کے برعکس تمام اشعار میں شاعر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم سے براہِ راست مخاطب ہے اور عنایاتِ خسروانہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کا ''شکریہ'' ادا کر رہا ہے۔شکریہ نعمتیں حاصل ہوجانے کے بعد ادا کیا جاتا ہے......اور یہاں یہ تمام نعمتیں ابھی شاعر کو حاصل ہی نہیں ہوئی ہیں......ایسی صورت میں شاعر نے غیر ارادی طور پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کا شکریہ ادا کر کے اپنے لہجے کو [نعوذ باللہ] طنزیہ بنالیا۔کیوں عام طور پر اپنی توقعات پوری نہ ہونے پر طنزاً کسی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔نیتوں کا حال تو اللہ جانتا ہے ۔ہم تو صرف ظاہر پر حکم لگا سکتے ہیں۔حدیث شریف ہے ''نحن نحکم بالظاهر والله یتولی السرائر'' (ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سرائر کا ذمے دار ہے، یعنی باطن سے اللہ واقف ہے)۔

اس موقع پر ایک بات اور صاف کرتا چلوں۔بعض لوگ صوفیانہ شطحیات کے اظہار میں بے باک ہوتے ہیں۔شطحیات کیا ہیں؟ یہ جاننے کے لیے ہم نے سرِ دلبراں دیکھی تو وہاں لکھا ہے:

> ''شطحیات: جمع ہے شطح کی۔یہ وہ کلمات ہیں جو صوفیائے کرام کی زبان سے مستی وشوق وغلبہء حال میں بے اختیار صادر ہوجاتے ہیں۔جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر باطناً کسی سِرّ کی جانب ان میں اشارہ ہوتا ہے۔گو ہر شخص ان اشارات کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکے۔اس قسم کے کلمات کے متعلق مشائخین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روش یہ ہے کہ انھیں نہ رد کرتے ہیں نہ قبول، تاوقتیکہ سمجھ نہ لیں''۔(۴۱)

شاہ سید محمد ذوقیؒ کی درجِ بالا عبارت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم شاعر کے اشعار کو نہ تو قبول کرتے اور نہ ہی رد کرنے کی جسارت کرتے......لیکن یہ معاملہ کائنات کی سب سے سچی اور بعد از خدا بزرگ ہستی

جنابِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حوالے سے نہ صرف بیان ہوا تھا بلکہ مشتہر بھی ہوا (کسی کتاب کی طباعت کا مرحلہ بقائمِ ہوش وحواس ،ہی پیش آتا ہے)اس لیے ہم پر لازم ہوگیا کہ اس کی طرف کچھ تنقیدی اشارے کردیں تاکہ کتاب پڑھنے والوں اور عوامی سطح پر ان اشعار کو دہرانے والوں پر حقیقتِ حال کھل جائے۔شعراء بھی اپنی شاعری میں ایسی باتوں کے اظہار سے گریز کریں‘ نقادانِ فن بھی ایسے معاملات میں چوکنے رہیں اور محققین بھی بیدار مغزی کا ثبوت دیں۔

ایک شاعر نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے پردہ فرمانے کے بعد حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کے غم کی کیفیت کا خیالی بیان شعروں میں ڈھالا ہے اور ان کو دلاسہ دینے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداؤں کا بار بار آنا ذکر کیا ہے۔ان صداؤں کا سنا جانا ممکن تو تھا لیکن یہ کسی مستند حدیث میں مذکور نہیں۔ثانیاً ان صداؤں میں جو تمنائیں اظہار پذیر ہوئی ہیں وہ مزاجِ نبوت سے متصادم ہیں۔عجیب بات کہ شاعر نے تخیلات کی دنیا سجاتے ہوئے اپنی عاقبت کا بھی خیال نہیں رکھا۔وہ لکھتا ہے:

”کھا کر پچھاڑیں روتی تھیں زہرا جو زارزار
آتی تھیں مصطفیٰؐ کی صدائیں یہ باربار
بیٹی!مرے کلیجے کے ٹکڑے، ترے نثار
نورِ نگاہ میرے نواسوں سے ہوشیار
مہلت ملے تو دونوں کی شادی رچائیو
دولھا دلھن کو میری لحد پر بھی لائیو(۴۲)

افسوس !حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی امت کے شاعر ،مزاجِ رسالت سے آگاہ نہیں ہوسکے!انھیں نہیں معلوم کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے ناممکن الوقوع باتوں کا

صدور نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکا یہ مقام بھی قطعی نہیں ہے کہ وہ بہت چھوٹی چھوٹی خواہشات کا اظہار فرمائیں اور وہ بھی کب، جب اس دنیا سے پردہ فرما جائیں! بھلا ننھے معصوم بچوں کی شادی کا خیال قرینِ قیاس ہوسکتا ہے؟ لاریب ہٰذا بہتان العظیم!

اصل حقیقت کیا تھی؟ ....حضورِ اکرمصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم نے پردہ فرمانے سے چند یوم قبل حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو یہ خبر دیدی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکی رحلت کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی آپصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے ملیں گی! الخصائص الکبریٰ میں امام جلال الدین سیوطی نے حدیث بیان کی ہے:

''طبرانی وبیہقی رحمہما اللہ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مرض میں بلایا اور ان سے راز کی کچھ دیر باتیں فرمائیں اور وہ رونے لگیں اس کے بعد ان سے کچھ دیر اور راز میں باتیں فرمائیں اور وہ ہنسنے لگیں پھر میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے پہلی مرتبہ تو یہ خبر دی کہ جبریل علیہ السلام ہر سال ہر رمضان میں ایک مرتبہ قرآن کا دور کراتے تھے اور اس سال انہوں نے دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا ہے اور مجھے خبر دی کہ کوئی نبی نہیں ہوا مگر اس کے بعد نبی آیا اور اس نے نصف عمر اس کے ساتھ گزاری اور نصف عمر اس کے بعد گزاری اور فرمایا: اے بیٹی! مسلمان عورتوں میں سے کوئی عورت مصیبت میں تم سے اعظم نہیں ہے تو تم صبر میں ادنیٰ عورت نہ ہونا............اور دوسری مرتبہ جو مجھ سے راز میں گفتگو کی تو اس میں مجھے خبر دی کہ میں آپ کی اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ سے ملوں گی اور

فرمایا تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو بجز اس کے جو مریم بنتِ عمران رضی اللہ عنہا سے تعلق رکھتی ہو، اس بنا پر میں ہنس پڑی''۔(۴۳)

اس مستند روایت کی موجودگی میں نہ تو یہ ممکن ہے کہ حضرتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے ایسے بین کیا ہو جیسے شاعر نے لکھا ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی پیاری بیٹی کو اس کے بچوں کی شادی کرنے اور ان کی دلہنوں کو اپنی لحدِ مبارک پر لانے کی تلقین فرمائی ہو!

بچوں کی شادی کا شوشہ تو خود شاعر نے اپنی ذہنی اختراع سے چھوڑا ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اولاد کے سنِ بلوغ کو پہنچنے سے قبل ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دنیا چھوڑ دیں گی اور یقیناً ایسا ہی ہوا۔ حضرت فاطمہ کا وصال ۱۱ہجری میں ہوگیا۔ پھر ایسی خواہشات [بچوں کی شادی] کا اظہار زبانِ نبوت سے کروانا کس قدر قبیح اور لائق گرفت فعل ہے اس کا اندازہ راسخون فی العلم ہی کو ہوسکتا ہے۔

مسئلۂ امتناعِ نظیر:

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے ''مَلَأِ اعلیٰ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسم مبارک''۔ اس عنوان کے تحت ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ ہم وہ حدیث من وعن یہاں پیش کرتے ہیں:

> ''حاکم، بیہقی اور طبرانی رحمہم اللہ نے ''صغیر'' میں اور ابونعیم اور ابنِ عساکر رحمہم اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہوگئی تو انہوں نے التجا کی ''اے رب! بہ حقِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مجھے بخش دے''۔اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: ''تم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کس طرح جانا؟'' عرض کیا: ''جب تو نے میرے پتلے کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور جان آفرینی کی، میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ عرشِ اعلیٰ کے ستونوں پر لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ

لکھا ہوا ہے۔تو میں نے جان لیا کہ جس ذاتِ اقدس کا نام نامی تیرے اسم گرامی کے ساتھ مکتوب ہے یقیناً وہ تیری بارگاہ میں دیگر ساری مخلوق سے اعلیٰ ومحترم ہوگا''۔ربِّ عظیم نے فرمایا: ''اے آدم! تم نے ٹھیک سمجھا۔اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ ہوتے تو میں نہ تم کو پیدا کرتا نہ کائنات کو''۔حدیثِ قدسی ہے۔اللہ عزَّ وجل فرماتا ہے ''لو لاك لما خلقت الافلاك'' ۔اس حدیثِ قدسی کے یہی معنی ہیں یعنی یہ تمام کائنات اور عالم اجساد صدقہ ہے وجودِ باجود جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا''۔(۴۴)

گو بعض علماء نے اس ''لولاک'' والی حدیثِ قدسی پر کلام بھی کیا ہے تاہم نفسِ مضمون پر بیشتر کا اتفاق ہے............راقم الحروف نے پندرہ سو سال کے شعری سرمائے سے کچھ اشعار منتخب کرکے اپنے ایک مضمون میں یکجا کردیئے ہیں جن میں بالکل درست طریقے سے صحیح روایتوں کا لحاظ کرکے شعراء نے حصر کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی ذات ِ پاک کو ''مقصودِ کائنات'' کہا ہے۔(''ہنر نازک ہے'' کے صفحات ۹۶ تا ۱۱۸ ملاحظہ ہوں)۔

شعراء، ادباء، مغازی نویسوں، سیرت نگاروں اور تاریخ دانوں کے اجماعی مسئلے کو اردو کے ایک شاعر، بیدؔم وارثی نے صوفیانہ شطح کے تحت ایک شعر لکھ کر متنازعہ بنانے کی ناکام کوشش کی۔قوالوں نے اس

شعر کی تشہیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ میں نے وہ شعر بیدؔم وارثی کے دیوان میں نہیں پایا۔ ہوسکتا ہے کسی اور شاعر کا ہو اور بیدم وارثی سے منسوب کردیا گیا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شعر کہہ کر شاعر نے اسے قابلِ اشاعت نہیں جانا ہو۔ بہرحال وہ شعر منسوب بیدؔم وارثی ہی سے ہے۔ رشید وارثی نے وہ شعر اپنے مضامین میں نقل کیا ہے۔ شعر ہے:

بیدؔم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات

خیرالنساءؓ، حسینؓ و حسنؓ، مصطفیٰؐ علیؓ (۴۵)

اس شعر میں حدیثِ قدسی کے برعکس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی ذات کے علاوہ چار اور مقدس ہستیوں کو ''مقصودِ کائنات'' قرار دیا گیا ہے۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ مقدس ہستیوں میں سے ایک تھے اور شعر میں مذکور مقدس ہستیوں میں بھی چوتھے نمبر پر!............ میرے نزدیک یہ صریح ''شرک فی النبوت'' ہے۔

عقیدت بھی عجیب ہوتی ہے' جب انسان پر اس کا غلبہ ہوجائے تو یہ نبی کو خدا کے درجے تک پہنچانے کی سعی کرتی ہے اور جب کسی بزرگ سے عقیدت ہوجائے تو ان بزرگ کو نبی کا درجہ دینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتی۔ اہلِ تصوف اور شعراء میں بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو نبی علیہ السلام کو خدا کے مرتبے سے چھوٹا درجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ''احمدؐ'' کا ''میم'' حذف کردیں اور ''احد'' پکاریں۔ اسی طرح اپنے اپنے بزرگوں کو نبی اور خضر سے بھی بلند مقام پر دیکھنے اور دکھانے کے آرزومند حضرات کی بھی کمی نہیں ہے............ دور کیوں جائیں، علامہ اقبال بھی جب حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت کہتے ہیں تو فرماتے ہیں:

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی

مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا (۴۶)

لیکن اس کے باوجود اقبال کی دینی بصیرت نے حضورِ اکرمصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مرتبے کا استخفاف کبھی گوارانہیں کیا۔ بلکہ شرک فی النبوت کی جڑ کاٹنے کے لیےانہوں نے برملا یہ کہہ دیا:

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہر مفہوم شرک

بزم را روشن زِ نورِ شمعِ ایماں کردہ ای

(اے [نبیءمکرم ﷺ] آپ کی ذات وہ ذات ہے جس کے آنے کے بعد نبوت کا دروازہ اس طور بند ہوا کہ اب ہر مفہوم میں نبوت شرک ٹھہری۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے محفلِ کائنات کو شمعِ ایمان کے نور سے روشن فرما دیا ......)(۴۷)

بیدم وارثی کا شعر تو ان لوگوں کے لیے جو حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم اوران کے جانوادے سے محبت کرتے ہیں (نعوذ باللہ) حدیث اور قرآن کے احکامات کے مساوی ہے۔اس لیے جب میں نے اپنے مضامین میں اس شعر کی طرف توجہ دلائی تو رشید وارثی نے مجھے بلا تاخیر ناصبیت زدہ ذہنیت کا مالک قرار دیدیا(۴۸)

رشید وارثی کے مزاج کی جھنجھلاہٹ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے اشعار میں عروضی اسقام کی نشاندہی کی گئی تو کوئی علمی دلیل دینے کے بجائے انہوں نے یہ لکھ کر جان چھڑانے کی کوشش کی کہ:

’’ہمارے نعتیہ ادب کے بعض تنقید نگاروں میں یہ لائق توجہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ فنِ عروض میں کسی حد تک شد بد حاصل کر لینے کے بعد اسی کو نعتیہ تنقید نگاری کی اساس سمجھ کر اس پر انحصار کر بیٹھتے ہیں۔علمِ عروض کی کوئی شرعی اہمیت تو خیر ہے ہی نہیں‘‘(۴۹)

............اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو آدمی اپنی ذراسی غلطی ماننے کے لیے تیار نہ ہو اور اپنا

موقف منوانے کے لیے علم کی کسی بھی شاخ(Discipline) کو رد کرنے پر آمادہ ہو جائے بھلا وہ اپنے گروہ کے کسی شخص کی بڑی غلطی کس طرح تسلیم کر سکتا ہے؟......چنانچہ یہی ہوا کہ رشید وارثی نے میرے موقف کو رد کرنے کی کوشش کی اور جب انہیں کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ بھی کچھ بزرگوں کو ''مقصودِ کائنات'' قرار دیا گیا ہو، تو انہوں نے تاویلات کا سہارا لیا۔ ظاہر ہے سند نہ ملنے پر تاویلات ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے............انہوں نے اپنی کتاب ''اردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' کے صفحات ۳۴ سے ۳۹ تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادے کے لیے کچھ ایسی احادیث پیش کر دیں، جن سے ان حضرات کے فضائل کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ مناقب کی بہت ساری احادیث دیگر اصحاب رضوان اللہ علیہم اور ازواجِ مطہرات سلام اللہ علیھن کے لیے بھی موجود ہیں۔ ایسی صورت میں تو کوئی بھی ان احادیث کا سہارا لے کر کسی بھی شخصیت کو مقصودِ کائنات ٹھہرا سکتا ہے۔

............بیدم وارثی کے مذکورہ شعر کی وکالت کرتے ہوئے رشید وارثی نے بہت کچھ لکھا لیکن اپنی دلیل منوانے کے لیے انہیں کوئی حدیث تو کیا ملتی، چودہ سو سال کے شعری سرمائے سے مذکورہ شعر کے قریب المفہوم کوئی شعر بھی نہیں ملا۔ حد ہے کہ انہوں نے اپنا بھی کوئی شعر نقل نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس ان کی کتاب میں جا بجا اس حقیقت کا اظہار ہوا ہے کہ ''مقصودِ کائنات'' صرف اور صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۹ پر لکھا ہے:

''**باعثِ تخلیقِ کائنات**، فخرِ موجودات، مظہرِ شانِ کبریا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ اقدس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ''**انک لعلیٰ خلق عظیم**''۔ (۵۰)

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ رشید وارثی نے بیدؔم وارثی کے شعر کی تعریف و توصیف میں اور اس کے نفسِ مضمون کی صحت ظاہر کرنے میں زورِ قلم تو صرف کردیا لیکن خود ان کے تحت الشعور میں حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھیک ٹھیک بیٹھی ہوئی تھی اسی لیے انہوں نے اپنی کتاب میں صرف حضور علیہ السلام کو جانا اور لکھا ہے۔ **''باعثِ تخلیقِ کائنات''** لیکن گروہی عصبیت ان پر اتنی غالب آئی کہ بیدم وارثی کی وکالت میں بیجا دلائل دینے کی کوشش میں وہ قطعی پیچھے نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی خطائیں معاف فرمائے (آمین!)

راقم الحروف کو اس شعر پر گفتگو کرتے ہوئے ۱۸۲۰ء میں مولوی اسماعیل دہلوی کی کہی ہوئی ایک بات یاد آرہی ہے ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے علامہ اقبال کی کتاب ''جاوید نامہ'' کی شرح میں لکھا ہے:

> ''برصغیر میں انگریزی دور کی چھتری کے تحت بعض ہندوستانی مسلمانوں نے جو طرح طرح کے اختلافی مسائل کھڑے کردیئے تھے ان میں سے ایک یہ مسئلہ رحمۃ للعالمین بھی تھا اور ایک عالم جن کا نام محمد اسمٰعیل تھا اس مسئلے پر خاص طور پر بحثیں کررہے تھے وہ چاہتے تھے جس طرح اللہ نئے جہان پیدا کرسکتا ہے نئے رحمتِ عالم بھی پیدا کرسکتا ہے۔ یہ اس کے لیے مشکل نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح کا اور پیغمبر پیدا کرنا اس کی قدرت میں ہے اس طرح ہر جہان کے لیے ایک الگ رحمتِ عالم ہوسکتا ہے۔ جبکہ قرآن نبیء کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہی جملہ عالموں کی رحمت قرار دیتا ہے۔ اس لیے کسی اور جہان میں کسی نئے رحمتِ عالم کے وجود کا ہونا ممکن نہیں۔ جہان چاہے لاکھوں ہوں رحمتِ عالم سب کے لیے صرف ایک ہی ہے جس کو خود خالقِ کائنات نے رحمۃ للعالمین یعنی جملہ جہانوں کے لیے

رحمت قرار دیا ہے اور وہ ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم‘‘۔(۵۱)

غالبؔ نے بھی مولانا فضلِ حق خیرآبادی کے اصرار پر ایک مثنوی ’’امتناعِ نظیر‘‘ لکھی تھی۔حالی نے یادگارِ غالب میں یہ پورا واقعہ بھی درج کیا ہے۔وہیں غالبؔ کا یہ شعر بھی درج ہے:

’’منشاء ایجادِ ہر عالم یکیست

گر دو صد عالم بود خاتم یکیست‘‘ (۵۲)

(ہر عالم کی پیدائش کا منشا صرف ایک ہے۔اگر دوصد [سینکڑوں] عوالم بھی ہوں تب بھی ’’خاتم‘‘ ایک ہی ہوگا۔)

راقم الحروف نے بیدم وارثی کے مذکورہ شعر کو مسئلۂ امکانِ نظیر سے جوڑا تو روح کانپ گئی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اس لیے ’’خاتم النبیین‘‘ کا منصب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلمکی ذاتِ والا صفات کی یکتائی کا مظہر ہے۔محولہ حدیثِ قدسی بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلمکی ذاتِ والا صفات ہی کو مقصودِ کائنات ٹھہراتی ہے۔ان شواہد اور اجماعِ امت کے تناظر میں بیدم وارثی کا شعر عقیدے کے طور پر قبول کر لینا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کی یکتائی کے تصور کو مجروح کرنے کے مترادف ہوگا۔اس لیے اس طرح کے خیالات سے شعراء، نقاد اور محققین کو اجتناب کرنا چاہیے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلمکے اصحاب یا ان کے قرابت داروں کی محبت لاکھ ابھارے، عقیدہ درست رہنا ضروری ہے۔حضورِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقام کو بڑھا کر اللہ کے مرتبے پر پہنچانا بھی گمراہی ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلمکے مرتبے کے برابر کسی اور کا مرتبہ ماننا بھی گمراہی ہے۔نبیِ کریم کی شانِ یکتائی پر جس بات سے بھی حرف آتا ہو، وہ مرتبہء رسالت کے استخفاف کا باعث ہوگی۔اس لیے ہر نعت گو شاعر کا فرض ہے کہ ایسے خیالات منظوم کرنے سے

اجتناب کرے اور ہر نقاد کا فرض ہے کہ ایسے خیالات جس بیت یا نظم میں نظر آئیں ان پر قرینے سے تنقید کرے۔ یہی فریضہ محقق کا بھی ہے۔

الفاظ کے استعمال میں احتیاط کے تقاضے:

الفاظ کے استعمال میں عام بول چال میں بھی بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاعری تو کام ہی الفاظ کے استعمال کا ہے۔ اس لیے اس فن کی آبیاری کے لیے شاعر میں الفاظ کو پرکھنے کی صلاحیت ہونا چاہیے۔ الفاظ تو الفاظ ان کی شعر میں بُنت بھی درست ہونا ضروری ہے ورنہ بات کچھ کی کچھ ہونے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مولوی نجم الغنی رامپوری نے بحرالفصاحت میں لکھا ہے:

> ''ایک شاعر نے جہانگیر کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا اور اس نے پڑھنا شروع کیا۔ جیسے ہی کہ پیش مصرع مطلع کا پڑھا:
>
> اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا
>
> فرمایا کہ تو عروض جانتا ہے؟ اور شعر کے وزن و تقطیع سے باخبر ہے؟ عرض کیا کہ مجھے یہ چیزیں معلوم نہیں۔ فرمایا کہ اگر عروض دان ہوتا تو تیری گردن مروا دیتا۔ شاعر بیچارہ گھبرا گیا کہ کیا خطا واقع ہوئی۔ مہربانی سے آگے طلب کر کے فرمایا کہ جب اس مصرع کی تقطیع کریں تو اس طرح وزن ہوگا:
>
> اے تاجِ دو ''مستفعلن'' لت بر سرت ''مستفعلن'' از ابتدا ''مستفعلن'' تا انتہا ''مستفعلن''۔ ''لت بر سرت'' بدیُمن اور بد فال ہے۔ شاعر کو ایسی چیزوں سے خبردار رہنا چاہیے''۔ (۵۳)

جہانگیر بادشاہ کے لیے جو قصیدہ پڑھا گیا تھا اس میں لفظ غلط نہیں تھا صرف یہ عیب تھا کہ تقطیع میں ''لت بر سرت'' آتا تھا جس کا مطلب ہے ''تیرے سر پر لات'' ۔ اس مثال سے اندازہ لگایا جاسکتا

ہے کہ شاعری میں نہ صرف لفظوں کا درست استعمال بڑا ضروری ہے بلکہ لفظوں کی ایسی تشکیل سے بھی بچنا ضروری ہے جن کی تقطیع کی جائے تو بات کچھ کی کچھ بن جائے۔

مجھے لفظوں کے غلط استعمال کی بہت سی مثالیں ملی ہیں لیکن طوالت سے بچنے کے لیے صرف چند ایک پیش کر دیتا ہوں۔

اللہ کے ذاتی نام کے غلط تلفظ کی مثال:

قمر رعینی لکھتے ہیں:

> ''[میں نے] لفظ اللہ کو فعلن کے وزن پر الاّ نہیں لکھا بلکہ اس میں اللہ کی ہائے ہوز کو واضح طور پر مفعول کے وزن پر باندھا ہے یعنی ع اللہ کو الاّ نہیں اللہ کہا (۵۴)

مجھے بھی اس بات پر اصرار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کو مخفف نہیں کرنا چاہیے، چاہے شعری ضرورت کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس فعلِ قبیح سے بچنا لازمی ہے۔اللہ کا لفظ پانچ حرفی ہے (بروزن مفعول) اور اس کا ہر لفظ پورا پڑھا جاتا ہے۔اس لیے اسے کسی طور چار حرفی (بروزن فعلن) بنا کر نہیں لکھنا چاہیے۔

''کبریا'' کا بے محل استعمال:

کبریا کا لفظ ہمارے ہاں بڑے بڑوں نے ''اللہ'' کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہے۔شعراء نے کبھی اس طرف دھیان نہیں دیا کہ ''کبریا'' کو پہلے پہل جس نے بھی اللہ کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہوگا اس نے عربی قاعدے سے ناواقفیت کی بنا پر یا اپنے غلط اجتہاد کی بنا پر ایسا کیا ہوگا۔حالانکہ یہ صرف صفت ہے اسمِ صفت نہیں ہے۔قرآنِ کریم میں یہ لفظ صرف دو بار آیا ہے۔سورۂ یونس اور الجاثیہ میں:

وَتَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآ ءُ فِی

اْلُاْرضِ ط ......

اور حاصل ہو جائے تم دونوں کو سرداری اس ملک میں۔(۵۵)......

وَ لَہُ ا لْکِبْرِیَآ ءُ فِی السَّمٰوٰتِ

وَ الْاَرْضِ ص ......

اور اسی کو سزاوار ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں۔(۵۶)

قرآن کریم کی درجِ بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ کبریا بڑائی کو کہتے ہیں ''بڑے'' کو نہیں۔اللہ کے لیے ''اکبر'' بھی اسمِ ذات (اللہ) کے ساتھ بولا اور لکھا جاتا ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ یہ غلطی اتنی عام ہوئی کہ اردو لغت بورڈ، کراچی، میں بھی ''کبریا'' کے معنی خدا تعالیٰ کے صفاتی نام کے ہی دیئے ہیں۔حالانکہ اسی لغت میں اس لفظ کے معنی بزرگی، عظمت، شان وشوکت، جاہ وجلال، قدرت اور فضیلت بھی رقم ہیں اور میر کا یہ شعر بھی درج ہے جو اس لفظ کے بالکل درست استعمال کی طرف اشارہ کر رہا ہے:

''میرؔ ناچیز مشتِ خاک اللہ

ان نے یہ کبریا کہاں پائی''(۵۷)

ان حقائق کی روشنی میں ''کبریا'' کو اللہ کے صفاتی نام کے طور پر برتنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

میٹھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

ایک صاحب نے بلا سوچے سمجھے حضورِ اکرم کے لیے میٹھے نبیصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ترکیب استعمال کی۔میٹھا، اشیاء کی شیرینی کے لیے تو استعمال ہوتا ہے۔افراد کے لیے اس کے استعمال میں خوبی کے بجائے ذم کا پہلو ہے۔اللہ رب العزت نے قرآنِ کریم میں لفظ ''راعنا'' کے استعمال کی ممانعت کے

ذریعے واضح فرمان جاری کر دیا ہے کہ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جو ''ذومعنیٰ'' ہو اور جس میں اچھائی اور برائی کے دونوں معنی پائے جاتے ہوں۔اس لیے میٹھے نبیصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہنا بھی حضورِ اکرمصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے۔پہلے مطلع ملاحظہ فرمائیں:

''عرشِ علیٰ سے اعلیٰ میٹھے نبی کا روضہ

ہے ہر مکاں سے بالا میٹھے نبی کا روضہ'' (۵۸)

جس نعتیہ غزل کا مطلع اوپر درج کیا گیا ہے اس کے بارہ اشعار ہیں۔اس طرح ''میٹھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کی ترکیب تیرہ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔اب لفظ ''میٹھے'' کے وہ استعمالات ملاحظہ فرمایئے جو افراد کے لیے ہوں تو کیا معانی دیتے ہیں:

میٹھا: ا۔(کنایۃً) وہ شخص جس کی باتیں اور حرکتیں عورتوں کی سی ہوں، زنان منتری، زنانہ، زنخا، ہیجڑا(فرہنگِ آصفیہ)......۲۔میٹھا ٹھگ: میٹھی میٹھی باتیں بنا کر ٹھگنے والا یار، دغا باز، بددیانت، جھوٹا دوست، بے ایمان دوست؛ ٹھگوں کے اس فرقے کا آدمی جو میٹھا تیلیا(ایک زہر) کھلا کر مسافروں کو ہلاک کرتا اور لوٹ لیتا ہے، میٹھے والا(پلیٹس؛فرہنگِ آصفیہ؛مخزن المحاورات)۔۳۔میٹھی چھری: ا۔(مجازاً) دشمن نما دوست، وہ شخص جو دوستی کے پیرائے میں دشمنی کرے، وہ شخص جو بظاہر دوست اور بباطن دشمن ہو، ظاہر میں خوشنما اور اصل میں مضرت رساں۔(۵۹)

اس میں کچھ شک نہیں کہ ''میٹھا'' اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو حلیم الطبع، بردبار، دھیمے مزاج کا آدمی ہو اور جسے غصہ نہ آئے ......لیکن یہ بات طے ہے کہ جس لفظ میں برائی کا کوئی پہلو پوشیدہ ہو وہ خیر البشر جنابِ رسول اللہ، علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کرنا بے ادبی اور روحِ قرآن کے منافی ہے۔چنانچہ اس لفظ کے استعمال سے ازحد گریز کی ضرورت ہے۔

مدینہ منورہ کے لیے یثرب کا استعمال:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ورودِ مسعود سے قبل جو شہر ''یثرب'' کہلاتا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کے بعد ''مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' ہوگیا۔اس لیے نعت گوشعراء کے لیے یثرب کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں۔پھر اس لفظ کے معانی بھی اچھے نہیں ہیں۔بعض احادیث میں بھی مدینہ منورہ کو''یثرب'' کہنے کی ممانعت آئی ہے۔اس موضوع پر رشید وارثی کی کتاب میں ایک تفصیلی مضمون بعنوان''مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت'' ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔(۶۰)

قرآن کریم میں سورۂ احزاب [۳۳] کی آیت نمبر ۱۳ میں لفظ یثرب، منافقین کے قول کے طور پر آیا ہے:

وَاِذْقَالَتْ طَّآ ئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰٓاَهْلَ
یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

(اور جب کہ ان (منافقوں) کی ایک پارٹی (یعنی اوس بن قبطی اور اس کے ساتھیوں) نے کہا۔اے یثرب والو! (یہاں) تمہارے قیام کا کوئی موقع نہیں۔(۶۱)

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیری حاشیے میں اطلاع دی ہے:

''بغوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا: یہ طابہ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنا اس لیے پسند نہیں فرمایا کیوں کہ یثرب کا لفظ ثَرَبَہٗ ، یَثْرِبُہ اور ثَرَّ بَہٗ اور ثَرَّبَ عَلَیْه اور اَثْرَبَہٗ سے مشتق ہے(یعنی مادہ

سب کا ایک ہے لیکن استعمال فَعَلَ یَفْعَلُ اور تَفْعِیل

اور افعال سے ہوتا ہے) اور ثرب ہو یا اثراب یا تثریب سب کا

معنی ہے ملامت کرنا، عار دلانا، کسی جرم پر ذلیل کرنا اور مُثْرِبْ اس شخص کو

کہتے ہیں جو بخشش میں دراز دست نہ ہو۔ قاموس''۔(۶۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہنشاہ کہنا:

بخاری شریف میں ''باب ابغض الاسماء الی اللہ تبارک وتعالیٰ'' کے تحت ایک حدیث آئی ہے:

''قال قال رسول الله صلی الله علیه وآلهٖ وسلم اخنی الاسماء یوم القیٰمة رجل تسمی ملک الاملاک'' (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ نام اس شخص کا ہوگا جو ''ملک الاملاک'' کہلاتا ہوگا۔ ملک الاملاک کے معنی ''شاھانِ شاہ'' لکھے ہیں۔(۶۳)

اصحاب النبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے برابر مرتبہ پانے کا بیان:

شاعر کا خود کو کسی طرح بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے برابر سمجھنا یا لکھنا انتہائی بے ادبی ہے۔ صحابیت کا رتبہ جن کے نصیب میں تھا انہیں مل چکا اب کوئی بھی یہ رتبہ نہیں پا سکتا۔ امت کا بڑے سے بڑا ولی بھی یہ دعویٰ کرے تو اسے ہم صرف اور صرف شطحیات کے ذیل میں رکھیں گے۔ مثال کے طور پر ایک شاعر نے کہا:

''قریبِ حضرتِ محبوبِ ؐ داور ہوتے جاتے ہیں
بقاؔ اب آپ سلمانؓ و ابوذرؓ ہوتے جاتے ہیں'' (۶۴)

اس شعر میں جو دعویٰ ہے وہ روحانی واردات کے لحاظ سے کتنا ہی سچا کیوں نہ ہو، شعر بہر حال مبالغہ آمیز ہی تصور کیا جائے گا اور شاعر کا دعویٰ ہر گز ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔ دیگر شعراء کو بھی مشورہ دیا

جائے گا کہ اس قسم کے مبالغے سے اجتناب کریں۔نقادانِ فن اور محققین بھی ایسے اشعار پر گرفت کریں گے۔

روزِ جزا کی پرسش سے بے خوفی:

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے ''روزِ جزا'' اپنے امتی کی شفاعت کرنے کا معاملہ صدفی صداللہ کے ''اذن'' پر منحصر ہے۔اللہ رب العزت نے خود فرمادیا ہے:

''مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ م بَعْدِ اِذْنِهٖ ط''

(٦٥)

''نہیں ہے کوئی شفاعت کرنے والا مگر بعد اس (اللہ) کی اجازت کے''

ایسی صورت میں کسی شاعر کا یہ کہنا کہ میری شفاعت تو ہو ہی جائے گی اس لیے مجھے روزِ جزا کی پرسش کا کوئی خوف نہیں ہے، بہت بڑی جسارت ہے۔امید بڑی اچھی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ نے نا امیدی سے منع بھی فرمایا ہے۔لیکن کسی تصور کو قطعیت کے ساتھ اس طرح شعری بنت میں لانا کہ امت کے گناہگار' قیامت سے بے خوف ہوجائیں، قطعی مناسب نہیں ہے۔مثال کے طور پر ایک شعر کی تضمین کے تین مصرعے اور وہ شعر، یعنی خمسے کا ایک بند پیشِ خدمت ہے:

''گنہ کا غم نہیں حافظ ، خطا کا غم نہیں حافظ
ہلال اعمالِ بد کی انتہا کا غم نہیں حافظ
یہ دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو سزا کا غم نہیں حافظ
مجھے کچھ پرسشِ روزِ جزا کا غم نہیں حافظ
کرم سرکار کا غالب ہے میرے بارِ عصیاں پر'' (٦٦)

شاعرانہ تعلی:

شعری ادب میں شاعرانہ تعلی کا پایا جانا ایک معمول کی بات ہے۔لیکن نعت میں تعلی کی کوئی گنجائش

نہیں ہوتی۔اس وادی میں داخل ہونے والوں کو یہاں کے تقدس کا احساس ہوتا ہے یا ہونا چاہیے اس لیے یہاں بڑے بڑے شعراء اپنے اشعار میں عجز کا اظہار کرتے ہیں۔ البتہ بعض نعت نگاروں نے اس مقدس صنف سخن کی تخلیق کے حوالے سے بھی تعلی کے مضامین باندھنے کی جسارت کی ہے۔اس سلسلے میں اگر اعتدال سے کام لیا جائے تو توفیقِ مدح مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاصل ہونے پر کچھ فخر کیا جاسکتا ہے، لیکن بعض شعراء کے یہاں تعلی کا ویسا ہی شاعرانہ غرّا پایا جاتا ہے جیسا کہ غالب کے درجِ ذیل شعر سے مترشح:

''ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ

شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما''

(اے غالب، ہم تو اس مقام و مرتبے (شاعر ہونے) پر راضی نہ تھے۔خود شاعری نے یہ خواہش کی کہ وہ ہمارا فن بن جائے)۔(۶۷)

رشید وارثی کی کتاب میں ''اردو نعت اور شاعرانہ تعلی'' کے عنوان سے ایک بھر پور مضمون موجود ہے۔لیکن اس میں انہوں نے شعری مثالیں دیتے ہوئے شعراء کے نام حذف کر دیئے ہیں۔ بہر حال اس موضوع پر ان کی تحریر لائق مطالعہ ہے۔رشید وارثی نے تخلص حذف کر کے ایک شعر نقل کیا ہے، جسے یہاں مثال کے طور پر مع ان کے تبصرے کے پیش کیا جاتا ہے:

''خود بینی وخود ستائشی انسان کو کس قدر خود فریبی میں مبتلا کر دیتی ہے، اس کا اندازہ تعلی پر مبنی اس شعر سے لگایا جاسکتا ہے'':

(تخلص) شرف ملا ہے یہ نعتِ رسول ؐ سے

جس جا ہے ان کا نام، وہیں تیرا نام ہے''(۶۸)

اسی طرح، اعجاز رحمانی کا ایک شعر ہے:

کوئی حسانؓ ہے کوئی اعجاز ہے
کیسے کیسے ہیں مدحت سرا آپؐ کے(۶۹)

اس شعر پر ذرا غور فرمائیے کہ شاعر موصوف نے خود کو صحابی اور شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے برابر ظاہر کر کے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ کیسے کیسے اچھے، معتبر، بڑے، قادرالکلام اور عظیم شعراء، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدحت میں مصروف ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح سرائی کی توفیق مل جانا' بہت بڑی سعادت ہے لیکن کسی شاعر کو اس دربار میں اس طرح کی تعلی کی جسارت قطعی نہیں کرنی چاہیے۔ شاعر نعتیہ شاعری کر کے پیروِ حسانؓ ضرور ہو گیا ہے لیکن حضرت حسانؓ کا ہم مرتبہ نہ ہوا ہے، نہ ہوسکتا ہے۔ اس شعر میں ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کی ضمیر کو ''تخاطب'' سمجھا جائے تو بات انتہائی درجہ گستاخی آمیز ہو جاتی ہے۔ کیا حضورِ اکرم اپنی مدح کے سلسلے میں کسی شاعر کے محتاج ہیں؟...... کیا خالقِ کائنات نے ان کی توصیف قرآن میں کچھ کم بیان کی ہے؟...... کیا حضرتِ حسانؓ نے کبھی کوئی تعلی آمیز شعر کہا تھا؟...... سارے سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ پھر ایک ادنیٰ شاعر کو ایک عجمی زبان میں کچھ نعتیہ اشعار کہہ لینے پر ایسے ہی بغلیں بجانی چاہئیں؟...... بہر حال دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ رب العزت شاعر کو توبہ کی توفیق بخشے (آمین)۔

چلتے چلتے لفظوں کی جستجو اور تلاش کی پُر خلوص اور قابلِ تحسین کوشش کا ایک واقعہ بھی سن لیجیے:

کلیاتِ حفیظ تائب میں خورشید رضوی نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے حفیظ تائبؔ کے شعورِ نقد پر روشنی پڑتی ہے۔ حافظ افضل فقیر نے تائبؔ کے ایک شعر میں لفظ ''حاصل'' سے بے اطمینانی ظاہر کی تھی۔ کچھ عرصے بعد تائبؔ نے ''حاصل'' کو ''غایت'' سے بدل کر انہیں سنایا اور انہوں نے اتفاق فرمایا کہ واقعی لفظ ''غایت'' ہی وہ غایت تھی جس تک طائرِ خیال رسائی چاہتا تھا اور پھر کہا:

”مولانا! تمہاری جستجو کی بھی داد دینی پڑتی ہے۔“

اس واقعے سے لفظوں کے استعمال میں احتیاط اور مشورہ قبول کرنے میں انا کی سپر اندازی کی قابلِ تحسین اور لائقِ تقلید مثال سامنے آتی ہے۔ لفظ کی تبدیلی کے بعد شعری حسن میں اضافے کی صورت بھی بڑی واضح ہے:

وہ کہ ہے سوز و ساز نبض حیات
وہ کہ ہے حاصلِ سنین و شہور
وہ کہ ہے سوزوسازِ نبضِ حیات
وہ کہ ہے غایتِ سنین و شہور (۷۰)

غور فرمایئے۔ حاصل کے لغوی معنی کھیتی کی پیداوار کے ہیں جبکہ لفظ ”غایت“ غرض، مقصد اور مطلب کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ والا صفات، کائنات کی تخلیق کا سبب ہے، حاصل نہیں!

نعتیہ ادب میں تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی کام کرنے کے لیے جس آگاہی کی ضرورت ہے وہ صرف چند نکات ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کی وسعتیں بے کنار ہیں۔ لیکن امید کی جاتی ہے کہ ان چند نکات کی روشنی میں قارئین مزید نکات خود تلاش کر لیں گے کیوں کہ ہر تخلیق اپنے اندر ہی تنقیدی اور تحقیقی جہتیں بھی رکھتی ہے۔

اختتام پر، اہم ترین نکتہ یہ پیش کرنا ہے کہ شاعری کرتے ہوئے، اسے پرکھتے ہوئے اور اس پر تحقیق کرتے ہوئے انتہائی معروضیت (Objectivity) کا مظاہرہ کرنا لازمی ہے۔

مآخذ ومنابع:

۱۔ Kalim-ud-din Ahmad,The Meaning of Criticism,(National Book Foundation, Islamabad,First Edition 198,) page 21

۲۔ Ibid Page 11

۳۔وقار صدیقی اجمیری،حرف حرف خوشبو،فرید پبلیشرز، اردو بازار، کراچی،۱۹۹۸ء،ص ۱۸

۴۔ماجد خلیل، روشنی ہی روشنی، دبستانِ وارثیہ، اورنگی ٹاؤن، کراچی،۲۰۰۱ء،ص ۲۳

۵۔کلیاتِ میر تقی میرؔ،مجلسِ ادب، لاہور،طبع دوم جون ۱۹۸۶ء

۶۔عابد حسین عابدؔ، زمزمہء نور، رشید پرنٹنگ ۶۷ پوش آرکیڈ پلازہ، جی نائن مرکز،اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۴ء، ص ۱۴ ......ص۴۳

۷۔منظر پھلوری، ماہِ حرا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، احسن پبلی کیشنز، فیصل آباد،۲۰۱۴، ص ۲۵

۸۔عکّاس ،اسلام آباد، جلد ۱۵،شمارہ ۴ تا ۱۲،اپریل تا دسمبر ۲۰۰۸ء، مدیر طارق نعیم ،ص ۴۵

۹۔فرقان ادریسی ،نعمتِ عظمیٰ، حلقہء فکرودانش، کراچی،۲۰۱۳ء،ص ۶۴

۱۰۔عارفہ خان عظیمی عارفہؔ،محبوبِ کبریا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم،عثمان عمر باسط پرنٹرز، لاہور،۲۰۱۴ء ص ۴۹

۱۱۔ریاض مجید، ڈاکٹر،نعت......’’موضوعِ محض‘‘ سے ’’معجزہء فن‘‘ تک، مشمولہ نعت رنگ ۲۲، کراچی، ستمبر ۲۰۱۱۔ص ۱۱

۱۲۔نعت رنگ شمارہ ۲۰ ص ۱۲۸

۱۳۔ایضاً ص ۱۲۵

۱۴۔ایضاً ص ۱۲۲

۱۵۔امام حاکم ،المستدرک ، ج اول،ص ۱۱۵......ابنِ ماجہ حدیث نمبر:۳۹۳۹، ج ۲،ص ۵۶۰

۱۶۔القرآن ۲:۴۹

۱۷۔رزمی جے پوری، جواہرالنعت ،(فیڈریل بی ایریا، کراچی) ۱۹۸۱ء،ص ۶۲

۱۸۔(ماہِ حراص......ص ۷۶)

۱۹۔ایضاً......ص ۸۶)

۲۰۔(ایضاً ص.....۶۳، ۶۷، ۶۹)

۲۱۔حبیب الرحمٰن صدیقی، علامہ، کاندھلوی،''مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، حصہ اول''، (الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، مکان نمبر ۳۔ ۷۔اے، بلاک نمبر ۱، ناظم آباد، کراچی) س۔ن۔ص ۲۲۳

۲۲۔قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم، ج دوم، (مکتبہء اسلامیہ، اردو بازار لاہور) جون ۲۰۰۶ء، ص ۹۵

۲۳۔القرآن ۱:۱۷

۲۴۔القرآن النجم آیات ۱۶ تا ۱۸

۲۵۔پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، ج پنجم، ۲۵

۲۶۔ہلال جعفری، کشکولِ ہلال، (بزم شعر و ادب، اسلام آباد)، ستمبر ۲۰۰۰ء، ص ۲۴۰

۲۷۔ایضاً ص ۲۳۸

۲۸۔قمر رعینی، ولائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم، (کتاب ساز پبلی کیشنز، روالپنڈی کینٹ) اشاعت اول رجب المرجب ۱۴۲۳ھ، ص ۸۹

۲۹۔زمزمہء نور، ص 43

۳۰۔توفیق الحکیم، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم، ترجمہ: عطیہ خلیل عرب، شاہکار بک کلب، بار سوم: ۱۹۷۵ ص ۴۲۸

۳۱۔زمزمہء نور، ص 71

۳۲۔بقا نظامی عظیم آبادی، شہپرِ جبرئیل، (مطب المرکز شفا، فیڈرل بی ایریا، کراچی) جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۹

۳۳۔القرآن ۶:۴۱

۳۴۔احادیثِ قدسیہ، مکتبہ رحمانیہ (اردو بازار، لاہور) س۔ن۔ص ۱۴

۳۵۔ظہور الحسنین شاہ، سید، ظاہر یوسفی تاجی، (ناشر محمد سعید خاں نور بھائی جعفر بھائی، مشن روڈ، کراچی) ۱۹۶۲ء، ص ۵۱......ذوقیؒ، سرِ دلبراں، (نارتھ ناظم آباد، کراچی) ص ۴۶۰

۳۶۔شہپرِ جبرئیل، ص ۸۴

۳۷۔جلال الدین سیوطی، امام، الخصائص الکبریٰ فی معجزات الوریٰ، ج اول (مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ،

لاہور)۲۰۰۶ء،ص۱۸۰

۳۸۔غوث متھراوی، بلاوہ، (ڈیفینس اتھارٹی فیز فائیو، ایکس ٹینشن، کراچی) نومبر۱۹۹۲ء،ص ۵۵

۳۹۔عندلیب شادانی، ڈاکٹر، دورِ حاضر اور غزل گوئی، (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) ۱۹۵۱ء،ص۷۹

۴۰۔عطار، محمد الیاس، مغیلانِ مدینہ، (مکتبہ المدینہ، شہید مسجد، کھارادر، کراچی) س۔ن۔ص ۴۱

۴۱۔شاہ محمد ذوقی، سرِّ دلبراں، (محفل ذوقیہ، نارتھ کراچی) طبع پنجم ۱۴۱۸ھ،ص۲۳۲

۴۲۔نسیم امروہوی، مسدس نسیم مشتمل بر نعت و رحلت رسولِ کریمؐ، (ناشر سید علی امروہوی، فیڈرل بی ایریا کراچی)

س۔ن۔ص ۸۷

۴۳۔الخصائص الکبریٰ، ج دوم،ص ۵۸۶

۴۴۔ایضاً ج اول ص ۵۱

۴۵۔رشید وارثی، اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، شریعت اسلامیہ کے تناظر میں، (نعت ریسرچ سینٹر، کراچی) اپریل

۲۰۱۰ء،ص۳۱۱

۴۶۔اقبال، کلیاتِ اقبال، اردو، سروسز بک کلب، ۱۹۹۵ء،ص۹۶

۴۷۔کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال، مرتبہ: ڈاکٹر صابر کلوروی، اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول:۲۰۰۴ء،ص۹۹

۴۸۔اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ،ص23

۴۹۔ایضاً ص ۱۹

۵۰۔ایضاً ص ۴۹

۵۱۔ا۔د۔نسیم، ڈاکٹر، شرح جاوید نامہ، (شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور)، س۔ن۔ص ۱۷۷

۵۲۔حالی، مولانا الطاف حسین، یادگارِ غالب، (خزینۂ علم و ادب، اردو بازار، لاہور) ۲۰۰۲ء،ص۸۰

۵۳۔نجم الغنی رامپوری، مولوی، بحر الفصاحت، حصہ دوم، (مجلس ترقیِ ادب، لاہور) طبع دوم دسمبر ۲۰۰۶ء،ص ۸۵

۵۴۔قمر رعینی، ولائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم،ص۲۴

۵۵۔القرآن ۷۸:۱۰

۵۶۔القرآن ۳۷:۴۵

۵۷۔اردو لغت، (اردو لغت بورڈ، کراچی)

۵۸۔مغیلانِ مدینہ،ص ۳۵

۵۹۔اردو لغت

۶۰۔اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ،ص ۲۱۷

۶۱۔القرآن ۳۳:۱۳

۶۲۔تفسیر مظہری، جلد نہم،ص ۲۲۵

۶۳۔صحیح بخاری

۶۴۔شہپرِ جبرئیل،ص ۱۲۵

۶۵۔القرآن ۳:۱۰

۶۶۔کشکولِ ہلال،ص ۲۳۱

۶۷۔غالب،کلیاتِ غالب (فارسی) مع شرح،(مکتبہ دانیال، لاہور) ۲۰۰۴ء،ص ۲۳

۶۸۔اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ،ص ۲۵۶

۶۹۔اعجاز رحمانی، چراغِ مدحت،(قومی ادبی سوسائٹی پاکستان،کراچی، نارتھ کراچی) ۱۹۹۶ء،ص ۱۱۸

۷۰۔کلیاتِ حفیظ تائب، القمر انٹر پرائزز، لاہور، طبع دوم،ص ۲۷

کاشف عرفان۔اسلام آباد

اردو نعت نگاری پر مابعد جدیدیت کے اثرات (POST MODERNISM)

ABSTRACT:

Thinkers having concern with Post Modernism had tried to define the term Post Modernism in such a way that the term covers a vast dimension and immense area of Ideas, trends, and limitless contour of opinions about universe. The concept of Post Modernism covers existing realities which are reflective in literature showing reaction against Modernism. Kashif Irfan is a brilliant young scholar who has tried to apply the theory towards understanding Devotional Poetry. Post Modern thinking trend prefers to find multiple meanings of Text besides its continuity in search of routs of words and thoughts. Kashif has traced effects of post modern thoughts on Naatia Poetry and tried to find out relations of Post Modernism with Modernism and Tradition. Profundity of ideas in the cited article is appreciable.

اردو نعت نگاری پر مابعد جدیدیت کے اثرات کے جائزے سے قبل اِس حقیقت سے آگاہ ہونا ضروری ہے کہ خود مابعد جدیدیت کا جدیدیت اور روایت سے کیا رشتہ ہے؟ پھراس سوال پر غور کیا جانا بھی ضروری ہے کہ مابعد الطبیعات (Post Meta physics)ادب میں سائنس اور طبیعات (Physics) کے کن اصول وضوابط کوتخلیق کے رشتے سے منسلک کرتی ہے۔روایت،جدیدیت اور مابعد جدیدیت

ایک تاریخی تناظر میں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔روایت ایک خاص تناظر میں جدیدیت کا راستہ ہموار کرتی ہے۔روایت کو ادب کی کسی بھی صنف میں مکمل علیحدگی (Isolation) میں جا کر نہیں دیکھا جاسکتا کیونکہ روایت خود صنفِ ادب میں موجود اُس لفظی و معنوی نظام کے ادغام سے وجود میں آتی ہے جس کا رشتہ تاریخ سے جُڑتا ہے۔روایت صنفِ ادب سے علیحدہ اپنا کوئی نفسیاتی نظام نہیں رکھتی بلکہ یہ صنف کے اندر حیاتیاتی (Biological) تغیرات سے وجود میں آتی ہے۔حیاتیات کا لفظ صنفِ ادب کے اندر ہونے والے اُن عوامل کی وضاحت کرتا ہے جو ارتقائی عمل کو باضابطہ (Systematic) بناتے ہیں آیئے دیکھیں کہ روایت کے حوالے سے ٹی۔ایس۔ایلیٹ کیا کہتے ہیں۔

> ''شاعر کے اپنے ماضی کے ساتھ رشتے کی بہتر وضاحت کے لیے میں یہ کہوں گا کہ وہ ماضی کو ایک بے جان اور غیر مربوط انبار شمار نہیں کرسکتا نہ ہی وہ فقط اپنی ذاتی پسند سے اُس کی تعبیر کرسکتا ہے ......شاعر کو ماضی کے دریا کے اصل دھارے کا شعور ہونا لازمی ہے۔'' (۱)

گویا روایت ماضی کے دریا کے اصل دھارے کا شعور ہے۔ماضی کا یہ دھارا صرف ادبی تخلیقات یا ادبی شخصیات کی مختلف تحریروں کا حصہ ہونا ضروری نہیں بلکہ اِس کی جڑیں سماجیات میں بھی موجود ہوسکتی ہیں۔روایت یہ نہیں کہ تاریخ کے دو دھاروں کے درمیان موجود ادبی شخصیات کے فن پاروں کو سامنے رکھ کر تقابل کیا جائے بلکہ روایت ہمیں اس اجتماعی تغیر پذیر ذہن کا پتہ دیتی ہے جو خود آگاہ حال کو ماضی کے دریچوں تک لے جاتا ہے۔

روایت کا عمل ارتقائی ہے یعنی یہ کسی تاریخی منظر نامے میں بنائے گئے کسی ادبی منصوبے یا فکری نظریے کا پابند نہیں ہوتا۔روایت کا تعلق ثقافت کے ساتھ گہرا ہے۔ادب اور ثقافت کی بنیاد ایک ہی ہے اور روایت اِس بنیاد کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا روایت اور جدیدیت کے تناظر میں کچھ یوں رقمطراز ہیں۔

''اردو ادب میں مابعد جدیدیت کے اثرات کے تحت کچھ چیزیں تخلیق ہوئی ہیں مگران میں سے بیشتر شعوری کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ مجموعی اعتبار سے اردو ادب کو جدیدیت اور ہائی موڈرن ازم نے نسبتاً زیادہ متاثر کیا ہے۔''(۲)

روایت سے جدیدیت کا سفر انسانی اذہان کی پیچیدگی (Complexity) کا مظہر ہے۔ ماہرین علوم بشریات (Anthropologists)اس بات پر متفق ہیں کہ معاشرتی سطح پر تبدیل ہوتی ہوئی صورت احوال اور سائنس کی روز افزوں ترقی نے انسانی ذہن پر علم کے دریچے ہی واہ نہیں کیے بلکہ ذہنی ساخت میں کچھ پیچیدہ تبدیلیاں بھی کی ہیں اس تبدل وتغّیر کے زیرِ اثر روایت سے جدیدیت کی جانب سفر کا آغاز ہوا۔جدیدیت کا تعلق زمین سے ہے۔ ارضی سطح پران عوامل کی تلاش جدیدیت کا موضوع ہوتا ہے جو کسی انسان کی اصل تک لے کر جاتی ہیں۔ گویا انسان کا اپنی جڑوں کی تلاش خود جدیدیت کا موضوع ہے۔

اگر ہم جدیدیت کو مختصراً بیان کرنا چاہیں تو تین چار نکات فوری ذہن میں آتے ہیں۔

☆ زمین سے رشتہ اور جڑوں کی تلاش اور اجتماعی شعور سے آگاہی۔

☆ نفسیات کی مدد سے لاشعور میں جھانکنے کا عمل جو لاشعور سے اجتماعی لاشعور تک پہنچتا ہے۔

☆ اساطیری حوالوں سے ادب کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش

☆ جدیدیت لفظ ومعنی کے رشتے تلاش کرتی ہے۔جدیدیت کا تعلق ساختیات سے ہے۔

اردو شاعری کے حوالے سے جب ہم جدیدیت کے ان نکات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں اقبال کے ہاں اجتماعی شعور اور لاشعور کو سمجھنے کی کوشش نظر آتی ہے۔

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے

یہ ہے نہایت اندیشہ و کمال جنوں
طلوع ہے صفتِ آفتاب اُس کا غروب
یگانہ اور مثالِ زمانہ گونا گوں !

یادوسری جگہ مُسلم اجتماعی شعور کو کچھ اس طرح چھوتے نظر آتے ہیں کہ انفرادی لاشعور تک پہنچتے نظر آتے ہیں

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

جدیدیت سے مابعد جدیدیت کا سفر ایک تیز رفتار ریل گاڑی سے مشاہدے کے مانند ہے جہاں رفتار تیز ہونے کے باعث منظر اپنی اصل آشکار ہونے نہیں دیتا۔اگر مابعد جدیدیت کو پھر نکات کی صورت میں بیان کیا جائے تو منظر کچھ یوں بنے گا۔

☆ مابعد جدیدیت زمانے کی سیاسی ،سماجی ،ثقافتی ،علمی ،نظریاتی اورادبی کروٹوں کے پھیلتے ہوئے آفاق سے ہم رشتہ ہوتا ہے۔

☆ مابعد جدیدیت ،جدیدیت کا ردعمل ہے ۔جدیدیت ادب کی ارضی سطح سے مشاہدہ ہے جبکہ مابعد جدیدیت آفاقی سطح سے معائنہ ہے۔

☆ مابعد جدیدیت تخلیق کے اندر اور باہر کی دنیا کے درمیان ہم آہنگی کی تلاش کا نام ہے۔

☆ آفاقیت اور وسعت مابعد جدیدیت کی ایک اہم کڑی ہے۔

☆ لامحدودیت ، مابعد جدیدیت کو جدیدیت سے ممتاز کرتی ہے۔

☆مابعد جدیدیت کائنات کی حدود میں پھیلاؤ اور کائنات کی لامحدودیت کو سمجھنے کا عمل ہے۔

☆مابعد جدیدیت تاریخ، عمرانیات اور لسانی رشتوں کا مطالعہ کرتی ہے۔

(نعت نگاری میں تاریخی تناظرات اور عمرانیات کے علوم کے زیرِ اثر عرب معاشرے سے برصغیر کے تہذیبی تعلق کو سمجھنے کی کوشش مابعد جدیدیت کا موضوع رہی ہے۔)

☆مابعد جدیدیت زندگی کی پیچیدگی (Complexity) کو ادب کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش ہے۔

☆معنی کی کثرت مابعد جدیدیت کا اہم موضوع ہے۔

نعتیہ میدان میں مابعد جدیدیت کے حوالے سے اقبال کی شاعری اُس آفاقی سطح کو چھوتی نظر آتی ہے جس کی جانب مابعد جدیدیت کا نظریہ اشارہ کرتا ہے۔اردو میں نعتیہ تنقید کو سب سے بڑا مسئلہ یہی درپیش رہا کہ اُس نے اقبال کو معیار (Standard) اور مرکز مان کر بات کو آگے بڑھانے کے بجائے ایسے کلام پر گفتگو کی جو خود اُس درجے کو نہیں چھُوتا جہاں شعر آفاقیت حاصل کر لیتا ہے مابعد جدیدیت کا ایک اہم نکتہ کائنات کی حدود میں پھیلاؤ اور کائنات کی لامحدودیت کو سمجھنے کے عمل سے متعلق ہے۔ اردو نعت میں کائنات کی لامحدودیت کو اللہ کے حکم سے تسخر کرنے کا عمل واقعہ معراج میں نظر آتا ہے۔ اردو نعت میں واقعہ معراج کو مختلف سطحوں پر مختلف شعراء نے بیان کیا ہے۔اِس موضوع کے بیان میں عام طور پر شعراء ندرتِ بیان اور نزاکت خیال کے ساتھ فکری گہرائی کا احساس نہیں رکھ پاتے یوں بہت سے عمدہ نعت گو بھی افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سید عارف کا اسی موضوع پر ایک خوبصورت شعر دیکھیے۔

میں اُس کی وسعتوں کو لفظ پہناؤں تو کیا جس کا
زمیں پر اک قدم ہے دوسرا افلاک سے آگے

(سید عارف)

واقعہ معراج کو وسعت کائنات اور لامحدودیت کے حوالے سے سائنسی اور منطقی طور پر سمجھنے کی کوشش ہمیں دوسرے کئی شعراء کے ہاں نظر آتی ہے تاہم اقبال اِس حوالے سے بھی سرخیل ٹھہرتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے

کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

(اقبال)

مابعد الطبیعات اور طبیعات کے درمیان موجود آفاقی رشتے کی کڑیاں معراجِ مصطفیؐ سے ہی دریافت ہوتی ہیں اور اقبال اِس کے منطقی استدلال کو سمجھنے کی سنجیدہ کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

مابعد الطبیعات کو دریدہ (Dareda) نے آزاد کھیل سے تشبیہ دی تھی لیکن یہ آزاد کھیل بھی اُن معنوں میں آزاد نہیں تھا جن میں اصول وضوابط کارفرما نہیں ہوتے۔مابعد الطبیعات کا منطق سے بہت گہرا تعلق ہے اور منطق اصول وضوابط کے بغیر وجود نہیں پا سکتی۔خود سائنس بھی عوامل کی منطقی وجوہات تلاش کرنے کا ہی نام ہے۔مابعد الطبیعات بنیادی طور پر خدا،انسان اور کائنات کے درمیان ہم آہنگی کو تلاش کرنے کا نام ہے

خدا

کائنات انسان

مابعد جدیدیت کی اہم ترین کڑی مابعد الطبیعات ہے۔انسان دوستی،قدروں کی بقاء کی خواہش،محبت اور موجود کو ماوراء سے جوڑنے کے نظریے کو مابعد الطبیعات کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔یہ خدا اور انسان کے رشتے کو کائنات کی وسعت میں سمجھنے کا عمل ہے۔خود نعت بھی نبی اکرمؐ کی شخصیت اور خدا سے انؐ کی محبت کو سمجھنے کا عمل ہے۔قرآن کریم میں وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکرک کہہ کر اللہ تعالیٰ نے نہ

صرف اِس بات کا یقین دلا دیا کہ آپؐ کی سیرت وصورت اور کردار کی شان قیامت تک بیان کی جاتی رہے گی ۔دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اپنی محبت کا اظہار بھی کیا۔ نبی اکرمؐ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو اور آپؐ کے کردار وافعال کی شان کا بیان رہتی دنیا تک بیان کیا جاتا رہے گا۔

مابعدالطبیعات ہمیں وقت کی ماہیت کی مختلف سطحوں سے بھی روشناس کرواتی ہے ۔کائنات میں وقت کا تصور (جدید سائنسی تحقیق کے مطابق) خود اضافی (Relative) ہے ۔اضافی یا Relative سے مراد ایسی اشیاء جن کی پیائش کے پیانے مختلف اوقات یا مقامات پر مختلف ہوجائیں ۔ وقت کی جہات مختلف اوقات یا مقامات پر اللہ کے حکم سے مختلف ہونے کا عمل ہمیں قرآن کریم میں تین مختلف واقعات سے ملتا ہے ۔

☆ پہلا واقعہ حضرت عزیرؑ کا ہے ۔ یہ واقعہ قران پاک کی سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۹ میں بیان ہوا ہے ۔

☆ دوسرا واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا واقعہ معراج ہے ۔واقعہ معراج سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۱ میں بیان ہوا ہے ۔اللہ کے حکم سے وقت کا موجودہ پیمانوں کے مطابق ٹھہر جانا اور نبی اکرمؐ کا معراج سے واپس آنے تک کُنڈی کا ہلتے رہنا اور آپؐ کے بستر کا گرم رہنا وقت کی اِسی جہت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

☆ تیسرا واقعہ اصحابِ کہف کا ہے ۔ یہ واقعہ سورۃ الکہف کی آیت ۹ سے آیت ۲۵ تک بیان ہوا ہے۔اِس واقعے میں بھی وقت کا موجودہ پیمائش کے مطابق ٹھہرنا ثابت ہے ۔(۳)

تینوں واقعات میں وقت کی تفہیم اُس پیمانے کے مطابق نہیں ہوئی جو ہماری دنیا میں رائج ہے گویا موجود اور ماوراء کے درمیان وقت کی گمشدہ کڑیوں کی دریافت اِن تینوں واقعات کی بنیاد بنتی ہے

۔رب کریم نے اپنے محبوب بندوں کے لیے موجود پیمانوں میں تبدیلی کی اور وقت کو اُن محترم شخصیات کی خاطر ٹھہرایا جس کا بیّن ثبوت ہمیں قران کریم میں ملتا ہے۔

اقبال کے مذکورہ بالا شعر میں پہلی بار انسانوں میں سب سے کامل انسان اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معراج پر تشریف لے جانے سے سائنسی، منطقی اور ارضی سطح پر ایک نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اقبال کے فلسفہ عشق اور فلسفہ تحرک کی روشنی میں اگر اس شعر پر غور کیا جائے تو یہ شعر معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے تناظر میں عظمتِ انسان اور معراجِ انسانیت کی بات کرتا نظر آتا ہے۔

وقت کی ماہیت کو سمجھنے کے لیے روحانی اور مابعد الطبیعاتی نظام کے متوازی سائنس نے بھی ایک مختلف نظام وضع کیا ہے جو طبیعات میں تجرباتی بنیادوں کو مَس کرتا نظر آتا ہے۔آئن سٹائن نے طبیعات میں ایک نظریہ پیش کیا جسے آئن سٹائن کا نظریہ اضافت (Theorey of Relativity) کہا جاتا ہے جسے طبیعاتی شکل میں کچھ یوں لکھا جاسکتا ہے

$$\text{Energy} = \text{Mass} \times (\text{Speed of Light})^2$$

$$E = m \quad C^2$$

توانائی = مادہ × (روشنی کی رفتار)^2

مادہ اور توانائی کے درمیان قائم رشتے کو سائنسی، منطقی اور تجرباتی سطح پر ثابت کرنے سے وقت کی ماہیت کو سمجھنے کے ایک نئے عمل کا آغاز ہوا۔ یہ نظریہ ہمیں وقت کے ایک نئے پہلو سے آگاہ کرتا ہے۔ اِس نظریے کے مطابق انسان اگر روشنی کی رفتار کے مربع (C) سے سفر کرنے کے قابل ہو جائے تو وہ اپنی مادی حیثیت کو تبدیل کر کے توانائی کی لہروں میں تبدیل ہو جائے گا گویا وہ اپنی مادی شکل وصورت کے بجائے توانائی کی لہروں یا بنڈلز کی صورت اختیار کر لے گا۔ ایسی حالت میں وہ مادے کی نسبت

لاکھوں گُنا تیز رفتاری سے سفر کر سکے گا۔ اِس بات کو ایسے بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر انسان کسی بھی طرح توانائی کی لہروں میں تبدیل ہو جائے تو وہ روشنی کی رفتار سے سفر کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واقعہ معراج کو عارف عبدالمتین نے کچھ یوں دیکھا:

مرحلے تیرے سفر کے تھے ازل اور ابد

جادۂ وقت سے آگے ترا جادہ دیکھا

(عارف عبدالمتین)

جادۂ وقت سے آگے جادۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھنے کا یہ عمل وقت کی ماہیت کے اِس تغیر و تبدل کو سمجھنے کی کوشش بھی ہے۔ آئن سٹائن کی تھیوری آف ریلٹوسائنس کے بعد وقت کے حوالے سے آج کی سائنس نئے نئے انکشافات کر رہی ہے۔ زمان و مکان (Time & Space) کے حوالے سے یہ انکشافات کائنات میں وقت کے عمل کو سمجھنے کے نئے در وا کر رہے ہیں۔ سائنس اور منطق آج ہمیں یہ بتا رہی ہے کہ سورج کی روشنی (یاد رہے کہ سورج بھی ایک ستارہ ہے) ہماری زمین تک آٹھ منٹ بیس سیکنڈ میں پہنچتی ہے۔ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ کسی بھی جسم سے نکلنے والی روشنی کے باعث ہماری آنکھیں اُسے دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں۔ روشنی کا یہ سفر ہمیں ہر بار آٹھ منٹ بیس سیکنڈ پرانا سورج دکھاتا ہے بالکل اسی طرح لاکھوں نوری سالوں کے فاصلے پر موجود ستاروں کو بھی ہم دیکھ سکتے ہیں۔ جن ستاروں کی روشنی ہماری آنکھوں تک یا ہماری زمین تک ایک لاکھ سال میں پہنچتی ہے۔ انہیں ہم ایک لاکھ سال ماضی میں دیکھتے۔ اِس کو زیادہ آسانی سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک لاکھ نوری سال کے فاصلے پر موجود ستارے کو ہم ایک لاکھ سال ماضی میں دیکھتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زمین تک اُس کی روشنی کے پہنچنے کے دوران وہ ستارہ مختلف فلکیاتی اور کائناتی تغیرات کے باعث ختم ہو چکا ہو لیکن ہماری آنکھیں اُسے اس لمحے میں دیکھتی ہیں جب روشنی اُس ستارے سے سفر کا آغاز کر رہی تھی

۔وقت کے اِس ماضی اورحال کے درمیان سفر کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وقت کی حیثیت رلیٹیو ہے۔ اب آئن سٹائن کے نظریہ اضافت اور وقت کے متعلق اِس نظریے نے ہمیں معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکو سائنسی اور منطقی طور پر بہتر طریقے سے سمجھنے کے قابل بنادیا ہے۔سائنس کے اِن نئے نظریات نے مابعد الطبیعات اور طبیعات کے مابین ایک ہم آہنگی پیدا کردی ہے۔" (۴)

حنیف اسعدی کا ایک شعر اِسی موضوع سے متعلق ہے۔

سوچیں تو روحِ عصر کے ادراک کے بغیر
معراج کیسے آئے کسی کے گمان میں

(حنیف اسعدی)

یہ شعر پہلے بھی کئی بار پڑھا تھا۔عقیدت ومحبت کے جذبات دِل پر اثر انداز ہوئے لیکن سچ پوچھیں تو شعر کی گرہیں کُھل نہ پائیں ۔مابعد جدیدیت کے نظریے اور طبیعاتی سائنس کی دریافتوں کے باعث "روحِ عصر کا ادراک" ہوا تو معلوم ہوا کہ وقت کی حیثیت اِس کائنات میں مستقل نہیں ۔زمان ومکان ایک خاص طرح کے جبر میں رہتے ہوئے بھی آزاد ہیں ۔حال موجود میں رہتے ہوئے بھی پیچھے ماضی کی جانب اور آگے مستقبل کی طرف اللہ کے حکم سے ہاتھ بڑھا سکتا ہے۔

انسان کی عظمت کے حوالے سے اقبال یوں رقمطراز ہیں۔

عجب نہیں کہ خداتک تری رسائی ہو
تِری نگہہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام

شکیب جلالی نے شاید ایسے کسی لمحے کی آزادی کو محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔

فصیلِ جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدودِ وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی

(شکیب جلالی)

لیکن شکیب کا تجربہ ایک عام آدمی کا تجربہ تھا اِس لیے شعر میں ''تازہ لہو کے چھینٹے'' کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ حدودِ وقت سے آگے نکلنے کا عمل اللہ کی مدد سے انبیاء کرام یا اللہ کے برگزیدہ بندوں کے لیے تو روا ہوسکتا ہے لیکن اِس تجربے سے کسی دوسرے انسان کا گزرنا ناممکن ہے۔

واقعہ معراج کو مابعد الطبیعاتی سطح پر سمجھنے کے لیے پھر اقبال کی جانب رجوع کرنا پڑے گا۔

عِشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام

اِس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

(اقبال)

اقبال کا یہ شعر کائنات کی وسعت اور پھیلاؤ کو عظمت انسان کے تناظر میں دیکھتے ہوئے ایک نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ایک قدم کا فاصلہ بھی کائنات کے پھیلاؤ سے زیادہ ہے۔ اگر اللہ کی مدد سے سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا ایک غلام محمد اقبالؔ کے عشق کا ایک قدم زمین و آسماں کی وسعتوں کو چھو سکتا ہے تو پھر امام الانبیاء کا اللہ کے حکم سے آسمانوں کی سیر اور رب سے ملاقات عین برحق بھی ہے۔ اور امّت کے لیے رب کا انعام بھی۔ اللہ کی اپنے محبوب سے محبت کا یہ عالم کہ جہاں وقت کو موجود اور ماوراء کے درمیان معلق کر دیا جائے اور زمان و مکاں کو کائناتی نظم وضبط سے آزاد کر دیا جائے صرف واقعہ معراج میں ہی نظر آتا ہے۔ وقت کی رفتار کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے روکنا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم اور امت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے لیے ایک تحفہ تھا جو ہمیں رب کریم کی بارگاہ میں شکر بجا لانے کا پیغام بھی دیتا ہے اور اِس پر غور وفکر کی دعوت بھی۔

مابعد جدیدیت زمانے کی سیاسی، سماجی، ثقافتی، علمی، نظریاتی اور ادبی کروٹوں کو اپنے عہد کے تناظر میں

دیکھنے کا عمل ہے۔اردو نعت نگاری کا رشتہ جہاں برصغیر کی مٹی سے ہے وہیں عرب کی سرزمین سے بھی ہے۔ برصغیر کی ثقافت اور زبان کا رچاؤ جتنا امام احمد رضا خان بریلویؒ کے ہاں نظر آتا ہے شاید ہی کسی شاعر کے ہاں فنی سطح پر یہ رچاؤ موجود ہو۔

آفاقی شاعری کی ایک خاص خوبی اُس کا علامتی پیرایہ ہوتی ہے ۔شاعری میں وسعت پیدا ہی اُس وقت ہوتی ہے جب شاعر شعوری سطح پر علامت کو تہذیبی عنصر کے طور پر برتتے ۔مابعد جدیدیت جس آفاقیت اور وسعت کی بات کرتی ہے وہ شاعری میں علامت کے موضوع کے ساتھ ہم آہنگ ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

غالب کا ایک شعر ہے۔

سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو وصنوبر
تو اِس قدِ دلکش سے جو بازار میں آوے

(غالب)

استادِ محترم جناب ڈاکٹر عبدالعزیز ساحؔر (محترم ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر ہیڈ آف اردو ڈیپاٹمنٹ (AIOU)اسلام آباد) نے دورانِ گفتگو اِس شعر کے علامتی اظہار کو ایک نئے زاویے سے دیکھا ۔انہوں نے فرمایا کہ غزل کے اِس شعر میں دنیاوی محبوب کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ محبوب ،محبوب خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے ۔انہوں نے مزید فرمایا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی طویل قامت کے باعث سرو کی علامت اُنؓ سے منسوب ہے جبکہ صنوبر مناسب قامت کے باعث حضرت علیؓ کی شخصیت کی علامت ہے اور شعر کی تشریح ایک منظر پر مبنی ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ظاہری جمال کے ساتھ بازار مدینہ میں تشریف لاتے تو حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ اُن کے ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے ۔اب علامتی اظہار کی معنی کے لحاظ سے تہہ داری ہمیں

اِس شعر کی بُنت میں نظر آ رہی ہے۔

علامتی اظہار کے ساتھ ساتھ شاعر کو تاریخی تناظرات سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔ شاعری ایسا فن ہے جسے علم سے جلا ملتی ہے۔ نعتیہ شاعری میں تاریخی حقائق کا درست صورت میں آنا ضروری ہے۔ تلمیحات کا درست اور برمحل استعمال شعر کی قدر متعین کرنے کا باعث بنتا ہے۔ تلمیحات کے حوالے سے اردو شاعری سے کچھ مثالیں ذہن میں آتی ہیں۔

آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

(حالؔی)

لازم نہیں کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ ناہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

(غالبؔ)

شہاں کہ کحلِ جواہر تھی خاکِ پا جن کی
انہی کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں دیکھیں

(میرؔ)

باغِ بہشت سے مجھے اذنِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

(اقبالؔ)

تلمیح اشعار میں کسی تاریخی واقعے، مقام یا شخصیت کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ تلمیح کا درست استعمال پورے منظر، مقام یا شخصیت کی تصویر آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے۔ حالؔی کے شعر میں حضرت

یوسف علیہ السلام کواُن کے بھائیوں کی جانب سے کنوئیں میں دھکا دینے کے واقعے کا ذکر ہے ۔ غالبؔ کے شعر میں حضرت موسیٰؑ کے پہاڑ پر خدا کی تجلّی کو دیکھنے اور پھر اُس نور کی شدت سے پہاڑ کے جل جانے کا ذکر ہے ۔ میرؔ کے شعر میں مغل عہد کے آخری حصے میں فرخ سئیر نامی بادشاہ کو تخت کے امیدواروں کی جانب سے اندھا کردینے کا ذکر ہے جبکہ اقبال کے شعر میں آدم کا خلا سے نکلنے اور دنیا میں آنے کی قرانی کہانی کا ذکر ہے۔اِسی حوالے سے غالب کاایک شعر یاد آتا ہے ۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن

بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچے سے ہم نکلے

(غالبؔ)

نعت نگاری میں تلمیحات کا استعمال بہت زیادہ ہے ۔تاریخی واقعات کے حوالے سے اقبال کا تنقیدی شعور بہت بلند تھا۔ اقبال کے ہاں مکمل عنوان کے ساتھ نعت کم کم ہی ملتی ہے لیکن

لوح بھی تُو قلم بھی تُو تیرا وجود الکتاب

گنبدِ آبگینہ رنگ تیرنے محیط میں جناب

جیسے اشعار اُس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمسے محبت کا ثبوت دیتے ہیں وہاں اُس کے تاریخ ،ثقافت اورزبان پر عبور کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں ۔

اِسی نعت میں وہ کہتے ہیں:

شوکتِ سنجر وسلیم تیرے جلال کی نمود

فقرِ جنید بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

نعت کے اِس شعر میں خلافتِ عثمانیہ کے بادشاہوں کے جلال کو مثال بناتے ہوئے جمال اورمحبت کے پیکر صوفیائے کرام حضرت جنید بغدادیؒ اورحضرت بایزید بسطامیؒ کی زندگی اور فلسفۂ حیات کے ساتھ

ساتھ اُن بزرگانِ دین کی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے محبت کو بھی موضوع بنایا گیا ہے تلمیح کی یہ ایک خوبصورت مثال ہے ۔اقبال کی اِس نعت پر بات کی جائے تو اقبال اِس نعت میں پرشکوہ الفاظ اور پرجلال ماحول کے ذریعے ایک ایسا افق بنانے میں کامیاب ہوئے جہاں جلال اور جمال کے ملنے کا خوبصورت منظر پیدا ہوتا ہے اسی نعت میں وہ آگے کہتے ہیں:

شوق اگر نہ ہو میری نماز کا امام

میرا قیام بھی حجاب میرے سجود بھی حجاب

محبت اتنی شدت کے ساتھ اقبال کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے لیے خصوصی طور پر جلوہ گر نظر آتی ہے اس پوری نعت میں جلال اور بزرگی کا عنصر کچھ اِس طرح چھایا ہوا نظر آتا ہے کہ اِسے سنتے یا پڑھتے ہوئے گنبدِ خضریٰ کی سرسبز چھاؤں اور سنہری جالیوں کی روشنی آنکھوں میں پھرنے لگتی ہے ۔بچپن میں یعنی آج سے پچیس تیس سال قبل اِس کلام کو PTV پر محترمہ منیبہ شیخ کی زبانی سنا تھا۔ پھر کئی نعت خوان خواتین وحضرات نے اِسے پڑھا لیکن کلام کے جلال و جمال کو جس طرح محترمہ نے اپنے ترنم سے زبان دی وہ انہی کا خاصہ ہے ۔ میں اِس کلام کی اتنی خوبصورت اور پر تاثیر ادائیگی پر محترمہ کے لیے دعا گو ہوں ۔ UTube (یوٹیوب) کی وساطت سے اِس کلام کو میں نے مکرر سنا اور اسی لطف کو پایا جو ہزار ہا دنوں کی گہرائی میں کہیں کھو گیا تھا۔

انہی نعتیہ اشعار میں آگے چل کر اقبال کہتے ہیں:

عالمِ آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ

ذرۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب

تاریخی حقائق کا شاعرانہ زبان میں بیان فکری گہرائی کے ساتھ کچھ آسان کام نہیں ۔اقبال کے ہاں لسانی سطح پر اپنے دور کے دوسرے ہم عصر شعراء سے ایک مختلف تجربہ ملتا ہے ۔اُن کی شاعری کی فنی سطح

پر بلندی لفظ کا علامت کی سطح پر استعمال ہونا ہے۔لفظ اپنی ہیئت بدلتا ہے اور سات رنگوں کے نگینے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اِس نعتیہ شعر کا پہلا مصرع لفظوں کی اِسی ہمہ جہتی کی مثال ہے۔ ''عالم آب وخاک'' کو نبی اکرمصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی آمد سے حاصل ہونے والی سر بلندی اپنے پورے جلال وجمال کے ساتھ منعکس ہوتی نظر آتی ہے اور سچ پوچھیں تو دل پر اثر کرتی ہے۔ جمال محمدیصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم اور جلالِ الٰہی کی مثال شاید ہی اردو نعت میں کہیں نظر آئے۔

آخری شعر میں اقبال عقل اور عشق کا موازنہ نعت کے تناظر میں کچھ یوں کرتے ہیں۔

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے

عقل غیاب و جستجو ،عشق حضور و اضطراب

اقبال کے ہاں فکری سطح پر ایک خاص طرح کا توازن دکھائی دیتا ہے جسے وہ مومن کی شان بھی کہتے ہیں۔اقبال کے ہاں دو طرح کے فلسفے اُن کی پوری شاعری اور نثر میں دکھائی دیتے ہیں۔

فلسفۂ عشق:

اِس فلسفے کا تعلق مومن کی فکری زندگی سے ہے۔خودی اور بے خودی اِسی فلسفے سے نکلنے والی وہ ندیاں ہیں جنہوں نے عالم اسلام کو سیراب کیا۔اسی فلسفۂ عشق کی بنیاد وہ عشقِ رسولصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کو قرار دیتے ہیں۔ساقی (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم) سے کچھ یوں مخاطب ہوتے ہیں

۔

تُو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ

تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

(اقبال)

فلسفۂ تحرک:

اقبال کے ہاں دوسرا اہم فلسفہ تحرک کا ہے ۔ اِس کا تعلق مومن کی جسمانی زندگی سے ہے۔فکر یا نظر یے پر عمل درامد اِسی فلسفۂ تحرک کا مرہونِ منت ہوتا ہے ۔اِسی فلسفے کے تحت وہ ایک ایسے اسلامی معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں جہاں عدل انصاف اور محبت ہر انسان تک پہنچنی تھی ...... پاکستان کو اِسی فلسفے کی عملی تصویر بننا تھا لیکن......

نعت مبارک میں تلمیحات کی چند مثالیں دیکھیں

اورنگ سلیماں کے لیے رشک کا باعث
اے سید کونین ترے در کی چٹائی

(میاں اویس مظہر)

ستم ترکِ وطن کے جو سہے سب بھول جاتے ہیں
ہمیں یادآتی ہے مکے سے جب ہجرت محمد کی

(بیدل جونپوری)

قدموں کے کچھ نشان تھے صحرا کی ریت پر
قربان دو جہان تھے صحرا کی ریت پر
ہجرت کا آٹھ دن کا سفر ،راستہ طویل
وہ صبر کی چٹان تھے صحرا کی ریت پر

(کاشف عرفان)

دستِ کرم سے تھم گئیں منبر کی سسکیاں
دیکھا شجر نے آگئی رفتار پاؤں میں

(اشفاق انجم)

مابعد جدیدیت ایک متن پر دوسرے متن کے تخلیق کے رجحان کو اہمیت دیتی ہے۔نعت نگاری میں ایک متن کے حوالے سے متن میں دوسرے تخلیقی رجحان کو علامت نگاری کے حوالے سے دیکھا جاسکتا ہے ۔شاعری میں علامت تخلیقی بنیادوں پر آتی ہے لہٰذا لفظ ہمہ جہت ہوجاتا ہے اور اُس کے کئی معنی لیے جاسکتے ہیں۔اِس حوالے سے ڈاکٹر گوہر نوشاہی کی رائے بڑی دلچسپ ہے۔

''میرے نزدیک اِس سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں کہ کوئی شخص تخلیقی لفظ کی تلاش لغت کی کتاب میں کرے۔لُغت کی کتاب میں اِس لفظ کا جو کسی تخلیقی فن پارے میں آتا ہے صرف ڈھانچہ ہوتا ہے۔اُس کی پوری ذات نہیں ہوتی۔''(۵)

آفاقی شاعری میں لفظ منشور یا Prism (ایک کلون شیشے کا ٹکڑا جس میں سے گزر کر روشنی سات رنگوں میں تقسیم ہوتی ہے) سے نظر آنے والے رنگوں کی طرح نظر آتا ہے منشور میں روشنی کی شعاع ایک طرف سے داخل ہوتی ہے اور ودسری طرف سے سات رنگوں میں تقسیم ہوکر باہر دیکھنے والی آنکھ کو نظر آتی ہے۔بڑی علامتی شاعری میں لفظ معنی کی کئی تہیں بناتا ہے اور شعر لفظوں کی اسی ہمہ جہتی کے باعث آفاقیت اور کلاسیکی درجہ حاصل کرلیتا ہے۔یادر ہے کہ علامت تشبیہ اور استعارہ سے مختلف ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ کے الفاظ میں علامت کی تعریف دیکھتے ہیں۔

''علامت مخفی تصورات کے وسیع ترین نظام کی مجمل ترین شکل ہے۔یہ بھی دراصل تشبیہ کے خاندان سے ہے اور کسی نہ کسی جہت سے مشابہت کا رابطہ اس میں کارفرما ہوتا ہے۔'' (٦)

علامت ایک واضح وجود ہے جو لفظوں میں اپنی معنویت پوشیدہ رکھتا ہے۔علامت لفظوں میں پوشیدہ ہونے کے باوجود اِس کی شناخت صرف لغت سے ممکن نہیں بلکہ لفظ یا اصطلاح کو معنوی پس منظر،

ماحول (جہاں یہ لفظ استعمال ہوا) اور تاریخی تناظر میں شناخت کیا جاتا ہے۔غزل میں علامت کے استعمال کی کچھ مثالیں دیکھیں۔

خموش ہوں تو مجھے اتنا کم جواز نہ جان
مرے بیان سے باہر بھی ہیں سبب میرے

(جمالِ احسانی)

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اِس کارگہ شیشہ گری کا

(میرؔ)

آواز دے رہے ہیں درِ دل پہ وسوسے
ہرگام ایک کوہِ ندا ہے ہمارے ساتھ

(سجاد باقر رضوی)

ملی ہے اِس لیے خلعت کہ میں نے زیرِ عبا
چلاتھا گھر سے تو شمشیر بھی پہن لی تھی

(محمد اظہار الحق)

اردو نعت نگاری میں علامت کا گہرا اور تہذیب میں گُندھا ہوا استعمال خال خال ہی نظر آتا ہے۔اِس کی بنیادی وجہ شعراء کی تن آسانی اور سامع کی آسان پسندی ہے۔نعت خوانی میں ایسے کلام کا چناؤ جس کی شاعرانہ حیثیت مُسلّم نہ ہوعوامی مزاج کے بگاڑ کا سبب بنا پھراردو غزل کا بڑا شاعرنعت کی جانب آنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا رہا۔ان سب وجوہات کے باوجود ایسا نہیں کہ اردو نعت میں بڑی علامتی شاعری بالکل ہی نہیں ہوئی۔اردو نعت نگاری میں علامت کے استعمال کی چند مثالیں دیکھیں۔

سیرت ہے تری جوہرِ آئینۂ تہذیب

روشن ترے جلوؤں سے جہانِ دل ودید ہ

(حفیظ تائب)

فروغِ جاں بھی وہاں ہے ،فراغِ خاطر بھی

جہاں جہاں بھی تری روشنی کا ہالہ ہے

(انور مسعودؔ)

لیل ونہار آپ کے در کے طواف میں

لوح وقلم ہے آپ کی مدحت کا آئینہ

(محمد اقبالؔ نجمی)

میں اُسی روز سے منسوب تری ذات سے ہوں

جب کہ جبریلِ امیں بھی ترا دربان نہ تھا

(حافظ مظہر الدینؒ)

اردو نعت نگاری میں مابعد جدیدیت سے متعلق جو موضوعات وقتاً فوقتاً شامل ہوتے رہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

☆حسنِ ازلی کا ادراک اور بیان

☆انسان دوستی

☆ آفاقیت اور وسعت کائنات کے تناظر میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کی سیرت کا بیان

☆ سیرتِ مصطفیصلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کے تناظر میں تہذیبی عناصر کی دریافت

☆ سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کے حوالے سے جدید عہد میں مسلمان ذہن پر پڑنے والے پیچیدگی (Complexity) کے اثرات۔

سیرت پاک سے تمام انسانوں کو انسان دوستی کا جو عالم گیر پیغام ملتا ہے اُس پر بات کی جانی ضروری ہے ۔ اردو نعت نگاری میں مختلف شعراء کرام اس موضوع پر کام کررہے ہیں تاہم ابھی بہت سا کام

کیا جانا باقی ہے۔(آج ۲۰۱۴ء میں اسلام پر اٹھنے والے سوالات کے جوابات دینے کے لیے انسان دوستی کے پہلو پر لکھنا ہم تنقید نگاروں اور شعراء پر لازم ہوجاتا ہے) انسان دوستی کے حوالے سے فتح مکہ کا دن انسانی تاریخ میں ہمیشہ یادرکھا جانے والا ہے جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے تمام دشمنوں کو معاف کردیا۔

رحمۃ للعالمین سرکاردوعالمصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوسفیان جیسے واضح اور کھلے دشمن کو نہ صرف معاف کردیا بلکہ ان کے گھر کو جائے امن بھی قرار دیا۔انسانی تاریخ میں شاید ہی ایسا کہیں ہوا ہو کہ اپنی بیٹی اور چچا کے قاتلوں کو بھی اللہ کی رضا کی خاطر انسانی بنیادوں پر عام معافی دی گئی ہو۔فتحِ مکہ کے حوالے سے مجھے اپنے چار مصرعے یاد آتے ہیں۔

اک عہد تھا چٹائی سے آدھی کھجور تک
پہنچے حضور کیسے مقاماتِ نور تک
مکہ کی فتح دین کا رخشندہ باب ہے
بخشے گئے تھے قتلِ عمد کے قصور تک

(کاشف عرفان)

اکیسویں صدی کے آغاز میں نائن الیون (۹/۱۱) نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے مسائل کے انبار لگا دیے۔دنیا تہذیبی ٹکراؤ کے دہانے تک پہنچ چکی ہے۔آج خصوصاً عراق شام افغانستان،ایران اور پاکستان کے مسلمان عیسائی دنیا کی نفرت کا شکار ہیں اُس پر زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ مسلمان متحد نہیں ہیں۔فرقہ بندی اور مسالک کی جنگ نے ہمیں تنہا کردیا ہے۔چھوٹے چھوٹے گروہوں نے استعماریت کے خلاف اپنی اپنی جنگ شروع کردی ہے۔دین کی جس شکل کو جس نے پسند کیا اُس پر نہ صرف خود عمل شروع کردیا بلکہ ساتھ ہی بزورِ بازو و ہتھیار دوسرے کو بھی اِسی شکل پر عمل کرنے پر مجبور کیا یوں ہم مسلمان نفرتوں کے ایک ایسے جنگل میں گم ہوگئے ہیں جہاں سے ہمیں صرف سیرتِ محمد صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم ہی نکال سکتی ہے اِسی حوالے سے صبیح رحمانؔی کی ایک نعتیہ نظم دیکھیے ۔

(نعتیہ نظم)

اے نویدِ مسیحا دعائے خلیل

نفرتوں کے گھنے جنگل میں شہا

عہدِ حاضر کا انسان محصور ہے

مشعلِ علم و اخلاق سے دور ہے

کتنا مجبور ہے

اے نویدِ مسیحا

دعائے خلیل

روک دے نفرتوں کی جو یلغار کو

پختگی ایسی دیں میرے کردار کو

آپ ﷺ کا لطف و رحمت تو مشہور ہے

(صبیح رحمانی)

انسان دوستی کے عناصر کا نعت میں شامل ہونا شعراء سے بہت سے مطالعے اور ریاضت کا متقاضی ہے ۔ سیرتِ پاک کا مطالعہ اور آپصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی زندگی کے اُن گوشوں کو اردو نعت کا حصہ بنانا اور لوگوں تک پہنچانا نہایت ضروری ہے جہاں ابھی شعراء کی نظر نہیں پہنچی۔ نعت کے شاعر کا تخیّل بلند ہونے کے باوجود ادھر اُدھر بھٹکتا ہوا نہیں ہونا چاہیے نعت نگار جتنا Focused (متوجہ موضوع) ہوگا اُس کے لیے اچھی نعت کہنا آسان ہوگا۔ عمومی شاعری اور نعتیہ شاعری میں فرق کے حوالے سے عزیز احسن کہتے ہیں ۔

''نعت کی زبان فصاحت، بیان، متانت، اظہارِ ادراکِ رسالت اور تفہیمِ کارِ نبوت کا نمائندہ ہو اور مقصدِ اظہار ترویجِ منشائے رب العزت، تبلیغِ دینِ متین اور دفاعِ ناموسِ رسالت ٹھہرے اور مجموعی تاثر اتباعِ محبوب رب العالمین کے جذبوں کو بیدار کرنے والا ہو۔'' (۷)

زبان و بیان میں پاکیزگی کا تعلق جہاں عقیدت و احترام سے ہے وہاں فکری گہرائی علمی سربلندی سے نصیب ہوتی ہے۔ مطالعہ اور مسلسل مطالعہ ہی سے انسانی ذہن کو وہ بالیدگی حاصل ہوتی ہے جو بڑی شاعری کی بنیاد بنتی ہے۔ یہ عمومی اصول نعت نگاری میں بھی کارفرما ہے۔ نعت کے شاعر کے لیے قرآنِ حکیم اور سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

اب آخر میں صرف ایک نکتے پر بات کرنا چاہوں گا جس کی ضرورت آج کے تناظر میں پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ ہے ترجمہ نگاری کی روایت۔ اردو کے نعتیہ ادب کو اگر دنیا کے دوسرے لوگوں تک پہنچانا ہے تو ہمیں اپنی نعتیہ شاعری اور نعتیہ تنقید کو اردو سے انگریزی کے قالب میں ڈھالنا ہوگا۔ علوم کے پھیلانے میں ترجمہ ہر دور میں اہم رہا ہے۔ عرب میں قدیم مصر، روم اور ایران (فارس) کی کتب ترجمہ ہوئیں تو اہل عرب زبان اور فکر کی بلندی تک پہنچے۔ نعت ریسرچ سنٹر نے اِس روایت کا آغاز کیا ہے جس کے لیے میں صبیح رحمانی اور ان کے احباب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اُن سے ایسے کسی عمل میں جس سے قرآن اور سیرت کا علم دنیا کے کونے کونے میں پہنچے، خود کو شامل کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔

حوالہ جات وکتابیات:

۱)مضمون ''روایت اورنئی تخلیق''، ٹی ایس ایلیٹ، (مترجم) صدیق کلیم ،نئی تنقید،نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

۲)مضمون ''جدیدیت اور مابعد جدیدیت''، مشمولہ معنی اور تناظر، ڈاکٹر وزیر آغا، مکتبہ نردبان سرگودھا، دسمبر ۱۹۹۸ء

۳)اردو فکشن میں وقت کا تصور، ڈاکٹر ناہید قمر، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۲۰۰۸ء

۴)وقت کی ماہیت کے حوالے سے سائنسی معلومات طبیعات (Physics) کے حوالے سے Website سے لی گئیں۔

۵)مضمون ''تخلیقی صلاحیت''، مضمون نگار: ڈاکٹر گوہر نوشاہی، مطبوعہ، نئی شاعری (مُرتّبہ افتخار جالب) نئی مطبوعات لاہور، ۱۹۶۶ء

۶)اردو افسانے میں علامت نگاری، ڈاکٹر اعجاز راہی، ریز پبلی کیشنز، مری روڈ راولپنڈی، دسمبر ۲۰۰۲ء

۷)نعت کی تخلیقی سچائیاں، ڈاکٹر عزیز احسن، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، مارچ ۲۰۰۳ء

اِس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل رسائل اور کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۱)کلیات اقبال، علامہ محمد اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، س۔ن۔

۲)اردو غزل، نئی تشکیل، طارق ہاشمی، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۲۰۰۸ء

۳)نعت رنگ شمارہ ۲۳، مرتب صبیح رحمانی، نعت ریسرچ سنٹر کراچی

۴)نعت رنگ شمارہ ۲۴، مرتّب صبیح رحمانی، نعت ریسرچ سنٹر کراچی

پروفیسر ڈاکٹر اِفضال احمد انوؔر۔فیصل آباد

طَلَعَ الْبَدرُ عَلَیْنَا... منظر ومحلِّ وقوع ___ ایک تحقیق

ABSTRACT:

Dr. Ifzal Ahmad Anwar, has put up result of his research on the famous poetic expression i.e. Tala-al Badrul Alaina, in order to ascertain the time and venue or site of reciting the same to welcome the Holy Prophet Muhammad (S.A.W). According to his research, the couplets were recited twice i.e. at the time of entering of the Prophet Muhammad (S.A.W) into the territory of Yathrib on sacred mission of Hijrah from Makkah and on the occasion of coming back to Mandina Munawwara from the battle field of Tabuk. The writer has cited various examples of historians and finally chose to accept the verdict given by Peer Hazrat Mehr Ali Shah of Golra Shareef (R.A) in this regard. Dr. Ifzal Ahmad concludes decisively that the couplets under discussion were recited twice rather than only one occasion of Hijrah as, in his opinion, has erroneously been reported by some historians.

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم جب مکّہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہلِ علاقہ (خصوصاً خواتین اور ننھی ننھی بچیوں)نے جو اشعار گا کر آپصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا والہانہ استقبال کیا تھا٬ وہ درج ذیل ہیں۔

طَلَعَ الْبَدرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ (۱)

ا۔ہم پر وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوگیا(یعنی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم مدینہ منّورہ میں تشریف لے آئے)۔

۲۔ ہم پر (خدا کا) شکر لازم ہے' جب تک اللہ کو پکارنے (دعا کرنے) والا کوئی بھی اُسے پکارتا رہے۔(یعنی اس احسانِ عظیم پر واجب ہے کہ ہم ابدالآ سباد تک خدا کا شکر ادا کرتے رہیں۔)

پہلے دوشعروں کا منظوم ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف نے یوں کیا ہے۔

ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب
چودھویں کا چاند کیا نکلا ہے خوب
شکر اس دن تک کریں اللہ کا
مانگیں جب تک مانگنے والے دعا (۲)

اگرچہ عام کتابوں میں اوپر والے پہلے دوشعر ہی مرقوم ملتے ہیں لیکن کچھ سیرت نگاروں نے تیسرے شعر کی نشاندہی بھی کی ہے۔

اَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ (۳)

علامہ عبدالمصطفٰے اعظمی نے اپنی تصنیف '' سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم '' میں مزید تین اشعار کی نشان دہی کی ہے:

اَنْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِیْنَہ مَرْحَباً یَا خَیْرَ دَاعٍ
فَلَبِسْنَا ثَوْبَ یَمَنٍ بَعْدَ تَلْفِیْقِ الرِّقَاعِ
فَعَلَیْکَ اللہُ صَلّٰی مَا سَعٰی لِلّٰہِ سَاعٍ

اُنھوں نے ان اشعار کا ترجمہ بھی دیا ہے ___ آپ نے مدینہ کو مشرف فرما دیا، تو آپ کے لیے خوش آمدید ہے اے بہترین دعوت دینے والے۔ پس ہم لوگوں نے یمنی کپڑے پہنے حالانکہ اس سے پہلے پیوند جوڑ جوڑ کر پہنا کرتے تھے۔ تو آپ پر اللہ تعالیٰ اُس وقت تک رحمتیں نازل فرمائے جب تک اللہ کے لیے کوشش کرنے والے کوشش کرتے رہیں۔(۴)

پروفیسر محمد رفیق نے مندرجہ بالا تین اشعار کے بعد یہ شعر بھی متّصلاً درج کیا ہے۔

نَحْنُ جَوَارٌ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ　　　یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

انھوں نے اس شعر کا ترجمہ بھی لکھا ہے :

''ہم بنو نجّار کی لڑکیاں ہیں۔ واہ! محمد صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم کتنے اچھے ہمسائے ہیں۔(۵)

اُردو زبان میں سب سے زیادہ نعتیہ اشعار لکھنے کی سعادت حاصل کرنے والے عظیم محققِ نعت، لاہور کے راجا رشید محمود نے اس شعر نَحْنُ جَوَارٌ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ کے حوالے سے یہ معلوما بہم پہنچائی ہیں:

''مدینہ منورہ میں حضور حبیبِ خالق و مالک صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم کی تشریف آوری کے بعد اوّلیت کا شرف اُن خیر مقدمی نعتیہ اشعار کو ملتا ہے، جو بنی نجار کی بچیوں (بنی نجار حضور صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم کے ننھیال کا قبیلہ ہے) نے دف بجا کر گائے اور یہ '' نَحْنُ جَوَارٌ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ '' والے اشعا تھے۔''(٦)

نعت کی تاریخ میں ان اشعار کی قدر و قیمت، غنائیت اور تاثیر کسی سے مخفی نہیں۔ بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ یہ اشعار ہجرتِ مدینہ کے وقت نہیں بلکہ اُس وقت پڑھے گئے تھے جب حضرت رسولِ

کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔بعض احباب ان اشعار کا موقع محل ہجرتِ مدینہ کو قرار دینا راوی کا سہو اور نا درست سمجھتے ہیں' جبکہ کچھ سیرت نگار تیسرا نقطۂ نظر یعنی یہ مدنی خیر مقدمی اشعارِ تشکر کا دونوں مواقع پر پڑھا جانا درست مانتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ان نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لیا جائے اور صحیح محلِّ وقوع کا اندازہ لگایا جائے۔

فرھنگ:

طَلَعَ :طلوع ہُوا' ظاہر ہوا' نکلا' تشریف لایا ___ اَلْبَدْرُ : ال = یہ علامتِ تخصیص ہے(بَدْرُ: چودھویں رات کا چاند(جو روشنی اور تکمیل کے عروج کے معنوں کو ظاہر کرتا ہے اور انتہائے ترقّی کا مظہر ہے۔گویا یہ خاص چودھویں کا چاند ہے(جو کبھی زوال پذیر نہ ہو)مراد ہے کامل عروج کے حامل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ___ عَلَیْنَا : (عَلٰی = اُوپر(On)حرفِ جار' ہے___ نا : ہم (We) یعنی ہم پر ___ مِنْ : سے(From)حرفِ جار' ہے___ ثَنِیّاتِ : یہ ثَنِیَّۃ کی جمع ہے۔عربی میں ثنیّہ کہتے ہیں سامنے کے اُوپر اور نیچے کے دو' دو دانتوں کو۔اسی نسبت سے دو پہاڑوں کے درمیانی راستے (گھاٹی) کو بھی ثنیّہ کہتے ہیں کہ اس کے دائیں بائیں پہاڑ ہوتا ہے۔ثِنِیَّات یعنی گھاٹیاں ___ ودَاع: چھوڑنا' رخصت کرنا' خیر باد کہنا۔ثنیّۃ الوداع سے مراد وہ گھاٹی ہے جہاں تک مہمان کو چھوڑنے جائیں (مشایعت) یا کسی معزّز مہمان کو لینے کیلئے آبادی کے مضافات تک جائیں اور احتراماً اُسے ساتھ لے کر آئیں ___ وَجَبَ : واجب ہُوا۔ضروری ٹھہرا___ شُکْرُ : تشکّر' شکریہ ادا کرنا' کسی کے اچھے کام (احسان' نیکی) پر ممنونیت کے جذبات کا اظہار کرنا' مراد ہے اللہ کا شکر ادا کرنا___ مَا : جو۔مراد ہے جب تک ___ دَعَا : پکارنا' رغبت کرنا سے ہے' یعنی پکارے' دعوت دے ___ لِلّٰہِ : لِ+اللہ۔لیے' واسطے(For)۔اللہ کیلئے ___ داعٍ : داعی۔پکارنے والا' دعا کرنے والا' دعوت دینے والا___ اَیُّھَا : اَے! یا!(حرفِ ندا برائے تخاطب)___ مَبْعُوْث : بَعْث بھیجنا' تیزی سے روانہ کرنا' مبعوث= بھیجا

گیا' روانہ کیا گیا ___ فِیۡنَا : فِی حرفِ جار (In) میں' اندر' نَا : ہم' ہم میں ___ جِئۡتَ : تو آیا۔ جِئۡتَ بِ۔ تو لایا۔ آپ لائے ___ اَلۡاَمۡر : امر یعنی حکم' دین' مراد ہے دینِ اِسلام ___ اَلۡمطَاع : اطاعت کیا گیا۔ جس کی اطاعت کی جائے' قابلِ اطاعت ___ شَرَّفۡتَ : تو نے شرف بخشا' آپ نے مشرّف کیا' آپ نے عزّت بخشی ___ اَلۡمَدِیۡنَۃ : شہر (مراد ہے مدینہ منوّرہ۔ شہرِ رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم پہلے اس شہر کا نام یثرب تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی اس شہرِ مقدس میں تشریف آوری کے بعد اس کا نام مدینۃ النّبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم ہو گیا جو بعد میں مخفف ہو کر صرف مدینہ رہ گیا جس کا لفظی مطلب شہر ہے' المدینہ یعنی خاص شہر) ___ مَرۡحَبًا : خوش آمدید ''Welcome'' (رَحبُ' ترحاب۔ خوش آمدید کہنا' لفظی مطلب تم کشادگی پاؤ' آپ فراخی پائیں' یہ لفظ رَحب سے ہے جس کا مطلب ہے جگہ کا کشادہ اور وسیع ہونا) مراد ہے آپ بہت اچھے آئے ___ یَا : اَے (یَا : اَیُّھَا : یَا اَیُّھا : اے' حروفِ ندا ___ فَ : پس ___ لَبِسۡنَا : ہم نے لباس کیا' ہم نے پہنا۔ ہم پہنا کرتے تھے ___ ثَوۡبُ : کپڑا' کپڑے ___ یَمَن : ایک ملک کا نام جس کی سرحد سعودی عرب سے ملتی ہے ___ بَعۡدُ : بعد' پیچھے (After) ___ تَلۡفِیۡق : کپڑا دوہرا کر کے سینا۔ دو کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوں تو دونوں کو جوڑ کر ایک تہہ بنا کر سی لینا ___ رَقَاع : رَقۡعًا (کپڑے پر جوڑ لگانا۔ پھٹے کپڑے میں پیوند لگا کر سینا)۔ تلفیق الرّقاع : پھٹے پرانے کپڑوں میں جوڑ (پیوند) لگا کر پہننا ___ فَعَلَیۡکَ : فَ (پس) علیٰ + ک : علیٰ (اوپر) + کَ' تو' آپ (You) فعلَیۡکَ' پس آپ پر ___ صَلّٰی : اُس نے درود بھیجا۔ رحمت نازل کی' مجازاً رحمت نازل کرے' درود پڑھے ___ مَاسَعٰی : مَا (جب تک) سَعٰی = اُس نے سعی (کوشش کی) جب تک کوشش کرے' جب تک کہ کوشاں رہے ___ سَاعٍ : سَاعی' کوشش کرنے والا۔ دوڑ دھوپ کرنے والا۔ سعیٌ : کوشش' جدو جہد' کوشش کرنا' دوڑنا۔ پوری کوشش کرنا۔

اختلافِ نسخ:

۱۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے پہلے مصرع کے پہلے لفظ کو طَلَعَ کے بجائے اَشْرَ قَ لکھا ہیاوراس کا ترجمہ بھی کیا ہے۔

اَشْرَ قَ اَلبدرُ علینا من ثنیّاتِ الوداع

اِن پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا (۷)

(اس میں اَشْرَ قَ کا مادہ ش رق ہے یعنی مشرق کو روانہ ہونا' چمکنا' طلوع کرنا)

۲۔ ابومحمد عبدالمالک نے '' ہجرتِ خیرالبشر صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم''میں مصرعؔ___ اَنْتَ شَرَّفْتَ اَلْمَدِ ینَہ کی جگہ جئت شرفت المدینہ تحریر کیا ہے۔(۸)

۳۔ شاہ مصباح الدین شکیل نے یہ دوشعر بھی اسی موقع ومحل کی مناسبت سے درج کیے ہیں:

اَشْرَ قَ اَلْبَدْ رُ فِیْنَا وَاخْتَفَتْ مِنْہُ الْبُدُرُ

ہمارے درمیان چودھویں کا چاند نمودار ہوا ہے۔اس کی روشنی سے
تمام چاندوں کی روشنیاں ماند پڑ گئی ہیں۔

مِثْلُ حُسْنِکَ مَا رَاَیْنَا قَطّْ یَا وَجْہِ السُّرُ ور

آپ جیسا حُسن والا ہم نے کبھی اور کہیں نہیں دیکھا۔آپ صلی اللہ علیہ والہٖ
وسلّم کا جمالِ جہاں آرا دیکھ کر دل ونظر کو سرور حاصل ہوتا ہے۔(۹)

ان اشعارِ مبارکہ کا پس منظر ____ نعت کی تاریخ میں ان اشعار کی تاریخی وروحانی قدر و قیمت' غنائیت اور تاثیر کسی سے مخفی نہیں۔ان بابرکت اشعار کو پڑھتے ہی قاری حُسنِ تصور میں اُس ہجومِ نورونزہت اور جلوسِ یمن و سعادت میں جا شامل ہوتا ہے جہاں یہ مدینہ منورہ میں پڑھے گئے تھے ۔ یہ

بابرکت اشعارِ تشکر' استقبالی ہیں جو مدینہ منوّرہ کی مخدّرات (پاک بیبیوں) اور بچیوں نے حضورنبیِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے موقع پر ہی گائے تھے۔اس امر تک کسی سیرت نگار کو قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے' البتّہ یہ اشعار مدینہ منورہ میں کس موقع پر گائے گئے تھے' اس میں بعض سیرت نگاروں کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔اس ضمن میں کچھ نقطہ ہائے نظر ہیں۔

پہلا نقطۂ نظر ــــــ یہ اشعار بوقتِ ہجرت' مکّہ مکرّمہ سے مدینہ منوّرہ میں حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی آمدِ پاک کے موقع پر پڑھے گئے تھے۔اس خوشیوں بھرے موقع کا نقشہ مولانا ابو محمد عبدالمالک نے یوں کھینچا ہے۔

''مدینہ منورہ کی تاریخ کا یہ کتنا مبارک دن تھا۔۔۔فاتحِ مدینہ تن تنہا اپنے ایک یارِ غار کے ساتھ شہر میں داخل ہو رہے ہیں' ساتھ میں کوئی باڈی گارڈ نہیں' کوئی مسلح فوج نہیں' کوئی ہتھیار نہیں' کمر میں علامتی طور پر صرف ایک تلوار تھی' جس کا نام ماثور تھا۔ یہ تلوار نبی فاتح ؟ کو اپنے والد ماجد سے ورثے میں ملی تھی' جس کو اپنے والدِ محترم کی نشانی سمجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت عزیز رکھتے تھے۔۔۔طیبہ کے بہت سے باسیوں نے تو ابھی تک دیکھا نہیں تھا' مگر ان کے دل آپصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہچانتے تھے' آمد سے قبل ہی اُنھوں نے اپنا سب کچھ نبیِ فاتح صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّمکے نام لکھ دیا تھا۔''(۱۰)

حضرت براءؓ بن عازب نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک ارشادِ مبارک بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ ابو محمد عبدالمالک نے مختلف کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے۔

''جب ہم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو لوگ گھروں سے نکلے۔گلیوں اور

راستوں میں استقبال کے لیے موجود تھے۔ بچے اور غلام مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر باآوازِ بلند کہہ رہے تھے' جاء محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم ۔۔ اس سے حسین منظر ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔۔۔ خواتین اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھی ایک دوسری کو بتا رہی تھیں کہ وہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم ۔۔۔ وہ ہیں رسول صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم ۔'' (۱۱)

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت بھی مدِّ نظر رہنی چاہیے جس کا شاہ مصباح الدین شکیل نے یوں ترجمہ پیش کیا ہے :

''جس دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم ہمارے یہاں تشریف لائے اس سے خوب تر اور روشن دن میں نے ہرگز نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم کے قدم مبارک کی برکت سے ہمارے نصیب جاگے اور جمال جہاں آرا سے مدینہ منورہ کی ہر چیز روشن ہوگئی۔'' (۱۲)

کچھ سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ جب نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم مکّہ مکرّمہ سے ہجرت کر کے قباء میں تشریف لائے اور وہاں سے یثرب (موجودہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم) میں وارد ہوئے تو اُس وقت اُس شہرِ خنک میں بے انتہا رونق تھی۔ تمام لوگ (بچے' خواتین اور مرد حضرات' یکجا ہو کر اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم کے استقبال کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اپنی اونٹنی (جس کا نام قصوا تھا) پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم کے پیچھے حضرت ابوبکر صدیقؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر طرف عوام کا ہجوم تھا۔ لوگوں کی خوشی دیدنی تھی۔ اہلِ مدینہ نے اس دن سے زیادہ بارونق' بے انتہا روشن اور خوشیوں بھرا دن نہیں دیکھا تھا۔ ایک عظیم الشان

جلوس کی صورت تھی۔ اس جلوس میں کچھ حبشی لوگ تلوار زنی کے جوہر دکھا رہے تھے اور کچھ نیزہ بازی کے کرتب دکھا کر لوگوں کو محظوظ کر رہے تھے۔ اس روز لوگ تکبیر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے یہ نعرے بھی لگا رہے تھے:

جاءَ رسول اللہ ___ جاء رسول اللہ

(اللہ کے رسول آ گئے ___ اللہ کے رسول آ گئے)

اس بابرکت، پُر رونق اور خوشیوں بھرے ہجرتِ مدینہ کے موقع پر اشعار طَلَعَ الْبَدرُ عَلَیْنَا۔۔۔ پڑھے گئے تھے۔ (۱۳)

ا۔ کچھ سیرت نگاروں کے ہاں اس بابرکت موقع کی کچھ جزئیات کے اشارے بھی ملتے ہیں۔ علّامہ ملّا معین الواعظ الکاشفی الہروی سمیت بہت سے سیرت نگاروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اشعار طلع البدر علینا۔۔۔ کو دف بجا کر پڑھا گیا تھا۔ (۱۴)

ب۔ مولانا، علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت اہلِ علاقہ کے جوش و خروش کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے بقول:

"شہر قریب آ گیا تو اہلِ مدینہ کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور یہ اشعار پڑھنے لگیں":

طلع البدرُ علینا۔۔۔۔" (۱۵)

ج۔ علامہ فیاض الحسن خورشیدی کے بقول:

"حضورِ انور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سواری نزدیک پہنچی تو جوشِ مسرّت کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین عورتیں چھتوں پر نکل آئیں اور یوں گانے لگیں
طلع البدر علینا۔۔۔۔" (۱۶)

د۔ معروف علمی و روحانی شخصیت مولانا پیر سیّد محمد سعید الحسن شاہ کے لفظوں میں :

’’ انصار کی معصوم و نوخیز لڑکیاں پیارے لہجے اور پاکیزہ زبان سے نعتِ مصطفٰی (صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلم) کے یہ شعر الاپ رہی تھیں : طلع البدر علینا۔۔۔۔۔‘‘ (۱۷)

ہ۔ مولانا معراج الدّین نے بھی ایسا ہی نقشہ کھینچا ہے۔ اُن کے بقول :

’’چھوٹی چھوٹی بچیوں نے (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی) آمد کے وقت نغمہ کہنا شروع کیا۔

طلع البدر علینا۔۔۔۔۔‘‘ (۱۸)

و۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اس موقع پر انصاری لڑکیوں کے گانے کیلیے کا بھی ذکر کیا ہے :

’’انصار کی معصوم لڑکیاں پیارے لہجہ اور پاک زبانوں سے اس وقت یہ چند اشعار گا رہی تھیں‘‘۔

اشرق البدرُ علینا۔۔۔۔۔‘‘ (۱۹)

ز۔ عبدالقدوس انصاری کے بقول :

قصواء (رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلمکی سواری کا نام) مدینہ منوّرہ کی شمالی سمت چلی تو جب ثنیّة الوداع کے پاس پہنچی تو فضاؤں میں انصار عورتوں کے خوشی اور تشکر بھرے ترانے گونجنے لگے : طلع البدرُ علینا۔۔۔۔۔‘‘ (۲۰)

ح۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی اس موقع کا کچھ نقشہ کھینچا ہے‘ جس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے :

’’لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے استقبال کیلئے جمع ہوئے‘ اُنھوں نے اپنا بہترین لباس زیبِ تن کر رکھا تھا اور وہ پوری طرح مسلّح تھے لڑکوں

اورلڑکیوں نے دفیں سنبھالیں، وہ ایسی مسّرت اور خلوص سے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، ہم آہنگ ہوکرایک استقبالیہ نظم گا رہے تھے : طلع البدرُ علینا۔۔۔۔۔‘‘(۲۱)

ط۔ پروفیسرڈاکٹرمحمد طاہرالقادری نے اپنے مخصوص ادبی رنگ میں اس بابرکت موقع کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

’’۔۔۔۔۔وفورِجذبات سے ان بلند بخت بچیوں کی آنکھیں چھلک پڑیں، وہ کب سے مہمانِ ذی حشم کی راہ میں آنکھیں بچھائے کھڑی تھیں۔ دف کی آواز پرحروفِ سپاس، گلاب بن کرمہک اُٹھے، کائنات کا ذرّہ ذرّہ بنونجّار کی اِن بچیوں کا ہم زبان بن گیا۔۔۔۔۔طلع البدرُعلینا۔۔۔۔۔‘‘(۲۲)

معروف شاعراورسیرت نگارنعیم صدیقی نے بھی ان اشعار کے گائے جانے کا موقع ومحل واقعۂ ہجرت ہی قرار دیا ہے۔

’’قُبا سے مدینہ تک دورویہ انصارصفیں باندھے کھڑے تھے۔حضورصلی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے ننھیالی رشتہ داروں نے شوق سے ہتھیار لگائے۔ ہر طرف تحمید وتقدیس کی صدائیں بلند ہورہی تھیں۔عورتیں چھتوں پرجمع تھیں، اور یہ ترانۂ خیر مقدم اُن کے لبوں پر تھا۔۔۔۔طلع البدرُ علینا۔۔۔۔‘‘(۲۳)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ اُردو سیرت نگاروں میں سے بعض احباب کے نزدیک استقبالیہ اشعارِتشکر ؟ طلع البدر علینا۔۔۔مدینہ کریمہ کی خواتین اور بچیوں نے اُس وقت گائے تھے، جب ا؟ قائے کون ومکاں صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم ہجرت کر کے مکّہ مکرمہ سے مدینہ منورہ

تشریف لائے تھے۔بعض نے ان اشعار کے دف پر گائے جانے کا بھی ذکر کیا ہے اور بعض سیرت نگاروں نے اس عظیم الشان جلوس کے جوش وخروش اور اہلِ ہنر کے کرتبوں کا بھی نقشہ پیش کیا ہے۔

مندرجہ بالا شواہد اس حقیقت کو سامنے لاتے ہیں کہ پہلے نقطہ نظر کے مطابق' اِن خیر مقدمی اور استقبالیہ' نعتیہ اشعار کے گائے جانے کا موقع ومحل حضور پورنور' سیّدِ عالَم کی ہجرتِ مدینہ ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر:

اس رائے کے مطابق یہ اشعار ہجرتِ مدینہ کے موقع پر نہیں بلکہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر مدینہ منوّرہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے داخلے کے وقت پڑھے گئے۔ان کے نزدیک ان اشعار کا موقع ومحل ہجرتِ مدینہ کوقرار دینا راوی کا سہوٗ خطا اور نادرست ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اس دوسرے نقطۂ نظر کا بھی جائزہ لیا جائے اور صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگایا جائے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ۹ ہجری رجب کے مہینے میں مدینہ منوّرہ سے تبوک کیلئے روانہ ہوئے تھے۔ روم کے عیسائی عسا کر سے مقابلہ کارِ آساں نہ تھا۔ رومیوں کے پاس بے پناہ عسکری قوّت' خورد ونوش کے وسیع ذخائر اور دولت کی فراوانی تھی' جبکہ اس زبردست عالمی قوّت سے ٹکرانے کا عزم رکھنے والے اہلِ ایمان کے ہاں بڑی تنگدستی تھی۔طویل مدّت سے بارش نہ ہونے کے سبب عام قحط اور خشک سالی کا دور دورہ تھا۔موسم بھی سخت گرمی کا تھا۔تبوک تک کا سفر طویل بھی تھا اور بے حد دشوار گزار بھی۔حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم تیس ہزار مجاہدین صحابۂ کرام کے ساتھ اِس سفر پر روانہ ہوگئے تو مدینہ منوّرہ میں رہ جانے والے بچّے اور خواتین وحضرات لشکرِ اسلام کیلئے انتہائی فکرمند بھی تھے اور بہت زیادہ دعا گو بھی۔ یہ لشکرِ اسلام تقریباً پچاس دنوں کے بعد اللہ کی نصرت سے فتح مند اور ظفریاب ہوکر واپس پلٹا۔جب اہلِ مدینہ کولشکر کی واپسی کی خبر ہوئی تو وہ بڑی شدت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگے۔اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سرکارابد قرار

صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی واپس تشریف آوری پر اہلِ مدینہ کو کتنی خوشی ہوئی ہوگی۔ اسی موقع سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کا استقبال کرنے والوں نے یہ اشعار پڑھے۔ اس ضمن میں بعض حوالہ جات درج ذیل ہیں :

ا۔ علامہ صفی الرحمان مبارکپوری لکھتے ہیں:

''اسلامی لشکر تبوک سے مظفر و منصور واپس آیا۔۔۔۔۔ خاتمۂ سفر پر جب دُور سے نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کو مدینہ کے نقوش دکھائی پڑے' تو آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے فرمایا' یہ رہا طابہ اور یہ رہا اُحد۔ یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبّت کرتا ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ ادھر مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی آمد کی خبر پہنچی تو عورتیں' بچّے اور بچّیاں باہر نکل پڑیں' اور (اُنھوں نے) زبردست اعزاز کے ساتھ لشکر کا اِستقبال کرتے ہوئے یہ نغمہ گنگنایا: طلع البدرُ علینا۔۔۔۔۔'' (۲۴)

ب۔ علاّمہ احمد بن محمدّ بن ابی بکر قسطلانیؒ نے مواہب لدنیہ میں ان اشعار کے پڑھے جانے کا تعلق غزوۂ تبوک ہی سے بتایا ہے۔ ان کے نزدیک مکّہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کے وقت ان اشعار کا تعلق بر بنائے وہمِ راویان ہے۔ اُنھوں نے بوقتِ ہجرت حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی مدینہ منوّرہ تشریف آوری کے موقع پر' پردہ نشین عورتوں کی طرف سے طلع البدرُ علینا۔۔۔۔۔ اشعار گائے جانے کا بھی ذکر کیا ہے لیکن فوراً بعد طبری' ابنِ بطال' ابنِ العراقی اور ابنِ قیّم کے اقوال درج کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ ان اشعار کا اصل موقع و محل ہجرت مدینہ نہیں بلکہ غزوۂ تبوک سے واپسی ہے۔ ان کے نقل کردہ اقوال کا ترجمہ مولوی محمد عبدالجبار خان آصفی کے لفظوں میں یوں ہے :

’’ ____ میں کہتا ہوں کہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے ا?نے کے وقت اِن اشعار کے پڑھنے کو بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے اور ابوالحسن مقری نے اپنی کتاب الشمائل میں ابنِ عائشہ سے روایت کیا ہے اور طبری نے (الریاض) میں ابوالفضل بن الجُحِی سے ذکر کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا ہے کہ مَیں نے ابنِ عائشہ سے سُنا ہے۔ مَیں گمان کرتا ہوں کہ ابنِ عائشہ نے اپنے باپ سے ان اشعار کی روایت کی ہے‘ پس ان شعروں کو ذکر کیا اور محبّ الطبر ی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو حلوانی نے شیخین کی شرط پر روایت کیا ہے۔ طبری کا کلام ختم ہوگیا۔ اور ثنیۃ الوداع کا نام اس لیے ثنیۃ الوداع رکھا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے اپنے بعض سفروں میں کہ وہ (غزوۂ تبوک ہے) بعض مقیمانِ مدینہ کو وہاں رخصت فرمایا ہے اور کہا گیا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے اپنے بعض لشکروں کی ثنیۃ الوداع تک مشایعت کی ہے اور اس لشکر کو اس کے پاس رخصت کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ مدینہ سے مسافر ثنیۃ الوداع تک قدیم عہد میں مشایعت کیا جاتا تھا اور اُس کے پاس رخصت کیا جاتا تھا اور قاضی عیاض نے اس ا?خر قول کو صحیح کہا ہے اور اس پر انصار کی عورتوں کے قول کے ساتھ استدلال کیا ہے جس وقت نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم مدینہ میں تشریف لائے تھے‘ انصار کی عورتوں کا قول یہ ہے: طلع البدرُ علینا مِن ثنیّاتِ الوداع۔ اِس قول نے اس پر دلالت کی ہے کہ ثنیۃ الوداع قدیم اسم ہے‘ اور ابنِ بطال نے کہا ہے کہ ثنیۃ الوداع نام نہیں رکھا گیا ہے مگر اس لیے کہ اہلِ مدینہ حجاج اور غازیوں کی

مشایعت ثنیۃ الوداع تک کیا کرتے تھے اور اُن کو اُس کے پاس رخصت کیا کرتے تھے اور ثنیۃ الوداع کی طرف آنے والے کی ملاقات کے وقت نکلا کرتے تھے۔ ابنِ بطال کا قول ختم ہو گیا۔

شیخ الاسلام الولی بن العراقی نے کہا ہے کہ یہ کل اقوال مردود ہیں۔ صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد اور ترمذی میں سائب بن یزید سے روایت ہے، کہا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم تبوک سے تشریف لائے، آدمی مدینہ سے نکلے آنحضرت صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم ثنیۃ الوداع کے مقام سے ملاقات کرتے تھے۔ ابن العراقی نے کہا ہے کہ یہ قول اس باب میں صریح ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف سے ہے (نہ مکّہ کی طرف سے۔ اس سے ابنِ بطال کے کلام کا رد ظاہر ہو گیا، جبکہ میرے والد حافظ عبدالرحیم نے ترمذی کی شرح میں ابنِ بطال کے قول کو نقل کیا۔ اس لیے کہا ابنِ بطال کا قول غلط ہے، اور ابنِ عائشہ کا کلام معضل ہے۔ اس کے ساتھ حجّت قائم نہیں ہوتی ہے۔ ابنِ العراقی کا قول ختم ہو گیا۔

اور ابنِ العراقی سے اس قول کے غلط ہونے کی طرف ابنِ القیّم نے (ہدی النبوی) میں سبقت کی ہے اور کہا ہے کہ بعض راویوں کی یہ غلطی ہے اس لیے کہ ثنیۃ الوداع نہیں ہے مگر شام کے ناحیہ سے۔ مکّہ سے آنے والا شخص ثنیۃ الوداع کو نہیں رکھتا ہے اور اس کی طرف نہیں جاتا ہے مگر جس وقت مکّہ سے آنے والا شام کی طرف متوجہ ّ ہوتا ہے۔ ثنیّات الوداع کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم کا تشریف لانا واقع نہیں ہُوا ہے، مگر اُس وقت کہ آپ

تبوک سے آئے تھے۔ابنِ القیّم کا قول ختم ہوگیا۔۔۔۔۔‘‘(۲۵)

علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں جب خود غزوۂ تبوک پر قلم اُٹھایا تو ان اشعار کا موقع و محل بھی بتا دیا:

’’______رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم مدینہ کے قریب پہنچے تو آدمی مدینہ سے باہر نکلے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم سے ملاقات کریں اور عورتیں اورلڑکے اورلڑکیاں اور باندیاں یہ اشعار پڑھ رہی تھیں‘‘:

طلع البدرُ علینا مِنْ ثَنِیّاتِ الوَداع۔۔۔۔۔‘‘(۲۶)

وہ ان اشعار کے حوالے سے اپنی تحقیقات کا نچوڑ بھی تحریر کرتے ہیں:

’’۔۔۔۔ثنیہ‘ پشتہ یا ٹیلہ کا راستہ یا پہاڑ یا پہاڑ کا راستہ‘ ثنیاتِ وداع مدینہ منورہ کے قریب وہ ٹیلے ہیں‘ جہاں مسافروں کو رخصت کرتے ہیں یا مسافروں کا استقبال کرتے ہیں۔ (طلع البدرُ علینا کے حوالے سے) ہم نے آگے بیان کر دیا ہے کہ بعض راویوں نے وہم کیا ہے اور کہا ہے کہ عورتیں اورلڑکیوں وغیرہ نے یہ اشعارنہیں پڑھے تھے مگر اس وقت کہ آپ صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم مکّہ معظّمہ سے مدینہ منّورہ تشریف لائے تھے۔راوی کا یہ وہم ظاہر ہے اس لیے کہ ثنیّات الوداع شام کے ناحیہ سے ہیں۔مکّہ سے مدینہ آنے والا شخص ان ثنیّات کونہیں دیکھتا ہے مگر جس وقت شام کی طرف متوجہ ہوتا ہے‘ جیسا کہ میں نے اُس کو آگے ذکر کیا ہے۔‘‘(۲۷)

ج۔ ضیاء الامّت‘ حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الا زہری ? نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ’’ضیاء النّبی‘‘، صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّمکی تیسری جلد میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم کی مکّہ مکرمہ سے

مدینہ منورہ تک کی ہجرت کا ذکر بہت تفصیل اور بہت محبت سے کیا ہے۔ ان کا لفظ لفظ دامنِ دل کھینچتا ہے۔ میدانِ تحقیق میں اُن کی احتیاطیں خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اُنھوں نے ہجرت کے اس باب میں طلع البدرُ علینا۔۔۔ اشعار کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ اُنھوں نے ضیاء النبی کی چوتھی جلد میں غزوۂ تبوک کے واقعات لکھتے ہوئے، اِن اشعار کو درج کیا ہے۔ اُنھوں نے حضرت سائب بن یزیدؓ کا قول اپنے لفظوں میں یوں بیان کیا ہے:

> ''جس روز رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم، تبوک سے واپس تشریف لائے تو مَیں (حضرت سائب بن یزیدؓ) بچوں کے ساتھ نبی کریم علیہ الصّلوٰ ۃ و التسلیم کی پیشوائی کیلئے ثنیۃ الوداع تک آیا تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے شہر مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا تو مدینہ کی عورتیں، بچّے اور بچّیاں یہ اشعار گاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کا اِستقبال کرنے کیلئے نکل آئی تھیں اور دوسری پردہ دار خواتین اپنے مکانوں کی چھتوں پر اکٹھی ہوگئیں۔ وہ سب یہ اشعار گا رہی تھیں: طلع البدرُ علینا۔۔۔۔'' (۲۸)

پیر محمد کرم شاہ الازہری کے اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ان اشعار کے گائے جانے کا محلِ وقوع غزوہ تبوک سے واپسی ہے، نہ کہ موقعِ ہجرت۔

دونوں نقطہ ہائے نظر کا جائزہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں طرف جیّد علمائے کرام کی آراء ہیں اور ہمارے ہاں تواتر سے ان اشعار کا موقع ومحل عموماً ہجرت کے حوالے ہی سے بیان کیا جاتا ہے۔ ابنِ بطال اور ابنِ قیّم وغیرہ نے اشعار کے اِس موقع ومحل کو راویوں کا ''وہم'' اور ''خطا'' قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ثنیۃ الوداع (وداع کی گھاٹی) اُس سمت واقع ہی نہیں جہاں سے مکّہ سے آنے والے آتے ہیں بلکہ اُس سمت واقع ہے، جہاں شام کے مسافر آتے ہیں لیکن یہاں یہ امر قابلِ غور ہے

کہ وداع کی گھاٹی جیسے شام کی سمت ہے دوسری سمتوں میں واقع کیوں نہیں ہوسکتی ؟ اگر دیگر سمتوں میں بھی ایسی ہی گھاٹیاں ہوں تو اُن کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟عقل اس امر کو ماننے میں متامّل ہے کہ اہلِ مدینہ مسافر کو صرف شام کی سمت ہی کچھ دُور تک چھوڑ نے جاتے ہوں اور دیگر سمتوں میں واقع وداع کی گھاٹیوں کی طرف نہ جاتے ہوں۔

داخلی شہادت : مندرجہ بالا شعر میں ترکیب ثنیۃ الوداع (وداع کی گھاٹی) نہیں بلکہ ثنیات الوداع (وداع کی گھاٹیاں)استعمال ہوئی ہے۔یعنی مہمان کو رخصت کرنے (یا خوش آمدید کہنے) کی گھاٹیاں۔ یہاں ثنیۃ کا صیغۂ جمع ثنیات استعمال ہُوا ہے جو معنوی وسعت کا ضامن اور داخلی شہادت کی خوبصورت مثال ہے‘ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وداع کی گھاٹی ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ تھیں‘ اسی لیے شعر میں ثنیہ کی جمع ثنیات استعمال ہوا ہے۔شعر کی اسی داخلی شہادت سےثنیۃ الوداع کے محض ایک ہی جگہ واقع ہونے اور دوسری سمتوں میں واقع نہ ہونیکی تغلیط بخوبی ہوجاتی ہے۔

تفصیل ثنیۃ الوداع :ابومحمد عبدالمالک نے اپنی تحقیقی تصنیف ’’ہجرتِ خیرالبشر صلی اللہ علیہ والہ وسلّم‘‘ میں مدینہ منورہ کے ثنیات کا ذکر اپنے مخصوص تحقیقی انداز میں کیا ہے وہ دکتور محمد الیاس کی کتاب تاریخِ مدینہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ’’لغت کے اعتبار سے پہاڑوں کے درمیان والے راستے کو’’ثنیۃ‘‘ کہتے ہیں‘ مدینہ منورہ میں دو ثنیہ مشہور ہیں‘ ایک ثنیہ قباء[1] کی طرف (یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلّمکے روضہ مطہرہ سے جنوبی سمت) تھا‘ قبا کے راستے سے مکّہ مکرمہ آنے جانے والے اس جگہ سے گزرتے تھے‘اس کی جگہ قبا کے قلعے اور مسجد جمعہ کے قریب قریب تھی‘ آپ صلی اللہ علیہ و الہ وسلّمکا استقبال کرتے ہوئے بنونجّار کی بچیوں نے ’’طلع البدر علینا ‘‘ کا گیت اسی

جگہ پڑھا تھا' دوسرا ثنیہ شمالی جانب تھا' خیبر' تبوک اور شام جانے والے یہاں سے گزرتے تھے' پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں سڑک کی توسیع ہوئی تو یہ ثنیہ اسی میں آ گیا' یہ شارع سید الشہداءؓ اور شارع ابوبکرؓ کے سنگم پر واقع تھا' جس کا فاصلہ مسجد نبوی کے شمال مغربی کونے سے تقریباً ۷۵۰ میٹر ہے' اس پر ایک مسجد بنی ہوئی تھی' جو ''مسجد ثنیۃ الوداع'' کے نام سے مشہور تھی۔ جس جگہ پہ بنونجار کی بچیوں نے اشعار پڑھ کر آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلّم کا استقبال کیا تھا' اس جگہ پر ایک مسجد بنا دی گئی تھی' اس مسجد کا نام ''مسجد بنات بنونجار'' تھا۔ مدتوں وہ مسجد قائم رہی' مگر اب وہ مسجد کافی عرصہ سے منہدم ہو چکی ہے' اس کا محل وقوع مسجد جمعہ کے سامنے کی طرف تھا۔(۲۹)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ثنیۃ الوداع مدینہ منورہ میں محض ایک ہی نہیں تھا۔

تیسرا نقطۂ نظر:

اس رائے کے مطابق یہ خیر مقدمی اشعارِ تشکر طَلَعَ الْبَدرُ عَلَیْنَا۔۔۔۔۔ کے ایک جلوس وہجوم کی شکل میں گائے جانے کا محلِ وقوع مکّہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا موقع بھی تھا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلّمکی غزوہ تبوک کے وقت واپسی کے وقت بھی یہی اشعار ایسے ہی خیر مقدمی جلوس کی طرف سے دوبارہ گائے گئے تھے۔

د۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی کا منہاج اختیار کیا ہے۔ اُنھوں نے ہجرت کے وقت بھی ان اشعار کا ذکر کیا ہے اور غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی۔ وہ ہجرت کے موقع کے حوالے سے لکھتے ہیں :

''مخدّ راتِ قبائلِ انصار، بر سرِ کوچہ ہا و بر در سراہا و بر بامہا برآمدہ می خواندند

طلع البدرُ علینا من ثنیّات الوداعِ ۔۔۔۔۔'' (۳۰)

یعنی انصاری قبیلوں کی پردہ نشین خواتین گھروں سے باہر گلی کوچوں اور گھروں کی چھتوں پر پڑھ رہی تھیں، طلع البدرُ علینا۔۔۔۔۔ پھر جب الشیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے غزوۂ تبوک سے واپسی کا ذکر کیا تو وہاں بھی انھی اشعار کا موقع و محل بتایا اور لکھا:

''چوں نزدیک شد آنحضرت صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم بمدینہ طیّبہ وخواست کہ در آید بیرون آمدند اہلِ آں برائے پیشوائیِ وے وبیرون ا؟مدند زناں وخرداں و دختراں وگفتند طلع البدرُ علینا۔۔۔۔۔'' (۳۱)

محدث دہلوی چونکہ انہی اشعار کا موقع و محل آمد بر وقتِ ہجرت لکھ چکے تھے اور غزوہ؟ تبوک کے حوالے سے بھی یہی اشعار لکھ رہے تھے لہٰذا انھوں نے اس کی وضاحت بھی خود ہی تحریر کی:

''بعضے گفتہ اند کہ در وقتِ قدوم آنحضرت بود بمدینہ از ہجرت چنانکہ گذشت وصاحبِ مواہب لدنیہ گفتہ کہ ایں قول وہم است وخطا است زیرا کہ ثنیات الوداع درنا حیۂ شام است نمی بیند آں را قاوم از مکّہ بسوئے مدینہ۔۔۔۔۔'' (۳۲)

یعنی بعض کہتے ہیں کہ جس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم نے ہجرت کے وقت مدینہ منوّرہ میں قدم رنجہ فرمایا' (اُس وقت یہ شعر طلع البدرُ علینا) پڑھے گئے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا 'اور صاحبِ مداہب لدنیہ نے کہا کہ یہ قول وہم ہے اور غلطی ہے کیونکہ ثنیّات الوداع ناحیۂ شام (شام کی طرف) ہے اور اُسے مسافر نہیں دیکھتا ہے جب وہ مکّہ سے مدینہ کی طرف آتا ہے۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان اشعار کا موقع و محل ہجرت اور تبوک

دونوں جگہ بیان ہوا ہے اور مواہب الدنیہ کی تحریر کہ صرف تبوک سے واپسی پر ہی پڑھے گئے' دیگر قول وہم است وخطا است بھی نقل کر دیا لیکن عملاً خود دونوں مقامات پر ذکر کرنا' ثابت کرتا ہے کہ وہ دونوں مواقع (ہجرت+تبوک سے واپسی) پر ان اشعار کے پڑھے جانے کو درست قرار دیتے ہیں۔

اسی نکتے کی طرف تاجدارِ گولڑہ شریف' حضرت پیر سیّد مہر علی شاہؒ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اُنھوں نے مدارج النبوّت کے حاشیے میں تحریر فرمایا کہ ابنِ قیّم وغیرہ کا یہ خیال کہ ہجرت کے وقت مدینہ میں ان اشعار کا پڑھا جانا وہم ہے' درست نہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

> ''قولہ ایں وہم است' وایں قولِ وہم درمواہب از ابن قیّم وغیرہ است مگر صحیح نیست' رد کردہ است ایں راولی الدین العراقی' کذافی الزرقانی' زیرا کہ ثنی؟ صرف سوئے جہت شام از مدینہ طیبّہ نیست بلکہ ثنیات بدیگر اطراف نیز موجود اند کہ جمع لفظ ثنیّات بریں شاہد است' پس قول کہ وقتِ ہجرہ ایں اشعار گفتند نیز صحیح است وعرب ہر مقامِ وداع راثنیہّ گویند'' (۳۳)

یعنی یہ کہنا کہ یہ وہم ہے اور یہ قولِ وہم ابنِ قیّم وغیرہ کا ہے جو مواہب میں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اسے رد کر دیا گیا ہے' یہ ولی الدّین عراقی جیسا کہ زرقانی میں ہے کیونکہ ثنیۃ صرف مدینہ منوّرہ سے شام کی سمت ہی میں نہیں بلکہ دیگر اطراف میں بھی ثنیات موجود ہیں (شعر میں استعمال کیا گیا) لفظ ثنیات اس پر شاہد (گواہ) ہے۔ لہذا یہ قول کہ وقتِ ہجرت یہ اشعار پڑھے گئے' یہ قول بھی صحیح ہے اور عرب ہر مقامِ وداع کو ثنیۃ کہتے ہیں۔

حضور پیر صاحب تاجدارِ گولڑہ شریف کے علم وفضل سے کسے انکار ہوسکتا ہے؟ لہذا یہی ماننا پڑے گا کہ ان اشعار کا موقع ومحل ہجرت والی روایت کے مطابق بھی درست ہے اور غزوۂ تبوک سے واپسی والی روایت کے مطابق بھی درست ہے' لہذا یہی قرار پاتا ہے کہ خیر مقدمی اشعارِ تشکر۔۔۔ طَلَعَ

اَلْبَدْرُ عَلَیْنَا سب سے پہلے مدینہ منورہ کے باسیوں نے اُس وقت گائے جب سرورِکون و مکاں، حبیبِ رحماں صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے، اور یہی نعتیہ اشعارِ تشکر اُس وقت بھی اہلِ مدینہ نے جلوس کی شکل میں پڑھے جب آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔

اقولُ: اِس خاکسار کی رائے ہے کہ اگر اس امر پر غور کر لیا جائے کہ کیا ایک ہی طرح کا گیت دو مختلف (یا دو سے بھی زیادہ) مواقع پر پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو سارا مسئلہ ہی حل ہوسکتا ہے۔ یہ دینی و ملّی نعتیہ اشعار کس خوش نصیب شاعر کے ہیں، راقم کو معلوم نہیں، لیکن ان اشعار کی تازگی تو صدیوں بعد آج بھی قائم ہے۔ اس نعتیہ گیت میں اللہ جلّ شانہٗ کی حمد بھی ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی نعت بھی، اور اُن کا عشق بھی۔ اس میں ادبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم بھی ہے اور بے انتہا شعری خوبیاں بھی۔ اس میں روانی بھی ہے اور ترنّم بھی۔ یہ خیر مقدمی اشعارِ تشکر صدیوں سے اسی ذوق وشوق سے گائے جاتے رہے ہیں اور آج بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے ثنا خواں حضرات ان نعتیہ اشعار کو دنیا کے چپے چپے میں مسلسل سُنا کر عشاقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے قلوب واذہان کو منور کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ قیامت تک ثنا خوانانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم ان بابرکت اشعار کو یونہی پڑھتے رہیں گے۔ اس سیاق و اسباق میں اور مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں ان اشعار کے سُنائے جانے کا محلِ وقوع محدود نہیں رہتا، اگر یہ نعتیہ اشعار، یہ گیت اور یہ روحانی نغمہ ہجرت کے واقعہ کے بعد غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی پڑھا گیا ہے تو اس میں وہم یا تعجّب کی کیا بات ہے؟ مندرجہ بالا مباحث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے ظاہری زمانۂ حیات میں بھی ان اشعار کا موقع و محل وقتِ ہجرت بھی ہے اور تبوک سے واپسی بھی۔

عربوں کا حافظہ اظہر من الشّمس ہے۔ کچھ مخصوص علوم اُن کی قوتِ حافظہ ہی کے مرہونِ منت ہیں جیسے علم الانساب، علم الرجال، روایت و درایت کی بحثیں وغیرہ۔عرب اپنے تاریخی اشعار ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور ہر مناسب موقع پر انھیں پڑھتے ہیں۔اُن کے صدیوں سے جاری اس اُصول کے پیشِ نظر بھی یہ اشعار ہجرت کے وقت بھی پڑھے گئے اور غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت بھی کہ دونوں کا اصل موقع حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی بارگاہ میں ہدیۂ خوش آمدید پیش کرنا ہے۔یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف تاجدارِ گولڑہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے ''نیز صحیح است'' فرما کر رہنمائی فراہم کی ہے کہ ان نعتیہ اشعار کا اصل موقع و محل ہجرت بھی ہے اور غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت بھی ان کا گایا جانا صحیح ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جہاں تمام اشکال بھی دور ہو جاتے ہیں اور مختلف روایات میں کوئی بُعد و تضاد بھی نہیں رہتا۔

حوالہ جات وحواشی:

۱۔نور بخش توکلی علامہ، سیرتِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم، لاہور: اوصاف القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ع ___ ص۱۱۲

۲۔محمد اشرف، پروفیسر ڈاکٹر، سیرتِ خیر الانام صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم، لاہور: مکتبہ القریش ۱۹۹۹ع ___ ص۹۹

۳۔طاہر القادری، ڈاکٹر، سیرت الرسول (صلی اللہ علیہ والہ وسلّم) جلد پنجم، لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، بارِ اوّل، ۱۹۹۸ع ___ ص۶۰۳

۴۔عبد المصطفیٰ اعظمی، سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم، لاہور: رومی پبلی کیشنز: س ن ___ ص۱۴۲

۵۔محمد رفیق مولانا، منتخب عربی اشعار، لاہور: مکتبہ قرآنیات، ۲۰۱۴ع، ___ ص۶۱

۶۔رشید محمود راجا، نعتِ سرکار صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم ایک سرسری جائزہ، (مضمون مشمولہ) ماہ نامہ نور الحبیب، بصیر پور شریف، شمارہ مئی ۲۰۱۴ع ___ ص۸۳

۷۔محمد سلیمان منصور پوری، قاضی،مولانا،رحمۃ للعالمین،جلداوّل،لاہور:عبداللہ اکیڈمی۲۰۱۲ع ___ ص ۱۰۷

۸۔عبدالمالک ،ابومحمد ، ہجرتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم ،کراچی: مکتبہ العرب،سعید آباد ،طبع دوم۱۴۳۴ھ ___ ص۱۷۰

۹۔مصباح الدین شکیل شاہ،سیرتِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم ،جلد دوم،کراچی : پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی لمیٹڈ،سن ___ ص۴۰

۱۰۔عبدالمالک ، ابومحمد، ہجرتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم،کراچی : مکتبہ العرب،سعید آباد،طبع دوم۱۴۳۴ھ ___ ص ۱۷۱

۱۱۔ایضاً___ ص۱۷۲

۱۲۔مصباح الدین شکیل شاہ، سیرتِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم،جلد دوم، ___ ص۴۱

۱۳۔معین واعظ الکاشفی الہروی، مُلاّ، معارج النبوّت ،جلدسوم، لاہور: مکتبہ نبویّہ ۱۹۷۸ع ___ ص ۲۵

۱۴۔ایضاً ___ ص ۲۵

۱۵۔عبدالمصفیٰ اعظمی،علامہ،سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ الہٖ وسلم،الہ آباد:نیشنل آرٹ پرنٹرس ۱۹۷۸ع ___ ص۱۸۴

۱۶۔فیاض الحسن خورشیدی،علامہ،سیرتِ رسولِ عربی ،لاہور: اوصاف القرآن، ۲۰۱۱ع ___ ص۱۱۲

۱۷۔محمد سعید الحسن شاہ،سیّدؒ خاندانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم ،فیصل آباد: مکتبہ نوریہ رضویہ،۲۰۰۵ع ___ ص۲۵۳

۱۸۔معراج الدّین،الحاج،مولانا،محمدؐ سیّد الکونین،لاہور:مطبع علی پرنٹرز۱۹۹۴ع ___ ص۱۱۴

۱۹۔محمد سلیمان منصور پوری، قاضی،مولانا، رحمۃ للعالمین،جلد۱لاہور: عبداللہ اکیڈمی ۲۰۱۲ع ___ ص ۱۰۷

۲۰۔عبدالقدوس انصاری ،ہجرتِ نبوی صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلّم (مضمون،مشمولہ) نقوش رسول نمبر، جلد نمبر ۸ ___ ص۳۲۴

۲۱۔محمد حمید اللہ،ڈاکٹر،محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم (ترجمہ از نذیر احمد) مشمولہ نقوش،رسول نمبر جلد۲ ___ ص۳۲۴

۲۲۔محمدؐ طاہرالقادری، پروفیسر ڈاکٹر، سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم، جلد پنجم لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸

ع____ ص۶۰۲

۲۳۔نعیم صدیقی، سیدِ انسانیت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم، لاہور: الفیصل، ناشران وتاجرانِ کتب، بارنہم ۲۰۰۷

ع____ ص۸۲

۲۴۔صفی الرحمان، علامہ مبارکپوری، الرّحیق المختوم لاہور: المکتبۃ السّلفیہ، طبعِ جدید۱۹۹۵ع____ ص۵۸۸

۲۵۔احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی، علامہ، مواہب لدنیہ، (ترجمہ سیرۃ محمدیہ از مولوی محمد عبدالجبّار خاں آصفی، حیدرآباد

دکن (بھارت): مکتبہ العلمیہ س ن___ ص۲۰۲

۲۶۔ایضاً_____ ص۴۲۹

۲۷۔ایضاً_____ ص۲۹۴

۲۸۔محمد کرم شاہ الازہری، علامہ پیر، ضیاء النبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم، جلد چہارم، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۱۸ھ

_____ ص۶۲۸

۲۹۔عبدالمالک ابومحمد، ہجرت خیرالبش، کراچی: مکتبہ العرب' سعیدآبا۱۴۳۴ھ____ ص۱۷۰

۳۰۔عبدالحق محدّث دہلوی، الشیخؒ، مدارج النبوّت (از افادات حضرت پیر مہر علی شاہؒ، گولڑہ شریف) جلد دوم، چشتیاں (

ضلع بہاول پور): کتب خانہ مہریہ____ ص۴۸

۳۱۔ایضاً____ ص۲۵۸

۳۲۔ایضاً____ ص۲۵۸

۳۳۔ایضاً____ ص ۲۵۸

ڈاکٹر شبیر احمد قادری۔فیصل آباد

ڈاکٹر اصغر علی بلوچ۔فیصل آباد

مذاہبِ عالم کا فلسفۂ اخلاق اور اُردو نعت نگار

ABSTRACT:

The writers have presented results of their research regarding Philosophy of Ethics in different religions of the world. Every religion teaches man to adopt ethical values in his deeds and conducts. Islam has made the ethics an essential part of religion. Emphases has been put upon completeness of ethical teachings to show practical aspect of life of Muhammad (S.A.W) in order to define practicability of Islam. Some couplets have also been quoted from Urdu treasure of devotional poetry, at the end of the article.

فلسفۂ اخلاق لغوی و اصطلاحی مفہوم

اخلاق کا مادہ ''خ ل ق'' ہے۔ یہ عربی زبان کا اسم مذکر ہے اور خلق کی جمع ہے۔اس کا لغوی مطلب طبعی خصلت، طبیعت، مروت اور عادت ہے۔اسی طرح ''علم الاخلاق'' سے مراد حکمتِ عملیہ کی ایک قسم ہے جسے عربی زبان میں ''حکمتِ خُلقیہ'' بھی کہتے ہیں(۱)اسی طرح فارسی کی معروف لغت ''فرہنگِ عمید'' میں اخلاق کا مفہوم ''خوے ہا'' جمع خلق درج ہے(۲)

فرہنگِ آصفیہ کے مطابق اخلاق سے مراد عادتیں، خصلتیں، خوش خوئی، ملنساری، کشادہ پیشانی سے ملنا، خاطر مدارات، آؤ بھگت اور وہ علم ہے جس میں معاد و معاش، تہذیبِ نفس، سیاست اور مدن وغیرہ کی بحث ہو(۳)اخلاق کا انگریزی مترادف (Ethics) ہے۔دی آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں "Ethics" کا مفہوم کچھ یوں دیا گیا ہے:

"The science of moral; The department of study concerned with the principles of human duty."(3)

انسائیکلو پیڈیا امریکانا (Encyclopedia Americana) میں Ethics کی یوں وضاحت کی گئی ہے:

"Ethics is the branch of philosophy in which men attempt to evaluate and decide upon particular cause of moral action or general theories of conduct"(4)

بہرحال یہ بات طے شدہ ہے کہ اخلاقی احکامات کو مختلف پیشوں، مذاہب اور دستورِ حیات میں صواب، ناصواب، خیروشر اور فضیلت وغیر فضیلت جیسے تصورات میں تقسیم کرنے سے اس کا دائرۂ عمل پوری انسانی زندگی اور معاشرے تک بڑھا دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی کسی ایک تعریف اور توجیہہ پر متفق ہونا مشکل امر ہے۔انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں درج ہے:

"Ethics (From greak ethos,"Character,) is the systematic study of the nature of value concepts, "good", "bad", "ought", "right", "wrong" e.t.c, and of the general principles which justify us in applying them to anythings;also called "Moral Philosophy (From Latin mores, "Custom").(5)

مندرجہ بالا لغوی مطالب کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ "اخلاق" سے مراد ایسے اصول ہیں جو ہمیں خیروشر کو پہچاننے میں مدد دیتے ہیں اور اخلاقی رویوں اور عادات و خصائل کا مجموعہ ہی دراصل

فلسفۂ اخلاق کے دائرۂ بحث میں آتا ہے۔ فلسفۂ اخلاق انسانی اعمال اور رویوں کا تجزیہ کرتا ہے اور اس میں کیا ہونا چاہیے؟ کیسا ہونا چاہیے؟ اور کیوں ہونا چاہیے؟ جیسے سوالات کے جوابات تلاش کیے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی احکامات انفرادی اور اجتماعی رویوں کو ایک طرف تو معاشرتی اداروں کے تابع رکھتے ہیں اور دوسری طرف مذہبی اور وجدانی تصورات کی روشنی میں انسانی کردار و عمل کو ایسی سمت عطا کرتے ہیں جو ''ابدی مسرت'' کی منزل پر منتج ہوتی ہے۔ گویا فلسفۂ اخلاق حقائق کے بجائے ان کی قدر و قیمت اور ان کے متفقہ معیارات سے بحث کرتا ہے اور خواہشاتِ نفسانی کو ایک ترتیب اور توازن عطا کرتا ہے۔ بقول پروفیسر بختیار حسین صدیقی:

> ''جب خواہشات عقل کی اطاعت کی عادی ہو جاتی ہیں تو اس سے وہ ناقابلِ تسخیر قوت پیدا ہوتی ہے جسے ہم اخلاقی قوت کہتے ہیں۔ یہ قوت جتنی قوی ہوگی، اتنی ہی پختہ انسان کی سیرت اور اتنی ہی محکم اس کی شخصیت ہوگی۔ یہی وہ قوت ہے جو انسان کی مختلف اور متصادم خواہشات کو ایک اصول واحد کے تحت منظّم کر کے اسے پُرسکون، پُروقار اور باعزت زندگی کی مسرتوں سے ہمکنار کرتی ہے۔''(٦)

انسانی فرائض کے اصولوں کا علم فلسفۂ اخلاق کا ایک اہم موضوع ہے۔ اوامر و نواہی کی صورت میں ہر نظامِ اخلاق میں اس امر پر مباحث ملتے ہیں۔ اس ضمن میں مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے فلاسفہ کے ہاں حقوق و فرائض کی نوعیت کا تعین کیا گیا ہے۔ قدیم یونانی فلاسفہ سے لے کر ہر دور کے قابل ذکر فلسفی کے ہاں اخلاق (Ethics) پر باقاعدہ فکری و نظری مباحث موجود ہیں جن سے فلسفۂ اخلاق کے موضوع کو رنگا رنگی اور تنوع عطا ہوا ہے۔ جو اسے مختلف نظریات کے طویل سلسلۂ بحث سے منسلک کر دیتا ہے۔

دنیا میں مختلف مذاہب اور تہذیبوں میں فلسفۂ اخلاق کی مختلف تعبیریں کی گئی ہیں لیکن ایک امر خصوصی طور پر توجہ طلب ہے کہ بنیادی انسانی رویوں، میلانات، رجحانات اور کردار و اطوار میں مسلمہ آفاقی سچائیوں کو تقریباً ہر مذہب میں یکساں اہمیت حاصل ہے۔ ابتدائی انسان کسی مافوق الفطرت قوت کے شعور سے زیادہ کائنات کو ایک وحدت تصور کرتا تھا یہاں تک کہ دیوی، دیوتاؤں کو بھی مظاہر قدرت کی شخصی تشکیل ہی سمجھتا تھا۔ وادیٔ دجلہ و فرات، وادیٔ سندھ، مصر، اناطولیہ، یونان، شام و فلسطین اور ایران کی پرانی قومیں بھی تخلیق کی قائل تھیں لیکن یہ تخلیق کو ایک مسلسل عمل سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کے ہاں خیر و شر کے تصورات بھی پائے جاتے تھے۔

غیر سامی یا آریائی مذاہب اور فلسفۂ اخلاق

ہندومت، جین مت، زرتشت اور سکھ مت غیر سامی مذاہب ہیں کیونکہ یہ الہامی نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق کسی خاص سرزمین، شخصیت، معروضی حالات اور نسل سے رہا ہے۔ سب سے پہلے ہندومت میں فلسفۂ اخلاق کا جائزہ لیا جاتا ہے اور مذہب اور فلسفے میں جو انسلاک ہے اس کا کھوج لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ہندومت کا فلسفۂ اخلاق

تناسخ، کرم، وحدۃ الوجود اور طبقاتی تقسیم یہ چار ستون ہیں جس پر ہندو دھرم کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ہندو مت معروف معنوں میں مذہب سے زیادہ ایک مخصوص علم الانسان سے تعلق رکھتا ہے۔ ہندومت ویدوں پر مبنی ہے اور یہ قدیم آریہ قوم سے چلے آ رہے ہیں جن میں وقتاً فوقتاً تحریف ہوتی رہی ہے۔ لفظ وید کا مصدر ''ود'' ہے جس کے معنی جاننا، سوچنا، غور کرنا اور حاصل کرنا ہیں۔ لفظ وید معروف کتب کے لیے استعمال نہیں ہوا بلکہ یہ وہ لٹریچر ہے جو دو ہزار سال کے عرصہ میں ہندوؤں نے مختلف علوم و رسوم سے متعلق جمع کیا ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں۔ رگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھر وید۔ ویدوں کے بعد سب سے اہم تحریریں اپنشد ہیں۔ ہندومت میں دو ذرائع مذہبی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

اپنشدوں کا ایک اہم مقصد مایا سے نجات ہے۔ ایشور نہ صرف مطلق قوت اور دانش ہے بلکہ کامل روحانی مسرت اور ہر نیکی کا جوہر بھی ہے۔ مانو (Law Of Manu) کے تحت دس سب سے بڑی فضیلتیں مندرجہ ذیل ہیں: قناعت، راست گفتاری، زہد، ضبطِ نفس، دوسروں کی ملکیت کا احترام کرنا، دانش مندی، روحِ اعلیٰ کا علم، غصے سے بچنا، دوسروں کو معاف کرنا اور برائی کے بدلے اچھائی کرنا۔(۷) ان فضیلتوں پر غور کریں تو ہندومت کے فلسفۂ اخلاق اور اسلامی اخلاقی روایات کے بعض پہلو ایک سے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنیادی طور پر ہندومت میں مذہب کا مقصود ابتدائی زمانہ میں فرد کی اپنی بھلائی اور بعد کے دور میں فرد کی اپنی نجات رہا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندومت میں سماجی زندگی کا ایک ایسا باقاعدہ نظام وجود میں آ گیا جس کو مذہب کی پوری حمایت حاصل تھی۔ یہ امر مبنی بر حقیقت ہے کہ ویدوں میں مخرب اخلاق مناظر بھی قلم بند کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ہندومت میں ذات پات اور طبقاتی تقسیم کا غیر اخلاقی اور غیر فطری تصور بھی موجود ہے۔ رگ وید میں ''ریت'' کا تصور زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ہمہ گیر اخلاقی نظام ویدوں میں ریت ہے۔ ہندومت کے فلسفۂ اخلاق پر بحث کرتے ہوئے Encyclopedia Of Ethics and Religion میں یوں اظہار خیال کیا گیا ہے:

> "Hindu Ethics is deeply tinged with the belief in transmigration or rebirth according to the doctrine of Karma (action), under which every act, whether good or bad, finds it reward, not only in heavn or hell, but in innumerable other ladies, from a god to an insect, or plant, or even a stone."(8)

تناسخ ارواح (آواگون) اور کرم جیسے تصورات ہندوؤں میں بنیادی خصوصیت رکھتے ہیں انہی سے سزا اور جزا کا اور سورگ اور نرگ کا فلسفہ جنم لیتا ہے۔ جدید ہندومت کی تحریکیں، اپنے اندر بہت سے

تضادات رکھتی ہیں۔ ان میں برہمو سماج، بھگتی اور گیتا کی تحریکیں اور آریہ سماج قابل ذکر ہیں۔ آریہ سماج کی تحریک کے بانی سوامی دیانند سرسوتی (۱۸۲۴ء تا ۱۸۸۳ء) نے ایک انقلابی قدم اٹھایا اور مورتی پوجا سے انکار کر دیا۔ سوامی جی نے ہندوؤں کے کل شاستروں کو مسترد کر دیا اور چار ویدوں کی مروجہ شرحوں پر شدید نکتہ چینی کی۔ انہوں نے ذات پات کے نظام پر کاری ضرب لگائی اور علم کے دروازے سب پر کھول دیے۔ اس کے نظام اخلاق کے نمایاں خدوخال کچھ اس طرح ہیں:

''۱۔ خدا ہر چیز کا مالک ہے، ۲۔ صحیح علم کا منبع اللہ کی ذات ہے، ۳۔ خدا رحمٰن و رحیم، سچا عادل، ازلی، ابدی، حاضر اور غیر فانی ہے اس لیے اسی کی عبادت جائز ہے، ۴۔ علم کی صحیح کتابیں وید ہیں۔ آریا سماج کا فرض ہے کہ وہ ویدوں کو پڑھے اور ان کی تعلیم دے، ۵۔ جھوٹ کی مذمت کرنی چاہیے اور سچ کہنے پر آمادہ کرنا چاہیے، ٦۔ ہر کام میں خیر یعنی اچھائی اور شر یعنی برائی کو ملحوظ رکھا جائے، ۷۔ لوگوں کے ساتھ ہر حال میں بھلائی کرنا آریا سماج کا بنیادی مقصد ہے، ۸۔ انسان کی روحانی، اخلاقی اور معاشرتی حالت بہتر بنانے کی اشد ضرورت ہے، ۹۔ ہر فرد کی خوبیوں کی قدر کرنی چاہیے، ۱۰۔ ہر ایک کے ساتھ عدل کرنا چاہیے، ۱۱۔ ہر ایک سے محبت کا سلوک روا رکھنا چاہیے، ۱۲۔ علم کو پھیلا کر جہالت کو فتح کرنا چاہیے، ۱۳۔ اپنی خوشحالی میں دوسروں کو شریک کرنا چاہیے، ۱۴۔ ذاتی نیکی پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے بلکہ معاشرتی بہبود میں حصہ لینا چاہیے۔'' (۹)

آریا سماج کے اخلاقی اصول ایک صالح اور نیک زندگی کا نمونہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سوامی دیانند کی سرگرمیوں، خیالات اور کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب خصوصاً اسلام کے شدید مخالف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ آریا سماج ایک خدا کے پرستار ہونے کے مدعی ہیں لیکن دراصل ان کی توحید ناقص ہے کیونکہ آریا سماجی روح اور مادہ کو قدیم مانتے ہیں جیسا کہ سیتارتھ پرکاش اور رگ وید آدی بھاسیہ بھومکا میں لکھا ہے: ''پرمیشور نے اپنے گیان سے جیو اور پراکرتی پر قابو پا کر دنیا قائم

کی ہے۔''(۱۰) اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ ہندومت اپنے غائر تضادات کے ساتھ اپنے اندر سنہرے اخلاقی اصول بھی رکھتا ہے جو رامائن، مہا بھارت اور بھاگوت گیتا نیز اپنشدوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔

جین مت اور فلسفۂ اخلاق

برہمن مت کے فلسفہ وفکر کے خلاف باغیانہ افکار بدھ مت اور جین مت کے ظہور کا باعث ہوئے۔ جین مت کی بدھ مت کے افکار سے زبردست مماثلت پائی جاتی ہے۔اگرچہ اس مذہب کا بانی مہاویر کو گردانا جاتا ہے لیکن اس مذہب کے پیروکار خود دعویٰ کرتے ہیں کہ مہاویر سے پہلے تقریباً 23 تری تھنکرز (Trithinkers) بعض مختلف ادوار میں مصلح قوم گزر چکے تھے جنھوں نے دنیا سے نجات اور سچائی کے پرچار کے لیے اپنی خدمات سرانجام دیں۔مہاویر کو جین مت والے کسی نئے مذہب یا فکر و فلسفہ کا بانی تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اس نے کسی فکر و فلسفے کو جنم نہیں دیا بلکہ قدیم چینی فکر کی تشکیل و تکمیل کی اور اسے پذیرائی سے ہمکنار کیا اور اسی وجہ سے اہم ترین رہنما گردانا گیا۔(۱۱)

جین مت کے عقیدے کے مطابق جین مذہب ایک ابدی مذہب ہے جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے چونکہ ہندوستانی روایت میں دنیا کی کوئی ابتدا یا انتہا نہیں ہے اسی لیے اس اعتبار سے جین مذہب بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔جین مت کے بنیادی عقاید سات کلیوں کی شکل میں ہیں جن کو جین مت کی اصطلاح میں سات تتو یا سات حقائق کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ کائنات، زندگی کے بنیادی مسئلے اور اس کے حل کے بارے میں سات نظریات ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

''۱۔روح (جیو) ایک حقیقت ہے،۲۔غیر روح (اجیو) بھی ایک حقیقت ہے جس کی ایک قسم مادہ ہے۔۳۔روح میں مادہ کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔(آسر و)،۴۔روح میں مادہ کی ملاوٹ کے نتیجے میں روح مادہ کی قیدی بن جاتی ہے۔ (وندھ)،۵۔روح میں مادہ کی ملاوٹ کو روکا جا سکتا ہے

(سَمُورَا)،۶۔ روح میں پہلے سے موجود مادہ کو زائل کی جا سکتا ہے (سرجَرا)،۷۔روح کی مادہ سے مکمل علیحدگی کے بعد موکش حاصل ہوسکتا ہے۔''(۱۲)

جین مت میں نجات پانے کا طریقہ ''نروان'' کہلاتا ہے۔مہاویر نے نروان حاصل کرنے کے جو دو طریقے بتائے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

نروان حاصل کرنے کا سلبی طریقہ یہ کہ انسان اپنے دل سے ہر قسم کی خواہشات اور آرزوؤں کو نکال دے کیونکہ خواہشات اور تمنائیں ہی رنج وغم اور مصائب کا باعث ہوتی ہیں۔ایجابی طریقہ یہ ہے کہ انسان کے عقائد، علم اور عمل صحیح اور درست ہوں۔جین مت میں انہیں تری رتن (تین زیور) کہا جاتا ہے۔جین مت میں نہ خدا ہے، نہ پیغمبر، نہ جنت، نہ جہنم۔ ہر کوئی اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ زندگی اعمال کا نتیجہ ہے۔ بدترین گناہ دوسروں کو تکلیف پہنچانا یا قتل کرنا ہے یعنی (Hinsa) ہنسا ہے اور بہترین فضیلت اہنسا (Ahinsa) ہے۔جین مت کی اخلاقیات پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کہتے ہیں:

''اس مذہب کے چند تخصصات ہیں جو اخلاقی اہمیت رکھتے ہیں ۔ مثلاً کسی جاندار کو نہ ستانا، جھوٹ سے پرہیز کرنا، چوری سے اجتناب کرنا، عمل اور فکر میں پاکیزگی اختیار کرنا اور لذات مادی کو چھوڑ دینا۔''(۱۳)

جین مت کا تمام فلسفہ تہذیبِ نفس، ترکِ خواہشات اور رہبانیت پر مبنی ہے۔ان چیزوں کے لیے کسی معبد کی ضرورت نہیں ہے۔جین مت میں بھی آواگون اور مکتی کا ہندووانہ تصور موجود ہے۔جہاں تک جین اخلاقیات کا تعلق ہے اس میں بھی بدھ ازم کی طرح قنوطیت پائی جاتی ہے اور مخلوقات عالم سے محبت اور انسان دوستی کا احساس موجود ہے۔جین اخلاقیات پر بحث کرتے ہوئے Encyclopedia Of Ethics and Religion میں درج ہے:

"In his four other oaths the Jaina Monk pionires like The

Brahman and Buddhist and almost in the same words, not to speak untruth, to appropriate mothing to himself without permission, to preserve chasity and to pratctise self sacrifice."(14)

مہاویر سوامی کا قول امولیہ رنجن مہا پتر نے یوں نقل کیا ہے:

''صداقت، عدم تشدد اور نفس کشی مذہب کی بنیاد ہیں۔''(۱۵)

راست علم، راست عقیدہ اور راست طرزِ عمل جین مذہب میں تین رتن ہیں جن پر چلنا کاملیت کے لیے ناگزیر ہے۔نجات کی حالت کاملیت کی حالت ہے اور نجات یافتہ روح کی حالت میں ہی عمل اور خواہش سے آزادی حاصل ہوتی ہے۔

سکھ مت

سکھ مت دنیا کے نئے مذاہب میں سے ایک ہے۔ دراصل سکھ مت بنیادی طور پر تمام مذاہب کو ابدی سچائی مانتا ہے اور اختلافات کو ظاہری نوعیت دیتا ہے۔ اس لیے بابا گورونانک نے اسلام اور ہندو مت کی چیدہ چیدہ باتوں کو ملا کر ان کے درمیان نقطۂ اتصال پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بابا نانک کے ہاں خدا کا اہم ترین نام ''ست'' یعنی مطلق سچائی ہے۔سکھ مت میں خدا کا تصور خالص اسلامی تصور ہے۔سکھوں کے مول منتر میں بھی خدا کی انھی صفات کو بیان کیا گیا ہے جو اسلامی تصورِ توحید سے ہم آہنگ ہیں۔بابا نانک کے نزدیک بنیادی حقیقت صرف ایک ہے وہ کہتے ہیں:

''اونکار (یہاں صرف ایک خدا ہے)،ست نام (حتمی سچ اسی کا نام ہے)، کرتا پرکھ (وہ تمام اشیاء کا خالق ہے)،نربھو (وہ بے خوف ہے)،نرویر (اس کی کسی سے دشمنی نہیں)،اکال مورت (وہ ازلی اور ابدی ہے)، اجونی سہ بھن (وہ بے شکل وصورت اور قائم بالذات ہے)، گرپرساد (گورگرنتھ

صاحب) خود اپنی توفیق رضا سے حاصل ہوتا ہے۔‘‘(۱۶)

بابا گورونانک نے توحید پر زور دیتے ہوئے عشقِ الٰہی پر خاصا زور دیا ہے اور ست نام کے ذریعے تقدیرِ الٰہی پر راضی رہنے کا درس دیا ہے۔ بابا گورونانک کے کلام سے ان کے اسلامی تصورِ توحید کا کھل کر اظہار ہوتا ہے وہ مسلم صوفیا کی طرح اسلامی تصوف کو اپنانے اور نفیِ ذات، موافقت اور معرفت کے راستے کو اختیار کرنے میں نجات سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں:

پنج وکھت نواج گجارہِ پڑھ کتیب قرانا

نانک آکھے گور سدے ہی رہیو پینا کھانا

(اے نانک قبر تمہیں بلا رہی ہے، تم کھانے پینے میں ہی مست نہ ہو

جانا۔ پانچ وقت نماز گزارا اور قرآن جیسی کتاب پڑھتا رہ)(۱۷)

بابا نانک نے خدا کے مختلف نام استعمال کیے مثلاً: ہری، گوبند، موہن، الکھ، اکم، کرنہار اور اللہ، خدا، رحیم، کریم، رب وغیرہ۔ بابا نانک کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ خدا ایک ہے اور تمام انسان ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ وہ عدم تشدد کا حامی ہے۔ سکھ مت کی اخلاقی تعلیمات کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں:

’’ا۔ کردار اور فضائل کی نشو ونما، خدا کا حصول اور اچھے اعمال کرنا سکھ کا بنیادی مقصد ہے، ۲۔ انا یا خودی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ انا خدا اور انسان کے درمیان پردہ ہے، ۳۔ اچھے اور نیک اعمال کرو، نیک اعمال کے ذریعے ہم خدا کے بہت قریب اور برے اعمال کے ذریعے ہم بہت دور ہوتے ہیں، ۴۔ سکھ مت خدا کی ہدایت اور انسان کے بھائی چارے کی تبلیغ کرتا ہے۔ یہ انسانوں پر زور دیتا ہے کہ خوش اعتقادی کے ساتھ الوہی فرض جان کر کام کریں، ۵۔ عبادت اور خود سپردگی کے ذریعے ہی خدا کی رحمت حاصل ہوتی ہے، ۶۔ خدا میں جذب ہو جانا انسان کی حتمی کامیابی ہے جسے نروان کہتے

ہیں، ۷۔ ہر فرد کو روحانی زندگی گزارنی چاہیے، ۸۔ ہر فرد کا مطمحِ نظر اخلاقی اور روحانی زندگی گزارنے کے لیے کاملیت حاصل کرنا ہے۔ سکھ مت ہمیں اچھے اور نیک اعمال کی تعلیم دیتا ہے۔''

ابدی مسرت حاصل کرنے کے لیے سکھ مت میں ''جپ جی'' میں پانچ مرحلے بتائے گئے ہیں وہ مراحل یہ ہیں:

۱۔ دھرم کھنڈ، ۲۔ گیان کھنڈ، ۳۔ شرن کھنڈ، ۴۔ کرم کھنڈ، ۵۔ سچ کھنڈ۔

اسی طرح سکھ مت میں پانچ کاف کی مذہبی حیثیت مسلمہ ہے۔ ''پاہل'' (بپتسمہ لینے کے بعد سکھ کے لیے پانچ کاف اپنانا ضروری ہے) جو یہ ہیں: کیس، کچھا، کڑا، کرپان اور کنگھا (غیر تراشیدہ بال، جانگیہ، لوہے کا کڑا، خم کھایا ہوا خنجر اور کنگھی) بابا گرونانک کے مذہب اور سکھ مت کی اخلاقیات پر روشنی ڈالتے ہوئے امولیہ رنجن مہاپتر رقمطراز ہے:

> ''قناعت، خدا کی ہدایت، انسانی بھائی چارے، تزکیۂ نفس، زندہ چیزوں پر رحم کرنا، جسم اور ذہن کی پاکیزگی، روحانیت کی تلاش، مرد اور عورت کی برابری، دوسروں کی خدمت، کھانے پینے اور پہننے کے انداز میں آزاد خیالی کا پیغام اسے ایک ہمہ گیر مذہب بناتا ہے۔ یہ بھگتی اور خدا کی مرضی کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے کا مذہب ہے۔''(۱۸)

یہ حقیقت ہے کہ نانک کی شاعری اور اس کا پیغام اپنے اندر عالم گیر صداقتیں سمیٹے ہوئے ہے اور گرنتھ صاحب کے اشلوکوں میں بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے لے کر رامانند، کبیر، میرابائی، بابا نانک اور پہلے چار گروؤں کے اشعار اور اقوال کا دانشمندانہ ذخیرہ موجود ہے۔ بابا گورونانک کی تعلیمات پر اظہار خیال کرتے ہوئے عماد الحسن فاروقی کا کہنا ہے:

> ''نام سمرن کے علاوہ جو چیزیں گورو نانک صاحب کے نزدیک عشق الٰہی

کے حصول میں معاون ہوتی ہیں ان میں سادھو سنگت (نیک محبت)، سیوا(خدمتِ خلق)، ایمانداری کی روزی کمانا اور دوسروں کو اس میں شریک کرنا نیز انکسار اور مخلوق سے محبت اور ہمدردی جیسی صفات شامل ہیں۔''(۱۹)

سکھ مت میں جس طرح انسان دوستی، امن، محبت، بھائی چارے اور صلح کل کا پیغام دیا گیا ہے وہ اسے ہر دلعزیزی اور مقبولیت دلاتا ہے اور ایک انسانیت نواز اور انسان دوست مذہب کے طور پر سامنے لاتا ہے۔

بدھ مت

بدھ مت کو آریائی اور منگولی دونوں اپنے گروہ میں خیال کرتے ہیں۔ خیال غالب ہے کہ بدھ مت منگولی گروہ میں شامل ہے چونکہ ہندوستان کے دیگر مذاہب کی اخلاقیات بیان ہو چکی ہیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مت کو بھی اسی آریائی گروہ میں زیر بحث لایا جائے تا کہ ترتیب بھی برقرار رہے اور ہندو مت، جین مت اور سکھ مت سے زمینی اور زمانی مناسبت بھی بحال رہے۔

بدھ مت کا بانی ''سدھارتھ'' ایک شہزادہ تھا اور روحانی کشمکش سے دوچار ہو کر اس نے راج پاٹ سے قطع تعلق کر لیا اور فقیری اختیار کر لی تا کہ اس کے روحانی اضطراب کا مداوا ہو سکے۔ مہاتما بدھ نے اس سلسلے میں نہایت کٹھن ریاض کر کے تلاشِ حق کی کوشش کی۔ بدھ مت میں خدا کا تصور نہیں ہے اس اعتبار سے یہ ایک فلسفیانہ مذہب ہے۔ اس میں انسان کو خود اپنی اصلاح کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ بار بار جنم لینے (آواگون) کا عقیدہ ہندو مت کی طرح بدھ مت میں بھی ہے۔ اور ان جنموں کے اس چکر سے شکتی پانے کا واحد ذریعہ کرم (اچھے کام) ہیں۔ بدھ مت سے پہلے چارواک کا سوفسطائی فرقہ موجود تھا، جو نہ تو نیک و بد کے قائل تھا اور نہ جنت، دوزخ اور خیر و اخلاق وغیرہ کو مانتا

تھا۔اس کے نزدیک یہ کائنات خود بخود پیدا ہوئی اور اس کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ بدھ مت نے اس ذہنی اور روحانی پس منظر میں اپنے اخلاقی فلسفے کو پیش کیا اور چارواک کے فلسفۂ افادیت پر، جس نے اخلاقی اقدار کو تباہ کر دیا تھا، کاری ضرب لگائی۔ بدھ مت میں اعتقادات و مساوات کا کوئی مقام نہیں ملتا اور نہ نجات و مغفرت کا خدائی تصور پایا جاتا ہے۔ بدھ مت کے اپنے نظریات کی موجودگی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بدھ کا مذہب اخلاقیات اور خود انحصاری پر منحصر ہے۔ اس نے ہمیشہ ان ما بعد الطبیعاتی معاملات سے گریز کرنے کی کوششیں کی جن کے لیے طویل بحث درکار ہے۔

بہرحال بدھ مت کا اخلاقی پہلو زیادہ قابلِ توجہ ہے کیونکہ اس مذہب کی بنیاد ہی دراصل اخلاقی نظام پر استوار ہوئی ہے۔ بدھ اخلاقیات میں چار باتیں نہایت اہم ہیں:

۱۔ دکھ ۲۔ دکھ کی جڑ

۳۔ دکھ کا خاتمہ ۴۔ دکھ کے خاتمے تک پہنچانے والا راستہ

یوں دیکھا جائے تو گوتم بدھ نے منطقی مذہب، عملی اخلاقیات اور زندگی کے سادہ اصولوں پر زیادہ زور دیا ہے اور اس کا نقطۂ نظر قنوطی ہے اور اس میں ہمیں ''نروان'' کا صرف ایک ہی راستہ نظر آتا ہے جو ترکِ دنیا، ترکِ خواہشات اور نفس کشی میں مضمر ہے۔ بدھ نے کہا کہ پیدائش دکھ ہے، بڑھاپا دُکھ ہے اور موت بھی دکھ ہے۔ ان سے مکتی پانا ہی دراصل نروان ہے:

> ''بدھ مت کے ہشتگانہ اخلاقی اصول ہیں۔ عقیدہ پاک، ارادہ پاک، سخن پاک، رفتار پاک، روزی پاک، جدوجہد پاک، تفکر پاک، تصور پاک۔ بدھ مت کے ان آٹھ اصولوں کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل آٹھ امور پر کار بند رہنا ضروری ہے۔ جانوروں کو نہ ستانا، چوری نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، غیبت نہ کرنا، خود غرضی سے بچنا، زنا نہ کرنا، کینہ سے بچنا، اپنے دل کو جہل و

نادانی سے پاک کر کے زیورِ عرفان سے آراستہ کرنا۔''(۲۰)

بدھ مت کے اخلاقی اقوال یہ ہیں:

۱۔انسان اپنی فکر کا نتیجہ ہے وہ جو کچھ ہے اس کے آدرش، اس کی پسند ناپسند، اس کی اپنی ذات یہ سب کچھ اس کی فکر کا نتیجہ ہے،۲۔دوست بہت بڑی دولت ہے، بھائی کی طرح اسے عزیز رکھو۔ اچھے لوگوں کو اپنا سب سے قریبی دوست اور بھائی بنالو،۳۔سچی خوشی انہی لوگوں کو ملتی ہے جو ساتھی انسانوں کے درمیان امن و خوشی کے ساتھ رہتے ہیں ،۴۔عقل اور ضبطِ نفس ہی سچی دولت ہیں،۵۔جفاکش قابلِ تعریف ہے،۶۔حالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں ہمیشہ صدقِ دل سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے،۷۔برے کاموں کی سزا ہر حال میں ملے گی اور اچھے کاموں کی جزا بھی،۸۔نفرت انسان کو نقصان پہنچاتی ہے۔

زرتشت اور فلسفۂ اخلاق

قدیم ایرانی مذہب زرتشت آریائی مذاہب میں اہم مقام رکھتا ہے۔ یہ توحید پرستی، پاکیزگی اور انسانی بھلائی کا مذہب ہے جس میں ایک طرف ''اَھورا مزدا'' کا تصورِ توحید پایا جاتا ہے اور دوسری طرف جسمانی، روحانی، ذہنی اور فطری پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے۔ زرتشت کے عہد کے بارے میں تہران یونیورسٹی سے ڈاکٹر محمد معین کی تحقیق زیادہ قابلِ یقین اور استناد کا درجہ رکھتی ہے جس کے مطابق یہ 1100ق۔م ایران کے اس حصہ میں پیدا ہوا جو آج کل افغانستان میں شامل ہے۔(۲۱)

مؤرخین کا خیال ہے کہ قدیم آریہ لوگ اپنے آبائی وطن میں توحید پرست تھے اور اس قدیم مذہب کا نام زرتشت سے بہت پہلے ''مزدلینا'' تھا۔ بعد میں اس مذہب میں اتنی تحریف ہوئی کہ ایک خدا کی جگہ بے شمار دیوتوں کی پوجا شروع ہوگئی اور مشرکانہ خیالات کی آمیزش نے اس کی اصلی حالت مسخ کر دی۔ زرتشت نے خدائے واحد کی عبادت پر زور دیا اور ان مشرکانہ اور باطلانہ رسوم کے خلاف کام کیا۔

زرتشت اپنے روحانی سفر کے دوران میں کئی کٹھن مراحل کے لیے گوتم بدھ کی طرح کئی برسوں تک ارض وسما کی بظاہر بے زبان فضا سے باتیں کرتا رہا اور غور وفکر کرتا رہا کہ اسے حقیقتِ مطلق کا ادراک ہو سکے۔ زرتشت کے نظام اخلاق کی بنیاد تین نکات پر ہے:

''هوخت، هورشت، هومت یعنی گفتار نیک، کردار نیک، پندار نیک'' (۲۲)

زرتشت کی الہامی کتاب کا نام اوستا ہے جس کے پانچ حصے ہیں۔ لیسنا، ویسپرد، وندیداد، یشت، خوردہ اوستا۔۔۔ اوستا کی تفسیر کا نام ژند ہے اور ژند کی تفسیر کا نام پاژند ہے۔ اوستا کے قدیم ترین اور متبرک ترین حصہ کا نام گاتھا ہے یہ حصہ زرتشت کی اپنی تصنیف سمجھا جاتا ہے۔ زرتشت نے بہت سے شیاطین، مشکلات اور حریص خواہشات و گناہ کے خلاف لڑ کر نوع انسانی کی مادی اور روحانی ترقی اور فلاح و بہبود کی بنیاد ڈالی۔ اس کے ہاں نیکی اور خیر کا تصور انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ خیر وشر کے درمیان کشمکش ہی اخلاقی زندگی کی ضروریات کو اجاگر کرتی ہے اور زرتشت نے اسی کو کافی نہیں سمجھا کہ خود انفرادی نیکی حاصل کرے بلکہ اس نے معاشرتی نیکی اور فلاح و بہبود کو بھی یکساں اہمیت دی ہے۔ زرتشت نے آگ کی پاکیزگی کی وجہ سے اسے اپنی عبادت گاہوں میں بطور قبلہ استعمال کرنے کا حکم دیا تھا کیونکہ آگ نورِ خدا کی تجلی کا بہترین مظہر ہے۔ آگ پاکیزگی اور نیکی کا راستہ ہموار کرتی ہے اور تاریکی اور بدبوؤں کو زائل کر کے طہارت عطا کرتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں آتش پرستی زرتشتی مذہب میں مرکز عبادت قرار پائی اور اس کی غلط تعبیر کی گئی حالانکہ زرتشت نے دیگر الہامی و غیر الہامی مذاہب کی طرح آگ کو نور کی علامت قرار دیا ہے اور عبادت کے لائق صرف خدائے بزرگ و برتر کو سمجھا ہے۔ زرتشت نے نیک انسان کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اس کی پاکیزگی پر بہت زور دیا ہے۔ زرتشت یقین، بھگتی اور اخلاقیات کا مذہب ہے۔ اہوارامزدا اور اس کا پیغام بر زرتشت، اس مذہب کے دو بنیادی ذرائع ہیں۔ غرباء کی خدمت، خیرات، ایمانداری، صداقت، نیک

اعمال، نیک خیال، رحمدلی اور تقویٰ اس مذہب کی اخلاقیات کا نمایاں حصہ ہیں۔اسی طرح منافقت، کینہ پروری، طمع، لالچ، لاپرواہی اور بے اعتقادی جیسی سلبی اقدار کی بھرپور مذمت کی گئی ہے۔

تاؤمت اور فلسفۂ اخلاق

چین میں بنیادی طور پر دو مذہب پیدا ہوئے ،تاؤ مت اور کنفیوشس ازم۔ان دونوں کی ہیئت مذہب سے زیادہ اخلاقی نظام کی ہے۔چین کے رہنے والے بدھ مت، تاؤ مت اور کنفیوشس ازم کو یکساں مذہبی اہمیت دیتے ہیں۔تاؤ مت کا بانی لاؤزے 604ق۔م میں پیدا ہوا۔ لاؤزے (Lao-Tse) کا مطلب ہے بوڑھا فلسفی یا بوڑھا لڑکا۔یعنی وہ شخص جو بڑا ہو جانے پر بھی بچوں جیسا ہو۔تاؤمت کا نام اس مذہب کی مقدس کتاب ''تاؤتی چنگ'' (Tao- Te -CHING) سے ماخوذ ہے جس کے معنی راستہ اور اس کی قوت یا فطرت کا راستہ ہوسکتا ہے۔تاؤ کو اصلاحی راہ، خدا، آفاقی عقلِ کل، بےعلّت وجود،علّت العلل، امن کا راستہ، بولنا اور گفتگو کرنا اور اصول وقانون کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

تاؤمت کے نظامِ اخلاق میں بہت سادگی پائی جاتی ہے۔اس میں بھی دیگر مذاہب کی طرح نیکی اور بدی، خیر اور شر، اوامر ونواہی کا سلسلہ موجود ہے جو انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ذہنی اور روحانی آسودگی کا باعث بنتا ہے۔تاؤ کے فلسفۂ اخلاق پر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی نے محمد جواد مشکور کی کتاب خلاصۂ ادیان کے حوالے سے یوں بحث کی ہے:

> ''اس مذہب کا اخلاقی نظام بالکل سادہ ہے۔اس مذہب میں بھی دوسرے مذاہب کی طرح قتل، شراب نوشی، چوری ، زنا کاری، جھوٹ بولنے کو حرام سمجھا جاتا ہے۔ ماں باپ کی اطاعت، استاد کا احترام، سب انسانوں سے محبت، رفاہِ عامہ کے کام کرنے ،علم کی روشنی پھیلانے کی تلقین کی گئی ہے۔''(۲۳)

لاؤزے کی اخلاقی تعلیمات کا ایک اہم پہلو عدمِ مداخلت ہے اس کا قول ہے کہ اگر بنی آدم اس اصول کو اپنا لیں تو جنگ و جدل، حرص و ہوس کا خاتمہ ہو جائے گا اور انسانی زندگی میں امن وامان اور خوشحالی کا دور دورہ ہوگا۔ لاؤزے نے محبت اور انکسار کا درس دیا ہے اور نیک و بد، اچھے برے ہر ایک کو مخلص اور راست باز ہونے کی تعلیم دی ہے۔ لاؤزے کا خیال ہے کہ نرم اور نازک ترین شے دنیا میں سخت ترین شے کو توڑ ڈالتی ہے جیسے دنیا میں پانی سے زیادہ نرم شے کوئی نہیں لیکن پانی سخت ترین چٹانوں کو کاٹ دیتا ہے۔ تاؤمت میں انسانی زندگی کو عظیم اثاثہ سمجھا جاتا ہے۔ انسانی زندگی کو سادگی اور انکساری سے بسر کرنا ہی اس کا اصل مصرف ہے۔ اسی طرح انسان کو زندگی کی سطحیت اور مصنوعی پن سے اجتناب کر کے حقیقی معنوں میں صاف ستھری اور سادہ زندگی اپنانی چاہیے۔

لاؤزے کے اخلاقی اقوال

''۱۔ برائی کے بدلے میں اچھائی کرو،۲۔ سب سے بہترین وہ شخص ہے جو بنی آدم سے محبت کرے اور کسی سے نفرت نہ کرے،۳۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں کہ انسان اپنی خواہشات کا غلام بن جائے،۴۔ لالچ اور حرص سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں، ۵۔ موت ہر ذی حیات پر لازم ہے اس لیے اس سے ڈرنا نہیں چاہیے،۶۔ اچھا خیال وہ ہے جو دانائی سے پُر ہو،۷۔ جس طرح نیچر میں تمام چیزیں خاموشی سے کام انجام دیتی ہیں اسی طرح انسان کو بھی بغیر کسی حرص اور شہرت کا خیال کیے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیے، ۸۔ ایک پاکیزہ آدمی کا دل سینکڑوں دلوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا کوئی ایک مخصوص فعل نہیں ہوتا۔ پاکیزہ آدمی ان سب کو اپنے بچے سمجھتا ہے۔''

تاؤتی چنگ کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ لاؤزے سچے اور واحد خدا پر ایمان رکھتا تھا اور اس کی رضا کے تابع رہنا ہی عظیم نیکی خیال کرتا تھا۔ امراء کے ظلم وتشدد کے دور میں اس نے نیکی، سکون، عدم مداخلت اور صلح پر زور دیا ہے۔

شنتو ازم اور فلسفۂ اخلاق

بدھ مت کی طرح شنتو ازم بھی جاپان کا قومی مذہب ہے اور ہندو مت کی طرح اس کا کوئی ایک بانی نہیں ہے۔ شنتو چینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''خدائی راستہ''، دیوتاؤں کے طور اطوار وغیرہ ہیں۔

Encyclopedia Of Ethics And Religion میں اس کے بارے میں یوں درج ہے:

> "The word Shinto is not Japanese, but Chinese. It means the way of gods, (Kami-no. michi). Some say it is religion, some a moral system and others a political way."(24)

شنتو مت ایک مذہب، نظام اخلاق اور سنیاسی طرزِ زندگی کی حیثیت سے جاپان میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ شنتو مت مظاہر قدرت کی پرستش کا نام ہے۔ اس میں خدا کے لیے کامی (Kami) کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب ''اوپر یا اعلیٰ'' کے ہیں۔ مظاہر پرستی کے ساتھ ساتھ اسلاف پرستی بھی اس مذہب کا خاص رجحان ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو یہ مذہب کثرت پرستی کا مذہب بھی ہے جس میں کروڑوں کی تعداد میں دیوتاؤں کو پوجا جاتا ہے۔ اسی طرح مظاہر پرستی، آبا پرستی اور شاہ پرستی بھی اس مذہب کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ شنتو مت میں اخلاقی تعلیمات کے حوالے سے امولیہ رنجن مہاپتر نے مندرجہ ذیل دس نکات وضع کیے ہیں:

> ''۱۔ خدا کی مشیت سے روگردانی نہ کرو، ۲۔ آباؤ اجداد کی جانب اپنے فرائض نہ بھولو، ۳۔ ریاست کے احکامات کی خلاف ورزی کا جرم نہ کرو، ۴۔ خداؤں کی عمیق اچھائی کو نہ بھولو جس کے ذریعے آفات اور بدقسمتیاں اپنا رخ پھیر

لیتی ہیں اور بیماری سے شفا ملتی ہے،۵۔ یہ مت بھولو کہ دنیا ایک بہت بڑا خاندان ہے،۶۔اپنی شخصیت کی حدود مت بھولو،۷۔دوسروں کے غصے میں آنے پر بھی غصے میں نہ آؤ،۸۔اپنے کام میں سستی نہ کرو،۹۔تعلیمات پر الزام نہ دھرو،۱۰۔بیرونی تعلیمات کے پیچھے اندھا دھند نہ دوڑو۔''

سامی مذاہب

سامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔ان تینوں الہامی مذاہب میں فلسفۂ اخلاق کی جو روایت موجود ہے اس کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

یہودیت کا فلسفۂ اخلاق

یہودی سامی النسل تھے، صحرائے عرب کے شمال میں ان کا آبائی وطن تھا جہاں وہ صدیوں تک خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ یہ مظاہر پرست تھے اور رفتہ رفتہ کثرت پرست اور بعدازاں وحدت پرست ہو گئے۔عہد نامہ عتیق یہودیت کا مرکزی ماخذ ہے۔اس کی تعلیمات کا ماخذ توریت ہے۔عہد نامہ عتیق علمائے یہود کی تالیف ہے۔توریت بنیادی طور پر اخلاقی قصوں اور کہانیوں پر مشتمل ہے جس کا مقصد انسان کی فلاح اور اسے سیدھا راستہ دکھانا ہے۔توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور انہیں کے دور میں یہودیت نے باقاعدہ مذہب کی شکل اختیار کی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عبرانی قوم کو فرعونِ مصر کی غلامی سے نجات دلا کر انہیں فلسطین میں آباد کیا تو پھر اللہ کی طرف سے ایک اخلاقی ضابطہ نازل ہوا جس کی پابندی ہر یہودی کے لیے لازم قرار پائی۔ یہ ضابطہ دس فرامین یا دس نکات کہلاتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

''ا۔خدا ایک ہے اسی نے تمہیں مصر کی غلامی سے نجات دلائی اور وہ تہس ہوا ۲۔میرے سوا کسی کو خدا نہ سمجھنا اور نہ اس کی عبادت کرنا،۳۔اپنے خدا کو یاد

کرتے رہو کیونکہ اس سے گناہ کم ہوتے ہیں،۴۔ ہفتے کے سات دنوں میں سبت کو پاک قرار دیا گیا ہے۔ چھ دن تمہارے ہیں، اس میں کام کرو اور ساتواں دن اللہ کا ہے اس میں کام نہ کرو اور اپنے رب کو یاد کرو،۵۔اپنے ماں باپ کی عزت کرو تا کہ اللہ تمہاری بھی عمر دراز کرے،۶۔خوں ریزی سے گریز کرنا ،۷۔زنا حرام ہے،۸۔کسی دوسرے فرد کا مال چوری نہ کرنا ، ۹۔اپنے ہمسایے کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا،۱۰۔اپنے پڑوسی کے مال، عزت یا کسی اور چیز پر لالچ کی نگاہ نہ ڈالنا۔''(۲۵)

یہودیت میں خدا کا تصور اعلیٰ ترین صفات کی حامل ہستی کا ہے اور انسان روحانی اور جسمانی ہر دو اعتبار سے خدا کے احکامات پر چلنے کا پابند ہے۔ انسان کے لیے ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ وہ نیکی ، انصاف اور بھلائی کے کام کرے، اپنے اندر اچھی صفات پیدا کرے، بُرے کاموں سے اجتناب کرے اور اپنی زندگی کو دوسروں کے فائدے کے لیے کام میں لائے۔ یہودیوں میں خیر وشر کا باقاعدہ نظام موجود ہے اور جزا وسزا کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔ یہودیت میں اس بات کو بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ انسان میں خیر وشر خلقی طور پر موجود ہے۔صرف خدا کی ذات ہے جو شر سے پاک ہے۔ انسان اپنی فطرت کے باعث گناہ اور شر کی طرف راغب ہوتا ہے۔ گناہ کرنے سے خدا اور انسان کے درمیان تعلق کمزور پڑ جاتا ہے۔ خدا اپنے بندوں کی دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے۔ گناہگار اگر اپنی بخشش کے لیے خدا سے رجوع کریں تو ان کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔(۲۶) مختصر یہ کہ یہودیت میں اعلیٰ انسانی اقدار اور مذہبی تعلیمات تو موجود ہیں لیکن یہ اور بات ہے کہ ان پر عمل نہ ہو۔ یہودیت کے مطابق زندگی اخلاقی تگ و دو کا نام ہے اور انسان کو خدا کی الوہی سرگرمیوں میں اس کا رفیق کار بننا ہوتا ہے۔ یہودیت کا جوہر اس آیت میں ہے:

''تم میرے لیے پاکیزہ بنو کیونکہ میں تمہارا خداوند پاک ہوں۔''(۲۷)

یہودیت ،اخلاقیات اور کامل طرزِ عمل کی تعلیم دیتی ہے۔اخلاقی اور روحانی ذات کے لیے یہودیت میں قول ہے کہ:

''پہلے خود کو اور پھر دوسروں کو خوبصورتی دو۔''

عیسائیت کا فلسفۂ اخلاق

عیسائیت ایک الہامی مذہب ہے اور اس میں انسانی نجات کے لیے عبادات و معاملات کا پورا نظام متعارف کرایا گیا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ مسیح افلاکی باپ کی تجسیم اور انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں خیرات، نفس کشی، ترکِ دنیا، تزکیۂ نفس، ہمہ گیر محبت اور خدا پر یقین کا بیج بویا گیا ہے۔وہ پاکیزگی اور سچائی کے مبلغ تھے۔حضرت عیسیٰؑ کی اخلاقی تعلیمات کے بارے میں ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے کوئی باقاعدہ ضابطۂ اخلاق نہیں دیا تھا۔ان کی اپنی کوئی تحریر بھی نہیں۔ان کے اخلاقی اقوال ونظریات ان کے بعد لکھے گئے۔عیسائیت نے بیشتر اخلاقی تصورات یہودیت سے وراثت میں لیے ہیں۔عیسائیت میں اخلاق کی بنیاد دو نظریات ہیں: ایک تمام بنی نوع انسان سے محبت۔دوسرا کفارے کا تصور یعنی انسان کی پیدائش ہی گناہ کا نتیجہ ہے اور یوں اس کی تمام تر زندگی گناہ ہے یا گناہِ عظیم ہے جس کا کفارہ حضرت عیسیٰؑ اپنی جان دے کر ادا کریں گے۔(۲۸) حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات یہودیت کی تکمیل ہیں اور انہوں نے عیسائی اخلاقیات کی تعریف اور دائرۂ کار میں مندرجہ ذیل امور بیان کیے ہیں:

"Christian Ethics, analytically defined, is the science which deals with (1) what the christian man (individual and social) should desire and what he should avoid (summum

bonum). (2) What he ought and ought not to do (duty.) and (3) what moral power is necessary to obtain end and accomplish duty (virtue)."(29)

عیسائی اخلاقیات کی بنیاد ان اوامر و نواہی، فرائض اور فضائل کے مختلف حوالوں سے مستحکم ہوتی ہے،جس میں سب سے بڑا ذریعہ بائبل ہے جو عیسائیت میں مستند سمجھا جاتا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا کی محبت پر بہت زور دیا ہے اور اسے بنی آدم کا باپ کہا ہے۔ خدا کی محبت کو اچھوتی تماثیل اور تلازمات کے ذریعے بیان کیا ہے۔عیسائیت کی تعلیم میں خدا کا تصور شخصی ہے۔ خدا سب چیزوں کا خالق ہے۔علت اوّل سے خدا کو مقدس باپ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اخلاقی تعلیمات کا نچوڑ ان کا ''پہاڑی وعظ'' ہے جس کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں:

''ا۔مبارک ہیں وہ جو غریب ہیں، کیونکہ ان کے لیے آسمان کی بادشاہت ہے،۲۔مبارک ہیں وہ جو دکھ سہتے ہیں کیونکہ انہیں راحت ملے گی،۳۔مبارک ہیں وہ جو کمزور ہیں کیونکہ زمین کی میراث پائیں گے،۴۔مبارک ہیں وہ جو سچائی کے لیے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ ان کو تسکین ملے گی،۵۔مبارک ہیں وہ جو دردمند ہیں کیونکہ انہیں رحم حاصل ہوگا،۶۔مبارک ہیں وہ جن کا دل پاکیزہ ہے کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے،۷۔مبارک ہیں وہ جو امن پسند ہیں کیوں کہ انہیں خدا کے بیٹے کہا جائے گا،۸۔مبارک ہیں وہ جو سچائی کی خاطر مصلوب کیے جاتے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت ان کی ہے،۹۔مبارک ہو تم جب آدمی تم پر میرے حوالے سے ظلم کرتے اور ہر قسم کی بری بات کہتے ہیں،۱۰۔خوش اور مسرور رہو کیونکہ آسمان میں تمہارا انعام بہت عظیم ہے کیونکہ آدمیوں نے تم سے پہلے آنے والے نبیوں کو بھی قتل کیا۔''(۳۰)

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں بندوں کے درمیان برادرانہ تعلق پر بہت زور دیا گیا ہے۔اس ضمن میں حضرت عیسیٰؑ نے جن خوبیوں کو خصوصی اہمیت دی ہے ان میں مساوات،عفو و درگزر، عیب جوئی سے

پرہیز، عجز وانکسار اور اپنے دشمنوں اور برا چاہنے والوں کے ساتھ بھی نیکی کا سلوک سرفہرست ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم میں نیت اور ارادوں کو اہمیت حاصل ہے۔شریر کا مقابلہ نہ کرنے اور بدلہ نہ دینے کی اہمیت کے بارے میں متی (باب ۵،آیات ۲۱،۲۲اور ۳۸ تا ۴۲) میں فرمایا گیا ہے:

''اور تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ سزا عدالت کی اور جو کوئی اسے احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہوگا۔تم سن چکے ہو کہ تم سے کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت نہیں، میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا جو کوئی تجھ سے مانگے دے دے اور جو کوئی تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ۔''(۳۱)

مختصر یہ کہ عیسائیت میں امن و آشتی، محبت، بھائی چارے اور صلح کل کا پیغام ملتا ہے اور یہی اس کے اخلاقی فلسفے کے نمایاں خدو خال متعین کرتا ہے۔

اسلام کا فلسفۂ اخلاق

دینِ فطرت اسلام خدا کا آخری دین ہے جس کی تکمیل کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معبوث فرمایا گیا ہے۔ دینِ اسلام آفاقی اور دنیا بھر کے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے۔اس میں اخلاقیات کے ایسے سنہری اصول موجود ہیں جن کی بنیاد پر اس دینِ مبین نے ایک قلیل عرصے میں پوری دنیا کو متاثر اور اپنے فکری سرمائے سے فیض یاب کیا ہے۔اسلام کا نظامِ اخلاق پوری دنیا پر حاوی

ہے۔ یہ اپنا مخصوص تصور کائنات، معیار خیر وشر، قوت نافذہ اور قوتِ محرکہ رکھتا ہے۔ یہ سب مل کر اس کے فلسفۂ اخلاق کو ایک مکمل عملی نظام کی شکل دیتے ہیں۔قرآن پاک میں اخلاق فاضلہ کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

'' قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ
خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ''(۳۲)

(کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور ناکام و نامراد ہو
گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی میل سے ملوث کیا۔)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اخلاقِ حسنہ پر بہت زور دیا ہے۔ارشاد فرمایا:

''اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتِمِّمَ مَكَارِمَ
الْاَخْلَاقِ'' (۳۳)

(میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کروں۔)

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اسلام میں سب سے زیادہ اخلاقِ حسنہ پر زور دیا گیا ہے۔اخلاقِ حسنہ میں وہ تمام اعمال شامل ہیں جن کے ذریعے انسان کوشش کرتا ہے کہ اس کے بھائی بندوں کو فائدہ پہنچے اور معاشرے میں امن وسلامتی پیدا ہو اور معاشرہ صحیح خطوط پر ترقی کرے۔اخلاق کو قرآن و حدیث میں اس تواتر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ پورا دین الٰہیات اور اخلاقیات کے ستون پر کھڑا محسوس ہوتا ہے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں میں اخلاقی پہلوؤں کو مدنظر رکھا گیا ہے اور کوئی بھی اسلامی عمل اخلاق سے ماورا نہیں ہے۔انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک انسان کے تمام فکری مدارج میں اسلام کا فلسفۂ اخلاق ایک توانا اور صحت مند روایت کے ساتھ موجود رہتا ہے۔قرآن پاک کے مطابق دنیا کی زندگی میں خیر وشر کی اس آزمائش میں انسان کی اعانت اور رہبری کے لیے خدا

تعالیٰ نے ابتدا ہی سے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کا ایک سلسلہ قائم رکھا جو اپنی تعلیمات کے ذریعے بنی نوع انسان کے اندر ازل سے موجود الوہی عنصر کی ہمت افزائی اور خیر و شر میں امتیاز کے لیے واضح اصول اور قوانین پیش کرتے رہے۔ اس طور انسان کے لیے ہمیشہ یہ ممکن رہا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے صالح عنصر کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے خدا تعالیٰ کے طے کردہ روحانی اور اخلاقی اصولوں کو قبول کر لے اور ان کو اپنی دنیوی زندگی میں مشعل ہدایت سمجھے۔ (۳۴)

اسلامی فلسفۂ اخلاق کی بنیاد دین و دنیا کی خیر، سعادت اور نیکی پر مستحکم ہوتی ہے۔ جملہ مسلم مفکرین نے اسلامی روح کے ساتھ اخلاقِ اسلام کو تشکیل دینے میں قرآن و حدیث کے مسلمہ اصولوں کی پاسداری کی ہے اور یونانی فلاسفہ کی تعلیمات میں اسلامی روح کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہرحال اسلامی تعلیمات، قوانین اور اخلاقیات کا اصل منبع قرآن و حدیث ہی ہے اور اس سے تمام علوم کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

اخلاقیات کے مسلمہ عمومی اصول

مختلف مکاتبِ اخلاق، مشرقی و مغربی فلاسفہ اور مذاہب عالم کے اخلاقی نظریات کے مطالعہ کے بعد اخلاقیات کے کچھ عمومی مسلمہ اصول سامنے آتے ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں تمام دبستانِ اخلاق اور مکاتب فکر میں یکساں اہمیت کے حامل ہیں اور جن پر قدیم یونانی فلاسفہ سے لے کر جدید اسلامی اور مغربی فلاسفہ اور جملہ مذاہب عالم متفق ہیں۔ ان فضائلِ اخلاق میں عظمتِ انسانی، صداقت، علم و حکمت، عقل و عشق، انسان دوستی، جواں مردی، کم آزاری، صدق و اخلاص، شجاعت، استقامت، عدل و انصاف، تواضع، حلم و انکساری، ترکِ خواہشات، محبت اور دوستی، قناعت پسندی، صبر و رضا، عفت و عصمت، تسلیم و رضا، نیکی و سعادت اور امن و محبت ایسے فضائل ہیں، ان اوصاف پر کم و بیش ہر مکتبۂ فکر کے فلاسفہ اور مذاہب کے بانیوں نے اتفاق کیا ہے۔ فلسفۂ اخلاق میں نیکی اور سعادت کا

تصور ہمیشہ موضوع بحث رہا ہے اور نیکی یا سعادت کومختلف ذرائع سے حاصل کرنے کی تگ و دو کو اخلاق کا نام دیا گیا ہے۔ اسی طرح فلسفۂ اخلاق کی دو بڑے گروہوں میں تقسیم نے سعادت اور نیکی کے قدرے مختلف معیارات مقرر کیے ہیں جو کسی نہ کسی طرح ہر قابلِ ذکر فلسفی کے نزدیک قابلِ قبول ہیں۔

مذاہبِ عالم میں انسان دوستی ، بھائی چارہ، ریاضت اور گیان دھیان، اطاعت و عبادات، امن، اخلاص، جنگ کی مذمت، ہمت، نیک اعمال، فرض ، ایمان، عفو و درگزر، دوستی، سخاوت ، مسرت، ابدیت، انصاف، محبت اور عدل جیسے اہم مذہبی اصولوں پر اخلاقی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یوں دیکھا جائے تو یہ اخلاقی اصول مسلمہ آفاقی حیثیت کے حامل ہیں اور ان پر ہی فلسفۂ اخلاق کی پوری توجہ مرکوز رہی ہے لیکن چونکہ زمانی، زمینی اور نظریاتی اختلافات ہر جگہ موجود رہے ہیں اس لیے ان اخلاقی اصولوں کے حصول اور ان کے اطلاق کے طریقوں میں معمولی فرق اور اختلاف کا پایا جانا تعجب خیز نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر قوم کے فضائل کی ترتیب، اس کے اجتماعی مرکز، ماحول، طرزِ بود و باش، طرزِ حکومت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے لیکن ان فضائل کی اہمیت اور آفاقیت مسلمہ ہی رہتی ہے۔ مثال کے طور پر سچ کو کوئی فلسفۂ اخلاق اور مذہب کبھی رد نہیں کرے گا۔ اس طرح محبت اور نیکی، عدل و انصاف، انسانی معاملات و توازن، انسانی رشتوں کا احترام اور دیگر مسلمہ اخلاقی اصولوں کو ہر جگہ اور ہر مذہب میں تسلیم کیا جائے گا لیکن ضمنی اور فروعی اختلافات فضائل کی ترتیب، مدارج اور اطلاق کے طریقوں میں ہو سکتے ہیں جن پر بات کرتے ہوئے مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ یوں رقم طراز ہیں:

> ”علم اخلاق کے عالم کے لیے یہ بہت دشوار بات ہے کہ وہ ان تفصیلات کی تہ میں جائے اور فضائل کی قیمت میں اشخاص و افراد کے درمیان باریک امتیاز کی وجہ سے جو اختلاف مرتب ہوتا ہے اس کے کشف و وضاحت میں

مصروف ہو۔ وہ مجموعی اعتبار سے یہی کہہ سکتا ہے کہ تمام انسانوں سے عام فضائل، انصاف اور سچائی وغیرہ کے بارہ میں یہ مساوی مطالبہ ہے کہ وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہوں۔'' (۳۵)

ان مباحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ زندگی کی تمام اعلیٰ اقدار کا سر چشمہ نیکی اور سعادت ہے اور نیکی اور سعادت حاصل کرنے کے ذرائع حاسۂ باطنی سے تعلق رکھتے ہوں یا افادیت پسندوں کے مطابق ''زیادہ سے زیادہ مسرت زیادہ سے زیادہ افراد کے لیے'' کے اصول پر مبنی ہوں اپنی جگہ وقیع اور قابلِ قدر ہیں۔ فلسفۂ اخلاق کے نقطۂ نظر میں اختلاف اور موافقت کے انہی اصولوں پر لیسلی اسٹیفن نے یوں روشنی ڈالی ہے:

''ایک اعتبار سے تو علماے اخلاق تقریباً بالکل متفق ہیں کہ کردار کے بعض اقسام کو صائب، خیر اور ان کے مخالف اقسام کو خطا و شر کہتے ہیں۔ کسی اخلاقی فلسفی کو اس سے انکار نہیں کہ بے رحمی، جھوٹ اور بے اعتدالی عیوب ہیں اور رحم، سچائی اور عفت محاسن ہیں۔'' (۳۶)

لہٰذا ایسی ہی اقدار اور اخلاقی ضوابط ہیں جن کی بنیاد پر فلسفۂ اخلاق میں مشترکہ اخلاقی نظام تشکیل پذیر ہوتا ہے اور جن کی صحت اور اہمیت پر کوئی اختلافِ رائے نہیں۔ انہی اخلاقی اصولوں کو ہم معاشرے کے ہر ادارے اور ہر شعبے میں کارفرما دیکھنے کے خواہاں ہوتے ہیں اور ہمارے علم عمل سے ان اخلاقی اقدار اور اوصاف کا اظہار کسی نہ کسی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔ یہیں سے اخلاقیات اور جمالیات کے درمیان اختلاف و ارتباط کے نئے مباحث جنم لیتے ہیں کیونکہ اخلاقیات اور جمالیات دونوں کا تعلق اقدار سے ہے اور دونوں کے دائرۂ کار میں انسانی کردار، احساس اور ذوق کی نشوونما جیسے موضوعات ہیں۔

اخلاقیات و جمالیات ارتباط و اختلاف

اخلاقیات پر سیر حاصل بحث کے بعد جمالیات کے ساتھ اس کی ہم آہنگی اور تضادات کا سوال سامنے آتا ہے۔ چونکہ فلسفۂ اخلاق کی حدود میں انسانی کردار اور اقدار آتی ہے اور جمالیات کا تعلق جملہ انسانی حواس لطیف سے ہوتا ہے دونوں میں بعض امور میں موافقت اور بعض میں اختلاف پایا جاتا ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ ادب سے اخلاقیات کا رشتہ جوڑنے سے پہلے اخلاقیات و جمالیات میں مماثلت کے پہلو تلاش کر لیے جائیں۔

دونوں اقدار مسلّمہ ہیں اور ان میں فروعی تغیرات کا آنا فطری امر ہے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اصول عموماً ایک رہتے ہیں لیکن ان کے اخلاقی پہلو میں کہیں نہ کہیں کوئی تبدیلی آ جاتی ہے۔اخلاقیات و جمالیات میں مماثلت کے بعد اب ان میں اختلاف کے پہلوؤں کو بھی نمایاں کرنا ضروری ہے تاکہ دونوں کو ایک علیحدہ مکمل عمل کی حیثیت سے دیکھا جا سکے اور دونوں کے حدود متعین ہو سکیں۔ جمالیات کا دائرہ کار چونکہ فنون لطیفہ تک ہے اس لیے اس علم میں فنون کے اظہار و ابلاغ اور پیشکش پر زیادہ زور دیا جاتا ہے تاکہ وہ صوری و معنوی اعتبار سے خوبصورت نظر آئیں،بعض اوصافِ حسنہ میں تو بلا تامل لطافت کا اطلاق بھی ہوتا ہے مثلاً فیاضی ،عبادت میں خضوع وخشوع وغیرہ مگر بعض ایسے بھی مکارم اخلاق ہیں جو کسی طرح بھی اس عنوان کے تحت نہیں آتے مثلاً دیانتداری اور راست بازی وغیرہ کیونکہ ان دونوں میں آپ کو اپنے ظاہری ذوق اور مادی مفاد کو قربان کرنا پڑتا ہے اور بعض اوقات ان اقدار پر عمل کرنے کی قیمت بھی ادا کرنا پڑتی ہے۔

مندرجہ بالا مباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں اطراف کے دلائل و براہین دو انتہاؤں پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ ایک طرف جمالیات کو اخلاقیات کا حصہ سمجھا گیا ہے مثلاً قدمائے یونان اور متاخرین فلاسفہ یونان کے ہاں تو حسن اور نیکی کو ایک ہی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے ۔ اسی طرح بعد کے

مفکرین کے ہاں بھی جمالیاتی اور اخلاقیاتی اقدار میں بھرپور ارتباط پایا جاتا ہے۔

حکیم محمد سعید دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام کے تصوّرِ اخلاق کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ اِسلام کا تصورِ اخلاق فلسفیوں، مفکروں اور نرے اخلاق پرستوں سے بالکل جدا ہے۔ اِسلام کے نزدیک حُسنِ اخلاق سچی بندگی کو پائے تکمیل تک پہنچانے کا ایک ذریعہ اور عبادات کا اہم حصہ ہے۔ یہ دونوں چیزیں الگ الگ خانوں میں منقسم نہیں ہیں بلکہ اپنے اندر ایک وحدت رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور انسانوں کے حقوق کو بہ تمام و کمال ادا کرنے کا نام عملِ صالح ہے، یہ ایک جامع ترین لفظ ہے جسے قرآن پاک عبادات اور اخلاق دونوں کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کے ساتھ ساتھ انسانوں کے حقوق کا ذِکر فرما کر ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ اُن کی اہمیت بھی حقوق اللہ سے کم نہیں اور یہ کہ کمالِ بندگی کا تصوّر، حُسنِ اخلاق کے بغیر ممکن ہی نہیں۔(۳۷)

حکیم محمد سعید نے اپنی تصنیف ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ سب سے بڑے انسان میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے ذیل میں ۴۱ عناوین قائم کرتے ہوئے ان پر اختصار مگر جامعیت سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ عناوین درج ذیل ہیں:

☆ رحمت و شفقت	☆ خوش مزاجی	☆ مستقل مزاجی
☆ نرم مزاجی	☆ سخاوت و فیاضی	☆ عدل و انصاف
☆ عاجزی اور انکساری	☆ نبی صادق	☆ اللہ کی نعمت
☆ نماز میں آپ کا انہماک	☆ علم کی سرپرستی	☆ تربیت
☆ سادگی و قناعت	☆ نادار اور بے کس لوگوں کا خیال	☆ سچائی
☆ برداشت اور تحمل	☆ دھوکے بازوں سے بے تعلقی	☆ سخاوت
☆ معاملے میں کھرے	☆ بدزبانی سے نفرت	☆ حیوانوں پر شفقت

☆ احسان کرنے والوں کی قدر ☆ بیماروں کی عیادت ☆ بچوں سے محبت

☆ وعدے کی پابندی ☆ بے مروتی کا بدلہ ☆ مہمان نوازی

☆ بھیک اور مدد

مذکورہ کتاب اگرچہ نونہالوں کے لیے ترتیب دی گئی ہے اور اس میں اُن کی رہنمائی کے لیے آسان پیرائے میں بات کی گئی ہے۔ تاہم زیرِ بحث موضوع کے حوالے سے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ ’’نرم مزاجی‘‘ کے زیرِ عنوان حکیم محمد سعید رقم طراز ہیں کہ:

’’حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستقل مزاج ہونے کے ساتھ نرم مزاج بھی تھے۔ لوگوں سے نرمی اور شفقت سے پیش آتے، جو آپ کو تکلیف دیتا اسے بھی راحت پہنچاتے۔ دشمنوں کی سختی کا جواب نرمی سے دیتے۔ ایک بار طائف میں لوگوں کو سلام کی دعوت دینے گئے۔ ان لوگوں نے آپ کو بہت تکلیف پہنچائی اور بہت ظلم کیا، بڑی گستاخیاں کیں، پتھر مارے، مگر آپ نے اُن کے لیے بددعا کے بجائے ہدایت کی دعا کی، ایک مسلمان آپ کے خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کافروں کے لیے بددعا کریں، آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ اُن کے دو ٹکڑے کر دیے گئے، اُن کے سروں پر آرے چلائے گئے، مگر ان لوگوں نے حق کی دعوت لوگوں تک پہنچائی، تم پریشان نہ ہو، ان لوگوں کو یقین تھا کہ اسلام پھیل کر رہے گا۔۔۔

علامہ عبدالمصطفٰے اعظمی نے اخلاقِ نبوت کے ذیل درج ذیل عناوین قائم کیے ہیں:

☆ حلم وعفو ☆ تواضع ☆ حیا

☆ حسنِ معاشرت ☆ عدل ☆ وعدہ کی پابندی

☆ وقار ☆ زاہدانہ زندگی ☆ شجاعت

☆ طاقت ☆ سخاوت (۳۸)

ان جملہ موضوعات کے حوالے سے علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی نے مفصل و مدلل پیرائے میں بحث کی ہے۔آقائے کائناتصلی اللہ علیہ وسلم کےحسن اخلاق کے بارے میں علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی لکھتے ہیں کہ آپ کے اخلاقِ حسنہ کے بارے میں خلقِ خدا سے کیا پوچھنا؟ جب کہ خود خالقِ اخلاق نے یہ فرمایا کہ:

اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ

عَظِیم

''یعنی اے حبیب! بلاشبہ آپ اخلاق کے بڑے درجے پر فائز ہیں۔''

آج تقریباً چودہ سو برس گزر جانے کے بعد دشمنانِ رسول کی کیا مجال کہ آپ کو بداخلاق کہہ سکیں۔۔۔ بلکہ آپ کے بڑے سے بڑے دشمن نے بھی اس کا اعتراف کیا کہ آپ بہت ہی بلند اخلاق، نرم خو اور رحیم وکریم ہیں۔ بہرحال حضور نبی کریمصلی اللہ علیہ وسلم محاسنِ اخلاق کے تمام گوشوں کے جامع تھے۔ یعنی علم وعفو، رحم وکرم، عدل وانصاف، جودوسخا، ایثار وقربانی، مہمان نوازی، عدم تشدد، شجاعت، ایفاء عہد، حسنِ معاملہ، صبر وقناعت، نرم گفتاری، خوش روئی، ملنساری، مساوات، غم خواری، سادگی و بے تکلفی، تواضع وانکساری، حیاداری کی اتنی بلند منزلوں پر آپ فائز وسرفراز ہیں۔(۳۹)

ڈاکٹر طاہرالقادری اخلاقی کمال کے ذیل میں رقم طراز ہیں کہ:

''انسان کی انفرادی زندگی کا نصب العین ''اخلاقی کمال'' ہے اور اخلاقی کمال عبارت ہے، کامل بندگی سے، جس کی اعلیٰ ترین صورت ''رضائے الٰہی کا حصول'' ہے۔۔۔ یوں سمجھ لیجیے کہ انفرادی سطح پر انسان کا مقصد حیات

''انسانِ مرتضٰی'' یعنی ایسا انسان بننا ہے جس پر اُس کا رب راضی ہو۔''(۴۰)

ڈاکٹر طاہرالقادری اخلاق کے اہم زاویے ایثار وعمل کا محرک ''حبِ الٰہی'' بتاتے ہیں، اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''کسی کی محبت میں ایثار وقربانی صبر آزما جدوجہد اور مصائب وشدائد کا خوشی سے برداشت کرنا محض محبوب کی رضا کی خاطر ہوتا ہے۔۔۔ اگر محبوب کو راضی کرنا پیشِ نظر نہ ہوتو کوئی کیونکر تکالیف کو دعوت دے گا اور اپنی جان و مال کی قربانی پر آمادہ ہوگا۔(۴۱)''

چودھری افضل حق کا کہنا ہے کہ:

''شخصی اخلاق کی اصطلاح پر نظر رکھو اور جماعتی بھلائی کے اصول کو نہ بھولو، تب ہی تم فلاح پا سکتے ہو۔ قوموں کے شخصی اور قومی اخلاق جب تک پاکیزہ رہیں گے، قوم زندہ رہے گی۔ جب اخلاقِ حمیدہ اعمالِ ناپسندیدہ میں تبدیل ہو جائیں گے تو شجرِ قومی بے برگ و بار ہو جائے گا۔''(۴۲)

مسلم شریف میں حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

''جب بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے نام پر کوئی چیز مانگی گئی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور عطا کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان بکریوں سے بھری ہوئی پوری وادی عطا کردی، وہ آدمی اپنی قوم کے

پاس جا کر کہنے لگا کہ لوگو! مسلمان ہو جاؤ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو دیتے وقت فقر و فاقہ سے ذرا بھی نہیں ڈرتے۔" (مسلم)

اخلاق سے مراد شمائل مصطفوی کے بجائے خصائل و اوصافِ نبوی ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

"وہ تمام اخلاق جو قرآن میں بیان کیے گئے ہیں نبی علیہ السلام کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ اللہ کریم نے اپنے محبوبِ حقیقی کو جملہ کائناتوں اور عوام کے لیے بہترین نمونہ بنایا۔"

قرآن مجید سے اس کی شہادت یہ آیات دیتی ہیں:

" لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "(۴۳)

گوہر ملیسانی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

"خالقِ کائنات نے جس طرح اپنے پیغمبر، محسنِ انسانیت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تزئین و آرائش فرمائی، اسی طرح آپ کو اخلاقِ حسنہ کا کامل و اکمل نمونہ دیا، آپ کی فضیلت و عظمت کا منہ بولتا ثبوت شبِ اسریٰ کا وہ سفر ہے جس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر صف در صف کھڑے ہوئے اور سیادتِ عامہ اور اِمامتِ عظمیٰ کا فریضہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کے لیے تیار کیا، بنی نوع انسان کو دنیوی اور اُخروی فلاح سے ہم کنار کرنے کے لیے اوصافِ جمیلہ سے نوازا، وہاں

آپ کو اخلاقِ حمیدہ کی تمام خصوصیات کا حامل بھی بنایا۔‘‘ (۴۴)

اسرار احمد سہاوری قرآنی نظریہ اخلاق کے ذیل میں رقم طراز ہیں کہ:

’’قرآن کا نظریۂ ادب اخلاقی پابندیوں کا قائل معلوم ہوتا ہے۔ ادب زندگی کا ترجمان ہے اور زندگی بغیر اخلاق کے زیور کے اپنا تمام حسن اور رعنائی ضائع کر دیتی ہے۔ رسول کریم کا ارشاد ہے اَلْبِرُّ حُسْن ؔ یعنی نیکی حسنِ اخلاق ہی ہے اور نیکی کی جان تقویٰ ہے۔ بغیر خدا کے خوف یا محبت کے نیکی کا کوئی مفہوم نہیں، نظری دنیا میں ہی صرف اس کا وجود ممکن ہے اور خالی نظریات بغیر عمل کے کسی کام کے نہیں، اس لیے قرآن نے جہاں ایمان لانے کا حکم دیا ہے وہیں ساتھ ساتھ عمل صالح کا بھی حکم موجود ہے۔ قرآنی نظریۂ اخلاق کا سب سے جامع عملی اظہار حضور سرور سروراں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی میں دکھائی دیتا ہے۔ آپ جیسا تقویٰ، خوفِ خدا یا محبتِ خدا کس کے دل میں ہوگی۔ عمل صالح کی بھی بہترین صورت آپ کی سیرت ہے، جسے اسوۂ حسنہ بھی کہا جاتا ہے۔‘‘ (۴۵)

آیئے یہاں چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں اخلاق کو موضوع بنایا گیا ہے:

تری اداؤں نے دی ہم کو خلق کی تعلیم
ہر ایک قولِ حسیں آئنہ صفات کا ہے (۴۶)

☆

تجھ سے اخلاق کی ہوئی تکمیل
خلق میں محترم ہے بعدِ خدا
تیرا پیکر ہے خلق کا مظہر

تو ہے سرچشمہ ہر بھلائی کا(۴۷)

☆

گفتار میں سو رنگ ہیں اخلاق و ادب کے

عالم میں ہے یکتا ترے لہجے کی حلاوت(۴۸)

☆

مرجعیت ملی ، پائی محبوبیت ، دل مسخر کیے حسنِ اخلاق سے

روحِ عالم کومفتوح کرتی گئی،موجِ نصرت جواُن کےعلم سے چلی(۴۹)

☆

اصلاحِ اخلاقِ عالم ، آپ نے کی از سعی پیہم

آپ جہاں کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ علیک وسلم(۵۰)

☆

خلق میں سر بسر رؤف و رحیم

آدمیّت کا پاسباں یعنی(۵۱)

☆

حضور! آپ کے اخلاقِ طیّبہ کی قسم

بغیر دیکھے ہمیں آپ سے محبت ہے(۵۲)

☆

آپ کے اخلاقِ حسنہ کی نہیں آقا! مثال

آپ سے اچھا کہاں ہے کوئی عنوانِ حیات(۵۳)

☆

آفاق میں تہذیب کی ہر قدرِ دل افروز
سرکار کے اخلاق سے پھولی ہے، پھلی ہے(۵۴)

☆

ترے اخلاق کیا کہنا ، ترے انوار کیا کہنا
ترا اسوہ ، تری سیرت ، ترا کردار کیا کہنا(۵۵)

☆

آپ خلقِ عظیم کے مالک
آپ نے دشمنوں کی عزت کی(۵۶)

☆

خلق کی خوشبو تمام ادوار میں رچ بس گئی
باغِ ہستی میں کھلا یوں ان کی شفقت کا گلاب(۵۷)

☆

رحمتہ للعالمیں ہیں ، مخزنِ لطف و کرم
منبعِ جود و سخا ہیں شافعِ روزِ جزا
سربسر انعامِ حق ہیں ، سربسر لطف و عطا
صاحبِ صدق و صفا ہیں شافعِ روزِ جزا(۵۸)

☆

کرتے ہیں کرم احمدِ مختار ہمیشہ
منگتوں کا بھرم رکھتے ہیں سرکار ہمیشہ(۵۹)

☆

یہ شانِ عفو و کرم یہ سخاوتیں بے مثل

یہ عرش و فرش ہیں کیا صرف اک عطائے رسول(۶۰)

☆

مجھ سے پوچھا کسی نے تعارف ترا، میں نے نظریں جھکائیں، کہا دلکشی

حسن، کردار، گفتار، رفتار، سب، الغرض تیری ہر اک ادا دلکشی(۶۱)

☆

ہر بار آپ نے اسے دل سے کیا معاف

سو بار بھی کسی نے اگر کوئی بھول کی(۶۲)

☆

وقارِ سکوت اور حسنِ تکلم

تجھے دینے والے نے کیا کیا دیا ہے

تو دلجوئی و غم گساری کا پیکر

تو خیرالبشر اشرف الانبیا ہے

طبیعت میں دل سوزی و دل نوازی

تو دلگیر کے دردِ دل کی دوا ہے

تو کرتا ہے توقیر و تکریم مہماں

تو بے برگ و نادار کا آسرا ہے(۶۳)

☆

سلام اُس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے

سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اُس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اُس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اُس پر ابوسفیان کو جس نے اماں دے دی
سلام اُس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اُس پر ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں(۶۴)

☆

اعجاز ہی اعجاز ہیں تیرے لبِ گفتار
حکمت کا خزینہ تری شیریں سخنی ہے(۶۵)

☆

سخی! تیرے لطف و کرم کے تصدق
غنی! تیری شانِ عطا دیدنی ہے(۶۶)

☆

بھولی ہے نہ بھولے گی فصیحانِ عرب کو
اعجاز نمائی تری شیریں سخنی کی(۶۷)

☆

لطف و عطا و رحم و سخا ، حلم و عفو و خیر
صدق و صفا و حسن و حیا ، جرات و وقار
احسان و صبر و سعی و یقیں ، سادگی و عدل
ایسے گلوں سے مہکا ہے سیرت کا شاخسار(۶۸)

☆

کامل ہر اِک جہت سے ہے وہ خلق اس لیے

اللہ کی رِضا کا سبب اُسوۂ نبیؐ(۶۹)

☆

معیارِ حُسنِ خلق وہی شخص بن گیا

جس کو ملی ہے انؐ کی اطاعت کی روشنی(۷۰)

☆

لفظوں کو آپ سے ہوئی پاکیزگی نصیب

معنوں کے اعتبار سے ذم ، ذم نہیں رہا

تلخی کے سامنے بھی رہا لہجۂ ملیح(۷۱)

☆

نہ خوش جمال کوئی اُن سا آئے گا واجدؔ

نہ اُس سا ہوگا زمانے میں خوش کلام کہیں(۷۲)

اب کہاں ایسی روایت کوئی انساں لائے

اُن پہ جو سنگ اٹھائے وہی ایماں لائے

اپنے دشمن کے ٹھکانے کو کیا جائے اماں

وہ محبت کے جہاں میں نئے امکاں لائے(۷۳)

☆

بارشِ الطاف ہے سب پر ہے فیضانِ نبی

عالم انسانیت ہے زیرِ دامانِ نبی(۷۴)

☆

ظلم کے بدلے میں ملتی ہے ہدایت کی دعا
درس ہے اخلاق کا تعلیمِ دینِ مصطفیٰ(۷۵)

☆

محبت ہی محبت ، رحمت و شفقت ، سلوک ، اخلاص
اثاثہ تھا رسالت کا یہی دولت محمد کی(۷۶)

☆

ہر نظر میں نور ہے ، ہر دل میں جلوہ آپ کا
یہ کرم ، یہ حسنِ احساں ، اللہ اللہ آپ کا(۷۷)

☆

نبی آئے جہاں میں رحمت للعالمیں ہو کر
سراج السالکیں بن کر شفیع المذنبیں ہو کر
غریبوں کی محبت میں گزاری زندگی اپنی
محمد مصطفیٰ نے صاحبِ تاج و نگیں ہو کر(۷۸)

☆

ہر حال میں بحرِ صدق و صفا ، ہر رنگ میں مخزنِ جود و سخا
غربت میں بھی تو سائل پرور، عسرت میں تو آسودہ نظر(۷۹)

☆

عدل و احسان ، عطا ، صدق ، صفا ، عجز ، دعا
آؤ دربارِ رسالت کا یہ نقشہ دیکھو
سادگی ، حسن ، حیا ، صبر ، یقیں ، رحم ، سخا
کوہِ فاراں پہ کوئی دیتا ہے خطبہ دیکھو(۸۰)

☆

آپ مونس بھی ہیں ، آپ غم خوار بھی آپ مختار بھی شاہِ ابرار بھی

ہم غریبوں کا ہیں آپ ہی آسرا اے رسولِ خدا مرحبا مرحبا(۸۱)

☆

تم بحرِ مواہب ہو ، تمہی نازش دوراں

صحرا کی کڑی دھوپ میں رحمت کی گھٹا ہو(۸۲)

☆

دکھی دلوں کو کرتا عطا راحت و سکوں

حسنِ کلام آپ کا ہر اک خطاب میں(۸۳)

☆

ترا انکسار ، غنا ، حیا ، غمِ حشر ، صدق ، صفا ، دعا

جو یہ سات رنگ ہوئے بہم تری شخصیت کی بنی دھنک(۸۴)

☆

ترا جادوئے تکلم کہ گھٹائیں جھوم جائیں

ترا فیضِ یک تبسم کہ فضائیں جگمگائیں

ترے خلق سے گلوں میں ہے تمام رنگ و نکہت

مہ و مہر اپنی شمعیں ترے نور سے جلائیں(۸۵)

☆

ہے جس پہ خدا کو بھی محبت سے فخر

ہیں جود کے ،علم کے ، رواں مصدر آپ(۸۶)

☆

کرے گی اُس سے ہر ایک رُت ، کسبِ فیض

وہ منبعٔ حلم و معدنِ علم و جود (۸۷)

☆

خدا کی رحمت ہے نام اس کا فلاحِ انساں پیام اس کا

ڈھلی ہوئی اس پیام میں جس کی زندگی ہے وہی نبی ہے

بشر ہے وہ یا کلامِ باری میں اس کی ہر اک ادا کا قاری

تمام قرآن کی جو تصویر معنوی ہے وہی نبی ہے (۸۸)

☆

تیرے نقوش پا سے ہے تہذیب کو فروغ

قدموں سے تیرے پھوٹ رہی ہے ضیائے خیر

خیر البشر کی ذات سے ہے خیر معتبر

خیر الوریٰ کے دم سے ہے قائم بنائے خیر

حی علی الفلاح کی آواز تو سنو

فرمانِ مصطفیٰ ہے کہ اٹھو برائے خیر (۸۹)

☆

اُسوۂ حضور کا ہے میرے لیے تو رہبر

آداب زندگی کے میں اس سے سیکھتا ہوں (۹۰)

☆

پاک ، معطر ، ارفع ، اعلیٰ آپ کی ساری باتیں

آپ کا اسوہ ہر راہی کو منزل پر لے جائے (۹۱)

☆

جو بھی آیا اُس میں بانٹیں خلق ہی کی دولتیں

شان دے کر عاجزی کو دل منور کر دیے (۹۲)

☆

ترے اخلاقِ حسنہ کی عجب معجز نمائی ہے

جو نکلا قتل کرنے کو تیرا شیدا ہوا پایا (۹۳)

☆

بفیضِ چشمِ محمدؐ وہ ہو گئے یکجا

بٹے ہوئے تھے قبیلے نواحِ طیبہ میں (۹۴)

☆

وہ سرورِ والا گہر و کاملِ علم

وہ مصدرِ اسرارِ اَحد ، محورِ حلم

وہ مسلم اوّل اور داعِ اسلام

اَسود ، اَحمر کو لَمعِ مہرومہِ سلم (۹۵)

☆

بے زبانوں کو زباں دی سیّدِ ابرار نے

دینِ حق کی آگہی ہے اب مکاں تا لامکاں

کس نے سینے سے لگایا بے کس و مجبور کو

کس کی بندہ پروری ہے اب مکاں سے لامکاں (۹۶)

☆

کیا چیز ہے سرورِ شہِ والا کی محبت

یہ مضمون ابتدائی نوعیت کا ہے۔ اِرادہ یہ ہے کہ اس پر مزید کام کیا جائے مذکورہ مباحث وامثال سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نعت نگاروں کے پیش نظر حضور علیہ السلام کے اخلاق و کمالات پیشِ نظر رہے ہیں۔ سیرتِ رسولصلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ ناعتین کے فکروفن کی اساس کو پختہ تر کرنے کے لیے لازم ہے۔ اخلاق اور اس کے ذیلی عناوین کی پیشکش کو اس لیے بھی فوقیت ملنا ضروری ہے کہ عصرِ حاضر میں عالمِ انسانیت علی الخصوص ملتِ اسلامیہ میں عدم برداشت کا جو رویہ پرورش پا رہا ہے، اس کا سدِ باب ہو سکے، رواداری اور بھائی چارے کو فروغ مِل سکے۔

حوالہ جات

۱۔فرہنگِ عمید، طہران: کتاب خانہ ابن سینا، ۱۳۳۷ء، ص ۱۱۸

۲۔فرہنگِ آصفیہ، (جلداول)، لاہور: مرکزی اُردو بورڈ، ۱۹۷۷ء، ص ۲۸۔۱۲۷

۳۔ The Oxford English Dictionary, Vol III, Oxford at the Clarendon Press, 1978, P 312

۴۔ Encyclopedia Americana U.S.A 1986, P 610

۵۔ Encyclopedia Britanica U.S.A. 1973, P 752

۶۔بختیار حسین صدیقی، دیباچہ: فلسفۂ اخلاق (چند مغربی مفکرین کے نظریات) ڈاکٹرا بصار احمد، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص ۱۱، ۱۰

۷۔ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، اخلاقیات ایرانی ادبیات میں، ص ۸۷

۸۔ Encyclopedia of Ethics and Religion, P 496.

۹۔فرقوھار بحوالہ: تعارفِ مذاہب عالم (تقابلِ ادیان)، ایس۔ایم۔شاہد، لاہور: ایورنیو بکس پیلس، ت۔ن، ص ۱۴۱، ۱۴۰

۱۰۔غلام رسول، چودھری، مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ، لاہور: علمی بک ڈپو، ۱۹۷۶ء، ص ۲۱۸

۱۱۔شاہد، ایس۔ایم، تعارفِ مذاہبِ عالم (تقابلِ ادیان)، ص ۱۲۱

۱۲۔عماد الحسن فاروقی، دُنیا کے بڑے مذاہب، لاہور: مکتبہ تعمیرِ انسانیت، ت۔ن، ص ۱۲۹

۱۳۔ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، اخلاقیات ایرانی ادبیات میں، ص ۲۷

۱۴۔ Encyclopedia of Ethics and Religion, P 484

۱۵۔امولیہ رنجن مہاپتر، فلسفۂ مذاہب، ص ۲۰۳

۱۶۔شاہد، ایس۔ایم، تعارفِ مذاہبِ عالم، ص ۱۴۹۔۱۴۸

۱۷۔بابا نانک۔کلامِ نانک، ڈاکٹر جیت سنگھ (مؤلفہ) سری راگ مہلہ گھر ۴، پٹیالہ: بھاشا وبھاگ، ت۔ن، ص ۱۳۹

۱۸۔امولیہ رنجن مہاپتر، فلسفۂ مذاہب، ص ۲۰۲

۱۹۔عمادالحسن فاروقی، دُنیا کے بڑے مذاہب، ص۱۳۔۲۱۲

۲۰۔ظہیراحمد صدیقی، ڈاکٹر، اخلاقیات ایرانی ادبیات میں، ص۷۴

۲۱۔بشیراحمد ڈار، حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق، مرتب: بشیراحمد ڈار، ص ۱۲۷

۲۲۔ظہیراحمد صدیقی، ڈاکٹر، اخلاقیات ایرانی ادبیات میں، ص۷۵

۲۳۔محمد جواد مشکور، بحوالہ: خلاصۂ ادیان بحوالہ اخلاقیات ایرانی ادبیات میں، مؤلف: ڈاکٹر ظہیراحمد صدیقی، ص ۶۸

۲۴۔ Encyclopedia of Ethics and Religion, P 499

۲۵۔گھئی، او۔پی، اخلاقیات مذاہبِ عالم کی نظر میں، ص۳۱۔۳۰

۲۶۔ایضاً، ص۳۲

۲۷۔امولیہ رنجن۔مہاپتر، فلسفۂ مذاہب، ص ۱۷۶

۲۸۔ظہیراحمد صدیقی، ڈاکٹر، اخلاقیات ایرانی ادبیات میں، ص۸۰۔۷۹

۲۹۔ Encyclopedia of Ethics and Religion, P 469

۳۰۔متی در انجیل مقدس۔نیا عہد نامہ، لاہور: برٹش اینڈ فارن سوسائٹی، باب ۵، ص۲۱۰

۳۱۔غلام رسول، چودھری، مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ، ص۴۳۴

۳۲۔قرآن حکیم، سورہ الشّمس، آیت نمبر۱۰۔۹

۳۳۔کنزالاعمال، جلد۲، ص ۵

۳۴۔عمادالحسن فاروقی۔دُنیا کے بڑے مذاہب، ص ۳۳۷

۳۵۔حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا، اخلاق اور فلسفۂ اخلاق، لاہور: خالد مقبول پبلشرز، ۱۹۸۶ء، ص۳۲۱

۳۶۔لیسلی اسٹیفن۔علم الاخلاق، مولوی احسان احمد (مترجم) حیدرآباد: دارالطبع عثمانیہ، ۱۹۳۵ء، ص ۱

۳۷۔محمد سعید، حکیم، رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم، سب سے بڑے انسان، کراچی: ہمدرد فاؤنڈیشن، بار چہارم، ۲۰۱۰ء، ص۲۲۔۲۱

۳۸۔عبدالمصطفٰے اعظمی، شیخ الحدیث، سیرتِ مصطفٰی، کراچی: دارالعلوم امجدیہ، بارسوم، ۱۹۹۶ء، ص۸۳۔۴۶۵

۳۹۔ایضاً،ص ۶۶۔۴۶۵

شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی نے اخلاقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذیل میں ایک لطیف نکتہ آپ کے اسماء مبارکہ اور کنیت کے حوالے سے پیدا کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ عرب کا مشہور مقولہ ہے کہ ''کَثْرَۃُ الاَسْمَاءِ تَدُلُّ عَلیٰ شَرَفِ الْمُسَمّٰی'' یعنی کسی چیز کے ناموں کا بہت زیادہ ہونا اس بات کی دلیل ہوا کرتی ہے کہ وہ چیز عزوشرف والی ہے،حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ خلاقِ عالم جل جلالہ نے اس قدر اعزاز واکرام اور عزت وشرف سے سرفراز فرمایا ہے کہ آپ امام النبین ،سید المرسلیں،محبوب رب العلمین ہیں۔اس لیے آپ کے اسماء مبارکہ اور القاب بہت زیادہ ہیں۔اس ضمن میں انہوں نے بخاری خریف (جلد ۱،ص ۵۰۱) سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔میں ''محمد'' و''احمد'' ہوں اور میں ''ماحی'' ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ میرے قدموں پر سب لوگوں کا حشر ہوگا اور ''عاقب'' ہوں (یعنی سب سے آخری نبی)۔اسی طرح آپ کی کنیت کے بارے میں بتایا ہے کہ آپ کی مشہور کنیت ''ابوالقاسم'' ہے۔چنانچہ بہت سی احادیث میں آپ کی یہ کنیت مذکور ہے مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ آپ کی کنیت ''ابوابراہیم'' بھی ہے، چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لفظوں سے سلام کیا کہ ''السلام علیک یا ابا ابراہیم'' یعنی اے ابراہیم کے والد آپ پر سلام (زرمانی، جلد ۲، ص ۱۵۱) (عبدالمصطفیٰ اعظمی، علامہ، سیرتِ مصطفیٰ، کراچی: دارالعلوم امجدیہ، بار سوم، ۱۹۹۶ء، ص ۸۵۔۴۸۳)

۴۰۔طاہر القادری، ڈاکٹر، اسلامی فلسفۂ زندگی ، لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، بارِنہم،۱۹۹۳ء،ص ۳۹

۴۱۔ایضاً،ص ۴۰۔۳۹

۴۲۔افضل حق، چودھری، دینِ اسلام، لاہور: تاج کمپنی، ت۔ن،ص ۱۳۹

۴۳۔قرآن مجید،سورہ احزاب،آیت نمبر ۲۱

۴۴۔گوہر ملیسانی، اخلاقِ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نعت کے آئینے میں،مشمولہ: نعت رنگ، کتابی سلسلہ، کراچی، (مدیر: سید صبیح الدین رحمانی)،شمارہ نمبر ۲۰، اگست ۲۰۰۸ء،ص ۵۳۔۵۲

۴۵۔اسرار احمد سہاوری، فکر و نظر، گوجرانوالہ: فروغ ادب اکادمی، ۱۹۹۱ء، ص۱۰۔۹

۴۶۔حافظ لدھیانوی، آئینہ کرم، فیصل آباد: ادراک پبلی کیشنز، بار اول، ۱۹۹۸ء، ص۱۳۰

۴۷۔حافظ لدھیانوی، مطلع الفجر، لاہور: بیت الادب، بار اول، ۱۹۹۸ء، ص۵۶۔۵۵

۴۸۔ایضاً، ص۶۰

۴۹۔ریاض مجید، سیدنا محمد، فیصل آباد: نعت اکادمی، ۲۰۰۳ء، ص۵۵

۵۰۔افق کاظمی امروہوی، مشمولہ: پاکستان کے نعت گو شعراء، مرتب: سید محمد قاسم، کراچی: ہارون اکیڈمی، ۱۹۹۳ء، ص۹۷

۵۱۔تابش دہلوی، ایضاً، ص۱۰۲

۵۲۔صابر کوثر، ایضاً، ص۲۳۰

۵۳۔سجاد مرزا، متاعِ عقیدت، گوجرانوالہ: فروغِ ادب اکادمی، ۲۰۱۰ء، ص۶۱

۵۴۔محمد افضل فقیر، حافظ، عطائے محمد، لاہور: قاضی پبلی کیشنز، ۱۴۱۲ھ، ص۴۳

۵۵۔ارمان اکبر آبادی، مشمولہ: پاکستان کے نعت گو شعراء، جلد اول، مرتب: سید محمد قاسم، کراچی: ہارون اکیڈمی، ۱۹۹۳ء، ص۶۵

۵۶۔شوکت ہاشمی، شاخِ نور، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، بار اول، ۱۹۹۴ء، ص۱۲۹

۵۷۔صبیح رحمانی، سید،

۵۸۔خالد شفیق، عالم افروز، لاہور: مجلسِ اردو، ۱۹۹۶ء، ص۱۲۱

۵۹۔خاکی، عزیز الدین، آئینہ صل علیٰ، کراچی: تنظیم استحکامِ نعت، ۲۰۱۱ء، ص۴۱

۶۰۔ایضاً، ص۶۷

۶۱۔ممتاز گورمانی، مشمولہ: فروغ نعت، سہ ماہی، اٹک، (مدیر: سید شاکر القادری چشتی نظامی)، شمارہ اول، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۳ء، ص۳۲

۶۲۔آصف بشیر چشتی، خلدِ نعت، فیصل آباد: اکائی پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص۹۲

۶۳۔خالد، عبدالعزیز، مشمولہ: پاکستان کے نعت گو شعراء، جلد اول، مرتب: سید محمد قاسم، ص۲۶۴

۶۴۔ماہر القادری، ایضاً،ص ۳۰۹

۶۵۔حافظ مظہر الدین،کلیاتِ مظہر،مرتبہ: ارسلان احمد ارسل، لاہور: ارفع پبلشرز، ۲۰۱۱ء،ص ۵۵۹

۶۶۔ایضاً،ص ۵۶۱

۶۷۔ایضاً،ص ۵۷۰

۶۸۔منظور علی شیخ، بحوالہ: بہار نعت،ص ۱۹۳

۶۹۔عزیز احسن، شہپر توفیق، مرتبہ: سیّد صبیح الدین رحمانی، کراچی: نعت ریسرچ سینٹر، ۲۰۰۹ء،ص ۳۶

۷۰۔عزیز احسن، کرم ونجات کا سلسلہ، مرتبہ: قمر رعینی، کراچی: اقلیمِ نعت، ۲۰۰۵ء،ص ۸۲

۷۱۔وحید خیال،ص ۲۰۰۶

۷۲۔واجد امیر، اِذن، لاہور: ادراک، ۲۰۱۳ء،ص ۱۱۶

۷۳۔ایضاً،ص ۸۱

۷۴۔جمیل عظیم آبادی، مشمولہ: پاکستان کے نعت گوشعرا، جلد اول،ص ۱۰۹

۷۵۔تاجی، ذہین شاہ، ایضاً،ص ۱۵۸

۷۶۔صابر کاسگنجوی، ایضاً،ص ۲۲۷

۷۷۔ضیا القادری بدایونی، ایضاً،ص ۲۴۱

۷۸۔طالق ہمدانی، ایضاً،ص ۲۴۴

۷۹۔سلیم گیلانی، سیدنا، لاہور: ادارہ ثقافت پاکستان، س ن،ص ۶۵

۸۰۔شوکت ہاشمی، شاخِ نور، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، بار اول، ۱۹۹۴ء،ص ۲۰۰

۸۱۔ستار وارثی، مشمولہ: مدحتِ شاہِ دو عالم، مرتب: محمد زکریا شیخ اشرفی، کراچی: بزمِ وارث، بار دوم، ۲۰۰۲ء،ص ۱۷

۸۲۔رشید وارثی، ایضاً،ص ۵۸

۸۳۔فارانی، سلیم اختر، عودِ گلستانِ رسول، گوجرانوالہ: فروغ ادب اکادمی، ۲۰۰۷ء،ص ۸۹

۸۴۔نعیم صدیقی، نور کی ندیاں رواں، لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی، بار دوم، ۱۹۹۱ء،ص ۳۳

٨٥۔ایضاً،ص ۵۵

٨٦۔ریاض مجید، سیدنا محمد، فیصل آباد: نعت اکادمی، ۲۰۰۳ء، ص ۵۵

٨٧۔ایضاً، ص ٦٨

٨٨۔مظفر وارثی، مشمولہ: بہارِ نعت، مرتب: حفیظ تائب، لاہور: پاکستان رائٹرز گلڈ، بار اول، ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۴

٨٩۔خاکسار، محمد افضل، ایضاً، ص ۱۷۷

۹۰۔نجمی، محمد اقبال، خیراتِ مدحت، گوجرانوالہ: فروغ ادب اکادمی، ۲۰۰۳ء، ص ۵۸

۹۱۔ایضاً، ص ۷۰

۹۲۔ایضاً، ص ۱۱۰

۹۳۔افضال احمد انور، ڈاکٹر، غیر مطبوعہ

۹۴۔اصغر علی بلوچ، ڈاکٹر، غیر مطبوعہ

۹۵۔راغب مراد آبادی، مدحِ رسول، کراچی: فیڈرل بی ایریا، طبع اوّل ۱۹۸۳ء، ص ۱۴۷

۹٦۔طاہر سلطانی، مشمولہ: نعت کی بہاریں، مرتبہ: طاہر حسین طاہر سلطانی، کراچی: حمد و نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۲ء، ص ۵۸۹

۹۷۔سرور حسین نقشبندی، مشمولہ: مدحت، کتابی سلسلہ، لاہور، تحفظِ ناموسِ رسالت نمبر، (مدیر: سرور حسین نقشبندی)، شمارہ ۷، اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۰۷

ڈاکٹر محمد طاہر قریشی۔ کراچی

ملی شاعری میں نعتیہ عناصر ۱۹۶۵ کی جنگ کے تناظر میں

ABSTRACT:

In this article the scholar has presented sentiments of poets with the intention to arouse spirit of Jihad in the hearts of warriors in battle field. Since Islam is complete surrender of one self to complete and pure obedience of the Holy Prophet Muhammad (S.A.W), all poets expressed their love and affection towards Him (S.A.W) and thus the couplets of Epic turned into couplets of devotional poetry. This article reflects upon the spirit of Muslims of Pakistan to show unity at the time of trial. Tow -Nation theory was also revived in the poetry written by various poets during that period, because all of them expressed views being member of Muslim Ummah, and not as Pakistani nationals only.

''جس داعیہ کو ۱۹۴۷ء میں آگ اور خون کے طوفان بھی پوری طرح بروئے کار نہ لا سکے تھے۔ اور جس ملّی احساس کے فقدان کی وجہ سے بہت سے ادیبوں اور شاعروں کی نگاہ میں خطِ تقسیم ایک واجب القبول حقیقت نہ بن سکا تھا، وہ داعیہ اور احساس اب ستمبر ۱۹۶۵ء میں ایک محیط بیکراں بن کر امڈا اور خواص و عوام کے ایک ایک فرد پر چھا گیا''[۱]

نعیم صدیقی کے ان الفاظ میں خاصی صداقت پائی جاتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اپنے ملیّ تشخص کا احساس اور اس کے دفاع کا شعور جتنی شدت سے جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے دوران ہوا ہے، اتنی شدت کے ساتھ اور کہیں اور کبھی نہیں ہوا۔ جہاد شمشیر اور جہاد قلم کا ایسا اجتماع اور ایسا امتزاج پھر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ کا خیال ہے کہ:

> ''بعض دوسرے شاعروں کے لیے احساس کی یہ لہر نئی بھی تھی اور عجیب بھی مگر زمانے کی ضرورتوں اور اس کے تقاضوں نے سبھی کو محسوس کرا دیا کہ ملیّ احساس اور دینی احساس کے مابین نہ ٹوٹنے والے رشتے موجود ہیں۔ اور جو شخص ان رشتوں سے بے نیازی اختیار کرے گا وہ نہ صرف بے خبری کا مجرم ہوگا بلکہ ادائے فرض میں کوتاہی کا بھی مرتکب ہوگا۔ تب سبھی لوگ ہجوم کر کے آ گئے اور یہ کچھ بری بات نہیں ہوئی''۲

اس ہجوم میں کثیر تعداد میں معروف شعراء کے ہم قدم غیر معروف بلکہ نوآموز شعراء بھی شامل تھے جو اپنے جذبۂ ملیّ کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس محفل سخن میں آ گئے تھے۔ یہ اسی ملیّ جذبے کا ثمر تھا کہ چند دنوں میں ہی ہر طرح کی نظموں کی ''ایک کھیپ کی کھیپ تیار ہوگئی جو عام حالات میں شاید برسوں میں بھی تیار نہ ہو سکتی''۔۳ یقیناً ان منظومات میں اکثر کا پایۂ اعتبار شاعری کے لحاظ سے زیادہ بلند نہیں ہے۔ لیکن ''ستمبر ۱۹۶۵ء کے دوران لکھی گئی یہ نظمیں وقت کی آواز تھیں''۔۴ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ''پاکستانی ادب پہلی دفعہ سچے دل سے ان نظموں میں گویا ہوا تھا''۵ کیوں کہ:

> ''ادیبوں اور شاعروں نے پاکستان کے عام باشندوں کے جذبات و احساسات کی تہہ میں کام کرنے والے عوامل کو پہچان لیا۔ اس سے وہ متحدہ قومیت کا تصور سامنے آیا جس کی تلاش و جستجو میں یہ معاشرہ بیس برس سے

سرگرداں تھا۔ قومیت کا وہ تصور جو جغرافیائی حدود سے نکل کر نیکی کی اقدار کی تلاش کشمیر کی وادی میں کرتا ہے، وہ تصور جو عالم اسلام سے اشتراک عمل کی داغ بیل ڈالتا ہے''۔ ٦

جنگ کے خاتمے کے کچھ عرصے بعد سیّارہ ڈائجسٹ (لاہور) کی جانب سے مختلف اہل قلم کو ایک سوال نامہ ارسال کیا گیا تھا جس میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بارے میں مختلف سوالات کیے گئے تھے۔ ۷ پہلا سوال تھا ''کیا آپ کے خیال میں جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء دو قوموں کے دو نظریات کی جنگ نہیں تھی؟''۔ کل چودہ (۱۴) اہل قلم کے جوابات موصول ہوئے ان میں سے مندرجہ ذیل بارہ (۱۲) نے دوٹوک انداز میں اس جنگ کو نظریاتی جنگ قرار دیا۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ماہر القادری، احسان دانش، شورش کاشمیری، رئیس امروہوی، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، شمیم احمد، رازق الخیری، سیّد قاسم محمود، مجید نظامی، نعیم صدیقی اور اے۔ حمید۔ البتہ سیّد محمد تقی نے اس جنگ کو نظریاتی جنگ تسلیم نہیں کیا جب کہ پروفیسر حمید احمد خان نے اس جنگ کے نظریاتی ہونے کا مشروط امکان ظاہر کیا۔ ۸ لہٰذا ڈاکٹر طاہرہ نیّر کا یہ تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے:

''ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ سے متعلق تمام تر شاعری کا اصل رخ نظریاتی ہے۔ کیوں کہ کم و بیش ہر شعری تخلیق میں مذہب سے شیفتگی اور تاریخی افتخار کو ہر احساس پر فوقیت حاصل ہے... اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ جنگ کے دوران اہل پاکستان کے ملّی ورثہ کے طور پر فکری توانائی اور حرکت و عمل کا سامان ثابت ہوئی... ملّی روایات کا شعور اس موقع پر شعراء کے قلب و ذہن کو پوری طرح محیط کیے رہا۔ انھوں نے فخر قومی کے جذبہ سے معمور ایسی ولولہ انگیز نظمیں لکھیں جو مذہبی اقدار اور تاریخی حوالوں کے اعتبار سے قوم کی فکرِ صحیح

کی آئینہ دار تھیں'' [۹]

غور طلب بات یہ ہے کہ اس معرکۂ سخن میں ہر قسم کے نظریات کے حامل شعراء نے حصہ لیا۔ اس میں ترقی پسند بھی تھے اور تحریکِ ادبِ اسلامی کے پرچارک بھی، جدید شاعری کے علم بردار بھی تھے اور قدامت پرست بھی۔ وسیع تر ملّت اسلامیہ کے تصور کے قائل بھی دادِ سخن دے رہے تھے اور محض جغرافیائی حد میں مقیّد وطن پرست بھی اس محفل سخن میں شریک تھے۔ اصل میں ''جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء نے پوری قوم کو ایک نظریے کی پاسبانی کے لیے متّحد کردیا'' [۱۰] اہم بات یہ ہے کہ اکثر شعراء نے اس جنگ کو ''رزم حق و باطل'' سمجھ کر اس میں حصہ لیا۔ یعنی ملّت کا تصور، وطنیت اور قومیت پر غالب آ گیا۔ اور تھوڑی دیر کے لیے لسانی، نسلی اور علاقائی تعصب کے پھندے میں گرفتار پاکستان کے عوام و خواص سائبانِ ملّت کے تلے آ کر ایک ہوگئے اور دوقومی نظریہ ایک بار پھر گوشۂ گمنامی سے نکل کر آیا۔ ساتھ ہی اس بات کی بھی تردید ہوگئی کہ دوقومی نظریہ مسلم لیگ نے ہندوستان کی سیاست میں متعارف کرایا تھا۔ مسلم لیگ نے اس نظریے کو، جو برعظیم پاک و ہند کے بیشتر مسلمانوں کے دلوں میں اور ذہنوں میں کہیں گہرائی میں جاگزیں تھا، محض اجاگر کیا تھا۔ یعنی مسلم لیگ دوقومی نظریے کی خالق نہیں بلکہ اس کی تشہیر کنندہ ہے۔

اس بات کو تقویت جنگ ستمبر سے بھی ملتی ہے کہ اس وقت ماضی کی مسلم لیگ تقسیم بھی ہو چکی تھی اور ساتھ ہی عوام میں اپنا اثر رسوخ بھی کھو بیٹھی تھی اور قریب قریب عضوِ معطل بن چکی تھی۔ اور اس پوزیشن میں قطعی نہیں تھی کہ وہ عوام میں کسی بھی قسم کی ہلچل پیدا کر سکے۔ اس کے باوجود یہ عوام اور خواص کا اپنا ملّی احساس تھا جو اس وقت بروئے کار آیا اور انھوں نے کسی خارجی تحریک کے زیر اثر نہیں بلکہ اپنے اندر کی آواز پر لبیک کہا اور معرکۂ حق و باطل سمجھ کر اس میں کود پڑے۔

پاکستان کی عسکری کامیابیوں سے قطع نظر اس جنگ کا حاصل اصل میں وہ اتحاد، وہ یکجہتی تھی جو پورے

پاکستان میں نمایاں طور پر دکھائی دی اور اتنے بڑے پیمانے پر پھر کبھی نظر نہ آئی۔ صرف افواج پاکستان ہی نہیں عوام بھی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکا جب افواج اور عوام دونوں ایک خدا اور ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نظریے کے تحت ملّت واحدہ کے روپ میں اکٹھے ہوئے اور دنیا کو دکھا دیا کہ مسلمان مکروہات دنیوی میں کتنا ہی گرفتار ہو اور وطنیت اور قومیت کے بظاہر خوش کن اور درحقیقت تباہ کن نظریات کا عارضی طور پر کتنا ہی اسیر ہو، وقت آنے پر ان تمام بتوں سے اپنی جان چھڑا کر ایک امّت مسلمہ کے وسیع و عریض دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اگرچہ زمینی حقائق یہ بھی بتاتے ہیں کہ ایسا صرف دورِ ابتلا میں ہوتا ہے۔ جونہی یہ دور ختم ہوتا ہے باطل کی قوتیں پھر اسے اپنے جال میں پھنسا لیتی ہیں۔

بہرحال، جنگ ستمبر بھی ایسا ہی ایک دور ابتلا تھا، جس میں پاکستانی قوم ملّت اسلامیہ میں تبدیل ہو گئی تھی۔ پرچم پاکستان اب پرچم پاکستان نہیں رہا تھا، پرچم اسلام بن گیا تھا۔ سرفروشانِ وطن درحقیقت سرفروشانِ ملّت و مذہب کی حیثیت سے سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے۔ فاتح کو غازی اور مقتول کو شہید، ان الفاظ کے لغوی معنوں کے لحاظ سے نہیں بلکہ دینی اصطلاح کے طور پر کہا جا رہا تھا۔ شعراء کی جانب سے ان مقدس اصطلاحات کے شاید ہی کوئی اور معنی لیے گئے ہوں۔

زیرِ نظر باب بنیادی طور پر جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء سے متعلق ہے۔ اس میں مختلف عنوانات کے تحت اس دور کی ملّی شاعری سے ایسی نظیریں پیش کی گئی ہیں جن میں محبوب ربّ المشرقین و ربّ المغربین، صاحب قاب قوسین، سیّد الثقلین محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تذکرۂ مبارک سے شاعر اور ملّی شاعری دونوں نے اپنی وقعت میں اضافہ کیا ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ دور میں اتنی زیادہ مقدار میں ملّی شاعری کی گئی ہے کہ تمام احاطہ تو ایک طرف اس کا شمار بھی ممکن نہیں ہے۔ ''جنگ ترنگ'' کے مرتّبین کا اندازہ ہے کہ جنگ کے دوران تقریباً دو ہزار

(۲۰۰۰) نظمیں صرف اردو میں لکھی گئیں۔ [۱۱] اگرچہ تعداد اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ''ایک مختصر سے عرصے میں اتنی منظومات کی تخلیق بجائے خود حیرت انگیز ہے'' [۱۲] شعری مجموعوں میں، رسائل و جرائد میں، اخبارات میں، ریڈیو کی نشریات میں، چھوٹے چھوٹے کتابچوں میں اور ''جنگ ترنگ'' اور ''جاگ رہا ہے پاکستان'' جیسے ضخیم مجموعوں میں، جن کے حوالے اس باب میں کثرت سے دیے گئے ہیں، ملّی موضوعات پر منظومات کا انبار ہے جن میں سے چیدہ چیدہ مثالیں لی گئی ہیں۔ اور بغرض اختصار کوشش کی گئی ہے کہ صرف نعتیہ عناصر کے حامل اشعار اور بند ہی لیے جائیں۔ اس سے ملحق یا اس سے متعلق اشعار اور بند سے صرفِ نظر کیا جائے۔ اگرچہ ایسا ہر جگہ ممکن نہیں ہو سکا ہے۔ اس کے علاوہ اس باب میں چوں کہ ذیلی ابواب کی ترتیب شعراء کے بجائے عنوانات کو پیش نظر رکھ کر کی گئی ہے اس لیے ان سے متعلق اشعار کے اندراج میں معروف اور غیر معروف شعراء کے درمیان بالعموم امتیاز روا نہیں رکھا گیا ہے۔ ایسی کئی مثالیں اگلے صفحات میں نظر آئیں گی جہاں ایک معروف شاعر کے ساتھ کسی غیر معروف یا بالکل نو آموز شاعر کا کلام بھی درج ہوگا۔

(الف) شعراء کا ملّی شعور:

چھے ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ محض دو ملکوں کے درمیان جنگ نہ تھی بلکہ یہ دو نظریوں کے درمیان معرکہ آرائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قریب قریب تمام شعراء نے اس جنگ کو دو جغرافیائی خطوں کے مابین محاذ آرائی نہیں سمجھا بلکہ اسے کفر اور اسلام کی جنگ کے طور پر دیکھا ہے۔ اور اپنی شاعری میں اس بات کا اظہار شدّ و مد سے کیا بھی ہے۔ گویا دفاعِ ملّت کے لیے جہاں سرفروشانِ ملّت عسکری محاذوں پر برائے کار تھے وہاں اسی مقصدِ عظیم کے لیے شعرائے ملّت بھی قلمی محاذ پر مستعد کارزار نظر آئے۔ ان کی شعری تخلیقات کا تمام تر نہ سہی لیکن غالب ترین حصہ دفاعِ وطن سے زیادہ دفاعِ ملّت کی عکاسی کرتا ہے۔ اکثر مقامات پر ان شاعروں نے وطن کو ملّت اسلامیہ کے ایک جزو کی حیثیت سے موضوع

سخن بنایا ہے۔ اور وطن پر جارحیت کو ملّت محمدیہ علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم پر جارحیت کے مترادف گردانا ہے۔

مختلف شعراء کے منتخب اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ جو اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ شاعروں کی کثیر تعداد اس جنگ کو ملّت کی جنگ سمجھتی ہے اور اسی باعث وہ ملّت کے فرزندوں سے ملّت بیضا کے تحفظ کی توقع رکھتی ہے۔

شورش کاشمیری، نظم ''الجہاد و الجہاد و الجہاد'' میں فرزندانِ ملّت کو آخری سانس تک لڑنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

موت کا پیغام بن کر دشمنوں پر جا پڑو ملّت بیضا کے بیٹو آخری دم تک لڑو

الجہاد و الجہاد ۱۳

شورش، ایک اور نظم ''ہم اٹھے ہیں'' میں بھی اسی خیال کا اظہار کرتے ہیں:

آج پھر ملّت بیضا کے علم اٹھے ہیں آج پھر ایبک و بابر کے قدم اٹھے ہیں ۱۴

رئیس امروہوی اپنی نظم ''جوہر کھلے'' میں سپاہ ارجمند کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

اللہ اللہ اے سپاہِ ارجمند! تیرے دم سے تیری ملّت فتح مند ۱۵

ایک اور نظم ''پاک فضائیہ'' میں رئیس اپنے طیاروں تک کو ملک و ملّت کا سہارا کہتے دکھائی دیتے ہیں:

بنے ہیں ملک و ملّت کے سہارے فلک پرواز طیارے ہمارے ۱۶

حافظ لدھیانوی ''یہ سرگودھا ہے'' میں شہر سرگودھا کو ملّت کے حوالے سے دیکھتے ہیں:

یہ سرگودھا ہے شاہینوں کا مسکن یہ سرگودھا عقابوں کا ہے مسکن

چراغ ملک و ملّت اس سے روشن

تمھیں سے رونقِ بزمِ چمن ہے　　　درخشاں تم سے ملّت کا چلن ہے

تمھیں سے آبروئے جان تن ہے ۱۷

ایک اور نظم ''پاکستانی ہواباز'' میں بھی حافظ لدھیانوی اس کی تحسین ملّت کے وسیلے سے کرتے ہیں:

ہیں ترے پاؤں کے نیچے وادیاں اور کوہسار　　　بڑھ گیا ہے آج تجھ سے ملک و ملّت کا وقار

زندہ باد! اے نازِ ملّت! اے ہوا بازِ وطن　　　ہے وقار ملک و ملّت تجھ سے شہبازِ وطن ۱۸

''اے ارض سیالکوٹ'' میں طاہر شادانی سیالکوٹ کے خطے کو مخاطب کر کے ملّت پاکستان کی جانب سے سلام پیش کرتے ہیں:

رکھ لی ہے تو نے ہمت مرداں کی آبرو　　　ملّت کو تو نے فتح و ظفر کا دیا پیام

اے ارضِ سیالکوٹ! تری خاک کو سلام ۱۹

ایک اور نظم ''مجاہد سے خطاب'' میں بھی طاہر شادانی نے مجاہد کو پاسبانِ امّت خیرالوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہہ کر مخاطب کیا ہے:

تیرے دم سے قصرِ ملّت کی بِنا ہے استوار　　　تیری تیغ خوں چکاں پر امن عالم کا مدار

اے کہ تو ہے پاسبانِ امّتِ خیرالوریٰ　　　تیرا جذبِ دل ہے وارث عظمتِ شبّیرؓ کا ۲۰

''غازیان پاک'' میں محسن بھوپالی پاک وطن کے غازیوں کو ''نازش ملّت'' کا خطاب دیتے ہیں:

اے فخر قوم و نازش ملّت! بڑھے چلو　　　بے خوف زیر سایۂ رحمت، بڑھے چلو

اور اس معرکے کو وہ بجا طور پر جہاد کا نام دیتے ہیں:

بجھنے نہ پائے مشعلِ تنظیم و اتحاد　　　اے غازیانِ پاک! مبارک ہے یہ جہاد ۲۱

قمر صدیقی بھی ''پاک فوج کے جیالوں کے نام'' میں وطن کے پاسبانوں کو ملّت بیضا کے تابندہ

ستارے کہہ کر پکارتے ہیں:

اے وطن کے پاسبانو! قوم کی عظمت ہو تم　　ملک و ملّت کے لیے سرمایۂ رفعت ہو تم

ملّت بیضا کے تابندہ ستارے ہو تمھیں　　ناز ہے جن پر ہمیں ایسے سہارے ہو تمھیں ۲۲

ساغر صدیقی نظم ''کشمیر جانے والے'' میں مجاہد کو تسلی دیتے ہیں کہ اس ملک اور ملّت کو اس کی بہادری پر ناز ہے:

یہ ملک اور ملّت کرتے ہیں ناز تجھ پر　　اے پیکر شہادت! کرتے ہیں ناز تجھ پر

اے مر کے جینے والے! تیرا خدا نگہباں ۲۳

''اے پاک مجاہد'' میں سیّد قاسم نوری پاک مجاہد کو مجاہد وطن نہیں بلکہ ملّت اسلام کی تقدیر کا سہارا کہتے ہیں:

ایثار ترا پیکر ملّت کا سہارا　　اسلام کے پرچم کو سدا تو نے ابھارا

تو ملّت اسلام کی تقدیر کا سہارا　　میدان عمل کا ہے تو بے مثل مجاہد

اے پاک مجاہد! اے پاک مجاہد ۲۴

صدیق افغانی ''ہوشیار، اہل وطن!'' میں اہل وطن کو خبردار کر رہے ہیں کہ وطن نہیں بلکہ ملک و ملّت خطرے میں ہے:

ملک وملّت اک نئے خطرے سے اب دوچار ہے　　ہوشیار! اہل وطن، اہل وطن، اہل وطن ۲۵

''اے ملّت کے جواں سپوتو!'' کا عنوان ہی ظاہر کرتا ہے کہ شاعر یوسف جمال انصاری وطن کے نہیں ملّت کے سپوتوں سے مخاطب ہیں:

اے ملّت کے جواں سپوتو! تم کو وطن نے پکارا ہے　　پاکستان کے تم ہو نگہباں، پاکستان تمھارا ہے ۲۶

''بہن کی دعائیں'' میں عاصی کرنالی نے ایسی بہن کے جذبات پیش کیے ہیں۔ جو اپنے بھائی کو محاذ جنگ پر رخصت کرتے وقت خالدؓ و طارقؒ کی روایات پر چلنے کی تلقین کرتی ہے۔ اور اسے ملّت کے نگہبان کا خطاب دیتی ہے:

ملّت کے نگہبان! خدا تیرا نگہباں دم تجھ پہ کیا کرتی ہوں پڑھ پڑھ کے میں قرآں
۲۷

طفیل ہوشیار پوری ''پیام زندگی'' میں اپنے جاں بازوں کو نصیحت کرتے ہیں:

امّتِ مرحوم کی خاطر، مثال پنجتنؑ ظلم کی چھاؤں میں تلواروں کی جھنکاروں سے کھیل ۲۸

انور شعور کی نظم ''نغمہ'' کے ٹیپ کے شعر سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کے نزدیک یہ معرکہ، معرکۂ ملک وملّت ہے:

ملک و ملّت پہ کبھی حرف نہ آنے دیں گے جان دے دیں گے مگر آن نہ جانے دیں گے ۲۹

ماہر القادری ''شہیدوں کے لہو'' میں وطن کے جاں باز سپاہیوں کو ''غازیان ملّت بیضا'' کا خطاب دیتے ہیں:

جدھر سے غازیان ملّتِ بیضا گزرتے ہیں وہاں کی کنکری بھی گوہر خوش آب ہوتی ہے ۳۰

ایک اور نظم ''شرارے'' میں بھی ماہر القادری اپنے ہر فوجی، ہر غازی اور ہر مجاہد کو ''محافظ ملّت'' کے عنوان سے سلام عقیدت پیش کرتے ہیں:

اپنے ہر فوجی کو، غازی کو، مجاہد کو سلام ہے جو ملّت کا محافظ اور وطن کی آبرو ۳۱

مندرجہ بالا سطور میں پیش کی گئی مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے شاعروں نے جنگ ستمبر کو ملّت کے تناظر میں دیکھا اور محسوس کیا ہے۔ اور دفاع وطن کو دفاع ملّت میں منقلب کردیا ہے۔ اسی لیے

ان کے ہاں سرفروشانِ اسلام عمر، علی، خالد، حمزہ، حسین رضی اللہ عنہم اور محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان وغیرہم کے حوالے کثرت سے آتے ہیں۔ جو بذات خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس جنگ کو شعراء نے حق و باطل اور کفر و اسلام کی جنگ کی حیثیت دی ہے اور وطن کو بیشتر مقامات پر ایک مخصوص خطے میں محدود قطعہ ارضی کے طور پر نہیں بلکہ امّت مسلمہ کے ایک جزو کے طور پر لیا ہے۔

(ب) مجاہدین اور شہداء کوخراج تحسین بحوالۂ سیّد المرسلینصلی الله علیه وآلہٖ و سلم :

جہاد اسلامی نظریۂ حیات کا ایک اہم جزو ہے۔ بے شمار قرآنی آیات اور احادیث جہاد کی ترغیب اور اس کی فضیلت میں ملتی ہیں۔ جن میں غازیوں اور شہیدوں کے لیے اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مومن کا مطلوب و مقصود صرف شہادت ہوتا ہے مال غنیمت اور کشور کشائی نہیں۔ ایسے مجاہدین اور شہداء کو خراج عقیدت پیش کرنے میں شعراء نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ جنگ ستمبر کی شاعری میں ایسی مثالیں بھری پڑی ہیں جن میں شاعروں نے ان مجاہدوں اور شہیدوں پر ان کے آقا و مولا، ملجا و ماویٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالۂ جلیلہ سے گل ہائے تحسین نچھاور کیے ہیں۔ کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

''اقدام'' میں نعیم صدیقی نے سوئے میداں رواں غازیوں کو شمع نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پروانے قرار دیا ہے:

یہ شمع نبیؐ کے پروانے زندہ یہ وفا کے افسانے
یہ دیوانے، یہ مستانے غازی سوئے میداں جاتے ہیں ۳۲

شورش کاشمیری ''چھے ستمبر'' میں فدایانِ خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سلام عقیدت پیش کرتے

ہوئے کہتے ہیں:

غلامان آلِ نبیؐ زندہ باد   فدایانِ خیرالوریٰؐ کو سلام ۳۳؎

ایک اور نظم ''مشرقی پاکستان کو سلام'' میں ہدیۂ سلام مشرقی بنگال کے ان آتش بجانوں کو پیش کیا گیا ہے جن کے سینوں میں پیغامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشنی ہے:

یہ دلاور سر زمین پاک کے دمساز ہیں   ان کے سینوں میں دھڑکتا ہے محمدؐ کا پیام

مشرقی بنگال کے آتش بجانوں کو سلام ۳۴؎

نظم ''میرا قلم بھی جنگ میں تلوار ہو گیا'' میں شورش نے مجاہدین کو بادہ کشان عشق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں شمار کیا ہے:

جوش جہاد، خواجہ کونینؐ کے طفیل   اقبال کے وطن کا نگہ دار ہو گیا

بادہ کشانِ عشق پیمبرؐ نکل پڑے   اس صف میں جو بھی آ گیا سرشار ہو گیا ۳۵؎

''پاک فوج کے جواں'' میں شورش خوش خبری سناتے ہیں:

سلام ان پر ملائک نے خبر دی ہے مجھے شورشؔ   کہ خوش ہے خواجۂ بطحاؐ کے صدقے میں خدا ان سے ۳۶؎

جہاد باللسان کے محاذ پر طفیل ہوشیار پوری بھی نمایاں ہیں۔ ۳۷؎ ناموس ملّت پر جان نچھاور کرنے والے شہید کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے طفیل اپنی نظم ''اے شہید وطن'' میں کہتے ہیں:

اے شہیدِ وطن، دین کے حسن، ایمان کے بانکپن   اے شہید وطن

اے پرستار حق، عاشق مصطفیٰؐ   تیرا کردار ہے فیض حسنینؓ کا

تیرا مسکن ہے جنت کا دلکش چمن   اے شہید وطن ۳۸؎

طفیل بنگالی مجاہدوں کو ہدیۂ تہنیت پیش کرتے ہوئے نظم ''پاک بنگال کے نوجواں مرحبا'' میں ان کے

سر پر سایۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قائم و دائم رہنے کی دعا کرتے ہیں:

تیرے سر پر رہے سایۂ مصطفیٰؐ پاک بنگال کے نوجواں مرحبا!

پاک بنگال کے نوجواں مرحبا! ۳۹؎

ماہنامہ ''ساقی'' (کراچی) میں شائع ہونے والی عبدالعزیز خالد کی نظم ''مژدہ فتح مبیں'' میں شاعر پاکستان کے جیالے فرزندوں کو جاں نثارانِ رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ناموس محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امین کے القابات سے نوازتا ہے:

جاں نثارانِ رسولِ ہاشمیؐ نام و ناموس محمدؐ کے امیں

خالدؓ و طارقؒ کے پائندہ نشاں خاتم حمزہ کے تابندہ نگیں

قرۃ العین نبیؐ مَلحَمہ یہ جنود رحمت للعالمیںؐ

یہ سراج الدولہ و ٹیپو کی فوج فخرِ قوم و فخرِ ملّت، فخرِ دیں ۴۰؎

''پاکستانی عساکر کے حضور'' میں احسان دانش سرفروشانِ ملک و ملّت کی شان میں دادِ سخن یوں دیتے ہیں:

تم مرد میداں، تم جانِ لشکر آئین دیں ہیں سب تم کو ازبر

احکام باری، قولِ پیمبرؐ اللہ اکبر، اللہ اکبر

روحِ شجاعت، فخر وغا ہو جان وفا ہو، صدق و صفا ہو

رکھتے ہو دل میں سوزِ پیمبرؐ اللہ اکبر، اللہ اکبر ۴۱؎

''افواج پاکستان سے'' میں احسان دانش افواج کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رکھتے ہو تم یقین خدا پر، رسولؐ پر　　زخم دل و جگر کی دوا ہے تمھارے ساتھ

شاہوں کے تخت و تاج تو ہیں راستے کی دھول　　ذاتِ رسولؐ و ذاتِ خدا ہے تمھارے ساتھ ۴۲؎

ادا جعفری ''خاک وطن کو سلام'' میں سلام عقیدت ان جاں بازوں اور شمع ہدیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پروانوں کو پیش کرتی ہیں جو محض رضائے حق کے لیے سوئے کارزار بڑھے ہیں:

رضائے حق کے لیے سوئے کارزار بڑھے　　یقین و عزم کی راہوں کے شہسوار بڑھے

مثال شمع ہیں، شمع ہدیٰؐ کے پروانے　　خدا کے حکم پہ دوڑے خدا کے دیوانے ۴۳؎

سرفروشان ملّت کو سلام شوق کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے امید فاضلی اپنی نظم ''عقاب'' میں ماضی کے سرفروشانِ ملّت کے حوالے سے کہتے ہیں:

یہ نشان عزمِ طارق، ضرب قاسم کی مثال　　قوّتِ بازوئے خالدؓ، سیف ربِّ ذوالجلال

یہ غلامانِ محمدؐ، دین حق کے یہ ہلال　　ارض پاکستان تیرے ان ہلالوں کو سلام

اے وطن! اے جان من! تیرے جیالوں کو سلام ۴۴؎

پرواز جالندھری ''نعرۂ حیدریؓ'' لگاتے ہوئے شہیدانِ ملک و ملّت کو نذرانۂ عقیدت اس طرح پیش کرتے ہیں:

دینِ احمدؐ کی عظمت کی خاطر مٹے　　شوکت ملک و ملّت کی خاطر مٹے

مٹنے والے، صداقت کی خاطر مٹے　　یوں مٹے پاگئے جاوداں زندگی

یا علیؓ! یا علیؓ! یا علیؓ! یا علیؓ! ۴۵؎

محمد صفدر سیالکوٹی کی نظم کا عنوان بھی ''نظم'' ہے۔ جس کے آخری شعر میں شہداء کے مرتبۂ بلند کی نشان دہی کرتے ہوئے صحیح کہا ہے کہ:

کام آئے گا جو اس جنگِ حق و باطل میں　　وہ جگہ پائے گا جنت میں محمدؐ کے قریں ۴۶؎

حفیظ تائب ''ہزارہا سلام غازیو'' میں غازیانِ ملک وملّت کو سلام عقیدت کے نذرانے پیش کرتے ہیں:

پیامِ سیدالبشرؐ کے دہر میں امین ہو　　وقار قوم، ناز ملک، افتخار دین ہو

ابوعبیدہؓ، خالدؓ و عمرؓ کے جانشین ہو　　علم بدست، حق پرست، نیک نام غازیو!

تمھارے عزم پر ہزارہا سلام غازیو!

خدائے ذوالجلال کا کرم تمھارے ساتھ ہے　　نبیؐ کی چشم لطف دم بدم تمھارے ساتھ ہے

عرب تمھارے ساتھ ہے، عجم تمھارے ساتھ ہے　　تمھارے ہاتھ میں ہے وقت کی زمام غازیو!

تمھارے عزم پر ہزارہا سلام غازیو! ۴۷؎

شہرت بخاری کے نزدیک غازیوں کو عشق محمد صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکی بدولت زندگی نصیب ہوتی ہے۔ نظم ''شب خون'' میں اسی خیال کو نظم کیا گیا ہے:

یا رب یہ غازی تیرے پراسرار آدمی　　ملتی ہے جن کو عشقِ محمدؐ سے زندگی

ہر شمع کو ملی اسی سورج سے روشنی　　مہکی اسی صبا سے گلستاں کی ہر کلی ۴۸؎

نشان حیدر میجر عزیز بھٹی شہید کے لیے گل ہائے عقیدت بزبان شعر پیش کرتے ہوئے سیّد وحید الحسن ہاشمی اپنی نظم ''مجاہد (میجر عزیز بھٹی کے لیے)'' میں شہید موصوف کو عاشق دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم قرار دیتے ہیں:

اے جاں نثارِ عاشقِ دیدارِ مصطفیؐ　　اے جاں سپارِ نوکرِ سرکارِ مصطفیؐ

اے سرفروشِ خادمِ دربارِ مصطفیٰؐ		اے نازِ بزمِ لشکرِ جرّارِ مصطفیٰؐ

سینچا لہو سے تو نے ریاض رسولؐ کو

خلد بریں ترستا ہے تیرے نزول کو ۴۹؎

محمود رضوی بھی ''خراج عقیدت (میجر عزیز بھٹی شہید کے لیے)'' میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالۂ مبارک سے کہتے ہیں:

ترے مقام کی رفعت جوارِ رحمت ہو		حضور سرور عالمؐ ہوں تجھ پہ سایہ فگن ۵۰؎

اکبر لاہوری بھی اپنی نظم ''میجر عزیز بھٹی شہید (نشان حیدر)'' میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

سجا کے نکلا وہ جب خلوت شہادت کو		ملی بقا کی سند مسندِ پیمبرؐ سے

یہاں بھی نام اسی کا رہا سرفہرست		سند ملی تھی جسے بارگاہِ سرورؐ سے ۵۱؎

ایم۔عبداللہ ظفر ''نغمۂ ندیم شہید'' میں شہیدِ امّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے جنت کے طلب گار ہیں:

امّتِ نبویؐ کی خاطر دینے والے سر، تجھے		روزِ محشر کو عطا جنّت کرے ربّ کریم ۵۲؎

اختر محمود نظم ''شہیدوں کے نام'' میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے شیروں کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں:

اے مصطفیٰؐ کے شیر دلاور تمھیں سلام		اے بحر زندگی کے شناور تمھیں سلام

اے عزم کے وقار کے پیکر تمھیں سلام		اے رہ شناسِ سبطِ پیمبرؐ تمھیں سلام

ملّت کے تم ہو ماہِ منوّر تمھیں سلام		کہتے ہیں آج یہ مہ و اختر تمھیں سلام ۵۳؎

حاجی احمد حسین احمد بدایونی بھی ''سلام عقیدت'' مجاہدین قوم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے ہیں:

رحمت خدا کی تم پہ ہے سایہ کیے ہوئے — آغوش مصطفیٰؐ کی ہے تم کو لیے ہوئے

رکھو خدا کو یاد محمدؐ کا نام لو — اے قوم کے مجاہدو! میرا سلام لو

آگے بڑھو خدا کی مدد ہے تمھارے ساتھ — محبوبؐ ہیں خدا کے حسینؓ و علیؓ ہیں ساتھ

پرچم کو اپنے ہاتھ سے مضبوط تھام لو — اے قوم کے مجاہدو! میرا سلام لو ۵۴؎

شعلہ بجنوری ''مادر وطن کے جاں بازوں کو سلام'' میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام لیواؤں کو سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں:

سلام ان پر رسول پاکؐ کے جو نام لیوا ہیں — سلام ان پر جو اصحابِ نبیؐ کے والہ شیدا ہیں ۵۵؎

''معرکۂ چھمب و جوڑیاں'' رحمان کیانی کی مسدس کی ہیئت میں طویل نظم ہے جس میں انھوں نے اس معرکے کی روداد بیان کی ہے۔ اور اپنے دلاوروں کی تعریف و تحسین کے لیے ذکرِ نبیِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سہارا لیا ہے:

توپیں بھی چند، ٹینک بھی کچھ ہمسفر لیے — سامانِ جنگ اور بہت معتبر لیے

یعنی خدا کی تیغ، نبیؐ کی سپر لیے — باندھے کفن سروں سے، ہتھیلی پہ سر لیے

کہنے کو سو پچاس تھے لیکن ہزار سے

لڑنے کو بڑھ رہے تھے یمین و یسار سے

سر پر لوائے پاک نشانِ ظفر لیے — سبز و سپید پرچم نجم و قمر لیے

یعنی دعائے حضرتِ خیرالبشرؐ لیے — یا تیرگیٔ شب میں چراغِ سفر لیے

سنگین آبدار کے پھل چومتے ہوئے

پہنچے نئی سحر کی طرح جھومتے ہوئے

ایسے یقیں نہ آئے تو پیرانِ خانقاہ مع خرقہ و کلاہ و مریدانِ بارگاہ

اک دن ہمارے ساتھ چلو سوئے رزم گاہ تم کو دکھائیں طرفہ تماشہ خدا گواہ

دیتے ہیں کیسے جان کٹاتے ہیں کیسے سر

پڑھتے ہوئے درود محمدؐ کے نام پر ۵۶؎

انھی کی ایک اور نظم ''اور جب پرچم ملا'' ہے جو پاک فضائیہ کو قومی پرچم کا اعزاز دیے جانے پر لکھی گئی تھی۔ اس کے ایک بند میں جاں نثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تحسین میں وہ کہتے ہیں:

توپ و تفنگ و دشنہ و خنجر صلیب و دار ڈرتے نہیں کسی سے محمدؐ کے جاں نثار

ماں ہے ہماری امِّ عمارہ سی ذی وقار ہم ہیں ابو دجانہؓ و طلحہؓ کی یادگار

ہاں مفتی و فقیہہ نہیں مان لیتے ہیں

ناموسِ مصطفیٰؐ پہ مگر جان دیتے ہیں ۵۷؎

محمد ضیاء مسرور ضیاء ''مجاہد بڑھ رہے ہیں فاتحانہ'' میں دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محافظوں کی شجاعت کے بیان میں کہتے ہیں:

محافظ ہیں یہ دین مصطفیٰؐ کے یہ دنیا میں سپاہی ہیں خدا کے

غضب کے حوصلے جذبے بلا کے ڈرائے گی انھیں کیا موت آ کے

کہ خود ہے موت بھی ان کا نشانہ

مجاہد بڑھ رہے ہیں فاتحانہ ۵۸ے

''پاک بھارت جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء'' طفیل دارا کی نظم ہے۔ جس میں سرفروشانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٰ و سلم کو بزبانِ شعر کی زبانی خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے:

اے میرے وطن تیرے ہر اک ذرّے کی خاطر مجھ جیسے ہزاروں کا لہو بہتا رہا ہے
مجھ جیسے ہزاروں کا لہو بہتا رہے گا سرشارِ شہادت ہیں محمدؐ کے سپاہی
خیبر ہو کہ لاہور ہو، حیدرؓ ہو کہ بھٹی ہر رنگ میں فاتح ہے محمدؐ کا سپاہی
اے ابنِ علیؓ ہم تری سنّت نہیں بھولے پھر خونِ مسلماں سے ملی حق کی گواہی ۵۹ے

جمیل صدیقی نے ''غازیان پاکستان'' میں پرستان دین مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم اور غازیان کوہ شکن کو سلام کا ہدیہ نذر کیا ہے:

ہاں دینِ مصطفیؐ کے پرستار ہیں یہی ہاں رحمت خدا کے سزا وار ہیں یہی
اہلِ رضا و صاحبِ ایثار ہیں یہی حق تو یہ ہے کہ خلد کے حق دار ہیں یہی
یہ ہیں شجیع لائق تعظیم و احترام
ان غازیانِ کوہ شکن کو مرا سلام ۶۰ے

یہی سلام عقیدت سحر مراد آبادی اپنی نظم ''تاریخ نو کے چاند ستارو'' میں لے کر آئے ہیں:

تاریخ اپنے خوں سے رقم کر رہے ہو تم یوں زندگی میں رنگ بقا بھر رہے ہو تم
اے دینِ مصطفیؐ کے دلارو! تمھیں سلام تاریخ نو کے چاند ستارو! تمھیں سلام ۶۱ے

اثر جلیلی ''جیالے سرفروشوں کے نام'' میں سرفروشانِ ملک وملّت کے درخشندہ عزم کی توصیف بحوالۂ

خالق کونین اور خواجۂ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کرتے ہیں:

بہ فیضِ خالق کونین و خواجۂ کونینؐ تمھارے عزم کا خورشید ہے درخشندہ ۶۲؎

محشر رسول نگری ''غازیان پاکستان کو خراج عقیدت'' میں مجاہدانِ خدا مست کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفقتوں کے سلام سے نوازتے ہیں:

مجاہدانِ خدا مست نے وہ کام کیا زمینِ پاک کو جس نے بلند بام کیا

جہاں میں رسم شہادت کو پھر سے عام کیا وقار امّت مرحوم کا بلند ہوا

نگاہِ دہر میں اسلام ارجمند ہوا نبیؐ کی شفقتیں ان کو سلام کہتی ہیں ۶۳؎

وفا رینالوی ''سرفروشان وطن'' میں وطن کی خاطر جان کی بازی لگانے والوں کو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کا پاسبان قرار دیتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ بھی وطن کو ایک قطعۂ ارضی نہیں بلکہ ملّت محمدیہ علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم کا جغرافیائی حدود میں محصور ایک جزو سمجھتے ہیں:

رحمت للعالمینؐ کے دین کے یہ پاسباں حرمت و تقدیس کعبہ غیرت رحمان ہیں

پھونک ڈالا زعم باطل کے خس وخاشاک کو دین احمدؐ پر خدا کے کس قدر احسان ہیں ۶۴؎

شمع فاروقی ''نگہبان چمن'' میں چمن کو وطن کا استعارہ بناتی ہوئی اس پاک سرزمین کے نگہبانوں کو سلام عقیدت نذر کرتی ہیں:

ہے تیرے ساتھ خدائے بزرگ و برتر بھی ترے جہاد سے خوش ہے دل پیمبرؐ بھی

ہے تجھ میں شور شہادت بھی زور حیدرؓ بھی مرے چمن کے نگہباں تجھے سلام مرا

وطن کی شمع فروزاں تجھے سلام مرا ۶۵؎

''شہیدانِ سرخرو کو سلام'' میں اقبال صفی پوری وطن پاک کے ان شہیدوں کو سلام پیش کرتے ہیں

جنھوں نے نخوت شیطان کا طلسم توڑ دیا۔ ان کے نزدیک ایسے ہی جری اور سرفروش دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی آبرو ہیں:

طلسم نخوت شیطاں جنھوں نے توڑ دیا	رخ تلاطم و طوفاں جنھوں نے موڑ دیا

سلام، دین محمدؐ کی آبرو کو سلام	وطن کے پاک شہیدانِ سرخرو کو سلام ٦٦؎

ش۔ ضحیٰ ''جوئے خونِ شہید'' میں اپنے لہو سے وضو کرنے والے شہداء کو نذرانۂ محبت وعقیدت اس طرح پیش کرتے ہیں:

فضا میں مشک، کی عنبر کی، عود کی خوشبو	خوشا یہ وقت کہ ہے رحمتوں کا وقت نزول

زمیں سے عرش تلک ہے درود کی خوشبو	درود ان کا لہو سے کیا جنھوں نے وضو

جو زخم کھا کے یہ بولے کہ میرے پاک رسولؐ	یہی ہے شرط محبت تو ہم کو شرط قبول ٦٧؎

اثر ترابی ''اے شہیدان وطن تم پر سلام'' میں پرچم اسلام کشمیر میں لہرانے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے شہیدان وطن کو گلہائے سلام پیش کرتے ہیں:

پرچم اسلام کھلتا جائے گا	ایک دن کشمیر پر لہرائے گا

عزم رکھتے ہیں محمدؐ کے غلام	اے شہیدانِ وطن تم پر سلام ٦٨؎

وقار انبالوی دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی آبرو بچانے والے احرار کو اپنی نظم ''مرحبا صد مرحبا'' میں یاد کرتے ہیں:

غزوہ بدر و احد سے سرحد لاہور تک	حر بچاتے آئے دین مصطفیؐ کی آبرو ٦٩؎

ایک اور نظم ''غازی کو سلام'' میں روح روانِ ملّت اسلام غازی کو سلام تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سلام اے ننگ و ناموس وطن کے پاسباں غازی　　سلام اے ملّت اسلام کے روح رواں غازی

سلام اے رحمت للعالمینؐ کے پیرو صادق　　سلام اے فاتح خیبرؓ کی قوت کے نشاں غازی ۴۰ے

خلیق قریشی گمنامی میں مرتبۂ شہادت پانے والوں کو اپنی نظم ''گمنام شہیدان وطن کی نذر'' میں شہِ خیرالانام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محبوب کے درجے پر فائز کرتے ہیں:

تم ہو میدان تہوّر میں نشان حیدر　　تم خوشا بخت ہو محبوب شہِ خیرِ انامؐ ۱ے

حفیظ جالندھری ''جہاد کشمیر'' میں سروں پر کفن باندھے ہوئے پیروانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں:

ارض پاکستان کی فوجیں کھڑی ہیں صف بہ صف　　سرحدوں پر ہر طرف سر سے کفن باندھے ہوئے

بحر ہو، برّ ہو، فضا ہو، پیروانِ مصطفیٰؐ　　سب کے سب ایمان سے ہیں جان و تن باندھے ہوئے ۲ے

عبدالحمید عدم نے اپنی نظم ''اندھیرے کی فوج'' میں بالکل درست کہا ہے:

وہ تیغ زن جو نبیؐ کے غلام ہوتے ہیں　　وہ فنِ حرب کے بانکے امام ہوتے ہیں ۳ے

ساقی جاوید ''پھر شیر خدا جاگے'' میں مجاہدوں کی تعریف میں رطب اللسان ہیں:

پھر شیر خدا جاگے پھر وقت جہاد آیا　　پھر آج شہیدوں کا خوں رنگ حنا لایا

پھر سر پہ مجاہد کے دامانِ نبیؐ دیکھا　　ہاتھوں میں سپاہی کے پھر زورِ علیؓ دیکھا ۴ے

علم دین علیم ''مجاہدین پاک افواج سے خطاب'' میں مجاہدین پاکستان کی خصوصیات بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

تم محمد مصطفیٰؐ کے نام لیوا سرفروش　　تم جواں ہمت مجاہد سخت جان و سخت کوش

ملّت اسلام کی تم تیغ جوہر دار ہو　　ارض پاکستان کی تم آہنی دیوار ہو ۵ے

عبدالکریم ثمر ''ہم امین ذوالفقارؓ '' میں ارض پاکستان کی توقیر و عظمت کی خاطر سینہ سپر ہونے والے سرفروشوں کی شان میں کہتے ہیں:

مصطفیؐ کے نام لیوا ہوگئے سینہ سپر ارض پاکستان کی توقیر و عظمت کے لیے ۷۶

''میجر عزیز بھٹی کے نام'' میں سعید وارثی دعائیہ انداز میں کہتے ہیں:

مرے وطن کے دلاور مجاہد ملّت بحسن جذبۂ صدق سعید تجھ پہ سلام

نبیؐ کا تجھ پہ کرم ہو خدا کی رحمت ہو مرے وطن کے بہادر شہید تجھ پہ سلام ۷۷

''اے وادیٔ کشمیر'' میں سیّد محمد جعفری امّت احمدِ مرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاں فروشوں کی توصیف میں فرماتے ہیں:

احمدِ مرسلؐ کی امّت کے بہت سے جاں فروش نعرۂ تکبیر لب پر دل میں آزادی کا جوش

بڑھ رہے ہیں تیغ در کف اور کفن بالائے دوش جانتے ہیں یہ جہاد زندگی کے سخت کوش ۷۸

صہبا اختر فضا کے شہریاروں کو سلام عقیدت ہدیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مرے ابر پارو! سر باد و باراں تمھارے قدم مرے شعلہ کارو! ستاروں پہ درخشاں تمھارے قدم

افق کے نگینو! تمھاری دمک پر شرارے نثار ثریا جبینو! تمھاری جبیں پر ستارے نثار

مرے سر بلندو! تمھارے سروں کو پناہِ رسولؐ مرے حق پسندو! نگہباں تمھاری نگاہِ رسولؐ ۷۹

حافظ مظہر الدین اپنی نظم ''جہاد و جنگ'' میں سرفروشانِ ملک و ملّت کو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیوانے اور فدا کار و طلب گار و خریدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قابل صد فخر القابات سے موسوم کرتے ہیں:

اٹھے ہیں سرورِ کون و مکاںؐ کے دیوانے جہانِ کفر میں ایماں کا نور پھیلانے

شجاعتوں کے امیں، بجلیوں کے افسانے   ہوائے بدر کی پاکیزگی نگاہ میں ہے

حیات جلوہ در آغوش رزم گاہ میں ہے

یہ سرفرش، فدا کار مصطفیٰؐ کے ہیں   یہ جاں نثار طلب گار، مصطفیٰؐ کے ہیں

یہ جان و دل سے خریدار مصطفیٰؐ کے ہیں   انھیں نوازے گی اک روز گفتگوئے رسولؐ

انھی کا حصہ ہے تابندگیٔ روئے رسولؐ ۸۰؎

''کاوش اہل قلم'' میں رشید ساقی خالدؓ و طارقؒ ایسے نوجوانانِ قوم کی شجاعت کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ جو عظمت دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہیں:

عظمتِ دینِ محمدؐ کی حفاظت کے لیے   قوم میں خالدؓ و طارقؒ سے جواں آج بھی ہیں

جن کی تکبیر سے کوہسار میں لرزہ آجائے   اپنے لشکر میں وہ ارباب اذاں آج بھی ہیں ۸۱؎

ظہیر فتح پوری بھی ''یہ کارگہ مردان صفا'' میں میدان کارزار میں مصروفِ کارزار، مردان صفا کو غلامانِ احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سند دیتے ہیں:

یاں ماننے والے صفدرؓ کے   باطل کی صفوں کو چیر گئے

یاں رن میں غلامانِ احمدؐ   بن کر حق کی شمشیر گئے ۸۲؎

نظم ''تم وہ غازی'' میں عبدالعزیز فطرت بھی غازیان اسلام کو خاک راہِ مدینہ اور عاشق شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرار دیتے ہوئے ان کے اوصاف گنواتے ہیں:

تم ہو اسلام کے فرزند، جواں اور بے باک   قوم نازاں ہے کہ تم راہ مدینہ کی ہو خاک

تم وہ ہو، پاؤں پہ جھک جاتے ہیں جن کے افلاک   حق کے پروانے ہو اور عاشق شاہِ لولاکؐ

لے کے وہ نام جو دشمن پہ جھپٹ جاتے ہو

اہل کثرت کی صفیں دم میں الٹ جاتے ہو۸۳؎

عزیز صہبائی کی نظم ''مجاہد'' میں مجاہد کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ مجاہد کو صرف اللہ کا آسرا ہوتا ہے۔ اور اس پر خیرالوریٰ، شمس الضحیٰ، بدرالدجیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خصوصی فیضان ہوتا ہے:

مجاہد کو اللہ کا آسرا ہے　　　مجاہد پہ فیضانِ خیرالوریٰؐ ہے

مجاہد کے دامن میں برق قضا ہے　　　یہ دامن جھٹک دیں تو قہر خدا ہے

مجاہد کا نعرہ ہے اللہ اکبر

لرز اٹھتے ہیں جس سے ایوان قیصر۸۴؎

''اے میرے ہوا باز'' میں منیر کمال برق بلا خیز اور فضا کے راز دانوں کو مجاہد دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعزاز کا سزاوار سمجھتے ہیں:

تو برق بلا خیز کبھی شعلۂ برہم　　　بجھتی رہی دشمن کے گھروں میں شب ماتم

اے دین محمدؐ کے مجاہد تجھے کیا غم　　　مظلوم کی آواز اے میرے ہوا باز! ۸۵؎

سپاہی وہ ہے جس کا بھروسہ خدا پر، تکیہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اور نعرۂ حیدری اس کی زبان پر ہو۔ ''بہادر سپاہی'' میں میاں سلطان احمد موجودی انھی خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

خدا پر بھروسہ، محمدؐ پہ تکیہ　　　زباں پر تری نعرۂ حیدری ہے

یہ شان خدائی بہادر سپاہی ۸۶؎

ریاض ترمذی ''مرے دیس کے مجاہد مرے دیس کے سپاہی'' کے آخری بند میں اپنے دیس کے مجاہد کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہے نبیؐ کی ساتھ نصرت، ہے علیؓ کا سر پہ سایہ جو مقابل ان کے آیا وہ نہ بچ کے جانے پایا

کسی بچے، بوڑھے، عورت پہ کبھی نہ ہاتھ اٹھایا کہ خدا نے ہے بتایا یہ اصول رزم گاہی

مرے دیس کے مجاہد، مرے دیس کے سپاہی ۸۷؎

قرآن پاک کی سورۂ صف کی چوتھی آیت میں اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کی خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ ''وہ اللہ کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں۔ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں'' (ترجمہ)۔ اس آیت سے استفادہ کرتے ہوئے وفا امتھوی اپنی نظم ''ملّت پاک بنیان مرصوص ہے'' میں کہتے ہیں:

لو محمدؐ کا اک اک غلام اٹھ گیا سر کچلنے کو ہر خاص و عام اٹھ گیا

ملّت پاک بنیان مرصوص ہے ۸۸؎

وسیم فاضلی نظم ''محافظان وطن کو سلام کہتے ہیں'' میں پیروانِ اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے محافظان وطن کو ہدیۂ سلام پیش کرتے ہیں:

ہم اہل پاک محمدؐ کے ماننے والے نگارِ حق و صداقت کو جاننے والے

رخ حوادث ایام موڑنے والے بتانِ ہند کا پندار توڑنے والے

محافظان وطن کو سلام کہتے ہیں ۸۹؎

محمد اسحاق خان محوی جے پوری ''تاریخی مستند جنگ نامہ'' میں غلامِ غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاں نثاروں کو شہادت کا رتبۂ عظیم ملنے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں:

جاں نثارانِ محمدؐ کے غلامانِ غلام ہو مبارک کہ شہادت کا پیا ہے تو نے جام

بارگاہِ ایزدی میں ہیں دعا گو خاص و عام پائیں جنت میں شہیدانِ وطن، عالی مقام

اے محبّان وطن اے جاں نثارانِ وطن ۹۰

ضمیر اظہر کی نظم ''وطن کے پاسباں'' میں بہارِ دین احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باغبانوں کو یوں خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے:

دلاوری کی شان کارزار میں دکھائیں گے　　خدا کے شیر دشمنوں کو خاک میں ملائیں گے

علیؑ کے دست ظالموں کے سر پہ سر اڑائیں گے　　بہارِ دینِ احمدیؐ کے شوخ باغباں چلے

محاذ جنگ کی طرف وطن کے پاسباں چلے ۹۱

اسرار زیدی نے اپنے طویل رزمیے پر مشتمل مجموعے ''درد کا شجر'' کو کئی حصوں میں تقسیم کیا ہے اور مختلف بحور میں اور مختلف عنوانات کے تحت طبع آزمائی کی ہے۔ جنگ ستمبر کے بارے میں ''دوسری آواز'' کے عنوان سے سپاہیانِ اسلام کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ ختم رسلؐ کے دیوانے　　یہ شمع خرد کے پروانے

یہ آن پہ مرنے والے ہیں　　ایمان پہ مرنے والے ہیں

حق کی منزل کے راہی ہیں　　اللہ و نبیؐ کے سپاہی ہیں ۹۲

اکبر کاظمی کی شاعری ''پیغام کی شاعری ہے'' ۹۳ ان کے شعری مجموعے ''اجالا'' میں ایک نظم بعنوان ''چھے ستمبر کا دن'' ملتی ہے۔ جس میں اکبر کاظمی اس دن کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ان غازیوں اور شہیدوں کے کارنامے گنواتے ہیں جنھوں نے اس دن کو قومی زندگی میں یادگار بنا دیا:

چھے ستمبر کا دن

موت کو دیکھ کر مسکراتے ہو تم　　اے شہیدو! بہشتوں میں جاتے ہو تم

کملی والےؐ کا دامن سجاتے ہو تم　　جو سدا پیار ہے، صبح بیدار ہے

چھے ستمبر کا دن ۹۴؎

عزیز لدھیانوی ایک طنزیہ نظم ''مہاشے'' میں اسلام کے شیروں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ شیر ہیں دراصل غلامانِ محمدؐ — کچھ ان کا بگاڑیں گے نہ زردار مہاشے

توحید خداوندی و ناموس رسالتؐ — اسلام کے شیروں کا ہے سرمایۂ نصرت ۹۵؎

آخر میں مشیر کاظمی کے مشہور زمانہ ملّی نغمے ''اے راہ حق کے شہیدوٗ'' سے ایک بند پیش خدمت ہے۔ جس میں انھوں نے شہدائے راہِ حق کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت وشفقت حاصل ہونے پر سلام عقیدت کا نذرانہ پیش کیا ہے:

اے راہِ حق کے شہیدو! وفا کی تصویرو! — تمھیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں

چلے جو ہو گے شہادت کا جام پی کر تم — رسول پاکؐ نے بانہوں میں لے لیا ہوگا

علیؓ تمھاری شجاعت پہ جھومتے ہوں گے — حسینِ پاکؓ نے ارشاد یہ کیا ہوگا

تمھیں خدا کی رضائیں سلام کہتی ہیں ۹۶؎

شعراء کی جانب سے سرفروشانِ ملک وملّت کو خراج ہائے تحسین کی مندرجہ بالا شعری امثال میں ذکرِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ معرکۂ حق و باطل میں سپاہِ ملّی کی تعریف وتوصیف کے لیے بھی سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حوالۂ جلیلہ ضروری ہے۔

(ج) دامانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وابستگی پر تفاخر کا احساس:

ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ اس کا شمار غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کیا جائے۔ یہ وہ غلامی ہے جس کے سامنے بڑی سے بڑی بادشاہی ہیچ ہے۔ ہمارے

شعراء اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ اسی لیے انھوں نے اپنی نظموں میں بے شمار مقامات پر اس بات کو اجاگر کیا ہے اور ہادیٔ انس و جاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وابستگی کو فخریہ بیان کیا ہے۔ جنگی ترانوں اور رزمیہ نظموں میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ جن میں سے کچھ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

نعیم صدیقی ''رجز'' میں فخریہ اعلان کرتے ہیں:

لشکر یہ خدا کا لشکر ہے، پیغمبرؐ اپنا رہبر ہے　　　قرآں ہماری مشعل ہے، ہاتھوں میں خودی کا خنجر ہے ۹۷

ایک دوسری نظم ''حریفان نا سزا'' میں آگاہ کرتے ہیں کہ جن مجاہدوں نے بادشاہوں کے تاج اپنے پیروں تلے روندے ہیں وہ سب کے سب گدائے کوئے شاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں:

جنھوں نے پاؤں میں روندے ہیں تاج شاہوں کے　　　وہ کوئے شاہِ مدینہؐ کے سب گدا نکلے ۹۸

صبا اکبر آبادی اپنی رجزیہ نظم ''نصر من اللہ'' میں غلامِ شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہونے پر ناز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رکھنی ہے ہمیں اس وطن پاک کی عزت　　　ہم پایۂ گردوں ہے اسی خاک کی عزت

رہنی ہے غلام شہِ لولاکؐ کی عزت　　　رکھے گا خدا جذبۂ بے باک کی عزت

اللہ نگہبان ہے اس پاک چمن کا
ہر فرد محافظ ہے یہاں اپنے وطن کا

اللہ کے محبوبؐ کی امّت میں ہیں ہم لوگ　　　اس رشتے سے خود سایۂ رحمت میں ہیں ہم لوگ

بے مثل زمانے میں، شجاعت میں ہیں ہم لوگ　　　ڈوبے ہوئے ارمانِ شہادت میں ہیں ہم لوگ

کچھ تیز ہر اک رنگ سے ہے رنگ ہمارا

تکبیر خدا ہے رجزِ جنگ ہمارا ۹۹؎

ایک اور نظم ''شیر ہیں ہم ارض پاکستان کے'' میں صبا اکبر آبادی احساس تفاخر سے مغلوب ہو کر کہتے ہیں:

ہم ہیں بندے خالق رحمان کے   ہم فدائی صاحبِ قرآنؐ کے

ہم عدو ہیں دشمنوں کی جان کے   کافرو! بھاگو ہمیں پہچان کے

شیر ہیں ہم ارضِ پاکستان کے ۱۰۰؎

''ہم امتِ سرکار دو عالمؐ'' میں صبا باور کراتے ہیں کہ دشمن ہمیں کمزور نہ سمجھے:

کہتے ہیں جنھیں امتِ سرکارِ دو عالمؐ   اے دور فلک تجھ کو خبر ہے کہ وہ ہیں ہم

ہم باغ میں بلبل ہیں تو ہیں دشت میں ضیغم ۱۰۱؎   ہر جنگ میں لہرایا ہے اسلام کا پرچم

جنگ ستمبر کے دوران جن شعراء کا قلم دفاع ملک و ملّت میں دن رات برسرِ پیکار رہا ان میں شورش کاشمیری کا نام سرفہرست ہے۔ ''الجہاد و الجہاد'' کے عنوان سے ایک پورا مجموعہ ان کی کلیات میں موجود ہے۔ شورش، جن کا لہجہ دشمنان ملک و ملّت کے لیے پہلے بھی تند و تیز تھا اب اور بھی کٹیلا اور بلند آہنگ ہو گیا۔ اور ان کی شاعری، شاعری نہیں رجز خوانی میں تبدیل ہو گئی۔

''گھمسان کی جنگ'' میں انھیں بجا طور پر فخر ہے:

مسلمانوں کا خوں ضائع نہ ہو گا   پیمبرؐ کے علم بردار ہم ہیں

لگاؤ ہے صحابہؓ کی روش سے   نبیؐ کے غاشیہ بردار ہم ہیں

قسم ہے غازیانِ سر بکف کی   غلامِ سیدِ ابرارؐ ہم ہیں

رسول اللہؐ کے صدقے میں شورشؔ سرِ طاغوت پہ تلوار ہم ہیں ۱۰۲؎

یہی احساسات ان کی نظم ''عساکر پاکستان'' میں بھی دکھائی دیتے ہیں:

ہم مسلماں ہیں محمدؐ کے گھرانے والے پرچمِ حیدرِ کرّارؓ اٹھانے والے ۱۰۳؎

''یوم انقلاب'' میں شورش کا فخر غلط نہیں ہے:

اس کا اندیشہ نہیں، کیا ہیں، کہاں ہیں دوستو ہم غلام خواجۂ کون ومکاںؐ ہیں دوستو

انقلاب اے انقلاب! ۱۰۴؎

طفیل ہوشیار پوری ''آدمیت کے علم بردار ہیں'' میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بے کسوں اور بے بسوں کا آسرا سرورِ عالمؐ، محمد مصطفیٰؐ

ہادی برحقؐ، ہمارا رہنما جان ودل سے اس کے پیروکار ہم

ہم مسلماں پیکر ایثار ہیں ۱۰۵؎

''وارثانِ حیدرِ خیبر شکنؓ'' میں جوش ملیح آبادی اپنے گھن گرج سے بھرپور لہجے میں پیروانِ رحمت للّعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہونے کا اعلان کرتے ہیں:

رفیقِ آسماں ہیں، ناز بردار زمیں ہم ہیں یہ سچ ہے پیروانِ رحمت للّعالمیںؐ ہم ہیں ۱۰۶؎

مختار صدیقی ''وقت کی آواز'' میں اپنا رشتہ روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور جذبِ حیدریؓ سے جوڑتے ہوئے کہتے ہیں:

میں وہ نہال بہار پیماں ہوں

جس کو روح محمدیؐ

جذب حیدریؑ

اورخون حسینؑ نے بے خزاں رکھا ہے ۱۰۷؎

راجا رشید محمود ''ہماری عظمت'' میں غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم میں شمار ہونے پر فخریہ کہتے ہیں:

غلامانِ محمدؐ ہیں، خدا کے راز داں ہم ہیں   جہاں میں عظمتِ دینِ نبیؐ کے پاسباں ہم ہیں

خدا کے نام لیوا، احمد مختارؐ کے خادم   علیؓ کی جرأتوں کے راز دان وترجماں ہم ہیں

ہمیں اسلاف کی تاریخ پر محمودؔ، ہے نازش   جنابِ سرورِ عالمؐ کی فوجوں کے جواں ہم ہیں ۱۰۸؎

غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی صف میں شامل ہونے کا احساس تفاخر ظہیر کاشمیری کی نظم ''ہم صداقت کے امیں ہیں ہم غلامانِ رسولؐ'' سے بھی جھلکتا ہے:

ہم ہیں وہ قوم جسے حق کی اطاعت ہے قبول   جہد آزادی و انصاف ہمارا ہے اصول

ہم صداقت کے امیں ہیں ہم غلامانِ رسولؐ ۱۰۹؎

عزیز صہبائی کی نظم ''مجاہد'' میں ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکے مجاہدوں کے رہنما ہونے پر اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے:

مجاہد کو اللہ کا آسرا ہے   مجاہد کا خیرالوریٰؐ رہنما ہے ۱۱۰؎

سیّد عبدالرزاق عقیل صحرائی وطن پاک کی نسبت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے جوڑتے ہوئے اپنی نظم ''پیام غازی'' میں اہل وطن کو پیغام دیتے ہیں:

ہماری قوّت محمدیؐ ہے اسی کے سائے میں سروری ہے   قدم قدم پاک سرزمیں بھی اسی محمدؐ کا آستانہ ہے ۱۱۱؎

شبنم رومانی نے نظم ''قومی پرچم'' میں ہلالی پرچم کو تصدیق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا اعزاز بخشا ہے:

یہ تارا تقدیرِ امم، تائید خدا، تصدیق رسولؐ یہ تارا فاتح کی جبیں،اسلام کا دل،تہذیب کا پھول۱۱۲؎

صادق نسیم ’’رجز‘‘ میں مجاہد اسے سمجھتے ہیں جسے شاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دلی وابستگی ہو:

جو دو عالم کے لیے رحمت کاملؐ آئے جسم ہے کون و مکاں اور نبیؐ دل کہلائے

اسؐ کا فرمان ہے اٹھ حق کی حفاظت کے لیے اسؐ کے فرماں پہ مرا جسم مری جاں صدقے

میں مجاہد ہوں مرے دل میں محمدؐ کی طلب ۱۱۳؎

’’زمین ہند سے خطاب‘‘ میں شکیل نشتر میرٹھی کا احساس تفاخر ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے:

اے زمینِ ہند! تجھ کو یاد ہے ہم کون ہیں ہم سے کرتی ہے کلام؟

یاد ہے تجھ کو کہ ہم ہیں فاتح بدر وحنین یاد ہے تجھ کو کہ ہم میں ہے وہی خونِ حسینؓ

ہم خدا کے نام لیوا! ہم محمدؐ کے غلام ہم سے کرتی ہے کلام؟ ۱۱۴؎

محشر بدایونی کی نظم ’’جاگ رہا ہے پاکستان‘‘ کا ٹیپ کا شعر ہے:

لا الہٰ الاّ اللہ محمد رسول اللہؐ ہر پل ہر ساعت ہر آن، جاگ رہا ہے پاکستان

اس لحاظ سے نظم کا ہر بند نعتیہ پہلو رکھتا ہے۔ بطور نمونہ ایک بند ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس میں شاعر فخریہ کہتا ہے:

پرچم نصرت ہم سے کھلا رسم شجاعت ہم سے چلی

ہم ہیں جوہر تیغِ حسینؓ ہم ہیں زورِ دستِ علیؓ

اپنی قوت اپنی جان لا الہٰ الاّ اللہ محمد رسول اللہؐ

ہر پل ہر ساعت ہر آن، جاگ رہا ہے پاکستان ۱۱۵؎

رضوی خیر آبادی ''ترانۂ مجاہدین'' کا غلغلہ بلند کرتے ہوئے اس بات پر نازاں ہیں کہ مجاہدین کے سروں پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سایہ فگن ہے:

صدقہ یہ محمدؐ کا ہے، اللہ کی رحمت جبریلؑ کا پر ہے پرِ پرواز ہمارا ۱۱۶

ڈاکٹر نذیر مرزا برلاس کو فخر ہے کہ وہ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ ''نعرۂ مستانہ'' میں اسی بات کا اظہار کیا گیا ہے:

خدائے برتر و ذیشان کے ہم نام لیوا ہیں رسول اللہؐ کے قرآن کے ہم نام لیوا ہیں

حبیب پاکؐ کے فرمان کے ہم نام لیوا ہیں پرانے عہد و پیماں پھر سے دہرانے کے دن آئے ۱۱۷

سیفی نوگانوی کو بھی نظم ''ترانہ'' میں ناز ہے کہ ان کا دین کوئی عام دین نہیں بلکہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

دینِ محمدیؐ ہے دینوں میں دیں ہمارا حاصل ہے صرف ہم کو توحید کا سہارا ۱۱۸

سیّد فخر الدین گیلانی ''مجاہدوں سے خطاب'' میں مجاہدین کو علم بردارِ دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور پاسبانِ ملّت خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قابل فخر القاب سے موسوم کرتے ہیں:

اے مجاہد! اے علم بردارِ دینِ مصطفیٰؐ اے مجاہد! پاسبانِ امّت خیرالوریٰؐ ۱۱۹

نسیم امروہوی ملّت احمد مرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رکن ہونے پر نازاں ہیں۔ ''ملّت پاک کا رجز'' میں اس ناز کو شعری لباس پہناتے ہوئے کہتے ہیں:

زیر، میدان میں ہوں ہم یہ کوئی طور نہیں امّت احمد مرسلؐ ہیں کوئی اور نہیں ۱۲۰

ایک مسلمان کے لیے غلام شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہونا باعث عزّ و افتخار بھی ہے اور دین و دنیا سنوارنے کا راستہ بھی ہے۔ اعجاز کاشمیری اپنی نظم ''ہم'' میں نہایت فخر و انبساط سے کہتے ہیں:

ہم غلامانِ شہِ لولاکؐ ہیں　　پاسبانِ سر زمینِ پاک ہیں

ہم نڈر، بے خوف ہیں، بے باک ہیں　　اپنے چرچے برسرِ افلاک ہیں

آبروئے ارضِ پاکستان ہم ۱۲۱؎

ساقی جاوید کی نظم کا عنوان ہی فخریہ ہے۔ ''ہم فخر جہاں ہیں'' میں شاعر فوجِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سپاہی ہونے پر نازاں ہے:

تاریخ سے پوچھو کہ وہ دیتی ہے گواہی　　ہم فوجِ محمدؐ کے سپاہی ہیں سپاہی

قرآن کی آواز ہیں کعبے کی اذاں ہیں　　ہم فخرِ جہاں، فخرِ جہاں، فخرِ جہاں ہیں ۱۲۲؎

منظور حسین منظور ''پیام بہ نوجوانِ ملّت'' میں نوجوان کو ناموس ملّت کے امین اور غلام رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے القاب سے مخاطب کرتے ہیں:

جوانو! بے گماں ناموسِ ملّت کے امیں تم ہو　　برائے حفظ آزادی حصار آہنیں تم ہو

عزائم کو تمھارے رحمتِ حق کا سہارا ہے　　کہ عالم میں غلامِ رحمت للعالمیںؐ تم ہو ۱۲۳؎

تاثیر نقوی اپنی نظم ''نعرہ'' میں فخریہ نعرہ زن ہوتے ہیں:

حاملِ قرآں، غلامِ ساقیِ کوثرؐ ہوں میں　　خاکِ پائے حیدرؓ و شبّیرؓ اور شبّرؓ ہوں میں

عکسِ روئے بوذرؓ وسلمانؓ اور قنبرؓ ہوں میں　　عرش سے جو آئی اس شمشیر کا جوہر ہوں میں

میرا نعرہ یا علیؓ ہے میرا نعرہ یا علیؓ ۱۲۴؎

محمد ریاض الدین خان منظر وکیل ''نذرِ عقیدت'' میں غازیانِ ملک وملّت کا شمار فدائیانِ نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کرتے ہیں:

خدا پرست ہیں، ہم بت شکن ہیں، غازی ہیں   فدائے نام محمدؐ ہیں غم گسارِ وطن ۱۲۵

عزیز لدھیانوی ''معرکۂ حق و باطل'' میں سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی پر فخر یہ کہتے ہیں:

ہم کو تو بس خدا کی ہی رحمت پہ ناز ہے   یہ فخر ہے کہ احمدِ مرسلؐ کے ہیں غلام ۱۲۶

غازیانِ اسلام کی زبانی نسبتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر احساس تفاخر دراصل وہ مایۂ افتخار ہے جو مسلمان کے دل و دماغ میں موجود ہوتا ہے۔سطور بالا میں پیش کی گئی شعری امثال میں شعرائے کرام نے اسی مایۂ فخر کو منظوم صورت میں پیش کیا ہے۔

(د) سرفروشان ملّت کی حوصلہ افزائی بنام احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

ہر مسلمان اپنی اصل میں مصطفویؐ ہوتا ہے۔نبی ٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبّت جزو ایماں نہیں بلکہ عین ایماں ہے۔اس محبت کی جڑیں مسلمان کے رگ و ریشے میں پیوست ہوتی ہیں۔اور گنہگار سے گنہگار مسلمان بھی اس محبت سے تہی دامن نہیں ہوتا۔ہمارے ملّی شاعروں کو اس حقیقت کا اچھی طرح ادراک ہے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے سرفروشان ملّت کے حوصلوں کو مہمیز کرنے کے لیے اسی بات کا سہارا لیا ہے اور جا بجا جیش محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سپاہیوں کے جوش و جذبے کو بڑھاوا دینے کے لیے الفت سرکار عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بنیاد بنایا ہے اور فدائیان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شرر خفتہ کو شعلۂ جوّالہ میں تبدیل کیا ہے۔چند منتخب امثال پیش خدمت ہیں۔

نعیم صدیقی اپنی نظم ''تیرے ساتھ'' میں غازیان وطن کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

جرأت سے بڑھ، کہ گردش دوراں ہے تیرے ساتھ   اے غازیٔ وطن ترا ایماں ہے تیرے ساتھ

توحید کا نشان درخشاں ہے تیرے ساتھ   عشق نبیؐ کی شمع فروزاں ہے تیرے ساتھ ۱۲۷

ایک اور نظم ''بلاوا'' میں بھی نعیم صدیقی بندۂ غازی کے حوصلوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہتے ہیں:

اٹھ باندھ کمر غازی میدان بلاتا ہے   اے بندۂ سلطاں اٹھ! سلطان بلاتا ہے

جو کچھ بھی میسر ہو سامان، وہی لے چل   اٹھ ذوقِ خودی لے چل اٹھ حبّ نبیؐ لے چل ۱۲۸؎

صبا اکبرآبادی کی نظم ''اے غازیانِ پاک'' میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقش قدم چومتے ہوئے چلنے کی تاکید کی گئی ہے:

اے غازیانِ پاک چلو جھومتے چلو   اپنے نبیؐ کے نقش قدم چومتے چلو ۱۲۹؎

مجاہدین ملک وملّت کو نصیحت کرتے ہوئے سہیل اقبال ''نغمۂ توحید'' میں قدم قدم پر چراغ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جلانے کی تلقین کرتے ہیں:

قدم قدم پہ جلاؤ چراغ مصطفویؐ   یہی ہے حق کی رضا لا الٰہ الاّ اللہ ۱۳۰؎

رحمان کیانی ''اعلان جہاد'' میں کلمۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے ورد کی ہدایت کرتے ہوئے اپنے سپاہیوں کا حوصلہ اس طرح بڑھاتے ہیں:

خدا کی مدد پہ بھروسہ رکھو   محمدؐ کے کلمے کو پڑھتے چلو

عزیزو لڑو اور اس وقت تک   کہ جب تک ہمیں فتح حاصل نہ ہو ۱۳۱؎

''بڑھے چلو بڑھے چلو'' میں شورش کاشمیری مجاہدین کو یاد دلا رہے ہیں کہ انھیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ حلقہ بگوشانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں:

بھولو نہیں کہ حلقہ بگوشِ رسولؐ ہو   شورشؔ خدا کا خوف جماتے ہوئے چلو ۱۳۲؎

اور ایک اور نظم ''تشکّر و امتنان'' میں جذبۂ جہاد سے مغلوب ہو کر کہتے ہیں:

ہمارے ولولوں کی تاب کافر لا نہیں سکتے   رسول اللہؐ کے اعجاز سے شعلہ فشاں ہم ہیں ۱۳۳؎

جنگ ستمبر میں شاعروں نے سرفروشان ملّت کی حوصلہ افزائی کے لیے اپنی شاعری سے رجز کا سا کام

لیا اور مجاہدین کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔طفیل ہوشیار پوری نظم ''یہ کہہ رہا ہے'' میں رجز خواں ہیں:

تمھارے لب پہ رات دن ہو ذکر لا الہٰ کا　　　کہ یہ نشان خاص ہے محمدیؐ سپاہ کا

تمھارے کام آئے گا یہی نشاں بڑھے چلو

دلوں میں ذکرِ مصطفیؐ لبوں پہ نعرۂ علیؑ　　　ہر اک بزرگ کی دعا تمھارے ساتھ ہے چلی

خدا کرے گا کامیاب و کامراں بڑھے چلو ۱۳۴؎

طفیل ہر مجاہد کو رئیس الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا سپاہی سمجھتے ہیں۔''جہاں کو پیام شہادت'' میں بانکے سپاہیوں کو بڑھاوا دیتے ہوئے کہتے ہیں:

محمدؐ کی فوجوں کے بانکے سپاہی　　　تجھے زیب دیتی ہے دنیا کی شاہی

دلوں پر جہاں کے حکومت کیے جا

تجھے حبیبِ خداؐ کا سہارا　　　ترے واسطے ہے بھنور بھی کنارا

جدھر چاہے تو اپنی کشتی لیے جا ۱۳۵؎

''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کے عنوان سے ولولہ انگیز ترانے میں طفیل ایک مجاہد کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

محبوب خداؐ کے پروانے　　　دہرا اجداد کے افسانے

پیغام اخوّت دینا ہے　　　یہ کام تجھی سے لینا ہے

پھر کفر مقابل ہے آیا　　　اے مرد مجاہد جاگ ذرا

اب وقت شہادت ہے آیا　　　اللہ اکبر اللہ اکبر ۱۳۶؎

ایک اورنظم ’’ملّت کے نوجوان‘‘ میں طفیل نوجوانِ ملّت کو جام شہادت پینے کی ترغیب دیتے ہوئے اسے رضائے رب جلیل اور خوشنودیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی نوید سناتے ہیں:

خوشنودیٔ رسولؐ رضائے خدا ہے یہ   اللہ جانتا ہے بڑا مرتبہ ہے یہ

برحق یہ بات جان، شہادت کا جام پی ۱۳۷؎

طفیل ہوشیارپوری ’’اے قافلہ سالار چل‘‘ میں ناموس ملّت کے محافظوں کو پیامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے حوالے سے تلقین کرتے ہیں:

اے قافلہ سالار چل   اے قوم کے سردار چل

سر پر کفن باندھے ہوئے   مردانِ غازی آگئے

ہونٹوں پہ ذکرِ لا الہٰ   دل میں پیامِ مصطفیٰؐ

حسن عقیدت کی قسم   ذوق شہادت کی قسم

دشمن کو اب للکار چل ۱۳۸؎

مجبور ومقہور کشمیریوں کی مدد کے لیے ’’ظلمت کفر‘‘ میں خادمانِ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کو سوئے کشمیر روانگی کی تاکید کرتے ہوئے طفیل کہتے ہیں:

خونِ مسلم سے ہے گل رنگ قبائے کشمیر   پھر بلاتی ہے تمھیں کرب و بلائے کشمیر

خادمانِ شہِ کونینؐ فدایانِ حسینؓ   مل کے پھر گرم کرو معرکۂ بدر و حنین

رکھ کے تم پیش نظر اسوۂ شبّیرؓ چلو

صورت سیل رواں جانب کشمیر چلو ۱۳۹؎

طفیل جنگ ستمبر کو معرکۂ حق و باطل سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ حق پرستوں کو نظم ''وقت نے بجا دیا گجر'' میں جوش دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

اپنے عزم پر ثبات سے　　　　فوج کفر کو شکست دے

قلب میں ہو وردِ مصطفیٰؐ　　　　نعرۂ علیؓ زبان پر

وقت نے بجا دیا گجر ۱۴۰؎

ایک باپ اپنے بیٹے کو محاذِ جنگ پر روانہ کرتے ہوئے اسے باور کراتا ہے کہ اگر جنگ میں مرتبۂ شہادت ہو جائے تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قربت نصیب ہوتی ہے۔ اس بات کو طفیل نے ''اے نورِ نظر'' میں اس طرح نظم کیا ہے:

اے میری محبت مرے ایمان کی دولت　　　　مل جائے اگر جنگ میں انساں کو شہادت

ہوتی ہے عطا سرورِ کونینؐ کی قربت　　　　اشکوں کا مرے تو کوئی احساس نہ کر، جا

اے نورِ نظر جا ۱۴۱؎

بشیر احمد بشیر اپنی نظم ''حرب و ضرب'' میں مجاہدین کو ضربِ حیدری لگانے کی تاکید کرتے ہوئے اسے تسلّی دیتے ہیں کہ اس کے ساتھ ذاتِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

اک اور ضربِ حیدریؓ

گرا گرا مجاہدو گرا ستونِ کافری

الٹ گئی صفِ عدو مٹا نشان آزری

اک اور ضربِ حیدریؓ

تمھارے سر پہ سایۂ خدائے شش جہات ہے

تمھارے ساتھ مصطفیؐ ہے، مرتضیٰؓ کی ذات ہے ۱۴۲؎

''علم بلند کرو اور قدم بڑھا کے چلو'' میں احسان دانش جاں نثارانِ ملک وملّت کو ذکرِ شہِ مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایت کرتے ہوئے تیز قدمی کی تلقین کرتے ہیں:

نہیں یہ وقت کہ حسن بتاں کی بات کرو خدا کا ذکر، شہِ مرسلاںؐ کی بات کرو

جو تیز گام ہے اس کارواں کی بات کرو زمیں پہ رہتے ہوئے آسماں کی بات کرو

علم بلند کرو اور قدم بڑھا کے چلو ۱۴۳؎

ایک اور نظم بعنوان ''ترانۂ جہاد'' ہے۔ جس میں وہ مجاہدین صف شکن اور سپاس خوانِ ذوالمنن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مہمیز کرتے ہیں:

بلند برچھیاں کرو وہ رحمت خدا جھکی وہ زندگی کا در کھلا وہ سر کے بل قضا جھکی

سپاس خوانِ ذوالمننؐ بڑھے چلو بڑھے چلو مجاہدینِ صف شکن بڑھے چلو بڑھے چلو ۱۴۴؎

حفیظ صدیقی ''پیام بیداری'' میں غازیان قوم کو گلزارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تازہ پھولوں سے تشبیہہ دیتے ہوئے بیداری کا پیام دیتے ہیں:

گلزارِ مصطفیٰؐ کے تمھیں تازہ پھول ہو جوشِ جہاد لے کے بڑھو کیوں ملول ہو ۱۴۵؎

ہوش ترمذی نے اپنی نظم ''نشان عظمت'' میں غازیوں کی نشانی یہ بیان کی ہے کہ ان کے لبوں پر تکبیر کی صدا اور پیغام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوتا ہے:

گونجی ہے کوہ و دشت میں تکبیر کی صدا غازی چلے ہیں لب پہ ہے پیغام مصطفیٰؐ ۱۴۶؎

منظور حسین منظور ''ترانۂ جنگ'' میں مجاہدان تیغ زن کو جوش دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

مٹا کے آن کفر کی، بزور تیغ حیدریؓ، بفضل ربّ ذوالمننؐ

مجاہدانِ تیغ زن، بہادران صف شکن، بڑھے چلو بڑھے چلو ۱۴۷؎

نشتر جالندھری ''مجاہدو اٹھو'' میں مجاہدین کو یقین دلاتے ہیں کہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ساتھ انھیں حاصل ہے:

دلاورو علیؓ سا رہنما تمھارے ساتھ ہے   بہادرو حبیب کبریاؐ تمھارے ساتھ ہے

اٹھو چلو سپاہیو دعا تمھارے ساتھ ہے   قدم بڑھاؤ غازیو خدا تمھارے ساتھ ہے

مجاہدو اٹھو، چلو، بڑھو کہ منزل آگئی ۱۴۸؎

فائق رامپوری بھی ''سپاہ ملّی سے خطاب'' میں سپاہ ملّی کو آسرا دیتے ہیں کہ سردار انبیاء علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ان کے ولی ہیں:

حافظ ترا حق اور نبیؐ تیرا ولی ہے   تو شیر، خدا کا ہے کہ دلبند علیؓ ہے

کیوں تجھ میں نہ خوبو ملے سردار عربؐ کی   یاں گلشن اسلام کی تُو بھی تو کلی ہے ۱۴۹؎

''کفن بردوش'' میں مجید تاثیر کفن بردوشانِ ملّت کو ناموس پیمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نثار ہونے کی تلقین کرتے ہیں:

پہن لو ایک ہی وردی قطار اندر قطار آؤ   یہ جتنے پیرہن ہیں فرقہ بندی کے اتار آؤ

تمھیں ہونا ہے ناموسِ پیمبرؐ پر نثار، آؤ   رضا کاروں میں اپنا نام لکھواؤ مسلمانو

کفن بردوش میداں میں نکل آؤ مسلمانو ۱۵۰؎

''وطن تمھاری آن ہے'' میں حسن بخت غازیوں اور مجاہدوں کے حوصلوں کو چنگاری دکھاتے ہوئے کہتے ہیں:

شہادت حسین سے شہادتوں کے جام لو   ستم گرو سے غازیو! ستم کا انتقام لو

خدا تمھارے ساتھ ہے رسولؐ کی امان ہے　　　مجاہدو بہادرو وطن تمھاری آن ہے ۱۵۱؎

منیر کمال ''اے میرے ہوا باز'' میں دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے مجاہدوں کی ڈھارس بندھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

تو برق بلا خیز کبھی شعلۂ پرنم!　　　بچھتی رہی دشمن کے گھروں میں صف ماتم

اے دین محمدؐ کے مجاہد! تجھے کیا غم　　　مظلوم کی آواز، اے میرے ہوا باز ۱۵۲؎

حبیب سبحانی ''دلاورو، مجاہدو'' میں مجاہدین کے حوصلوں کو سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے حوالۂ مبارک سے بڑھاوا دیتے ہیں:

محافظان دین مصطفیؐ ہو تم، اٹھو! اٹھو!　　　بڑھے چلو، بڑھے چلو، دلاورو! مجاہدو! ۱۵۳؎

ماسٹر صادق امرتسری ''میرے وطن کے غازیو'' میں غازیان پاک کو نعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھتے ہوئے پیش قدمی کی ہدایت کرتے ہیں:

نعتِ حبیب کبریاؐ، پڑھتے سدا بڑھے چلو　　　میرے وطن کے غازیو! مجاہدو! بڑھے چلو

دل میں حبیب ربؐ نہاں، لب پر ہو نعرۂ علیؓ　　　میرے وطن کے غازیو! مجاہدو! بڑھے چلو۱۵۴؎

سردار اللہ نواز خاں ''ترانہ'' میں بت شکن مجاہدین کی حوصلہ افزائی اس طرح کرتے ہیں:

جہاں میں کوہ کن ہو تم　　　جلال ذوالمننؐ ہو تم

چلو کہ بت شکن ہو تم　　　بڑھے چلو! بڑھے چلو ۱۵۵؎

علامہ شبیر بخاری ''پاکستانی مجاہدوں سے'' میں مجاہدین کو کشتیٔ اسلام سنبھالنے اور نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زمانے میں اجالا کرنے کی تلقین کرتے ہیں:

پھر کشتیٔ اسلام ہے طوفاں میں سنبھالو　　　پھر نورِ محمدؐ سے زمانے کو اجالو ۱۵۶؎

غفار ماہر اپنی نظم ''مجاہدین صف شکن'' میں صف شکن مجاہدوں کو عنایتِ ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وآلہٗ و سلم کی نوید سناتے ہیں:

کیوں نہ ہو ساقیٔ کوثرؐ کی عنایت تم پر　　جب کہ خم خانۂ یثرب کے ہی مے خوار ہو تم ۱۵۷؎

حافظ لدھیانوی کی نظم ''مجاہدو بڑھے چلو'' میں مجاہدین کو غلامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کا تاج پہنایا گیا ہے:

دکھا دو شانِ حیدریؓ عدو کو کاٹ کاٹ کر　　غلام مصطفیٰؐ ہو تم عدو کو اس کی کیا خبر

خدا کی رحمتیں ہوں تم پہ ایک ایک گام پر　　بڑھے چلو مجاہدو! مجاہدو بڑھے چلو! ۱۵۸؎

شعلہ آسیونی ''نعرۂ جہاد'' میں کہتے ہیں:

تمھارے ہاتھوں میں آن بان شانِ مصطفیٰؐ　　تمھارے دم سے ہے بہار گلستانِ مصطفیٰؐ

دلاورانِ مصطفیٰؐ! بجھادو! شمع اہرمن　　مجاہدین صف شکن، بڑھاؤ عظمت وطن ۱۵۹؎

حفیظ جالندھری اپنی نظم ''جہادِ کشمیر'' میں مجاہدین کو فتح کا نسخہ تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آیۂ نصرٌ من اللہ سایۂ فتحٌ قریب　　اسم اعظم ہے اسی ذوق یقیں سے کام لو

عاشقاں را ہر زماں از غیب جانے دیگر است　　یہ شہادت ہے محمد مصطفیٰؐ کا نام لو ۱۶۰؎

''کشمیر کے مجاہد'' میں سعیدہ ناز مجاہدین کشمیر کو تائید ذوالمنن صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کا یقین دلاتے ہوئے کہتی ہیں:

بڑھ جاؤ رزم گاہ میں پہنے ہوئے کفن　　دشمن کرے فرار پڑے اس طرح سے رن

سچ ہے تمھارے ساتھ ہے تائید ذوالمننؐ　　اس وقت قیمتی ہے تو آزادیٔ وطن ۱۶۱؎

''جوانانِ پاکستان سے'' میں ظہیر نیاز بیگی امّت مرحوم کے خود دار جوانوں اور صاحب ایثار محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دلیروں کو مخاطب کر کے وادیٔ کشمیر کی تقدیر بدلنے کی بات کرتے ہیں:

اے امّت مرحوم کے خوددار جوانو! اے قوم کے جاں باز، وفادار جوانو!

اے صاحبِ ایثارِ محمدؐ کے دلیرو مانے ہوئے اس دہر میں اللہ کے شیرو

ہر ظالم و مغرور کو پاؤں میں کچل دو اب وادیٔ کشمیر کی تقدیر بدل دو [۱۶۲]

حافظ نور محمد انور اپنی نظم ''ترانۂ ملّت'' میں مردِ مومن کو باطل کے مقابل اٹھ کھڑے ہونے کی تلقین کرتے ہیں:

تو صدیقؓ و فاروقؓ کی اقتدا کر تو عثمانؓ و حیدرؓ کی ہر دم ثنا کر

بنا ان کی سیرت کو تو اپنی سیرت شریعت کے احکام پر سر جھکا کر

مئے دینِ احمدؐ سے سرشار ہو جا

اٹھ اے مردِ مومن! تو ہشیار ہو جا [۱۶۳]

یہی جذبہ ان کی ایک اور نظم ''دائمی زیست کا اب وقت ہے ساماں کر لے'' میں بھی نظر آتا ہے:

خوابِ غفلت سے خدارا ہو مسلماں بیدار تو مجاہد ہے سنبھل، تیغ اٹھا، ہو تیار

ساری دنیا کو دکھا روشنیٔ خلقِ نبیؐ پھر زمانے کو سنا ذکرِ حسینؓ ابنِ علیؓ [۱۶۴]

''کشمیر جل رہا ہے'' میں تاثیر نقوی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اصحاب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمائے گرامی سے مجاہدین کا حوصلہ بڑھاتے ہیں:

اللہ کو پکارو سرورؐ کا نام لے کر شبّیرؓ کو بلاؤ شبّرؓ کا نام لے کر

دشمن کو روند ڈالو حیدرؓ کا نام لے کر حملہ کرو جوانو! اکبرؓ کا نام لے کر

کشمیر جل رہا ہے اس آگ کو بجھاؤ

آگے قدم بڑھاؤ آگے قدم بڑھاؤ ۱۶۵

''اے مردِ مسلماں'' میں جلیل احمد مردِ مسلماں کو تسلّی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ تیرے ساتھ، محمدؐ ہے تیرے ساتھ قوت تری ایمان ہے، رہبر ترا قرآن ۱۶۶

اختر ہوشیار پوری ''جنگ رنگ'' میں اپنے مجاہدین کو شہداء کی ارواح اور احمد پاک صلی اللہ علیہ وآلہٰ و سلم کا واسطہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

تمھیں شہیدوں کی روحیں پکارتی ہیں سنو!

صدائے بدر و احد گونجتی ہے کانوں میں

بنام شاہِ شہیداں، بنام احمد پاکؐ

بہ اسم اشھد ان لّا الہ الّا اللّٰہ ۱۶۷

نظم ''دلاورو! مجاہدو!'' میں حبیب سبحانی محافظان دین مصطفیصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکو سوئے کارزار پیش قدمی کی ہدایت کرتے ہیں:

تمھی عمرؓ کی آن ہو، تمھی علیؓ کی شان ہو، تمھی وطن کی جان ہو

محافظانِ دین مصطفیؐ ہو تم اٹھو اٹھو! بڑھے چلو بڑھے چلو دلاورو مجاہدو ۱۶۸

صابر گیلانی اپنی نظم ''اے مجاہدو'' میں مجاہدین ملّت کو سایۂ لطف رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکا آسرا دیتے ہوئے کہتے ہیں:

دن رات تم پہ رحمت حق کا نزول ہے سر پہ تمھارے سایۂ لطف رسولؐ ہے ۱۶۹

عابد نظامی بھی ''مجاہدو بڑھے چلو'' میں مجاہدین کو رسول صادق و امین صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکی اس رزم

حق باطل میں شرکت کا یقین دلاتے ہوئے ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں:

وہ تاج دارِ مرسلیںؐ　　رسولِ صادق الامیںؐ

شریک ہیں جہاد میں　　تمھاری فتح بالیقیں

مجاہدو! بڑھے چلو! ۱۷۰

نظیر لدھیانوی ''کشمیر سے آگے'' میں پیغمبر ذیشان صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کی روایات کو زندہ کرتے ہوئے اپنے مجاہدین کو مہمیز کرتے ہیں:

پھر زندہ پیمبرؐ کی روایات کریں ہم　　کیوں فکر تکالیف و صعوبات کریں ہم

کشمیر سے آغاز مہمّات کریں ہم　　شمشیر زنو! صلح کی کیوں بات کریں ہم

جب منزل مقصود ہے کشمیر سے آگے

مقصد نہ مسلماں کا ہو تسخیر جہاں کیوں　　لہرائے نہ دہلی میں محمدؐ کا نشاں کیوں

ہاں جوہر شمشیر دکھائیں نہ جواں کیوں　　کشمیر سے آگے نہ بڑھے سیل رواں کیوں

جب منزل مقصود ہے کشمیر سے آگے ۱۷۱

میدانِ کارزار میں دشمنانِ اسلام سے برسرِ جنگ، مجاہدین کی حوصلہ افزائی شاعروں نے مجاہدِ اعظم رسولِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلمکے وسیلے سے اس لیے کی ہے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان اور وہ بھی مجاہد مسلمان کتنا بھی گیا گزرا ہو اس نام پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے خوشی خوشی تیار ہو جاتا ہے۔

(۵) شہروں اور عسکری اداروں کو بوسیلۂ ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٗ و سلم نذرانۂ

عقیدت:

کھیم کرن اور چونڈہ جیسے چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہات کے علاوہ لاہور، سیالکوٹ اور قصور جیسے شہروں میں جنگ کا زور زیادہ تھا۔لیکن جس پامردی سے یہاں کے مکینوں نے اس ناگہانی کا مقابلہ کیا اور اپنی فوج کا ساتھ دیا۔ وہ ناقابل فراموش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں شاعروں نے اپنے غازیوں اور شہیدوں کو دل کھول کر خراجِ تحسین پیش کیا ہے (جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے) وہاں انھوں نے عسکری اداروں اور شہروں کی شان میں بھی نظمیں لکھ کر اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا ہے۔ ایسی منظومات سے بعض ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں شاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حوالۂ مبارک بھی موجود ہے:

حفیظ جالندھری کی ایک نظم ''ہلال استقلال لاہور'' کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں شائع ہوئی تھی۔ جس میں انھوں نے لاہور کا کامیابی سے دفاع کرنے پر مجاہدین پاکستان اور اہلیان لاہور کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ پوری نظم جوش و ولولے سے بھرپور ہے اور ہادئ امّت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تذکرۂ مبارک کی حامل ہے۔ پہلے ہی شعر میں شاعر عطائے ربّ اور محبوب ربّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتا ہے:

خدائے پاک نے لاہور کو دستِ قوی بخشا — رسول اللہؐ نے جوشِ جہادِ غزنوی بخشا

زہے یہ شانِ لاہور، اور یہی شان اس کے شایاں ہے — ہلال ضبط و استقلال افق پر اب نمایاں ہے

ان کے نزدیک دشمن محض ان کے وطن کا دشمن نہیں بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دائمی دشمن ہے:

اچانک جانبِ لاہور وہ شب خون دشمن کا — خدا و مصطفیٰؐ کے دائمی ملعون دشمن کا

ٹینکوں کی یلغار کو سرفروشانِ امت نے جس پامردی سے روکا اس کی جھلک دکھاتے ہوئے حفیظ کہتے

ہیں:

چڑھی آتی تھی جو ٹینکوں کی آندھی شہر کے اوپر　　　اسے مردانِ حق نے دھر لیا تھا نہر کے اوپر

فضا میں دفعتاً اللہ اکبر کی ندا گونجی　　　محمد مصطفیؐ کے نام نامی سے ہوا گونجی

پرچم اسلام کی توصیف کے پھریرے اڑاتے ہوئے فرماتے ہیں:

علم ہے رحمت عالمؐ کا پرچم ہے نبوّت کا　　　یہی پرچم ہے اسلامی مساوات و اخوّت کا

یہ پرچم برسرِ لاہور ''غازی'' نے ہے لہرایا　　　یہ پرچم ہے طفیلِ مصطفیؐ، اللہ کا سایہ

آخر میں صاحب معراج صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے دعا کرتے ہیں:

طفیلِ رحمت للّعالمیںؐ یہ بھی سعادت دے　　　ہمیں اسلام کے غازی بنائے اور شہادت دے

یہ لاہور اتحاد قوم کا سرتاج ہو جائے　　　عروج اس کا قبول اے صاحب معراجؐ ہو جائے[۲۷۱]

رزمیہ منظومات کے ایک انتخاب ''خامہ خونچکاں اپنا'' [۳۷۱] میں حفیظ کی ایک نظم ''فوج پاکستان کو شاعر اسلام کا سلام'' شائع ہوئی تھی۔ جس میں ابوالاثر نے برّی، بحری اور فضائی افواج کو نذرانۂ سلام پیش کیا ہے۔ اور ان افواج کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کا معجزہ قرار دیا ہے اور اس بات پر فخر اور انبساط کا مظاہرہ کیا ہے کہ فاتح بدر وحنین، سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پوری سپاہ کے سپہ سالار ہیں:

فوج پاکستان کے ہر اک فدائی کو سلام　　　لشکرِ برّی و بحری و فضائی کو سلام

اور اونچا کر دیا جس نے علم اسلام کا　　　فوج حق ہے، معجزہ ہے مصطفیؐ کے نام کا

عام فوجی ہے کہ افسر یا بڑا سردار ہے　　　اب محمد مصطفیؐ سب کا سپہ سالار ہے[۴۷۱]

پروفیسر ارزش جے پوری پاک فضائیہ کے شاہینوں کے کمالات کا سبب عشق دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم کو سمجھتے ہیں۔ نظم ''جام زہر'' میں اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

فضائیہ کمک کے واسطے اٹھی تو دفعتاً نجوم نیک فال بن کے آسماں پہ چھا گئی

گرائے بم تو اس طرح مہیب ٹینک پھٹ پڑے کہ جیسے سر پہ فیل کے وہ کنکری گرا گئی

بعشقِ دینِ مصطفیٰؐ ورائے فکر جسم و جاں بحکم ربّ ذوالجلال معجزے دکھا گئی ۱۷۵؎

حمید نسیم کی نظم ''ارض سیالکوٹ'' میں اقبال کے جائے پیدائش کو نذرانۂ عقیدت کے پھول نذر کرتے ہوئے اس سرزمین کو دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آبرو کی پائندگی کا سبب گردانا گیا ہے:

پائندہ تجھ سے دینِ محمدؐ کی آبرو ارضِ سیالکوٹ حرم مرتبت ہے تو

باطل سے جنگ میں تری عزت ہوئی دو چند اے غازیوں کے شہر تری خاک ارجمند

تابندہ تُو ہے، تُو ہے زمانے میں سر بلند ۱۷۶؎

ظہیر نیاز بیگی ''افواج پاکستان'' میں عسکری ادارے کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہمت و جرأت کے پیکر، صاحب عزم و یقیں امّت محبوب داورؐ کے زمانے میں امیں

یہ ضعیفوں کے لیے خلقِ پیمبرؐ کا جمال ان کی ہستی، ہستیٔ ظالم پہ قہر ذوالجلال ۱۷۷؎

عشرت رحمانی جنگ ستمبر میں نمایاں کردار ادا کرنے والی سرزمین سیالکوٹ کو اپنی نظم ''حصار عہد آفریں سیالکوٹ کو سلام'' میں زبردست داد و تحسین سے نوازتے ہیں:

وہ باطل و حق کی جنگ ایک عظیم معرکہ زمانہ جس کو سن کے دنگ ایک عظیم معرکہ

مجاہدین مختصر مگر عظیم ہمتیں خدائی ہاتھ ساتھ ساتھ اور اس کی نصرتیں

لیے ہوئے جلو میں برکت شفیع مذنبیںؐ

اسی طرح ایک اور بند کے آخر میں کہتے ہیں:

مبارک اے پناہ دینِ رحمت للعالمیںؐ حصار عہد آفریں، سیالکوٹ کی زمیں ۱۷۸؎

ابوالطاہر فدا حسین فدا ''وادیٔ لاہور'' میں داتا کی نگری پر خراج عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وادیٔ لاہور تجھ پہ سایۂ یزداں رہے رحمت حق کا سدا ہوتا رہے تجھ پہ نزول

حامی و ناصر ترا اللہ کا پیارا رسولؐ زندہ و پائندہ یا ربّ! قلب پاکستاں رہے

وادیٔ لاہور تجھ پہ سایۂ یزداں رہے ۱۷۹؎

حافظ غازی آبادی ''ارض پاک سیالکوٹ'' میں شہر اقبال و فیض کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اُس طرف گاگر میں گنگا جل یہاں کوثر کا جام اُس طرف راون کے بیٹے اس طرف حق کے غلام

اُس طرف وحشی درندے، جاہل و بدخو تمام اس طرف سینہ سپر ہے امّتِ خیرالانامؐ

اس طرف قرآن ہے اسلام ہے ایمان ہے

اُس طرف باطل ہے ظلم و جور کا سامان ہے ۱۸۰؎

حافظ مظہر الدین اپنی نظم ''جہاد و جنگ'' میں جہاد و قتال کو فرض قرار دیتے ہوئے فوج پاکستان کی خصوصیت بتاتے ہیں کہ جنگ کے ہنگام میں بھی فوج کے لبوں پر نعتِ شہنشاہِ دوسرا صلی اللہ علیہ وآلہٖ و سلم جاری رہتی ہے:

ہوائیں شعلہ فشاں ہیں، فضائیں شعلہ فشاں لرز رہا ہے حریفانِ تیرہ دل کا جہاں

ترانہ ریز و رجز خواں ہے فوج پاکستاں　　فضائے جنگ میں بھی یادِ مصطفیٰؐ کی ہے

لبوں پہ نعت شہنشاہِ دوسراؐ کی ہے ۱۸۱؎

شیر افضل جعفری ''کیا کیا نظر آئے'' میں اپنی فوج ظفر موج کی تعریف رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ و سلم کے حوالے سے کرتے ہیں:

سائے میں رسول عربیؐ کے جو پلی ہے　　وہ فوج ظفر موج لپکتی نظر آئے ۱۸۲؎

ملّی شاعری میں صاحب ملّت علیہ الصّلوٰ ۃ والسّلام کے ناگزیر ذکرِ دل پذیر کی ایک اور نظیر مندرجہ بالا شعری امثال بھی ہیں۔ جن میں شاعروں نے شہروں اور عسکری اداروں خراجِ تحسین پیش کرتے وقت بھی سرکارِ دو عالم، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سہارا لینا ضروری سمجھا ہے۔

(و) ختمی مرتبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلے سے دعائے فتح و نصرت:

دوسرے باب (دیکھیے ص ۳۰) میں سورۂ بقرہ کی آیت: ۸۹ کی تفسیر کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے کہ متعدد مفسرین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے قبل یہودی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے وسیلۂ مبارک سے دشمنوں پر فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے مسلمان بدرجہ اولیٰ اس بات کے حق دار ہیں کہ وہ اپنے ہادی و رہبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واسطے سے ربّ کائنات سے اپنے دشمنوں پر فتح و نصرت کے طالب ہوں۔ اسی باعث ہر دور کے مسلمان شعراء کے ہاں اس بات کا خصوصی التزام ملتا ہے۔ چھے ستمبر کی جنگ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ چند منتخب امثال مندرجہ ذیل ہیں۔

رحمان کیانی پاک فضائیہ سے اپنی وابستگی کا حق ادا کرتے ہوئے وقت رخصت اپنے ہوا بازوں کے لیے اپنی نظم ''دعا'' میں دعا گو ہیں:

الٰہی! تجھے واسطہ ہے نبیؐ کا | حسینؓ و حسنؓ، فاطمہؓ اور علیؓ کا
دیارِ نبیؐ و زمینِ حرم کا | سر عرش کرسی و لوح و قلم کا
انھیں زورِ بازوئے حیدرؓ عطا کر | انھیں جوشِ پروازِ جعفرؓ عطا کر ۱۸۳؎

جعفر طاہر بھی فتح و کامرانی کی دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

پئے جہاد رضائے کرم کے طالب ہیں | علیؓ کی تیغ نبیؐ کے علم کے طالب ہیں
خدا عدو پہ ہمیں فتح و کامرانی دے | ضعیف ہیں تو وہ بارِ دگر جوانی دے ۱۸۴؎

عبدالعزیز خالد اپنی نظم ''مژدۂ فتح مبیں'' میں تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا واسطہ دیتے ہوئے ربّ کائنات سے ملتمس ہیں:

کون پاکستان کا تیرے سوا | حامی و ناصر، مددگار و معیں
ہم تری تائید کے محتاج ہیں | ہم غلامانِ رسولِ آخریںؐ ۱۸۵؎

''اے محمدؐ کے خدا'' میں امید فاضلی بھی ملک وملّت کی فتح ونصرت کے لیے خدائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے التجا کرتے ہیں:

اے محبت کی تجلّی! اے محمدؐ کے خدا! | اے کہ تیرے نور کا آئینہ، ذاتِ مصطفیٰؐ
اے خدائے جزو وکل! نصرت کا پھر پیغام دے | اس وطن، اس قوم، اس ملّت کو استحکام دے ۱۸۶؎

خورشید خاور امروہوی ''زندہ دلانِ لاہور کی خدمت میں گلہائے عقیدت'' نامی نظم میں مجاہد ملّت خادم حسین اور غازیوں اور شہیدوں کے لیے بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہیں:

گود میں کھیلیں حوروں کی خادم حسین | ہوں مددگار ان کے جمیل الشیمؐ

غازیوں پر رہے سایۂ ذوالجلال ہوں شہیدوں کے شافع شفیع الامم ؐ ۱۸۸؎

حبیب احمد صدیقی حبیب بدایونی ’’آہنگ وقت‘‘ کے آخری شعر میں رحمت حق سے بوسیلۂ نبیِ امّی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سہارا طلب کرتے ہیں:

ہر چند کہ عاصی سہی امّت ہے نبیؐ کی درکار ہے اے رحمت حق تیرا سہارا ۱۸۹؎

حفیظ جالندھری ’’کشمیر کے جاں باز‘‘ میں فریاد کناں ہیں اور خدائے بزرگ و برتر سے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلۂ جلیلہ سے امداد کے طالب ہیں:

خدا وندا! ترے محبوبؐ کی امّت پہ حملہ ہے تری نصرت سے یہ غازی مجاہد فتح پاتے ہیں ۱۹۰؎

مسلمان وہی ہے جو مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ بزم میں اور رزم میں مولائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی خوشنودی کو مدّ نظر رکھا جائے کیوں کہ ’’رضائے خدا ہے رضائے محمدؐ‘‘۔ اسی لیے ہنگامِ جہاد ایک مجاہد دشمن پر فتح کے حصول کے لیے محبوبِ ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وسیلۂ جلیلہ اختیار کرتا ہے۔ مندرجہ بالا امثال اسی بات کی شہادت میں پیش کی گئی ہیں۔

(ز) بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ و سلم میں فریاد و استمداد:

دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلممیں امّت مسلمہ کا استغاثہ پیش کرنے کی روایت صرف نعتوں میں ہی نہیں ملّی شاعری میں بھی قدیم دور سے چلی آ رہی ہے۔ تاہم اس کو استحکام حالؔی کے ہاتھوں نصیب ہوا ہے۔ اس کے بعد سے آج تک بیشتر ملّی شعراء کے ہاں اس روایت کی پاس داری کا رجحان ملتا ہے۔ اور موقع بموقع ملّت اسلامیہ کی کسمپرسی اور تباہ حالی پر بارگاہِ سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمسے استمداد طلب کی جاتی رہی ہے۔ اس کی جھلکیاں جنگ ستمبر سے متعلق شاعری میں بھی دیکھی جا

سکتی ہیں۔ مثلاً ''التماس'' کے عنوان سے طویل بحر میں نعیم صدیقی کی ایک نظم ہے۔ جس کا ٹیپ کا مصرع ہے: ع

ہم گنہگار شیدائیوں کی طرف اک نظر سرورِ دو جہاںؐ دیکھیے

شاعر بارگاہِ رسالت میں فریاد لے کر پہنچا ہے کہ دشمنوں نے ملّت پاک پر حملہ آور ہو کر بے گناہ بزرگوں، بچّوں، ماؤں اور بہنوں کا خون بہایا ہے۔ کشمیر کی وادیٔ جنت نظیر میں خون کی ندیاں رواں ہیں اور کشتِ گل جیسے کشتِ شرر بن گئی ہے۔ لیکن ملّت کے پاسبان آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق میں سرشار ہیں اور صفحۂ دہر پر عاشقی کی نئی نئی داستانیں رقم ہو رہی ہیں۔ مختلف نسلوں اور مختلف بولیوں والے آج ہم سخن اور ہم زبان ہو گئے ہیں۔ یہ کارواں جو کاروانِ اسلام ہے اس کی ابتلا اور امتحان کا وقت ہے۔ اور یہ کاروانِ ملّت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چشم کرم کا طالب ہے۔

چوں کہ نظم کے ہر شعر کا اختتام ''دیکھیے'' کی ردیف پر ہوتا ہے اور شاعر کا روئے سخن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی جانب ہے اس لیے پوری نظم کا ہر شعر نعتیہ پہلو کا بھی حامل ہے۔ بخوفِ طوالت صرف چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

ہم گنہگار شیدائیوں کی طرف اک نظر سرورِ دو جہاںؐ دیکھیے
آفتیں دیکھیے، مشکلیں دیکھیے، ابتلا دیکھیے، امتحاں دیکھیے
پھول روندے ہوئے، غنچے مسلے ہوئے، شاخیں ٹوٹی ہوئیں، پتّے بکھرے ہوئے
تھی دعا آپؐ کی جس کی بادِ صبا، آج اپنا وہی گلستاں دیکھیے
کیسے دوزخ کی لو آج چلنے لگی، سوئے کشمیر جنت فشاں دیکھیے
دیووں بھوتوں کے قبضے میں ہے آج کل حسن فطرت کا باغ جناں دیکھیے
شاہراہوں پہ اک بھیڑ ہے ان دنوں، غازیوں کی قطاریں رواں دیکھیے

آپؐ کے عشق کی مے سے سرشار ہیں ملّت پاک کے پاسباں دیکھیے
آج شمشیر حق بن گئی ہے قلم، خون کی روشنائی ہوئی ہے بہم
صفحۂ دہر پر ہو رہی ہے رقم، عاشقی کی نئی داستاں دیکھیے
آپؐ کا کارواں ہے عجب کارواں، ایک ہی راہ پر ایک دھن میں رواں
ہم نظر دیکھیے، ہم سفر دیکھیے، ہم قدم دیکھیے، ہم عناں دیکھیے
مختلف ان کی نسلیں ہیں، انساب ہیں، ایک ہی داستاں کے یہ ابواب ہیں
مختلف بولیاں بولتے ہیں مگر، ان کو یاں ہم سخن ، ہم زباں دیکھیے
ہم گنہگار شیدائیوں کی طرف اک نظر سرورِ دو جہاں دیکھیے ۱۹۱

پروفیسر غلام جیلانی اصغر اپنی نظم ''سرزمین سرگودھا کو سلام'' میں امّت محمدیہ علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم کے لیے احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عظمت کردار کی بھیک مانگتے ہیں:

اے صاحبِ لولاک لماً، صاحبِ اسرارؐ اے توؐ کہ ترا ذکر ہے سرمایۂ اذکار
دانائے سبلؐ، جرأت کردار عطا ہو امّت کو وہی عظمت کردار عطا ہو ۱۹۲

خلیق قریشی دربارِ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں امّت کی فریاد لے کر پہنچے ہیں اور اپنی نظم ''عہد'' میں کہتے ہیں:

ختم یہ باب بفیض شہِ لولاکؐ ہوا مرا محبوبِ سخن اب وطن پاک ہوا
دامنِ شاہِ مدینہؐ سے لپٹ جاؤں گا روؤں گا رحمت عالمؐ کو یہ بتلاؤں گا
مرے مولاؐ! تریؐ امت کی یہ فریاد ہے آج مرے آقاؐ! ہے ترےؐ ہاتھ ترےؐ دین کی لاج ۱۹۳

ایک اور نظم ''فریاد بحضور سرور کائناتؐ'' میں بھی خلیق قریشی ملّت کا استغاثہ لے کر حاضر ہوئے ہیں۔

اور حالی سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے سرور کونینؐ! شہِ ارض و سما دیکھ! امّت پہ تریؐ آج ہے کیا وقت پڑا دیکھ!

منجدھار ہے اور اس میں ہے ملّت کا سفینہ اے ساحلِ تسکینؐ! یہ امواج بلا دیکھ!

یہ ارض مقدس کہ وطن ہے ترےؐ دیں کا اے شاہِ اممؐ! اس کو بعنوانِ خطا دیکھ! ۱۹۴

شورش کاشمیری ''ایک عہد ایک دعا'' میں دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے رجوع کرنے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شورش ہو کرم انؐ کا تو پھر خوف نہیں ہے دربارِ رسالتؐ میں دعا کرتے رہیں گے ۱۹۵

کشمیریوں کی خستہ حالی اور ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کی دہائی لے کر ناز سیٹھی بارگاہِ شاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں پہنچے ہیں۔ ''التجا بحضور شاہِ دو عالمؐ'' میں امداد کے لیے جھولی پھیلاتے ہوئے کہتے ہیں:

تلاطم خیز ہے طوفانِ غم، کشمیر میں شاہاؐ! نزول صد بلا ہے دم بدم کشمیر میں شاہاؐ!

نکالا گھر سے کشمیری مسلمانوں کو اور ان پر کیا ہے دشمنِ دیں نے ستم کشمیر میں شاہاؐ!

مسلمانوں کے خوں سے سرخ ہے رنگِ شفق اس کا زمیں خونِ شہیداں سے ہے نم کشمیر میں شاہاؐ!

فلک روتا ہے خوں ان بے کسوں کی خاک تربت پر کیا کفّار نے جن پر ستم کشمیر میں شاہاؐ!

دعا ہے نازؔ کشمیری مسلمانوں کے حق میں یہ ہوں ان کے آگے سر باطل کا خم کشمیر میں شاہاؐ! ۱۹۶

دورِ ابتلا میں دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے رجوع کرنے کی روایت ملّی شاعری میں ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ جنگِ ستمبر بھی ایسا ہی ایک دور تھا جب ملک و ملّت کے بچاؤ کے لیے بطور استغاثہ و استمداد شاعروں کا رخ خود بخود سوئے مدینہ ہو گیا۔ اوپر دیے گئے اشعار میں اسی احساس کو

نظم کیا گیا ہے۔

(ح) عزم فتح اور حصولِ فتح کے بعد اظہارِ تشکّر میں تذکرۂ رسولِ مبینصلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم:

اپنے سے کئی گنا بڑے اور طاقتور دشمن کے سامنے صرف ہمارے جاں باز ہی ڈٹ کر نہیں کھڑے ہوئے بلکہ جہادِ قلم کے حامل شعراء بھی ان کے شانہ بشانہ کھڑے تھے۔ یہ شاعر اپنی فتح کے لیے پُرعزم تھے اس لیے ان کے لہجے میں ایک للکار، ایک تیقّن موجود ہے جو حصول فتح کے بعد اظہار تشکر میں تبدیل ہوگیا ہے۔ ایسی بیشتر منظومات میں شاعروں نے تذکرۂ فاتح مکہ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم سے اپنے پرعزم ارادوں کو قوی بھی کیا ہے اور نذرانۂ تشکر بھی پیش کیا ہے۔ مثلاً صبا اکبر آبادی کو یقین ہے کہ رحمت باری تعالیٰ غازیوں کے ساتھ ہے۔ اور یہ غازی چوں کہ شہنشاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٗ و سلم کے غلام ہیں اس لیے ہر موڑ، ہر گام پر فتح ان کے قدم چومے گی۔ اقبال کی نظم ''فتح ہماری'' اسی عزم کی عکاسی کرتی ہے:

ہے سطحِ سمندر پہ رواں اپنا سفینہ　　　چھلنی کریں دشمن کا ہر اک وار پہ سینہ

غازی ہیں غلامانِ شہنشاہِ مدینہؐ　　　ہر موڑ پہ ہر گام پہ ہے فتح ہماری

ہم غازیوں کے ساتھ میں ہے رحمت باری ۱۹۷

سیّد ضیا جعفری ''سحر نو کی کرن'' میں قسم کھا کر کہتے ہیں:

اب تو چھوڑیں گے نہ حیدرؓ کی قسم　　　اپنا حق لیں گے پیمبرؐ کی قسم ۱۹۸

جمیل نقوی ''نمودِ صبح'' میں اقبال سے استفادہ کرتے ہوئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قسم کھا کر اپنے ارادوں کا اظہار کرتے ہیں:

رسولِ برحقؐ و سرخیل انبیاءؐ کی قسم   عدو قوی تو نگہبان اس سے بڑھ کے قوی

نہ بجھ سکا نہ بجھے گا کبھی خدا کی قسم   سمومِ بولہبی سے چراغ مصطفویؐ ۱۹۹

اسی عزمِ مصمّم کا اظہار محمد صفدر میر نے اپنی طویل آزاد نظم ''سیالکوٹ کی فصیل'' میں بھی کیا ہے:

خدائے حق ابھی تو حشر دور ہے
ابھی سے جنّتوں میں جا کے کیا کریں گے
تیری ارضِ پاک کو ہمارے خوں کی احتیاج ہے
ہم ترے حضور میں
ترے رسولؐ کی قسم
ترے رسولؐ کی ندا پہ آئے ہیں...
ہم یہاں ترے رسولؐ کی جہاد کی دعا سنانے آئے ہیں ۲۰۰

ایک اور آزاد نظم ''ہم بڑھے آ رہے ہیں'' میں احمد راہی اسی یقین کے ساتھ، جو ایک مجاہد کا خاصہ ہے، باور کراتے ہیں:

ہم اللہ کے بندے
محمدؐ کے پیرو، علیؓ کے نڈر شیر ہیں
جن کے ہاتھوں میں خالدؓ کی تلوار ہے
جن کا ورثہ ہے طارقؒ کا عزم بلند
جن کو اقبالؒ درسِ خودی دے گیا

اور قائدؒ پیامِ یقین و عمل ۲۰۱

طفیل ہوشیار پوری اس بات پر خدا کے شکر گزار ہیں کہ اس نے اس خیر و شر کی جنگ میں بفیض مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہماری مدد کر کے ہم پر احسان کیا۔ نظم کا عنوان بھی ''اللہ تیرا شکر ہے'' رکھا گیا ہے:

آئی لہو میں ڈوب کر، جب چھے ستمبر کی سحر　　　اللہ تیرا شکر ہے، اللہ تیرا شکر ہے
اس خیر و شر کی جنگ میں، کر کے مدد ہر رنگ میں　　　الجھے ہوئے آئے نظر، اک دوسرے سے خیر و شر
تو نے بفیض مصطفیٰؐ، ہم پر بڑا احساں کیا　　　اللہ تیرا شکر ہے ۲۰۲

اس احساس تشکّر میں احسان دانش بھی شریک ہیں۔ نظم ''صبح پیکارؒ'' کے اشعار شاہد ہیں:

پائی ہر اک نے اپنے ہی عزم و عمل کی داد　　　سب کو اگرچہ فضل خدا سے ملی مراد
یعنی یقینِ محکم و تنظیم و اتحاد　　　اس پر بھی قولِ قائد اعظم تھا سب کو یاد

یاں نقطۂ نگاہ بھی، ایماں بھی ایک تھا
اللہ بھی، رسولؐ بھی، قرآں بھی ایک تھا ۲۰۳

شاہد مظفر نگری، ''مجاہدین ذی وقار'' میں دعائے فتح و نصرت مانگتے ہوئے کہتے ہیں:

نصیب فتح ہو تمھیں، ہے ساری قوم کی دعا　　　تمھارے ساتھ ہے خدا، تمھارے ساتھ مصطفیٰؐ ۲۰۴

عظیم قریشی اپنی نظم ''بقائے دوام کے راہی'' میں کامیابی کے حصول کو خواجۂ کون و مکاں، نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صدقہ قرار دیتے ہیں:

اُنؐ کے صدقے ہی میں یہ ہم کو ملی ہے نصرت　　　خواجۂ کون و مکاںؐ اپنے مددگار ہوئے
ایسے بدلی تیرےؐ بیٹوں نے وطن کی قسمت　　　اسیؐ اک نام سے تاباں رہے قالب اپنے ۲۰۵

محشر بدایونی کو کامل یقین ہے کہ فتح و نصرت تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے غلاموں کی ادنیٰ کنیز ہے۔ نظم ''ضرب حق'' اُن کے اس یقین محکم کا اظہار ہے:

مٹا سکو گے نہ لوح زمیں سے تم ہم کو　　　خدا کے دین کا نقش دوام ہیں ہم لوگ

سنو! کہ حرّیت و فتح ہے ہماری کنیز　　　محمد عربیؐ کے غلام ہیں ہم لوگ ۲۰۶؎

''خون شہیداں کی قسم'' میں خلیق قریشی پُر یقین ہیں کہ وطن پاک کی جانب جو بھی نظر بد اٹھے گی وہ خواجہ ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے طفیل خاک بسر ہو جائے گی:

رحمت ہر دو جہاںؐ، خواجۂ ہر دو عالمؐ　　　تیریؐ امت کو ترےؐ سایۂ داماں کی قسم

جس سے اسلام کی عظمت کو ملی تاب و تباں　　　ہاں اسی قافلۂ بے سرو ساماں کی قسم

وطن پاک کی جانب جو نظر اٹھے گی

خاک ہو جائے گی اور خاک بسر اٹھے گی ۲۰۷؎

ثاقب حزیں ''اے وطن'' میں اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکے پیغام حق کو باطل کبھی دبا نہیں سکتا:

جو پیام حق دیا تھا ایک امّیؐ نے کبھی　　　دب نہیں سکتا وہ باطل کے دبانے سے کبھی

کفر بھی اب بھول سکتا ہی نہیں حملے کبھی　　　گونج اٹھا تھا نعرۂ تکبیر سے سارا ہی من

اے وطن، میرے وطن، میرے وطن، میرے وطن ۲۰۸؎

ربیعہ فخری ''اے خون شہیداں تیری قسم'' میں اقبال و قائد کے گلشن اور مرکز دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم یعنی پاک سرزمیں کی حفاظت کے لیے شہیدوں کے لہو کی قسم کھاتی ہیں:

ہے مرکزِ دینِ مصطفویؐ، پاک زمیں یہ پاک وطن　　　اقبال کا ہے یہ خواب حسیں، قائد کی تمناؤں کا چمن

قائد کے لگائے گلشن کو سینچیں گے ہمیشہ خون سے ہم اے خونِ شہیداں تیری قسم ۲۰۹

مظہر الدین نظم ''غازیان وطن'' میں باطل کی شکست پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

پھر رزم گاہ میں ہیں غلامانِ مصطفیٰؐ پھر کفر ہے شکست کی ذلّت سے آشنا

دشمن کے ہر محاذ پہ کہرام ہے بپا میدان میں ہے فوج شہِ مشرقینؐ کی

پھر یاد تازہ ہو گئی بدر و حنین کی ۲۱۰

حیات اجمیری ''عزم نو'' میں پرعزم ہیں کہ کفر آندھیاں نورِ چراغِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بجھانے میں کامیاب کبھی نہیں ہو سکتی:

کفر کی آندھی میں روشن ہی رہیں گے یہ چراغ ہیں چراغِ مصطفیٰؐ کے نور کی تنویر ہم

ہم غلامانِ محمدؐ بن کے زندہ ہیں حیات جانتے ہیں انؐ کے نام پاک کی تاثیر ہم ۲۱۱

ارشاد احمد شاکر کی نظم ''نہ چھیڑ مجھے'' میں دشمنانِ وطن کو خبردار کیا گیا ہے کہ غلامِ صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو چھیڑنے کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے:

محافظ وطن پاک ہوں نہ چھیڑ مجھے غلامِ صاحبِ لولاکؐ ہوں نہ چھیڑ مجھے

جہاں میں میری شجاعت کا چار سو شہرہ کہ میں ہوں شیر نیستانِ احمدِ عربیؐ

مری نوا سے فضاؤں میں برق ہے لرزاں کڑک ہوں، رعد ہوں، کاشانہ سوزِ بولہبی

محافظ وطن پاک ہوں نہ چھیڑ مجھے غلامِ صاحبِ لولاکؐ ہوں نہ چھیڑ مجھے ۲۱۲

صنعت توشیح میں صہبا اختر نے اپنی نظم کے عنوان ''پاکستان کی فتح'' کے ہر حرف سے مصرع لکھا ہے اور نعرۂ ہو بلند کیا ہے:

س سے سرّ محمدؐ جو ہے صبح ازل کا شعلہ، ہُو!

ا سے اللہ، الف سے احمدؐ بیچ میں نور کا پردہ، ہُو!

ف سے فاتح بدر وحنینؐ کی عظمت کا اندازہ، ہُو! ۲۱۳

''اے شہیدان وطن تم پر سلام'' میں اثر ترابی شہیدان وطن کو نذرانۂ سلام پیش کرتے ہوئے اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دن کشمیر پر اسلام کا پرچم ضرور لہرائیں گے:

پرچم اسلام کھلتا جائے گا ایک دن کشمیر پر لہرائے گا

عزم رکھتے ہیں محمدؐ کے غلام اے شہیدان وطن تم پر سلام ۲۱۴

مولانا ظفر علی خان کے مشہور مصرعے ''پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا'' کے عنوان سے اپنی نظم میں حافظ غازی آبادی اس یقین کا اظہار کرتے ہیں کہ باغِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس جہان میں پھولے پھلے گا اور بندگانِ حق حرمت دین رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جان بھی قربان کر دیں گے:

پھولے پھلے گا باغِ رسالتؐ جہان میں اسلام کے شجر کو مٹایا نہ جائے گا

دے دیں گے جان حرمتِ دین رسولؐ پر ہم بندگانِ حق کو ڈرایا نہ جائے گا ۲۱۵

حافظ نور محمد انور ''میں غازی ہوں'' میں حیاتِ جاوداں کا راستہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

میں غازی ہوں خدا کے نام پر گردن کٹا دوں گا جہاں سے ظلمتِ باطل کو میں یکسر مٹا دوں گا

جنابِ مصطفیٰؐ کے دیں کی عزّت پر فدا ہوکر حیاتِ جاوداں کا راستہ سب کو بتا دوں گا ۲۱۶

نامِ نامیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مومن کی رگوں میں لہو بن کر گردش کرتا ہے اور اس کی ساری تگ و دو رضائے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حصول کے لیے ہوتی ہے۔ باطل قوتوں پر فتح یابی اسے احساس دلاتی ہے کہ یہ فتح و نصرت اسے اسی نامِ نامی کی برکت سے حاصل ہوئی ہے۔ اس لیے وہ

اظہارِ تشکّر میں فاتح بدر و حنین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حوالہ اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے۔ جس کی مثالیں اوپر دیکھی جاسکتی ہیں۔

(ط) متفرقات

ذیل میں متنوّع موضوعات کی حامل منظومات سے ایسی نظیریں پیش کی جاتی ہیں جو حوالۂ رسولِ آخریں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حامل ہیں۔

کیف بنارسی کی ایک نظم ''دوارکا کی تباہی'' کے عنوان سے ہے۔ جس میں وہ اس بات پر اظہار مسرّت کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ غلامانِ شاہِ حجازی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوارکا کو تباہ کرنے چل پڑے ہیں

یہ سنتے ہی بحری مجاہد اٹھے　　عزائم کے طوفاں دلوں میں لیے
سمندر کی ہر لہر پر چھا گئے　　تڑپ کر اندھیروں کو چمکا گئے
عدو کے لیے تو قضا بن گئے　　کراچی کے لب پر دعا بن گئے

غلامانِ شاہِ حجازیؐ چلے
ہتھیلی پہ سر لے کے غازی چلے [۲۱۷]

سات ستمبر ۱۹۶۸ء کو جب پاک فضائیہ کو قومی پرچم دیا گیا [۲۱۸] اس پر رحمان کیانی نے ''اور جب پرچم ملا'' کے عنوان سے نظم لکھی تھی۔ جس کے آخری بند میں اس پرچم کو دعائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منسوب کیا گیا تھا:

اب اس علَم کی اور کیا تعریف ہو رقم　　'النجم والقمر' ہو پھریرے پہ جب بہم
بہتر یہی ہے ہاتھ سے رکھ دوں یہیں قلم　　کہہ دوں جو کہہ سکوں پئے تسلیم ہو کے خم

یہ رحمت خدا ہے، دعائے رسولؐ ہے

کعبے کا ہے غلاف، ردائے بتولؑ ہے ۲۱۹

''نبی الملاحمؐ'' عنوان کی رو سے بظاہر نعت ہے لیکن بیشتر اشعار بانیٔ رسم جہاد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فلسفۂ جہاد کے تذکرے پر مشتمل ہیں۔ رحمان کیانی خود اس بات کی وضاحت کرتے ہیں:

نعتِ رسولؐ کا یہ طریقہ عجب نہیں　　سمجھیں عوام داخلِ حدّ ادب نہیں
لیکن یہ طرز خاص مرا بے سبب نہیں　　شیوہ سپاہیوں کا نوائے طرب نہیں
رائج ہزار ڈھنگ ہوں ذکرِ حبیبؐ کے
شاہیں سے مانگیے نہ چلن عندلیب کے

جب بھی سپاہیوں سے پیمبرؐ کو پوچھیے　　خندق کا ذکر کیجیے خیبر کو پوچھیے
بدر و احد کے قائدِ لشکرؐ کو پوچھیے　　یا غزوۂ تبوک کے سرورؐ کو پوچھیے
ہم کو حنین و مکّہ و موتہ بھی یاد ہیں
ہم امّتی بانیٔ رسم جہادؐ ہیں

لاکھوں درود ایسے پیمبرؐ کے نام پر　　جو حرفِ لا تخف سے بناتا ہوا نڈر
اک جاوداں حیات کی بھی دے گیا خبر　　یعنی خدا کی راہ میں کٹ جائے سر اگر
ہم کو یقین ہے کبھی مرتے نہیں ہیں ہم
اور اس لیے کسی سے بھی ڈرتے نہیں ہیں ہم ۲۲۰

اسلام میں دشمن سے جنگ و جدل کے بھی کچھ اصول ہیں۔ جن کی تاکید مولائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کر کے گئے ہیں۔ ان اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے احسان دانش اپنی نظم ''صبح پیکار''

میں کہتے ہیں:

ہر وقت غازیوں کے تصوّر میں تھی یہ بات　　　برحق ہے کہہ گئے ہیں جو مولائے کائناتؑ

احسان و درگزر بھی ہے ایمان کی زکات　　　بچّوں پہ عورتوں پہ اٹھائے نہ کوئی ہات

قیدی ہوں کہ مریض ہماری اماں میں ہیں

گل ہوں کہ خار، فن کدۂ باغباں میں ہیں

باغوں کو کھیتیوں کو جلائے نہ کوئی شخص　　　غلّہ جہاں ہو آگ لگائے نہ کوئی شخص

شہروں میں شہریوں کو ستائے نہ کوئی شخص　　　بچّوں کو باپ ماں سے چھڑائے نہ کوئی شخص

اشکوں پہ جبر چشمۂ کوثر کا خون ہے

عصمت کا خون، روح پیمبرؐ کا خون ہے ۲۲۱؎

''وادیٔ کشمیر سے'' میں عاطر ہاشمی وادیٔ جنّت نظیر کو عظمت شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سہارے تسلّی دیتے ہیں:

چمکائیں گے ہم تیرے مقدر کے ستارے　　　ہاں! اس شہِ لولاکؐ کی عظمت کے سہارے

اے خواب کی تعبیر! اے وادیٔ کشمیر! ۲۲۲؎

منیر نیازی نظم ''اپنے وطن پر سلام'' میں وطن عزیز کی اساس کی نشان دہی کرتے ہیں:

اے وطن! اسلام کی امید گاہِ آخری، تجھ پر سلام

کل جہاں کی تیرگی میں اے نظر کی روشنی تجھ پر سلام

تو ہوا قائم خدا کی برتری کے نام پر

بازوئے حیدرؓ، جمال احمدیؐ کے نام پر ۲۲۳؎

خلیق قریشی نظم ''وطن کو سلام'' میں اپنے وطن کو التفات شہِ بطحا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حاصل ہونے کے باعث سلام عقیدت پیش کرتے ہیں:

حاصل ہے جس کو سرور بطحاؐ کا التفات　　اس سر زمین فخر زمن کو مرا سلام ۲۲۴؎

''ارض پاک'' میں ظہور الحق ظہور دل میں عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بسانے اور وطن دشمن عناصر کو مٹانے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں:

محمدؐ کی غلامی میں نہاں ہے رازِ آزادی　　ہمیں عشق نبیؐ دل میں بسانے کی ضرورت ہے

وطن کے نوجوانو! خیر اندیشو! نگہبانو!　　وطن دشمن عناصر کو مٹانے ضرورت ہے ۲۲۵؎

جنگ ستمبر میں انڈونیشیا کی جانب سے پاکستان کی غیر مشروط اور فراخ دلانہ حمایت پر ساغر صدیقی اپنی نظم ''گرمئ بازار انڈونیشیا'' میں برادر ملک کے شکر گزار ہیں:

مرحبا مردِ جری معمارِ انڈونیشیا　　مرحبا اے گرمئ بازارِ انڈونیشیا

تیرا دل روشن رسول اللہؐ کے پیغام سے　　چشم ہے مخمور تیری حرّیت کے جام سے ۲۲۶؎

''کھری کھری'' میں محمد مسلم بھارت سے مخاطب ہوکر واشگاف الفاظ میں باور کراتے ہیں کہ غازیوں کو صرف خدا تعالیٰ کا کرم اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمت مطلوب ہوتی ہے اور کچھ نہیں:

فخرِ ملّت غازیوں کو ہر گھڑی مطلوب ہے　　چشم رحمت مصطفیؐ کی، حق تعالیٰ کا کرم ۲۲۷؎

علامہ غلام شبیر بخاری نظم ''پاک پرچم'' میں خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالۂ جلیلہ سے پرچم ارض پاک کو سلام عقیدت کا ہدیہ پیش کرتے ہیں:

اے ارضِ پاک کے پرچم! سلام ہو تجھ پر　　لوائے مرسل خاتمؐ! سلام ہو تجھ پر

نشانِ رحمت پروردگار! تجھ پہ سلام　　اے گلشن نبویؐ کی بہار! تجھ پہ سلام

خدائے پاک کی رحمت سلام کہتی ہے　　　نگاہِ لطف نبوّت سلام کہتی ہے ۲۲۸؎

آٹھویں باب (دیکھیے ص ۱۹۱) میں گزر چکا ہے کہ حفیظ جالندھری قیام پاکستان کو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ قرار دیتے ہیں۔ اسی سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار پرواز جالندھری نے اپنی نظم ''اسوۂ شبیرؑ'' میں کیا ہے:

اے مملکت پاک کے معمار معظّمؐ　　　اے نور کے پیکر! تری تنویر کے صدقے ۲۲۹؎

سیدہ مقصودہ بانو نقوی اپنی نظم ''ماں کے تاثرات (بیٹے کی شہادت پر)'' میں ایک ماں کے دعائیہ کلمات نظم کرتی ہیں۔ جن میں وہ اپنے بیٹے کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے میں شہادت کی طلب گار نظر آتی ہیں:

تو مرے خواب کی تعبیر، مری آنکھ کا نور　　　دیکھنے سے تجھے حاصل تھا مرے دل کو سرور

اور کرتی تھی سدا میں یہ دعا پیش حضورؐ　　　میرے بیٹے کو خدا کاش فضیلت بخشے

اور صدقے میں محمدؐ کے شہادت بخشے ۲۳۰؎

منظر قریشی ''فضل باری تعالیٰ'' میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

تیرے فرماں پہ عمل اے شہِ لولاکؐ! کیا　　　پرچم دین متیں ہمسرِ افلاک کیا ۲۳۱؎

اقبال صفی پوری کی نظم ''اے صلّ علیٰ رحمت سرکارِ مدینہؐ'' عنوان کی رو سے نعتیہ نظم محسوس ہوتی ہے۔ لیکن سوائے ٹیپ کے مصرعے:　　ع

اے صلّ علی رحمتِ سرکارِ مدینہؐ

کے تقریباً تمام اشعار ملّی اور رزمیہ پہلو بھی رکھتے ہیں:

اے تاجورِ بدر و حنینؐ! اے شہِ ذی شاںؐ!　　　تیری ہی توجہ سے ہیں ہم فاتح دوراں

تجھ سے ہی ملا ہم کو شجاعت کا قرینہ — اے صلِّ علیٰ رحمتِ سرکارِ مدینہؐ

ہم رن میں جو بڑھتے ہیں تو بڑھتے ہیں مسلسل — قوت سے ہماری دلِ آفاق میں ہلچل

نعروں سے ہمارے رخِ باطل پہ پسینہ — اے صلِّ علیٰ رحمتِ سرکارِ مدینہؐ

تکبیر کے نعروں سے فضا گونج رہی ہے — ہر سمت یہی ایک صدا گونج رہی ہے

مومن کا ہے دل عزم و شجاعت کا خزینہ — اے صلِّ علیٰ رحمتِ سرکارِ مدینہؐ

اے ارضِ وطن، ارضِ وطن تو ہے خوش اقبال — دشمن کے قدم کر نہ سکیں گے تجھے پامال

اسلام کا ڈوبا ہے نہ ڈوبے گا سفینہ — اے صلِّ علیٰ رحمتِ سرکارِ مدینہؐ ۲۳۲

عزیز لدھیانوی نظم ''معرکۂ حق و باطل'' میں دین اور وطن کو لازم وملزوم قرار دیتے ہیں:

اے ملک پاک لائق صد عزّ و احترام — روشن کیا ہے ہم نے زمانے میں تیرا نام

دین و وطن ہیں لازم و ملزوم لاجرم — تیرا ہے دیں سے دین کا تجھ سے بلند مقام

اسلام تا ابد نہ مٹے کا جہان سے — فرمانِ حق ہے اور یہ قول شہِ انامؐ

کافر کثیر اور جدید اسلحہ سے لیس — لیکن بہت قلیل محمدؐ کے تھے غلام ۲۳۳

چھے ستمبر کی یاد میں عزیز لدھیانوی کی ایک نظم کا عنوان ہے ''یوم دفاع پاکستان ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء'' نظم میں شاعر نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اگر ایمان کی دولت کے ساتھ دل میں شوق شہادت اور ذوق ایثار ہو تو خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دست گیری ضرور فرماتے ہیں:

ذوقِ ایثار، شوقِ شہادت بھی ہو اور سینے میں دولت ہو ایمان کی

ساتھ دیں گے پھر اس کا رسولؐ و خدا، ہوگی برکت بھی ہمراہ قرآن کی ۲۳۴

''آؤ چلیں کشمیر ہم'' میں عزیز لدھیانوی کہتے ہیں کہ اس پاک سرزمین کا محافظ خدائے بزرگ و برتر ہے اور حامی شہِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم ہیں:

ہے پاک اپنی سر زمیں　　شیروں کے ہے زیرِ نگیں
حق کی مدد ہے بالیقیں　　حامی شہِ عرب و عجمؐ
آؤ چلیں کشمیر ہم
اس کا محافظ ہے خدا　　حامی شہِ ارض و سماؐ
سر ہے بلند اسلام کا　　قرآن میں ہے یہ رقم
آؤ چلیں کشمیر ہم ۲۳۵؎

میجر جلیل احمد اپنی نظم ''اے مردِ مسلماں'' میں مسلمانوں کو خبردار کرتے ہیں:

ہوں کشتیٔ امّت کو بچانے کی تدابیر　　مشرق سے بھی مغرب سے بھی آنے کو ہے طوفاں
پھر لشکرِ ظلمات کی ہر سمت ہے یلغار　　پھر خواب سے بیدار ہو اے مردِ مسلماں
اللہ ترے ساتھ، محمدؐ ہے تیرے ساتھ　　قوت تری ایمان ہے، رہبر ترا قرآں ۲۳۶؎

نتائج:

گزشتہ صفحات میں جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے دوران یا اس کی بابت کی گئی ملّی شاعری کے وسیع وعریض ذخیرے سے مختلف عنوانات کے تحت جو منتخب مثالیں دی گئی ہیں وہ متنوّع کیفیات کی حامل ہیں۔ ذکرِ وجہِ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم تو ہمیشہ سے ملّی شاعری کی اساس رہا ہی ہے۔ لیکن اس دور کی شاعری میں اس کا اظہار نت نئے انداز سے ہوا ہے۔ اور دفاعِ ملّت کے لیے برسرِ پیکار شاعروں نے محورِ ملّت علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم کا سہارا قدم قدم پر لیا ہے۔ کہیں شاعروں نے اس بات پر اظہارِ فخر کیا

ہے کہ وہ امّت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک حصہ ہیں کسی مقام پر انھوں نے اپنے مجاہدوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وسیلہ بنایا ہے۔تو کہیں ان کی بہادری اور دلیری پر بحوالۂ فاتح مکّہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خراج تحسین پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں بعض شاعر اس دورِ آزمائش و ابتلا میں محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دست گیری کے طالب بھی ہوئے ہیں تو کہیں اہلیان کشمیر کی حالت زار پر شہنشاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار میں فریاد واستغاثہ بھی پیش کیا گیا ہے۔کئی شاعروں نے دشمن کی تباہی پر مسرّت کے اظہار میں بھی تذکرۂ فخر آدم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ضروری سمجھا ہے۔ اکثر مقامات پر بارگاہِ خداوندی میں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا واسطہ دے کر فتح ونصرت کی دعا مانگی گئی ہے۔ اور کہیں غازیوں اور شہیدوں کو صاحب معراج علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم کے ارشادات پاک کے حوالے سے جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تذکرۂ بے شمار مقامات پر تنہا بھی کیا گیا ہے اور جاں نثاران نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تناظر میں بھی ہوا ہے۔ یہاں تک کہ فتح وکامرانی کی نوید اور اظہار تشکّر میں بھی صاحب بدر وحنین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر مبارک شامل ہے۔

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ ویسے تو ہر دور کی ملّی شاعری میں ذکر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک لازمی جزو کی حیثیت سے شامل سخن رہا ہے لیکن اس دور ابتلا میں شاعروں کی امیدوں کا مرکز، ان کے دکھوں کا مداوا، ان کا دفاعی مورچہ اور ان کی آخری جائے پناہ ذاتِ ربّ کائنات اور محبوب ربّ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی رہے ہیں۔ اس دور کی ملّی شاعری میں جو تحرّک اور جوش وجذبہ نظر آتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ شاعروں نے اس بات کا ادراک کرلیا تھا کہ ان کی منظومات کو رجزیہ لہجہ عطا کرنے کے لیے جس ولولۂ تازہ کی ضرورت ہے وہ انھیں صرف دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چوکھٹ پر ہی ملے گا۔ اپنی نظموں میں صاحب قاب قوسین صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر پاک کی شمولیت سے انھوں نے اپنی شاعری کی تطہیر بھی کی ہے اور اپنی عاقبت بھی سنواری ہے۔ اور سب سے بڑھ کر ایک دفعہ پھر پاکستانی قوم کو ''قوم رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' بننے کا صاف، سیدھا اور سچّا راستہ دکھایا ہے۔ اگر یہ قوم اس راستے سے روگردانی نہ کرتی تو صرف چھے سال بعد ہی سقوطِ مشرقی پاکستان کا سانحہ سامنے نہ آتا۔

حواشی:

۱۔ ''خوں آہنگ''، ص ۱۹ ۲۔ ایضاً، ص ۹۔۱۰

۳۔ خاور، رفیق (مرتب)، ''رزمیہ گیت''، ص ۵ ۴۔ عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، ''سخن ور، نئے اور پرانے''، ص ۱۶۳

۵۔ ایضاً، ص ۲۰۵ ۶۔ قریشی وحید، ڈاکٹر، ''ہمارے ادب کا نیا دور''، ص ۷۷۔۹۱

۷۔ شمارہ ستمبر، ۱۹۷۰ء ۸۔ ایضاً

۹۔ ''اردو شاعری میں پاکستانی قومیت کا اظہار''، ص ۲۸۲

۱۰۔ یعقوب، قاسم، ''اردو شاعری پر جنگوں کے اثرات''، ص ۱۱۲

۱۱۔ زہرا نگاہ و ثریّا مقصود، ص ۵ ۱۲۔ حقی، شان الحق، تعارف بر ''جنگ ترنگ''

۱۳۔ ''کلیاتِ شورش کاشمیری''، ص ۴۶۷ ۱۴۔ ایضاً، ص ۴۷۹

۱۵۔ مشمولہ: ''گلبانگِ جہاد''، ص ۵۷۔۵۸ ۱۶۔ مشمولہ: ''جنگ ترنگ''، ص ۳۴۸

۱۷۔ مشمولہ: ''گلبانگِ جہاد''، ص ۱۰۱۔۱۰۲ ۱۸۔ ایضاً، ص ۱۰۳۔۱۰۴ ۱۹۔ ایضاً، ص ۱۱۹۔۱۲۰

۲۰۔ ایضاً، ۱۲۱۔۱۲۲ ۲۱۔ ایضاً، ص ۱۳۱۔۱۳۳ ۲۲۔ ایضاً، ص ۱۴۲۔۱۴۳

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۵۲۔۱۵۳ ۲۴۔ ایضاً، ص ۱۶۰۔۱۶۱ ۲۵۔ ایضاً، ص ۲۰۳۔۲۰۴

۲۶۔ مشمولہ: ''سیّارہ'' (لاہور)، ص ۳۹ ۲۷۔ مشمولہ: ''جنگ ترنگ''، ص ۹ ۲۸۔ ایضاً، ص ۵۷

۲۹۔ ایضاً، ص ۱۴۱ ۳۰۔ ایضاً، ص ۱۸۳ ۳۱۔ ایضاً، ص ۱۸۵۔۱۸۶

۳۲۔ ''خوں آہنگ''، ص ۷۶۔۷۷ ۳۳۔ ''کلیاتِ شورش کاشمیری''، ص ۴۷۵

۳۴۔ ایضاً، ص ۵۰۲ ۳۵۔ ایضاً، ص ۵۱۱ ۳۶۔ ایضاً، ص ۵۴۰

۳۷۔ مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، حرفِ اوّل بر ''میرے محبوب وطن''، ص ۵ ۳۸۔ ''میرے محبوب وطن''، ص ۶۳

۳۹۔ ایضاً، ص ۶۱ ۴۰۔ شمارہ ستمبر ۱۹۶۶ء، ص ۶۔۸

۴۱۔''میراث مومن''،ص ۱۱۶۔ ۱۱۷ ۴۲۔ایضاً،ص ۱۲۶۔ ۱۲۷

۴۳۔مشمولہ:''رزمیہ گیت''،ص ۱۰۹۔۱۱۰ ۴۴۔''پاکستان زندہ باد''،ص ۱۰۵

۴۵۔مشمولہ:''گلبانگِ جہاد''،ص ۱۰۷۔ ۱۰۸ ۴۶۔مشمولہ:''جنگ ترنگ''،ص ۳۱۸

۴۷۔ایضاً،ص ۸۰۵ ۴۸۔ایضاً،ص ۶۴۲ ۴۹۔ایضاً،ص ۷۰۴

۵۰۔ایضاً،ص ۷۱۲ ۵۱۔ایضاً،ص ۷۳۳ ۵۲۔ایضاً،ص ۷۰۷

۵۳۔ایضاً،ص ۷۶۹ ۵۴۔ایضاً،ص ۷۸۳ ۵۵۔ایضاً،ص ۷۹۸

۵۶۔''سیف وقلم''،ص ۱۰۹۔ ۱۲۸ ۵۷۔ایضاً،ص ۱۳۷ ۵۸۔مشمولہ:''جنگ ترنگ''،ص ۱۳

۵۹۔''تیشۂ فرہاد''،ص ۱۰۳۔۱۰۴ ۶۰۔مشمولہ:''جنگ ترنگ''،ص ۷۹۲

۶۱۔ایضاً،ص ۸۰۳ ۶۲۔ایضاً،ص ۸۱۴ ۶۳۔ایضاً،ص ۸۱۷

۶۴۔مشمولہ:''جاگ رہا ہے پاکستان''،ص ۲۱۴ ۶۵۔ایضاً،ص ۲۶۰

۶۶۔ایضاً،ص ۲۹۰ ۶۷۔ایضاً،ص ۲۹۷ ۶۸۔ایضاً،ص ۳۰۶

۶۹۔ایضاً،ص ۳۳۹ ۷۰۔مشمولہ:''نغماتِ جہاد''،ص ۷۸

۷۱۔مشمولہ:''جاگ رہا ہے پاکستان''،ص ۳۳۹ ۷۲۔ایضاً،ص ۴۵۴ ۷۳۔ایضاً،ص ۵۲۹

۷۴۔''چاند میری زمیں''،ص ۳۵۔ ۳۶ ۷۵۔مشمولہ:''نغماتِ جہاد''،ص ۹۴

۷۶۔ایضاً،ص ۱۲۴ ۷۷۔ایضاً،ص ۱۳۹

۷۸۔مشمولہ:''چراغ راہ'' (کراچی)،جنوری ۱۹۶۶ء،ص ۵۵ ۷۹۔ایضاً،ص ۵۸،نظم پرعنوان درج نہیں ہے

۸۰۔مشمولہ:''خامہ خونچکاں اپنا''،ص ۳۳۔۳۴ ۸۱۔ایضاً،ص ۳۹ ۸۲۔ایضاً،ص ۵۷

۸۳۔ایضاً،ص ۵۸۔ ۵۹ ۸۴۔ایضاً،ص ۶۲ ۸۵۔مشمولہ:''جنگ ترنگ''،ص ۱۱۰

۸۶۔ایضاً،ص ۲۵۷ ۸۷۔مشمولہ:''جاگ رہا ہے پاکستان''،ص ۱۳۶ ۸۸۔ایضاً،ص ۹۲

۸۹۔ ایضاً، ص ۲۳۱ ۹۰۔ ایضاً، ص ۲۷۰

۹۱۔ مشمولہ: ''نقوش'' (لاہور)، تیسرا حصہ، اپریل۔ جون ۱۹۶۶ء، ص ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸

۹۲۔ ''درد کا شجر''، ص ۳۳۔ ۳۴ ۹۳۔ قریشی، وحید، ڈاکٹر، تعارف بر ''اجالا''، ص ۱۰

۹۴۔ ص ۹۸۔ ۱۰۰ ۹۵۔ مشمولہ: ''نغمات مجاہد''، ص ۱۰۱۔ ۱۰۳

۹۶۔ گلوکارہ نسیم بیگم کا گایا ہوا یہ نغمہ فلم ''مادر وطن (۱۹۶۶ء)'' میں شامل کیا گیا تھا اور اس کے موسیقار سلیم اقبال تھے۔

۹۷۔ ''خوں آہنگ''، ص ۷۸۔ ۷۹ ۹۸۔ مشمولہ: ''گلبانگِ جہاد''، ص ۶۲۔ ۶۴

۹۹۔ ''زمزمۂ پاکستان''، ص ۱۷۸۔ ۱۸۴ ۱۰۰۔ ایضاً، ص ۱۹۷۔ ۱۹۸ ۱۰۱۔ ایضاً، ص ۲۰۰۔ ۲۰۱

۱۰۲۔ ''کلیات شورش کاشمیری''، ص ۴۷۸ ۱۰۳۔ ایضاً، ص ۴۷۰ ۱۰۴۔ ایضاً، ص ۵۳۷

۱۰۵۔ ''میرے محبوب وطن''، ص ۸۷ ۱۰۶۔ مشمولہ: ''رزمیہ گیت''، ص ۹۵۔ ۹۶

۱۰۷۔ ایضاً، ص ۲۱۔ ۲۶ ۱۰۸۔ مشمولہ: ''گلبانگِ جہاد''، ص ۱۸۵۔ ۱۸۶

۱۰۹۔ مشمولہ: ''جنگ ترنگ''، ص ۹۵ ۱۱۰۔ ایضاً، ص ۸۴ ۱۱۱۔ ایضاً، ص ۱۶۸

۱۱۲۔ ایضاً، ص ۱۵۷ ۱۱۳۔ ایضاً، ص ۲۲۴ ۱۱۴۔ مشمولہ: ''جاگ رہا ہے پاکستان''، ص ۵۴۲

۱۱۵۔ مشمولہ: ''نقش'' (کراچی)، جنگ نمبر ۱۹۶۶ء، ص ۴۲۲ ۱۱۶۔ مشمولہ: ''گلبانگِ جہاد''، ص ۱۶۳۔ ۱۶۴

۱۱۷۔ مشمولہ: ''جنگ ترنگ''، ص ۲۳ ۱۱۸۔ ایضاً، ص ۲۹ ۱۱۹۔ ایضاً، ص ۲۳۵

۱۲۰۔ ایضاً، ص ۲۴۶ ۱۲۱۔ ایضاً، ص ۳۰۰ ۱۲۲۔ ''چاند میری زمیں''، ص ۲۳۔ ۲۴

۱۲۳۔ مشمولہ: ''نغماتِ جہاد''، ص ۴۲۔ ۴۳ ۱۲۴۔ مشمولہ: ''شعلۂ نوا''، ص ۴۷

۱۲۵۔ مشمولہ: ''جاگ رہا ہے پاکستان''، ص ۲۴۹ ۱۲۶۔ مشمولہ: ''نغماتِ جہاد''، ص ۶۶۔ ۶۹

۱۲۷۔ ''خوں آہنگ''، ص ۵۳ ۱۲۸۔ ایضاً، ص ۷۳۔ ۷۵

۱۲۹۔ ''زمزمۂ پاکستان''، ص ۲۰۶۔ ۲۰۷ ۱۳۰۔ ''ضرب قلم''، ص ۱۳ ۱۳۱۔ ''حرف سپاس''، ص ۲۴

۱۳۲۔ ''کلیات شورش کاشمیری''، ص ۴۷۷ ۱۳۳۔ ایضاً، ص ۴۹۴

۱۳۴۔ ''میرے محبوب وطن''، ص ۷۴۔ ۷۵ ۱۳۵۔ ایضاً، ص ۷۷ ۱۳۶۔ ایضاً، ص ۸۰

۱۳۷۔ ایضاً، ص ۸۵ ۱۳۸۔ ایضاً، ص ۴۶ ۱۳۹۔ ایضاً، ص ۵۱

۱۴۰۔ ایضاً، ص ۵۴ ۱۴۱۔ ایضاً، ص ۵۷۔ ۵۸

۱۴۲۔ مشمولہ: ''رزمیہ گیت''، ص ۹۲ ۱۴۳۔ ''میراث مومن''، ص ۱۲۳

۱۴۴۔ مشمولہ: ''بڑھے چلو مجاہدو''، ص ۵۔ ۶ ۱۴۵۔ مشمولہ: ''گلبانگِ جہاد''، ص ۱۶۵۔ ۱۶۶

۱۴۶۔ مشمولہ: ''جنگ ترنگ''، ص ۳۲۶ ۱۴۷۔ ایضاً، ص ۵۳۷

۱۴۸۔ مشمولہ: ''بڑھے چلو مجاہدو''، ص ۲۵ ۱۴۹۔ ایضاً، ص ۲۶ ۱۵۰۔ ایضاً، ص ۲۹

۱۵۱۔ مشمولہ: ''گلبانگِ جہاد''، ص ۱۰۹۔ ۱۱۰ ۱۵۲۔ ایضاً، ص ۱۹۴۔ ۱۹۵

۱۵۳۔ ایضاً، ص ۲۰۷۔ ۲۰۸ ۱۵۴۔ مشمولہ: ''جنگ ترنگ''، ص ۲۲

۱۵۵۔ ایضاً، ص ۳۰ ۱۵۶۔ ایضاً، ص ۳۶ ۱۵۷۔ ایضاً، ص ۴۰

۱۵۸۔ مشمولہ: ''جاگ رہا ہے پاکستان''، ص ۵۹۔ ۶۰ ۱۵۹۔ ایضاً، ص ۶۸۔ ۶۹

۱۶۰۔ ایضاً، ص ۴۵۴ ۱۶۱۔ مشمولہ: ''نقش''، محوّلہ بالا، ص ۵۸۹

۱۶۲۔ مشمولہ: ''نغمات جہاد''، ص ۴۶ ۱۶۳۔ ایضاً، ص ۶۱ ۱۶۴۔ ایضاً، ص ۶۲

۱۶۵۔ مشمولہ: ''شعلۂ نوا''، ص ۱۷ ۱۶۶۔ ''رزم و بزم''، ص ۸۹

۱۶۷۔ مشمولہ: ''خامہ خونچکاں اپنا''، ص ۱۲ ۱۶۸۔ مشمولہ: ''جنگ ترنگ''، ص ۱۷۲

۱۶۹۔ مشمولہ: ''لہو ترنگ''، ص ۴۳ ۱۷۰۔ ایضاً، ص ۴۷۔ ۴۸ ۱۷۱۔ ایضاً، ص ۶۵۔ ۶۶

۱۷۲۔ ''ہلال استقلال''، ص ۶ ۱۷۳۔ مطبوعہ، سن ندارد ۱۷۴۔ ''خامہ خونچکاں اپنا''، ص ۷

۱۷۵۔ مشمولہ: ''خامہ خونچکاں اپنا''، ص ۱۷ ۱۷۶۔ مشمولہ: ''جنگ ترنگ''، ص ۶۵۲

۱۷۷۔مشمولہ:’’جاگ رہا ہے پاکستان‘‘،ص ۲۰۷ ۱۷۸۔ایضاً،ص ۳۶۰

۱۷۹۔مشمولہ:’’نغماتِ جہاد‘‘،ص ۱۵۰ ۱۸۰۔ایضاً،ص ۱۵۸۔۱۵۹

۱۸۱۔مشمولہ:’’خامہ خونچکاں اپنا‘‘،ص ۳۳ ۱۸۲۔مشمولہ:’’جنگ ترنگ‘‘،ص ۶۴

۱۸۳۔’’حرفِ سپاس‘‘،ص ۲۹۔۳۰

۱۸۴۔مشمولہ:’’فنون‘‘(لاہور)،فروری۔مارچ ۱۹۶۶ء،ص ۲۸۔۲۹

۱۸۵۔مشمولہ:’’ساقی‘‘(کراچی)،ستمبر ۱۹۶۶ء،ص ۶۔۸ ۱۸۶۔’’پاکستان زندہ باد‘‘،ص ۱۰۶

۱۸۷۔صدیقی،ابواللیث،ڈاکٹر،تبصرہ بر’’تاثراتِ قلب‘‘،ص ۷

۱۸۸۔’’تاثراتِ قلب‘‘،ص ۹۷۔۱۰۳ ۱۸۹۔مشمولہ:’’جنگ ترنگ‘‘،ص ۲۲۷

۱۹۰۔ایضاً،ص ۵۴۵ ۱۹۱۔’’خوں آہنگ‘‘،ص ۳۱۔۳۵

۱۹۲۔مشمولہ:’’جنگ ترنگ‘‘،ص ۶۸۸ ۱۹۳۔مشمولہ:’’جاگ رہا ہے پاکستان‘‘،ص ۵۲۱

۱۹۴۔مشمولہ:’’گلبانگِ جہاد‘‘،ص ۱۱۶ ۱۹۵۔’’کلیات شورش کاشمیری‘‘،ص ۵۱۷

۱۹۶۔مشمولہ:’’نغماتِ پاک‘‘،ص ۱۷۔۱۸ ۱۹۷۔’’زمزمۂ پاکستان‘‘،ص ۱۹۴۔۱۹۵

۱۹۸۔مشمولہ:’’رزمیہ گیت‘‘،ص ۹۸۔۹۹ ۱۹۹۔ایضاً،ص ۱۲۷۔۱۲۸

۲۰۰۔ایضاً،ص ۴۳۔۵۴ ۲۰۱۔ایضاً،ص ۵۵۔۲۵۸ ۲۰۔’’میرے محبوب وطن‘‘،ص ۳۹

۲۰۳۔’’میراثِ مومن‘‘،ص ۹۲ ۲۰۴۔مشمولہ:’’جنگ ترنگ‘‘،ص ۲۳۲

۲۰۵۔’’۱۹۶۵ء کی بہترین شاعری‘‘،ص ۳۶۔۴۱ ۲۰۶۔مشمولہ:’’جاگ رہا ہے پاکستان‘‘،ص ۱۴۰

۲۰۷۔ایضاً،ص ۴۲۴ ۲۰۸۔مشمولہ:’’خامہ خونچکاں اپنا‘‘،ص ۳۰ ۲۰۹۔ایضاً،ص ۳۸

۲۱۰۔مشمولہ:’’جنگ ترنگ‘‘،ص ۶۰ ۲۱۱۔ایضاً،ص ۵۸ ۲۱۲۔ایضاً،ص ۱۰۳

۲۱۳۔مشمولہ:’’جاگ رہا ہے پاکستان‘‘،ص ۱۹۷ ۲۱۴۔ایضاً،ص ۳۰۵۔۳۰۶

۲۱۵۔مشمولہ:''نغماتِ جہاد''،ص ۶۴ ۲۱۶۔ایضاً،ص ۱۰۱ ۲۱۷۔''شعلۂ آزادی''،ص ۱۲۳۔۱۲۶

۲۱۸۔''سیف و قلم''،ص ۱۳۵ ۲۱۹۔ایضاً،ص ۱۳۷۔۱۴۰ ۲۲۰۔''سیف و قلم''،ص ۳۵۔۳۷

۲۲۱۔''میراثِ مومن''،ص ۴۱۔۴۲ ۲۲۲۔مشمولہ:''گلبانگِ جہاد''،ص ۱۷۱۔۱۷۳

۲۲۳۔''ماہِ منیر'' (کلیاتِ منیر نیازی)،ص ۲۵ ۲۲۴۔مشمولہ:''نغماتِ جہاد''،ص ۱۰۹

۲۲۵۔ایضاً،ص ۱۱۸ ۲۲۶۔ایضاً،ص ۱۶۰ ۲۲۷۔ایضاً،ص ۱۶۲

۲۲۸۔مشمولہ:''شعلۂ نوا''،ص ۵۸۔۵۹ ۲۲۹۔ایضاً،ص ۶۸

۲۳۰۔مشمولہ:''جنگ ترنگ''،ص ۱۴۵ ۲۳۱۔ایضاً،ص ۱۴۰

۲۳۲۔مشمولہ:''جاگ رہا ہے پاکستان''،ص ۱۴۹۔۱۵۰ ۲۳۳۔مشمولہ:''نغماتِ مجاہد''،ص ۶۷۔۶۸

۲۳۴۔ایضاً،ص ۸۸۔۹۰ ۲۳۵۔ایضاً،ص ۹۱۔۹۶

۲۳۶۔''رزم و بزم''،ص ۸۸۔۸۹

فہرستِ اسنادِ محوّلہ

اختر ہوشیارپوری، ۱۹۶۷ء، جنگ رنگ ،مشمولہ:''خامہ خونچکاں اپنا''، شعبۂ اطلاعات،حکومت مغربی پاکستان، راولپنڈی

ادبی دفاعی کمیٹی (مرتب)، ۱۹۶۵ء، بڑھے چلو مجاہدو ،مغربی پاکستان رائٹرز گلڈ، لاہور

ادریس صدیقی (مرتب)، ۱۹۶۶ء، جاگ رہا ہے پاکستان ،اردو اکیڈمی سندھ، کراچی

ارشد،عبدالرشید (مرتب)، ۱۳۸۵ھ، نغمات جہاد ،مکتبہ رشیدیہ، میاں چنوں

اسرار زیدی، ۱۹۶۸ء، درد کا شجر ،عوامی کتاب گھر، لاہور، باراوّل

اظہر،ضمیر، ۱۹۶۶ء، وطن کے پاسباں ،مشمولہ:''نقوش'' (لاہور)، تیسرا حصہ، اپریل۔جون

اقبال،سہیل، ۱۹۶۵ء، ضرب قلم ،ہمارا ادارہ، کراچی

اکبر کاظمی، ۱۹۶۶ء، اجالا ،ادارہ پنجاب، لاہور، باراوّل

جعفری، سید محمد، ۱۹۶۶ء، اے وادئ کشمیر ، مشمولہ: ''چراغِ راہ''، شمارہ جنوری

جلیل احمد، ۱۹۶۹ء، رزم و بزم ، مکتبہ ارباب قلم، کراچی، باراوّل

حفیظ جالندھری، ۱۹۶۷ء، ہلالِ استقلال لاہور ، مکتبہ جدید، لاہور، باراوّل

______، ۱۹۸۱ء، پیش لفظ ، ''نغمات مجاہد''، از عزیز لدھیانوی، مکتبۂ شگوفہ، گوجرانوالہ، باراوّل

حیدر، خواجہ رضی، ۱۹۹۷ء، دیباچہ ،'' زمزمۂ پاکستان''، صبا اکبرآبادی اکیڈمی، کراچی، اشاعت نو مع اضافہ

خالد، عبدالعزیز، ۱۹۶۶ء، مژدۂ فتح مبیں ، مشمولہ: ماہنامہ ''ساقی'' (کراچی)، شمارہ ستمبر

خاموش، شیر احمد (مرتب)، سن ندارد، شعلۂ نوا ، ادبی محاذ، ملتان

خاور امروہوی، خورشید، ۱۹۶۹ء، تاثرات قلب ، مرتب، عارف سنبھلی، مشہور پریس، کراچی

خاور، رفیق (مرتب)، ۱۹۶۵ء، رزمیہ گیت ، ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی

دانش، احسان، ۱۹۶۸ء، میراث مومن ، مکتبہ اردو ڈائجسٹ، لاہور

رحمان کیانی، ۱۹۷۱ء، سیف و قلم ، ایوان اردو، کراچی، باراوّل

زہرا نگاہ و ثریا مقصود (مرتبین)، ۱۹۶۷ء، جنگ ترنگ ، ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی

ساقی جاوید، ۱۹۸۳ء، چاند میری زمیں ، نفیس اکیڈمی، کراچی، باراوّل

سلیم الرحمان، محمد (مرتب)، ۱۹۶۶ء، ۱۹۶۵ء کی بہترین شاعری ، البیان، لاہور

شعبہ اطلاعات، حکومت مغربی پاکستان، س ن، خامہ خونچکاں اپنا ، شعبہ اطلاعات، حکومت مغربی پاکستان، راولپنڈی

شورش کاشمیری، ۱۹۹۶ء، کلّیات شورش کاشمیری ، مکتبۂ چٹان، لاہور، باراوّل

صبا اکبرآبادی، ۱۹۹۷ء، زمزمۂ پاکستان ، صبا اکبرآبادی اکیڈمی، کراچی، اشاعت نو مع اضافہ

طاہر شادانی و دیگر (مرتبین)، ۱۹۶۵ء، گلبانگ جہاد ، ایوان ادب، لاہور، باردوم

طاہر، جعفر، ۱۹۶۶ء، نظم، مشمولہ: ''فنون'' (لاہور)، فروری۔ مارچ

طاہر، قاضی ظفر، ۱۹۷۱ء، سامراجی کٹھ پتلی ، مشمولہ: روزنامہ ''نوائے وقت'' (لاہور)، شمارہ ۸ دسمبر

طفیل دارا، ۱۹۶۹ء، تیشۂ فرہاد ، جدید ناشرین، لاہور، باراوّل

طفیل ہوشیار پوری، ۱۹۶۶ء، میرے محبوب وطن ، احسان اکادمی، لاہور، باراوّل

عبداللہ، سید ڈاکٹر، ۱۹۸۱ء، سخن ور، نئے اور پرانے (حصہ دوم)، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، باراوّل

عزیز لدھیانوی (مرتب)، ۱۹۸۱ء، نغمات مجاہد ، مکتبہ شگوفہ، گوجرانوالہ، باراوّل

کیف بنارسی، ۱۹۶۸ء، شعلۂ آزادی ، مکتبہ کیف، کراچی، باراوّل

محشر بدایونی، ۱۹۶۶ء، جاگ رہا ہے پاکستان ، مشمولہ: ''نقش'' (جنگ نمبر)، کراچی

منیر نیازی، ۱۹۹۳ء، کلّیات منیر نیازی ، ماورا پبلشرز، لاہور

ناز سیٹھی، ۱۹۶۷ء، نغمات پاک ، منظور عام پریس، پشاور

نجم الاسلام، ڈاکٹر، ۱۹۶۶ء، اردو ادب پر تحریکاتِ اسلامی کے اثرات ، مشمولہ: ''چراغِ راہ'' (تحریکاتِ اسلامی نمبر)، کراچی

نعیم صدیقی، ۱۹۶۷ء، خوں آہنگ ، کاروان پریس لاہور

نیر، طاہرہ، ڈاکٹر، ۱۹۹۹ء، اردو شاعری میں پاکستانی قومیت کا اظہار ، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، باراوّل

یعقوب، قاسم، ۲۰۱۱ء، اردو شاعری پر جنگوں کے اثرات ، مثال پبلشرز، فیصل آباد، باراوّل

ڈاکٹر اشفاق انجم۔انڈیا

نعت میں منفی عناصر

ABSTRACT:

Dr. Ashfaque Anjum has raised questions on content of devotional poetry. Most of the couplets referred in the article do not seem worth mentioning. But the matter is highly sensitive and therefore, citing some examples to highlight mistakes does not seem awkward. Devotional poetry for expressing love to our Holy Prophet (S.A.W) has had been in vogue through centuries and people of different cadres, natures and capabilities are engaged in creating such poetry. This activity is going on without acquiring adequate knowledge of Personality of the Holy Prophet and sanctity of the poetic text. Criticism on the expression of views in such poetry is done just to give insight for creating fine and error free Naatia Poetry. The matter of writing Naatia Poetry in real context of religious fervour requires proper heed. Hence, apart from some points of differences, the article contains various points to ponder with.

مذہب اور عقائد پر مبنی شاعری وہ چاہے جس مذہب و زبان سے متعلق ہو، ہمیشہ سے غلو اور افراط و تفریط کا شکار رہی ہے۔ اردو نعت و منقبت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں بلکہ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اردو میں نعت و منقبت نگاری میں جس قدر بے اعتدالی اور بد احتیاطی کا مظاہرہ کیا گیا ہے شاید ہی کسی اور زبان میں نظر آئے گا۔

دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام اپنے شرعی اصول و ضوابط سے روگردانی کی کسی کو بھی اور کسی بھی حالت میں اجازت نہیں دیتا لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ اردو نعت و منقبت میں کفر و شرک کا اعلانیہ اظہار، ہندوؤں کا ایشور کے اوتار لینے کے نظریئے کو نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اورحضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات پر بلاخوف وخطر منطبق کرنا اس کی مثالیں ہیں۔ یہی نہیں عیسائیت کا ''نظریۂ کفارہ'' کو بھی بعض شعراء نے ایک نئے انداز سے اسلام سے جوڑنے کی سعی نامشکور کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قیامت میں کافی ہے امت کی خاطر　　　وہ راتوں میں آنسو بہانا کسی کا

کیا یہ عیسائیت کا وہی نظریہ نہیں ہے کہ:

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سولی پر چڑھ کر تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اب وہ کتنے ہی گناہ کریں ان کی بخشش یقینی ہے۔''

مندرجہ بالا شعر میں بھی یہی بات پوشیدہ ہے کہ امت کچھ بھی کرے شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہر حال میں بخشوالیں گے!!

محترم ڈاکٹر معین الدین عقیل فرماتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ شاعروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے عقیدت مندانہ اور والہانہ جذبات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس صنف میں سیرت کے جستہ جستہ یا جزوی پہلو بھی پیش کئے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی اپنی جگہ محل نظر ہے کہ اس عمل میں ان میں سے بعض شاعروں سے بے احتیاطی بھی روا رہی ہے۔''

''اسی ذیل میں اردو نعت نگاری میں ایک منفی صورت یہ بھی نظر آتی ہے کہ اس میں ہندو عقائد یا ہندوستانی مقامی اثرات بھی کافی در آئے ہیں جو محل نظر ہیں۔''

''اگرچہ غلو اور شرک کو بھی مقامی اثر کے تحت شمار کیا جا سکتا ہے مگر ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ یہ نعت میں صرف اردو زبان میں لکھی گئی نعتوں سے مخصوص نہیں، دیگر زبانوں کی نعتوں میں بھی یہ خیالات وعناصر موجود ہیں۔ یہاں مقامی اثرات کے ذیل میں محض ان اثرات کی جانب اشارہ کیا

جا سکتا ہے جو دراصل وہ ہندو عقائد و تصورات ہیں جن کو اردو شعراء نے یقیناً اپنی سادگی میں غیر شعوری طور پر اپنی نعتوں کے مضمون کے طور پر باندھا اور اپنے تئیں ایک حسن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔''

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و شخصیت اور احوال زندگی کے متعلق خلافِ واقعہ، غیر عقلی، معجزاتی، یہاں تک کہ طلسماتی واقعات بھی نظم کئے جانے لگے۔ آغاز میں یہ عمل اور طریقہ ممکن ہے اس خیال و مقصد سے اختیار کیا گیا ہو کہ وہ لوگ جو ہندو دیوتاؤں کے فوق الفطرت کارناموں اور محیرالعقول واقعات کو سن کر ان کے تابع فرمان بن جاتے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و فضیلت اُن کے دلوں پر بھی ثبت ہو جائے اور وہ اسلام قبول کر لیں یا اگر مسلمان ہیں تو ہندوؤں کے اثر میں نہ جائیں اور اسلام سے قریب رہیں۔ نورنامے اور شمائل نامے اس تاثیر میں مزید اضافے کا سبب بنے۔ نیت اور مقصد چاہے جتنا بھی مثبت ہو لیکن اس کا ایک منفی نتیجہ بہر حال یہ بھی سامنے ہے کہ متعدد غلط روایات اور حکایات نے جگہ پالی اور عوام ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور یہ سب ان میں سے اکثر کے عقیدے کا جزو بھی بن گئے۔'' (۱)

اردو نعت اور شعراء کی بے احتیاطی اور غلو و شرک کی آمیزش کے منفی اثرات کے تعلق سے میں ڈاکٹر عقیل صاحب کے بیان سے متفق ہوں لیکن آپ کے اس بیان سے کسی طور پر اتفاق نہیں کر سکتا کہ :

''غلو و شرک اردو نعتوں میں ہی نہیں بلکہ دیگر زبانوں کی نعتوں میں بھی موجود ہے اور مقامی خصوصاً ہندو عقائد و تصورات کے زیر اثر اردو شعراء نے اپنی سادگی میں غیر شعوری طور پر ایسے مضامین باندھ کر اپنے کلام میں حسن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔''

محترم ڈاکٹر عقیل صاحب اور آپ ہی کی طرح دیگر نرم مزاج اور مرنجاں مرنج ناقدین کی اردو شعراء کی بے احتیاطی اور بے راہ روی سے ''صرف نظر'' کی روش نے ایسے شعراء کی غیر شعوری طور پر حوصلہ

افزائی ہی کی ہے جب کہ یہاں انتہائی سخت گرفت کی ضرورت ہے کیوں کہ ہماری زبان میں کم ہی شعراء ایسے ہیں جو ہر ممکن حزم و احتیاط اور عقل و شعور کے ساتھ نعت کہہ رہے ہیں جب کہ ایک بہت بڑی تعداد ایسے شعراء کی ہے جو صرف دوسروں کی نقالی پر زندہ ہیں یعنی یہ دوسروں کے چبائے ہوئے لقمے چباتے اور اگلتے ہیں جنہیں یہ تک معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا چبا رہے ہیں ! ان کے اندر کیا اتر رہا ہے اور وہ کیا اگل رہے ہیں؟ علاوہ ازیں ان شعراء میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے سیرت پاک پر ایک بھی کتاب نہیں پڑھی ہے (خدا کرے میرا یہ گمان غلط ہو) جب کہ آج کی اردو نعت تو اسی کا مظہر ہے کہ ہمارے شعراء شریعت ہی نہیں سیرت پاک سے بھی بہت کم یا پھر واجبی سی واقفیت رکھتے ہیں۔ محترم عقیل صاحب نے جسے اردو شعراء کی سادگی اور غیر شعوری کوشش قرار دیا ہے میں اسے شعراء کی جہالت اور سیرت و شریعت سے ناواقفیت سے تعبیر کرتا ہوں۔ بیشتر شعراء تو ایسے ہیں جو نعت کے مفہوم و مقصد ہی سے ناواقف ہیں اور ایسے ایسے مضامین نظم کر جاتے ہیں جن کا نعت سے کسی طور تعلق نہیں ہوتا۔ یہ لوگ تو ''مدینہ شریف'' کی مدح و تعریف کو بھی نعت کہتے ہیں۔ ممکن ہے بعض حضرات میرے اس خیال سے متفق نہ ہوں کہ:

''آج کی نعت کا ایک بہت بڑا ذخیرہ (جسے نعت کہنا یا تسلیم کرنا غلطی ہوگی)
ہی نہیں شعراء کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جسے دریا برد کر دینا چاہیے۔''

ہر کوئی جانتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کو سب سے بڑا ہی نہیں بلکہ ناقابل معافی گناہ قرار دیا ہے اور وعید ہے کہ ایسے لوگ جہنم کا کندہ بنائے جائیں گے، اس کے باوجود شعراء نے شرک ہی نہیں کیا بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں زمین پر اتار لائے۔

ذاتِ احمد تھی یا خدا تھا ۔۔۔ سایہ کیا میم تک جدا تھا
وہ نغمہ کن جس سے مرتب ہوئے کونین ۔۔۔ اللہ کے پردے میں محمد کی صدا ہے
عینیت غیر رب کو رب سے ہے ۔۔۔ غیریت عین کو عرب سے ہے

ایک شاعر صاحب جو خیر سے ''پیر طریقت'' بھی ہیں، فرماتے ہیں:

خدا عرش سے آ گیا ہے زمیں پر محمد محمد ہے کوئی پکارے

علمائے سوا اور خود ساختہ پیرانِ طریقت سے ہمارے ایک طبقے کو بے حد عقیدت و محبت ہے۔ درج ذیل اشعار ایسے ہی پیرانِ طریقت کی کرامات ہیں جنہیں ان کے پیروکار درست ثابت کرنے کے لئے ہر ممکن تاویلات پیش کر رہے ہیں جو ''عذرِ گناہ بدتر از گناہ'' کے مصداق ہے۔

درج ذیل اشعار کو اگر کوئی شخص درست سمجھے تو مجھے اس کے صاحب ایمان ہونے میں شک ہے۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہوکر اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر
اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمد سے
پردۂ میم میں چھپے ہیں حضور ہم سے نزدیک ہیں نہیں کچھ دور
بندے سے ہو ثنائے محمد مجال کیا ترسٹھ برس لباس بشر میں خدا رہا
محمد نے خدائی کی ، خدا نے مصطفائی کی کوئی سمجھے تو کیا سمجھے، کوئی جانے تو کیا جانے
نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر وہ بزم یثرت میں آئیں بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

ایسے ہی خیالات فاسدہ سے ''اوتار'' کا جنم ہوتا ہے،

صورتِ انساں میں آ کر خود دکھانا تھا کمال رکھ لیا نامِ محمد تا کہ رسوائی نہ ہو

اس مقام پر پہنچ کر صرف ایک کمی رہ جاتی تھی یعنی ''انکار'' سو اسے بھی اس صورت میں پُر کر دیا گیا۔

کیا مجھ کو ضرورت ہے کہ قرآن پڑھوں میں ہے یاد مجھے مصحفِ رخسارِ محمد
جنت نہیں ملتی ہے عبادات کے بدلے جنت کی طلب ہے تو مدینے کی فضا مانگ

اتنا ہی نہیں یہاں تک کہہ دیا گیا کہ اللہ کا وجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے مشروط ہے،

زبانِ شمع رسالت اگر نہ ضو دیتی قسم خدا کی خدا یوں خدا نہیں ہوتا

اس حد تک پہنچ جانے کے بعد ظاہر ہے کہ عقیدے میں بگاڑ آنا ہی تھا۔ سو وہ اس صورت میں سامنے آیا،

تصرف آج بھی ہے وقت پر محمد کا
لکھا ہے وہی جو مرے آقا سے ملا ہے

عصیاں کو مٹا دے مری تقدیر بنا دے
زہے قسمت سہارا مل گیا ہے مجھ کو اس در کا

جس کو چاہیں بخش دیں خلد بریں
محمد کو حاجت روا لکھ رہا ہوں

ابھی زمین ابھی عرش پر قیام رسول
لکھوں گا وہی جو مرے آقا سے ملے گا

تابع ہیں ترے لوح و قلم صاحب عالم
اسی سرکار سے ملتا ہے جو کچھ ہے مقدر کا

مالک خلد بریں میرے نبی
میں جو لکھ رہا ہوں بجا لکھ رہا ہوں

یہاں صرف عقیدے میں بگاڑ ہی نہیں آیا بلکہ اس میں مزید پختگی آتی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف یہ کہ حاجت روا تسلیم کر لیا گیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''شافع محشر'' کے ساتھ ''مالک میزان'' بھی بنا دیا گیا اور جرم و سزا اور بخشش و انعام کا حق اللہ تعالیٰ سے چھین کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس معطل محض ہو کر رہ گئی۔ ملاحظہ ہوں شعرائے کرام کی بے باکیاں،

دوزخ میں میں تو کیا مرا سایہ نہ جائے گا
اتنا بھی معاصی پہ پشیماں نہ ہو اے دل

بروزِ حشر کہیں گے نبی فرشتوں سے
جس کو سرکارِ دو عالم سے عقیدت ہوگی

قبر نبی ذریعہ شفاعت کا خوب ہے
کیوں کہ رسولِ پاک سے دیکھا نہ جائے گا

سرکار ہیں اپنے وہ نمٹ لیں گے خدا سے
یہ ہے غلام مرا، یہ مری امان میں ہے

بالیقیں حشر میں بس اس کی شفاعت ہوگی
دیدار ہو رہا ہے محمد کے شہر میں

(محمد کے شہر میں غالبًا یہ کسی اور نبی کی قبر ہے!؟)

جائیں گے میدانِ محشر میں جدھر بھی مصطفیٰ
عاصیوں کو دیکھ لینا بخشواتے جائیں گے

ایسے بے باک و گستاخ نعت گو شعراء نے ایک گمراہ کن نظریہ یہ بھی مہیا کر دیا کہ،

> ''چاہے جتنے گناہ کرو، وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ہر حال میں بخشوا لیں گے۔''

یہ بے حد خطرناک نظریہ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ’’مرتبہ شفاعت‘‘ ضرور حاصل ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان لوگوں کی سفارش فرمائیں گے جو نیک و متقی، زاہد و مرتاض ہوں گے اوران کے نیک اعمال میں کچھ کمی رہ گئی ہوگی تو اس کی بھرپائی شفاعت سے ہوگی نا کہ ایسے لوگوں کی شفاعت کی جائے گی جو عاصی ہوں گے اوران کے سروں پر صغیرہ وکبیرہ گناہوں کا بوجھ لدا ہوگا، ایسے لوگوں کو بخشوانا یا ان کی سفارش کرنا تو دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں فرمائیں گے۔

عقیدے کے بگاڑ میں ایک عنصر اور بھی کارفرما ہے وہ ہے مسلک، فرقہ اور مختلف مکاتب فکر کے نظریات!! شعرائے اردو نے اپنے اپنے مسلکی نظریات یا فکری منہج کو نعت میں پیش کر کے اس کی حرمت و پاکیزگی کو آلودہ کر دیا ہے۔اہل تشیع بھی نعت گوئی میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں اور اپنے عقائد ونظریات کی اشاعت سے غافل بھی نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو،

جانشینئ پیمبر کے سزا تو ہی تو تھا　　　قالب خاکی کے پردے میں خدا تو ہی تو تھا

یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خدا ہونے کا اعلان ہے۔ پھر اہل سنت کس طرح خاموش رہتے !! انھوں نے بھی نعت میں اپنے مسلکی نظریات کی تبلیغ اور دیگر فرقوں کی تضحیک وتحقیر میں نعت جیسی مقدس صنف کو ہجویات سے آلودہ کر دیا۔

خاک جل کر ہوتے ہیں تو ہوں رسالت کے عدو　　　سبھی سنیوں کا ہے ایمان اس پہ
کرتا ہے رب عطا تو عطا کرتے ہیں نبی　　　سب کو دلواتا ہے اپنے اللہ سے
جنت کا راستہ ہے یہی نعتِ مصطفیٰ　　　تراتے پھر رہے ہیں جو نجدی
ندائے یا رسول اللہ لگاتے ہی رہیں گے ہم　　　مسلک احمد رضا اپنا لے جو
اس لئے پڑھتے ہیں ہم سنی کھڑے ہوکر سلام　　　یا نبی کے ہم تو بس نعرے لگاتے جائیں گے
پیامِ خدا ہے پیامِ محمد　　　دشمن کیوں جل رہا ہے خدا کے نظام سے
دونوں عالم کا داتا ہمارا نبی　　　سنی نے شان سے ہے پڑھی نعتِ مصطفیٰ
کب ہو گا انہیں زوال آقا　　　جلانا تجھ کو نجدی ہے وطیرہ اہل سنت کا

نار سے وہ نور ہو ہی جائے گا　　ہے یہی سرکارِ طیبہ سے محبت کی سند

اس کے ساتھ ہی یہ بھی

نبی کو بشر اپنے جیسا کہے جو　　چالیس دنوں تک ہو گر عالمِ تنہائی
وہ گستاخ دوزخ کا حق دار ہوگا　　گھر پہنچیں تو لگتا ہے بیگم کا فیگر اچھا

اب اس کا ردِ عمل بھی ملاحظہ فرمائیں،

گر عقیدت میں غلو کا یہی انداز رہا　　آپ کہتے ہیں محمد مصطفیٰ سے مانگئے
پہلے نورِ مصطفیٰ سے دل فروزاں کیجئے　　مجھ کو ڈر ہے کہ بریلی نہ مدینہ ہو جائے
اور ارشادِ محمدؐ ہے خدا سے مانگئے　　پھر مکانوں کی منڈیروں پر چراغاں کیجئے

مجھے کسی مسلک، منہج یا مکتب فکر سے کوئی بیر نہیں ہے۔ ہاں! مسلک ونظریات میں شدت پسندی کے خلاف ضرور ہوں۔ نظریہ وعقیدہ ہر انسان کا اپنا ذاتی معاملہ ہے اس تعلق سے میں کسی پر کسی بھی طرح کا نہ جبر پسند کرتا ہوں نہ اس کے خلاف کچھ کہنا ہی مناسب خیال کرتا ہوں کیوں کہ قرآن وسنت کی واضح تعلیمات ہمارے سامنے ہیں۔ اب ہمیں کیا اور کس طرح کرنا ہے یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر مانے نہ مانے! یا کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب تسلیم کرے یا نہ کرے اس پر آپس میں سر پھٹول کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس معاملے کو آخرت و میزان پر چھوڑ دینا چاہئے۔ مجھے تو بڑی ہنسی آتی ہے کہ دیوبندی اور بریلوی ایک دوسرے کو کافر، مشرک اور بدعتی کہنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے لیکن آپس میں شادی بیاہ سے انھیں کوئی پرہیز بھی نہیں ہے۔ ایک دوسرے کی مساجد کی تعمیر میں دل کھول کر عطیات بھی پیش کرتے ہیں، کل جماعتی تنظیم کے اسٹیج پر ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے میں کوئی عار بھی محسوس نہیں کرتے اور جہاں کسی نے کوئی شوشہ چھوڑ دیا تو آپس میں دست وگریباں بھی ہو جاتے ہیں۔ (میرے شہر میں تو یہی صورت حال ہے)

خیر!!

ان مسلکی ونظریاتی تنازعات کے طفیل ایک خرابی اور در آئی کہ نعت میں منقبتی مضامین کی آمیزش کی جانے لگی اوراس انداز سے منقبتی شعر کہے جانے لگے کہ نعتیہ ومنقبتی اشعار میں تمیز مشکل ہو رہی ہے۔

جسے پروانۂ شمع رسالت لوگ کہتے ہیں　　لاکھوں میں ایک فخر امم حافظ ملت
دین حق کی راہ لاکھوں کو دکھائی ہند میں　　کرم سے آپؐ کے احمد رضاؒ کی یہ عنایت ہے
گھر لٹایا، سر کٹایا دین احمد کے لئے　　کٹا دیتے ہیں سر کو سچ کی خاطر وقت پڑنے پر
اسی نے ہے بچایا دین و ایماں یا رسول اللہ　　ملت کا محافظ ہے نگہبان ہمارا
حضرت خواجہ معین کے خلق کی تلوار نے　　عطا ہم کو کیا یہ کنزالایماں یا رسول اللہ
بنت احمد کا مجھے لخت جگر اچھا لگا　　کوئی دیکھے ذرا یہ حوصلہ آلِ پیمبر کا

اوراگرایسے شعر پہ کسی نے لب کشائی کی جرأت کی تو تلواریں کھنچ جاتی ہیں۔

جنبش لب ہے وہاں سوئے ادب　　جب زبانیں سوکھ جائیں پیاس سے
جانتے ہیں وہ کسے کیا چاہئے　　جام کوثر کا پلا احمد رضا !!

یہ مسلکی نظریاتی اختلافات اس قدر شدت اختیار کر گئے ہیں کہ ایک دوسرے کو کافر، مشرک، بدعتی، دوزخی کہنے میں ذرا بھی خوف محسوس نہیں کرتے۔ نص صریح سے ثابت ہے کہ جنت دوزخ کا فیصلہ صرف اور صرف ذاتِ باری تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے وہی جانتا ہے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی !! اتنا ہی نہیں وہ قادر مطلق ہے اپنی مرضی کا مختار ہے وہ چاہے تو نیک ومتقی کو دوزخ میں ڈال دے اور گنہ گار کو بخش دے !! ہم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم کسی کو اپنی مرضی سے دوزخ میں دھکیل دیں یا کسی کو جنت کا پروانہ عطا کر دیں لیکن ہمارے شعراء ایسے فتوے نہایت آسانی و بے خوفی سے جاری فرما رہے ہیں۔

نبی کو بشر اپنے جیسا کہے جو　　جس کو سرکارِ دو عالم سے عقیدت ہو گی
وہ گستاخ دوزخ کا حق دار ہوگا　　بالیقیں حشر میں بس اس کی شفاعت ہو گی

اگر عقیدت وشفاعت کی یہی صورت حال اور شرط ہے تو پھر غالباً کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ بھی اپنے اس

شعر کی بنا پر شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق دار ٹھہریں گے

صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں   عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں

ایک سحرؔ ہی کیا چندر بھان برہمن سے لے کر جگن ناتھ آزاد اور کرشن بہاری نور تک غیر مسلم نعت گو شعراء کی ایک نہایت ہی طویل قطار ہے۔ ان کے تعلق سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدت مندوں کا فتویٰ کیا ہوگا!؟

ہمارے شعراء کی عقیدت و محبت اب جنون کی حد تک پہنچ چکی ہے کہ ''مدینہ شریف'' اور ''حب نبیؐ'' کے آگے قرآن، حدیث، سنت، شریعت اور جنت و رضوان و جبرئیل سبھی کچھ حقیر و بے معنی سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار ذکر فرمایا ہے کہ،

> ''وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں نیک اعمال کئے ہیں وہ ''فوزِ عظیم'' یعنی ''جنت'' کے حقدار ہوں گے جہاں ایسی ایسی نعمتیں ہیں کہ انسان ان کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ اس لئے اے ایمان والو! جنت کی طلب کیا کرو اور جہنم سے پناہ مانگتے رہو کہ وہ نہایت ہی بری جگہ ہے۔''

نہات ہی شرم و افسوس کی بات ہے کہ ہمارے شعراء نے اس ''فوزِ عظیم'' اور ''انعامِ الٰہی'' کی وہ توہین و تضحیک کی ہے کہ خدا کی پناہ!! آقائے دو جہاں نبی مکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس جنت کی خواہش اور جس کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے شعراء نے اس کا کیا حشر کیا ہے ملاحظہ فرمائیے،

باغ جنت سے میں گھبرا کے نکل جاؤں گا   جنت کی ثنا پھر نہ سنائے کبھی واعظ
رضوان اگر دیکھ لے طیبہ کی گلی کو   اگر ناز جنت پہ کرتا ہے رضواں
لطف طیبہ میں اشرفی جو ہے   ہر حال میں خوش حال ہوں طیبہ کی گلی میں
کرے رشک کیوں کر نہ جنت بھی اس پر   بہت ڈھونڈا مگر جبرئیل نے بھی
کیوں وہ تکتی ہے خاک طیبہ کی   رشک گلزارِ جناں طیبہ میں حاضر ہو گیا
یاد آئے گا جو دیوار کا سایہ تیرا   دیکھے جو بہارِ چمن کوئے محمد
وہ بھول کے بھی جائے نہ جنت میں دوبارہ   تو آکر ذرا دیکھ جائے مدینہ

دل میرا تو جنت کا طلب گار نہیں ہے وہ کہاں خلد کی بہاروں میں
نہ پایا دو جہاں میں ایسا گلزار کہ ہے اس سے اونچا مقامِ مدینہ
میری منزل ہے یہی میں کیوں کروں جنت کی آس خلد کو میں رقیب لکھوں گا

اس میں شک نہیں کہ ہر مسلمان شہر نبیؐ سے بے پناہ محبت رکھتا ہے اسے اگر ''جنت ارضی'' کہیں تو زیبا ہے لیکن اس کے مقابلے میں جنت سماوی کی تحقیر و توہین تو قطعی نا مناسب ہے بلکہ آخرت میں قابل گرفت بھی ہوگی۔ حشر میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے پوچھے گا کہ،

''میں نے جس جنت کو فوزِ عظیم کہا ہے تم نے اس کی تحقیر و تذلیل کیوں کی؟''

تو یہ کیا جواب دیں گے سوچ کر رکھیں اور اگر انھیں دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہوگا تو یہ کیا کریں گے؟ یہ بھی دھیان میں رکھیں !!

قرآن و حدیث میں جہاں جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے وہاں یہ بھی ہے کہ جنت میں کسی قسم کا رنج والم نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی تکلیف دہ شئے ہوگی۔ اب ملاحظہ فرمایئے کہ ہمارے شعراء مدینہ شریف کو جنت سے اعلیٰ وارفع جانتے ہیں اور اسی جنت رسولؐ میں ''خار'' بھی اگا رہے ہیں،

مجھ کو اک خار جو مل جائے رہِ طیبہ کا اٹھالوں گا پلکوں سے میں ان کو اپنی
چھوڑ دوں گا میں چمن سارے زمانے کیلئے کہ پھولوں سے بہتر ہے خارِ مدینہ

ایک تماشہ اور بھی ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی جنت کی تحقیر وتضحیک کرنے والے شعراء کا یہ حال ہے کہ وہ شداد کی بنائی ہوئی جنت یعنی ''ارم'' کی تمنا کر رہے ہیں،

ہو رہا ہے مردِ مسلم رہروِ راہِ ارم آپ کا شہر بھی کیا خلد سے کم ہے ہم کو
کس طرح محمود راہِ ہادئ اسلام ہے دشت طیبہ بھی باندازِ ارم ہے ہم کو

یہ شعراء صرف جنت کی تحقیر وتضحیک پر مطمئن نہیں ہو جاتے بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر انبیائے کرام یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حرم کعبہ کی شان میں بے ادبی و گستاخی سے نہیں چوکتے،

مردوں کو زندہ غلامانِ نبی کرتے ہیں — شہِ کونین کی نسبت نے بخشا ہے شرف ہم کو
ہے بارگاہِ محمد ، حرم کی راہ نہیں — اتنا بھی معاصی پہ پشیماں نہ ہو اے دل
بلالؓ کہنے کو ادنیٰ غلام ہے کہ نہیں — ہم عاشق ہیں محمد کے وہ قاصد ہیں محمد کے
ایسا ہے بہروپیا حسان کا بھولا صنم — ترے امتی کی ہے شان کیا صل علیٰ صل علیٰ
دست محمدی کا بوسہ تمھیں ملا ہے — معجزہ آپ کا اے حضرت عیسیٰ کیا ہے
ہم عاصی عافیت میں ہیں خدا کے یار کے دم سے — سرِ نیاز ادب سے جھکا مدینے میں
سرکار ہیں اپنے وہ نمٹ لیں گے خدا سے — مسیح و خضر سے افضل مقام ہے کہ نہیں
فرشتو! مرتبے جبرئیل سے بڑھ کر ہمارے ہیں — وہ عیاں بھی اور نہاں بھی دل کے کاشانے میں ہے
پرِ جبریل ہے زیرِ پا صل علیٰ صل علیٰ — کیا نازش پیمبر احمد کبیرؒ تم ہو

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے بیان میں صریحاً معجزۂ الٰہی کی تضحیک ہو رہی ہے کیوں کہ معجزے انبیاء علیہم السلام کے اپنے اختیار سے نہیں بلکہ مشیت الٰہی سے ظہور میں آئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''خدا کا یار'' کہنا گستاخی ہی کے مترادف ہے۔ حرم کعبہ کو بارگاہِ محمدؐ کے مقابلے میں کمتر بتانا بھی اسی قبیل سے ہے۔ اسے کیا کہیں گے کہ ''سرکار اپنے ہیں وہ خدا سے نمٹ لیں گے!'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''بہروپیا اور بھولا صنم'' کہتے وقت شاعر کو ذرا بھی شرم محسوس نہیں ہوئی؟ حضرت بلالؓ کو مسیح و خضر سے افضل گردانا کیا معنی رکھتا ہے؟ شاعر کو غالباً ''نازش پیمبر'' کے معنی معلوم نہیں اس لئے حضرت احمد کبیر رفاعیؒ کو اتنے بلند مرتبے پر پہنچا دیا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ''وجہِ نازش'' ہو گئے لیکن یہاں تک آ کر تو گستاخی کی انتہا ہو گئی،

شمس منیر والضحیٰ بدرالدجیٰ لقب ملا — ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ثانی رہا ہے خود خدا سرورِ کائنات کا — ہجر وہ غم کہ خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

خدائے تعالیٰ کو ''سرورِ کائناتؐ کا ثانی'' کہنا مفتیان شرعِ متین سے متعلق مسئلہ ہے۔ وہی بہتر بتا سکتے ہیں کہ یہ کیا ہے!؟ دیگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کو انسانی صفات سے متصف کرنا کہاں تک درست ہے کہ وہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجر کا غم برداشت نہ کر سکا اور عالم بے قراری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلوا لیا تا کہ آپ سے ملاقات و دیدار سے اس کا دل خوش اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں!!

میں نے اپنے کئی مضامین میں اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ صنف نعت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختص ہے تو اس میں مضامین و خیالات، زبان و بیان بھی شستہ و پاکیزہ ہونے چاہئیں۔ ایک لفظ بھی ایسا نہیں آنا چاہئے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کے منافی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و رفعت سے کمتر ہو۔

یہاں بالیدگی ہوتی رہی موئے مبارک ہے
زمانے بھر میں یکتا کشتِ قدرت ہے سرِ اقدس

اللہ نے ایسا چاند بھی چمکایا فرش پر
وہ تاجدار ہو گیا سارے جہان کا

چودہ صدی کے بعد بھی جو ضو فشاں ہے آج
میرے نبی کے در کا جو مزدور ہو گیا

جب تکلم کبھی فرماتے ہیں میرے آقا
دو جہاں کی دولتوں پر آپ کا ہے اختیار

سگانِ کوچۂ احمد بنے نصیب سے ہم
نہیں قابل حضوری کے تو باہر ہی گزاروں گا

پھوٹ کر منہ سے نکلتے ہیں ستارے اُن کے
جس کا منگتا قیصر کسریٰ ہو وہ قیصر بھی آپ ﷺ

در حبیب پہ سجدے کئے قریب سے ہم
سگ در ہی بنا لیں آپ دربارِ رسالت کا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ اقدس کو ''موئے مبارک کی کشت قدرت'' کہنا کہاں تک درست ہے؟ جب کہ ایسا بھی نہیں ہے کہ ''بال کی بالیدگی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس کے لئے مخصوص تھی اور باقی تمام انسان بالوں سے محروم ہیں!!'' دوسرے شعر میں ''فرش'' نہایت قبیح معلوم ہوتا ہے یہاں ''ارض'' بھی کہا جا سکتا تھا۔ تیسرے شعر میں ''مزدور'' فضول لفظ ہے یہاں ''غلام'' کا محل ہے۔ ''منہ سے پھوٹنا'' گھٹیا اور بازاری محاورہ ہے ایسے موقعوں پر ''پھول برسنا یا ستارے جھڑنا'' استعمال کیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''قیصر'' (شاہِ ایران کا لقب) کہنا کہاں تک درست ہے۔ جب کہ قیصر و کسریٰ جیسے بادشاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفش برداری کے بھی لائق نہ تھے اور کتا بن کر درِ حبیب ﷺ پر سجدہ ریزی کو کیا کہا جائے گا؟؟ جب کہ حدیث شریف میں ہے کہ،

''جس گھر میں کتا پلا ہو وہاں فرشتے نہیں آتے، اگر کسی مکان کی چوکھٹ پر کتے کی رال بھی ٹپک جائے تو چالیس روز تک فرشتے اس مکان میں داخل نہیں ہوتے۔''

اس حدیث پاک کی روشنی میں روضۂ اقدس پر سگ (کتے) کا وجود کم از کم میں تو برداشت نہیں کر سکتا۔

نعت کی پاکیزگی، گھٹیا الفاظ، بے تکے مضامین اور غلط بیانی کی بھی ہرگز متحمل نہیں ہوسکتی لیکن بعض شعراء نے اس طرف سے جیسے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ انھیں یہ احساس تک نہیں ہے کہ وہ کس عظیم ہستی کی شانِ اقدس میں شعر کہہ رہے ہیں اور اس کی لفظیات کیا ہونی چاہئیں اور مضامین و خیالات کے بیان میں کس قدر احتیاط برتنی چاہیے۔ یہی نہیں حقیقت سے بعید اور خلافِ واقعہ باتیں نظم کرنے میں بھی انھیں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا۔

گنبد خضریٰ سے پھوٹی جب صداقت کی کرن　　　بھیک لینے روشنی کی چاند تارے چل پڑے

شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ صداقت کی کرن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں نہیں پھوٹی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ''گنبد خضریٰ'' سے ظاہر ہوئی اور اب تک جو چاند تارے روشنی سے محروم تھے انھیں گنبد خضریٰ سے بھیک میں روشنی عطا ہوئی ہے!؟

جہاں آتی ہے چاندنی بھیک لینے　　　وہ ماہِ رسالت کا در دیکھنا ہے

یہاں بھی وہی بات ہے لیکن اس میں یہ نیا پن ہے کہ چاند کی بجائے ''چاندنی'' بھیک لینے آتی ہے۔

چاند پر پڑتی ہے آقا جب کبھی میری نظر　　　یاد آتا ہے مجھے انگلی اٹھانا آپ کا

شاعر صاحب کو غالباً ''انگلی اٹھانا'' محاورے کے معنی اور محل استعمال سے واقفیت نہیں ہے۔

خدا کو دعا میری سننی پڑے گی　　　نبی کا وسیلہ بہت معتبر ہے

''سننی پڑے گی'' کی تاکیدی قباحت اہل علم و زبان سے پوشیدہ نہ ہوگی۔

دلوں میں شعلۂ ایماں اسی سے روشن ہے نبی کا عشق تو جیسے دیا سلائی ہے

کیا ’’عشق نبی‘‘ کو ’’دیا سلائی‘‘ سے تعبیر کرنا درست ہے؟

بے ہوش جس سے ہو گئے موسیٰ تھے طور پر جلوہ تھا اِک وہ نورِ نبی کے شرار کا

خلافِ واقعہ ہونے کے علاوہ شعر میں ’’نورِ نبیؐ‘‘ کو ’’شرار‘‘ یعنی ’’آگ کی چنگاری‘‘ کہا گیا ہے!!

امتی پریشاں ہیں وہ خبر نہیں لیتے آج کل شفق شاید بدگماں محمد ہیں

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور امت سے ’’بدگمان‘‘؟!

تلاش کی ہے بہت ہم نے بزمِ امکاں میں کہیں ملی ہی نہیں آپ کی مثال مجھے

یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے کہ شاعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ایک اور شخصیت کی تلاش میں نکل پڑا ہے۔

تم سا داتا، تم سا مولا، تم سا آقا ہے کہاں بندہ پرور آپ کے ہم ہیں پجاری یا نبیؐ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا!؟ نعوذ باللہ!!

ان کے ہونٹوں سے خدا بول رہا تھا جیسے ہونے والا نہیں جادو کبھی زائل ان کا

اللہ غنی! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ’’ساحر‘‘ تھے؟

کس کو ہم بتلائیں اپنا زخم دل داغ جگر جب سوائے آپ کے ساتھی نہ ہمسر ہے کوئی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ’’اپنا ساتھی و ہمسر‘‘ کہنے والے شاعر کی عقل پر شاید پتھر پڑ گئے ہیں۔ اس شعر کی تو داد ہی نہیں دی جا سکتی:

بہ محشر پڑھ کے میرا فردِ عصیاں فرشتہ خود بھی ششدر ہو گیا ہے

اتنا بُرا نامۂ اعمال ہے؟ شاعر کے خیال میں حشر میں اعمال نامے میزان پر نہیں تولے جائیں گے بلکہ ایک فرشتہ انھیں پڑھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کو سنائے گا!! اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرمائے گا۔

اسی قبیل کے کچھ اشعار اور ملاحظہ فرمایئے:

نقش قدم کو چومتے رہتے تھے جبرئیل　　وہ مرتبہ تھا میرے نبی کے جمال کا
مٹی کا نہ لیں بوسہ کیوں کر نہ ملائک بھی　　جب خلد بریں کے ہوں مہمان مدینے میں
جنبش سے انگلیوں کی دکھایاہے معجزہ　　اک شق سا پڑ گیا تھا فلک کے ہلال میں
رضوان اگر خلد میں جانے نہیں دے گا　　کہدوں گا میں جاکر مرے رحمت لقبی سے
جو عشق محمد میں سرشار ہوگا　　میسر اسے جلوۂ یار ہو گا

ان اشعار کی قباحتوں کی تشریح کی ضرورت تو نہیں محسوس ہوتی پھر بھی اشارۃً عرض ہے کہ، جبرئیل علیہ السلام کا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کو چومنا، ملائک کا مدینے کی مٹی کو بوسہ دینا، انگلیوں کی جنبش سے معجزہ دکھانا اور ''بدر'' نہیں بلکہ ''ہلال'' میں ''شق'' پڑ جانا۔ شعراء کی جہالت اور زبان و بیان کی کمزوری کے شاہد ہیں۔

اس مقام پر یہ کہنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ جس طرح دورانِ گفتگو لوگ طرح طرح کی قسمیں کھاتے ہیں اس طرح نعت میں بھی شعراء اپنے کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل کہاں تک درست ہے یہ تو علماء ومفتیان کرام ہی بتا سکتے ہیں۔

قسم اللہ کی اک آپ کے در کے سوا ہم نے　　زبانِ شمع رسالت اگر نہ ضو دیتی
جس کسی کو بھی طیبہ میں موت آ گئی　　کسی در پر نہیں دامن پسارا یا رسول اللہ
قسم خدا کی خدا یوں خدا نہیں ہوتا　　وہ خدا کی قسم جنتی ہو گیا

نعت کا ایک شعبہ ''سراپا نگاری'' بھی ہے جس میں شعراء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا کو بیان کرتے ہیں لیکن میرے مطالعے میں ہے کہ شعراء اس ضمن میں احتیاط سے کام نہیں لیتے یعنی اس تعلق سے وہ عامیانہ زبان استعمال کرتے ہیں یا پھر وہ انداز واسلوب اختیار کرتے ہیں جو غزل کے محبوب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرز کو کسی طور مستحسن نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں ایک قباحت اور بھی ہے کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قد زیبا، گیسو ورخسار کے ذکر سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔

خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹا لے آجا　　جان بہار ، جانِ جہاں ، جانِ انجمن

بوئے گل اس لئے پھرتی ہے چھپائے چہرہ
ہر غنچہ و گل میں ہے نہاں یار کی خوشبو

جس دن سے ان کی زلف معطر سے مس ہوئی
اگر پرتو پڑے سلطانِ دیں کی زلف کا کل کا

وہ خط وہ چہرہ وہ زلف سیاہ تو دیکھو
پس فنا بھی نہ آشفتگی مٹے گی مری

اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آ جا
وہ حسن بے پناہ وہ صورت نبی کی ہے

گیسو سرکارِ دو عالم نے سنوارے ہوں گے
تا حشر رہے گی مرے سرکار کی خوشبو

قسمت بلند ہو گئی بوئے شمیم کی
نکل جائے گلستانِ جہاں سے پیچ سنبل کا

کہ شام صبح کے بعد آئی صبح شام کے بعد
رہے گا زلف نبی کا خیال تربت میں

ان اشعار پر مزید تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

میں نعت پاک میں یا پھر نثر یا ادب کی کوئی بھی صنف ہو۔حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''تو، تیرا'' جیسی ضمیروں کا استعمال نامناسب بلکہ بے ادبی خیال کرتا ہوں۔اس تعلق سے میرا ایک مضمون ''اردو نعت میں ضمائر کا استعمال'' نعت رنگ شمارہ نمبر۲۲ میں شائع بھی ہو چکا ہے۔غالبًا اس کے ردِعمل کے طور پر جناب تنویر پھول صاحب رقم طراز ہیں،

> ''نعت گو شعراء میں ایک طبقہ نعت کہتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''تو، تم، اس'' وغیرہ کے استعمال کو یکسر ممنوع سمجھتا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ہمارے اکابرین نے اسے معیوب اور خلافِ ادب نہیں سمجھا ہے۔ ویسے بھی اعمال کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے جو شعراء ان الفاظ کو استعمال کرتے ہیں ان کی نیت نیک ہوتی ہے جو اس سے پرہیز کرنا چاہیں ضرور کریں لیکن دوسروں پر طعن و تشنیع نہ کریں۔'' (۲)

پھول صاحب نے اپنی تحریر میں ''ایک طبقہ'' لکھا ہے جب کہ میرا خیال ہے کہ مندرجہ بالا عبارت میرے مضمون کا ہی ردِعمل ہے۔

مجھے اس تعلق سے کوئی بحث نہیں کرنی ہے۔صرف پھول صاحب سے اتنا ہی دریافت کرنا چاہوں گا

کہ،

''اگر خوش بختی سے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا موقع مل جائے تو اس وقت آپ رحمۃ اللعالمین، ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''تو'' سے خطاب کریں گے یا ''آپ'' سے!؟؟

حوالاجات:

۱) نعت رنگ شمارہ نمبر۲۴، صفحات ۷ تا ۱۳

۲) نعت رنگ، شمارہ نمبر۲۴، صفحہ ۲۲۳

گوہر ملسیانی۔ملتان

نعت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے

ABSTRACT:

GoherMalsiyaanihaslaiddown some norms for Poets involved in devotional poetry to enlighten them about fragility and frailness of words to be used in praise of the Holy Prophet Muhammad (S.A.W). In order to strengthen his argument, he has quoted various verses of Qura'an and some Traditions i.e. Hadis besides some advises of poets themselves to make poets conscious at the time of creating devotional poetry. The article of Goher Malsiyaani is reflective of his knowledge of poetic norms and awareness of teachings of Islam in this connection. The content of devotional poetry need to be according to exact position of the Holy Prophet Muhammad (S.A.W) as laid down in the Quran and Sunnah and sentiments expressed therein should remain under the contour of knowledge, divinely given to Muslims.

خالقِ ارض وسماوات کے احسانات کا بحرِ بیکراں روزِ آفرینش ہی سے موجزن ہے۔گونا گوں مخلوقات سے عالمِ جست وبود لبریز ومزین ہے۔انصاف واکرام کا یہ عالم ہے کہ گلشنِ انسانیت رنگا رنگ حسن وجمال ،نیرنگی فکر وخیال اور جذبہ ہائے قیل وقال کے ؟؟؟ سے روشن ہے۔حقیقت یہ ہے کہ کہیں جلالِ ربانی کی فراوانی ہے۔کہیں حسن وجمال رحمانی کی تابانی ہے اور کہیں عنایاتِ جاودانی کی جو لا

ہے۔ انصام خسروانہ کی کبریائی یہ ہے خالقِ کائنات نے فیصلہ فرمایا:

اِنّی جَائِلٌ فِی الْاَرْضِ خلیفۃً
(البقرہ: ۳۰)

''یقیناً میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

کس قدر احسان عظیم ہے کہ انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر خلافت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ پھر علم کا نور، حسنِ شعور احساسات کا سرور اوور تمیزِ حسنات وشرور سے نواز دیا۔ یہ اکرام یہ انعامات اور یہ عنایات بے حد وحساب ہیں۔

سب سے عظیم تو یہ احسان ہے کہ انسان کی رہنمائی کے لیے نبی آخر الزماں، مہرِ درخشاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث فرمایا اور قیامت تک اس عالمِ فانی میں آنے والی ذرّیتِ آدمؑ کا ہادی ومربّی بنا کر بھیجا بلکہ اپنی آخری کتاب، صحیفۂ آسمانی، قرآنِ حکیم بھی عطا کیا جو انسانی زندگی کا منشور ہے جو اسرار ورموز حیات سے معمور ہے، جس میں علم وحکمت مستور ہے اس احسان کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں فرمادیا:

''وہ جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت ملی۔ اسے حقیقت میں خیرِ کثیر مل گئی۔'' (البقرہ: ۲۶۹)

انسان کو اس عطیۂ علم وآگہی سے سوچنے، سمجھنے، فکر وتدبر کرنے کے اہم اور مستند زاویے اور قوتِ ادراک سے پرشوکت وثروت دائرے مل گئے۔ ان دائروں کے اندر خیالات وتصوارت، عقلی دلائل واحساسات اور عظمتِ تحقیق وجستجو کے انعامات میں، یہ قیمتی اور لاثانی تعلیمات جسے ودیعت ہوئیں وہ صاحبِ بصیرت وبصارت بن گیا۔ وہ فنونِ لطیفہ کے حسن وجمال کا پرستار بن گیا، اعجازِ فن کا طلب گا بن گیا اور رموزِ شعر وسخن کا راز دار بن گیا۔

عصرِ حاضر میں ماضی کی روایت کی طرح ہمیں چمنستانِ ادب میں مختلف منہاجِ ادب ملتے ہیں۔ ان سب میں شعر وسخن کے متنوع اور پُر تاثیر اظہاریے ہمیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ مگر میری سعی تحریر کے

کینوس پراس وقت صنفِ نعت کے نقوش اپنی ضیائیں پھیلا رہے ہیں ۔یہ شعروسخن کی وہ ہردلعزیز صنف ہے جس میں سرورِکون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عقیدت ومحبت کے انوار وافکار کی ضیائیں جگ مگ جگ مگ کرتی ہیں اور اسلوبِ بیان کی حلاوتیں بحرِ قلب کی موجیں بنتی ہیں ۔یہ وہ صنفِ صبیح ہے جسے خالقِ علم وآگہی نے پسند فرمایا ہے بلکہ خود اس کو بیان کیا ہے اور اس کے لیے فرمان جاری کیا ہے :(سورۃ احزاب ۵۶)لکھنا ہے آیت:

''بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔''

یہ درود وسلام اپنے اندر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیغمبرانہ شان رکھتا ہے بلکہ خاص طور پراطاعت وعقیدت کا حکم رکھتا ہے ۔رحمت اللعالمین اور اخلاقِ عظمیٰ کی مدحت وتعریف کے اظہار کی تقدیس رکھتا ہے۔جس طرح قرآن مجید میں دوسرے فرائض ادا کرنے کا حکم ہے ، اسی طرح درود وسلام بھیجنے کا حکم ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ،میرا نام سنتے ہی درود وسلام بھیجو جو درود وسلام نہیں بھیجتا وہ بخیل ہے ۔ درود وسلام گویا حسنِ نعت کا جواز ہے ۔ یوں نعت ہر مسلمان شاعر کی زندگی کا اثاثہ اور جزوِ ایمان بن جاتی ہے ، جہاں فکر وخیال اسی کا جمال ہے بلکہ عمیق نظر سے دیکھیں تو نعت گو کے احساسات وجذبات کی آزمائش ہے بلکہ تذکارِ سید ابرار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اظہار واسلوب کی پیمائش ہے کہ وہ قرینے سے اوصافِ سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مدحت کی زیبائش وتابش میں بیان کرتا ہے یا اسلوب وطرزِ ادا میں محبت وعقیدت کو سمونے سے قاصر ہے ۔یاد رہے اہلِ علم وعرفان نعت کو عروسِ حکمت ، جانِ شریعت اور حکمِ ربِّ کائنات کہتے ہیں۔

عربی ،فارسی اوراردو کے مدحت نگاروں کے کلام کا مطالعہ کریں تو اصنافِ سخن میں نعت کہنے کی سعادت ،ودیعتِ خداوندبھی ہے ۔ان کے اشعار میں ذہن ودل کا جوسرور وجوش شامل ہے وہ بھی عطا

ئے ربانی ہے ۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید کے یہ نادر خیالات کس قدر موزوں اور درست ہیں کہ نعت گوئی کی توفیق اللہ کریم کے خصوصی انعامات میں سے ہے ۔ یہ انھیں کو نصیب ہوتی ہے، جنھیں نوازنا مقصود ہوتا ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ:

> ''حسن وشعور کے ادراک'' سے خود جہانِ شعور وفراست حسین ہوجاتا ہے۔ کسی مقدس شخصیت سے محبت کرنے والی عام شخصیت بھی حضور منور ہوجاتی ہے۔''(۱)

ہم دیکھتے ہیں، گلشنِ ادب میں اگر کہیں حسنِ مجازی کے گھونسلے ہیں تو دوسری جانب شجرِ وقت پر روحانی حسن کے پائیدار آشیانے بھی درخشاں ہیں ۔حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کرۂ ارض پر آسماں تاباں ہے ، اسی طرح چودہ سوسال سے ہر خطّۂ زمیں پر سراجُ منیرا ،مظہرِ نورِ ربّ العلی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت بھی ضوفشاں ہے ۔ یہ حقیقتاً وہ دائمی صداقت ہے جو عہدِ موجود کی پیشانی پر بھی ضوبار ہے اور حسن وجمالِ نعت کو بھی زرنگار کرتی ہے ۔ڈاکٹر ظہور احمد یوں اظہار کرتے ہیں :

> ''نعت کے دائرے کو محدود سمجھنا درست نہیں ، کیونکہ جتنا دائرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت ورسالت کا ہے ،اتنا ہی دائرہ اوصافِ حمیدہ کا ہے ۔ جو نعت پر کام کرنے والوں کی کوششوں سے انسانیت تک پہنچ رہے ہیں تمام اسلامی زبانوں میں نعت اور سیرت پر سب سے زیادہ کام اردو زبان میں ہے''۔(۲)

اصنافِ سخن میں صنفِ نعت کا تنوع ،حق وصداقت کا آئینہ دار ہے بلکہ اب تو تمنائے نعت ،نعت نگاروں کے لیے مثل آرزوئے کوثر ہے ۔ ہر شاعر کا قلبِ تپاں ،روحِ ذوقِ فراواں اور فکر فروزاں متموج بحرِ بیکراں کی طرح عقیدت ومحبت فخرِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اظہار کے لیے ہر

لمحے کوشاں ہے اور مجموعہ ہائے نعت کا ظہور منصّۂ شہود پر مانند پورش ژالہ ہے جو شعرائے نعت کی دلچسپی کا پرکشش حوالہ ہے۔ اس تخلیقِ نعت کی فراوانی کا تذکرہ ذرپروفیسر محمد اقبال جاوید کی رعنائی خیال میں فروزاں دیکھیے ۔

''جب جذبہ سیال ہوجائے ،جب فکر پگھل جائے ،جب آنکھ سراسر اشک بن جائے ،جب پورا وجود عشقِ جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی اداؤں میں جذب ہوجائے تو پھر نعت وثنا کی بارشِ الہام کوکون روک سکتا ہے ۔ کیا آپ طلوعِ آفتاب پر پابندی لگاسکتے ہیں؟ کیا موجِ صبا کوخرام سے روکا جاسکتا ہے؟ کیا شگفتنِ گل کوآپ مؤخر کرسکتے ہیں؟ اگر یہ سب ناممکن ہے تو پھر عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی مدح طرازی اور نعت گوئی کوآپ کیسے ملتوی کرسکتے ہیں''۔(۳)

حقیقت یہ ہے کہ جب یہ جوش وجذبہ شاعر کے دل میں تحریک پیدا کرتا ہے تو عقیدت ومحبت کا جوازِ تخلیق بھی شاعر کے خیال وفکر پراثر انداز ہوتا ہے تو تخیل کی پرواز رفعتِ فلک کوشرمانے لگتی ہے،جس سے اسلوب وطرزِ ادا کی بادِ بہار کا الفاظ وتشبیہات اور استعارات کونکہتِ تصورات ومحاکات سے جگمگانے لگتی ہے بلکہ ریاضتِ شعر گوئی کوبھی تڑپانے لگتی ہے اور مضامین جلیلہ کوبھی اذہان میں جگانے لگتی ہے ۔یوں نعت کا جلال وجمال بھی بے مثل وبے مثال بن جاتا ہے اور نعت نغمۂ کتابِ نور کا تابندہ مقال بن جاتی ہے جس سے حُبِّ احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے بصائر چمکنے لگتے ہیں۔عشق ومحبت کے گلہائے عقیدت کے مناظر مہکنے لگتے ہیں ۔گلشنِ مدحتِ محبوبِ ستار صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے غنچہ ہائے پُروقار چٹکتے لگتے ہیں ۔یوں نعتِ آفتابِ نو بہار صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے جملہ عناصر دمکنے لگتے ہیں۔ یہ صدیوں کا قصہ ہے بلکہ عصرِ حاضر کالازمی حصہ ہے۔

نعت کے تاریخی مراحل کا اگر مطالعہ کریں تو نعت کی روایت ابتدا ہی سے حسن و جمالِ شمائل اور محبت و مؤدت کے تصورات سے مزین نظر آتی ہے ۔اگر چہ نعت بطور صنفِ اصنافِ ادب کا مقام نہیں رکھتی مگر شعرا اپنی منظومات میں نعت کے اشعار کہہ دیتے تھے ۔ ان کے ہاں سادہ اور نکھری ہوئی زبان ہوتی تھی ۔مکمل نعت کہنے کا رواج نہ تھا۔ولؔی دکنی کی نعت کے چند اشعار دیکھیے :

تیری محبت کا رتن دل میں جتن سب ون ! چھو
یا محمد دوجہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
حق نے لولاک لماحق میں محمد کے کہا
ان سوا کون سے مرسل نے یہ رتبہ پایا
مغفرت تیری ولؔی سہل بلا ریب ہے کیوں
نام احمد صلی اللہ علیہ و آلہٗ وسلم
کا جو لب پر تیرے ہر دم آیا

اس دور میں نعت میں بے احتیاطی نہیں تھی جو بعد میں در آئی ،قرآن وحدیث کے مطابق خیالات کے اظہار کی کوشش کی جاتی تھی ۔طبقہ متوسطین میں نعتیہ شاعری کوترقی نصیب ہوئی ۔ یہ تین اشعار حاضر ہیں،جن میں زبان وبیان کی دلآمیزی ضوفشاں ہےاور عشق وعقیدت کے جذبات بھی موجزن ہیں۔

تمنا ہے درختوں پرترے روضے کے جا بیٹھیں
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ ،قید کا

(شہیدی)

خدا کا راستہ تو نے بتایا
تو ہی ہادی ہے رہبر ، رہنما خاص

(لطفؔ)

ہے سنگ میں واں کے شررِ طور ہے پنہاں

کہیے خشت کو کہیے یدِ بیضائے مدینہ

(غلام امام شہیدؔ)

عہدِ متاخرین تو نعت کا درخشاں دور ہے ۔نعت نگاری کے مراکز دور دور تک مختلف شہروں میں پھیل گئے ۔محسن کاکوروی اور صحو ابو العلائی جیسے نعت کے چند شعرائے کرام نے اس دور میں فروغِ نعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔نعت قندیلِ نور بن گئی ،فکر ونظر کا شعور بن گئی اور گلستانِ ادب میں فصلِ بہار کا سرور بن گئی ۔توصیفِ رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابِ کرم کُھل کر برسنے لگے۔آفتابِ چرخِ معالی ﷺ کے شہابِ نعم ہر طرف چمکنے لگے۔خلوص ومحبت ،تہذیب ومتانت اور شیفتگی اس عہد کی مدحت کا خاص انداز بن گئی چند اشعار دیکھیے :

یاد جب تجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے

سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

☆☆

پیشانی ہے جزوِ مصحف رو

دس پارے کے دو رکوع ابرو

(محسنؔ کاکوروی)

پاک پہ مائل نہ ہوا تھا سو ہوا

دل مرا عشق میں کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

(شائقؔ)

مرا دل ہے محوِ خیالِ محمد

وصالِ خدا ہے وصالِ محمد

(صحوابوالعلائی)

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد نعت کا جدید دور شروع ہوتا ہے اس میں نعت کے انوار بامِ عروج پر پہنچ گئے ۔الطاف حسین حالی نے نعت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشری حقیقت کی ترجمانی کی مسدس لکھی ،پھر تکلف ،مبالغہ آرائی اور صنعت گری نہ رہی۔اسوۂ حسنہ اور صفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اجاگر ہوئے۔شبلی نعمانی ،نظم طباطبائی اور احمد رضا خاں بریلوی جیسی علمی شخصیات عشقِ سرورِ کائنات کو اپنی نعتوں میں سمونے لگیں ۔ یہاں تک کہ علامہ اقبال اور ظفر علی خان جیسی علمی ،ادبی آفاقی نظریۂ نعت کی حامل شخصیات کے عہد کا آغاز ہوا ۔جنھوں نے حیاتِ طیبہ کے جاں نواز اور سینہ شگاف حالات وواقعات سے عقیدت ومحبت کی شمعیں جلائیں اور نعت کو نئے اسلوب و بیان سے ضو بار کیا اور اپنے جذبات کے دلکش انداز سے سرشار کیا۔لیجیے چند اشعار میں حسن وخیال کے انوار دیکھیے ۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل ،مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا!
نگاہِ عشق ومستی میں وہی اول ،وہی آخر
وہی قرآں،وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طاہا

(علامہ اقبال)

اے کہ ترا شہود وجہِ نمودِ کائنات
اے کہ ترا فسانہ ،زینتِ محفلِ حیات
محمد مصطفیٰ گنجِ سعادت کے امیں تم ہو
شفیع المذنبیں ہو رحمت للعالمیں تم ہو

(ظفر علی خاں)

نعت کی بوقلمونی اپنے اثرات وانوار کی قوسِ قزح پھیلاتی بڑھتی رہی ،یہاں تک کہ بیسویں صدی کی

آخری تین دہائیوں میں نعت کی مصوری اور معنوی رعنائیاں دست پذیر ہوئیں ۔ اظہار کی رنگینیوں سے بے نظیر ہوئیں اور صفتِ نعت کا مکمل روپ دھار کر اصنافِ سخن میں پُرکشش تنویر ہوئیں ۔جونہی نعت اکیسویں صدی میں پہنچتی ہے ،اظہار کے ذوق وشوق کی ثروت ،سوز وگداز کی دولت اور عقیدت ومحبت کی رفعت سے مالا مال ہوجاتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ شعروسخن کی وادیاں تذکارِمظہرِانوارِحق صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے زرخیز ہوجاتی ہیں، تقدیسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے نغموں سے اصنافِ شاعری لبریز ہوجاتی ہیں۔نعت کی روح کو تسکین دینے والے جذبات کو ان اشعار میں جمال انگیز ہوتے دیکھیے ۔

تو مہر لازوال سرِ مطلعِ ازل

تو طاقِ جاں میں شمعِ ابد سیدالوریٰؐ

☆☆

حسنِ فطرت ،حسنِ موجودات، حسنِ کائنات

نورِ ایقاں نورِ جاں ،نورِ بصر خیرالبشرؐ

(حفیظ تائب)

افق پہ ذہن کے روشن ہے ماہِ عالمتاب

برس رہا ہے مری روح پہ سحاب کرم

☆☆

جنونِ عشق محمدؐ جو سر میں رکھتے ہیں

عجب مقام جہاں ہنر میں رکھتے ہیں

(صبیح رحمانی)

نعتِ رسولِ کریمؐ سوز و گداز و سرور

نعتِ رسولِ کریمؐ کیفِ شراب طہور

نعتِ رسولِ کریمؐ علم و خبر کا نزول

نعتِ رسولِ کریمؐ فکر و ہنر کا ظہور

(خالدعلیم)

نغمۂ احمد مرسلؐ ہے مقدر اپنا

ہر صداقت ہے اسی ایک صدا میں شامل

(ابوالخیر کشفی)

ہر شام صبا میری سانسوں کے دریچے میں

توصیف محمدؐ کی قندیل جلا جانا

لفظوں کی دھنک ان کے جلووں کو ترستی ہے

ہونٹوں پہ درودوں کی تحریر سجا جانا

(ریاض حسین چودھری)

یہ سب ہے ترے عشق کا اعجاز کہ مومن

تھم جائے تو کہسار، اچھل جائے تو طوفان

(عاصیؔ کرنالی)

تیری عظمت سے ہمیں وسعت کردار ملی

ہم کہ قطرہ تھے ہمیں بحر بنایا تونے

(عارف عبدالمتین)

خرد کی تیرہ شبی کی اگر سحر ہوجائے

توروحِ عشقِ محمدؐ سے معتبر ہوجائے

(عزیز احسن)

نعت کے یہ اشعار عصرِ حاضر میں فضائے نعت بھی نئے پیراہن ،جدید فکر وخیال کے گلشن اور عشق ومحبتِ سید ابرار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جوبن کی دھنک پھیلا کر نعت کے نئے رنگ کی ضیائیں دکھا رہے ہیں۔ان میں عقیدت کی گلاب رتیں اوراسوۂ حسنہ کی شاداب ادائیں ہیں۔نعت نگارانِ دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بدلتے موسموں کی ضیائیں ہیں۔حرف وصورت کے نئے انداز نعت کائنات میں نئی منزلوں کواجاگر کررہے ہیں۔اسلوب وادا کی تازہ کاری اور عالمی سطح پر ابھرتی ہے بے قراری نے نعت کو جدید معاشرتی ،اقتصادی اورسماجی اجالوں سے بھی آشنا کیا ہے۔ چنانچہ صنفِ نعت اپنی وسعت ،جدت اورعظمت سے اصنافِ سخن میں اپنے ادبی معیار کے لحاظ سے جلیل وجمیل ہے۔حسنِ بیان کے لحاظ سے بھی بال وپرِ جبریل ہے۔

یہ نعت کا سرسری اورمختصر سا جائزہ ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نعت کیا ہے اور کن مراحل میں نورانی کرنیں پھیلاتی ہوئی بدر کامل بنی ہے۔اس تحریر میں نعت اور نعت گوشعراء کے محاسن ومصائب اور نقد ونظر کے حوالے سے گفتگو میرا مقصد نہیں ہے بلکہ صاحبِ جود وسخا، آفتاب ہدا اور خیرالوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آداب کونعت نگاروں کے سامنے رکھتا ہے ۔جوقرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں تاکہ شعرا اپنے نعتیہ اشعار میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ادب کوملحوظ رکھیں۔

اہلِ کائناتِ نعت کے لیے از بس ضروری ہے کہ وہ قرآن وحدیث میں غوطہ زن ہوکرفہم وادراکِ مدحت اورعلم وعرفانِ سیرت کے ٹولو پر جان تلاش کریں اور مدثر ومزمل ،احمدِ مرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احترام وعزت ،طہارت وعفت اورعظمت وعفت کے گلہائے رنگا رنگ مہکاتے ہوئے قرآن کے احکام اورسنت کے پیغام سے اکتسابِ نور کریں۔اس امرِ حقیقی کوذہن کی غذا بنائیں اور خیال وفکر کی ردا سجائیں کہ محبوب رب العالمین ،رحمت للعالمین ،شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور ہدیۂ نعت پیش کرنے کی جسارت کررہے ہیں،جن کی شان وعظمت اورفضیلت ورفعت کامداح خود خالقِ

کائنات ہے ۔آپ ایک عام انسان نہیں ہیں خیرالبشر ہیں۔ جلالِ عظمتِ آدم ہیں، ہادیِ عرب وعجم ہیں۔ بلکہ افضل الناس اوراعظم الناس ہیں۔شاہِ دوراں ،مرکزِ ایماں صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم نے خود فرمایا ہے، میں مقطعِ تنزیلِ خداہوں ،عبدہٗ اور رسولِ الا ہوں ۔اللہ تعالیٰ اس کی تائید فرماتا ہے:

قل انما انا بشر

مثلکم یوحیٰ الیّ انما

الہ واحدہ (۴)

’’کہہ دیجیے ۔(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم) کہ دراصل میں بھی تم ہی جیسا

ایک بشر ہوں (مگر) میرے طرف وحی کی جاتی ہے ۔یہ حقیقت ہے کہ بس

تمہارا معبودتو الہِ واحد ہے۔‘‘

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی اسی کیفیت کو اور انداز سے واضح کر دیا :

ماکان محمد ابا احدٍ من رجا

لکم ولکن رسول اللہ وخاتم

انبیّین ط(۵)

’’محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول

اور خاتم انبیّین ہیں۔‘‘

ان آیات میں ربّ عالم نے ہمارے سامنے وہ رفعت وحقیقت رکھ دی ہے جو امّی لقب ،محبوبِ رب صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کو رسولِ مکرم کی حیثیت سے عطا کی ہے ۔یہ احترام وتوقیر قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ ضوفشاں ہے۔ پورے قرآن کی تلاوت کیجیے کہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا نام لے کر خطاب

نہیں کیا گیا ہے، کہیں عام انسان کی طرح نہیں بلایا گیا ہے بلکہ یا ایھا المزمل، یاایھا المدثر اور یاایھا النبی کے محبت بھرے انداز سے خطاب کیا ہے۔ اس حسین وجمیل طرزِ ادا سے خود بخود یہ ہدایت ملتی ہے کہ محسن انسانیت، معدنِ حکمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نہایت درجہ احترام کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے بارے میں زبان وتحریر میں کوئی ایسی بات نہ آئے جو خلافِ شان وعظمت اور خلافِ ادب واحترام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ رسول کے لیے بھی یہ خاص حکم نازل فرمایا:

لاتجعلو دعاء الرسول
بینکم کدعاءِ بعضکم
بعضا ط (٦)

''تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔''

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور حکم ضو بار ہو جاتا ہے:

یاایھا الذین آمنو الا ترفعو
اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھر
واله بالقول کجھر بعضکم بعضٍ ان
تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون
(٧)

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے اونچی آواز میں بات کرو، جس طرح تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر

بھی نہ ہو۔‘‘

سیدابرار، احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت وتوقیر کے لیے کس قدر خبردار کر دیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے ان احکامِ ربانی پر پوری طرح عمل کیا اور دنیا کے سامنے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمالِ آداب اور حسنِ القاب کے عملی نمونے پیش کیے۔ یہ آیات اور کردارِ اصحابؓ نعت نگاروں کی تربیت اور رہنمائی کے لیے بے حد اہم ہیں تاکہ وہ اپنے اسلوب اور اظہارِ خیال کے لیے اپنا صحیح کردار ادا کریں تقدسِ واحترامِ جامع الصفات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انوار کو پہنچے اشعار کی زینت بنائیں۔ جناب عاصی کرنالی کی نظم ’’ آدابِ نعت گوئی‘‘ نعت کائنات سے محبت کرنے والے شعرا کی رہنمائی کرتی ہے۔ چند اشعار پر غور کیجیے۔

اے ثنا گوئے سیدِ کونینؐ
خود کو اس منزلت کے قابل کر
خود کو رکھ عشق کی کسوٹی پر
چہرہ آئینے کے مقابل کر
نعت کو کارِ بے خودی نہ سمجھ
دل کو علم و خبر کا حامل کر
جان اس راہ کے نشیب و فراز
جوش کو ہوش کا مقابل کر
نعت کی حرمتیں نگاہ میں رکھ
نعت کیا ہے شعور حاصل کر

ان آیات واشعار سے رہنمائی ملتی ہے کہ ہر نعت گو نعت کے قصرِ ایمان اور شعبۂ عرفان کے خصائص

سے آ گاہی حاصل کرے۔ سیرت طیبہ اوراسوۂ حسنہ کے انوار بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معاملات زندگی ،فرائضِ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ارشادات سے شناسائی کی روشنی بھی پائے بلکہ خصوصاً کتابِ نور میں اللہ تعالیٰ کی ان آیات کو حرزِ جاں بنائے حسن ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاقِ عظیم اور فضیلت وتکریم کی ضیائیں ہیں۔ اس لیے ہر ناعت کا فرض بنتا ہے کہ معلمِ علم حکمت کی عظمت وعزت کے انوار چنے اور نعت کی ریاضت کے وقت ادب واحترام سید عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اسلوب وادا میں اپنی سروری کے جوہر دکھائے جو قابلِ تحسین بھی ہوں اور باعثِ عزت وسعادت بھی ہوں۔ڈاکٹر سراج احمد قادری (بھارت) اسی کی جانب توجہ دلاتے ہیں:

> ’’نعت گوئی کے لیے میرے رسولِ اکرم سے واقفیت لازمی ہے۔اس لیے اس فن میں حضورِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادات واطوار، خصائل و فضائل کا ذکر ہوتا ہے۔حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ پاک ،ان کے اسوۂ حسنہ،خصائل وفضائل وغیرہ کی معلومات کے لیے قرآن وحدیث کا مطالعہ ناگزیر ہے۔‘‘

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نعت گو واقف نہیں ہے،قرآن وحدیث کے مطالعہ سے بے بہرہ ہے ،جس واقعے کو نظم کرنا چاہتا ہے،اس سے اس کی پوری واقفیت نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس سے لغزش ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔(۸)

گلشنِ نعت کی نکہتوں سے شامِ جاں اور ذہن وخیال معطر کرنے والے اہلِ ہنر اور اہلِ نظر کی نگاہ میں نکاتِ قرآن وحدیث ضرور رہنے چاہیں مگر بعض اوقات شدتِ محبت اور سرشاری عشق میں مبالغہ آرائی اور سخن طرازی حد سے گزر جاتی ہے اور ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔اس سلسلے میں قرآن وحدیث رہنمائی کرتے ہیں اور شاعر کو قدم قدم پر باور کراتے ہیں۔

عرفیؔ مشاب ایں وہ نعت است نہ صحرا است

آہستہ کہ رو بردمِ تیغ است قدم را

ہشدّار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن

نعت شہہِ کونینؐ ومدیحِ کے وجم را

ان خیالات وتنبیہات کی روشنی میں شمع رہِ عارفاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کہتے ہوئے قرآن وحدیث کی ہدایت کو حرزِ جاں بتانے کی ضرورت ہے۔ یہاں اس سلسلے کے چند درخشاں احکامِ خدائے عزوجل اور نگارشاتِ ختم رسل کے انوار حاضر ہیں تا کہ فکر وشعور اور بیان کے ظہور کو ضوفشاں کرنے کا سبب بنیں:

انّا ارسلنك شاهدًا وّمبشرّاوّ نذيرًا

oتؤمنو ابالله ورسوله وتعزّروهُ

وتوقّروه طوتسبحو ه بكرة وّ اصيلاً (۹)

''بے شک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی تسبیح کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے حقیقت واضح کردی ہے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبشر ونذیر بن کر مبعوث ہوئے ہیں اور کفار ومشرقین اور اہلِ ظلم وجور کے لیے نذر ونذیر بھی ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم داعی الی اللہ اور سرچشمۂ ہدایت ہیں بلکہ رسولِ علم وحکمت کا مرتبہ رکھتے ہیں لہٰذا نعت کائنات کے شعرئے کرام کو اپنی ہنروری کا رنگ دکھاتے ہوئے ان مراتب ومناصب کو ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگا۔ یہ بھی

یاد رکھنا ہوگا کہ:

''انسانوں میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مطاع بنایا گیا ہے، جن کی اطاعتِ کلی مطلوب ہے۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توقیر تعظیم اور محبتِ قلبی بھی لازم قرار دی گئی ہے۔'' (۱۰)

سورۃ الحجرات کی تیسری آیت بھی اسی کی تلقین کرتی ہے، جس کا ترجمہ ہے:

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے اونچی بات کرو جس طرح تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔''

اسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرما دیا:

''بے شک جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔'' ظاہر ہوا کہ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذاتی نام لے کر یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکہہ کر پکارنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے عقل ہیں۔سوچ لیجیے خالقِ کائنات نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت وادب کا کس قدر خیال رکھا ہے۔ ہر نعت گو اپنے اشعار میں تخاطب کے انداز کو اس عمل سے محفوظ رہنے کی سعی کرے تاکہ وہ بے عقل نہ قرار پائے۔''

قرآن مبین کی اور کئی آیات بنیات میں بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف وتوصیف اور انعام واکرام کا تذکرہ ہے، ان کا مطالبہ بھی ناگزیر ہے۔فرمان باری ہے:

هو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ

ودین الحق لیظھره علی الذین

کله ولو کره المشرقین (۱۱)

''وہی تو ہے جس نے اپنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ سب ادیان پر اس کو غالب کر دے، خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگزیر گزرے۔''

گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہادیِ برحق اور رسولِ دینِ متین ہیں۔مسلمانوں کی رہنمائی اور انسانوں کو ضلالت اور دہریت سے بچانے والے ہیں، مسلمانوں کی زندگیوں کو سنوارنے والے اور خالقِ عالم سے محبت اور اطاعت کا گرویدہ بنانے والے ہیں۔بے حد شفیق اور مہربان ہیں۔اللہ تعالیٰ نے مزید فرمادیا:

لقد جائکم رسول من انفسکم

عزیز علیه ما عنتم حریص

علیکم بالمونین رؤف رحیم (۱۲)

''(اے لوگو!) تمہارے پاس ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ چاہنے والا ہے۔(بلکہ) ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔''

یہ فضیلت عطائے ربانی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل میں امت کے لیے محبت وشفقت رکھ دی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی بھلائی اور خیر خواہی کا خواہاں بنا دیا۔یہاں

تک کہ امت کے مصائب اور تکالیف کا احساس عطا کیا اور بے حد رحمت ورافت کی خوبیوں سے نوازا۔اس سلسلے میں فرما دیا:

وما ارسلنٰك الا رحمة

للعالمین (۱۳)

''اور اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم ہم نے تم کو نہیں بھیجا

ہے مگر رحمت بنا کر جہان والوں کے لیے۔''

عظمت وفضیلت کی بخششیں اور عطائیں قرآن مجید کی بہت سی صورتوں میں ضوفشاں ملتی ہیں جو دعوتِ فکر دیتی ہیں اور افضل الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے حضور گلہائے عقیدت ومحبت پیش کرنے کے عمل کی رہنمائی کرتی ہیں کیونکہ یہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی شان وشوکت کی مظہر ہیں جو فرماتا ہے:

النبی اولیٰ بالمؤ نین من انفسکم

وازواجه امهتهم (۱۴)

''بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم تو اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات

پر مقدم ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

معلوم یہ ہوا یہ کہ محبوبِ ستار صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا مسلمانوں سے اور مسلمانوں کا سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے جو تعلق ہے وہ تمام دوسرے انسانی تعلقات سے ایک بالاتر نوعیت کا ہے۔کوئی رشتہ اس رشتے سے اور کوئی تعلق اس تعلق سے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم اور اہل ایمان کے درمیان ہے ذرہ برابر بھی کوئی نشبت نہیں رکھتا۔رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم مسلمانوں کے لیے ان کے ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق ورحیم اوران کی اپنی ذات سے بڑھ کر خیر خواہ ہیں ...... دنیا کی

ہر چیز سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے محبت رکھیں ۔اپنی رائے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی رائے کو اور اپنے فیصلے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکے فیصلے کو مقدم رکھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کریں (۱۵)اس کے ساتھ ہی یہ خصوصیت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ بھی امہات المومنین ہونے کی وجہ سے ادب واحترام اور عزت اکرام کے لائق ہیں۔ ان کے بارے میں غیر مہذب بات منہ سے نکالنا اور ان کی شان کے خلاف کوئی بات تحریر میں لانا گناہ ہے۔ چنانچہ عزت واحترام کی جملہ ہدایات نعت نگاروں کے لیے درخشاں نکات ہیں تا کہ ان کی تخلیقات دنیا میں باعثِ التفات اور آخرت میں ذریعۂ نجات ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی کتابِ مبیں کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ تاجدارِ ملک ہدایت پیغمبرِ دین فطرت صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی احادیثِ حسین ومتین بھی انسانی زندگی کے علم وعرفان اور خیال وفکر جاوداں کی غماز ہیں ۔ان پر غور وفکر شاعرانِ نعت کے لیے روشنی بھی ہیں اور اردو ادب کے لیے دل کشی بھی ہیں۔صحابہ کرامؓ نے ان سے ضیائیں حاصل کیں اور ضیائیں بانٹیں بلکہ اہل قلم کے لیے پُرکشش اسلوب کی ادائیں پیش کیں۔سراج منیر کی چند جانفزا شعاعیں بکھیرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔حضرت براء بن عاربؓ بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کی شرائط تحریر کرنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے حضرت علیؓ سے فرمایا:

> ''لکھو!بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ فیصلہ ہے جو محمد رسول اللہ نے کیا ہے۔''
>
> حضرت علیؓ نے یہ عبارت لکھ دی ۔اس پر مشرقین نے کہا اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کو رسول مانتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی اتباع کر لیتے ، لہٰذا اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو ۔حضرت علیؓ نے عرض کیا واللہ

میں اسے کبھی نہیں مٹاؤں گا تو سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم نے فرمایا، اچھا مجھے اس کی جگہ دکھاؤ۔ حضرت علیؓ نے جگہ دکھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم نے خود اسے مٹا دیا۔ (۱۶)

یہ ہے ادبِ رسالت جو ہر صحابیؓ کے دل میں موجزن تھا۔ اصحاب رسول تو جان قربان کر دیتے تھے مگر اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ سید وآقا خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکے احترام وآداب کا خیال رکھتے تھے۔ اسی طرح سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکے شمائل، دل کش خصائل، تنہائی میں استراحت جودوسخاوت اورحسنِ وجاہت کے آداب کوسب سے زیادہ مقدم رکھتے تھے۔ پھر مدینہ منورہ، مسجدِ نبوی کے آداب کے ساتھ ساتھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی احادیث بیان کرنے میں بھی مؤدب رہتے تھے۔ آج بھی یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ہمارے فکروخیال، اسلوب واندازِ بیاں کوآدابِ جلیلہ کے؟؟ کی کرنیں ضوبار کرتی ہے اور خصوصاً سیرتِ مقدسہ، اسوۂ حسنہ اور اعمالِ طیبہ کے احترام واکرام کی ضائیں نعت گوئی کی حسین اداؤں کو منور کرتی ہیں۔

اَدبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکے یہ پُر بہار قرینے ہمیں اصحابؓ سے ملے ہیں جو ہر نعت گو کا علمی، ذہنی اور فکری سرمایہ ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں گستاخانہ سرورِ کائنات کی تادیبی سزائیں بھی سامنے رہنی چاہیں کہ ان کا انجام اس دنیا میں کیا ہوا اور آخرت میں عذاب عظیم تو ان کا منتظر ہے۔ ان ظالموں کا کردار کیا تھا اور کس کس انداز سے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کو جسمانی اور ذہنی تکلیفیں پہنچائیں۔ مثلاً ابولہب، نصر بن حارث، کعب بن اشرف، عبداللہ بن خطل، عاصر بن طفیل، ابی بن خلف، حویرث بن نقید، عقبہ بن ابی معیط، ابو عفک یہودی اور بہت سے دوسرے کفار ومشرقین جو باعث آزاد ہوئے۔ انجام کے طور پر قتل کیے گئے یا اللہ تعالیٰ کی شدید گرفت میں آئے لعنت اللہ علی کاذبین وکافرین۔

یادرکھنا چاہیے کہ ادب واحترام کے خلاف اشارہ،استعارہ تشبیہہ ،لفظ،محاورہ غرض یہ کہ ایک ایک نقطہ بھی قابلِ گرفت ہے اوراس کا غیرمحتاط استعمال نعت کے حسن کو گہنا دیتا ہےاور دنیاوآخرت میں بڑے خسارے کا موجب ہے ایک مرتبہ پھر مجھے کہنے دیجیے کہ ادبِ رسول کسی عام فرد بشر کا ادب نہیں یہ اللہ تعالیٰ کاادب ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

''اے ایمان والو! تم اللہ اوررسول سے سبقت نہ کیا کرو اوراللہ سے ڈرتے رہو۔بے شک وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔'' (۱۷)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے خبردار بھی کیا ہے کہ تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایمان کا تقاضا ہے۔عشق وعقیدت کا تقاضا ہے۔اس کائنات میں افضل الانسان کی محبت کا تقاضا ہے۔اعظم الناس کی اطاعت کا تقاضا ہے۔یہ تعظیم تواللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔یہی حکم الحاکمین نے فرمایا ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ

فاتبعونی یحببکم اللہ

ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور

رحیم (۱۸)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ کہہ دیجیے اگرتم اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری پیروی کرو۔اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اوروہ تمہارے گناہ معاف کردے گا۔اللہ بڑا بخشنے والا اورمہربان ہے۔''

اس تقاضائے تعظیم ومحبت کا صلہ مغفرت اوررحمت ربّ کائنات ہے جو بہت بڑا انعام ہے۔لیکن اس کے برعکس اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی ان کے احکام کی خلاف ورزی اور احترام وتعظیم میں معمولی سی کمی بھی اعمال کی بربادی ہےاور دنیا وَ آخرت کی نامرادی ہے۔عصرِ حاضر

میں نعت گوئی کی ایک اور روش کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں جو حالؔی کی مسدس مدوجزرِ اسلام کی پیروی میں چل نکلی ہے جو حالؔی کی مغرب پرستی اور سرسید احمد خان کی پیروی میں ہے۔ یہ قرآن حکیم کی آیت کے پہلے حصے انا البشر مثلکم کے حوالے سے ہے اور اس بشریت پر زور دیا جاتا ہے جیسا کہ حالؔی نے مسدس میں اختیار کیا۔ وہ اسی آیت کے دوسرے حکم کو دو فورِ اعتنا نہیں سمجھتے کہ آیت یوحیٰ اِلیّٰ ایک اور پیغام بھی دیتی ہے۔

اگر چہ یہ صحیح ہے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ صفات ''خطا کار سے درگزر کرنے والا'' اور ''اپنے پرائے کا غم کھانے والا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور ہمدردی کی اعلیٰ تعریف ہے مگر یوحیٰ اِلیّٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روحانی جہت کو بھی سامنے لاتا ہے اور اس کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ ماینطقُ عن الھویٰ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ جو اللہ تعالیٰ بتاتا ہے وہی بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا ہر شاعرِ نعت کے خیال وفکر میں دونوں حیات موجود رہنی چاہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ احادیثِ کتب ستہ کے علاوہ دیگر احادیث کی کتب میں بہت سی ضعیف اور موضوع حدیثیں شامل کر لی گئی ہیں جن کی مسندات مشکوک ہیں۔ ان کو روایت اور درایت کے حوالے سے دیکھ لینا چاہیے اور قرآن کی تصریحات کے خلاف پاک نہیں یا ان کی صفات کو نعت کہتے ہوئے اسلوب وبیان کی زینت نہ بنانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ نعت رحمت ومحبت کی بجائے زحمت وخسارہ بن جائے۔

آج تو جدید تحقیق کی روشنی میں سائنسی اور تحقیقی انداز سے بہت سے افکار ومباحث دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ خاص طور پر ''نعت رنگ کراچی'' میں نقد ونظر کا سلسلہ بے حد جامع اور فکر انگیز موجود ہے۔ جس کے مقالات نعت کو نکھارنے اور نعت نگاروں کی فکری اور روحانی زاویوں سے رہنمائی کے انوار دے رہا ہے۔ اس کا مطالعہ بہت سے عقدے سلجھا دے گا نعت کہنے سے پہلے وارداتِ قلبی کو قرآن

وحدیث کی کسوٹی پر ضرور پرکھیے۔تاکہ شدتِ عقیدت ومحبت میں ادب واحترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

حوالہ جات:

۱)نعت میں کیسے کہوں۔ص۳۰۔۳۱

۲)ماہنامہ نعت لاہور،اگست ستمبر ۱۹۹۸ء

۳)نعت میں کیسے کہوں۔ص۱۲

۴)سورۃ الکہف:۱۱۰

۵)سورۃ الاحزاب:۴۰

۶)سورۃ النور:۶۳

۷)سورۃ الحجرات:۲

۸)نعت رنگ ۱۹،ص ۱٦٦

۹)سورۂ الفتح ۔۸۔۹

۱۰)نعت گوئی اوراس کے آداب

۱۱)سورۂ الصّف:۹

۱۲)سورۂ التوبہ:۱۲۸

۱۳)سورۂ الانبیاء: ۱۰۷

۱۴)سورۂ الاحزاب:٦

۱۵)تفہیم القرآن ۴،ص ۱۷

۱٦) صحیح مسلم ج ۳،ص ۱۳۱

۱۷) سورۂ الحجرات :۱

۱۸) سورۂ آل عمران:۳۱

ڈاکٹر صابر سنبھلی۔انڈیا

حدائقِ بخشش اور کلیاتِ حسن کے متن کا المیّہ

ABSTRACT:

Dr. Sabir Sanbhali has pointed out some textual errors of Hadaiq- e Bakhshish of Aalaa Hazrat Ahmad Raza Khan Brailvi and Kuliyaat-e-Hasan of Hasan Raza Brailvi. These books are said to have been compiled by non poets who missed some metric errors in the couplets besides daring to correct some couplets without authority. Dr. Sabir has also pin pointed the lacunae of Kulliyaat-e-Hasan, which contains some couplets of Ahmad Raza Khan (R.A) with his own pen name i.e. Raza. The errors indicated in the article, presented beneath, need to be rectified with due care in the light of delineated facts.

اردو زبان کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف حدائقِ بخشش (۱۳۲۵ھ) (ہر دو حصص) اور اُن کے برادرِ خورد حضرت حسن بریلوی علیہ الرحمہ کا دیوان ذوقِ نعت (۱۳۲۶ھ) دونوں ہی گل سر سبد کا درجہ رکھتے ہیں۔اردو خواں طبقے میں شاید ہی ان کے برابر کسی نعتیہ دیوان کی پذیرائی ہوتی ہو۔آج صدی سے زیادہ مدّت گزر جانے پر بھی ان کے مضامین فرسودہ نہیں معلوم ہوتے اور اب تک وہی مزہ اور لطف دیتے ہیں جو اپنی تخلیق کے آغاز میں دیتے ہوں گے۔ان دونوں عظیم شاعروں کا انداز بیان اس پر مستزاد ہے۔لیکن نعتیہ شاعری کے

شاہ کار ہوتے ہوئے بھی ان کے متن کا معاملہ کسی المیے سے کم نہیں ہے۔دونوں کتابوں کے بارے میں چند اشاروں سے کام لوں گا۔سمجھ دار کو اشارہ بھی کافی ہوتا ہے۔

پہلے حدائقِ بخشش کو لیجیے۔یہ کتاب غالباً اس شاعر کی حیات میں طبع ہو چکی تھی۔اس کے بعد طویل طویل وقفوں سے کبھی کہیں سے اور کبھی کہیں سے شائع ہوتی رہی۔رضوی کتب خانہ بریلی سے اس کا ایک بہتر ایڈیشن بھی چھپا تھا۔میرا خیال ہے کہ یہ ۱۹۷۰ء تک بھارت میں تو لیتھ پر ہی چھپی پاکستان کا حال معلوم نہیں۔

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں رضا اکیڈمی بمبئی کے ذمّے داران کو خیال آیا کہ اس کا کوئی صحیح ترین ایڈیشن شائع ہونا چاہیے۔اصل مقصد تصحیح متن ہی تھا۔اس کے لیے اکیڈمی نے دل کھول کر روپیہ خرچ کیا،مگر حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ حدائق بخشش چھپی اور قابلِ دید چھپی۔کوئی بھی ہو اُس کے ظاہری حسن کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔لیکن جو اصل مقصد تھا وہ حاصل نہیں ہوا۔صحت متن کا حق تو کیا ادا ہوتا جو صحت لیتھ کے ایڈیشنوں میں تھی وہ بھی کئی جگہ مجروح ہو گئی۔کتاب بغور پڑھی تو یہی زبان سے نکلا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدی

اس کو مبالغہ نہ سمجھا جائے۔قدرے تفصیل سے عرض کروں تو یہ بات ثابت ہو جائے گی۔سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کتاب سابق ایڈیشنوں کے مقابلے میں ناقص ہو گئی (اور یہ متن کا بدترین عیب ہوتا ہے) ثبوت ملاحظہ فرمایئے۔

حدائق بخشش حصہ دوم میں حضرت غوث پاک علیہ الرحمہ کی شان میں رباعیات کا ایک دیوان ''نظم معطّر'' (۱۳۰۹ھ) کے تاریخی نام سے شروع سے ہی شامل رہا ہے۔اس کی ردیف الزّا ،میں ایک شعر یہ بھی ہے،جو اس سے پہلے ہر ایڈیشن میں موجود ہے۔

اے بردرِ تو نماز عبدالقادر

اے رُخِ تو نیاز عبدالقادر

معلوم نہیں کہ اس شعر میں کوئی شرعی سُقم ہے، کوئی فن کی غلطی ہے یا معنوی اعتبار سے کوئی نقص مرتب کے ذہن شریف میں آیا، رضا اکیڈمی کے اس نسخے میں اس کو شامل نہیں کیا گیا۔ جن حضرات کے پاس یہ نسخہ ہو ملاحظہ فرمالیں۔ کسی شعر کا کم کیا جانا حادثے سے کم نہیں ہوتا۔ یہ دیانت داری کے سراسر خلاف اور مرتب کے ناقابل اعتبار ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس کمی کو مجھ فقیر نے ہی دریافت کیا تھا اور ماہ نامہ ''اعلیٰ حضرت'' بریلی بابت ستمبر ۲۰۰۷ء (جلد ۴۷ شمارہ ۹) میں اس تحریف کی اطلاع بشکلِ مکتوب شائع کرادی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں صفحہ ۶۴۔

اس کے بعد بدایوں جانا ہوا تو وہاں پر حضرت علامہ شیخ مولانا اُسید الحق عثمانی قادری ازہری (شہید بغداد) علیہ الرحمہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس تحریف کا ذکر آیا تو انہوں نے بتایا کہ امام احمد رضا اکیڈمی بمبئی کے مذکورہ نسخے سے ایک اور شعر بھی حذف ہوا ہے اور وہ یہ ہے۔

اک طرف اعدائے دیں، ایک طرف حاسدیں

بندہ ہے تنہا تنہا! تم پہ کروروں درود

گھر آکر دیکھا تو واقعی شعر مذکورہ بالا اکیڈمی کے نسخے میں نہیں پایا۔ حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی ہوا۔ اس لیے کہ اس شعر میں بھی کوئی شرعی، فنّی یا معنوی نقص نہیں ہے۔ معلوم نہیں اس کو کیوں قلم زد کیا گیا۔ حضرت شیخ نے یہ بھی بتایا کہ حدائق بخشش کا ایک مطلع فتاوائے رضویہ کی کسی جلد میں بھی شامِل ہے جس کا متن حدائق بخشش کے متن سے مختلف ہے۔ جہاں تک مجھے یاد آتا ہے انہوں نے اس مطلع کا ذکر کیا تھا۔

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف اُن کی رسائی ہے

گر اُن کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے

کس جلد میں یہ شعر نقل ہوا ہے یہ اُس وقت اُن کو یاد نہیں آیا۔ میں بھی دیگر کاموں میں لگ گیا۔ اگر کوئی صاحب فتاوائے رضویہ میں تلاش کرسکیں تو یہ نیک کام ہوگا۔ ہوسکتا ہے مذکورہ بالا مطلع میری یادداشت میں گڑ بڑ ہوگیا ہو اور وہ کوئی دوسرا شعر ہو۔ اگر ایسا بھی ہو تب بھی فتاوے میں درج شعر کا متن ہر کتاب میں درج متن کے مقابلے میں صحیح تر ہوگا۔ کیونکہ وہ خود شاعر نے لکھا ہوگا۔

اور ملاحظہ فرمایئے امام احمد رضا اکیڈمی کا شاہ کار نسخہ حدائق بخشش صفحہ ۲۹۰۔ اس پر مثنوی کے شعر ۱۰ کے پہلے مصرع کی جگہ صرف نقطے لگے ہیں، ان کو کوئی اردو فارسی، عربی خواں نہیں پڑھ سکتا۔ گویا یہ مصرع بھی حدائق بخشش سے غائب ہے، بلکہ جان بوجھ کر غائب کیا گیا ہے۔

اتنے پر ہی بس نہیں۔ ان کے علاوہ کم از کم چھ ٦ مقام ایسے ہیں جہاں ایک ایک یا دو۔ دو لفظ حذف کردیے گئے ہیں اور اُن کی جگہ نقطے لگادیے گئے ہیں۔ ان کو بھی کوئی نہیں پڑھ سکتا اور جب پڑھ نہیں سکتا تو سمجھے گا کیسے؟ گویا جن اشعار میں یہ خالی جگہیں (بیاضیں) چھوڑی گئی ہیں ناقابل فہم ہونے کی وجہ سے اُن کا ہونا یا نہ ہونا برابر معلوم ہو کہ اچھا خاصا کلام ناقابلِ خواند اور ناقابل تفہیم ہے۔ ایسا اور کسی ادارے کی چھاپی ہوئی حدائق بخشش میں نہیں ہے۔ کلام کے حذف کو خوبی کہا جائے یا خامی یہ امام احمد رضا اکیڈمی بمبئی کے نسخے میں ہی پائی جاتی ہے۔ پندرہ برس پہلے اس کی طباعت ہوئی تھی۔ متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے، لیکن یہ بیاضیں پُر نہیں ہوئیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ بیاضیں قیامت تک کے لیے چھوڑی گئی ہیں۔

یہی نہیں اس نسخے میں مرتّب نے شاعر کے کلام پر اصلاح دینے کا مذموم اور ناقابل معافی جُرم بھی کیا ہے۔ صفحہ ۳۰۱ پر ایک رباعی یوں ہے۔

ہوں کردو تو گردوں کی بِنا گرجائے

ابرو جو کھنچے تیغ قضا کِر جائے

اے صاحب قوسین بس اب ردنہ کرے

سہمے ہوؤں سے تیرِ بلا پھر جائے

لفظ ''کِر'' حدائق بخشش کے کسی نسخے میں نہیں ہے۔ نہ شاعر نے اس کو نثر یا نظم میں کہیں استعمال کیا ہے۔ ''الملفوظ'' میں بھی کہیں نظر نہیں آیا۔ کسی مکتوب میں بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ لفظ شاعر کے استعمال میں تھا ہی نہیں، مگر کتاب کے مرتب حکیم جی شرر مصباحی نے اس رباعی پر اپنی علمیت اور قابلیت کے زعم میں اصلاح دے دی۔ بقول حکیم جی اس رباعی کے مطلع میں ایطا کا عیب تھا، جو اصلاح سے دور ہوگیا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ اصلاحی رباعی قطعاً بے ضابطہ ہوگئی۔ اس کے قوافی بِنا، قضا اور بَلا ہیں جو بالکل دُرست ہیں۔ پھر ایطا کہاں سے آگیا؟ ''کِر جائے'' اِس کی ردیف ہے جو سہو کاتب سے چوتھے مصرع میں '' پھر جائے'' ہوگئی۔ اب ذرا تیسرے اور چوتھے مصرع کو ملا کر پڑھیے۔ تیسرے مصرع کا مفہوم تو یہ آرزو ہے کہ تیر بلا واپسی نہ کرے (رد کا معنی ہے واپس ہونا) اور چوتھے میں یہ خواہش ہے کہ تیر بلا واپس ہوجائے (پھرنا کا معنی بھی واپس ہونا ہی ہے)۔ ایک ہی شعر میں دو ۲ متضاد خیالات یا آرزوئیں حضرتِ رضا کی فکر سے بھی بعید ہیں، لیکن اس بوالعجبی کا خیال کسی قاری کو بھی نہیں آتا۔ ''کرد'' (رائے مہملہ اور دال مہملہ) میں اگر دوسرا حرف ''واؤ'' ہوتا تو خواہ اس کا مفہوم کچھ کم واضح ہوتا، مگر یہ تضاد نہ ہوتا۔ ہوسکتا ہے یہ لفظ ''رد'' (مع دال مہملہ) کے بجائے ''راؤ'' (مع واؤ) ہی ہو، جو التباس یا بے احتیاطی کاتب کے سبب کچھ ہوگیا ہو۔ اس رباعی میں اگر ردیف ''گر جائے'' مان لی جائے تو یہ مسئلہ بھی باقی نہیں رہتا۔

لیکن مسئلہ اتنا ہی نہیں ہے۔ اس نسخے کے صفحہ ۶۳ کو ملاحظہ فرمایئے جہاں مصحح یا مرتّب نے فنّی بحثیں کی ہیں، اس رباعی کا چوتھا مصرع یوں تحریر فرمایا ہے۔

گرتے ہوؤں سے تیر بلا پھر جائے

اور صفحہ۳۰۲ پر یہ مصرع حکیم جی نے یوں لکھا ہے۔

سہمے ہوؤں سے تیر بلا پھر جائے

سوال یہ ہے کہ صحیح متن کیا ہے؟ ''گرتے ہوؤں'' یا ''سہمے ہوؤں''؟

یہ بات کتاب میں کہیں ظاہر نہیں کی گئی ہے اور افسوس کی بات یہ ہے کہ کسی قاری کو بھی اس سے تشویش یا شکایت پیدا نہیں ہوئی۔

شعری مجموعوں میں سب سے زیادہ بُری غلطی مصرع کا ناموزوں ہونا ہوتی ہے۔شاعر تو ناموزوں طبع نہیں ہوتے ،مگر کاتب کی غلطی اور پروف ریڈر کی نظر چوک جانے سے موزوں مصرع ناموزوں ہوجاتے ہیں۔افسوس کہ تصحیح کے بعد بھی اس کتاب میں ناموزوں مصرِع رہ گئے ہیں۔اس کی ایک نمایاں مثال صفحہ۲۹۰ پر ہے۔یہاں ایک مصرع مصحح کی فہم کے مطابق ناموزوں تھا اُس کو حذف کر دیا اور اُس کی جگہ بیاض چھوڑ دی۔افسوس اس بات کا ہے کہ اُس کا مصرع ثانی بھی ناموزوں ہے۔اُس کو جیسا ہے ویسا ہی نقل کر دیا گیا ہے۔بہتر ہوتا کہ اس کو بھی حذف کر دیتے۔[۱]

مضمون طویل ہوا جاتا ہے۔اس لیے بہت سی باتیں نظر انداز کرتا ہوں۔صرف زبان کی غلطی کی ایک مثال اور پیش کرنا چاہتا ہوں۔اس کے بعد ایک نعت کے قوافی کی جانب بھی کچھ اشارے کروں گا:

صفحہ۵۲ پر ایک شعر ہے۔

ہے کون کہ گریہ کرے یا فاتحہ کو آئے

بیکس کے اُٹھائے تری رحمت کے بھرن پھول

''بھرن'' کو مصحح نے مذکّر مانا ہے ورنہ اضافت ''کے'' کے بجائے ''کی'' ہوتی۔یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ''بھرن پھول'' کسی پھول کا نام سمجھتے ہوں۔اگر ایسا ہوتا تو یہاں ''کے'' کا ہی محل تھا،مگر افسوس کہ اس

نام کا کوئی پھول نہیں ہوتا۔ ’’کے‘‘ کے ساتھ اس شعر کی کوئی صحیح تشریح بھی ممکن نہیں ہے۔ اگر مصحح کسی سے سیدھے منھ بات کرلیں اور سیدھی طرح جواب دے دیں تو اس شعر کا مطلب اُن سے دریافت کیا جائے۔لیکن وہ سیدھی طرح جواب دیں گے اس کی امید کم ہے۔

ثابت ہوگیا کہ اس کتاب کے متن کی نام نہاد تصحیح میں ہر طرح کے اغلاط راہ پا گئے ہیں۔ص ۹۶ ملاحظہ فرمایئے۔ اس پر درج نعت کے قوافی مَرے، کَرے، بَھرے وغیرہم ہیں۔یعنی ’’را‘‘ سے پہلا حرف مفتوح ہے۔اسی نعتیہ غزل میں گِرے، پِھرے اور تِرے قوافی ہیں، جن میں ’’را‘‘ سے پہلا حرف مکسور ہے۔یہ قطعاً غلط قوافی ہیں۔حضرت رضاؔ بریلوی کے نزدیک یہ کسی طرح درست نہیں ہوسکتے۔ مرتّب کے عمل نے نہ صرف متن کو خراب کیا ہے بلکہ شاعرِ مرحوم کو بھی بدنام کرنے کی کوشش کی ہے ۔اب زیادہ نہیں کچھ تھوڑا سا ’’کلیاتِ حسنؔ‘‘ کے متن کے بارے میں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اُستاذِ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی کا نعتیہ اور دیگر مذہبی کلام ’’ذوق نعت‘‘ کے نام سے چھپا کرتا تھا۔ اس کا ۸/ ۱۸×۲۲ سائز کا ایک نسخہ راقم الحروف کے پاس بھی ہے۔ یہ رضوی کتب خانہ بریلی نے چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس میں ۱۳۰۶/ صفحات ہیں اور غالبًا لیتھ پریس میں ہی چھپا ہے ۔پریس کا نام کہیں نظر نہیں آیا۔البتہ کاتب کا نام محبوب رقم درج ہے۔

تاریخ طباعت ۸۳/ ۱۰ ۱۵ درج ہے یہ تاریخ طباعت تو کیا ہوگی؟ ہاں ختم کتابت کی تاریخ ہوسکتی ہے ۔سال ۱۳۸۳ھ ۱۹۶۳ء کے مطابق تھا۔ اس کی کتابت اور طباعت توجّہ سے ہوئی۔اس لیے متن تسلّی بخش ہے۔۸۶/ صفحات ’’ذوق نعت‘‘ کے ہیں، ۱۴/ نغمۂ روح‘‘ کے ہیں اور ۳۶/ ’’وسائل بخشش‘‘ کے ہیں۔(تقریباً)

غالبًا اس کے بعد جو ایڈیشن شائع ہوئے وہ پاکٹ سائز میں تھے۔وہ نہ میرے پاس ہیں نہ اُن کو بالا ستیعاب پڑھا ہے۔ اس لیے اُن کے بارے میں کچھ عرض نہیں کرسکتا۔اب چند سال سے سُنّے میں

آرہا تھا کہ رضا اکیڈمی بمبئی کلیات حسنؔ شائع کرا رہی ہے۔ شدید انتظار اس لیے تھا کہ کلیات میں حضرت مولانا حسنؔ بریلوی علیہ الرحمہ کا مجازی کلام (ثمر فصاحت) بھی ہونا متوقع تھا۔ مجھے زیادہ اشتیاق اس لیے تھا کہ میرے پاس ثمر فصاحت کی جو فوٹو کاپی ہے اُس میں کتابت کی غلطیاں بہت ہیں اور مجھے اُس سے دلچسپی اس لیے تھی کہ اُن کا مجازی کلام اُستاد داغؔ کے خاص رنگ میں تھا، لیکن افسوس وہ کُلیات میں شامل نہیں ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ دیواں ''ثمر فصاحت'' الگ سے شائع ہوگا، مگر مجھے اُمّید نہیں ہے کہ وہ اب شائع ہو۔

کُلیات حسنؔ اشاعت کے ۸؍۷ ماہ بعد مجھے دستیاب ہوا۔ مطالعہ کرنے سے پہلے ورق گردانی کرنے کو بیٹھ گیا۔ دیکھا کہ ''نظم معطّر'' جو حضرت رضؔا بریلوی کی فارسی رباعیات کا دیوان ہے وہ بے کم و کاست کلیات حسنؔ میں شامل ہے (حتیٰ کہ ردیف الزاء میں ایک شعر جو حکیم جی شررؔ مصباحی نے غلط سمجھ کر خارج کر دیا تھا وہ اس سے بھی خارج ہی ہے) اور دو۲ جگہ تخلص رضؔا بھی موجود ہے۔ واضح ہو کہ یہ پوری نظم حدائق بخشش حصہ دوم میں شامل ہے۔ ان رباعیات کی تعداد ۶۶؍ ہے۔ تین عربی زبان میں ہیں باقی فارسی میں ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ عربی کے تمام حروف تہجّی کے قوافی یا ردافی میں یہ رباعیات کہی گئی ہیں اور حروف ہجا کی ترتیب سے ہی درج ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے میں اس نظم کو دیوان کہہ رہا ہوں۔ ان میں ۷؍ عدد مستزاد رباعیات بھی ہیں۔

کلیات یا دیوان کی ترتیب میں، جب کہ ترتیب مطبوعہ کلام اور کتابوں سے ہو رہی ہو متن میں بے سَبَب کمی یا بیشی ہونا کوئی معمولی غلطی نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں تو مرتبین نے کلام حسنؔ میں مولانا رضؔا بریلویؒ کا ایک کامل دیوان ہی شامل کرلیا اور انہیں پتہ بھی نہیں چلا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو۲ مرتبین نے (جن میں ایک بھارت کے ہیں اور دوسرے پاکستان کے) حدائق بخشش کو کھول کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہاں پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان دونوں صاحبان جمع و ترتیب کے کام کو ہاتھ بھی نہیں

لگانا چاہیے تھا۔ ہوسکتا ہے یہ کتاب پاکستان میں بھی شائع ہوئی ہو کیونکہ ایک مرتب وہاں کے بھی ہیں ۔

لکھ چکا ہوں کہ مجھے یہ کتاب اشاعت سے ۷۔۸/ ماہ بعد دستیاب ہوئی ۔معلوم ہوا کہ اتنی مدّت میں اخبارات ورسائل میں اس کام کی خوب واہ واہ ہوئی ، لیکن کسی نے یہ نہیں لکھا کہ جو کلام سو ۱۰۰ سال سے اب تک بڑے بھائی کا تھا وہ یکا یک چھوٹے بھائی کا کیسے ہوگیا۔اس میں تو وراثت کا قانون بھی نافِذ نہیں ہوتا اور ہوتا بھی تو بھائی کو تو حق بعد میں پہنچتا ، پہلے اُن کے فرزند کو پہنچنا چاہیے تھا۔

بہرحال اس عجوبۂ زماں کام کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے مبہوت سا ہوگیا اور میں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ کلام مولانا حسنؔ بریلوی کا ہی ہوگا ، جو حدائقِ بخشش کی ترتیب کے وقت غلطی سے اُس میں شامل ہوگیا ہوگا۔صرف ایک چیز نے اس کو کُلّی طور پر تسلیم کرنے سے مانع رکّھا اور وہ چیز تھی دو ۲ جگہ رضاؔ تخلص کا موجود ہونا پھر اس پر بھی حیرت تھی کہ مرتب ایک نہیں ، دو ۲ تھے انہیں یہ تخلص کیوں نظر نہیں آیا ۔اور ہاں ان رباعیوں کا اردو میں ترجمہ کیا تو اُس ترجمے میں بھی یہ تخلص شامل رہا۔یہی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا اور کیسے ہوا؟

آخر اپنے تاثرات ایک مراسلے کی شکل میں ماہ نامہ اشرفیہ مبارکپور (ضلع اعظم گڑھ یوپی) اور ماہ نامہ سُنی دنیا بریلی کو لکھ بھیجے ۔نقد کا کوئی بُرا نہ مانے اس لیے کلیات کی خاصی تعریف بھی لکھ دی تھی مگر مراسلہ چھپا تو ایسا لگا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ ہر دو ۲ مرتبین کا غیظ وغضب دیدنی تھا۔میرے ''مطبوعہ نسخے'' لکھنے کی بھی خوب ہنسی اڑائی ۔ ماہنامہ ''جام نور'' دلّی میں جوابی مراسلہ چھپا تھا اُس میں مرتبین نے جو صفائی دی ہے ،اُس کا ایک جُملہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے ۔وہ کچھ اس طرح ہے ۔''ہم نے نظم معطر کے کلام حسنؔ ہونے کا دعویٰ کہیں نہیں کیا ہے ۔'' (اُس وقت مطبوعہ مراسلہ پیش نظر نہیں ہے اس لیے یہ جُملہ یادداشت سے لکھا گیا ہے)

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟ کیا اس نظم کا کلیات حسنؔ میں شامل ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ہر دو۲ مرتبین اس نظم کو حسنؔ میاں کا کلام سمجھتے تھے۔خیر اس کو جانے دیجیے۔کلیات حسنؔ سے دو۲ جگہ سے کچھ جُملے نقل کرتا ہوں۔

''ہم نے محض مولانا حسن رضا محقق بریلوی کی مظلوم شخصیت کے گراں مایہ علمی وفکری اثاثہ جات کی شیرازہ بندی کا ارادہ کیا......تو سارا خواب حقیقت کا روپ دھارتا چلا گیا''(ص ۷)''وسائل بخشش ......اس میں نظم کا سہارا لے کر مولانا نے معتبر و مستند حوالوں سے پیران پیر دستگیر کے کوائف واحوال بیان کیے ہیں ....اخیر میں دو تاریخی قصیدے''نعمۃ الرّوح'' اور''نظم معطّر''(۱۳۰۹ھ) بھی شامل ہیں۔''(صفحہ ۹)

طوالت سے بچنے کے لیے اقتباس میں صرف ضروری الفاظ نقل کیے گئے ہیں (جسے تفصیل دیکھنی ہو کتاب میں دیکھ سکتا ہے) ان جُملوں کو پڑھنے والوں سے صرف اس بات پر غور کرنے کی درخواست کرتا ہوں کہ لفظ مولانا کس کے لیے استعمال ہوا ہے؟ نیز''نغمۂ روح'' کس کی تصنیف ہے۔یہ تو ظاہر ہو ہی رہا ہے کہ''نغمۂ روح'' اور''نظم معطر''ایک ہی شخص کی تخلیقات سمجھی گئی ہیں جن کو غلطی سے قصیدے لکھ دیا ہے۔یہ قصیدے کسی طرح نہیں ہو سکتے۔اس بارے میں مزید کچھ نہیں عرض کرنا ہے۔
اس کلّیات میں دونوں مرتب صاحبان نے ایک مفید کام بھی کیا ہے وہ یہ کہ انہوں نے ماہ نامہ ''الرّضا'' بریلی سے حضرت اُستاذ زمن کی ایک ایسی نعت حاصل کر لی ہے، جو ذوق نعت میں شامل نہیں تھی اس کے لیے وہ شکریہ کے مستحق ہیں یہ عرض کر دوں کہ لفظیات انداز بیان اور اسلوب سے وہ بلا شبہ حضرت حسن کی نعت ہے مگر اس کا متن دو(۲) شعروں کا اتنا غلط ہے کہ کوئی کل سیدھی نہیں ہے اور غیر شاعر بھی پڑھ کر اُس کے عیوب کو پہچان سکتا ہے ممکن ہے یہ غلطیاں''الرّضا'' میں بھی موجود

ہوں۔ دونوں شعر ناموزوں بھی ہو گئے ہیں ان کی تفصیل بیان کیے دیتا ہوں۔

مطلع میں قافیہ ''جانؔ'' اور ''درخشاں'' ہیں جو مطلع میں نہیں آ سکتے اس لیے کہ ایک قافیے میں نون بالاعلان ہے اور دوسرے میں نون غُنہّ۔ یہ دونوں ہم قافیہ نہیں ہو سکتے آگے ایک شعر کو چھوڑ کر تمام اشعار کے ہی نون غُنہّ کے ہی قوافی ہیں اس لیے مطلع اولیٰ میں قافیہ ''جاں'' (مع نون غُنہّ) ہونا چاہیے مگر ایسا کرنے سے مطلع وزن سے خارج ہو جاتا ہے اس لیے اس میں بہت معمولی تصرّف درکار ہے۔

چوتھے شعر کے دوسرے مصرع میں بھی یہی غلطی ہے جو مطلع میں ہے یعنی مصرع ثانی کے قافیے کا ''نون'' ملفوظی حالت میں ہے اس میں ایک لفظ کم بھی ہے علاوہ ازیں دیگر نون کا مسلۂ بھی ہے۔ مرتبین اس کو درست کرالیں ''کرالیں'' اس لیے لکھ رہا ہوں کہ ہر دو (۲) شعر میں مرتبین میں کوئی بھی موزوں طبع نہیں معلوم ہوتا جب کہ شعری مجموعوں کی ایڈیٹنگ وغیرہ کا کام ناموزوں طبع کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے۔

ان کے علاوہ بہت زیادہ تو نہیں کمپوزنگ کی بھی کچھ غلطیاں ہیں اُن کی تصحیح ضروری ہے۔ رباعیات میں دو (۲) قطعے شامل ہو گئے ہیں وہ کسی طرح بھی رباعیاں نہیں ہے۔ دو (۲) رباعیوں میں تصحیح کی ضرورت ہے۔ ایک میں پہلے مصرع اور دوسرے دونوں مصرعوں میں۔

''ثمرِ فصاحت'' میں متن کی صحت پر زیادہ توجہ دیں بہتر ہو کہ کسی شاعر یا موزوں طبع سے بھی پروف ریڈنگ کرالیں۔

حواشی:

ا) یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ اہل فارسی اشعار کی تقطیع میں بہت زور زبردستی سے کام لیتے ہیں۔ ایسا جبر اردو والو ں کی طبائع کو بالکل نہیں بھاتا۔ لگتا ہے کہ ناموزوں کو جبراً وقہراً موزوں ثابت کیا جارہا ہے جیسے ''زِاَحْوَ لی'' کو ''فاعلاتن'' بود کو فع کے وزن پر اور ''دوٗ'' کو ''دُ'' کے وزن پر تقطیع کرنا۔

فاروق ارگلی۔انڈیا

اردو کے سکھ نعت گو شعرا

ABSTRACT:

Farooq Argali has introduced some Sikh poets who wrote Naatia poetry besides general poetry. The article carries various examples of devotional poetry that was written with deep sense of love of Prophet Muhammad (S.A.W). It is seen with sense of pleasure and astonishment that various couplets denote higher sense of literary cannons and knowledge of Islamic norms and traditions. Some couplets reflect so much higher waves of love and light of Islamic knowledge that a reader thinks the same are written by Muslim Poets. Farooq Argali has also given an outline history of Naatia poetry done by Sikh Poets in Indo-Pak.

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

محسنِ انسانیت رحمت عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی سے عشق کے ولولے میں یہ شعر کہنے والا شاعر کوئی اور نہیں اردو زبان، ادب اور تہذیب کی نمایاں شخصیت، عالمی شہرت یافتہ شاعر آنجہانی کنور مہندر سنگھ بیدی تھے۔ بیسویں صدی میں برصغیر ہندوپاک کے اُردو منظر نامے پر بیدی صاحب کا نام ہمیشہ ممتاز و مفتخر رہے گا۔ تقسیم کے ہاتھوں اُجڑی ہوئی اُردو کی راجدھانی دلّی کے ایوانِ شعر و سخن کو پھر سے آباد کرنے اور سجانے میں ان کا تاریخ ساز کردار اُردو دنیا کبھی فراموش نہیں

کرسکتی ۔آزادی کے بعد شکستگی اور مایوسی کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی اُردو زبان کو اپنی سرگرم ہمہ جہت شخصیت ، بے پناہ علمی وسماجی بصیرت اور شعر وادب کی بے پناہ صلاحیت کے ساتھ سنبھالا دیتے ہوئے وہ ہندوستانی اُردو ادیبوں اور شاعروں کے سردار بن گئے ۔آزادی کے بعد برصغیر ہندو پاک ہی نہیں دیارِ غیر میں بھی اُردو کی بزم آرئیاں اور پر شکوہ مشاعرے کنور صاحب کی شرکت ،قیادت اور نظامت کے بغیر نامکمل سمجھے جانے لگے ۔گزشتہ بیسویں صدی کی آخری پانچ دہائیوں میں وہ اُردو زبان ،ادب اور تہذیب کے محافظوں کی اگلی صف میں نمایاں رہے۔کنور مہندر سنگھ بیدی سحؔر کی غزلیہ شاعری اپنی برجستگی، حسن بیان اور روایتی شائستگی و پاکیزہ خیال آرائی کے لئے مشہور ومقبول ہے ۔

کنور صاحب کا نسبی تعلق حضرت بابا گرونانک سے ہے۔ان کا جنم غیر منقسم پنجاب کے شہر منٹگمری (اب ساہیوال) میں ۹ مارچ ۱۹۰۹ء کو ہوا انھوں ۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ کالج سے بی اے کی سند حاصل کی ۔ان کا خاندان مذہبی ،سماجی، اقتصادی طور پر پورے پنجاب میں مؤقر اور معزز تھا۔اس زمانہ کے دستور کے مطابق ان کی بنیادی تعلیم اُردو اور فارسی میں ہی ہوئی ۔مطالعہ کا شوق بچپن میں تھا۔کالج کے زمانے سے ہی شاعری کا شوق ہوگیا ۱۹۲۳ء میں جب وہ فرسٹ ایئر میں تھے ،پہلی غزل کہی ۔مشاعرہ میں وہ کسی کے شاگرد نہیں بنے البتہ ۱۹۳۴ء میں سرکاری ملازمت میں بطور مجسٹریٹ آنے کے بعد وہ دہلی کے قریب سونی پت میں تعینات ہوئے تو دہلی سے رشتہ استوار ہوا نواب سائؔل دہلوی ،بیخود دہلوی، امرناتھ ساحر دہلوی ، جوؔش ملیح آبادی ، پنڈت ہری چند اخؔتر اور جگؔر مرادآبادی جیسے عظیم المرتبت شاعروں سے نزدیکیاں بڑھیں تو ان کی شاعری اور فکر کو بھرپور روشنی ملی۔ان کی غزلیہ شاعری میں جگؔر مرادآبادی اور حسرؔت موہانی وغیرہ کا رنگ وآہنگ ہے۔شخصی طور پر کنور صاحب انتہائی کشادہ دل، بامروّت، خوش مزاج اور اعلیٰ انسانی قدروں میں یقین وایمان رکھنے والے انسان تھے مذہبی تنگ نظری سے وہ بہت دور تھے۔انھوں نے ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ میں جب دہلی اور مشرقی

پنجاب میں ان کی ہی قوم نے مسلمانوں پر سب سے زیادہ مظالم ڈھائے تھے،کنور صاحب اپنے اعلیٰ سرکاری عہدے کی مدد سے پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کی حفاظت میں لگے رہے انھوں نے پنجاب اور خاص طور پر دہلی میں ہزاروں مسلمانوں کی جانیں بچائیں۔کنور صاحب نے زندگی کے ہر موڑ پر عملی طور پر ثابت کیا کہ وہ مشترکہ گنگا جمنی تہذیب اور اُردو زبان وادب کی شاندار اقدار وروایات کے امین وعلمبردار ہیں۔کنور صاحب نے اسلامی تاریخ اور دینی علوم کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔پیغمبر انسانیت حضور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی سیرتِ مقدسہ سے بیحد متاثر تھے،اپنے اس احساس کو شعر کے قالب میں ڈھالنے کے لیے انھوں نے حضور اکرم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی عقیدت ومحبت سے لبریز متعدد نعتوں کی تخلیق کی۔انھوں نے سرکارِ دوعالم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے اپنی بے پناہ عقیدت کے اظہار میں جو مسدس کہی تھی اس کا یہ بند پوری دنیائے اُردو میں پڑھنے اور سننے والوں کے دلوں میں اتر گیا،فرماتے ہیں:

ہم کسی دین کے ہوں ، صاحبِ کردار تو ہیں
ہم ثنا خوانِ شہ حیدرِ کرار تو ہیں
نام لیوا ہیں محمد کے پرستار تو ہیں
لیک مجبور پئے احمدِ مختار تو ہیں
عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

کنور صاحب کی یہ نعت آج بھی ہزاروں گھروں میں عقیدت ومحبت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے

تکمیل معرفت ہے محبت رسول کی — ہے بندگی خدا کی امانت رسول کی
تسکینِ دل ہے سرورِ کون ومکاں کی یاد — سرمایۂ حیات ہے الفت رسول کی

انسانیت محبتِ باہم شعور و فکر — جو چیز بھی ہے سب ہے عنایت رسول کی

ہے مرتبہ حضور کا بالائے فہم وعقل — معلوم ہے خدا کو ہی عزت رسول کی

ترتیب دی گئیں شبِ اسریٰ کی خلوتیں — صلِّ علیٰ یہ شان یہ عظمت رسول کی

فرمانِ ربِ پاک ہے فرمانِ مصطفیٰ — احکامِ ایزدی ہیں ہدایت رسول کی

اتنی سی آرزو ہے بس اے ربِ دو جہاں — دل میں رہے سحؔر کے محبت رسول کی

وہ جسمانی طور پر مدینہ منورہ کی زیارت نہیں کر سکتے تھے لیکن ان کا دل ہمیشہ اس آرزو میں غلطاں رہا کہ کاش کوئی ایسی سبیل ہو جائے کہ کم سے کم ان کی روح مدینہ طیبہ جا کر دربارِ رسول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم گنبدِ خضریٰ کا دیدار کر سکے۔ یہ نعت شریف پڑھئے اور محسوس کیجیے ایک غیر مسلم عاشق رسول کے دل کی تڑپ:

مقدروں سے جو یہ اہتمام ہو جائے — کہ میری روح کا طیبہ مقام ہو جائے

جو کام عشقِ نبی میں تمام ہو جائے — حصولِ لذتِ کیف دوام ہو جائے

یہی ہے ایک تمنائے زندگیِ عدم — حریم پاک میں عرضِ سلام ہو جائے

وصول ہو جو اجل سے پیام ہو جائے — زباں پہ جاری محبت کا نام ہو جائے

یہ آرزو ہے مدینے پہنچ کے اے مولیٰ — نثار روضہ پہ ادنیٰ غلام ہو جائے

سبب شفاعتِ مولا کا ہو تو کیا کہنا — گناہ قابلِ صد احترام ہو جائے

وفورِ شوق میں روضے کے سامنے گرنا — مرا رکوع ، سجود و قیام ہو جائے

حبیبِ پاک بلا لیں اگر مجھے تو سحؔر — مری رسائیِ طالع کا نام ہو جائے

عشق رسولصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم میں سرشار شاعر کا تصور اس کی روح اور تحت الشعور کو مدینہ کے پاک

راستے پر لے چلتا ہے۔ من کی آنکھوں سے دیارِ محبوب دکھائی دینے لگتا ہے تو بے اختیار اس کے دل سے یہ آواز نکلتی ہے:

بلندی پہ اپنا نصیب آ گیا ہے	درِ پاک مولیٰ قریب آ گیا ہے
مریضانِ غم کا طبیب آ گیا ہے	کہ اے دل مدینہ قریب آ گیا ہے
اُدھر روضۂ شہر اِدھر بے قراری	یہ موقع بھی کیسا عجیب آ گیا ہے
نکلنے کو ہیں دل کے ارماں سحرؔ اب	وہ دیکھو مدینہ قریب آ گیا ہے

اُردو کے مقبول و معتبر شاعر سردار کرپال سنگھ بیدارؔ کا شمار بھی بیسویں صدی کے قادرالکلام شعراء میں ہوتا ہے۔آپ کا جنم ۱۹۱۶ء میں تحصیل ننکانہ صاحب (اب پاکستان) میں ہوا تھا۔آپ کی تعلیم بھی اس دور کے معزز ہندو مسلم سکھ گھرانوں کی روایت کے مطابق اُردو اور فارسی میں ہی ہوئی۔انھوں نے نے اپنی محنت اور لگن سے منشی فاضل کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔انھوں نے فارسی ادبیات میں ایم اے کیا۔آپ کئی برسوں تک سکھ نیشنل کالج میں اُردو کے استاد رہے،تقسیم کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں فارسی کے لکچرر ہوئے۔شعروادب سے دلچسپی اوائل عمر سے ہی تھی،لاہور کی علمی ادبی اور شعری فضاؤں نے ذہن کو جلا بخشی،انھوں نے بڑی باوقار اور خوبصورت غزلیں اور فکرانگیز نظمیں تخلیق کیں۔انھوں نے ابتدا میں پنجاب کے استاد شاعر نند کشور اخگر سے اصلاح لی،بعد میں علامہ تاجور نجیب آبادی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوئے۔حکومت مشرقی پنجاب نے ۱۹۶۷ء میں ان کی غیر معمولی ادبی جذبات کے اعتراف میں خصوصی اعزاز اور ''شاعرِاعظم'' کے لقب سے سرفراز کیا۔بیدارؔ صاحب کی شاعری اتنی بلیغ اور ہمہ جہت ہے کہ اس کا تعارف اس جگہ ممکن نہیں،البتہ ایک نعت شریف بطور نمونۂ کلام درج ہے۔اس سے یہ اندازہ مشکل نہیں کہ وہ کس اعلیٰ معیار کے سخنور تھے۔۱۹۶۷ء میں وہ دُنیا سے رخصت ہوئے لیکن اُردو تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔پیش ہیں سردار

کرپال سنگھ بیدار صاحب کی والہانہ نعت شریف کے چند اشعار:

اے کہ تجھ سے صبح عالم کو درخشانی ملی　　ساغرِ خورشید کو صہبائے نورانی ملی

اے کہ انوارِ حقیقت سے بنا پیکر ترا　　حیرتِ آئینۂ تخلیق ہے جو ہر ترا

اے کہ تیری ذات سے پیدا نشانِ زندگی　　اے کہ تیری زندگی سرِّ نہانِ زندگی

اے کہ تجھ پہ آشکارا راز ہائے کائنات　　تیری ہستی ابتداء و انتہائے کائنات

اے کہ تیرے رُخ کی تابش سے فضا پر نور ہے　　تیری خاکِ پا کا ہر ذرّہ حریفِ طور ہے

آسمانی عظمت و تقدیس کا مظہر ہے تو　　مختصر یہ ہے خدا کا خاص پیغمبر ہے تو

ڈاکٹر ستنام سنگھ خمارؔ کا نام نامی بیسویں صدی کے اُردو شعرا میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے ۱۹۳۵ء میں ساہیوال میں پیدا ہوئے۔ان کے والد سردار سرجن سنگھ کا انتقال اس وقت ہوگیا تھا جب ستنام سنگھ صرف بارہ سال کے تھے۔تقسیم سے قبل ہی وہ فاضلکا آگئے تھے۔ان کی تعلیم یہیں مکمل ہوئی،انھوں نے خالصہ کالج سے پوسٹ گریجویٹ کی سند حاصل کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے اُردو ادبیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور این سی ای آر ٹی سے وابستہ ہوگئے۔انھوں نے نثری اور شعری ادبیات کا گہرا مطالعہ کیا تھا،لیکن شاعری اس وقت شروع کی جب وہ اعلیٰ سرکاری ملازمت میں آکر فراغت کی زندگی بسر کرنے کے قابل بن چکے تھے۔کلاسیکی غزل کے میدان میں ان کی تخلیقات نے عام وخاص ہر طبقے سے داد وتحسین حاصل کی۔این سی ای آر ٹی کی ملازمت کے بعد وہ ویلس کالج میں نفسیات کے استاذ مقرر ہوئے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔شاعری شروع کرنے کے بعد سے اکیسویں صدی کے آغاز تک اپنی پر بہار شاعری سے چمنستانِ اُردو کو مہکا کر دُنیا سے رخصت ہوئے۔غزل اور نظم کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن میں انھوں نے خوب خوب طبع آزمائی کی، خاص طور پر نعت رسول اور مراثی ،سلام ومنقبت میں انھوں نے خوب خوب اپنی وسیع القلبی اور فطری سوز

وگداز کے مظاہر پیش کیے ہیں۔خمآر صاحب ایک نعت شریف میں ہادیِ دوعالمصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی مدح میں اس طرح رطب اللسان ہیں:

حجاب دل میں نہیں چہرے پر نقاب نہیں شعورِ عشقِ محمد ترا جواب نہیں
میں پُرخطا ہوں گنہگار ہوں بہت لیکن مجھے یقین ہے مٹّی مری خراب نہیں
سخی تو اور بھی ہیں آپ کی حکومت میں مگر حضور کی بخشش کا بھی جواب نہیں
فضیلتوں کا عمامہ پہن کے تو آیا کمال وفضل میں تیرا کوئی جواب نہیں
وہ ننگے پاؤں ہے کیوں کر چلے گا کانٹوں پر نبی کا عشق اگر اس کا ہم رکاب نہیں
خمآر دور سے ان کا کروں گا نظارہ انھیں قریب سے دیکھوں نظر میں تاب نہیں

معروف روحانی ،سماجی اور علمی شخصیت صوفی سنت درشن سنگھ دُگل مرحوم کے بارے میں اُردو دنیا کا ہر خاص وعام واقف وآگاہ ہے کہ آپ ساون کرپال روحانی مشن کے سربراہ اور پیشوا کی حیثیت سے مشہورزمانہ ہیں۔آپ کے لاکھوں مرید پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں آپ نہ صرف ایک صوفی صافی بزرگ تھے بلکہ اُردو کے نہایت مقبول شاعر اور دانشور بھی تھے۔کئی مجموعوں کے خالق درشن سنگھ دُگل صاحب شاعری میں صوفی غلام مصطفٰی تبسم اور شمیؔم کرہانی سے مشورۂ سخن فرماتے تھے۔آپ کی ولادت ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔عربی ،فارسی،اُردو،ہندی ،پنجابی اور انگریزی زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے مرکزی حکومت ہند میں ڈپٹی سیکریٹری کے عہدے پر فائز بھی رہے۔لیکن پھر وہ اپنے والد محترم سنت کرپال سنگھ جی مہاراج کے جانشین اور عالمی روحانی مشن کے سربراہ بن گئے ،شاعری انھوں نے ۳۸ برس کی عمر میں شروع کی ،ان کا کلام روحانی تعلیم ،فلسفہ تصوف اوراعلیٰ انسانی قدروں کا آئینہ ہے تین گرانقدر مجموعے ’جادۂ نور‘، ’تلاشِ نور‘،اور’منزلِ نور‘ آپ کی یادگار ہیں۔احترامِ کل مذاہب سنت صاحب کا نصب العین اور فطری مزاج تھا۔خوبصورت نعتیں اور منقبتیں کہی ہیں۔بطور

نمونہ سنت درشن سنگھ صاحب کے چند نعتیہ اشعار دیکھئے اورایک غیرمسلم صوفی سنت کی محاسنِ انسانیتصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے عقیدت ومحبت کا اندازہ کیجیے:

روح انساں کوحقیقت سے ملانے والے　　مرحبا نغمۂ توحید سنانے والے

دَور پر دَور چلے بادۂ اخلاص کا پھر　　منتظر بیٹھے ہیں سب پینے پلانے والے

کردے بیدار ذرا پھر سے ضمیر انساں　　خوابِ غفلت سے زمانے کو جگانے والے

خاکِ پا کو تری اے نورِ خدا کے حامل　　سرمۂ چشم بناتے ہیں بنانے والے

ہم فقیروں پہ بھی ہوجائے ترا لطف وکرم　　بارہنس ہنس کے غریبوں کا اُٹھانے والے

لولگائے ہوئے بیٹھے ہیں گزرگاہوں میں　　نقشِ پاکوترے آنکھوں سے لگانے والے

بختِ درشنؔ پہ بھی اِک بارنظر ہوجائے　　بگڑی تقدیر زمانے کی بنانے والے

سرادر بلونت سنگھ فیضؔ سرحدی آزادئ وطن کے بعد منظر عام پر آنے والے سکھ شعراء میں خصوصی شہرت وقبولیت عام وخاص کے مالک شاعر تھے۔آپ ۱۹۲۶ء میں ڈیرہ اسماعیل خاں کے قصبہ پہاڑ پور میں پیدا ہوئے ۔انھوں نے اُردو، فارسی، ہندی، پنجابی، انگریزی اور سنسکرت میں اعلیٰ ترین تعلیمی ڈگریاں حاصل کیں اور حکومت پنجاب کے محکمہ السنہ میں ڈائرکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ کوشعرو شاعری سے ہمیشہ دلچسپی رہی اُردو اور فارس کی نہایت اہم کتابیں جیسے مولانا محمد حسین آزاد کی سخندانِ فارس، حافظ محمود شیرانی کی مشہور تحقیقی کتاب 'پنجاب میں اُردو' اور گوروگوبند سنگھ صاحب کی گرانقدر فارسی تصنیف 'ظفر نامہ' کو پنجابی زبان میں منتقل کرکے بےنظیر علمی کارنامہ انجام دیا فیض صاحب نے دس برس کی عمر سے شاعری کا آغاز کیا تھا۔۱۹۴۷ء سے قبل تلاشِ ملازمت کے دوران لکھنؤ بھی گئے اور وہاں طویل مدت تک قیام رہا۔لکھنؤ کے استاد شاعر فضل لکھنوی سے تلمذ اختیار کیا جس سے ان کی

غزل گوئی بہت نکھر گئی انھوں نے خوبصورت عشقیہ غزلیات کے ساتھ ہی ہر قوم وملت کے مذہبی پیشواؤں کی شان میں نظمیں لکھیں لیکن حمد و نعت ،منقبت اور مراثی میں انھوں نے خاص طور پر بہترین تخلیقی صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ایک نعت شریف کے چند اشعار سے ان کی شاعرانہ مہارت اور بلندیٔ فکر کا اندازہ ہوتا ہے:

مالکِ جلوۂ حق،حامیِ ایماں احمد　　تو ہی اسلام کی کشتی کا نگہباں احمد
تیرے ہی جلوؤں سے توحید کا پرچم چھایا　　تیری ہی ذات سے احمد ہے نمایاں احمد
تیرے اخلاق نے قدرت کو سدھایا ایسا　　آدمی پہلے تھا اب ہوگیا انساں احمد
آج اسلام ہی اسلام جہاں میں ہوتا　　آپ کے حکم پہ چلتا جو مسلماں احمد
آپ کے نام میں اللہ کا آیا ہے لطف　　جلوہ وحدت کا نہ کیوں کر ہو نمایاں احمد
ناز کیونکر نہ ہو اخلاق ومحبت سے اسے　　فطرت فیضؔ پہ ہے آپ کا احساں احمد

سردار گوربخش سنگھ محمودؔ جالندھری کا نام نامی اُردو دنیا کے لئے محتاجِ تعارف نہیں ۔آپ کے والد کا نام سردار سیوا سنگھ تھا جو بارہ مولہ (کشمیر) کے باشندے تھے ۔مخمورؔ جالندھری کی پیدائش ۱۹۵۳ء کو بارہ مولہ میں ہوئی لیکن آپ کی تعلیم وتربیت جالندھر میں ہوئی اس لیے جب کالج کے زمانے میں لکھنا پڑھنا اور شاعری شروع کی تو مخمورؔ جالندھری ہوگئے۔مخمورؔ جالندھری سوشیالوجی میں ایم اے کرنے کے بعد حکومت پنجاب کے محکمہ صحت میں ملازم ہوگئے،لیکن شعروادب سے بے پناہ دلچسپی آخر تک قائم رہی۔شاعری میں علامہ سیمابؔ اکبرآبادی اور دل شاہجہاں پوری سے اصلاح لی۔نظریاتی طور پر وہ ترقی پسند شاعر تھے سماجی موضوعات پر ان کی نظمیں بیحد معیاری اور اثر انگیز ہیں۔مخمورؔ جالندھری بہترین نثر نگار بھی تھے،انھوں نے بہت سے طبع زاد ناول لکھے اور لاتعداد' رومانی جاسوسی ناولوں کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ہند وپاک کے رسائل اوراخبارات میں ان کے مضامین مسلسل شائع

ہوتے رہے۔ایک کہنہ مشق صحافی کے طور پر انھوں نے دہلی کے روزنامہ 'ملاپ' میں کام کرکے اپنی پہچان بنائی۔زندگی کے آخری برسوں میں انھوں نے ہندی میں کرنل رنجیت کے فرضی نام سے ایک بڑے پبلشنگ ادارے کے لیے دلچسپ جاسوسی ناول بھی لکھے،بحیثیت مجموعی گوربخش سنگھ مخمورؔ جالندھری ایک ہمہ صفت انسان تھے،یکم جنوری ۱۹۷۹ء کو ان کا انتقال دہلی میں ہوا۔حیرت ہے کہ مخمورؔ جالندھری ایک ترقی پسند اور بے باک حقیقت نگار شاعر کی حیثیت سے اردو دنیا میں جانے جاتے تھے۔ہمارے اکثر مسلمان ترقی پسند شعراء خود کو مذہب ومسلک سے بالاتر دِکھانے کے لیے حمد ونعت سے گریز کرتے رہے ہیں یا پھر انھیں اس کارِ نیک کی توفیق ہی نہیں ہوئی،لیکن مخمورؔ جالندھری نے مزاجاً اشترا کی اور ترقی پسند ہوتے ہوئے ایسی نورانی نعت شریف تخلیق کی جس کی مثال ہمعصر بڑے مسلمان شعراء کے یہاں بھی مشکل سے ملے گی۔زبان کا شکوہ ،لہجے کا آہنگ اور پیغمبر اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تئیں جذبۂ محبت وعقیدت کا سیلاب سا امنڈ رہا ہے:

پھیلا اُفق پہ نور رسالت مآب کا — ہیبت سے منہ اُترنے لگا آفتاب کا

سیاحِ عرش ، سائرِ کون و مکاں ہے تو — روح الامیں ہے نام ترے ہم رکاب کا

وعدے کا اِک مغنیِ آتش نوا ہے تو — ہر نغمہ کفر سوز ہے تیرے رباب کا

تاروں میں روشنی ہے تو پھولوں میں تازگی — یہ وقت ہے ظہورِ رسالت مآب کا

ظلمت کدوں میں ہیں سحر نو کی تابشیں — یہ فیض ہے ولادتِ حتمی مآب کا

مخمورؔ کیف نور رسالت سے مست ہوں — سب جانتے ہیں میں نہیں خوگر شراب کا

تقسیم وطن کے بعد پاکستان سے ہجرت کرکے ہندوستان تشریف لانے والی نامور اُردو شخصیات میں سردار پورن سنگھ ہنرؔ کا نام نامی بھی شامل ہے۔اُردو اخبارات وجرائد کا مطالعہ کرنے والا بیسویں صدی کا سینئر اُردو داں طبقہ ہنرؔ صاحب کے نام اور کام سے اچھی طرح واقف ہے۔آپ کی پیدائش ۱۹۰۴ء

میں لاہور میں ہوئی تھی۔آپ نے اُردو اور فارسی میں دسویں جماعت تک ہی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی،اس کے بعد معاشی مشاغل میں مصروف ہوگئے،لیکن مطالعے اور حصولِ علم کا شدید جذبہ ان کے دل میں موجزن تھا۔چناچہ ۳۶ برس کی عمر میں ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا اور تقسیم ملک تک لاہور میں ہی رسالہ 'نیرنگِ خیال' اوردوسرے جریدوں میں کام کرکے ادبی صحافت کا شوق پورا کرنے کے ساتھ ساتھ مشقِ سخن بھی کرتے رہے۔شاعری شروع سے ہی ان کا پہلا پیار رہی۔لاہور میں اس وقت علامہ تاجور نجیب آبادی نوجوان شعراء کی فنی اورفکری تربیت کے لیےمشہور تھے۔پورن سنگھ ہنؔر نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا لیکن بہت جلد وہ فارغ اصلاح قرار پائے ۔شاعری میں پورن سنگھ ہنؔر نے روایتی غزل میں بھی قدماء کی تقلید کے بجائے اپنے لیے بڑی حدتک الگ اسلوب و آہنگ اپنایا،جیسا کہ خود کہتے ہیں:

تقلید کیوں سخن میں کسی کی کریں ہنؔر
طبعِ رسا کارنگ جداگانہ چاہیے

ہنؔر ہلکی پُھلکی شاعری کوصرف لفظوں کا کھیل اورردیف وقافیہ کی بازی گری سمجھتے ہیں۔ان کی نظر میں ایسی شاعری محض ہرزہ سرائی ہے:

کیا ہے سوائے ہرزہ سرائی وہ اے ہنؔر
جس شاعری میں روح نہیں زندگی نہیں

ایسے طرحدار شاعر کی ایک روح پرور نعت ملاحظہ ہو:

ہر پھول میں ہے نکہتِ سرشارِ محمد — اللہ رے جاں بخشیِ گلزارِ محمد
اب دولتِ کونین کی پروانہیں مجھ کو — حاصل ہے مجھے دولتِ دیدار محمد
دیکھوتو کہاں میں ہوں کہاں طائرِ سدرہ — مسکن ہے مرا سایۂ دیوارِ محمد

مہر و مہ و انجم ہیں ضیا بار اسی سے　　　　اے صلِ علیٰ تابشِ رخسارِ محمد

مایوس پلٹتا نہیں در سے کوئی سائل　　　　زرپاش ہے زر بار ہے دربارِ محمد

سو عیب سہی مجھ میں مگر یہ تو ہنر ہے　　　　سو جاں سے ہنؔر میں ہوں خریدارِ محمد

سرادر کرنیل سنگھ پنچھؔی کا شمار اُردو کے صاحبِ طرز شعراء میں ہوتا ہے۔ پنچھؔی کا جنم غیر منقسم پنجاب کے ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں میں ہوا تھا۔ آپ نے اُردو، پنجابی، ہندی اور سنسکرت زبانوں میں اپنے ذوقِ مطالعہ سے اچھی دسترس حاصل کی تھی۔ شاعری کا ذوق عنفوانِ شباب سے ہی تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ نے غزل اور نظم کے علاوہ تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ آزادیٔ وطن کے بعد آپ ہندوستان آ گئے جہاں آپ نے اخبارات و جرائد میں بھی کام کیا اور بمبئی کی فلمی دُنیا سے بھی وابستہ رہے۔ انھوں نے کئی فلمیں بھتی پروڈیوس اور ڈائریکٹ کیں، اداکاری کیں، گیت اور مکالمے بھی لکھے، آپ کی شاعری خاصی مقبول ہوئی، 'ٹکڑے ٹکڑے آئینہ'، 'قدم قدم تنہائی' اور 'ادھورے بت' وغیرہ آپ کے کئی شعری مجموعے شائع ہوئے۔ پنچھؔی نے نعت، سلام اور منقبت کہنے میں بھی بہت مقبولیت حاصل کی۔ پیش ہیں پنچھؔی کے کچھ نعتیہ اشعار جن کو پڑھنے پر یہ خیال دل میں ضرور اُبھرتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے تو خیر اپنے آقائے نامدار کی مدحت میں نعت و سلام کا نذرانہ پیش کرنا، باعثِ فلاح دارین اور وسیلۂ نجات ہے، لیکن فخر کائنات رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی میں جو اتھاہ خوبیاں ہیں، ان کا اثر دوسروں کے دلوں پر بھی بیحد گہرا پڑتا ہے، لیکن انہی کو توفیق خداوندی نصیب ہوتی ہے جن تک اسلامی تعلیمات اور علوم کی روشنی پہنچی ہو۔ سردار کرنیل سنگھ پنچھؔی کے یہ نعتیہ اشعار دیکھیں، حقانیت اور روحانیت کے نور سے جگمگاتے ہوئے ایسے اشعار یقیناً وہی کہہ سکتا ہے جس کی قسمت میں یہ سعادت لکھی ہو:

جسے بھی خوف ہو روزِ جزا کا　　　　وہ دامن تھام لے خیر الوریٰ کا

دل میں بسالے دوست عقیدت رسول کی　　دن رات تجھ پہ برسے گی رحمت رسول کی

روزِ جزا میں حرفِ عقیدت کے عوض میں　　تم پاؤ گے اے مومنو جنت رسول کی

پڑھ کر نماز مومنو قسمت سنوار لو　　خوش بخت کو ہی ملتی ہے جنت رسول کی

☆☆

مدینے اور مکّے کا تبھی دیدار ہوتا ہے　　تمنّا تیر بن کر جب جگر کے پار ہو جائے

سمٹ آئے گا خود عرشِ بریں پرواز میں اس کی　　اگر پنچھیؔ پہ بھی نگہِ کرم سرکار ہو جائے

اگر شروع سے اب تک تمام نامور سکھ شعرائے کرام کے نعتیہ کلام کا مختصراً بھی تذکرہ کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔اس لیے جگہ کی تنگی کے سبب کچھ ہی شعرا کا اجمالاً ذکر کیا جاسکا،لیکن یہاں ایک بزرگ سکھ شاعرہ کا تذکرہ کیے بغیر قلم نہیں رُک رہا،جن کا اسم گرامی سردارنی بی ڈی بیگم بوڑھ سنگھ تھا۔یہ اُردو کے نامور شاعر سرادر بوڑھ سنگھ بیرؔ کی اہلیہ تھیں۔بوڑھ سنگھ بیرؔ اُردو کے نامور شاعر اور پنجاب کی مشہور سماجی شخصیت تھے۔بوڑھ سنگھ بیرؔ امرتسر میں ۳ مئی ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔ان کی شادی ایک ایسے معزز سکھ خاندان میں ہوئی تھی جہاں لڑکیوں کو بھی اُردو،فارسی کی اعلیٰ تعلیم دلانے کا رواج تھا۔خود بوڑھ سنگھ اُردو،فارسی اور پنجابی زبانوں کے ماہر تھے۔انھوں نے دوستی،امن،بھائی چارہ اور نیک کاموں کی تلقین کے لیے اپنی شاعری کو وسیلہ بنایا تھا،لیکن ان کی اہلیہ فارسی زبان کی شاعرہ تھیں۔سردارنی صاحبہ ہندوستانی عورتوں کی بیداری اور تعلیم نسواں کی زبردست مبلغ تھیں۔ان کے فارسی میں کہے گئے چند اشعار دیکھیں۔ہندوستانی عورتوں کی زبوں حالی کا ذکر اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلے سے ان کی ترقی اور بیداری کی آرزو کا اظہار بھی کس عالمانہ اور دردمندانہ انداز میں کر رہی ہیں:

وقت بیداری است اے دل زود کن بیدار شو　　دور کن انداز غفلت چابک وہشیار شو

خواہرانِ ملک اکنوں حامیانِ عالم اند   تو ہمیں بہرِ خدا کوشاں و خدمتگار شو

فرقۂ نسواں چرا در ہند خواری و ذلیل   زود کن یا حکم یزداں حاکم و سردار شو

آرزوئے جلوۂ دلدار گر بی ڈیؔ ترُاست   عرض من دارم نثارِ احمد مختار شو

پروفیسر ڈاکٹر اشفاق جلالی۔کھاریاں سٹی

علامہ نور بخش توکلیؒ کی ''العمدۃ فی شرح البردۃ'' کی اہمیت

ABSTRACT:

Professor Ashfaq Jalali has introduced a literary work of exegesis of Allama Noor Bukhsh Tawakkali to elaborate beauty of meanings of Qaseeda-e-Burdah of Imam Bosairi. The writer of the article has also briefly introduced Imam Bosairi and Allama Noor Bukhsh. Salient features of the exegesis have also been delineated which denote that Allama Noor Bukhsh took help of books of Grammar, Dictionaries, Exegesis's of Holy Qura'an, Islamic Jurisprudence and Commentaries of Qaseeda available at that time to achieve the task of in depth study of Poetry of Imam Bosairi. References of all such books show the efforts of Exegesis writer, to catch the fragrance of meanings of couplets of Qaseeda.

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں کسی مقبول تحقیقی و تخلیقی کام میں اس کی گونا گوں خصوصیات ہوتی ہیں، وہاں اس کے دوام میں غیبی مدد و توفیق بھی ضرور شاملِ حال ہوتی ہے ،یہی وجہ ہے کہ امام بوصیری مصریؒ کے'' قصیدہ بردہ'' کو عرب و عجم میں جو مقام و مرتبہ نصیب ہوا، وہ شاید ہی کسی اور قصیدہ کے حصہ میں آیا ہو۔ اس سے پہلے کہ اس کی ایک اہم شرح کے بارے میں کچھ عرض کریں'' امام بوصیری''اور'' قصیدہ بردہ'' کے بارے میں چند الفاظ ذکر کرتے ہیں:

امام بوصیری اور قصیدہ بردہ:

یہ بھی حقیقت ہے'' قصیدہ بردہ'' میں جن اصطلاحات و تلمیحات کا تذکرہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن سعید بوصیریؒ کو جہاں علمِ حدیث ، سیر، مغازی

اور علمِ کلام میں پوری طرح مہارت حاصل تھی ، وہاں ان کا علم بیاں ، بدیع ، صرف ، نحو اور ادب کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ ان کا شاید یہ واحد قصیدہ ہے جس کے تراجم دنیا کی متعدد زبانوں جیسے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی ، ترکی، فارسی اور اردو وغیرہ میں ہوئے، علاوہ ازیں بڑے بڑے اہلِ علم نے صاحبِ بردہ کے شاعرانہ کمالات اور ادبی کام پر دادِ تحسین پیش کی ہے، جن میں علامہ سیوطی ، ابن اعماد حنبلی ، ابنِ شاکر کتبی اور ابنِ سید الناس جیسے حضرات نے بڑی فراخدلی کے ساتھ آپ کے کمالات کا اعتراف کیا ہے، مستشرقین میں نکلسن اور آربری بھی آپ کی جلالتِ شان کے قائل نظر آتے ہیں۔

ویسے تو امام بوصیریؒ نے کئی قصائد مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نظم کیے لیکن سب سے طویل اور ممتاز مقام "قصیدہ بردہ" کا ہے، جس کی مثال نہ تو ماضی میں تھی اور نہ مستقبل میں ممکن ہے، بے شمار قصیدے اس کے اسلوب اور طرز پر لکھے گئے جن کی ایک طویل فہرست مرتب کی جاسکتی ہے، لیکن کوئی بھی قصیدہ بردہ کے مقام کو چھو نہ سکا۔ حتیٰ کہ علم وحکمت کے سرچشمہ ملک مصر کا بالاتفاق "امیر الشعراء احمد شوقی" یہ کہنے پر مجبور ہو گیا ، جب وہ خود اپنا مشہور مدحیہ قصیدہ " ولد الھدی فالکائنات ضیاء " رقم کر رہا تھا:

المادحون و أرباب الهوى

تبع

لصاحب البردة والضيحاء

ذى القدم

"جملہ ثناء خوان اور اہلِ محبت صاحبِ قصیدہ بردہ کی اتباع کرتے ہیں، کیوں کہ اس کی اولیت حتمی ہے۔"

مديحه فيک حب خالص و هوى

وصادق الحب على صادق

الکلم

''بوصیری کی مدحت سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سراپا محبت اور عقیدت ہے، یہ درحقیقت محبت میں سچے انسان کے سچے کلمات ہیں''۔

هذا مقام من الرحمن

مقتبس

ترى مهابته سحبان

بالبکم

''یہ عظیم مقام ومرتبہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی مہربان ذات کا عطا کردہ ہے۔اس کی عظمت وہیبت کا اندازہ ایک گونگا بھی بخوبی کرسکتا ہے''۔

قصیدہ بردہ کی شروحات:

اسی طرح قصیدہ بردہ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جہاں اس کی تلاوت سے لوگ عظیم برکات وثمرات حاصل کرتے ہیں ،وہاں اس کو آسان اور عام فہم بنانے کے لئے جید علماء نے اس کی لا تعداد شروحات تحریر کی ، ان میں علامہ ابنِ مرزوق اورعلامہ خرپوتی کی شروحات انتہائی قابلِ ذکر ہیں ۔

برصغیر پاک و ہند میں بھی یہ قصیدہ یکساں مشہور ومعروف رہاہے،اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں کے علماء وفضلاء نے بھی اس کی مختلف زبانوں میں شروحات تحریر کی ہیں ،جن میں ایک انتہائی نمایاں شرح عربی زبان میں'' العمدة '' کے نام سے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنابِ علامہ نور بخش حنفی نقشبندی توکلیؒ کی ہے، یہ شرح کئی خصوصیات کی حامل ہے جن کا ذکر بعد میں تفصیل سے کیا جائے گا،اس سے پہلے علامہ موصوف کا مختصر تعارف قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے:

علامہ نور بخش توکلیؒ اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

مولانا کا تعلق چک قاضیاں ڈسٹرکٹ لدھیانہ سے تھا، وہ ۱۳۰۵ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے علماء سے حاصل کرنے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم اے عربیک کیا، علومِ عربیہ و دینیہ سے والہانہ محبت کا عالم یہ تھا کہ میونسپل بورڈ کالج کے پروفیسر ہونے کے باوجود مولانا غلام رسول قاسمی امرتسریؒ کے پاس حاضر ہوتے، اور طلباء کے ساتھ چٹائی پر بیٹھ کر تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کا درس لیتے، مولانا مرحوم عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دولت سے مالا مال تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی کوششوں سے ہی متحدہ ہندو پاک میں بارہ وفات کی بجائے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام سے تعطیل شروع ہوئی، مزید یہ کہ جہاں آپ نے دیگر علوم وفنون میں ڈیڑھ درجن کے قریب کتب اور رسائل تحریر کئے، وہاں آپ نے سیرت پر عام فہم انداز میں سیرتِ رسول عربی اور قصیدہ بردہ کی دو شروحات تحریر کیں، جن میں ایک اردو اور دوسری عربی میں ہے، اور عربی کی شرح کے آغاز میں ہی اس کی تحریر کا مقصد بیان کرتے ہوئے ہیں کہ اس کا مقصد محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس احوال اور شمائل کے ذکر سے تبرک حاصل کرنا ہے۔

''العمدہ فی شرح البردة'' کی اہمیت:

ویسے تو علامہ موصوف نے جیسا کہ بیان ہو چکا، قصیدہ بردہ کی دو شروحات تحریر کیں، ایک اردو اور دوسری عربی میں، یہاں ہم ان کی عربی شرح ''العمدة'' کے بارے میں ذکر کریں گے۔

''العمدة'' کے مآخذ:

یہ شرح انتہائی نمایاں اہمیت کی حامل ہے، کیوں کہ اس کے مصنف جہاں علومِ دینیہ وعربیہ کے ایک زبردست عالم ہونے کے ساتھ ساتھ کمال کے ادیب بھی تھے، وہاں وہ اس حوالے سے بھی انتہائی خوش قسمت رہے کہ اس مشہورِ زمانہ قصیدے کی اس سے پہلے لاتعداد شروحات لکھی جا چکی تھی، جن میں علامہ ابنِ مرزوق (ص۲، ۴۷، ۶۷ وغیرہ) اور علامہ خرپوتی (ص۱۸، ۴۱ وغیرہ) کی شروحات انتہائی نمایاں ہیں، اسی لئے علامہ موصوف نے ان شروحات سے دل کھول کر استفادہ کیا، یہی وجہ ہے

کہ اس شرح میں ان شروحات کے علاوہ جا بجا قرآنی تفاسیر، احادیث، فقہ، سیرت، لغات و معاجم، صرف ونحو، اور علومِ بلاغہ کے حوالے موجود ہیں۔

علامہ موصوف کی یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ انہوں نے امانتِ علمی کے تحت ہر حوالے کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ ذیل میں ہم ان مآخذ کے حوالے سے مزید تفصیل بیان کریں گے۔

۱۔ کتبِ تفسیر اور حواشی:

اس شرح میں علامہ موصوف نے کتبِ تفسیر میں جن سے استفادہ کیا، ان میں سرِ فہرست علامہ اسماعیل حقیؒ کی ''روح البیان'' (دیکھئے ص ۳۴، ۳۸ وغیرہ)، اس کے علاوہ ''تفسیر الخازن'' (ص۱۰) اور ''حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی'' (ص ۱۷، ۱۹) قابلِ ذکر ہیں۔

۲۔ کتبِ حدیث و شروح:

ان میں نمایاں نام صحاح ستہ میں بخاری (ص:۳۲، ۳۷، ۸۰)، مسلم (ص ۶۷)، ترمذی (ص ۲۴، ۳۰)، نسائی (ص ۲۱) کے ساتھ ساتھ مؤطین (مالک ص ۳۲) (احمد ص ۶۵، ۶۷) انتہائی نمایاں ہیں، ان کے علاوہ ابنِ حبان، الحاکم، الخطیب، ابنِ عساکر، ابونعیم، دیلمی، بیہقی، الخطائطی اور الاصابہ (ابنِ حجر) سے بھی خوب استفادہ کیا ہے۔ اور شروح میں نووی کی شرح مسلم (ص ۲۷) سرِ فہرست ہے۔

۳۔ کتبِ فقہ:

ان میں عموماً ابنِ قدامہ حنبلی کی ''المغنی'' (ص ۲۷) سے استفادہ کرتے ہیں۔

۴۔ کتبِ لغات:

اسی طرح علامہ موصوف نے مشکل الفاظ کی تشریح کے لئے مشہورِ زمانہ کتبِ لغات اور معاجم سے بھی استفادہ کیا، جن میں علامہ یاقوت حموی کی ''معجم البلدان'' (ص ۸۴، ۸۷)، ''علامہ فیومی'' کی ''المصباح'' (ص ۱۶، ۳۶، ۳۷، ۶۹ وغیرہ) اور علامہ راغب اصفہانی کی ''مفردات'' بہت نمایاں

ہیں۔

۵۔کتبِ سیرت وشروحات:

ان میں علامہ خفاجی مصری کی ''نسیم الریاض'' (ص۲۸،۳۸،۴۰،۸۰وغیرہ)، قاضی عیاضؒ کی '' کتاب الشفاء''(ص۴۱،۴۲،۴۷)، اور علامہ سیوطیؒ کی ''الخصائص الکبری''(ص۲۷) سے زیادہ نقول حاصل کی ہیں۔

۶۔اقوالِ نحاۃ:

اس شرح میں علامہ موصوف نے جا بجا اقوالِ نحاۃ سے استفادہ کیا ہے،مثال کے طور پر بوصیری کے اس شعر'' **دَع ما ادَّعَته النصاری فی نبیھم** '' کی شرح میں علامہ صاحب نے ذکر کیا:''و''دع'' أمر من ''ودع یدع''

بمعنی '' اترک'' قال بعض المتقدمین ،

وزعمت النحاۃ أن العرب أماتت ماضی ''یدع''

ومصدرہ واسم الفاعل'' ۔

یعنی''دع'':''ودع یدع'' سے فعل امر ہے جس کا معنی ہے'' اترک '' (چھوڑ دے)یہ بات کئی قدیم علماء نے بتائی ہے، کچھ نحویوں کا خیال ہے کہ عربوں کے ہاں''یدع'' کی ماضی،مصدراور اسم فاعل قابلِ استعمال نہیں ہے۔

اس کے علاوہ امام بوصیری کے شعر:

کأنہ وھو فرد فی
جلالتہ
فی عسکرٍ حین تلقاہ وفی
حشم

کی تشریح میں لفظ،'' حشم '' کے حوالے سے ابنِ سکیت کے قول کو نقل کیا، جس میں انہوں نے کہا:'' هی كلمة فی معنى الجمع ، ولا واحد لها من لفظها ''۔یعنی'' حشم '' ایسا لفظ ہے جو یہاں جمع کے معنی میں ہے، کیوں کہ اس کا واحد استعمال نہیں ہوتا۔

اسی طرح صرفی قواعد کے حوالے سے بھی علامہ موصوف نے بہت گفتگو کی ،اور قدیم علماء کے اقوال سے خوب استفادہ کیا، مثال کے طور پر امام بوصیری کے اس شعر:

وبات ایوان کسری وهو منصدع

کشمل أصحابِ کسری غیر ملتئم

میں موجود لفظِ'' ایوان '' کے حوالے سے یہ قول نقل کیا کہ:'' قال النحویون: الهمزة فی ''ایوان'' أصل غیر زائدة ، ولو كانت زائدة لوجب ادغام الیاء فی الواو، وقلبها الی الیاء كما فی ''ایام'' فلما ظهرت الیاء ولم تدغم دلَّ علی أن الیاء عین ،وان الفاء همزة و قلبت یاء لكسرة الفاء و كراهیة التضعیف،كما قلبت فی ''دیوان'' و'' قیراط'' ، وكما أن الدال والقاف فاء ان والیائین عینان كذلک التی فی ''الایوان'' ۔

نحویوں کا کہنا ہے کہ لفظ'' ایوان'' میں دراصل ہمزہ زائدہ نہیں ہے، اور اگر زائدہ تصور کر لیا جائے تو

یاء کا واو میں ادغام اور اس کا یاء کی طرف منتقل کرنا ضروری ہو جائے گا، جس طرح لفظ ''ایام'' میں کیا جاتا ہے، لہذا جب یاء ظاہر ہوگئی اور اسے مدغم نہیں کیا گیا تو یہ اشارہ ہے کہ یاء اصل میں عین کلمہ اور فاء ہمزہ ہے، اور یہ یاء سے فاء کے کسرہ اور تضعیف کی ناپسندیدگی کی بناء پر تبدیل کیا گیا، جس طرح اسے ''دیوان'' اور ''قیراط'' میں تبدیل کیا گیا ہے، اسی طرح دال اور قاف فاء کلمے اور دونوں یاء عین کلمے ہیں، اسی طرح کی صورت لفظِ ''ایوان'' کی ہے۔

۷۔کتبِ ادب:

اس شرح میں، چونکہ یہ ادبی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے، کتبِ ادب سے خصوصی طور پر استفادہ کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس شرح میں جا بجا ادباء و شعراء کے اقوال کو بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اس شرح کے ص نمبر ۳۷ پر علامہ موصوف نے امام بوصیریؒ کے شعر ''دَع ما ادَّعَته النصارى فى نبيهم. ....'' میں شیخ ابنِ فارضؒ کے درج ذیل شعر کے ذکر کرنے کے بعد علامہ زرکشیؒ کا یہ قول نقل کیا:

أرى كل مدح فى النبى مقصرا
وان بالغ المثنى عليه
وأكثرا
اذ الله أثنى بالذى هو أهله
عليه فما مقدار ما يمدح
الورى

''میری نظر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر قسم کی مدحت انتہائی ناقص ہے، اگرچہ اس میں ثناء خوان جتنی بھی کثرت و مبالغہ کر لے، کیوں کہ اللہ نے آپ کی آپ کے شایانِ شان تعریف فرما دی ہے، لہذا مخلوق کی تعریف کی مقدار وہاں کیا ہو سکتی ہے؟''۔

'' قال الشيخ بدر الدين الزركشى :

ولهذا لم يتعاط فحول الشعراء

المتقدمين كأبى تمام والبحترى

وابن الرومى مدحه صلى الله عليه وآله وسلم

وكان مدحه عندهم من أصعب ما

يحاولونه ، فان المعانى دون

مرتبته والأوصاف دون وصفه، وكل غلو فى

حقه تقصير، فيضيق على البليغ مجال

النظم .. .'' شیخ بدرالدین زرکشیؒ کا کہنا ہے اسی وجہ سے پرانے عظیم شعراء ،ابو تمام،بحتری،ابنِ رومی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح سرائی میں طبع آزمائی نہیں کی ، کیوں کہ ان کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدحت باقی تمام مدحتوں سے انتہائی مشکل کام ہے، اس لئے کہ معانی آپ کے مرتبہ سے کم اور صفات آپ کی تعریف سے ہیچ ہیں، آپ کے حق سے ہرطرح کا مبالغہ نقص ہے، اسی وجہ سے ایک فصیح و بلیغ آدمی کے لئے آپ کی مدحت تحریر کرنا بہت مشکل کام ہے''۔

اس کے علاوہ علامہ موصوف نے قدیم شعراء کے اشعار سے بھی خوب استفادہ کیا ہے، جن میں نمایاں نام حضرتِ عباسؓ، حسان بن ثابتؓ، ابنِ فارضؒ اور ابو کبیر ہذلی کے ہیں ۔ مثال کے طور پر ص نمبر ۷۷ پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا جنابِ عباسؓ کے اشعار ذکر کئے ہیں :

من قبلها طبتَ فى الظلال

وفى

مستودعٍ حيث يخصف الورق

ثم هبطت البلاد لا بشر

أنت ولا مضغة ولا علق الخ.

اس کے علاوہ ابو کبیر ہذلی کے ص نمبر ۷۹ پر درج ذیل اشعار ذکر کئے ہیں :

ومبرَّءٍ من كلِّ غبَّرٍ حيضةٍ

وفسادِ مرضعةٍ وداءٍ

مغيل

واذا نظرت الى أسرةِ وجهه

برقت بروق العارض

المتهلل

۸۔علومِ بلاغہ :

چونکہ علامہ موصوف ایک زبردست ادیب بھی تھے، لہذا انہوں نے اس شرح میں علومِ بلاغہ سے بھی خوب استفادہ کیا اور اسی بناء پر جا بجا ان کی طرف اشارے کیئے، ان کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ا: امام بوصیری کے اس شعر:

كأنما اللؤلؤ المكنون فى

صدف

من معدنى منطق منه و

مبتسم

کی تشریح میں علامہ موصوف نے '' حاشیہ باجوری'' کے حوالے سے یہ ذکر کیا کہ اس شعر میں '' تشبیہ مقلوب'' ہے اور یہ مدح میں بلیغ ترین ہے۔

۲۔اسی طرح امام بوصیری کے پہلے شعر:

أمن تذكر جيران بذى سلم

مزجت دمعا جرى من مقلة

بدم

میں موجود '' مزج الدمع بالدم'' کے حوالے سے حقیقت اور کنایہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ موصوف کا کہنا ہے کہ '' اما حقيقة كما يشعر به قوله الآتى : '' وأثبت الوجد خطى عبرةٍ و ضنى ''،

واما كناية عن شدة البكاء ''.

۳۔ اسی طرح امام بوصیری کے شعر:

لولا الھوی لم ترق دمعا

علی طلل

ولا أرقت لذکر البان

والعلم

کے حوالے سے علامہ موصوف کا کہنا ہے کہ اس میں ''الالتفات من الغیبة الی الخطاب '' ہے ، اوراس کے ساتھ ساتھ اس میں علمِ بدیع سے ''جناس شبیه بالمشتق ''ہے۔

۴۔ اسی طرح امام بوصیری کے اس شعر:

یا لائمی فی الھوی

العذری معذرة

منی الیک ولو أنصفت لم

تلم

کے حوالے سے علامہ موصوف کا کہنا ہے کہ اس میں بوصیری کے قول: '' لائمی اور تلم '' میں علم بدیع سے '' رد العجز علی الصدر'' کے ساتھ ساتھ اس میں '' جناس شبیه بالمشتق ''بھی ہے۔

۵۔ اسی طرح امام بوصیری کے اس شعر:

واخش الدسائس من جوع ومن

شبع

فرب مخمصة شر من التخم

کے حوالے سے علامہ موصوف کا کہنا ہے کہ اس میں ''ایھام حسن ''ہے۔

اس طرح کی اس شرح میں لا تعداد مثالیں موجود ہیں ،جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ موصوف کو دیگر مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ ادبی اور بلاغی علوم پر بھی پوری مہارت حاصل تھی ۔

ان تمام خصوصیات کے باوجود یہ دکھ دینے والا پہلو تھا کہ اس کو بڑے پیمانے پر خوبصورت انداز میں طبع نہیں کیا گیا ، جو کہ اس علمی و تحقیقی کام کے ساتھ کھلم کھلا ناانصافی تھی ،اس کا ایک ہی طبع ہمارے علم میں آیا ہے جو ۱۳۳۹ھ میں لاہور سے مطبع خادم التعلیم سے انجمن نعمانیہ کے خرچے سے منظرِ عام پر آیا ہے ، لہٰذا بندہ ناچیز نے اپنی بضاعت کے مطابق اس کی تحقیق و تخریج کا بیڑہ اٹھایا ہے ، جو کہ جلد ہی انشاء اللہ ،اللہ تعالی کے فضل و کرم سے قارئین کے سامنے ہو گا۔نعت ریسرچ سنٹر کراچی کے تحت جدید انداز میں قارئین کی نذر کی جائے گی۔

ڈاکٹر شہزاد احمد۔ کراچی

نعتیہ کُلیات کی روایت
ایک مطالعاتی جائزہ

ABSTRACT:

Dr. Shazad Ahmad has presented results of his research in the shape of article of above cited title. He has accounted for the facts about some published poetic collections of different poets of genre of Naat. He has also tried to define the word 'Kuliyaat' (i.e. total and comprehensive collection of poetry of a poet) in order to differentiate the same from the words 'Majmoaa' and 'Deewaan' usually in vogue in the world of publication for such collections. Kuliyaat is called presumably the posthumously collected work of poetry, but Dr. Shahzad has also included work of younger and living poets for introduction as their Kuliayaat which is signified work in its nature.

اُردو کا نعتیہ ادب بلاشبہ اس عہدِ موجود کا مستند اور معتبر حوالہ ہے۔ وہ بات تو اب مسلّم ہو چکی ہے کہ درحقیقت یہ صدی نعت ہی کی صدی ہے۔ اس صدی میں نعت کا کینوس روز وشب وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ نعت کی مختلف جہات میں محیرّ العقول کام سامنے آ رہے ہیں۔

صوتِ نعت، لحنِ نعت، ترقیٔ نعت، تفہیم نعت، ترویج نعت، تنقید نعت، تحقیق نعت، تعلیم نعت، صحافت نعت اور تہذیب نعت، یعنی نعت کے مذکورہ تمام شعبہ جات کی ہمہ گیر اور آفاقی قدریں روزِ روشن کی طرح نہ صرف ظاہر ہو چکی ہیں بلکہ ورفعنا لک ذکرک کی بلند اقبالی کی جانب تیزی سے گامزن بھی ہیں۔

شعری اصناف میں صرف صنفِ نعت ہی وہ مہتمم بالشان موضوع ہے جس میں آفاقیت کے وسیع جلوے دکھائی دیتے ہیں۔ اس پاکیزہ اور تقدس مآب موضوع پر صبح و مسا تحریکی، تحقیقی اور علمی انداز سے جو کام ہو رہے ہیں، وہ دنیا پر عیاں ہیں۔ یہ رفعت اور اعزاز کسی دوسری صنف سخن کو حاصل نہیں۔

صنف نعت کی آفاقیت اور قدامت اظہر من الشّمس ہے۔ یہ دیگر موضوعات کی طرح محدود اور مخصوص فکر کی حامل نہیں۔ اس کی ہمہ گیری اور وسعت کا عالم دیدنی اور فکر و خیال سے ماورا ہے۔

شاعر مکمل نہیں ادھورا ہے

ہمارے عہد کے ایک ثقہ اور قابل ذکر مرثیہ نگار سید وحیدالحسن ہاشمی مرحوم (1930ء-2010ء) نے اپنی کلیاتِ شعری (مطبوعہ: طاہرین، لاہور، 2006ء) صفحہ 75 پر صنف نعت کی عظمت بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف ببانگ دہل انداز میں کیا ہے۔

> ''نعت ایک مقدس صنف سخن ہے ایک شاعر جو غزل، سلام اور مرثیہ کہتا ہے اگر اس کے شعری گنجینے میں نعتیں نہیں، تو وہ شاعر مکمل نہیں ادھورا

ہے۔‘‘

کس قدر واضح، صاف اور شفاف انداز میں اس خدا لگتی اور مسلّمہ حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ میں نعتیہ ادب کی جانب سے سیّد وحید الحسن ہاشمی کی اس حق گوئی اور بے باکی کو سلامِ عقیدت پیش کرتا ہوں۔ یہ عصر حاضر کی خوش نصیبی اور سعادت مندی ہے کہ ہمارے درمیان ایسے سچے اور صاف گو حضرات موجود رہتے ہیں جن کے سبب سچ اور حق کی نہ صرف آبرو قائم رہتی ہے بلکہ سچ کا بول بھی بالا ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں نعت کی وسعت اور ہمہ گیری ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ایک شاعر وہ خواہ کچھ بھی کہہ رہا ہے، اگر وہ نعت نہیں کہتا تو وہ مکمل شاعر نہیں، بلکہ اُس کی شاعری بھی ادھوری ہی کہلائے گی جب تک کہ اُس کے شعری گنجینے میں نعتیں نہ شامل ہو جائیں۔

کلیات کیا ہے؟

کلیات کو سمجھنے سے پہلے ان چند چیزوں کا جاننا بہت ضروری ہے۔

1 - مجموعہ (مج-مو-عہ) [ع-صف] جمع کیا ہوا، اکٹھا کیا ہوا، مخزن، ذخیرہ، خزانہ

2- مجموعۂ کلام (ع-ا-مذ) کلام کا ذخیرہ وہ کتاب جس میں کسی شاعر کی منظومات جمع کر دی گئی ہوں۔

3- دیوان (دی-وان) [ف-ا-مذ] (۱) دربارِ شاہی، عدالت (۲) شاعر کے کلام کا مجموعہ، ردیف وار یعنی حروف تہجی کی ترتیب سے ہوگا۔

4- کلیات (کل-لی-یات) عربی اسم ہے مذکر اور مونث دونوں طرح سے بولا جاسکتا ہے۔ کُلّی کی جمع ہے۔ ایک ہی شخص کی منظومات یا تصنیفات کے مجموعے کو کلیات کہہ سکتے ہیں۔ نظم اور نثر کی اس میں قید نہیں۔ دونوں طریقوں سے یہ کلیات ہی کہلائے گا۔ عموماً کلیات کا لفظ زیادہ تر منظومات کے لیے مستعمل ہے۔

مذکورہ بالا عنوانات کی ہم نے علیحدہ علیحدہ تعریفات رقم کر دی ہیں تاکہ اس میں ابہام کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ آیندہ موضوعات پر کام کرنے والے ان کی الگ الگ حیثیتوں کو بھی برقرار رکھ سکیں۔ ان چاروں عنوانات کے تحت ہم نعتیہ ادب کی اہمیت کو واضح کریں گے۔

اولاً مجموعہ سے مراد ہماری مجموعہ نعت ہے۔ جس میں نعت گو شاعر کا جمع کیا ہوا یا اکٹھا کیا ہوا کلام شامل ہوتا ہے۔ ثانیاً مجموعہ کلام سے مراد نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔ نعت گو شاعر کے کلام کا وہ ذخیرہ جس میں کسی بھی شاعر کی تمام منظومات جمع ہوں۔ ثالثاً دیوان سے مراد نعتیہ دیوان ہے جس میں کسی نعت گو شاعر نے ردیف وار یعنی حروف تہجی کی ترتیب سے نعتیں کہی ہوں۔ رابعاً کلیات سے ہماری مراد نعتیہ کلیات ہے جس میں کسی بھی نعت گو شاعر کی تمام منظومات یا تصنیفات شامل ہوں۔

متذکرہ چاروں عنوانات کی واضح وضاحت کے بعد اس تکلیف دہ امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ فی زمانہ مجموعہ کلام کو دیوان اور کلیات سے موسوم کیا جا رہا ہے۔ اب مجموعہ کلام کو کچھ حضرات دیوان اور کلیات بھی لکھ رہے ہیں جس کی وجہ سے ان متفرق موضوعات کا تشخص متاثر ہو رہا ہے۔ صاحبانِ علم و فضل سے درخواست ہے کہ ان مسائل کی جانب توجہ فرمائیں تاکہ ان موضوعات کا تشخص اور اہمیت برقرار رہے۔

شاعری کی طرح کلیات کی روایت بھی قدیم ہے۔ غزل گو شعراء کی بے شمار کلیات اس کا واضح ثبوت ہیں۔ کلیات میر تقی میرؔ اور کلیات علامہ اقبال اس کی روشن مثال ہے۔ کلیات کی روایت کو ہم بظاہر دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ درحقیقت یہ الگ الگ دو موضوعات ہیں جس کی اہمیت اپنے اپنے شعبے میں مسلّم ہے۔

۱۔ عام شعری منظومات جنھیں کلیات غزل کی شکل دے دی جاتی ہے۔

۲۔ نعتیہ شعری منظومات جنھیں کلیات نعت سے مزین کیا جاتا ہے۔

ہمارا موضوع نعتیہ کلیات ہے جس کے تسلسل میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا ہے۔ راقم الحروف اب تک پانچ نعتیہ کلیات مرتب کر چکا ہے جس میں تین طبع شدہ ہیں اور دو ترتیب و طباعتی مراحل سے دوچار ہیں۔

اکتوبر 1998ء میں ''مقصودِ کائنات'' کے نام سے حضرت ادیب رائے پوری کے مکمل (1998ء تک) کلام پر مشتمل کلیات شائع کیا تھا۔ دسمبر 2013ء میں کلیات ریاض سہروردی کو مرتب کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ حضرت ریاض سہروردی کا تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ نعتیہ کلام مع مقدمہ و تعلیقات نعتیہ کلیات کی روایت میں ایک اہم اضافہ ہے۔ 2014ء میں شاہ انصار اِلٰہ آبادی مرتب ہونے کے باوجود بعد میں از سر نو مرتب و نظر ثانی کا شرف

حاصل ہوا۔ جس میں راقم الحروف کا مقدمہ مع تعلیقات کے شامل ہے۔ بعدازاں لسان الحسان مولانا ضیاء القادری بدایونی کی کلیات بھی راقم الحروف کی نگرانی میں بہت اہتمام سے مرتب ہو رہی ہے۔ جبکہ 2014ء میں ہی معروف نعت گو و نعت خواں عزیز الدین خاکی کے متفرق مجموعہائے کلام پر مشتمل ''کلیات عزیز خاکی'' بھی ترتیب دی ہے جو طباعتی مراحل میں داخل ہے۔ اس کے علاوہ بھی چاروں جانب سے نعتیہ کلیات کی طباعتی خبریں بھی مشام جاں کو معطر کر رہی ہیں۔ اب دیگر حضرات اس جانب تحریکی انداز میں پیش رفت کر رہے ہیں۔ نعتیہ کلیات کا اشاعتی سیل رواں شباب پر ہے۔ انشاء اللہ وہ وقت قریب ہے کہ جب ہمارے سامنے کلیاتِ اکبر وارثی میرٹھی، کلیات بہزادؔ لکھنوی، کلیاتِ اخترؔ الحامدی اور کلیاتِ قمرؔ انجم بھی زیورِ طباعت سے آراستہ ہوں گی۔

نعتیہ کلیات کی تحریک

راقم الحروف نے ''کلیات ریاض سہروردی'' مرتب کی اور اس کا مقدمہ مع تعلیقات لکھا۔ اس موقع پر نعت کے موضوع پر کام کرنے والے طالب علموں کو ہر دو گزارشات سے آگاہ کیا تھا۔

> ''اولاً حضرت ریاضؔ سہروردی کا شمار ''صاحب دیوان شعرا'' کی صف میں ہوتا رہے۔
>
> ثانیاً آپ ''صاحب کلیات شعرا'' کی فہرست میں بھی شامل ہو گئے ہیں۔
>
> نعتیہ ادب میں ''صاحب دیوان شعرا'' اور ''صاحب کلیات شعرا'' پر جب بھی کام کا آغاز ہوگا حضرت ریاض سہروردی ہر دو موضوعات میں نمایاں نظر آئیں گے۔ نعت کے موضوع پر کام کرنے والے طالب علم اس موضوع پر سیر حاصل اور خاطر خواہ کام کر سکتے ہیں۔ دونوں موضوعات اپنے دامن میں نعتیہ ادب کا خزانہ سمیٹے ہوئے ہیں۔''

انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب نعت کے طالب علم ''صاحب دیوان شعرا'' ا اور ''صاحب کلیات شعرا'' کے موضوع پر علیحدہ علیحدہ تحقیقی کام کا آغاز کریں گے۔ راقم الحروف کا یہ مقالہ ''نعتیہ کلیات'' بھی اسی خوبصورت نعتیہ تحریک کا حسن آغاز ہے جب کہ آیندہ یہ عاجز

''صاحب دیوان نعت گو شعرا'' کے حوالے سے بھی طالب علموں کے لیے بنیادی مہمیز فراہم کرے گا۔

''نعتیہ کلیات'' کے موضوع پر یہ کوئی قلم توڑ اور تحقیقی مقالہ نہیں بلکہ بارش کا پہلا قطرہ ہے۔ اس مقالہ کے لیے لائبریریوں کی خاک بھی نہیں چھانی گئی بلکہ نعت ریسرچ سینٹر کراچی (صبیح رحمانی)، حمد و نعت ریسرچ فاؤنڈیشن کراچی (ڈاکٹر شہزاد احمد) اور فیض پنجتن لائبریری (محمد عمران سلطانی) میں جو بھی نعتیہ کلیات تھیں صرف اُنھیں ہی ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ یہ نعتیہ کلیات کا تعارف ہے۔ اس میں شاعر کی حمد و نعت کے صرف نمونے شامل ہیں۔ یہ صاحب کلیات نعت گو شعرا کی حمد و نعت کا انتخاب بھی نہیں، اور نہ ہی یہ نعت گو شعراء کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی مضمون ہے۔ بلکہ یہ نعتیہ کلیات کے بارے میں نعت گو شعرا کے مختصر حالات کے ساتھ ایک تحریکی مقالہ ہے جو یقیناً آیندہ اس موضوع پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

اس مقالے کی تیاری میں نعت ریسرچ سینٹر کراچی کے بانی و ڈائریکٹر سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی کی تحریک شامل ہے۔ میرے منہ سے نعتیہ کلیات کا موضوع سنتے ہی اُنھوں نے اپنا گھیرا میرے گرد تنگ کر دیا تھا۔ صبیح رحمانی کام کرنے کے فن اور کام کرانے کے فن سے بخوبی واقف ہیں۔ صبیح رحمانی سے وعدہ کرنے والا پھر ان سے بچ نہیں سکتا۔ وہ آخر تک چلے جاتے ہیں۔ کام کرنے والا یا تو ان سے کیا ہوا وعدہ ایفا کر دے گا یا پھر صبیح رحمانی اُسے آخری منزل پر پہنچا کر دم لیتے ہیں۔

نعتیہ ریسرچ سینٹر کی مرکزیت

نعتیہ کلیات والا مقالہ میری بے بسی اور صبیح رحمانی کی نعت سے وابستگی کی علامت ہے۔ اس مقالے کے دوران میں صاحب فراش تھا۔ چلنا اور سیڑھیاں چڑھنا میرے لیے کارِ دارد تھا۔ مگر صبیح رحمانی نے نعت کے طفیل نعت ریسرچ سینٹر کی تین منزلہ سیڑھیاں مجھ سے کیسے چڑھ والیں اس تکلیف کا مجھے اندازا نہیں ہوا۔ البتہ اُن کا خلوص، محبت اور نعت سے اُن کی وابستگی میری تکلیف کو کم کرتی رہی۔ اس مقالے کو تحریر کرنے کے دوران صبیح رحمانی نے جس محبت اور اخلاص کا ثبوت فراہم کیا ہے وہ نعتیہ ادب سے وابستگان کے لیے ایک روشن مثال ہے۔

صبیح رحمانی ازخود مجھے ایک ایک کلیات اور متعلقہ کتب فراہم کرتے رہے۔ میں تقریباً دو

دن کی ایک نشست میں ان کے گھر رہا ہوں اُنھوں نے کسی بھی لمحے بے چینی یا بے زاری کا اظہار نہیں کیا۔ وہ لوگوں کے کام سے خوش ہونے والے اور اُن کے ساتھ بھرپور تعاون کرنے والے شخص ہیں۔ اس طویل نشست جس میں دو دن اور ایک رات بھی شامل ہے۔

صبیح رحمانی کے صاحبزادگان اور صبیح رحمانی نے کھانے پینے اور میرے آرام کے حوالے سے جو تواضع کی ہے میں اُسے فراموش نہیں کرسکتا۔ اس دوران جو دیگر حضرات بھی آتے رہے میں ان کی تواضع اور خدمت کا بھی شاہد ہوں۔ ان سب کو خندہ پیشانی اور اعلیٰ میزبانی کے ساتھ نباہنا بھی قابل تعریف اور لائق تقلید ہے۔ صبیح رحمانی سے ملنے والوں میں بھانت بھانت کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ اُنھیں وقت دینا، سننا اور برداشت کرنا بہت حوصلے کی بات ہے۔ محققین اور طالب علموں کی قطار در قطار صبیح رحمانی کے حوصلوں کو جوان اور روح کو شاد کرتی ہے۔ وہ کام اور کام والے سے خوش ہوتے ہیں۔

صبیح رحمانی کے اس جذبے اور ایثار کو دیکھتے ہوئے میری دلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے حبیب پاک صاحب لولاک کی نعت کے طفیل عمر خضر عطا فرمائے۔ ان کی اہلیہ اور بچوں کو نعت کے سائے میں رکھے۔ مسائل میں آسانیاں اور وسائل میں مزید فراوانیاں نصیب کرے۔ نعت کے دیگر دعوے دار جو ایک کتاب کسی کو نہیں دیتے، صرف اپنے لیے دوسروں سے چندہ اکٹھا کرنے اور نعتیہ کتب بٹورنے کے لیے سرگرداں رہتے ہیں، اللہ رب العزت اُنھیں بھی صبیح رحمانی کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے۔ مجھے ایسی کوئی دوسری شخصیت صرف کراچی نہیں بلکہ پورے ملک میں نظر نہیں آتی جس کے کام کا انداز صبیح رحمانی کی طرح ہو۔ یہ صرف زبانی نہیں بلکہ اپنے وقت اور جان و مال سے شعبہ نعت کی احسن خدمات کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ یہ اپنی فکر کو مزید وسیع کرلیں تو شعبۂ نعت میں اور بھی بہت سارے مثالی و اجتماعی کام ہو سکتے ہیں۔

نعتیہ ادب میں نعتیہ کلیات کی بہار والا یہ اوّلین مقالہ ملاحظہ کیجیے جو کتابی زمانی ترتیب کے حوالے سے مرتب ہوا ہے۔ کلیات کا جو بھی نسخہ ہمارے زیر مطالعہ ہے اُسے ہی حوالہ بناتے ہوئے شامل کیا ہے۔ طباعت اوّل اور دوم وغیرہ کی بھی وضاحت کردی گئی ہے۔ ایسی کلیات جن پر سال اشاعت درج نہیں اُنھیں آخر میں شامل کرلیا گیا ہے۔ اس مقالے کے توسط سے ہم دیگر نعتیہ کلیات جو اس مقالے میں شامل نہیں ہوسکی ہیں اُن کے بھی منتظر اور متمنی ہیں جسے ہم آیندہ مقالے میں بصد شکریہ کے شائع کردیں گے۔ آپ سے درخواست ہے

کہ نعتیہ ادب کی اس عظیم اور اوّلین نعتیہ کلیات کی تحریک میں ہمارا ساتھ دیجیے اور دیگر شائع شدہ کلیات سے ہمیں آگاہ کیجیے۔

نعتیہ کلیات کی فہرست ایک نظر میں ملاحظہ کیجیے۔ پھر اس کے بعد نعتیہ کلیات کی تفصیلات بھی آپ کے ذوقِ طبع کے لیے حاضر ہیں۔

1 - کلیاتِ نعت محسنؔ کاکوروی مرتب: محمد نورالحسن 1982ء

2 - کلیاتِ شائقؔ میر سیّد علی شائق دہلوی 1994

3 تمام و ناتمام ڈاکٹر عاصی کرنالی 1994

4 کلیاتِ راقب قصوری مرتب : محمد صادق قصوری مئی 1996ء

5 مقصودِ کائنات (ادیب رائے پوری) مرتب: شہزاد احمد اکتوبر 1998ء

6 کلیاتِ ظہور (حافظ محمد ظہورالحق ظہورؔ) مرتب: رؤف امیر جولائی 1999ء

7 کلیات بیچین بیچین رجپوری بدایونی 2003ء

8 کلیاتِ اعظم محمد اعظم چشتی اشاعت خاص 2005ء

9 کلیاتِ حفیظ تائب حفیظ تائبؔ اپریل 2005ء

10 کلیاتِ قادری (مولانا غلام رسول القادری) ڈاکٹر فریدالدین قادری جون 2005ء

11 کلیاتِ عنبر شاہ وارثی ترتیب: عشرت ہانی و نورمحمد وارثی مارچ 2006ء

12 حمد ربِ عُلا نعت خیرالوریٰ (راسخ عرفانی) مرتب: ثاقب عرفانی جون 2006ء

13 طاہرین (سیّد وحیدالحسن ہاشمی) ترتیب : ڈاکٹر سیّد شبیہہ الحسن 2006ء

14 سرمایہ رؤف امروہوی (انتخاب کلام) مرتب : حامد امروہوی 2007ء

15 کلیاتِ منور (منور بدایونی) مرتب : سلطان احمد 2008ء

16 کلیات اظہر (اظہر علی خان اظہرؔ) مرتب : محمد سلیم اپریل 2009ء

17 کلیات نیازی عبدالستار نیازی مئی 2009ء

18 کلیاتِ نعت اعجاز رحمانی مئی 2010ء

19 زبورِ حرم (اقبال عظیمؔ) مرتب : شاہین اقبال 2010ء

20 خلد نظر (عابد سعید عابدؔ) محمد سعید عابد جولائی 2011ء

21 نور سے نور تک (کلیاتِ حمد و نعت) شاعر علی شاعرؔ فروری 2012ء

22 کلیاتِ صائم چشتی (اُردو نعت) تدوین : لطیف ساجد چشتی 2012ء

23 کلیاتِ بیدم وارثی بیدؔم شاہ وارثی 2012ء

24 کلیاتِ مظہؔر (حافظ مظہرالدین مظہر) ترتیب : ارسلان احمد ارسل 2013ء

25 کلیاتِ ریاض سہروردی (حضرت ریاض الدین مرتب: ڈاکٹر شہزاد احمد 2013ء
سہروردی)

26 کلیاتِ راہی (مولانا نذر محمد راہی) مرتب : ڈاکٹر محمد اویس معصومی 2014ء

27 کلیاتِ شاہ انصار اللہ آبادی مرتب: خالد مرتب ثانی:ڈاکٹر شہزؔاد احمد 2014ء
رضوی

28 کلیاتِ ظہوری محمد علی ظہوری سن ندارد

29 کلیاتِ ضیاء القادری بدایونی مرتب: ڈاکٹر شہزاد احمد (غیر مطبوعہ)

30 کلیات عزیز خاکی (عزیزالدین خاکی القادری) مرتب : ڈاکٹر شہزاد احمد (غیر مطبوعہ)

31 کلیاتِ صبیحؔ رحمانی مرتب : ڈاکٹر شہزاد احمد (غیر مطبوعہ)

☆☆☆

کلیاتِ نعت محسؔن کاکوروی مرتب: محمد نورالحسن 1982ء

''کلیاتِ نعت محسؔن کاکوروی'' کے مرتب محمد نورالحسن ہیں۔ اس کلیات کا پہلا فوٹو آفسیٹ ایڈیشن 1982ء میں اُترپردیش اُردو اکادمی لکھنؤ (انڈیا) نے شائع کیا ہے۔ 258 صفحات پر مشتمل اس کی مجلد فوٹو کاپی میرے سامنے ہے۔ اس کی قیمت -/12 روپے ہے۔ واضح رہے کہ ''کلیات نعت مولوی محمد محسن'' کے نام سے ۱۳۳۴ھ میں الناظر پریس واقع چوک لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔ پرانے سرورق کا عکس اس کلیات میں موجود ہے۔1

مولوی محمد نورالحسن وکیل ہردوئی و مین پوری آپ کے صاحبزادے کا مرتب کردہ ہے۔ کتاب کے مرتب نے اپنے والد گرامی محسن کاکوروی کا مختصر مگر انتہائی جامع تعارف ''مختصر حال'' کے عنوان سے رقم کیا ہے۔ کلیات نعت محسن کاکوروی نعتیہ ادب کے لیے ایک عظیم اور یادگار سرمایہ ہے جسے صدیوں یاد رکھا جائے گا۔ کم صفحات میں بہت زیادہ کلام شامل ہیں۔

حضرت محسن کاکوروی کے والد ماجد مولوی حسن بخش کے دو صاحبزادگان مولوی محمد محسن و مولوی محمد احسنؔ، سیّد علوی تھے اور سلسلہ نسب حضرت علی المرتضٰی دامادِ مصطفٰیؐ، شیر خدا سے جا ملتا ہے۔ محسن کاکوروی ۱۲۴۲ھ مطابق 1827ء کاکوری میں پیدا ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد سات سال کی عمر سے جدّ بزرگوار مولوی حسین بخش شہید کے زیر سایہ تربیت ہوئی۔ 2

شاعری کی ابتدا نو سال کی عمر سے ہوئی۔ شب کو اپنے جدّ امجد کے پہلو میں سوتے تھے۔ خواب میں زیارت جمال مبارک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ اس خواب کی خوشی میں سب سے پہلی نظم لکھی۔ اُستاذِ گرامی مولوی ہادی علی اشک آپ کے خالہ زاد ماموں ثقہ، متقی پرہیزگار عالم باعمل تھے۔ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے وابستہ تھے۔ محسن کاکوروی نے حضرت اشک کی وفات کے بعد کسی سے اصلاح نہیں لی۔

4 اپریل 1905ء کو اسہال کبدی میں مبتلا ہوگئے تھے۔ دوشنبہ ۱۰/صفر ۱۳۲۳ھ مطابق 24 اپریل 1905ء میں دس بجے دن کو اس عالم فانی سے ملک جاودانی کے لیے روانہ ہو گئے۔ مزار بمقام مین پوری متصل مزار مولوی حسین بخش مرحوم کے ساتھ ہے۔

محسن کاکوروی اُردو کے اوّلین عظیم شاعر ہیں جن کی شاعری کا موضوع نعت اور صرف نعت ہے۔ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں۔

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ نہ غزل

آپ کا کلام مختلف امتحانات کے نصاب میں شامل ہے۔ آپ کو ''حسانِ وقت'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ محسن کاکوروی نعتیہ ادب کا اوّلین ستون ہیں۔ آپ کے تعارف کے بغیر اُردو نعتیہ ادب کی تاریخ نامکمل رہے گی۔

اس کلیات نعت کا آغاز ''گلدستہ کلامِ رحمت'' سے ہوا ہے۔ یہ قصیدۂ نعتیہ 16 سال کی عمر میں لکھا تھا۔ قصیدہ کا پہلا شعر ہے ۔

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا
گلشن

غنچہ ہے نامِ خدا نافۂ آہوئے ختن 3؎

اس نعتیہ قصیدہ کے بعد ''سراپائے رسول اکرم'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا بند ملاحظہ کیجیے۔

للہ الحمد شب غم نے اُٹھایا بستر — مرحبا طالع بیدار مبارک ہو سحر
مژدہ اے دل کہ ہوا نور خدا پیش نظر — بارک اللہ طبیعت کا ہے رنگ دیگر

گر نہ ہو پاس ادب تو مجھے کچھ دعوا ہے
سجدہ کرتے ہیں ملائک مرا وہ رُتبہ ہے
4؎

ضروری نوٹس

(وفیات نگاری کی ایک عمدہ مثال ڈاکٹر محمد سہیل شفیق کا مرتب کردہ ''وفیات معارف'' (مطبوعہ: قرطاس پبلشرز، گلشن ا قبال کراچی، 2013ء) ہے اس سے قبل آپ ماہنامہ معارف کا نو ّے سالہ اشاریہ، اشاریۂ نعت رنگ کراچی، اشاریۂ جہانِ حمد کراچی اور نعت نامے (بنام صبیح رحمانی) بھی مرتب کر چکے ہیں۔ جب کہ ''جامعہ نظامیہ بغداد کا علمی و فکری کردار'' کے عنوان سے تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ-ڈی لکھ کر ''ڈاکٹریٹ'' کی سند سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل شفیق ایک نوجوان محقق اور شعبۂ اسلامی تاریخ جامعہ کراچی میں اسسٹنٹ پروفیسر کے منصب پر فائز ہیں۔ حاشیہ نگاری، اشاریہ سازی، خطوط نگاری اور جمع و ترتیب کے ماہر ہیں۔ نظم ترتیب، نفاست کا حسن اور طباعت کا سلیقہ آپ کے متفرق کاموں سے عیاں ہے۔ 'وفیاتِ معارف'

ارباب علم و فضل کے انتقال پر ماہنامہ معارف اعظم گڑھ (انڈیا) میں شائع ہونے والی تحریروں جولائی 1916ء تا دسمبر 2012ء کا مثالی انسائیکلوپیڈیا ہے جس کی اہمیت ہر دور میں مسلّم رہے گی ڈاکٹر سہیل شفیق کے وفیاتِ معارف میں۔

سیّد سلیمان ندوی نے ’معارف‘ اعظم گڑھ (انڈیا) اکتوبر 1936ء کی اشاعت میں محسنؔ کاکوروی کے فرزند نورالحسن نیرکے علم و فضل کا ذکر کیا ہے۔ ص103۔ اس اداریہ میں تاریخ وفات کے علاوہ دیگر معلومات موجود ہیں۔ اکتوبر 1936ء ’معارف‘ کا سالِ اشاعت ہے۔ مولوی نورالحسن نیّر کی تاریخ وفات نہیں۔ اسے وفات کی خبر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

(تذکرہ نگاری کی ایک خوبصورت دستاویز حکیم نثار احمد علوی کی تصنیف ’سخنوران کاکوری‘ (مطبوعہ: میخانۂ ادب، ناظم آباد کراچی ؟ء) ہے۔ اس قابل قدر تذکرے میں شعرائے کاکوری کا احوال تفصیلاً درج ہے۔ صاحب تذکرہ نے علامہ حاجی مولوی نورالحسن نیر علوی کا سال پیدائش ۱۲۸۲ھ/ 1865ء- ص 412 اور سالِ وفات 6ستمبر 1936ء/۱۳۵۵ھ درج کیا ہے۔ آپ کی آخری آرام گاہ جھنجھری روضہ کاکوری انڈیا ہے۔ص 414

محسن کاکوروی کے اس فرزندِارجمند نورالحسن نیر کے دو عظیم اور تاریخی کارنامے ’کلیاتِ نعت محسن کاکوروی‘ اور ’نورِاللّغات‘ ہیں جنھیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ نور اللّغات پہلی بار 1924ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی اور دوسری بار 1960ء میں کراچی سے شائع ہوتے ہی فروخت ہو گئی۔ یہ لغت چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ص 414)

☆☆☆

کلیاتِ شائقؔ — میر سیّد علی شائق دہلوی

1994ء

’’کلیاتِ شائقؔ‘‘ میر سیّد علی شائق دہلوی مرحوم و مغفور کے کلام پر مشتمل ہے۔

کلیات شائق کی اشاعت ثانی ۱۴۱۴ھ مطابق 1994ء میں ہوئی۔ اس کے ناشر سیّد پبلی کیشنز 206 لائرز چیمبر ایم اے جناح روڈ کراچی ہیں۔ بڑے سائز کے 686 صفحات پر مشتمل یہ کلیات مجلد شائع ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ کلیات شائق کی اشاعت اوّل ۱۴۰۱ھ مطابق 1981ء میں ہو چکی تھی۔ 5

کلیات شائق میں گلگشت بہشت (نعتیہ کلام) گلزارِ مغفرت (مراثی وسلام)، دیوانِ بستان سخن (غزلیات)، مثنویات، مثنوی فضل باری، مثنوی اظہار قدرت، مثنوی عشق درویش، مثنوی شجر عشق، مثنوی گُرو چیلا، مثنوی شعلہ عشق، مثنوی چرتر عجیب، مثنوی چرتر جوہر خرد، معلّم العقل، باغِ انقلابِ زمانہ شامل ہیں۔ 6

کلیاتِ شائق انتخاب از ذخیرہ میر سیّد علی شائق دہلوی (مرحوم) پر مشتمل ہے۔ جسے اُن کے پوتے سیّد انور علی ایڈووکیٹ (سپریم کورٹ آف پاکستان) نے نہایت سلیقے سے یک جا کر کے کلیات شائق کے نام سے شائع کیا ہے۔ جس میں اُن کے نعتیہ، منقبتیہ اور غزلیہ مجموعے شامل ہیں۔

اس کلیات پر لکھنے والوں میں ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر وفا راشدی، ڈاکٹر عبدالصمد انصاری، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، پروفیسر شیخ فقیر محمد عظیمی، ثناء الحق صدیقی (علیگ)، احمد اللہ فاروقی، فارق ایڈووکیٹ، عابد نظامی، ماہنامہ الانسان کراچی، راجا رشید محمود، سید انور علی ایڈووکیٹ کے نام شامل ہیں۔

میر سیّد علی شائق دہلوی انقلاب 1857ء سے قبل 1840ء دہلی (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ 19 نومبر 1920ء کو نصیر آباد ضلع اجمیر شریف (بعمر 80 سال) میں وفات پائی۔ 7 وہیں اہل سنت و جماعت کی عیدگاہ سے ملحقہ قبرستان میں اپنے بڑے بھائی میر محمد نقی مرحوم کے برابر مدفون ہیں۔

شائق دہلوی ایک قادرالکلام، پختہ کہنے والے ممتاز زودگو شاعر تھے۔ زبان و بیان پر بھرپور قدرت رکھتے تھے، روانی وسلاست اُن کے کلام کا خاصہ تھی۔ یہی خصوصیات انھیں اپنے معاصر شعرا سے ممتاز رکھتی ہیں۔

کلیاتِ شائق کا حسنِ آغاز ”حمد“ سے شروع ہوتا ہے۔

اُٹھا کے آنکھ کو میں نے جہاں جدھر
دیکھا
تو جلوہ تیرا ہی رب العُلا اُدھر دیکھا
گدا کو شاہ کرے شاہ کو گدا شائقؔ
یہ اُس کے قبضۂ قدرت میں سربسر
دیکھا 8

کلیات شائق میں حمد کے بعد نعتیں شروع ہیں۔

جلوہ دکھلایئے اے شافع محشر اپنا
حال فرقت میں ہوا جاتا ہے ابتر اپنا
کفش بردارِ نبی میں ہوں اے شائق
مشہور
رُتبہ شاہوں سے بھی ہے افضل و برتر اپنا9

ضروری نوٹس

(راجا رشید محمود نے ماہنامہ ’نعت‘ لاہور کا شمارہ 9،ستمبر 1989ء ’اُردو کے صاحب کتاب نعت گو‘ (حصہ سوم) سے موسوم کیا ہے۔ راجا رشید محمود نے شائق دہلوی کے بارے میں مختصر معلومات دی ہیں۔ جب کہ دیگر تذکرہ نگار شائق دہلوی کے سلسلے میں خاموش ہیں۔

اُردو کے صاحب کتاب نعت گو (حصہ سوم) میں راجا رشید محمود ’گلگشت بہشت‘ کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

”میر سیّد علی کلیاتِ شائق (مرتبہ سید انور علی انور) سید پبلی کیشنز، کراچی 1982ء (گلگشتِ بہشت پہلی بار 1964ء میں چھپا۔ پھر اسے کلیاتِ شائق میں بھی شامل کردیا گیا، صفحات 72)۔ اس دیوان میں 3حمدیں، 72نعتیں، 4مخمس، 7مسدس، ایک ترجیع بند، ایک مناجات اور 2مناقب ہیں۔ آخر میں ایک قطعۂ تاریخ اختتام بھی ہے۔ 1910ء میں میراعظم علی خاں شائق حیدرآبادی کا مجموعہ نعت و منقبت”کلیاتِ

شائق" کے نام سے چھپا۔ (ص 21)

☆☆☆

تمام و نا تمام   ڈاکٹر عاصؔی کرنالی   1994ء

"تمام و نا تمام" ڈاکٹر عاصی کرنالی کا شعری سرمایہ تا 1994ء پر مشتمل ہے۔ عاصی کرنالی نے اس کتاب کو اپنے گھر 45، شالیمار کالونی، بوسن روڈ ملتان سے شائع کیا ہے۔ بڑے سائز کے 678 صفحات پر مشتمل ہے۔ تمام و نا تمام یعنی کلیات شعری کی قیمت -/360 روپے ہے۔ مجلد شائع ہونے والی اس کتاب کو اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔ [10]

کلیات شعری تمام و نا تمام میں آٹھ مجموعے شامل ہیں۔ رگِ جاں، جشنِ خزاں، چمن اور میں محبت ہوں غزل کے مجموعے ہیں۔ جبکہ چار ہی مجموعہ ہائے کلام نعتیہ مدحت، نعتوں کے گلاب، جاوداں اور حرف شیریں شامل ہیں۔ [11]

اس کے علاوہ ایک کتاب علیحدہ سے "آوازِ دل" کے نام سے 2006ء میں شائع ہو چکی ہے جس میں تمام و ناتمام کے بعد کی نعتیں شامل ہیں۔

تمام و ناتمام کے لکھنے والوں میں سیّد قمر زیدی، عبدالمجید سالک، ماؔہر القادری، عاصی کرنالی، ڈاکٹر اسد اریب شامل ہیں۔

شیخ وزیر محمد کے فرزند عاصؔی کرنالی کا پیدائشی نام شریف احمد ہے۔ 2 جنوری 1927ء کو کرنال مشرقی پنجاب، بھارت میں پیدا ہوئے۔ ایم اے اُردو، ایم اے فارسی تھے۔ ذریعہ معاش درس و تدریس تھا۔ گورنمنٹ ملت کالج ملتان کے پرنسپل رہے۔

مسرت کی بات یہ ہے کہ آپ نے "اُردو حمد و نعت پر فارسی روایت کا اثر" کے موضوع پر اعلیٰ تحقیق پیش کر کے (پی ایچ-ڈی) کی سند حاصل کی۔ مستقل قیام ملتان میں تھا۔

عاصؔی کرنالی 20 جنوری 2011ء کو ملتان میں انتقال کر چکے ہیں۔ [12]

ڈاکٹر عاصؔی کرنالی ایک قادر الکلام اور زود گو شاعر تھے۔ ابتدا میں آپ کا شمار غزل گو

شعرا میں ہوتا تھا بعد ازاں پھر لالہ زارِ نعت میں بھی آپ کی نعتوں کی گونج سنائی دینے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نعتوں کے مجموعوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ''اُردو حمد و نعت پر فارسی روایت کا اثر'' مقالہ برائے پی ایچ-ڈی بھی نعت سے اسی قوی تعلق کی روشن دلیل ہے۔

عاصؔی کرنالی زبان و بیان پر قدرت رکھتے تھے آپ کی نعتیہ شاعری نعتیہ ادب میں ایک موثر حوالہ ہے۔ آپ کی کہی یہ حمد باری تعالیٰ تو بہت معروف ہے۔

نقش ترا فزوں فزوں، نام ترا رواں رواں

مدح تری سخن سخن، وصف ترا بیاں بیاں

کام مرا خطا خطا، شان تری عطا عطا

میرے خدا کرم کرم، میرے کریم اماں اماں 13

اس نعت کے رنگ و آہنگ کو ملاحظہ کیجیے۔

ہے ہر زباں پہ ورد محمد کے نام کا

گلشن مہک رہا ہے درود و سلام کا

سیرت کو پڑھ رہا ہوں خدا کے رسول

کی

مفہوم جاننا ہے خدا کے کلام کا

عاصؔی! کھلے ہیں قلب میں عشق نبی کے

پھول

اس باغ میں عمل ہے بہارِ دوام کا 14

کلیاتِ راقبؔ قصوری مرتب محمد صادق قصوری مئی 1996ء

''کلیات راقبؔ قصوری'' منشی امام الدین المعروف راقبؔ قصوری کے مجموعہ ہائے کلام پر مشتمل ہے۔ اس کے مرتب معروف تذکرہ نگار و ادیب محمد صادق قصوری ہیں۔ عمیر

پبلشرز میاں مارکیٹ اُردو بازار لاہور اس کے ناشر ہیں۔ مئی 1996ء میں شائع ہونے والی یہ کلیات 160 صفحات پر مجلد شائع ہوئی ہے۔ 15؎ اس کی قیمت -/90 روپے ہے۔ یہ کتاب بغرض تبصرہ (راقم الحروف) کے ماہنامہ حمد و نعت کراچی کے لیے محمد صادق قصوری نے 14 جون 1996ء بروز جمعۃ المبارک کو بھیجی تھی۔

''کلیاتِ راقبؔ قصوری'' حقیقتاً کلیات نعت کی تعریف پر پوری اُترتی ہے۔ اس میں راقبؔ قصوری کا اُردو و پنجابی نعتیہ کلام اور متفرق کلام شامل ہے۔ اس کتاب پر صادق قصوری کا معلوماتی اور حقیقت کشا مقدمہ ''سخن اوّلیں'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ جس میں مرتب موصوف نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ عموماً تحقیق نگار اتنی محنت نہیں کرتے۔ صادق قصوری نے کُل کے ساتھ جزیات کا بھی ذکر کیا ہے۔

صادق قصوری نے راقبؔ قصوری کے درج ذیل نعتیہ مجموعہ ہائے کلام کا ذکر کیا ہے۔ 16؎ تحفہ راقب حصہ اوّل الموسوم خلعت نوری، رسول اللہ دی مہجوری، روضے مبارک دی چوری، مولا دی منظوری، مدینے پاک دی کستوری، نبی کریم دی دوری، حضرت دی حضوری، جب کہ پروفیسر ڈاکٹر شہباز ملک صدر شعبہ پنجابی اورینٹل کالج لاہور کی تحقیق کے مطابق جمالِ محبوب، نعتیات راقب، نعتاں، راقب دیاں نعتاں بھی طبع ہو چکی ہیں۔ 17؎

راقبؔ قصوری کا خاندانی نام امام الدین تھا۔ اپریل 1883ء میں بابا بلّھے شاہ کی نگری قصور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت پردۂ خفا میں ہے۔ البتہ یہ بات مسلّم ہے کہ انھیں بچپن سے ہی شاعری کا شوق دامن گیر تھا۔ چنانچہ اُردو شاعری اور زبان سیکھنے کے لیے دہلی اور آگرہ گئے۔ پہلے تلمیذ داغ ارشد نسیم بھرت پوری اور بعد ازاں اُستاد داغ دہلوی سے بھی اصلاح لیتے رہے۔

راقبؔ قصوری سنوسئی ہند حضرت پیر سیّد حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ راقبؔ قصوری کی وفات 29 ربیع الاوّل شریف ۱۳۵۵ھ

مطابق جون 1936ء بروز جمعۃ المبارک فیروز پور (انڈیا) میں ہوئی اور وہیں آخری آرام گاہ بھی ہے۔

آپ کا شمار مستند اور قادر الکلام شعرا میں ہوتا ہے۔ پنجابی نعتیہ شاعری کی طرح اُردو نعت میں بھی راقب کا پلّہ بہت بھاری ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔ راقب کی حمد یہ تب و تاب دیکھیے۔

فقر و فاقہ میں بھی عاشق ہوں خدا کے نور کا
باندھنے کو پیٹ پر پتھر ہو کوہِ طور کا[18]

نعتیہ اشعار : ثنا خواں سب زمانہ ہے ثنا خوانِ محمد کا
بشر تو کیا خدا خواہاں ہے خواہانِ محمد کا[19]

اُردو نعتیہ کلام کے آخر میں یہ نعت درج ہے :
یہی ہے آرزو اپنی کوئی ایسا بہانہ ہو
فقط میں ہوں مرا سر ہو نبی کا آستانہ ہو[20]

☆☆☆

مقصودِ کائنات (ادیب رائے پوری) مرتب: شہزاد احمد اکتوبر 1998ء

''مقصودِ کائنات'' سیّد حسین علی ادیب رائے پوری کا بظاہر مجموعہ نعت ہے مگر اندرونی سرورق پر حضرت ادیب رائے پوری کے مکمل نعتیہ کلام پر مشتمل کی سرخی موجود ہے۔ اس کی ترتیب و تدوین کا شرف راقم الحروف (شہزاد احمد) کو حاصل ہے۔ الحمدللہ! یہی اب کلیات ہے۔ اکتوبر 1998ء میں مدحت پبلشرز کراچی، اے 837 بلاک ایچ، شمالی ناظم آباد کراچی نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا تھا۔ 400 صفحات پر محیط اس کتاب کا ہدیہ درج نہیں۔[21]

''مقصودِ کائنات'' میں ''اُس قدم کے نشاں'' تصویر کمالِ محبت اور بعد میں کہا جانے والا تمام کلامِ نعتیہ شامل ہے۔ ادیب رائے پوری نے زمانی یعنی کتابی اعتبار سے مقصودِ کائنات کی ترتیب کی اجازت نہیں دی لہٰذا تمام کلام کو مختلف عنوانات کے تحت یکجا کر دیا گیا

ہے۔ارمغانِ ادیب کے نام سے راقم نے مارچ 2002ء میں ادیب رائے پوری کی مشہور و معروف نعتوں کا انتخاب ارمغانِ ادیبؔ بھی شائع کیا تھا جس میں 2002ء تک کا سب کلام شامل ہے۔ اسے قطب مدینہ پبلشرز کراچی نے شائع کیا تھا۔

اس کلیات پر لکھنے والوں میں ادیب رائے پوری، راقم الحروف (شہزاد احمد)، تابش دہلوی، حنیف اسعدی، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر کلیم صدیقی، حضرت صبغۃ اللہ المجد دی، محمد عبدالرحمٰن صدیقی، عمران این حسین، زینل اے خان، حکیم محمد سعید، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر اسلم فرخی، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، سحر انصاری، ڈاکٹر خورشید خاور امروہوی، سید نسیم احمد، ایس ایم رفیق، ڈاکٹر ہلال جعفری، مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی اور طارق سلطان پوری کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

ادیب رائے پوری کا پیدائشی نام سیّد حسین علی ہے۔ ادیبؔ تخلص اور رائے پوری علاقائی نسبت ہے۔ 1928ء میں رائے پور (سی-پی) مدھیہ پردیش (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔

ادیبؔ رائے پوری ایم اے (اُردو) تھے۔ عرصہ دراز سے شعروادب کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ فداؔ خالدی دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ آپ کو سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے ایک معروف بزرگ حضرت قبلہ محمد آفاق سہروردی قادری سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔

آپ کا انتقال 16 اکتوبر 2004ء یعنی یکم رمضان المبارک کو ہوا۔ میوہ شاہ قبرستان کراچی میں مدفون ہیں۔22 ادیبؔ رائے پوری اس عہد کے عظیم شاعر تھے۔ آپ نے نعت گوئی، نعت فہمی اور نعت خوانی کے شعبے میں لازوال خدمات انجام دیں۔ قابل ذکر کارناموں میں سب سے پہلا ماہنامہ ''نوائے نعت'' کراچی، پاکستان نعت اکیڈمی کا قیام، سلور جوبلی ایوارڈ اور عالمی نعت کانفرنسز شامل ہیں۔

آپ کی نعتیں زبانِ زد خلائق اور آپ کی نعتوں کی گونج ملک کے طول وعرض میں آج بھی سنائی دیتی ہے۔ آپ کی نعتیں مقبولِ عام اور شہرت دوام کے مقام پر فائز ہیں۔

مقصودِ کائنات کا حسن آغاز حمد و مناجات سے ہوا ہے۔ حمد کا شعر ملاحظہ کیجیے۔

تیرے ذکر سے مری آبرو تیری شان جلّ جلالہٗ

تو میرے کلام کا رنگ و بو تیری شان جلّ جلالہٗ

3 ۲۳

اس کے بعد پھر ادیب رائے پوری نے نعتیں کہی ہیں۔

ثنائے احمد مرسل میں جو سخن

لکھوں

اسی کو ندرت فکر و کمال فن لکھوں ۲۴

☆☆☆

کلیاتِ ظہور (حافظ محمد ظہور الحق ظہوؔر) مرتب: رؤف امیر جولائی 1999ء

''کلیاتِ ظہور'' حافظ محمد ظہور الحق ظہوؔر کے متفرق مجموعہ ہائے کلام پر محیط ہے۔ اس کے مرتب رؤف امیر ہیں۔ معاذ پبلی کیشنز مکان 910، گلی 107، جی 4/9، اسلام آباد نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ 508 صفحات پر مشتمل یہ کتاب جولائی 1999ء میں -/300 روپے قیمت کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔ 5 ۲

کلیاتِ ظہوؔر چھ شعری مجموعوں پر مشتمل ہے۔ ان میں چار مجموعے اُردو اور دو فارسی میں ہیں۔ اُردو مجموعہ ''زمزمہ حق'' اور فارسی مجموعے حرف محبت اور نقش خیال الگ بھی شائع ہو چکے ہیں۔ زمزمۂ حق کے حصہ اوّل (لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ) میں حمد و مناجات شامل ہیں۔ حصہ دوم (محمد رسول اللّٰہ) ثنائے رسول سے مزین ہے۔ حصہ سوم (اصحابی کالنجوم) یعنی مدح صحابہ و مناقب امامِ عالی مقام سے روشن

ہے۔ حصہ چہارم (ان الدین عنداللہ الاسلام) اور حصہ پنجم ارض پاک سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ شخصیات، غزلیات، متفرقات، حرف محبت اور نقش خیال (فارسی) بھی اس کلیات کا حصہ ہے۔ 26

کلیاتِ ظہور پر لکھنے والے پروفیسر رؤف امیر، ڈاکٹر ظہیر فتح پوری، عبداللہ مظاہری، دکتر سیّد علی رضا نقوی، محمد حسین تسبیحی، حافظ محمد ظہور الحق ظہوؔر، دکتر محمد جعفر مجحوب، رایزن فرہنگی، دکتر علیقلی محمودی بختیاری، محمد اظہارالحق اور افتخار عارف ہیں۔

پیدائشی نام محمد ظہور الحق اور تخلص ظہوؔر ہے۔ 14 اپریل 1923ء مطابق ۱۵/شعبان ۱۳۴۱ھ کو ضلع کیمبل پور (پنجاب) کی تحصیل فتح جنگ کے گاؤں جھنڈیال میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا غلام محمد مرحوم ایک صاحب علم وفضل ہستی کے مالک تھے۔ آپ کا تعلق شعبہ درس و تدریس سے ہے۔ جدید فارسی لکھنے پڑھنے اور بولنے والوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ خانہ فرہنگ ایران سے فارسی ادب کے کئی امتحانات میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں دو مرتبہ ایران کی سیاحی بھی کر چکے ہیں۔ 27

کلیات ظہور کی اشاعت جولائی 1999 میں ہوئی۔ اُس وقت آپ الحمدللہ! بقید حیات تھے۔ اللہ آپ کو تادیر سلامت باکرامت رکھے۔ آپ کے پسندیدہ موضوعات میں قرآن و حدیث، حمد و نعت، صحابہ و دین اور وطن و اسلاف شامل ہیں۔

حافظ صاحب اُردو کے خوش گوار اور خوش فکر شاعر ہیں۔ آپ فارسی میں بھی شعر کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں اُستادانہ مہارت کے ساتھ ساتھ وقار اور متانت کا عنصر بھی شامل ہے۔ آپ کی حمدیہ، نعتیہ و منقبتیہ شاعری بھی لائق تحسین ہے۔ جب کہ ملّی شاعری سے آپ کو خصوصی رغبت ہے۔

محمد ظہور الحق ظہوؔر کی کلیات ظہور کا حسنِ آغاز حمد و مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات سے ہوتا ہے۔

سزاوارِ عبادت لائقِ حمد و ثنا تو ہے

نگہبانِ زمین و آسماں رب العُلا تو ہے

8 2ے

اس کلیات کی پہلی نعت کا رنگ و آہنگ ملاحظہ کیجیے۔

محمد کا ہمسر جہاں میں نہیں ہے

زمیں میں نہیں آسماں میں نہیں ہے

ادا کس سے ہو ان کی تعریف کا حق

یہ وسعت کسی کے بیاں میں نہیں

ہے 9 2ے

☆☆☆

کلیاتِ بیچین بیچینؔ رجپوری بدایونی 2003ء

''کلیاتِ بیچین'' بیچینؔ رجپوری بدایونی کے متعدد مجموعہ ہائے کلام پر مشتمل ہے۔ 2003ء میں اسے نعتیہ لائبریری، مکتبہ بیچین 27-1 ، وحدت کالونی، وحدت روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔کلیات بیچین جلد اوّل کی قیمت -/150 روپے ہے (تینوں جلدوں کے صفحات 1292 ہیں) 0 3ے

''کلیات بیچین'' چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اوّل میں بیچین رجپوری کے پانچ مجموعہ ہائے نعتیہ، جلد دوم میں پانچ مجموعہ ہائے نعتیہ اور جلد سوم میں چار مجموعہ ہائے کلام نعتیہ شامل ہیں۔ جلد اوّل میں تجلائے حرم، اضواء رحمت رحمان، لمعات مُرتاضِ حریٰ، تاجدارِ مرسلاں، شمع حرم۔ جلد دوم میں ضوبارِ حرم، فخرِ رُسل، شہ اُمم آقا حضور، حبیب ذی المنن، فیضان محسن اعظم، اضاعتِ سرورِ کونین۔ جلد سوم سدا دُالاعمال، موسومہ مناظر قدرت، تابستان (غزلیات)، آپ کی شخصیت پر تبصرے شامل ہیں۔ جلد چہارم تشنہ طبع ہے جب کہ اس کلیات

میں نیّر حرم شامل نہیں۔ 31 نیر حرم سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے 1988ء میں شائع کیا تھا۔

کلیاتِ بیچین پر لکھنے والوں میں شفیق مرزا، ڈاکٹر تبسم رضوانی، اور حکیم حافظ محمد یوسف کے نام شامل ہیں۔

بیچین رجپوری کا پیدائشی نام سیّد محمد حسین، بیچین تخلص اور رجپوری علاقائی نسبت ہے۔ جولائی 1911ء میں رجپورہ ضلع بدایوں (انڈیا) میں ایک کاشتکار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ جہاں گیر آباد اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ سے کون واقف نہیں۔ اسی جہانگیر آباد ضلع بلند شہر سے بے چین رجپوری کا تعلق ہے۔ غزل سے ان کی شاعری کا آغاز ہوا۔

بیچین رجپوری، سعدی شیرازی، حافظ شیرازی، مولانا جامی، انوری اور حسان بن ثابت جیسے بزرگوں کو اپنا روحانی اُستاد تسلیم کرتے ہیں۔ عربی، فارسی اور ہندی زبان میں بھی شعر کہتے ہیں۔ بیچین صاحب نظم، غزل، قطعہ، رباعی، گیت میں کامل دسترس رکھتے ہیں، مگر نعت کے میدان میں بہت آگے ہیں۔ 2 3

قیام پاکستان کے بعد بیچین صاحب جہانگیر آباد سے اپنے برخوردار کے ساتھ 1954ء میں لاہور آگئے۔ پہلے دوموریا پل کے پاس فضل گنج اور پھر نولکھا پارک فیض آباد میں رہائش رہی۔ یہ نعتیں صرف ان کے پچاس سال کی محنت کی ایک جھلک ہیں۔ روزنامہ جنگ لاہور 25 مئی 2001ء کے مطابق گزشتہ دن 92 سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

کلیاتِ بیچین کی جلد اوّل میں تجلائے حرم کے نام سے کلامِ نعتیہ میں یہ رباعی موجود ہے۔

کیا مدح تمہاری ہو خدا کے محبوب!\
تخلیق خلائق ہے تمہیں سے منسوب!\
مختار دو عالم کے ہو تم ظلِ الٰہ!\
پس خوبیاں ہم سے ہوں بھلا کیا محسوب! 33

ضروری نوٹس

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے مرتب کردہ اوج نعت

نمبر جلد اوّل میں ”نعت گو شعرا سے قلمی مذاکرہ “
کا آغاز بیچینؔ رجپوری (ص 404) کے نام سے ہوا ہے۔ جب کہ
راجا رشید محمود نے ماہنامہ نعت لاہور کا شمارہ 90
جلد 7 ستمبر 1994ء ”بے چینؔ رجپوری کی نعت“ سے موسوم کیا
ہے۔

☆☆☆

کلیاتِ اعظم محمد اعظم چشتی اشاعت خاص 2005ء

”کلیاتِ اعظم“ محمد اعظم چشتی پہلے اکتوبر 2000ء میں پھر اس کی اشاعت خاص 2005ء میں بھی ہوئی۔ اس کی دونوں اشاعتیں خزینۂ علم و ادب الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور نے شائع کیں۔ 672 صفحات پر محیط اس کلیات اعظم کی قیمت -/250 روپے ہے۔ [34]

کلیاتِ اعظم کی ترتیب میں غذائے روح، رنگ و بو، نیر اعظم، اُنیندرے اور معراج یعنی پانچ مجموعہ ہائے کلام شامل ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد چھپنے والا مجموعہ معراج بھی اس میں شامل ہے۔

محمد اعظم پیدائشی نام، اعظم تخلص اور اعظم چشتی پہچان رہی۔ اعظم چشتی 15 مارچ 1921ء کو ضلع فیصل آباد کے ایک گاؤں بُرج چک نمبر 102 میں پیدا ہوئے۔ [35] آپ کے والد گرامی محمد دین چشتی درویش منش صوفی، عالم اور طبیب حاذق تھے۔

1937ء میں لاہور آئے۔ تو نعت خوانی کے لیے حکیم فضل الٰہی کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ ابوالحسنات مولانا سیّد محمد احمد قادری کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیے اور درسِ نظامی اور طبِ اسلامی میں مہارت حاصل کی۔ علم موسیقی سے آگاہی کے لیے اُستاد برکت علی خاں کی شاگردی اختیار کی۔ اس کے ساتھ ہی فن کتابت میں بھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ [36]

کلیاتِ اعظم میں لکھنے والوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔ محمد اعظم چشتی، غلام مصطفیٰ تبسم، کوثر نیازی، سیّد انور حسین، نفیس رقم، احمد ندیم قاسمی، رؤف شیخ، جمشید اعظم

چشتی، حفیظ تائب۔

اُن کے صاحبزادے جمشید اعظم چشتی ''معراج'' کے عرض نامہ میں رقم طراز ہیں۔

''1990ء کے بعد انھوں نے نعت گوئی کے ساتھ ساتھ نعت خوانی سے بھی (ظاہراً) کنارہ کشی اور مکمل خلوت نشینی اختیار کر لی تھی۔ وصال 31 جولائی 1993ء میں ہوا۔'' 37

کلیاتِ اعظم کا حسن آغاز زمانی اعتبار سے شائع ہونے والے پہلے مجموعہ کلام ''غذائے روح'' کی اس حمد سے ہوا ہے۔

ثنا گو پتّہ پتّہ ہے خدایا دم بہ دم تیرا

زمین و آسماں تیرے، ہے موجود و عدم تیرا

جو دنیا میں ترا کھا کر ترے شکوے کریں یارب

تعجب ہے کہ اُن پر بھی رہے لطف و کرم تیرا 38

اعظم چشتی کی اس کلیات کی آخری نعت جو متفرق اشعار سے پہلے ہے۔ اُس کا رنگ و آہنگ ملاحظہ کیجیے جس میں رفعت خیال کی بلندی اور حسن بیان کی رعنائی دونوں شامل ہیں۔

وہ رفعتِ خیال وہ حسن بیاں نہیں

جو کچھ کہا، حضور کے شایانِ شاں نہیں

پاسِ ادب ہے شرط متاعِ ہنر کے ساتھ

یہ کوچۂ حبیب ہے کوئے بتاں نہیں 39

(طاہر سلطانی نے اپنی مرتبہ کتاب اُردو حمد کا ارتقاء کے صفحہ 121 پر محمد اعظم چشتی کا نام ایک نئی اختراع ''خان'' کے ساتھ لکھا ہے۔ طاہر سلطانی کی تحریر کا انداز دیکھیے ''محمد اعظم خان، اعظم چشتی'' لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب کیا حقیقت ہے، اب اعظم چشتی مرحوم کے

صاحبزادے جمشید اعظم ہی اس قضیے کو حل کر سکتے ہیں۔)

☆☆☆

کلیاتِ حفیظ تائب (حمد و نعت) حفیظ تائبؔ اپریل 2005ء

''کلیاتِ حفیظ تائبؔ'' حفیظ تائبؔ کے متفرق مجموعہ ہائے کلام پر مشتمل ہے۔ اپریل 2005ء میں القمر انٹر پرائزرز رحمان مارکیٹ اُردو بازار لاہور نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ 696 صفحات پر محیط اس کتاب کی قیمت -/500 روپے ہے۔ **40** طاق حرم کے نام سے 2010ء میں ایک مجموعہ نعت شائع ہو چکا ہے جو اس کلیات میں شامل نہیں۔

اس کلیاتِ حمد و نعت میں صلوا علیہ وآلہ، سک متراں دی، وسلموا تسلیما، وہی یٰسین وہی طٰہٰ، مناقب (مجموعہ مناقب) کوثریہ، نسیب (مجموعہ غزل)، تعبیر (قومی و ملی منظومات) پر مشتمل مجموعہ ہائے کلام شامل ہیں۔ الحمدللہ! جن میں زیادہ تعداد نعتوں کی ہے۔ اس کلیات میں ان کا غیر مدوّن کلام نعتیہ بھی طبع ہوا ہے۔

''حفیظ تائب فاؤنڈیشن'' کے اغراض و مقاصد ایک صفحہ پر شائع کیے گئے ہیں۔ جب کہ ''تقدیم'' کے عنوان سے خورشید رضوی کا شاعری پر مضمون ہے۔ پوری کلیاتِ حمد و نعت میں حفیظ تائبؔ کے بارے میں کُلّی تو کجا جزوی معلومات کا بھی فقدان ہے۔ اس کلیات کا قاری شعبۂ نعت کے اتنے بڑے خدمت گزار کے فقید المثال اور لازوال نعتیہ کارناموں کی معلومات سے محروم رہے گا۔

''حفیظ تائب'' ادبی نام، پیدائشی نام عبدالحفیظ اور تخلص تائبؔ ہے۔ آبائی وطن احمد نگر ضلع گوجرانوالہ ہے۔ حفیظ تائب 14 فروری 1931ء کو پشاور اپنے ننھیال میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد گرامی مولانا الحاج چراغ دین قادری سروری سفر نامۂ صبح ''تحفۃ الحرمین'' کے مصنف ہیں۔ حفیظ تائب نے 1974ء میں ایم اے پنجابی (پرائیویٹ) کیا۔ منصبی مصروفیات میں محکمہ واپڈا سے وابستگی کے بعد پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے شعبہ پنجابی سے وابستہ رہے۔ لیکچرار کُل وقتی اور جزوقتی اُستاد کے طور پر خدمات انجام دیتے

رہے ۔ 2 4ے

آپ کا انتقال 13 جون 2004ء بمطابق ۲۴/ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ بروز اتوار رات 12 بج کر 25 منٹ پر ہوا۔ آپ کی تدفین کریم بلاک قبرستان علامہ اقبال ٹاؤن لاہور میں ہوئی۔ 3 4 ے

کلیات حفیظ تائب کو کتابی زمانی اعتبار سے نہیں بلکہ موضوعات حمد و مناجات، نعت رسول مقبول اور غیر مدوّن کلام کے عنوانات کے تحت ترتیب دے دیا گیا ہے۔ بلاشبہ تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام تو یکجا ہو گیا ہے مگر زمانی اعتبار سے کتب کی تفصیل اس میں موجود نہیں۔

حفیظ تائب نعت کے حوالے سے عہد حاضر کا ایک مستند حوالہ ہیں آپ کی نعتیہ شاعری عوام و خواص کی توجہ کا مرکز ہے۔ آپ کی مقبولِ عام نعتیں اکثر سماعت گوش ہوتی ہیں۔

اس کلیاتِ حمد و نعت کا حسن آغاز اللہ رب العزت کی حمد و مناجات سے ہوا ہے۔ حمد کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

کس کا نظام راہ نما ہے اُفق اُفق
کس کا دوام گونج رہا ہے اُفق اُفق
کس کی طلب میں اہل محبت ہیں داغ
داغ
جس کی ادا سے حشر بپا ہے اُفق اُفق 4ے4

حفیظ تائب کی کلیات کا اختتام اس پنجابی نعت پر ہوا ہے۔

قرض تیرے پیار دا آقا اُتاراں کس طرح
بلدا سینہ تیری اُمت دا میں ٹھاراں کس طرح

5 4ے

کلیاتِ قادری (مجموعہ حمد نعت و مناقب) بااہتمام ڈاکٹر فریدالدین قادری دوم- جون 2005ء

''کلیاتِ قادری'' مولانا محمد غلام رسول القادری کی حمد و نعت اور مناقب پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر صاحبزادہ فریدالدین قادری نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے ناشر

قادری پبلی کیشنز قادری مسجد سولجر بازار کراچی نمبر 3 ہیں۔ کلیاتِ قادری کی اشاعت اوّل فروری 1985ء اور اشاعت دوم جون 2005ء ہے۔ 376 صفحات پر مشتمل یہ کلیات غیر مجلد -/35 روپے ہدیہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ 46

ڈاکٹر صاحبزادہ فریدالدین قادری نے اپنے جدّ امجد مولانا الحاج حافظ قاری الشاہ محمد غلام رسول قادری علیہ الرحمہ کا منظوم کلام ''کلیاتِ قادری'' کی صورت میں شائع کر دیا ہے۔ جو حمد و نعت اور مناقب پر مشتمل ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے صرف ایک صفحہ کا ''پیش لفظ'' لکھا ہے جو ناکافی ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

> ''1985ء میں آپ کے تمام منظوم رسائل کو ''کلیاتِ قادری'' کی صورت میں یکجا کر دیا گیا البتہ کچھ منظومات شائع ہونے سے رہ گئی تھیں جنھیں اب دوسرے ایڈیشن میں اضافہ کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔'' 47

ڈاکٹر فریدالدین قادری نے صرف ایک صفحہ کا ''پیش لفظ'' لکھا ہے۔ غلام رسول قادری کے حوالے سے کوئی معلومات کلیات میں موجود نہیں۔ جس کی وجہ سے شدید تشنگی محسوس ہوتی ہے۔

پیدائشی نام محمد غلام رسول، تخلص غلاؔم اور قادری نسبت ہے۔ جب کہ شہرت مولانا غلام رسول قادری کے حوالے سے ہے۔ ۱۳۰۶ھ مطابق جولائی 1886ء میں صدر کراچی (سندھ) میں پیدا ہوئے۔ بروز منگل ۱۸/جمادی الاوّل ۱۳۹۱ھ مطابق 13 جولائی 1971ء میں کراچی میں وصال ہوا۔ قادری مسجد سولجر بازار کراچی میں مدفون ہیں۔ نشتر پارک کراچی میں آپ کی نمازِ جنازہ حضرت حافظ یوسف علی جے پوری المعروف عزیز پاکستانی، عزیز الاولیاء نے پڑھائی۔ 48

مولانا غلام رسول قادری کا شمار قادرالکلام شعرائے کرام میں ہوتا ہے۔ آپ کا حمد و

نعت پر مشتمل کلام مقبول بارگاہ ہے۔ آپ کی کہی گی مناقب بھی مقبول عام ہیں۔ آپ کا مزاج حمد ونعت اور مناقب سے خصوصی مناسبت رکھتا ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری جذب واثر سے پُر ہے۔ سلاست و روانی آپ کے کلام کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ آپ کی کہی مشہورِ زمانہ حمد تقریباً محافل کی زینت ہوتی ہے۔ اس حمد کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

کون و مکاں میں ہے اللہ، دونوں جہاں میں ہے اللہ
جسم میں جاں میں ہے اللہ لا اِلٰہ اِلا اللہ
کھل جائیں در جنت کے دوزخ کی سب آگ بجھے
دل سے کوئی اک بار کہے لا اِلٰہ اِلا اللہ 49

آپ کا قصیدۂ مدحیہ بہت مشہور و مقبول ہے۔ آپ کا کلامِ نعتیہ زبان زدِ خلائق ہے۔

دو جہاں میں ہے رواں سکہ رسول اللہ کا
دونوں عالم پڑھتے ہیں کلمہ رسول اللہ کا
آپ سلطان الرسل ہیں اور ختم الانبیا
کیا بیاں انساں سے ہو رُتبہ رسول اللہ کا 50

ضروری نوٹس

(کلیاتِ قادری میں مولانا محمد غلام رسول قادری کے بارے میں معلومات موجود نہیں۔ البتہ ڈاکٹر صاحبزادہ فریدالدین قادری نے اپنے پی ایچ-ڈی کے مقالے میں اپنے جدّ بزرگوار کا تفصیلی ذکرخیر کیا ہے۔

ڈاکٹر فریدالدین قادری کی تحقیق 'سندھ کے اکابرین قادریہ کی علمی و دینی خدمات' (۱۱۹۸ھ تا ۱۴۱۳ھ) (مطبوعہ : قادری پبلی کیشنز، کراچی، 1998ء) پر مشتمل ہے۔ جس پر فاضل مقالہ نگار کو پی ایچ-ڈی کی سند تفویض ہوئی ہے۔ زیر نظر مقالے میں سلسلہ قادریہ سے نسبت رکھنے والے صوبۂ سندھ کے علما و صوفیا میں سے

اکاون (51) دینی و علمی شخصیات کے حالات و کارناموں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے یہ ایک لائق تحسین کام ہے۔ اس میں تصوف کے حقائق و معارف پر بھی سیرحاصل گفتگو کی گئی ہے۔)

☆☆☆

کلیاتِ عنبر شاہ وارثی ترتیب عشرت ہانی و نور محمد وارثی مارچ 2006ء

''کلیاتِ عنبر شاہ وارثی'' حضرت سیّد خواجہ عنبر شاہ وارثی چشتی اجمیری کے کلام پر مشتمل ہے۔ جس کی ترتیب و تدوین عشرت ہانی و نور محمد وارثی صدیقی کے نام سے ہوئی۔ مارچ 2006ء میں اسے حضرت عنبر شاہ وارثی پبلی کیشنز قبرستان جونا دھوبی گھاٹ کراچی نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی یہ بار سوم اشاعت 276 صفحات پر مشتمل مجلد شائع ہوئی ہے۔ [51]

کتاب کے اندرونی صفحات پر کلیات ''العشق ہواللہ'' درج ہے۔ کلیات عنبر شاہ وارثی ثانیاً خواجہ دلبر علی شاہ وارثی کی کاوش ہے جس کی ترتیب و تدوین میں تکلفاً عشرت ہانی و نور محمد وارثی کے نام دے دیئے گئے ہیں۔

کلیاتِ عنبر شاہ وارثی پر لکھنے والوں میں قمر وارثی، افتخار احمد عدنی، محمد یونس وارثی اور محمد فقیہہ وارثی شامل ہیں۔

یہ کتاب ''کلیات'' کے زمرے میں شامل نہیں۔ یہ مجموعہ کلام ہے۔ واضح رہے کہ اس کی اشاعت اوّل اگست 1991ء میں ''العشق ہواللہ'' کے نام سے ہو چکی ہے۔ العشق ہواللہ کو محمد یامینؔ وارثی نے مرتب کیا تھا۔ جسے مولانا محمد اکبر وارثی اکادمی اللہ والی مارکیٹ لانڈھی کراچی نے 168 صفحات پر شائع کیا تھا۔ اس کے اصل محرک اور مرتب یامین وارثی ہی ہیں۔ اس کام کو بعد میں دوسروں کے نام سے شائع کردیا گیا ہے۔

خاندانی نام سیّد عنبر علی، شہرت عنبر شاہ وارثی اور تخلص عنبر ہے۔ 1906ء میں سلطان الہند کی پریم نگری اجمیر شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد علامہ سیّد ظہور حسین چشتی

اجمیری معروف صوفی بزرگ اور عالم دین تھے۔ ابتدائی تعلیم والد کی زیر تربیت ہوئی۔ بعدازاں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف جیسی اعلیٰ درس گاہ اور علی گڑھ یونیورسٹی سے بھی فیض حاصل کیا۔

عنبر شاہ وارثی 13 سال کی عمر میں داخل سلسلہ وارثیہ ہوئے۔ بتوسط حیرت شاہ وارثی یہ سعادت آپ کو حاصل ہوئی۔ حضرت خواجہ مقصود شاہ وارثی کے ہاتھوں 1947ء دیوہ شریف میں آپ کی احرام پوشی ہوئی۔ فن شعر گوئی میں اختر مودودی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔

وارث نگری کا عنبر خوش نوا بروز پیر 5 مئی 1993ء کو سحابِ اجل کی اوٹ میں چھپ گیا۔ آپ کا مزار میوہ شاہ قبرستان جونا دھوبی گھاٹ کراچی میں مرجع خلائق ہے۔ 52

آپ ایک حقیقی صوفی مشرب شاعر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری میں حقیقت کا فطری رنگ نمایاں ہے۔ آپ کی شاعری میں حمد و نعت اور مناقب خصوصیت کے ساتھ شامل ہیں۔ اہل بیت اطہار کے حوالے سے بھی نظمیں کہی ہیں۔ آپ کی شاعری پر مشتمل مجموعہ کلام کی ہمہ گیریت ہر اہل عقیدت و محبت کی نگاہ میں مقدم ہی نہیں، مسلّم بھی ہے۔ صوفی ہونے کے ناتے آپ کے کلام میں عارفانہ رنگ موجود ہے۔

حصرت شیخ سعدی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے قطعات پر آپ کی تضمینات کو شہرتِ دوام حاصل ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کلام بھی آپ کی شاعری کی مقبولیت اور حسن قبول کی دلیل ہے۔

سر لامکاں سے طلب ہوئی سوئے منتہا وہ چلے نبی 53

☆

داتا سخی کریم یداللہ نامور 54

☆☆☆

حمد ربِ علا نعت خیرالوریٰ (راسخ عرفانی) مرتب: ثاقب عرفانی جون 2006ء

''حمد رب علا نعت خیرالوریٰ'' راسخ عرفانی کے حمدیہ و نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ اس کے مرتب ثاقب عرفانی ہیں۔ جون 2006ء میں یہ کلیات شائع ہوئی۔ اس کے ناشر بھی ثاقب عرفانی ہیں۔ ملنے کے پتے میں ایس ایس فاروق مکینیکل انڈسٹریز لیاقت روڈ گوجرانوالہ کا نام

شامل ہے۔ 624 صفحات پر مشتمل یہ کتاب -/600 روپے کی قیمت کے ساتھ مجلد شائع ہوئی ہے۔

''حمد رب عُلا نعت خیرالوریٰ'' راسخ عرفانی کا کلیاتِ حمد و نعت ہے جس میں ان کی نعتوں کے چھ مجموعہ ہائے کلام غبارِ حجاز، ارمغان حرم، ذکر خیر، حدیث جاں، نسیم منیٰ اور نکہت حرا شامل ہیں۔ 5 5ے

''حمد رب عُلا نعت خیرالوریٰ'' خوبصورت، دیدہ زیب اور بہت اہتمام سے شائع ہوئی ہے۔ ثاقب عرفانی نے اس کلیاتِ حمد و نعت کی غرض و غایت اور ضرورت کو دو صفحات میں واضح کیا ہے۔ بلاشبہ مرتب کی یہ کاوش نعتیہ ادب کے لیے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

اس کلیاتِ حمد و نعت پر لکھنے والوں میں ثاقب عرفانی، علامہ غلام یعقوب انورؔ ایڈووکیٹ، یعقوب طاہر، حکیم صوفی محمد شریف غیرت قادری، ڈاکٹر وحید قریشی، یزدانی جالندھری، طفیل ہوشیارپوری، رئیس امروہوی، عارف عبدالمتین، افکار کراچی، حفیظ تائب، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر سید عبداللہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

راسخ عرفانی کا اسم گرامی عبدالواحد تھا۔ راسخ عرفانی کے نام سے شہرت رکھتے تھے۔ 12 دسمبر 1914ء کو پیدا ہوئے۔ مستقل سکونت ڈائمنڈ بلڈنگ چوک نیائیں گوجرانوالہ میں تھی۔ ملک کے معروف عالم دین حضرت مولانا نور حسین گھرجاکھی آپ کے والد گرامی تھے۔ 6 5ے تاریخ وفات 1 9 9 0ء ہے۔

حفیظ تائب مرحوم راسخ عرفانی کی نعتیہ شاعری کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> ''راسخ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو ایمان کی ضیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو لفظ و بیاں کا نور سمجھتے ہیں۔ وہ تمام الفاظ کو منعوتِ جہاں کی امانت گردانتے ہیں اور نعت خوشنودئ محمد اور خدائے محمد کے لیے لکھتے ہیں۔ وہ نعت کو ہجوم کرب میں سکون کی سبیل

جانتے ہیں اور اپنے خون تک سے نعت سرکار لکھ جانے کے آرزومند

ہیں۔" 57

اس کلیاتِ حمد و نعت میں شامل غبارِ حجاز راسخ عرفانی کی حمد و نعت کا پہلا مجموعہ ہے جو 1961ء میں شائع ہوا۔ اس خوبصورت مجموعے کا حسنِ آغاز "حمد باری تعالیٰ" سے ہوا ہے۔

سب کا ہے تو سہارا اے مالکِ دو عالم

تو جان سے ہے پیارا اے مالکِ دو عالم 58

اس کلیات حمد و نعت کا آخری مجموعہ کلام نعتیہ "نکہت حرا" ہے اس مجموعے کی آخری نعت ملاحظہ کیجیے۔

نعت، توصیف حبیب کبریا　　　نعت مدحِ رہبر راہِ خدا

نعت، عکس سیرتِ میر اُمم　　　نعت عنوانِ ثنائے مصطفیٰ

نعت، توقیر کلام اہل فن　　　نعت ذکر شافع روزِ جزا 59

☆☆☆

طاہرین (سیّد وحیدالحسن ہاشمی) ترتیب و تدوین: ڈاکٹر سیّد شبیہہ الحسن دوم 2006ء

"طاہرین" میں نعتیں و مناقب اور سلام شامل ہیں۔ اس کے شاعر سید وحیدالحسن ہاشمی ہیں۔ طاہرین کے ترتیب و تدوین کار ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ہیں۔ طاہرین بارِ دوم 2006ء میں الحسن پبلی کیشنز 253-ایف رحمان پورہ اچھرہ لاہور کا طبع شدہ ہے۔ 624 صفحات پر محیط طاہرین کی قیمت -/500 روپے ہے۔ 60

طاہرین نعتیں، مناقب اور سلام کا کلیات ہے (ڈاکٹر وحید قریشی) طاہرین کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اوّلاً نعتیں، ثانیاً منقبتیں اور ثالثاً سلام (اہل بیت) پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن نے طاہرین کا سیر حاصل "مقدمہ" لکھا ہے۔ اس میں وحیدالحسن ہاشمی کی شاعری کے سارے رُخ جلوہ گر ہیں۔ سیّد وحیدالحسن ہاشمی کی نعت نگاری،

ڈاکٹر خورشید رضوی، سیّد وحید الحسن ہاشمی کی منقبت نگاری، ڈاکٹر سجاد باقر رضوی اور سیّد وحید الحسن ہاشمی کی سلام نگاری، ڈاکٹر وحید قریشی کی رشحاتِ فکر کی آئینہ دار ہے۔

زیرِ نظر کتاب پر لکھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مقالے کی طوالت کے سبب ان تمام حضرات کے ناموں کے اندراج سے صرف نظر کیا گیا ہے۔

پیدائشی نام سیّد وحید الحسن، قلمی نام وحید ہاشمی اور تخلص وحید ہے۔ 1930ء جون پور، یو-پی انڈیا میں پیدا ہوئے۔ تعلیمی طور پر ایم اے، بی ٹی، درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ اور ہیڈ ماسٹر تھے۔ اساتذہ سخن میں صفا اِلٰہ آبادی، آرزو لکھنوی، سہیل بلگرامی اور سیّد آلِ رضا لکھنوی کے نام شامل ہیں۔ آپ کی ساری زندگی ادب پروری، صحافتی خدمات، خطابات، اعزازات اور تقریبات پذیرائی سے عبارت ہے۔

آپ کا وصال 20 نومبر 2001ء میں لاہور میں ہو چکا ہے۔

بنیادی طور پر وحید الحسن ہاشمی سلام، نوحہ اور مرثیے کے شاعر ہیں۔ مگر نعت نگاری بھی آپ کی پہچان ہے۔ آپ کی نعتیں جدید انداز میں تازہ کاری کی علامت ہیں۔ آپ کی نعتوں میں روایتی گھن گھرج نہیں، مگر تازہ اور توانا لب و لہجے میں نعت کی آفاقیت کے سب جوہر موجود ہیں۔

نعت کی مرکزی آفاقیت کو سیّد وحید الحسن ہاشمی نے خراجِ عقیدت بھی پیش کیا ہے۔ وہ شاعر کی شاعری کو مکمل ہونے کا درس دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''نعت ایک مقدس صنف سخن ہے ایک شاعر جو غزل، سلام اور مرثیہ کہتا ہے اگر اس کے شعری گنجینے میں نعتیں نہیں تو وہ شاعر مکمل نہیں ادھورا ہے۔'' 1 6

حق گوئی اور بیبا کی کا بانگ دہل انداز بھی بہت خوب ہے۔ ہمارے دیگر شعرائے کرام کو بھی اللہ رب العزت ایسی بصارت و بصیرت اور عقل و فہم عطا فرمائے تا کہ وہ بھی نعت

کے اس معتبر حوالے کو حرزِ جاں بنائیں۔

طاہرین میں وحیدالحسن ہاشمی کی نعت کا تیور ملاحظہ کیجیے۔

مدحتِ شاہ مدینہ کا صلا کیا مانگتے
درد میں ملنے لگی لذت، دوا کیا مانگتے
ان کے در پر جا کے بھی کھولے نہ ہم نے اپنے
لب
مانگنے کا جب سلیقہ ہی نہ تھا کیا مانگتے [62]

وحیدالحسن ہاشمی کی نعتیہ شاعری عہد حاضر کا ایک معتبر حوالہ ہے۔ اس شعر میں شاعر کی جدت کاری اور تنوع دیکھیے۔

ہو مثال ایسی کوئی وقت کے دامن میں تو لاؤ
ایک انگلی سے کہیں چاند بھی شق ہوتا ہے [63]

☆☆☆

سرمایۂ رؤف امروہوی (انتخابِ کلام) مرتب: حآمد امروہوی (خلف) 2007ء

''سرمایۂ رؤف امروہوی'' الحاج مرزا حافظ محمد عبدالرؤف، رؤف امروہوی کے انتخابِ کلام پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مرتب آپ کے صاحبزادے حآمد امروہوی ہیں۔ 2007ء میں یہ کتاب ڈائمنڈ پرنٹرز نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ 502 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت -/350 روپے ہے۔ اس کے ملنے کا پتہ مرزا ساجد حسین ساجد امروہوی محلّہ صدّو امروہہ 244221 (انڈیا) ہے۔ [64]

اس انتخابِ کلام رؤف امروہوی میں بظاہر نخلۂ محامد، (نعت ومناقب)، گل رنگ تخیل (غزلیات)، کوثر رحمت (نعت ومناقب اور غزلیات)، اپنی زبان سے میں، انوار رؤف (اوّل) کا کلام شامل ہے۔ مگر اس انتخاب میں حصہ حمد ونعت اور مناقب کی تعداد زیادہ ہے۔

حامدؔ امروہوی سرمایہ رؤف امروہوی کے مرتب اور شکاگو امریکہ میں مقیم ہیں۔ حامدؔ امروہوی کے بھی تین حمد، نعت و مناقب پر مشتمل مجموعہ ہائے کلام مدحت کے پھول، خیابان ارم اور جوئبارِ بخشش شائع ہو چکے ہیں۔ جب کہ آپ کے بڑے بھائی سیفی امروہوی کا نکہتیں حمد ونعت اور چھوٹے بھائی کے دو مجموعہ ہائے کلامِ حمد ونعت راز بخشش اور آرزوئے بخشش بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اس پورے خانوادے کا سرمایہ حمد، نعت و مناقب ضرب المثل ہے۔ 66

نام الحاج مرزا (ماسٹر) حافظ محمد عبدالرؤف، تخلص رؤف اور امروہوی علاقائی نسبت ہے۔ سال پیدائش 1894ء اور وطن امروہہ (یو-پی) انڈیا ہے۔ والد کا نام مرزا شفیع اللہ بیگ ہے۔

رؤف امروہوی درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ رہے۔ 1915ء میں جگر مرادآبادی کے اصرار پر غزل کہی جس پر خود جگر مرادآبادی نے اصلاح دی۔ قطب وقت حضرت شاہ حمایت اللہ سے ارادت کا شرف حاصل ہے۔

1923ء سے جلسہ نعت خوانی ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ ہوتا ہے ایک بھی ناغہ نہیں ہے۔ جلسہ روزِ عاشورۂ محرم اور جلسہ عید میلادالنبی بھی ہر سال باقاعدہ 1923ء سے جاری ہے۔

رؤف امروہوی نے یکے بعد دیگرے 4 شادیاں کیں۔ 5 بیٹے اور تین بیٹیاں تولد ہوئیں۔

انتقال 16 دسمبر 1986ء مطابق ۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ کو ہوا۔ آپ کا مدفن درگاہِ حضرت شاہ شرف الدین سہروردی، شاہ ولایت امروہہ (انڈیا) میں ہے۔ 67

عبدالرؤف رؤف امروہوی ایک صاحب نسبت اور قادرالکلام شاعر تھے۔ آپ کی نسبت اور تربیت کا یہ فیضان ہے کہ آپ کے صاحبزادگان بھی شعبہ حمد ونعت کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔

سرمایہ رؤف امروہوی کا حسن آغاز اللہ رب العزت کی حمد پاک سے ہوا ہے۔ حمد یہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔

اے کہ ہر شے میں تیرا جلوا ہے اے کہ ہر چشم تجھ سے بینا ہے
تو ہی معبودِ لاشریک لہٗ تو ہی مقصود دیر و کعبا ہے 68؎

آپ کی پہلی نعت سرمایہ رؤف میں ولادتِ مصطفیٰ یعنی عید میلاد النبی کے پُر مسرت حوالے سے ہے:

صبا اٹھکیلیاں کر آج موقع ہے مسرت کا
یہ دن ہے حضرت ختم الرسالت کی ولادت کا 69؎

ضروری نوٹس

(نقوش نقوی کا مرتب کردہ 'تذکرہ شعرائے امروہہ' (مطبوعہ: رائٹرز بک فائونڈیشن، امروہہ سوسائٹی کراچی، 2008ء) 1352 صفحات پر شائع ہوا۔ اس تذکرے میں تذکرہ نگار نے اپنے عقیدے سے تعلق رکھنے والے اور اپنے واقف کاروں کا دل کھول کر تذکرہ کیا ہے۔ دیگر حضرات کے تعارف میں وسعتِ قلبی اور معلومات کا فقدان ہے۔ تذکرۂ شعرائے امروہہ کے صفحہ 629 تا 630 پر رئوف امروہوی کا تذکرہ سرسری انداز میں کیا ہے۔ معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تذکرہ میں آپ کی نعت گوئی کا ذکر بھی نہیں ہے۔

احمد حسین صدیقی کا تذکرہ 'کشورِ اولیاء امروہہ' (مطبوعہ: محمد حسین اکیڈمی، کراچی، 1999ء) بڑے سائز کے 448 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے صفحہ 237 تا 238 پر رئوف امروہوی کا تذکرہ بہت محبت اور احترام سے کیا ہے۔ آپ کی نعت گوئی کا تذکرہ اور خصوصیت کے ساتھ آپ کی مدینہ طیبہ میں عجب شان سے طلبی کو بہت ہی خوبصورت انداز میں رقم کیا ہے۔

احمد حسین صدیقی نے رئوف امروہوی کا سال پیدائش

۲۰/صفر ۱۳۱۸ھ بمطابق 1899ء درج کیا ہے جو کہ سرمایۂ رئوف امروہوی کے حوالے سے درست نہیں۔ درست سال پیدائش 4 9 8 1ء ہے۔)

☆☆☆

کلیاتِ منوّر (منوّر بدایونی) مرتب: سلطان احمد 2008ء

''کلیاتِ منور'' ثقلین احمد منور بدایونی کے مجموعہ ہائے نعت پر مشتمل ہے۔ جسے سلطان احمد ابن منور بدایونی نے مرتب کیا ہے۔ جہانِ حمد پبلی کیشنز اُردو بازار کراچی نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ 408 صفحات پر مشتمل کلیات منور پر قیمت درج نہیں۔شاید یہ ہدیہ دعائے خیر کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ مگر یہ عبارت بھی اس پر درج نہیں۔ 70

کلیاتِ منور بھی موضوعات حمد ونعت ومناجات، سلام ومناقب، غزلیات وقطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ اس میں منور بدایونی کا تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ سب ہی کلام شامل ہے۔

کلیاتِ منور پر لکھنے والوں میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، مولانا عبدالقدیر قادری، مولانا عبدالحامد بدایونی، اظہر عباس ہاشمی، منور بدایونی، ڈاکٹر محمود حسین، مولانا منتخب الحق قادری، صبا اکبرآبادی، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر اسلم فرخی، اخلاق اختر حمیدی، سعید ہاشمی اور طاہر سلطانی کے نام شامل ہیں۔

پیدائشی نام ثقلین احمد، منور بدایونی کے نام سے شہرت پائی۔ منور تخلص ہے۔ مسلک میں حنفی سنی، نسب میں صدیقی اور مشرب میں رحمانی تھے۔ منور بدایونی کی ولادت 2 دسمبر 1908ء بدایوں انڈیا میں ہوئی۔ آپ کے والد حکیم حسنین احمد مورخ بدایونی معروف شاعر اورفن تاریخ گوئی میں شہرت کے حامل تھے۔

حضرت امیر مینائی کے شاگرد عیش مینائی بدایونی اور بعد میں محمد عبدالجامع جامؔی بدایونی سے بھی شرف تلمذ حاصل رہا۔آپ کے چھوٹے بھائی فاروق احمد محشؔر بدایونی بھی غزل و

نعت کے بہت عمدہ اور معروف شاعر تھے۔

1951ء میں ہجرت کے بعد کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ آخری وقت تک شعبہ نعت سے منسلک رہے۔ بروز جمعۃ المبارک بوقت شام سات بجے، ۳۰/رجب المرجب ۱۴۰۴ھ بمطابق 6اپریل 1984ء کو کراچی میں وصال ہوا۔ [71]

منور بدایونی نے عنفوانِ شباب میں غزلیں بھی کہیں، ان کا بہاریہ کلام شائع بھی ہوا مگر پھر بعد میں اپنے آپ کو حمد ونعت، سلام ومنقبت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ منور بدایونی وہ خوش نصیب شاعر ہیں کہ آپ کے اشعار زبانِ زدخلائق ہیں خصوصیت کے ساتھ اس شعر نے تو آپ کو ہمیشہ کے لیے امر کردیا ہے۔

جسے چاہا در پہ بلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے
[72]

منور بدایونی کا یہ حمدیہ قطعہ بہت معروف ہے۔

جب تری شان کریمی پہ نظر جاتی ہے
زندگی کتنے مراحل سے گزر جاتی ہے
بے طلب مجھ کو دیے جاتا ہے دینے والا
ہاتھ اُٹھتے نہیں نیت مری بھر جاتی ہے [73]

منور بدایونی کی بہت نعتیں مقبول عام ہیں۔ بہت کم نعتیہ کلام کہا ہے مگر قدرت نے بہت زیادہ لکھنے والوں سے زیادہ شہرت عطا کردی ہے۔

نعت محبوبِ داور سند ہو گئی
فردِ عصیاں مری مسترد ہو گئی
مجھ سا عاصی بھی آغوشِ رحمت میں ہے

یہ بھی بندہ نوازی کی حد ہو گئی [74]

☆☆☆

کلیاتِ اظہر اظہر علی خان اظہؔر مرتب: محمد سلیم اپریل 2009ء

''کلیاتِ اظہر'' اظہر علی خان اظہؔر کے کلام پر مشتمل ہے۔ یہ عام سا مجموعہ کلام ہے جسے کلیاتِ اظہر کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب مکان نمبر 94-2/593 شاہ فیصل کالونی نمبر 2 کراچی سے شائع ہوئی ہے۔ اپریل 2009ء میں یہ کتاب 96 صفحات پر مشتمل مجلد شائع ہوئی ہے۔ اس کی قیمت -/200 روپے ہے۔ [75]

''کلیاتِ اظہر'' تمام تر (راقم الحروف) کی مشاورت اور میرے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ ان کے صاحبزادے محمد سلیم کو میں نے بہت سمجھایا کہ اسے کلیات کا نام نہ دو، مگر وہ نہ مانے اور کلیاتِ اظہر ہی نام رکھا۔

اظہر علی خان کی کتاب پر لکھنے والوں میں محمد سلیم، کنور قمر علی خان، مکرم علی خان، شہزاد احمد، صبؔیح رحمانی، طاہر سلطانی اور عابؔد بریلوی شامل ہیں۔

کنور اظہر علی خان 1933ء علی گڑھ (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ پولیس کی ملازمت سے تقریباً 35 سال بعد اعلیٰ عہدے سے سبک دوش ہوئے۔ 71 سال عمر پانے کے بعد 25 نومبر 2004ء بوقت 11 بجے شب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

حضرت بابا محمد یوسف شاہ تاجی قدس سرہٗ سے شرف بیعت حاصل تھا، جبکہ آخری وقتوں میں حضرت بابا سید رفیق عزیزی یوسفی تاجی (علیگ) کو اپنا کلام واجبی سے انداز میں دکھایا تھا۔

اظہر علی خان باضابطہ شاعر نہیں تھے۔ نوکری سے سبک دوش ہونے کے بعد 1992ء میں انجمن خادمانِ محمد (شاہ فیصل کالونی نمبر 2 کراچی) کی بنیاد رکھی۔ میرے شاگردِ خاص معروف نعت خواں ابرار حسین کے یہ نعت خوانی میں شاگرد تھے۔ نعت خوانی کے ساتھ ساتھ

اُنھیں نعت گوئی کا بھی شوق ہو گیا تھا۔ ہمہ وقت اِنھیں کیفیات میں رہتے تھے۔آپ کے کلام میں پختگی نہ ہونے کے باوجود عقیدت کی جلوہ گری موجود ہے۔

اظہر علی خان کے حمدیہ اور نعتیہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔

حمد تیری ہے یہاں اور شکر یہ تیرا ادا
ہے تو ہی معبود برحق جان تجھ پہ ہے فدا
6 ۷

☆☆

آؤ اللہ کے دل دار کی کچھ بات کریں
ہاں اسی حسن طرح دار کی کچھ بات کریں
7 ۷

☆☆☆

کلیاتِ نیازیؔ عبدالستار نیازیؔ دوم، مئی 2009ء

''کلیاتِ نیازی'' الحاج عبدالستار نیازی نقشبندی کی نعتوں پر مشتمل ہے۔نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، 11، گنج بخش روڈ لاہور نے اس کی حسن طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ 792 صفحات پر مشتمل کلیاتِ نیازی کی قیمت 600/- روپے ہے۔ 8 ۷

عبدالستار نیازی کی کلیاتِ نیازی 11 مجموعہ ہائے کلام پر مشتمل ہے۔ اس میں جلوے ای جلوے، نوائے نیازی، یا حبیبی مرحبا، بابِ کرم، شمس الضحیٰ، بدرالدجیٰ، لج پال، پردہ پوش، حرف حرف خوشبو، جس شان توں شاناں سب بنیاں، آخری مجموعہ کلام نعتیہ ''اور بھی کچھ مانگ'' بھی شامل ہے۔ اس کلیات میں عبدالستار نیازی کا اُردو اور پنجابی سب کلامِ نعتیہ شامل ہے۔

اس کلیات میں لکھنے والوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔ محمد زاہد نیازی، اختر

سدیدی، عبدالستار نیازی، صدف جالندھری، خالد محمود، نصرت فتح علی خاں، مولانا سیّد محمد ریاض الدین سہروردی، سیّد قمر الزماں شاہ، محمد افضل کوٹلوی، سید مسعود احمد شاہ، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، اختر بھٹہ، ریاض احمد نقشبندی اسلمی، حفیظ تائب۔

عبدالستار نیازی کا پیدائشی نام عبدالستار اور نیازیؔ تخلص ہے۔ 1938ء میں ریاست کپورتھلہ انڈیا میں مستری بدرالدین مغل کے گھر پیدا ہوئے۔ حضرت علی حسین شاہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ علی پور سیداں سے بیعت تھے۔

نعت خوانی سے آغاز کیا۔ نعت خوانی کا ذوق وشوق سوا ہو کر نعت گوئی کے پیکر میں ڈھل گیا۔ اور یوں آپ کا شمار معروف نعت خواں و نعت گو شعرا میں ہونے لگا۔ 25 اگست 1980ء میں فیصل آباد کے مختصر دورے پر اُس وقت کے صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق تشریف لائے۔ صدر پاکستان نے عبدالستار نیازی کے اندازِ نعت خوانی سے متاثر ہو کر پہلی مرتبہ حج بیت اللہ پر جانے کے احکامات صادر فرمائے۔ پھر یہ سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ نیازی صاحب کو سات مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی۔

ساری زندگی نعت خوانی اور نعت گوئی کرنے والا یہ خوش نصیب منگل کی صبح 2 بجے 15 جنوری 2002ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

عبدالستار نیازی کی مقبول عام نعتیں آج بھی محافل میں سماعت گوش ہوتی ہیں۔ آپ کی یہ نعتیں تو بہت مقبول ہیں۔ اکثر محافل نعت میں دہرائی جاتی ہیں۔

بن کے خیرالورا آ گئے مصطفیٰ ہم گنہ گاروں کی بہتری کے لیے
اک طرف بخششیں اک طرف جنتیں کیسے انعام ہیں اُمتی کے لیے

9 7

☆☆

کرم کے بادل برس رہے ہیں دلوں کی کھیتی ہری بھری

ہے

یہ کون آیا کہ ذکر جس کا نگر نگر ہے گلی گلی ہے [80]

خسروی اچھی لگی نہ سروری اچھی لگی

ہم فقیروں کو مدینے کی گلی اچھی لگی [81]

☆☆☆

کلیاتِ نعت　　　　اعجاز رحمانی　　　　مئی 2010ء

''کلیاتِ نعت'' اعجاز رحمانی کے پانچ نعتیہ مجموعہ ہائے کلام پر مشتمل ہے۔ مئی 2010ء میں کامیاب بک ڈپو نوید اسکوائر نیو اُردو بازار کراچی نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ 1184 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت -/850 روپے ہے۔ [82]

''کلیاتِ نعت'' میں اعجاز مصطفیٰ، پہلی کرن آخری روشنی، چراغِ مدحت، آسمانِ رحمت، آبشارِ رحمت یعنی 1972ء سے 2010ء تک کلامِ نعتیہ شامل ہے۔

''کلیاتِ نعت'' پر لکھنے والوں میں اعجاز رحمانی، ممتاز حسن، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر بشارت علی، ڈاکٹر عبدالغنی، ڈاکٹر سیّد عبدالباری، شبنم سبحانی، خواجہ رضی حیدر، پروفیسر عنایت علی خان، شاہ مصباح الدین شکیل، ڈاکٹر احسان الحق اور افسر ماہ پوری شامل ہیں۔

پیدائشی نام سیّد اعجاز علی، ادبی شناخت اعجاز رحمانی اور تخلص اعجاز ہے۔ 12 فروری 1936ء کو اپنے آبائی وطن علی گڑھ (انڈیا) کے محلّہ بنی اسراء میں پیدا ہوئے۔ تعلیمی صلاحیت کے اعتبار سے اُردو فاضل ہیں۔ موجودہ مسکن نیو کراچی، کراچی ہے۔ استاد قمر جلالوی کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ ''فلیپ'' عظمتوں کے مینار بقلم خود اعجاز رحمانی/ 2014ء [83]

اعجاز رحمانی کا شمار زود گو اور قادرالکلام شعرا کی فہرست میں شامل ہے۔ غزل کے کئی مجموعے شائع ہوئے پھر کلیاتِ غزل بھی شائع ہوئی۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر ان کی کلیاتِ

نعت ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری مذکورہ بالا شخصیات سے داد وتحسین حاصل کرچکی ہے۔ آپ کی کئی نعتیں مقبولِ عام ہیں۔

کلیاتِ نعت کا آغاز اعجاز رحمانی کے سب سے پہلے نعتیہ مجموعہ کلام اعجازِ مصطفیٰ سے ہوا ہے۔ اس میں پہلی حمد کے منتخب اشعار دیکھیے۔

مالک کل خدائے ہست و بود
کوئی تیرے سوا نہیں معبود
چاہتے ہیں تری رضا ہم لوگ
بھیجتے ہیں ترے نبی پہ درود 84

کلیات نعت کی آخری نظم جسے ''نعت'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ وہ مکہ اور مدینہ سے متعلق ایک تاثراتی نظم ہے نعت میں صرف سرکارِ دوعالم کی تعریف بیان ہوتی ہے اور آپ کے محامد ومحاسن کا ذکر ہوتا ہے۔ مکہ اور مدینہ کی نسبت اور عظمت پر قربان جاؤں ہر دو جگہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا قرار ہیں۔ مگر اس کلامِ شعری میں مکہ اور مدینہ کی تعریف بیان ہوئی ہے۔ اس میں نعت کا ایک شعر بھی نہیں۔

امن و اُخوت عدل کا پیکر مکہ اور مدینہ ہے
خالق اور معبود کا محور مکہ اور مدینہ ہے
اور کوئی منظر ہی نہیں ہے میری نگاہوں میں اعجاز
میرا منظر اور پس منظر مکہ اور مدینہ ہے 85

☆☆☆

زبورِ حرم (کلیاتِ نعت) اقبال عظیم دوم، 2010ء

''زبورِ حرم'' پروفیسر اقبال عظیم کا کلیاتِ نعت ہے۔ زبورِ حرم اقبال عظیم کے

صاحبزادے شاہین اقبال کی تحریک کا نتیجہ ہے۔ جسے نعت ریسرچ سینٹر کراچی کے اشتراک سے شائع کیا گیا ہے۔ اس کے ملنے کے پتہ میں توکل اکیڈمی اُردو بازار کراچی کا نام شامل ہے۔ 336 صفحات پر مشتمل اس کلیاتِ نعت کی قیمت -/450 روپے ہے۔ 86

کلیاتِ نعت زبورِ حرم میں قاب قوسین، پیکرِ نور کی نعتیں شامل ہیں۔ 1999ء میں حضرت حسان نعت کونسل پاکستان ٹرسٹ نے اقبال عظیم کی زندگی میں کلیاتِ نعت زبورِ حرم بہت ہی عقیدت و محبت سے شائع کی تھی۔ مگر احباب کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ اغلاط کا مجموعہ بن گئی تھی۔ اب ان کے صاحبزادے شاہین اقبال نے اس کی اشاعت دوم کا اہتمام کیا ہے جس میں آخری وقتوں کا کہا گیا کلامِ نعتیہ بھی شامل ہے۔ اس میں بھی ''اغلاط نامہ'' لگانے کے باوجود بھی غلطیاں موجود ہیں۔ 87

زبورِ حرم پر لکھنے والوں میں شاہین اقبال، اقبال عظیم، اے کے سومار، حفیظ جالندھری، ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی اور سرورق کی پشت پر سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی کی تحریر شامل ہے۔

اقبال عظیم کی پیدائش 8 جولائی 1913ء کو میرٹھ (یو-پی) انڈیا میں ہوئی۔ ان کا آبائی وطن انبیٹھہ ضلع سہارن پور ہے۔ لکھنؤ اور اودھ کی گلیاں تربیتی ماحول کا حصہ ٹھہریں۔ درس و تدریس کے شعبے سے تعلق رہا۔ کئی دیگر کتب کے مصنف و مؤلف بھی تھے۔ 88

اقبال عظیم جمعرات و جمعہ کی درمیانی شب 22 ستمبر 2000ء کو فجر کی اذان سے چند لمحے پہلے خالق حقیقی سے جا ملے۔ 89

سیّد خالد جامعی (شعبۂ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی) نے اقبال عظیم کا مکمل نعتیہ کلام ''درودوں کا گجرا سلاموں کی ڈالی'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ یہ کلام جریدہ 320 غیر مطبوعہ کتابیں نمبر (جلد چہارم 2005ء کراچی) میں طبع شدہ ہے۔ ''اقبال عظیم حیات و ادبی خدمات'' مقالہ برائے ایم اے (اُردو) ناصر حیات کا تحقیقی مقالہ ہے۔ جسے شاہین اقبال نے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

زبورِ حرم کلیات نعت میں زمانی اعتبار سے کتب کی ترتیب نہیں بلکہ اسے موضوعاتی ترتیب سے مدوّن کیا گیا ہے۔ اس کی سب سے پہلی حمد کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

نام بھی تیرا عقیدت سے لیے جاتا ہوں
ہر قدم پر تجھے سجدے بھی کیے جاتا ہوں
زندگی نام ہے اللہ پہ مر مٹنے کا
یہ سبق سارے زمانے کو دیے جاتا ہوں

0 9ے

اقبال عظیم نے انتقال سے کچھ پہلے یہ نعت فی البدیہہ ہسپتال میں لکھوائی تھی۔ یہ اس کلیات کی سب سے آخری نعت ہے۔

ظہور کرتی ہے جس دم سحر مدینے میں
اذانیں دیتے ہیں دیوار و در مدینے میں
ہوا کے جھونکوں میں خوشبو بسی ہوئی ہے
وہاں
درود پڑھتا ہے اک اک شجر مدینے میں 91ے

☆☆☆

خلد نظر (کلیاتِ عابد سعید عابدؔ) محمد عابد سعید جولائی 2011ء

''خلد نظر'' محمد عابد سعید عابدؔ کی نعتیہ کلیات ہے۔ جسے عابد سعید عابد نے وارڈ نمبر 3 بڑکی جدید گوجر خان سے شائع کیا ہے۔ جولائی 2011ء شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ میں طبع شدہ اس کلیات کی قیمت -/500 روپے ہے۔ 770 صفحات پر مشتمل یہ کلیات مجلد شائع ہوئی ہے۔ عابد سعید عابدؔ کا موبائل نمبر 0300-5173934 ہے 92ے

خلد نظر یعنی کلیات عابد سعید عابدؔ میں کل آٹھ مجموعہ ہائے نعت شامل ہیں۔ جون

2001ء سے جولائی 2011ء تک کہی گئی نعتیہ شاعری اس میں موجود ہے۔ مجموعہ ہائے نعت نجات، زیارت، رسائی، قبولیت، عافیت، ودیعت، آبنائے گداز، انوارِ خاطر سے یہ کلیاتِ خلد نظر مزین ہے۔ 93

کلیاتِ عابد سعید عابؔد پر لکھنے والوں میں بشیر حسین ناظم، قمر رعینی، ڈاکٹر ساجد الرحمٰن، اختر ہوشیارپوری، افتخار عارف، حکیم سیّد محمود احمد سرو سہارنپوری، عزیز احسن، نیساں اکبرآبادی، ڈاکٹر رشید نثار، ڈاکٹر احمد قریشی، اختر امام رضوی، ڈاکٹر افضال احمد، پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر، پروفیسر سجاد حسین راجا، سلطان رشک، پروفیسر نسیم تقی جعفری، سرور انبالوی، ابو عمار، پروفیسر اعجاز احمد، ثاقب امام رضوی، شیراز طاہر، صفدر حسین شاہ اور ماجد وفاؔ عابدی کے نام شامل ہیں۔ 94

پیدائشی نام محمد عابد سعید اور تخلص عابؔد ہے۔ یکم اپریل 1948ء کو پیدا ہوئے۔ بی اے، بی ایڈ کرکے دسمبر 1969ء میں ہیڈ ماسٹر کے منصب سے ریٹائرمنٹ لی۔ 95

آپ کے والد چودھری غلام محمد خان مرحوم سابق ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ اسلامیہ ہائی اسکول گوجرخان رہے۔ حضرت قبلہ بابو جی (گولڑہ شریف) سے نسبت بیعت حاصل ہے۔ 1967ء میں پہلی غزل اُردو میں کہی۔ پروفیسر شریف کنجاہی سے تلمذ حاصل تھا۔ 1975ء میں پہلی نعت کہنے کا شرف حاصل ہوا۔

عابد سعید عابؔد کی مستقل سکونت بڑکی جدید، گوجرخان میں ہے۔

عابد سعید عابؔد کی نعتیہ شاعری وارداتِ قلبی کی آئینہ دار ہے۔ تسلسل کے ساتھ نعتیہ شاعری کررہے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کا شمار زود گو شعرا میں ہوتا ہے۔ سادہ انداز میں معنوی شعر کہتے ہیں۔ بحریں عموماً مترنم اور چھوٹی ہوتی ہیں۔ سادگی اور روانی کا یہ حسن قاری کو متاثر کرتا ہے۔

نجات ترتیب کے لحاظ سے آپ کا پہلا کلام نعتیہ ہے۔ خلد نظر کلیات کا آغاز بھی نجات سے ہوا ہے۔ ''دعائے نیم شبی'' کے عنوان سے پہلی نعت کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

نعت کہنے کا قرینہ دے مجھے
معرفت کا تو خزینہ دے مجھے
سرورِ عالم کی مدحت کے لیے
پاک سوچوں کا دفینہ دے مجھے [96]

''حرف دعائے دل'' کے عنوان سے اس کتابِ کا آخری قطعہ دیکھیے۔

میری محنت قبول ہو جائے
کچھ تو قیمت وصول ہو جائے
نعت کہتا ہوں اس لیے عابدؔ
مجھ سے راضی رسول ہو جائے [97]

☆☆☆

نور سے نور تک (کلیاتِ حمد و نعت) شاعر علی شاعرؔ فروری 2012ء

''نور سے نور تک'' (کلیاتِ حمد و نعت) شاعر علی شاعرؔ کے مجموعہ ہائے کلام پر مشتمل ہے جس میں حمد، نعت، منقبت، مناجات، سلام اور متفرقات شامل ہیں۔ فروری 2012ء راحیل پبلی کیشنز، اُردو بازار کراچی سے طبع ہوئی۔ 816 صفحات پر محیط اس کتاب کی قیمت -/750 روپے ہے۔ [98]

''نور سے نور تک'' شاعر علی شاعر کی کلیات میں مطبوعہ و غیر مطبوعہ دس مجموعہ ہائے کلام حمد و نعت، مناقب و متفرقات شامل ہیں۔ ارمغان حمد، قادر مطلق، صاحب خیر البشر، الہام کی بارش، قاسم دوجہاں، شاخ نسبت، دل ہے یا مدینہ، دل کا چین مدینہ، انوارِ حرم، عقیدت۔ [99]

نور سے نور تک میں لکھنے والے قلم کار میاں راحیل، شاعر علی شاعر، ڈاکٹر جمیل عظیم

آبادی، شاہد بخاری، عشرت رومانی، وقار یوسف عظیمی، طاہر سلطانی، تنویر پھول، پروفیسر آفاق صدیقی، شارق بلیاوی، محمد یوسف ورک، عارف منصور، ڈاکٹر سیّد صابر علی ہاشمی، پروفیسر رئیس فاطمہ، ڈاکٹر عاصیؔ کرنالی، احمد صغیر صدیقی، مفتی عبدالواحد مسافر، جان کاشمیری، شہزادؔ احمد، ڈاکٹر بشیر عابد، پروفیسر یونس حسن، نسیم انجم، گوہر ملسیانی، جاوید رسول جوہر اشرفی۔

پیدائشی نام شاعر علی اور تخلص شاعرؔ ہے۔ مدینۃ الاولیاء ملتان میں 20 جون 1966ء کو پیدا ہوئے۔ پرائمری اور میٹرک کی تعلیم آپ نے ملتان میں ہی حاصل کی۔ انٹر، بی اے، ایم اے (اُردو) بی ایڈ اور ایم ایڈ (سائیکالوجی) کی تمام تعلیم عروس البلاد، روشنیوں کے شہر کراچی میں مکمل کی۔

شاعر علی شاعر ہمارے عہد کے ایک متحرک اور فعال نعت کے خدمت گزار ہیں۔ شعبۂ نعت کے لیے آپ روز و شب گزارتے ہیں۔ مشق شعر وسخن اور ریاضت فکر وفن سے نبرد آزما ہیں۔ وہ دن دور نہیں کہ آپ کا شمار پختہ شعر کہنے والوں میں ہونے لگے گا۔

نور سے نور تک کلیاتِ حمد ونعت کا آغاز اس حمد پاک سے ہوا ہے۔ شعر ملاحظہ کیجیے۔

گنہ سے ہم کو بچانے والا، خدا ہمارا، خدا ہمارا
خطائیں ساری مٹانے والا، خدا ہمارا، خدا ہمارا
وہی ہے حاجت روا بھی لوگو، وہی ہے مشکل کشا بھی لوگو!
ہے کام مشکل میں آنے والا، خدا ہمارا، خدا ہمارا100

شاعر علی شاعرؔ کی حمدوں کے بعد نعتیں شروع ہوتی ہیں۔ اس کلیاتِ حمد ونعت کی سب سے پہلی نعت کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

تم نے بخشا زندگی کو بندگی کا ارتقا

یوں مسلسل ہو رہا ہے آدمی کا ارتقا
جب رسالت کی کرن چمکی خدا کے حکم

سے

تب ہوا غارِ حرا میں روشنی کا ارتقا 101

☆☆☆

کلیاتِ صائم چشتی (اُردو نعت) تدوین صاحبزادہ لطیف ساجد چشتی اکتوبر 2012ء

''کلیاتِ صائم چشتی'' حضرت صائم چشتی کی اُردو نعت پر مشتمل ہے جس کی ترتیب و تدوین کا شرف آپ کے بڑے صاحبزادے محمد لطیف ساجد چشتی کو حاصل ہے۔اس کے ناشر چشتی کتب خانہ فیصل آباد ہیں۔اکتوبر 2012ء میں شائع ہونے والی اس کلیات کے صفحات 704 ہیں۔ بڑے سائز میں طبع ہونے والی اس کلیات پر ہدیہ درج نہیں۔ 102

کلیاتِ صائم چشتی میں صائم چشتی کی حسب ذیل کتب کا صرف اُردو کلامِ نعتیہ شامل ہے۔فردوسِ نعت، ارمغانِ مدینہ، بہاراں مسکراپیاں، حسن کائنات، جان بہار، جان کائنات، کعبے دا کعبہ، نظارے، نور دا چشمہ، نور دے خزینے، نور ای نور، نور دا ظہور، روحِ کائنات، شاہِ خوباں، شان کائنات، یا محمد، نوائے صائم اوّل، دوم، سوم، چہارم، جلوے، میلادِ صائم، ن و القلم، صل علیٰ محمد۔

صائم چشتی کی کلیات اُردو نعت کے آخری صفحات میں دو اور مزید کلیات کا ذکر ہے۔کلیاتِ صائم چشتی (حصہ مناقب) وکلیاتِ صائم چشتی (حصہ رُباعیاں تے نظماں)

نورالزماں نوری (فاضل منہاج القرآن یونیورسٹی) نے صائم چشتی کا تفصیلی اور معلوماتی تعارف رقم کیا ہے۔ دیگر اہل قلم کے اقتباسات بھی کلیات میں موجود ہیں۔سیّد امین علی نقوی، محمد علی ظہوری، ڈاکٹر ریاض مجید، پروفیسر مفتی عبدالرؤف، سیّد محمد طاہر کاظمی۔

صائم چشتی کا پیدائشی نام شیخ محمد ابراہیم، صائم تخلص اور چشتی نسبت ہے۔ دسمبر

1932ء میں قصبہ گنڈی ونڈ، ضلع امرتسر (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق شیخ برادری اور والد کا نام شیخ محمد اسماعیل تھا۔

اسکول کی تعلیم لوئر مڈل سے نہ بڑھ سکی۔ درسِ نظامی کیا، دینی تعلیم کے علاوہ آپ نے طبیہ کالج سے طب یونانی میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ 1948ء میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کے حضرت پیر سید محمد علی شاہ کے دست حق پر بیعت ہو کر خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ صائم چشتی صرف ایک شاعر ہی نہ تھے بلکہ اُردو اور پنجابی زبان کے نامور ادیب، جید عالم اور محقق تھے۔ آپ کی چند اہم تصانیف مشکل کشا، البتول، خاتونِ جنت، ابوبکر قرآن کی روشنی میں ''الصدیق'' اور شہید ابن شہید ہیں۔

صائم چشتی کا انتقال 22 جنوری 2000ء، ۱۴ر شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ کو رات کے وقت ہوا۔[103]

آپ کا مزار فیصل آباد میں ہے۔ آپ کی مشہور نعتوں کا ایک ایک شعر ملاحظہ کیجیے۔

تو شاہِ خوباں تو جانِ جاناں ہے چہرہ اُم الکتاب تیرا
نہ بن سکی ہے نہ بن سکے گا مثال تیری جواب تیرا[104]

☆☆

کملی والے نگاہِ کرم ہو اگر پھر دوا چاہیے نہ شفا چاہیے
میں مریض محبت ہوں مجھ کو تو بس اِک نظر یا حبیب خدا چاہیے
[105]

☆☆

کملی والے میں قرباں تری شان پر سب کی بگڑی بنانا ترا کام ہے
ٹھوکریں کھا کے گرنا میرا کام ہے ہر قدم پہ اُٹھانا تیرا کام ہے
[106]

نوری محفل پہ چادر تنی نور کی نور پھیلا ہوا آج کی رات ہے

چاندنی میں ہیں ڈوبے ہوئے دو جہاں کون جلوہ نما آج کی رات ہے

7 0 1ے

ضروری نوٹس

(محمد سلیم چودھری نے اپنی مرتبہ کتاب 'شعرائے امرتسر کی نعتیہ شاعری' (مطبوعہ : لاہور، 1996ء) صفحہ 164 پر صائم چشتی کا سال پیدائش 1933ء اور طاہر سلطانی نے بھی اپنی کتاب 'اُردو حمد کا ارتقاء' کے صفحہ 127پر 1933ء ہی لکھا ہے، جبکہ کلیات صائم چشتی کے حوالے سے دونوں حضرات کی معلومات درست نہیں۔ اصل سال پیدائش دسمبر 2 3 9 1ء ہے۔)

☆☆☆

کلیاتِ بیدؔم وارثی بیدؔم شاہ وارثی 2012ء

''کلیاتِ بیدؔم وارثی'' بیدم شاہ وارثی کے مجموعہ ہائے کلام پر مشتمل ہے۔ جسے 2012ء، میں عبداللہ اکیڈمی، الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔ مجلد شائع ہونے والی کلیاتِ بیدم 396 صفحات پر مشتمل ہے **108ے** کلیاتِ بیدم وارثی کے سرورق پر بیدؔم وارثی کی روایتی شبیہ موجود ہے۔

مصحفِ بیدم اور ارمغانِ بیدم ''کلیات بیدم وارثی'' کی زینت ہیں۔ کلیاتِ بیدم کوئی نیا کام نہیں ہے۔ پرانی دونوں کتب کو من وعن شائع کر دیا گیا ہے۔ تعارفی یا سوانحی معلومات سے یہ کلیات عاری ہے۔ اس نئے کام پر نئے انداز سے کام نہیں ہوسکا، جس کی اشد ضرورت ہے۔

کلیات اور مصحف بیدم، ارمغان بیدم پر لکھنے والوں میں یوسف مثالی، بیدم وارثی، حسن نظامی دہلوی، مولانا محمد صبغۃ اللہ شہید انصاری رزاقی القادری، علامہ بیخوؔد بدایونی، مولانا سیّد افقر موہانی وارثی، حکیم ابوالعُلا ناطق لکھنوی، ڈاکٹر متین قزلباش، شفق عماد پوری، حکیم سیّد احمد

وارثی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

بیدمؔ وارثی ۱۲۹۳ھ مطابق 1876ء میں اٹاوہ یوپی (نیا شہر) (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ سیّد نثار اکبر آبادی (آگرہ) کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ حضرت حاجی وارث علی شاہ کے دست حق پر بیعت ہو کر احرام پوش ہو گئے۔ آپ سراج الشعرا اور لسان الطریقت کے لقب سے نوازے جاتے تھے۔

آپ کی تاریخ وصال ۸/رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ مطابق 24 نومبر 1936ء ہے۔ شاہ اویس کے گورستان دیوا شریف ضلع بارہ بنکی (یوپی، انڈیا) میں مدفون ہیں۔ 109؎

بیدمؔ وارثی کے کلام کو اُردو اور ہندی زبان میں شہرت دوام حاصل ہے۔ کلامِ بیدم سے اُردو زبان کے قالب میں دم آ گیا ہے کلامِ بیدم مردہ دلوں کے لیے نسخہ کیمیا اور اکثیر ہے۔ صیقل اور زنگ آلود قلب واذہان کے لیے کلامِ بیدمؔ نئی زندگی کی نوید اور سکون وطمانیت کا باعث ہے۔ بیدمؔ وارثی صرف شاعر ہی نہیں بلکہ عارفِ کامل بھی تھے۔ کلامِ بیدم میں عارفانہ رنگ، کلام کی جان ہے۔

کلامِ بیدمؔ کی مقبولیت کا ایک زمانہ معترف ہے۔ بعض کلامِ نعتیہ تو بہت ہی مقبول خاص و عام ہیں۔ چند مشہور نعتوں کے منتخب اشعار ملاحظہ کیجیے۔

آئی نسیم کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھنچنے لگا دل سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم 110؎

عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسول
کہاں کہاں لیے پھرتی ہے جستجوئے رسول
عجب تماشا ہو میدانِ حشر میں بیدمؔ
کہ سب ہوں پیشِ خدا اور میں روبروئے رسول

1؎ 1 1

☆☆

محشر میں محمد کا عنوان نرالا ہے
اُمت کی شفاعت کا سامان نرالا ہے
مضمون اچھوتے ہیں مفہوم انوکھے ہیں
دیوانوں میں بیدؔم کا دیوان نرالا ہے 112؂

☆☆

میرا دل اور مری جان مدینے والے
تجھ پہ سو جان سے قربان مدینے والے
3 1 1؂

ضروری نوٹس

(طاہر سلطانی کا مرتب کردہ تذکرہ ’اُردو حمد کا ارتقاء‘ (مطبوعہ : جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی، 2004ء) 632صفحات پر مشتمل ہے۔ اس تذکرے کے صفحہ 103 پر طاہر سلطانی نے بیدم وارثی کے حوالے سے تحریر کیا ہے

’’بیدم وارثی ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے ۱۳۶۳ھ میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔‘‘

’تذکرہ شعرائے وارثیہ‘کے مرتب ساگر وارثی کے مطابق بیدم وارثی ۱۲۹۳ھ مطابق 1876ء میں پیدا ہوئے۔ اور تاریخ وصال ۸/رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ مطابق 24 نومبر 1936ء ہے۔

متذکرہ سال پیدائش اور تاریخ وصال کی روشنی میں طاہر سلطانی کی دونوں باتیں درست نہیں۔)

☆☆☆

کلیاتِ مظہر (حافظ مظہر الدین مظہؔر) مرتب : ارسلان احمد ارسؔل فروری 2013ء

’’کلیاتِ مظہؔر‘‘ حافظ مظہر الدین مظہؔر کے متفرق مجموعہ ہائے کلام پر مشتمل ہے۔ اس کی

تحقیق و ترتیب کی سعادت ارسلان احمد ارسل کے حصہ میں آئی ہے۔فروری 2013ء میں ارفع پبلشرز، بی-سمیع سینٹر غزنی اسٹریٹ، 38-اُردو بازار لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔ 1168 صفحات پر مشتمل اس کتاب کا ہدیہ 800/- روپے ہے۔ [114]

”کلیاتِ مظہر“ میں نور و نار (مظہر کی غزلیں)، شمشیر و سناں (مظہر کی نظمیں)، حرب وضرب (مظہر کی نظمیں، تجلیات (مظہر کی نعتیں)، جلوہ گاہ (مظہر کی نعتیں)، بابِ جبریل (مظہر کی نعتیں)، میزاب (مظہر کی نعتیں) یعنی کل سات مجموعہ ہائے کلام شامل ہیں جس میں سے چار الحمدللہ نعتیہ شاعری پر مشتمل ہیں۔ [115]

حافظ مظہر کا حقیقی نام محمد مظہرالدین ہے۔ادبی پہچان مظہرالدین مظہر اور تخلص بھی مظہر ہے۔حافظ مظہرالدین ۱۳۳۲ھ مطابق 1914ء میں ست کوہا ضلع گرداس پور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن رم داس تحصیل رچنالہ ضلع امرتسر تھا۔ [116]

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا نواب الدین چشتی عظیم بزرگ اور اسلامی تعلیمات کے زبردست مبلغ تھے۔حافظ صاحب کے پیرومرشد حضرت خواجہ سراج الحق چشتی اور اُستاذِ فن علامہ سیماب اکبر آبادی تھے۔

حافظ مظہرالدین کا انتقال 22 مئی 1981ء کو ہوا۔آپ کا مزار چھتر شریف شاہراہِ مری میں موجود ہے۔ [117]

کلیاتِ مظہر میں لکھنے والے افتخار عارف، خورشید رضوی، ارسلان احمد ارسل، پروفیسر انوار احمد زئی، ڈاکٹر عزیز احسن، ڈاکٹر محمد اجمل نیازی، نذر صابری، مرتضٰی احمد میکش، نصیرالدین نصیر گولڑوی، عبدالعزیز خالد، حفیظ جالندھری، نسیم حجازی، حافظ مظہرالدین مظہر، محمد ایوب، احسان دانش، پیر کرم شاہ الازہری اور حفیظ تائب شامل ہیں۔

کلیاتِ مظہر میں زمانی اعتبار سے مظہر کی غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔ ”تجلیات“ سے مظہر کی نعتوں کا سفر شروع ہوتا ہے۔تجلیات کی پہلی نعت سے قلب و جاں کو معطر کیجیے۔

آؤ کہ ذکر حسن شہ بحر و بر کریں
جلوے بکھیر دیں شب غم کی سحر کریں
مل کر بیاں محاسن خیرالبشر کریں
عشق نبی کی آگ کو کچھ تیز تر کریں 118ے

کلیاتِ مظہر کے آخری صفحات پر حافظ مظہرالدین مظہؔر کی آخری نعت جو مرض الموت کے دوران 5 مئی 1981ء کے قریب کہی گئی، اُس کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

یہ دوری و مہجوری تا چند مدینے سے
اے جلوۂ رعنائی، لگ جا مرے سینے سے
اب میری لحد میں بھی خوشبوئے مدینہ ہے
میں خاکِ شفا اِک دن لایا تھا مدینے سے 119ے

☆☆☆

کلیاتِ ریاضؔ سہروردی (حضرت ریاض الدین سہروردی) مرتب: ڈاکٹر شہزاد احمد دسمبر 2013ء

''کلیاتِ ریاضؔ سہروردی'' حضرت سیّد محمد ریاض الدین سہروردی کے متعدد مجموعہ ہائے کلام پر مشتمل ہے۔ راقم الحروف (شہزاد احمد) نے مع مقدمہ وتعلیقات کے ساتھ اسے مرتب کیا ہے۔ دسمبر 2013ء میں مرکزی انجمن عندلیبانِ ریاضِ رسول جامع بغدادی مسجد مارٹن کوارٹرز تین ہٹی کراچی نے اسے طبع کیا ہے۔ 1154 صفحات پر محیط کلیات کی قیمت 1500/- روپے ہے۔ 120ے

''کلیاتِ ریاض سہروردی'' میں ریاضِ رسول (حصہ اوّل)، ریاض رسول (حصہ دوم)، دیوانِ ریاض، ریاض رسول (حصہ سوم)، تعریف و ثنائے محمد (انگریزی)، غیر مطبوعہ کلامِ نعتیہ اور نعتیہ گلدستوں کی تمام اشاعتیں شامل ہیں۔ حضرت ریاض سہروردی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے اور جانشین قاری سیّد محمد اعجاز الدین سہروردی نے آپ کی کلیات کو

دیدہ زیب انداز میں شائع کرایا ہے۔نعتیہ کلیات کی تاریخ اور نعتیہ ادب میں یہ ایک مثالی اور گراں قدر اضافہ ہے۔

پیدائشی نام سیّد محمد ریاض الدین اور ریاضؔ تخلص ہے۔ ابتدائی پہچان ریاض امرتسری اور بعدازاں ریاض سہروردی زندگی بھر قائم رہی۔ ۱۸ ؍رجب المرجب ۱۳۳۷ھ مطابق 4 اپریل 1919ء کو جے پور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ۴؍ذی الحج ۱۴۱۲ھ مطابق 28 جنوری 2001ء بروز بدھ بوقت اذانِ مغرب 82 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔آپ کا مزار جامع بغدادی مسجد، تین ہٹی کراچی میں مرجع خلائق ہے۔ 1 2 1ے

آپ کے والد ماجد مفتی سید محمد جلال الدین چشتی نظامی کاشمیری ممتاز عالمِ دین، اُردو، فارسی، عربی اور کاشمیری زبانوں میں شعر کہتے تھے۔حضرت ریاض سہروردی سیّد ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب درجہ بہ درجہ ہوتا ہوا سیّدنا علی المرتضیٰ، شیرِ خدا (رضی اللہ عنہ) سے جا ملتا ہے۔آپ مسلکاً سنی (حنفی) اور مشرباً سہروردی، قادری، چشتی اور نقشبندی ہیں۔ 2 2 1ے

حضرت ریاض سہروردی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ شاعری میں ابتداً اپنے والد سے اور پھر ماسٹر روشن دین روشن امرتسری سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ آپ کی زندگی کا عملی آغاز نعت خوانی سے ہوا۔آپ کا شمار ممتاز ومعروف علمائے اہلسنّت میں ہوتا ہے۔آپ کی نعت خوانی اور مسلسل کہی جانے والی نعت گوئی نے آپ کو بامِ عروج بخشا۔

نعت خوانی سے نعت گوئی تک آپ کے اثرات بہت گہرے ہیں۔آپ کے ذکر کے بغیر پاکستان میں نعتیہ منظرنامہ مکمل نہیں ہوسکتا۔ انجمن عندلیبانِ ریاض رسول پاکستان کا قیام، سالانہ منعقد ہونے والی کل پاکستان محفل نعت اور نعت خوانوں کی تربیت کے لیے سب سے پہلے نعت کالج کا قیام آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

حضرت ریاض سہروردی کی نعتیہ شاعری پر لکھنے والوں میں صاحبزادہ سیّد فیض الحسن، حضرت پیر دیول شریف، حضرت علامہ شفیع اوکاڑوی، مولانا محمد حسن حقانی، پروفیسر ڈاکٹر

طاہرالقادری، شبنم رومانی، اقبال احمد صدیقی، مولانا فاروق احمد قادری، صاحبزادہ سید علی اطہر رسولنمائی، میر خلیل الرحمٰن، ڈاکٹر شہزاد احمد، سید صبیح الدین صبیح رحمانی، ڈاکٹر عزیز احسن، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، پروفیسر عظیم ایم میاں، پروفیسر سیّد محمد بدیع الدین سہروردی، سیّد محمد فصیح الدین سہروردی، سیّد محمد اعجاز الدین سہروردی، اور نبیرہ سیّد محمد نجم الدین سہروردی شامل ہیں۔

کلیاتِ ریاض سہروردی کے ریاض رسول حصہ اوّل سے نعتیہ شاعری کا حسن آغاز ہوا ہے۔ پہلی نعت جھولنا کے عنوان سے ہے :

شاخ طوبیٰ پہ کیا خوشنما جھولنا نور والے کا ہے نور کا جھولنا
ہے بلاشک بڑا دل رُبا جھولنا دستِ قدرت سے کھینچا گیا جھولنا
کیوں نہ دکھلائے شانِ خدا جھولنا 123ؔ

''کلیاتِ ریاض سہروردی'' کی آخری نعت ملاحظہ کیجئے:

مصطفیٰ آئے ہیں باطل کو مٹانے کے لیے
شمع توحید کی دُنیا میں جلانے کے لیے

ہاتھ بخشے تجھے خالق نے، زباں دی ہے ریاضؔ
نعت لکھنے کے لیے، نعت سنانے کے لیے 124ؔ

ضروری نوٹس

((۱) شعرائے امرتسر کی نعتیہ شاعری کے مؤلف محمد سلیم چودھری نے لکھا ہے کہ ''آپ کی پیدائش امرتسر میں ہوئی۔'' سیّد محمد نجم الدین سہروردی کے مرتب کردہ ''کتابچہ ریاض سہروردی'' (مطبوعہ: تنظیم سہروردیہ قلندریہ، کراچی، سن ندارد) کی روشنی میں شعرائے امرتسر کی نعتیہ شاعری کے مؤلف کی یہ بات

درست نہیں۔ آپ کی پیدائش جے پور (انڈیا) میں ہوئی تھی۔

(ب) ''اُردو حمد کا ارتقاء'' کے مرتب طاہر سلطانی نے لکھا ہے کہ ''علامہ صاحب 1938ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔ 2000ء کو کراچی شہر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔'' ص 124۔ طاہر سلطانی کی تینوں باتیں درست نہیں۔ سال پیدائش 1919ء، جائے پیدائش جے پور (انڈیا) اور سالِ وفات 8 فروری 2001ء ہے۔

ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ نے اپنی گراں قدر تالیف ''وفیات اہل قلم'' (مطبوعہ : اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2008ء) میں 15 اگست 1947ء تا 14 اگست 2007ء تک رخصت ہو جانے والے پاکستانی اہل قلم کے کوائف اور تواریخ وفات تحقیقی انداز میں جمع کیے ہیں۔ ڈاکٹر سلیچ نے صفحہ 184 پر حضرت ریاض سہروردی کا مختصر مگر جامع تعارف ''تذکرہ انوارِ علمائے اہل سنت سندھ'' کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ یہ تعارف مختصر ہونے کے باوجود جامعیت کے حسن سے آراستہ ہے۔ اختصار کے بعد بھی تمام ضروری معلومات ایک نظر میں موجود ہیں جنھیں ہمیشہ تحسین کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

صاحبزادہ سیّد محمد زین العابدین راشدی قاسمی نے اپنی تحقیق و ترتیب کردہ ''تذکرہ انوارِ علمائے اہل سنت سندھ'' (مطبوعہ : زاویہ پبلشرز، لاہور، 2006ء) صفحہ 276 تا 278 پر حضرت ریاض سہروردی کا ذکر کیا ہے۔ سرزمین سندھ سے تعلق رکھنے والے تین سو سے زائد علماء و مشائخ کی علمی اور ادبی خدمات پر مشتمل یہ عظیم الشان تذکرہ ہے۔ جسے فاضل نوجوان مؤلف نے عرق ریزی اور جاں کاری سے ترتیب دیا ہے۔ اس کام کی جتنی بھی ستائش کی جائے وہ کم ہے۔ ایسے کام بار بار دیکھنے میں نہیں آتے۔)

☆☆☆

کلیاتِ شاہ انصاؔر الٰہ آبادی مرتب: سیّد خالد حسن رضوؔی امروہوی جون 2014ء

''کلیاتِ شاہ انصاؔر الٰہ آبادی'' حضرت شاہ انصار حسین رحمانی الٰہ آبادی کی حمد و

نعت پر مشتمل ہے۔ جس کو مرتب کرنے کا شرف پیرزادہ سیّد خالد حسن رضوی امروہوی کو حاصل ہے کتاب مکمل مرتب ہونے کے بعد دوبارہ اس کو از سرِ نو راقم الحروف (شہزاد احمد) کی نگرانی میں ''مقدمہ'' کے ساتھ ترتیب دیا گیا۔ جون 2014ء میں ادبستان انصار، A-8 بلاک A نارتھ ناظم آباد کراچی نے اس کی حسین طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ 1040 صفحات پر محیط اس کلیات کا ہدیہ صرف دُعائے صحت برائے نزہت نسیم رضوی زوجہ پیرزادہ سید خالد حسن رضوی امروہوی واہل خانہ ہے۔[125]

''کلیاتِ شاہ انصار الہٰ آبادی'' میں آپ کی نعتیہ شاعری کا مکمل کلام شامل ہے۔ تحفہ نظامی، ہل اتیٰ، سبحٰن الذی اسریٰ، صلوٰۃ وسلام، اشک متبسم، آفتاب چشت، سراج السالکین، مرقع غوثیہ، مرقع محبوبیت، فردِ فرید، صبغت اللہ، کلامِ لا کلام، الحمدللہ الذی، مدینۃ العلم، مظہر العلوم (اوّل و دوم) اور فیض العظیم (غیر مطبوعہ) بھی اب مطبوعہ ہے۔ اس طرح سے آپ کے 16 مجموعہ ہائے کلام اس کلیات کی زینت ہیں۔[126]

شاہ انصار حسین پیدائشی نام، انصار تخلص اور ادبی شناخت شاہ انصار الہٰ آبادی ہے۔ درگاہِ سیّد صاحب الہٰ آباد (یوپی) انڈیا میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سالِ ولادت ۲۹/ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ مطابق 15 مارچ 1915ء بروز جمعۃ المبارک ہے۔

قیام پاکستان کے بعد دسمبر 1947ء میں کراچی آ گئے۔ 95 برس کی عمر میں ۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ مطابق 18 دسمبر 2007ء کو خوابِ اجل سے دوچار ہو کر اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کی سمت روانہ ہوئے۔ ساری زندگی مسلک اہلسنّت و جماعت کی عملی خدمت انجام دی۔ نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریک سے عوام وخواص بالخصوص نوجوانوں کی تربیت سازی کا فریضہ احسن طور پر انجام دیا۔ آپ کا مقصد حیات نعت رسول کے فروغ سے عبارت ہے۔[127]

''کلیاتِ شاہ انصار الہٰ آبادی'' کے لکھنے والوں میں پروفیسر منظر ایوبی، پروفیسر سحر

انصاری، خواجہ رضی حیدر، علامہ عباس کمیلی، مولانا محمد اصغر درس، سید صبیح الدین صبیح رحمانی، جاوید وارثی، عقیل احمد عباسی، ڈاکٹر شہزاد احمد، پیرزادہ خالد حسن رضوی امروہوی، پروفیسر حسن اکبر کمال، ڈاکٹر اختر ہاشمی، ڈاکٹر عزیز احسن، حیات رضوی امروہوی، طاہر سلطانی، علامہ سید شاہ تراب الحق قادری، علامہ سید شہنشاہ حسین نقوی، ابرار احمد رحمانی، الحاج شمیم الدین، حاجی حنیف طیب، محسن اعظم ملیح آبادی، پروفیسر خیال آفاقی، سید ناظر حسین رضوی، سید آباد میاں چشتی، خورشید حسن رضوی، ڈاکٹر اشرف اشرفی الجیلانی، نفیس القادری، حافظ محمد مستقیم، شاہد حسن القادری، عزیز لطیفی، عمران القادری اور یاسر حسن رضوی امروہوی شامل ہیں۔

''کلیاتِ شاہ انصار الٰہ آبادی'' کا سب سے پہلا مجموعہ نعت و مناقب تحفہ نظامی ہے۔ اس کی پہلی حمد رب ذوالجلال ملاحظہ کیجیے۔

اے خدائے جلیل روحِ جمال
تیرے ذرّے بھی! آفتاب اجلال
دونوں عالم کی جان بن جائے
جو بھی ہو تیری راہ میں پائمال 128؎

☆☆

روحِ کونین کا ترجماں چاہیے
مدحِ احمد کو وہ زباں چاہیے
نعت پاکِ محمد کہاں میں کہاں
اس زمیں کو تو ہفت آسماں چاہیے 129؎

☆☆☆

ضروری نوٹس

((ا)کتابی سلسلہ 'تذکرہ'کراچی کی خصوصی اشاعت شمارہ 28، مارچ 2010ء کے مرتب سیّد محمد قاسم

نے لکھا ہے کہ ''سید انصار حسین 1917ء میں الٰہ آباد
میں پیدا ہوئے...... سالکانِ راہِ طریقت کی راہبر شمع انجمن
2008ء میں پاپوش نگر کے قبرستان میں محو استراحت ہے۔''
ص146۔ محمد قاسم کی دونوں باتیں درست نہیں۔ سال
پیدائش 1915ء، سال وفات 18دسمبر 2007ء ہے۔
(ب) ماہنامہ ارمغان حمد، کراچی ''شاہ انصار الٰہ
آبادی حمد و نعت نمبر'' خصوصی اشاعت، شمارہ 87-88،
اپریل مئی 2011ء کے مدیراعلیٰ طاہر سلطانی نے اپنے
اداریہ میں لکھا ہے کہ ''شاہ صاحب حقیقی اللہ والے تھے۔
آپ 2004ء کو اپنے عزیز و اقارب اور سینکڑوں مریدوں کو سوگوار
چھوڑ کر ملکِ عدم کے راہی ہوئے۔'' ص 14۔ طاہر سلطانی کی یہ
بات درست نہیں۔ سالِ وفات 18 دسمبر 2007ء ہے۔

☆☆☆

کلیاتِ راہی مولانا نذر محمد راہیؔ مرتب ڈاکٹر محمد اویس معصومی 2014ء

''کلیاتِ راہیؔ'' مولانا نذر محمد راہیؔ مرحوم کے نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ اس کے مرتب ڈاکٹر محمد اویس معصومی ہیں۔ سال اشاعت 2014ء ہے۔ تلاش حق فاؤنڈیشن، پی او بکس 8778 صدر کراچی نے اس کی طباعت کا خوبصورت اہتمام کیا ہے۔ یہ مجلد کتاب 120 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی قیمت 150/- روپے ہے۔

''کلیاتِ راہیؔ'' بھی مولانا نذر محمد راہیؔ مرحوم کا مختصر سا مجموعہ کلام ہے۔ جسے کلیاتِ راہی کا نام دے دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب کے دوران راقم الحروف نے ڈاکٹر اویس معصومی کو مشورہ دیا تھا کہ اس کا نام کوئی اور تجویز فرما دیں۔ یہ کلیات کے زمرے میں شامل نہیں بلکہ ایک عام سا مجموعہ کلام ہے۔ موصوف مرتب نے فرمایا 'اس پر ضرور سوچیں گے۔'

مگر کتاب بالآخر کلیات راہی کے نام سے ہی شائع ہوئی۔

کلیات راہیؔ کے لکھنے والوں میں ڈاکٹر اویس معصومی، منظر علی عارفی اور ڈاکٹر شہزاد احمد شامل ہیں۔ جب کہ قطعات تاریخ (سال وصال) اور مادّہ ہائے تاریخ (سال وصال)

معروف ومحترم تاریخ گو، نعت گو و فارسی شناس محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری کی رشحات فکر کے آئینہ دار ہیں۔ کتاب کو اُردو اور سرائیکی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مولانا نذر محمد راہی کے بارے میں بنیادی معلومات توجہ دلانے کے بعد بھی موجود نہیں۔

مولانا نذر محمد راہی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے راقم الحروف نے ''راہی عقیدت'' کے عنوان سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ جس کا صرف ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

''راہی صاحب بھی طبع موزوں رکھتے تھے۔ اُنھوں نے سادہ انداز میں اپنے قلب کی دھڑکنوں کو شعری جامہ پہنایا ہے۔ یہ دل سے نکلی ہوئی باتیں ہیں جنھیں دل والے ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔ ممدوح محترم کی شاعری کو فن کی کسوٹی پر نہیں، صرف عقیدت کی نظر سے دیکھا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا، کیونکہ اس عقیدت کے راہی کی شاعری قلبی وارفتگی کی آئینہ دار ہے اور عقیدت کے گرد گھومتی دکھائی دیتی ہے۔''

0 3 1

بلاشبہ کلیات راہی، اس کے مرتب ڈاکٹر محمد اویس معصومی کی اپنے اُستاذ گرامی سے عقیدت کا مظہر ہے۔ کتاب کو بہت عمدگی اور نفاست سے طبع کیا ہے۔ اس کتاب کی پہلی حمد ملاحظہ کیجیے۔

میرے مالک تیرا سہارا ہے — تو ہی تو آسرا ہمارا ہے
تیرا دستور ہے کرم کرنا — مشکلوں میں تجھے پکارا ہے
دین اسلام کی مدد فرما — کفر نے پھر سے سر اُبھارا ہے 131

فکر راہی کی روانی اور سادگی اس حمد باری تعالیٰ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مولانا نذر محمد راہی نے اپنی نعتیہ شاعری میں اکثر اپنے قلب مضطر اور سرکارِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روئے تاباں دیکھنے کی خواہش کا اظہار بڑی عمدگی سے کیا ہے۔اس نعت کا مطلع بھی اِنھیں کیفیات کا آئینہ دار ہے۔اس نعت میں مسلمانوں کے مصائب و آلام میں گِھر جانے کا ذکر بھی خوب ہے۔

ازل سے قلب مضطر میں ہے ارماں یا رسول اللہ
دکھا دو اب تو اپنا روئے تاباں یا رسول اللہ
نگاہِ لطف سے برباد قسمت کو بدل دیجے
مصائب میں گھرا ہے پھر مسلماں یا رسول اللہ 132؎

☆☆☆

کلیاتِ ظہوری | محمد علی ظہوریؔ | سن ندارد

’’کلیاتِ ظہوریؔ‘‘ محمد علی ظہوریؔ کے نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔سالِ اشاعت درج نہیں۔خزینہ علم وادب، الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔384 صفحات پر مشتمل کلیاتِ ظہوریؔ کی قیمت 225/- روپے ہے۔

کلیاتِ ظہوریؔ میں محمد علی ظہوریؔ کی چار نعتیہ کتب شامل ہیں ۔جنھیں زمانی اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔کلیات نگاری کی ترتیب میں یہی طریقہ معروف اور درست ہے۔اس طریقے سے شاعری کا درجہ بہ درجہ ارتقا سامنے آجاتا ہے اور بیک نظر نعتیہ کتب بھی سامنے آجاتی ہیں۔محمد علی ظہوری کی نوائے ظہوری، توصیف، کتھے تیری ثنا، صفتاں سوہنے رسول دیاں۔

’’کلیاتِ ظہوری‘‘ پر لکھنے والوں میں احمد ندیم قاسمی، پیر آفتاب احمد مجددی، اختر سدیدی، علامہ شبیر احمد ہاشمی، اشفاق احمد خاں، سعداللہ شاہ، عزیز حاصل پوری، ڈاکٹر رشید انور، حفیظ تائب شامل ہیں۔

محمد علی پیدائشی نام اور ظہوری تخلص ہے۔12 اگست 1932ء کو موضع آرائیاں علاقہ

نواب صاحب لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حاجی نور محمد نقشبندی ایک صوفی منش شخصیت کے مالک تھے۔ سترہ برس کی عمر میں میاں ظہورالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ انھوں نے اپنے مرشد کے نام کو اپنے نام کا حصہ بنا لیا اور محمد علی سے محمد علی ظہوریؔ ہو گئے۔ ظہوری صاحب ایک عام اسکول ٹیچر تھے۔ انھوں نے نعت خوانوں کی تربیت کے لیے مجلس حسان کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا۔

الحاج محمد علی ظہوری قصوری 11 اگست 1999ء بروز بدھ صبح 10 بجے شریف میڈیکل سٹی ہاسپٹل رائے ونڈ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اسی روز شام چھ بجے نمازِ جنازہ ہوئی اور انھیں ان کے آبائی گاؤں ''رائیاں'' لاہور میں سپردِ خاک کردیا گیا۔

محمد علی ظہوری نے چار مرتبہ حج اور گیارہ مرتبہ عمرے کی سعادت حاصل کی۔ جبکہ انتقال سے 23 دن قبل روضہ رسول کے اندر درود وسلام پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ ظہوری صاحب کی نعت اور نعت خوانی کے اثرات پورے ملک پر چھائے رہے۔ نصف صدی تک نعت خوانی کی خدمات انجام دیں۔

آپ کے قابل ذکر شاگردوں میں قاری زبید رسول، عبدالستار نیازی، اختر قریشی، سلیم صابری، منیر ہاشمی، قاری افضال انجم، مختار صدیقی اور محمد سرور حسین نقشبندی شامل ہیں۔

کلیاتِ ظہوری سے ہم منتخب اشعار آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

جب مسجد نبوی کے مینار نظر آئے
اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے
منظر ہو بیاں کیسے الفاظ نہیں ملتے
جس وقت محمد کا دربار نظر آئے

آپ کو یہ صلوٰۃ وسلام روضہ پاک یعنی روضہ رسول کے اندر جا کر پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

یارسول اللہ ترے در کی فضاؤں کو سلام
گنبد خضریٰ کی ٹھنڈی چھاؤں کو سلام

آپ کی کہی آخری نعت جسے ان کے شاگرد سرور حسین نقشبندی نے انھیں لحد میں اُتارتے وقت پڑھا۔

یہ آرزو نہیں کہ دعائیں ہزار دو
پڑھ کے نبی کی نعت لحد میں اُتار دو

ضروری نوٹس

(سید محمد قاسم اپنے مرتب کردہ تذکرے 'پاکستان کے نعت گو شعرا (جلد سوم)، (مطبوعہ: جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی، 2010ء) کے صفحہ 538 پر رقم طراز ہیں۔

"ثنائے حبیب، مدحِ رسول، نوائے ظہوری، کتھے تیری ثنا، صفتاں سوہنڑے رسول دیاں وغیرہ مجموعوں میں محمد علی ظہوری کے محبت و عقیدت کو جلوہ گر دیکھا جا سکتا ہے۔"

قاسم صاحب کی تحریر کردہ کتب کے نام اور تعداد بھی درست نہیں۔ ثنائے حبیب اور مدحِ رسول ظہوری صاحب کے مجموعہ ہائے کلام نہیں۔ کلیاتِ ظہوری کے حوالے سے موصوف کے کل چار مجموعہ ہائے کلامِ نعتیہ شائع ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ نوائے ظہوری، توصیف، کتھے تیری ثنا، صفتاں سوہنے رسول دیاں۔)

☆☆☆

کلیاتِ ضیاء القادری بدایونی مرتب: ڈاکٹر شہزاد احمد (غیر مطبوعہ)

کلیاتِ ضیاء القادری غیر مطبوعہ ابھی ترتیب و تکمیل کے مراحل میں داخل ہے۔ ضیاء القادری بدایونی کا پیدائشی نام محمد یعقوب حسین تھا۔ ۲۲؍رجب ۱۳۰۰ھ بمطابق 2 جون 1883ء میں بدایوں (انڈیا) کے مشہور و ممتاز ملّا خاندان میں پیدا ہوئے۔ ضیاء القادری سات سال کی عمر میں والدہ اور والد گرامی ملّا یاد حسین کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے تھے۔

والدین کے انتقال کے بعد ان کی خالہ اور خالو حضرت علی احمد اسیر بدایونی نقشبندی نے انھیں گود لے لیا۔ یہ اسیر بدایونی کی تربیت خاص کا کرشمہ تھا کہ مولانا ضیاء القادری اوائل عمر سے شعر و ادب کے علاوہ تصوف و طریقت کی طرف بھی مائل ہو گئے۔ عربی تعلیم حضرت مولانا شاہ عبدالرسول محبّ احمد قادری سے حاصل کی۔ واضح رہے کہ ضیاء القادری بدایونی حضرت اسیر بدایونی کے شاگرد تھے اور اسیر بدایونی مرزا غالب دہلوی کے شاگرد تھے۔

مولانا ضیاء القادری نے بے شمار نعتیں کہی ہیں، سینکڑوں طویل اور مختصر نظمیں سپردِ قلم کیں۔ ''مولوی و پیشوا'' میں مذہبی نوعیت کے تحقیقی و علمی مقالے اور مضامین لکھتے رہے۔ برصغیر پاک و ہند کا شاید ہی کوئی ایسا رسالہ ہوگا جس میں مولانا ضیاء القادری کی حمد و نعت اور سلام و منقبت شائع نہ ہوتی رہی ہوں۔ ماہنامہ ''آستانہ'' دہلی میں مولانا کے نام کے علاوہ ''شاعر آستانہ'' یا ''شاعر خصوصی آستانہ'' کے نام سے برسوں کلام چھپتا رہا۔

ضیاء القادری 1970ء میں قمری لحاظ سے 90 سال مکمل کر چکے تھے۔ 13 اگست 1970ء کو اذانِ فجر کا وقت ہوا کہ مولانا ضیاء القادری اپنے معبود برحق کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور کنٹری کلب روڈ کراچی کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

لسان الحسّان مولانا ضیاء القادری بدایونی کی تنہا شخصیت نعتیہ شاعری کے لیے ایک دبستان بن چکی تھی۔ سینکڑوں شعرا آپ سے اصلاح لیتے تھے۔ آپ کے چند قابل ذکر شاگردوں میں شکیل بدایونی، اختر الحامدی رضوی، ماہر القادری، طالب انصاری، صوفی عبدالشکور کمبل پوش نظامی، ناظم جبل پوری، خادمی اجمیری، نیر الحامدی ضیائی، ماہر شکوہ آبادی، مختار اجمیری ضیائی، کاشف بالاپوری، جالب بدایونی، حفیظ وارثی ضیائی مین پوری، ہاشم بدایونی، پروانہ ضیائی، نسیم بستوی، وحید اجمیری، حشر القادری، محشر بدایونی، صوفی رہبر چشتی اور رئیس بدایونی وغیرہم نے نعتیہ شاعری میں بلند مقام حاصل کیا۔

متذکرہ شعرا میں صرف چند کے علاوہ تقریباً تمام ہی صاحب کتاب ہیں بلکہ بعض

شعرا تو صاحب دیوان نعت گو شعرا کی صف میں شامل ہیں اور یہی نہیں بلکہ دنیائے نعت گوئی میں ملک گیر شہرت کے حامل بھی ہیں۔ یہ بات یہیں پر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ ضیاء القادری کے شاگردوں نے اور پھر ان کے شاگردوں نے صنف نعت گوئی اور فروغ نعت گوئی میں بیش بہا و گراں قدر نعتیہ خدمات انجام دی ہیں۔

مولانا ضیاء القادری بدایونی وہ خوش نصیب اور زود گو شاعر ہیں کہ سب سے زیادہ آپ نے نعتیہ و منقبتیہ کلام کہا جو کثیر تعداد میں برصغیر پاک و ہند کے رسالوں اور ماہناموں میں تواتر کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ اس کے علاوہ آپ کے کئی نعتیہ شعری مجموعہ ہائے کلام بھی شائع ہو چکے ہیں۔ تاج مضامین ۱۳۴۵ھ، تجلیات نعت ۱۳۶۴ھ، آثارِ بے خودی ۱۳۳۴ھ، مرقّع شہادت ۱۳۵۸ھ (کربلا کے منظوم واقعات)، نغمہ ربّانی 1957ء (میلادیہ مثنوی)، جوارِ غوث الوریٰ ۱۳۷۳ھ (بغداد و دیگر مقامات مقدسہ کا نظم و نثر میں منظوم سفرنامہ)، نغمہ ہائے مبارک ۱۳۶۹ھ (سلاموں کا مجموعہ)، چراغِ صبح جمال ۱۳۷۸ھ (قصائد نورانی)، دیارِ نبی 1950ء (منظوم سفرنامہ حج)، آئینہ انوار 1967ء ستارۂ چشت 1951ء اور آپ کا ایک ضخیم نعتیہ دیوان ''خزینہ بہشت'' 1959ء میں کراچی سے شائع ہوا۔

کلیاتِ ضیاء القادری بدایونی مرتب کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ایسا عظیم نعت گو جس کے تذکرے اور اس کے سینکڑوں شاگردوں کے تذکروں سے اُردو کا نعتیہ ادب مالا مال ہے۔ مقامِ حیرت ہے کہ مولانا کی کلیات کی جانب کہیں سے بھی کوئی پیش رفت دیکھنے میں نہیں آئی۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ مولانا ضیاء القادری کی نعتیہ کلیات اور دیگر کتب شایانِ شان طریقے سے نعتیہ ادب کی زینت ہوتیں، مگر نہ جانے ایسا کیوں نہیں ہوسکا۔ اب راقم الحروف نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اللہ رب العزت سے التجا ہے کہ وہ مخلصین نعت کے تعاون سے اس نعتیہ کلیات کو جلد از جلد منصۂ شہود پر لائے۔

مولانا ضیاء القادری بدایونی کی پوری زندگی حمد و نعت سے عبارت ہے جس کا واضح اظہار

آپ کے اشعار میں موجود ہے۔ پہلے ایسے اشعار پیش کیے جا رہے ہیں جن میں مولانا نے اپنے مشرب کا اظہار کیا ہے۔

حمدِ رب، نعتِ مصطفیٰ کے سوا ہم سے کچھ اور اے ضیاؔء نہ ہوا

☆

اعمال حسن کچھ پاس نہیں یوں عمر بسر ہوتی ہے
ضیاؔء
یا نعت محمد لکھتے ہیں یا حمد الٰہی کرتے ہیں

☆

جس نے چمنِ شاہِ رسولاں نہیں دیکھا اس نے بخدا گلشنِ رضواں نہیں دیکھا
خیرالبشر و ختم الرسل تم بخدا ہو کونین میں تم سا کوئی انسان نہیں دیکھا
ہر وقت ہے نعتِ شہِ لولاک زباں پر تم سا بھی ضیاؔء کوئی ثنا خواں نہیں دیکھا

☆☆☆

''کلیاتِ عزیز خاکی'' مرتب: ڈاکٹر شہزاؔد احمد (غیر مطبوعہ)

''کلیاتِ عزیز خاکی'' عزیزالدین خاکی القادری کی ابتدائی نعتیہ شاعری تا 2014ء پر مشتمل ہے۔ جس میں عزیزالدین خاکی کے تمام مطبوعہ نعتیہ شعری مجموعے اور نیا نعتیہ کلام جو 2014ء تک کہا ہے وہ بھی شامل ہے۔

عزیز الدین خاکی ابتدا میں دو نعتیہ انتخاب ''انوارِ مدینہ'' 1988ء اور 'نورالہدیٰ' 1991ء بھی شائع کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اولیائے کرام کی مناقب پر مشتمل ایک انتخاب ''مناقب اولیاء'' بھی 1992ء میں اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ خاکی صاحب تسلسل سے حمد و نعت کہہ رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ابھی تک کئی نعتیہ مجموعے اور ایک حمدیہ مجموعہ کلام بھی طبع شدہ ہے۔ ذکر خیرالوریٰ 1990ء، ذکر صلِّ علیٰ 1994ء، نغمات طیّبات 1996ء، الحمدللہ 2002ء

(حمدیہ مجموعہ کلام)، بیّنات 2007ء، اور آئینہ صلِّ علیٰ 2011ء زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

حبیبی یا رسول اللہ 1999ء، یا رسول اللہ کی ردیف میں کہی گئی نعتوں کا ایک یادگار انتخاب ہے۔ کتابی سلسلہ ''دنیائے نعت'' کراچی بھی خاکی القادری کی نعتیہ خدمات کا معتبر حوالہ ہے۔ عزیزالدین خاکی روز و شب حمد و نعت کی خدمت پر مامور ہیں۔ مخلص ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی شہرت اور مقبولیت میں اضافہ روزافزوں ہے۔

شیخ محمد عزیز الدین نام، تخلص خاکی اور نسبت قادری ہے۔ 20 فروری 1966ء میں پکا قلعہ حیدرآباد (سندھ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی و ثانوی تعلیم کراچی میں حاصل کی۔ مستقل رہائش کراچی میں ہے۔ شاعری میں محمد یامین وارثی اور حضرت بابا سیّد رفیق عزیزی سے مشورۂ سخن لیتے رہے۔

''کلیاتِ عزیز خاکی'' راقم الحروف شہزاد احمد کا مرتب کردہ ہے۔ اسے بہت خوبصورتی اور اہتمام کے ساتھ چھوٹے سائز میں شائع کیا جا رہا ہے۔ جس طرح چھوٹے سائز میں کلیاتِ اقبال اور کلیاتِ غالب شائع ہو چکی ہیں۔ الحمدللہ! یہ تمام کام ترتیب و تکمیل کے مراحل سے گزر کر حسن طباعت کی جانب بڑھ چکا ہے۔ زیور طباعت سے آراستہ ہونے کے بعد یقیناً اُردو نعتیہ ادب میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہوگا۔

عزیز الدین خاکی کے نعتیہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔

ذرّے ذرّے میں عجب شان کی زیبائی ہے   خوب پیغام مدینے سے صبا لائی ہے

جسم ہے سارا جہاں، روح مرے آقا ہیں   ان کے صدقے سے دو عالم میں بہار آئی ہے

مجھ پہ موقوف نہیں عشقِ شہِ جنّ و بشر   جو بھی ہے وہ شہِ ابرار کا شیدائی ہے

☆

مرتبہ سارے مراتب سے ہے اونچا تیرا
کون لکھ سکتا ہے قرآں سا قصیدہ تیرا
تیری خاطر ہوئی تخلیقِ دو عالم آقا
بزمِ کونین میں چھایا ہے اُجالا تیرا
تیرے اوصاف ، ترا خلق، تری شانِ عطا
منفرد ہے مرے سرکار سراپا تیرا

☆☆☆

کلیاتِ صبیح رحمانی　　　مرتب: ڈاکٹر شہزاد احمد　　　(غیر مطبوعہ)

''کلیاتِ صبیح رحمانی'' صبیح رحمانی کی ابتدائی نعتیہ شاعری سے لے کر 2014ء تک کی شاعری پر مشتمل ہے۔ صبیح رحمانی نعت گوئی کے دبستان میں وہ خوش نصیب شاعر ہیں کہ جن کی کہی نعتوں کو اُن کے سامنے ہی شہرتِ دوام حاصل ہو چکی ہے۔ ان کے نعت کہنے کا انداز اور نعت پڑھنے کا سلیقہ دونوں سننے والے کو متاثر کرتے ہیں۔ وہ نعت کہنے کی حقیقی روح سے واقف ہیں۔ ان کے قلب کی دھڑکنیں جب شعری جامے میں ڈھل کر سماعت گوش ہوتی ہیں تو قاری کے قلوب و اذہان میں بھی ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ وہ صرف نعت سنتا ہی نہیں بلکہ نعت کے دوامی کیف و سرور کو بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ قلم کی اس دھنک رنگ اور اس قلبی پکار میں صبیح رحمانی کا وجود بھی شامل ہے۔ وہ صرف نعتوں کو قرطاس پر نہیں اُتارتے بلکہ وہ لوگوں کے قلوب میں نعتوں کے سرمائے کو منتقل کر دیتے ہیں۔ اب یہ نعت صرف ایک فرد کی نہیں بلکہ اُمت کی فریاد بن جاتی ہے۔ صبیح رحمانی کی اکثر نعتیں اُمت کی فریاد اور قلبی کیفیات کے طور پر نہ صرف معروف ہیں بلکہ زبان زد خلائق ہیں۔

سیّد صبیح الدین نام، صبیح تخلص اور نسبت رحمانی ہے۔ 27 جون 1965ء میں فردوس کالونی کراچی میں پیدا ہوئے۔ بی اے (شعبۂ سیاسیات) جامعہ کراچی سے کیا۔ مستقل رہائش کراچی میں ہے۔ حافظ محمد مستقیم، شاہ انصار الٰہ آبادی اور فدا خالدی دہلوی سے اصلاح لی۔

صبیح رحمانی کا سرمایۂ نعت مختصر ہونے کے باوجود توجہ کا مستحق ہے۔ صبیح رحمانی کے دو نعتیہ شعری مجموعے اور ان کی نعتوں کے کئی انتخاب شائع ہو چکے ہیں۔ مگر اس کے باوجود لوگوں کی تشنگی برقرار ہے۔ روز بروز اس کی مانگ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ بڑھتی ہوئی مانگ مقبولیت کی علامت ہے۔ راقم الحروف نے اپنے پی ایچ۔ڈی کے مقالے ''اُردو نعت پاکستان میں'' اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ یہ معلوماتی اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

> ''صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری اگرچہ تعداد میں کم ہے، مگر معیار شہرت اور اثر پزیری کے حوالے سے بہت زیادہ ہے۔ صبیح رحمانی کا پہلا مجموعہ کلام 1989ء میں ماہِ طیبہ کے نام سے شائع ہوا۔ جادۂ رحمت 1993ء دوسرا مجموعہ کلام ہے۔ صبیح رحمانی وہ مقبول عام نعت گو ہیں کہ ان کی نعتیہ شاعری سے متعلق کئی انتخاب شائع ہو چکے ہیں۔ خوابوں میں سنہری جالی ہے 1997ء، مرتب عزیز احسن (اب ڈاکٹر عزیز احسن)، سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے 2001ء، مرتب مقصود حسین اویسی، سرکار کے قدموں میں 2002ء، مرتب محمد محبوب، سرکار کے قدموں میں 2006ء، مرتب مدثر سرور چاند، سرکارِ دوعالم کی مدح وثنا کے طفیل صبیح رحمانی کو نت نئے حوالوں سے نوازا جاتا ہے۔ صبیح رحمانی کی اُردو نعتیہ شاعری کی قبولیت کا یہ اعجاز ہے کہ اس کے انگریزی ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں۔ ''جادۂ رحمت'' کا انگریزی ترجمہ جسٹس (ر) ڈاکٹر منیر احمد مغل اور ''سرکار کے قدموں میں'' کا انگریزی ترجمہ سارہ کاظمی

کی علمی کاوش ہے۔ یہ دونوں انگریزی ترجمے 2009ء میں دیدہ زیب اور مثالی انداز سے شائع ہوئے ہیں۔‘‘ ص 248

’’کلیاتِ صبیح رحمانی‘‘ کی اشاعت وقت کی ضرورت اور لوگوں کی تسکین کا باعث بھی ثابت ہوگی۔ نعتیہ کلیات کی دنیا میں ان شاء اللہ یہ کلیات بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ ’’کلیاتِ صبیح رحمانی‘‘ مرتب کرنے کا شرف بھی راقم الحروف شہزاد احمد کو حاصل ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت کے طفیل ان تمام خدمت گزارانِ نعت کو صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے۔

صبیح رحمانی کی بہت ساری نعتیں قبولیت کی سند حاصل کر چکی ہیں۔ اکثر محافل میں صبیح رحمانی کی نعتوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ بہت سارے نعت خواں حضرات ان کے انداز میں اُن کی نعتیں محافل میں پیش کرتے ہیں۔ صبیح رحمانی کی اس نعت نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم ہیں۔

حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے　　سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے
میں صرف دیکھ لوں ایک بار صبح طیبہ کو　　بلا سے پھر میری دنیا میں شام ہو جائے

☆

کوئی مثل مصطفیٰ کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا　　کسی اور کا یہ رُتبہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا
اُنھیں خلق کرکے نازاں ہوا خود ہی دست قدرت　　کوئی شاہکار ایسا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

☆☆☆

حوالہ جات

1- نیرّ ،نورالحسن (مرتب) کلیات نعت محسن کاکوروی اُتر پردیش اُردو اکادمی لکھنؤ (انڈیا)
۱۹۸۲ء

2- شائق دہلوی، میر سیّد علی کلیاتِ شائق سید پبلی کیشنز ایم اے جناح روڈ کراچی
۱۹۹۴ء

3- عاصی کرنالی، ڈاکٹر تمام و نا تمام ۴۵۔شالیمار کالونی، بوسن روڈ، ملتان
۱۹۹۴ء

4- شہزاد احمد، ڈاکٹر اُردو نعت پاکستان میں حمد و نعت ریسرچ فاؤنڈیشن، اُردو بازار، کراچی
۲۰۱۴ء

5- صادق قصوری، محمد (مرتب) کلیاتِ راقب قصوری عمیر پبلشرز، میاں مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور
۱۹۹۶ء

6- شہزاد احمد (مرتب) مقصودِ کائنات (ادیب رائے پوری) مدحت پبلشرز، شمالی ناظم آباد، کراچی ۱۹۹۸ء

7- رؤف امیر (مرتب) کلیاتِ ظہور (حافظ محمد ظہور الحق ظہورؔ) معاذ پبلی کیشنز، اسلام آباد
۱۹۹۹ء

8- بیچینؔ رجپوری بدایونی کلیاتِ بیچین وحدت کالونی، وحدت روڈ، لاہور
۲۰۰۳ء

9- اعظم چشتی، محمد کلیاتِ اعظم خزینۂ علم و ادب، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور
۲۰۰۵ء

10- تائبؔ، عبدالحفیظ کلیاتِ حفیظ تائبؔ القمر انٹر پرائزز، رحمٰن مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
۲۰۰۵ء

11- نقشبندی، سرور حسین مدحت لاہور (حفیظ تائب نمبر) خصوصی نمبر 3، اکتوبر تا مارچ
۲۰۱۱ء

-12 قادری، فریدالدین، ڈاکٹر کلیاتِ قادری (غلام رسول قادری) قادری پبلی کیشنز، سولجر بازار، کراچی ۲۰۰۵ء

-13 قادری، فریدالدین، ڈاکٹر سندھ کے اکابرین قادریہ کی علمی خدمات قادری پبلی کیشنز، سولجر بازار، کراچی ۲۰۰۵ء

-14 ثاقب عرفانی (مرتب) حمد ربّ علا نعت خیرالوریٰ (راسخ عرفانی) ایس ایس فاروق مکینیکل انڈسٹریز، گوجرانوالہ

۲۰۰۶ء

-15 شبیہہ الحسن، سید، ڈاکٹر طاہرین (سید وحیدالحسن ہاشمی) الحسن پبلی کیشنز، اچھرہ، لاہور

۲۰۰۶ء

-16 حامد امروہوی (مرتب) سرمایہ رؤف امروہوی ڈائمنڈ پرنٹرز نئی دہلی (انڈیا)

۲۰۰۷ء

-17 سلطان احمد (مرتب) کلیاتِ منور (منوّر بدایونی) جہانِ حمد پبلی کیشنز، اُردو بازار، کراچی

۲۰۰۸ء

-18 سلیم، محمد (مرتب) کلیاتِ اظہر مکان نمبر 2/593-94، شاہ فیصل کالونی، کراچی ۲۰۰۹ء

-19 نیازیؔ، عبدالستار کلیاتِ نیازیؔ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

۲۰۰۹ء

-20 اعجازؔ رحمانی کلیاتِ نعت کامیاب بک ڈپو نوید اسکوائر، نیو اُردو بازار، کراچی

۲۰۱۰ء

-21 اعجازؔ رحمانی عظمتوں کے مینار مدینۃ العرب انٹرنیشنل، نارتھ کراچی، کراچی

۲۰۱۴ء

-22 اقبال عظیم، پروفیسر زورِ حرم (کلیات) توکل اکیڈمی اُردو بازار، کراچی

۲۰۱۰ء

-23 عابدؔ سعید، محمد خلد نظر (کلیاتِ عابد سعید عابد) وارڈ نمبر 3 بڑکی جدید، گوجر خان

۲۰۱۱ء

-24 شاعرؔ علی شاعر نور سے نور تک راحیل پبلی کیشنز، اُردو بازار کراچی

۲۰۱۲ء

-25 ساجد چشتی، لطیف (مرتب) کلیاتِ صائم چشتی چشتی کتب خانہ فیصل آباد

۲۰۱۲ء

-26 بیدمؔ شاہ وارثی کلیاتِ بیدم وارثی عبداللہ اکیڈمی، الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

۲۰۱۲ء

-27 ساگر وارثی تذکرہ شعرائے وارثیہ اسلام آباد کالونی، سمن آباد، لاہور

۱۹۹۳ء

-28 ارسلؔ، ارسلان احمد (مرتب) کلیاتِ مظہر (حافظ مظہرالدین) ارفع پبلشرز اُردو بازار لاہور

۲۰۱۳ء

29- شہزاد احمد، ڈاکٹر (مرتب) کلیاتِ ریاض سہروردی مرکزی انجمن عندلیبانِ ریاضِ رسول، تین ہٹی، کراچی ۲۰۱۳ء

30- رضوی، خالد حسن (مرتب) کلیاتِ شاہ انصار اِلہٰ آبادی ادبستان انصاری، نارتھ ناظم آباد کراچی ۲۰۱۴ء

31- معصومی، محمد اویس، ڈاکٹر کلیاتِ راہی (مولانا نذر محمد راہی) تلاش حق فاؤنڈیشن، صدر، کراچی ۲۰۱۴ء

32- شہزاد احمد، ڈاکٹر (مرتب) کلیاتِ ضیاءالقادری بدایونی (غیر مطبوعہ)

33- شہزاد احمد، ڈاکٹر (مرتب) کلیاتِ عزیز خاکی (غیر مطبوعہ)

34- شہزاد احمد، ڈاکٹر (مرتب) کلیاتِ صبیح رحمانی (غیر مطبوعہ)

☆☆☆

منظر عارفی۔کراچی

اردو کے نعتیہ اشعار میں ’’چٹائی، غارِ حرا، جو‘‘ کے تذکار اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقائق

ABSTRACT:

Manzar Arfi has under gone research into the oft used names of Cave Hira , Mat and Barley in devotional poetry. He has presented historical back ground to denote correct evaluation in comparison to other visiting or doweling places, use of certain commodities and taking food stuff as diet by our beloved Prophet (Peace be upon Him). The article is an effort to enable poets to make their poetry credible, with proper use of authentic references of different things.

چٹائی:

الا ماشاء اللہ ہمارے نعت گو شعراء اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے چٹائی کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔اس حوالے سے عجیب عجیب شعر نعتوں میں لکھے گئے ہیں۔شاید ہی کوئی نعت کہنے والا شاعر ہو جس نے ’’چٹائی‘‘ پر شعر نہ لکھا ہو۔میں اگر ایسے شعروں کا انتخاب بھی لکھوں تو سینکڑوں کی تعداد میں شعر لکھ سکتا ہوں ۔ہماری نعت میں یہ اتنا مشہور موضوع ہے کہ ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی کہ مثال کے طور پر ہی ایک دو شعر لکھ دیے جائیں ۔پچھلے پینتیس چالیس سالوں میں شائع ہونے والا کوئی بھی اردو کا نعتیہ مجموعہ اٹھایئے ’’چٹائی‘‘ کے موضوع پر بیسیوں شعر مل جائیں گے۔سو میں یہاں

ایک بھی شعر نہیں لکھ رہا۔ نعت لکھنے والے شعراء غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے یا لیٹے کے لیے صرف ''چٹائی'' ہی کو اختیار فرمایا اور چٹائی کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹھنے اور لیٹنے کے لیے کوئی دوسری چیز نہ تو استعمال فرمائی اور نہ ہی پسند فرمائی۔ ایسی سوچیں اور اس قسم کے فیصلے نعت لکھنے والے شعراء کے قطعی ذاتی فیصلے ہیں۔ حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس قسم کی باتیں اس کثرت سے لکھی گئی ہیں کہ حقائق پسِ پشت چلے گئے ہیں۔ اور لوگ اندھی تقلید کی بنیاد پر اسے دل و جاں سے اپنائے ہوئے ہیں۔ اور اسی کو دین سمجھ رہے ہیں، اسی پر سر دھن رہے ہیں، گریبان چاک کر رہے ہیں، اور نذرانے لُٹا رہے ہیں۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ ہمایوں میں لیٹنے اور بیٹھنے کے لیے جو بھی چیزیں اس وقت کے عام معاشرے میں استعمال ہوتی تھیں اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہی بلاتکلف استعمال فرمایا جن میں سے ایک چیز ''چٹائی'' بھی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے اور لیٹنے کے حوالے سے جو فضیلت ''چٹائی'' کو حاصل ہے وہی فضیلت اُن تمام چیزوں کو بھی حاصل ہے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے یا استراحت فرما ہوئے۔ خواہ وہ چٹائی ہو، براہِ راست زمین ہو، چمڑہ ہو، چادر ہو، چارپائی ہو، کرسی ہو، مسند ہو یا منبر وغیرہ میں سے کچھ بھی ہو۔ نیز مجھے کہیں سے اس بات کا ثبوت نہیں ملا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دورِ مبارک میں موجود عام طور پر بیٹھنے اور لیٹنے کی تمام چیزوں میں سے صرف ''چٹائی'' کو ہی پسند فرمایا ہو اور باقی چیزوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہو۔ یا باقی چیزوں کے مقابلے میں ''چٹائی'' کو زیادہ اہمیت دی ہو۔ یا کسی وقت کسی اور چیز کو ترک فرما کر چٹائی کو اختیار فرمایا ہو۔ (واللہ اعلم)

حافظ ابن قیم ''زاد المعاد'' میں لکھتے ہیں کہ:

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) زمین، چٹائی، بستر ہر جگہ (جو پاک صاف ہوتی

وہاں بلاتکلف) بیٹھ جایا کرتے۔قیلہ بنتِ مخزمہ نے بتایا کہ'' ایک بار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت اکڑوں بیٹھے تھے۔ جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح عاجزی سے اکڑوں بیٹھے دیکھا تو ڈر کر کانپ گئی''۔

جب حاتم طائی کے فرزند عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے گھر لے گئے ۔لونڈی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بچھونا پیش کیا جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (بچھونے کو) اپنے اور عدی کے درمیان رکھ دیا اور زمین پر بیٹھ گئے۔حضرت عدی کہتے ہیں کہ:

''میں سمجھ گیا کہ آپ بادشاہ نہیں ہیں''۔(۱)

''اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چارپائی پر تشریف فرما ہوتے جسے کھردرے بان سے بُنا گیا تھا''۔(۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

''اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس میں ایک ایسی چارپائی تھی جو بڑی گھاس کے پٹھے سے بُنی گئی تھی۔اس پر ایک سیاہ رنگ کی چادر بچھائی جاتی تھی''۔(۳)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''اُن کے پاس رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات میں سے ایک چارپائی،ایک عصا،ایک پیالہ ایک تکیہ جس کو کھجور کی چھال سے بھرا گیا تھا، ایک چادر اور ایک کجاوہ (اونٹ پر بیٹھنے کی ڈولی) تھا''۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

''قریشِ مکہ سونے کے لیے چار پائیاں استعمال کرتے تھے ۔جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں اقامت گزیں ہوئے۔حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''اے ابو ایوب !تمہارے ہاں چار پائی نہیں ہے؟''۔عرض کی ''بخدا !ہمارے ہاں چار پائی نہیں ہے''۔

(کیونکہ اہلِ مدینہ میں اہلِ مکہ کی طرح چار پائی کے استعمال کا رواج نہیں تھا) یہ بات حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے سنی تو اپنے آقا علیہ الصلواۃ والسلام کے استعمال کے لیے ایک چار پائی بھیجی جس کے بازو اور پائے ساگوان (کی قیمتی لکڑی سے) بنائے گئے تھے۔رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر استراحت فرمایا کرتے تھے ۔اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی تو اس وقت بھی اسی چار پائی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم (استراحت فرما) تھے۔بعد میں صحابہ کرام اپنے مُردوں کو اسی چار پائی پر اٹھا کر دفن کے لیے لے جاتے تھے۔چنانچہ حضرت صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی اسی چار پائی پر اُن کی آخری آرام گاہ تک لے جایا گیا تا کہ اس کی برکت سے ان کی میت بھی متمتع ہو۔(۴)

حضرت ابو رفاعہ العدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ''کرسی'' پیش کی گئی ۔میرا خیال ہے اس کے پائے لوہے کے تھے''۔

امام احمد کی رائے ہے، کہ اس کے پائے لکڑی کے تھے۔لیکن اس پر سیاہ رنگ کر دیا گیا تھا۔جس کی وجہ سے یہ غلط فہمی ہوئی (یعنی کالے رنگ کی وجہ سے اس پر لوہے کے پائے ہونے کا شبہ ہوا) حضرت

ابورفاعہ کہتے ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس (کرسی) پر بیٹھ گئے اور مجھے وہ علم سکھانا شروع کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا''۔(۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چٹائی تھی جو رات کو لپیٹ دی جاتی تھی۔ اس پر حضور نماز ادا کرتے تھے۔دن کے وقت (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانا چاہتے) حضور صلی اللہ علیہ کے لیے بچھادی جاتی ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آرام فرماتے''۔(٦)

اس روایت سے دو باتیں ثبت ہوتی ہیں۔اوّل: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت لیٹنے یا بیٹھنے کے لیے چٹائی بھی استعمال فرماتے تھے۔دوم یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رات کو استراحت چارپائی پر ہی فرماتے تھے، اور یہی آپ کو اپنے قبیلے کی تہذیب کے مطابق پسند تھا (واللہ اعلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی تھیں کہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس بستر پر استراحت فرمایا کرتے تھے وہ چمڑے کا تھا اس کو کھجور کے پتوں سے بھرا گیا تھا''۔(۷)

حضرت اُمِ سلیم کی خوشبو کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کا پسینہ جمع کرنے والی مشہور زمانہ حدیث میں ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس بستر پر استراحت فرماتے تھے وہ چمڑے کی بنی ہوئی ایک چادر تھی۔(۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''جس کجاوہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا تھا وہ پرانا تھا اور ایسی

لکڑی کا بنایا گیا تھا جس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی‘‘۔(۹)

ایک روز حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی نورِ نظر اُم المؤمنین حضرت سیدنا حفصہ رضی اللہ عنہا (عموماً لوگ اس کو ''حصفہ'' پڑھتے ہیں اور اپنی بچیوں کا یہی نام رکھتے ہیں جو یوں غلط ہے کہ یہ نام ایک ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا ہے) سے پوچھا، کہ مجھے یہ بتاؤ کہ:

''سب سے نرم اور ملائم وہ کون سا بستر تھا جو تم نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بچھایا''۔

اُم المؤمنین نے جواب دیا ''ہمارے پاس ایک چادر تھی جو ہمیں خیبر کے اموالِ غنیمت سے ملی۔ میں ہر شب اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر (یعنی چارپائی) پر بچھا دیا کرتی۔ اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے۔ ایک رات میں نے اس کو دُہرا کر کے بچھا دیا جب صبح ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا:

''آج میری چارپائی پر کیسا بستر تم نے بچھایا تھا''۔ میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! وہی بستر جو ہر روز حضور کے لیے بچھاتی ہوں، آج میں نے صرف یہ کیا، کہ اس چادر کو دُہرا کر کے بچھا دیا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس طرح تم پہلے یہ چادر بچھاتی تھیں اسی طرح بچھایا کرو یہ دُہری چادر میری شب بیداری میں مخل ہوئی''۔

یہ سُن کر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ زار وقطار رونے لگے۔(۱۰)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ چادر بالوں سے بنی ہوئی تھی اور پہلے دوہری کر کے بچھائی جاتی تھی ایک بار حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اسے چار تہہ کر کے بچھا دیا۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گفتگو فرمائی جو اوپر مذکور ہوئی۔(۱۱)

روایت ہے حضرت ایوب ابنِ بشیر سے وہ عنزہ کے ایک شخص سے راوی ،فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جب آپ ان سے ملتے تھے تو آپ سے مصافحہ کرتے تھے''؟۔انہوں نے فرمایا''ایسا کبھی نہ ہوا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مصافحہ نہ کیا ہو۔ حضور نے مجھے ایک دن بلایا، میں اپنے گھر میں نہ تھا۔پھر جب میں آیا تو مجھے خبر دی گئی تو میں حضور کے پاس آیا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تخت پر (تشریف فرما) تھے، مجھے لپٹا لیا تو یہ بہت اچھا ہوا بہت اچھا ہوا''۔(۱۲)

کون اِس بات سے واقف نہیں ،کہ مسجدِ نبوی میں اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر تشریف فرما ہوتے (کبھی بیٹھ جاتے کبھی کھڑے ہوکر ہی بیان فرماتے) یہ منبر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر لکڑی کا بنایا گیا تھا اور اس کی تین سیڑھیاں تھیں۔(پہلی سیڑھی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدمین شرفین رکھتے اور دوسری سیڑھی پر نشست فرماتے)۔اس منبر شریف کے فضائل میں کئی احادیث کتب احادیث میں موجود ہیں۔

میں کہتا ہوں اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت جس مقام یا جس چیز پر تشریف فرما، یا استراحت فرما ہو جاتے اس وقت وہ چیز اور وہ مقام بلاشبہ اور بلا اختلاف تمام چیزوں اور تمام مقامات سے افضل ترین ہوتا تھا۔اور اس وقت زیادہ افضل ہوتا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامع کو وعظ فرما رہے ہوتے۔ ہمارے نعت گو شعراء ''چٹائی'' کے ساتھ ساتھ اوپر ذکر کردہ ان دیگر اشیاء کو جس پر ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما، یا استراحت فرما ہوئے اور کثرت سے ہوئے ،کب اپنی نعتوں کا موضوع بنائیں گے۔یا صرف چٹائی ہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص

رکھیں گے۔غالباً ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق مطالعہ اور تحقیق کے بغیر یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ سید الانبیا، وجہِ تخلیقِ دو جہاں، خاتم النبین اور تمام تر مخلوقات میں سب سے برتر و افضل رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان کا اظہار صرف اسی وقت ممکن ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو صرف چٹائی جیسی ارزاں چیز سے منسوب کر دیا جائے۔اور چٹائی ہی پر نشست فرما اور استراحت فرما دکھایا جائے۔(معاذ اللہ) اگر صرف چٹائی ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہوتی تو یہ واقعہ ہرگز رونما نہ ہوتا جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چار پائی کے حوالے سے ہے جس کا ذکر ابھی آپ سطور بالا میں پڑھ چکے ہیں۔اس چار پائی کی قدر و قیمت کیا تھی درج ذیل روایت سے اس کا اندازہ کیجیے کہ:

''اس چار پائی کو حضرت عبداللہ بن اسحاق الاشجانی نے چار ہزار درہم کی قیمت ادا کر کے خرید ا تھا''۔(۱۳)

نعت کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ:

''نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنے سے زیادہ مشکل ہے۔''

اس کا یہی مطلب ہے کہ نعت کہنے والا جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر خوب اچھی طرح غور کر لے کہ وہ صحیح اور واقعہ کے مطابق ہی کہہ رہا ہے یا محض اپنی تخیل آفرینی کے بل بوتے پر نعت کے اشعار بُن رہا ہے۔اور اس پر خوش گمان ہے کہ اس نے سب سے بڑی عبادت کر لی ہے۔اس قسم کی کتنی ہی باتیں ہیں جو نعت لکھنے والے شعراء نے اپنی نعتوں میں بلا کسی تحقیق اور مطالعے کے لکھ ڈالی ہیں۔اور یہ ساری باتیں آج بھی نقل در نقل کے مرحلے سے گزر رہی ہیں۔ایک نے جو کہا دوسرے نے بھی وہی اپنے ردیف قافیوں میں کہہ دیا، متن ایک ہی ہے۔مجھے اس وقت زیادہ حیرت ہوئی جب میں نے غیر مسلموں کے لکھے ہوئے وہ کلام دیکھے جن کو ''غیر مسلموں کی کہی ہوئی نعت'' کہا جاتا ہے۔حقیقت

یہ ہے کہ وہ تمام کلام بھی مسلمان شعراء سے سنے ہوئے کلاموں کا فیضان ہیں یعنی کاپی ہے۔انہی کلاموں کے بارے میں بعض مسلمان مقدمہ نگاروں اورتقریظ نگاروں نے یہ تک لکھا ہے کہ ''غیر مسلم شعراءمسلمان شعراء سے زیادہ قرآن وحدیث اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم وادراک رکھتے ہیں،اورعشقِ رسول میں سرتاپا ڈوبے ہوئے ''نعت'' لکھ رہے ہیں''۔ حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔اس پرایک طویل گفتگو ہے جوانشاءاللہ تعالیٰ آئندہ کسی مضمون میں کی جائے گی۔سرِ دست میں اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ اگر ہمارے مسلمان شعراء نے نہایت ایمانداری کے ساتھ تحقیق اورمطالعہ سے گزر کرعین واقعہ کے مطابق نعتیں لکھی ہوتیں توجتنا مواد آج مسلمان شعراء کے پاس نعتوں کا لکھاہوا موجود ہے اُس کا پچیس فیصد بھی نہ ہوتا۔اورغیر مسلموں نے جتنا کچھ مسلمان شعراء سے سن سن کر ''نعت'' کے نام پرلکھا ہے اس کا پانچ فیصد مواد بھی ان سے حاصل نہ ہوتا۔کیونکہ واقعہ کچھ اور ہے اور جو کچھ لکھا گیاہے وہ کچھ اور ہے۔کسی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ سے کہہ دیاجائے کہ وہ آپریشن تھیٹر میں جاکرمریضوں کے آپریشن کرے تو وہ ویسے ہی آپریشن کرے گا جیسے ہمارےنعت لکھنے والوں نے تحقیق اورمطالعہ سے گزرے بغیر واقعہ کےقطعی خلاف نعتیں لکھی ہیں۔سوچیے یہ ہم سب کے سوچنے کے لیے ہے۔میری اس گفتگو سے وہ نعت گوشعراءقطعی مستثنیٰ ہیں جواپنے وقت کے جید علماءبھی ہیں۔

غارِحرا:

اسی طرح غارِحرا بھی ہمارے اردونعت گوشعراء کا پسندیدہ موضوع ہے،اور غالبًانہیں بلکہ یقیناً ہرنعت لکھنے والے شاعرنے ایک بارنہیں دس باربھی نہیں بلکہ اگر قافیہ ردیف نے ساتھ دیا تو ہرنعت میں اس نے ایک شعرمیں غارِحرا کوضرورلکھا ہے۔ہمارے برادرِعزیز جناب شبیراحمد انصاری صاحب نے تو اس موضوع پرایک ضخیم کتاب مرتب کی ہے اورکئی سو اشعار غارِحرا پرجمع کر لیے ہیں (وہ کتاب ''شبستانِ حرا'' کے نام سے شائع بھی ہوچکی ہے)۔اس غارِحرا کوموضوعِ نعت بنا کرشعراء نے جو

خامہ فرسائی کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے سب سے زیادہ اہم اورفضیلت مآب مقام غارِ حرا ہے۔اس کے علاوہ اور کوئی مقام نہ تو ایسا اہم ہے اور نہ ایسا فضیلت مآب ہے۔میں چاہوں تو حرا کے موضوع پر’’ شبستانِ حرا‘‘ کے تمام شعر مثال میں پیش کردوں۔لیکن صفحات بھرنے کے علاوہ اس کا اور کوئی فائدہ نہیں۔میں یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نعت گوشعراء کا یہ موضوع بھی صرف سنی سنائی باتوں تک محدود ہے۔اوراس پرعجیب عجیب طرح سے کہے گئے اشعارمحض شاعرانہ تخیل کا شاخسانہ ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ غارِحرا کو اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رہی ہے ۔اوراس کی ایک تاریخی حیثیت ہے ۔اور وہ تاریخی حیثیت یہ ہے کہ اسی غارِحرا میں ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پرقرآنِ پاک کے نزول کی ابتدا ہوئی۔یعنی پہلی وحی سورۂ العلق کی پانچ آیات اس غار میں نازل ہوئیں۔اس کے بعد حضرت ابنِ عباس رضی اللہ کی روایت کے مطابق چند دن جو فترتِ وحی کا زمانہ کہلاتے ہیں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِحرا کی طرف جاتے رہے،ایک دن غارِحرا سے واپس آرہے تھے کہ حضرت جبریلِ علیہ السلام کوزمین وآسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

> ’’اسے (جبریل علیہ السلام کو)اس حالت میں دیکھ کر میں مرعوب سا ہوگیا پھر میں گھر لوٹ آیامیں نے کہا مجھے چادر اڑھادو،جب میں چادر اوڑھ کر لیٹا ہواتھاتواللہ تعالٰی نے یہ آیات مجھ پر نازل فرمائیں‘‘(یعنی سورۃٔ المدثر کی ابتدائی پانچ آیات)(۱۴)

اس کے بعدکوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس غار کی طرف تشریف بھی لے گئے ہوں۔کیونکہ وحیِ ثانی کے نزول کے بعد سے تبلیغِ دین کا جوسلسلہ شروع ہوا،اورجس قوت

سے شروع ہوا وہ ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا کے ویرانے میں جا کر اس کی تنہائیوں میں معتکف ہو جائیں اور تبلیغ کے کام کو پسِ پشت ڈال دیں۔ اعلانِ نبوت سے پہلے اس غار میں جانے اور وہاں معتکف رہنے کی کیفیات کیا تھیں۔ کتبِ سیرت میں تفصیل سے درج ہیں۔ جو میں اگلی سطور میں پیش کروں گا۔ اور جن سے ہمارا نعت کہنے والا طبقہ الا ماشاء اللہ مکمل طور پر ناواقف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے غارِ حرا کو ایک ایسا مقام بنا دیا گویا زمین و آسمان میں اس سے زیادہ اہم اور محترم مقام کوئی ہے ہی نہیں جسے نعتیہ اشعار کا موضوع بنایا جائے۔ کوئی نہیں جانتا کہ غارِ حرا کے مقابلے میں غارِ ثور کی کیا حیثیت ہے۔ مکہ میں حرم اور جوارِ حرم، دارِ ارقم، کوہِ فاراں، عکاظ کے میلے، شعبِ ابی طالب، مکہ کی تجارتی منڈیاں۔ پھر میدانِ بدر واحد اور دیگر جائے غزوات۔ سرزمینِ طائف جیسے درجنوں مقامات، کن کن اہمیتوں کے حامل ہیں۔ جہاں اللہ کے پیارے رسول نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ہولناک تشدد کیا جاتا تھا۔ جہاں آپ پر کچرا پھینکا جاتا تھا۔ جہاں آپ پر خاک اُڑائی جاتی تھی۔ جہاں نماز کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈال دی جاتی تھی۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ نازک پر اتنی سنگ زنی کی گئی کہ نعلینِ مبارک خون سے بھر گئے۔ پورا جسم لہولہان ہو گیا۔ غارِ حرا میں تو یہ سب کچھ بھی نہیں ہوا۔ بلکہ اس کا ایک فیصد بھی کچھ نہیں ہوا۔ غارِ حرا کا دور تو مکمل امن و امان کا دور تھا۔ لیکن افسوس ہم نے غارِ حرا کو اپنے لیے سب کچھ بنا رکھا ہے اور باقی مقاماتِ عالیہ کو یکسر بھول چکے ہیں۔ جس مقام پر صرف پانچ آیاتِ قرآن نازل ہوئیں پوری اردو نعتیہ شاعری میں وہی مقام مکرر در مکرر در مکرر موضوعِ نعت بنا ہوا ہے اور جن مقامات پر بقیہ پورا قرآن نازل ہوا، اُن کا کہیں سرسری سا بھی ذکر نہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے غارِ حرا کے علاوہ دیگر تمام مقاماتِ مقدسہ کا ذکر نعت پر حرام ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمیں صرف نقل در نقل کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ جو کسی سے سن لیا اسی کو

لکھے جا رہے ہیں۔ یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی کہ اس کے علاوہ اور کون کون سے ''جہان'' ہیں جن کا تعلق ہمارے نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اگر ہمارے پاس سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ ہوتو ہماری نعت میں دوسرے مقاماتِ متبرکہ بھی نعت بنیں۔ لیکن افسوس ایسا نہیں ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ اگر غارِ حرا پر لکھے گئے اشعار امر واقعہ کے مطابق ہوں تو بھی ڈھارس رہے کہ چلو جناب نعت میں سچائی تو بہر حال موجود ہے۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی عجیب ہے، جو جس کی مرضی میں آ رہا ہے کہہ رہا ہے۔ اس بات سے بے پروا ہوکر کہ آخر سچ اور صحیح کیا ہے اور غلط اور جھوٹ کیا ہے۔ پچھلے دنوں ایسا ہی ایک شعر پڑھنے کا اتفاق ہوا جس نے ہلا کر رکھ دیا۔ میرے قاری بھی وہ شعر دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھیں اور پھر میں اس کے ضمن میں جو کچھ سیرتِ طیبہ سے حاصل کر سکا ہوں اس کا بھی مطالعہ کریں اور سچ اور جھوٹ، حقیقت اور خرافات کے مابین فرقِ امتیاز کا ادراک کریں۔ اپنے اصول کے مطابق میں یہاں بھی شاعر کا نام نہیں لے رہا کیونکہ میں بار ہا کہہ چکا ہوں کہ مجھے شاعر کے نام سے کبھی کوئی غرض نہیں ہوتی۔ مجھے غرض تو اس شعر سے ہوتی ہے جو حقائق کے خلاف ہوتا ہے اور نعت بنا دیا جاتا ہے۔ شعر ملاحظہ کیجیے:

جہاں روتے تھے جا کر کملی والے
بنوں زائر میں اُس غارِ حرا کا

اب آپ اس شعر کا مضمون ذہن میں تازہ رکھیے اور پھر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند و معتبر کتب سے میں جو حقائق تلاش کر سکا اس کا مطالعہ کیجیے اور پھر غور کیجیے کہ محض سیرت پاک کا مطالعہ نہ کرنے اور اپنی مرضی سے اپنی مرضی کی باتوں کو نعت بنانے کی کوشش میں ہمارے نعت کے شعراء الا ماشاء اللہ کہاں سے کہاں چلے جاتے ہیں۔ ان کی یہی غیر ذمہ داری اغلاط بن کر عام لوگوں کے لیے سند بن جاتی ہیں۔ درج بالا شعر میں شاعر موصوف کا خیال ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم غارِ حرا میں جا کر رویا کرتے تھے گریہ وزاری فرمایا کرتے تھے۔اب آیئے ! حقائق کی طرف :

سیرت ابنِ ہشام میں ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال حرا میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور یہ (بات) ان (عادتوں) میں سے تھی جس کو جاہلیت میں قریش عبادت کے طور پر (تحنث) کیا کرتے تھے۔اورتحنث کے معنیٰ تبرر(نیکی) کے ہیں''۔(۱۵)

علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں کہ:

''وحی کے نازل ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رویائے صالحہ دیکھنا شروع کیا۔کاہن اور آسمانی کتابوں کے عالم آپس میں ظہورِ شانِ نبوت کے چرچے اورتذکرے کرنے لگے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے خیال سے تنہائی اورخلوت کو زیادہ پسند فرمانے لگے ۔اکثر غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور وہیں دودو چار چار راتیں متواتر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے ۔یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چالیسویں سال اوربعض کہتے ہیں کہ تینتالیسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی''۔(۱٦)

علامہ ابنِ کثیر البدایۃ والنہایہ میں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول'' کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آغازِ وحی کا سلسلہ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان

فرمایارویائے صادقہ کی شکل میں ہوا۔لیکن اس کی صورت یہ تھی جیسے بحالتِ خواب طلوع سحر کا منظر سامنے آکر نگاہوں سے اوجھل ہوجائے۔اس کے بعدآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت پسندی کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں تنہا رہ کر شب و روز عبادت میں گزارنے لگے......الخ''۔(۱۷)

علامہ ابنِ کثیر یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبلِ بعثت خلوت پسندی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم قریش کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھتے تھے، اوراکثر ان سے علیحدہ رہنے لگے تھے،ویسے غارِحرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت گزینی سے قبل بھی کچھ اہلِ قریش غارِحرا میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے،اوروہاں سے فارغ ہوکر زائرینِ کعبہ کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (ایک عرصے تک) غارِحرا میں خلوت گزینی کے زمانے میں قریش کی اس روایت پر عمل کیا۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم زائرین اوردوسرے مساکین کو کھانا کھلانے کے بعد طوافِ کعبہ سے پہلے اپنے گھرنہیں جاتے تھے۔غارِحرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قربتِ الٰہی سے مشرف ہوکر بہت سی غیبی چیزیں دیکھتے اورآوازیں سنتے''۔(۱۸)

علامہ ابنِ کثیرمزید لکھتے ہیں کہ:

'' علماء کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل آپ کی عبادت کے بارے میں اختلاف ہے،کوئی اسے حضرت نوح علیہ السلام کی

شریعت کے مطابق بتاتا ہے کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق، اسی طرح کوئی کہتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق تھی، اور کسی نے اِسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق بیان کیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ادیانِ ماسبق کی شریعتوں سے کچھ کچھ باتیں اخذ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ایک نئی شریعت ایجاد اور پسند فرمائی اور عبادت کے سلسلے میں اس کو طریقِ عمل بنایا۔ اصولِ فقہ میں انہی مؤخر الذکر علماء کے اقوال کی تقلید کی گئی ہے"۔ (واللہ اعلم) (۱۹)

علامہ جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا رویائے صادقہ سے ہوئی۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبحِ روشن کی طرح نظر آتے تھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں عُزلت اور تنہائی کی رغبت ڈالی گئی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں جا کر کئی کئی راتیں بغیر گھر آئے مسلسل عبادت میں بسر کرنے لگے۔ پھر گھر آ کر اتنی مدت کے لیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حرا میں بسر کرنا ہوتی آپ توشہ (کھانے پینے کی چیزیں) لے جاتے"۔ (۲۰)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر پانی اور ستو لے کر شہر سے کئی کوس پرے سنسان جگہ کوہِ حرا (اب اِسے جبلِ نور کہتے ہیں) کی ایک غار میں جس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز تھا، جا بیٹھتے۔ عبادت کیا کرتے، اس عبادت

میں تمہید وتقدیس الٰہی کا ذکر بھی شامل تھا،اورذاتِ الٰہیہ پر تدبّر وتفکّر بھی،
جب تک پانی اورستوختم نہ ہوجاتا شہر میں نہ آیا کرتے‘‘۔(۲۱)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :

’’جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کے ہوئے آپ کوخلوت محبوب ہوگئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِحرا میں تشریف لے جاتے اور کئی روز اپنے ......الخ‘‘۔(۲۲)

علامہ علی ابنِ برہان الدین حلبی نے اپنی کتاب ’’اُمِ سیر‘‘المعروف سیرتِ حلبیّہ (اردو) میں ان واقعات کوکئی روایات کے ذریعے خاصی تفصیل سے لکھاہے جس کا اختصار یہ ہے کہ:

۱......آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِحرا میں اس زمانے میں جا کر خلوت نشین ہوا کرتے تھے جبکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوچکا تھا۔

۲......(غارِحرامیں)ایک مہینے تنہائی نشین رہتے اورجومسکین وہاں آپ کے پاس پہنچتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کوکھانا کھلاتے ،کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کےاونچے لوگوں کی یہ شان تھی کہ اس جگہ جومسکین بھی ان کے پاس پہنچتے وہ ان کو جوکچھ بھی حاضر ہوتا پیش کرتے اوران کا پیٹ بھرتے تھے‘‘۔(اس پر علماء کا کلام ہے۔یایوں کہاجاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِحرا کے مسکینوں کوکھانا کھلانے کی غرض سے وہاں جایا کرتے اوریہی وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت تھی)۔

۳......ایک قول یہ ہے کہ غارِحرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت گزاری یہی تھی ،یعنی لوگوں سے علیحدہ رہنا۔

۴......ایک قول یہ ہے کہ غارِحرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت لوگوں سے علیحدہ ہوکر

کائنات اور اس کی حقیقت پر غور وفکر ہوتی تھی۔

۵......ایک قول یہ بھی ہے کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذکرِ اللہ کے ذریعے عبادت کیا کرتے تھے۔اس قول کو کتاب سفر السعادہ میں بھی صحیح کہا گیا ہے۔

۶......ایک قول یہ ہے کہ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دوسرا عبادت کا طریقہ تھا۔

اس دوسرے طریقے کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے ان احکامات کے ذریعے عبادت فرمایا کرتے تھے جو شریعتِ محمدیہ میں باقی رکھے گئے ہیں۔''

۷......ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سے پہلے نبیوں کی شریعت کے ان احکام کے ذریعے عبادت کیا کرتے تھے جو ہماری شریعت میں باقی رکھے گئے ہیں۔

علامہ حلبی مزید لکھتے ہیں کہ:

''غرض!جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینے تک عبادت کر کے فارغ ہوتے تو وہاں سے واپس آکر سب سے پہلے آپ جو کام کرتے وہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبے میں تشریف لے جاتے ،اور بیت اللہ شریف کے سات یا جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا اتنے طواف کرتے اور اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے جایا کرتے، یہاں تک کہ وہ مہینہ آ گیا......الخ''۔(۲۳)

صاحبِ ضیاء النبی لکھتے ہیں:

''جب سچی خوابوں کا سلسلہ شروع ہوا تو دل جو پہلے ہی معرفتِ الٰہی اور محبتِ

الٰہی کے نور سے منور تھا اس میں اپنے معبودِ برحق بلکہ مقصودِ حقیقی اور محبوبِ حقیقی کی یاد میں کھو جانے کا جذبہ، کارگہِ حیات کی مصروفیتوں سے نکال کر اس کنجِ تنہائی میں گوشہ نشین ہونے پر مجبور کرنے لگا جہاں یادِ محبوب کے سوا کسی اور بات کا تصور تک خلل انداز نہ ہو۔ چنانچہ محبتِ الٰہی کا یہ طوفان حضور کو مکی زندگی کی مصروفیتوں سے نکال کر ایک غار میں لے آیا جس کا نام غارِ حرا ہے''۔

آگے صاحبِ ضیاء النبی الرشاد الساری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''یہ غار حرا جس پہاڑ کی چوٹی پر ہے اس کا نام ''جبلِ نور'' ہے۔ یہ غار چار گز لمبی اور دو گز چوڑی ہے، اس کی وسعت اتنی ہے کہ ایک آدمی اس میں لیٹ سکتا ہے۔ جبلِ نور اور اس کے ارد گرد جتنے پہاڑ ہیں خشک اور بے آب و گیاہ ہیں۔ راستہ اتنا کٹھن اور دشوار گزار ہے کہ صحت مند اور طاقت ور آدمی بھی وہاں بڑی مشکل سے پہنچنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ (یہ پہاڑ مکہ مکرمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے) اگر چہ دوسرے پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی اسی قسم کے گوشۂ عزلت کو تلاش کیا جا سکتا تھا لیکن سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گوشہ نشینی کے لیے غارِ حرا کو اس لیے پسند فرمایا کہ یہاں بیٹھ کر بیت اللہ شریف کی زیارت بھی ہو سکتی تھی''۔ (۲۴)

آگے وہ علامہ احمد بن زینی دحلان کے حوالے سے غار حرا میں قیام کی مدت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یعنی قیامِ مدت کو مبہم رکھا کیونکہ یہ مدت متعین نہ تھی، کبھی تین راتیں، کبھی پانچ، کبھی سات، کبھی رمضان کا پورا مہینہ یہاں قیام فرمایا کرتے''۔ (۲۵)

وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف رمضان شریف کا پورا مہینہ یہاں گزارتے تھے۔لیکن احادیثِ صحیحہ کے حوالے سے یہی پتا چلتا ہے کہ اگر چہ حضور رمضان المبارک کا پورا مہینہ یہاں گزارتے تھے لیکن اس کے علاوہ بھی بکثرت یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔''

اس روایت کے الفاظ بھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ:

''حضور چند روز کے لیے خورد ونوش کا سامان لے کر غارِ حرا میں تشریف لے جاتے ۔جب یہ راشن ختم ہوجاتا تو پھر ام المؤمنین حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آتے، چند دن قیام فرماتے، خور دونوش کا سامان لے کر پھر اسی غار میں اپنے رب کو یاد کرنے کے لیے فروکش ہوجاتے۔اسی حالت میں وحی کا آغاز ہوا''۔(۲۶)

آگے صاحبِ ضیاء النبی اس سوال کہ ''حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں آکر کیا کرتے تھے؟''۔عمدۃ القاری کے حوالے سے اس کا علمی اور تحقیقی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کا جواب ایک لفظ ''وَیَتَحَنّثُ ''میں مذکور ہے۔یہ باب تفعل کا فعل مضارع ہے ، اس باب کا اہم خاصہ یہ ہے کہ مصدری معنیٰ سے ''تجنب ''پر دلالت کرتا ہے ۔یعنی مصدری معنیٰ کی نفی کرتا ہے ۔جیسے ''تاثم ''اس کا ماخذ اور مصدر ''اَثَم ''جس کا معنیٰ گناہ کرنا،لیکن جب اس کا باب تفعل بنا کر ''تاثُم ''کہا جاتا ہے تو اس وقت اس کا معنیٰ ہوتا ہے گناہ سے اجتناب کرنا۔جس طرح تہجد کا مصدر ہجود ہے۔جس

> کا معنیٰ سونا ہے۔لیکن جب اس کا باب تفعل بنا کر تہجد کہا جاتا ہے ،تو اس کا معنیٰ جاگنا ہوتا ہے ۔جس میں سونے کی نفی کی جاتی ہے ۔اسی طرح ’’تحنّث ‘‘ کا ماخذ ’’حنث ‘‘ ہے جس کا معنیٰ گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔اور ’’تحنّث ‘‘ کا معنیٰ ہوگا گناہوں سے اجتناب کرنا،یعنی اپنا وقت یادِالٰہی میں صرف کرنا‘‘۔(۲۷)

وہ مزید لکھتے ہیں:

> ’’علامہ عینی نے اس کا ایک دوسرا معنیٰ بھی نقل کیا ہے’’ابو المعالی کہتے ہیں کہ’’ تحنّث ‘‘ کا معنیٰ’’ تعبد ‘‘ ہے،یعنی عبادت کرنا‘‘۔

علامہ عینی نے ایک اورقول بھی اس سلسلے میں نقل کیا ہے:

> ’’یعنی ابنِ الاعرابی اورشیبانی کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ ’’یَتَحَنّث ‘‘ نہیں ہے بلکہ ’’یَتَخَنّفُ ‘‘ ہے ۔املا کی غلطی سے ایسا لکھا گیا۔اس کا معنیٰ ہے یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا‘‘۔(۲۸)

یہ تمام روایتیں مصدقہ اورتحقیق شدہ ہیں۔ان سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غارحرا میں عبادت ’’گریہ وزاری‘‘یعنی رونا ہوتی تھی۔رونا ،ہنسنا ،کھانا پینا وغیرہ بذات خود کوئی عبادت نہیں،شرط یہ ہے کہ ان امور کا کسی کارِعبادت سے انسلاک ہوجائے۔مثلاً خوف الٰہی عزوجل یقیناً ایک عبادت ہے۔اس خوف کے باعث اگرکوئی رو پڑے تو یہ رونا عبادت بن جائے گا۔اسی طرح نعمتِ خداوندی کی افراط میں کوئی بطورِشکرہنس پڑے تو یہ ہنسنا عبادت بن جائے گا علیٰ ھٰذا القیاس۔لہٰذا کسی طرح بھی نہیں کہا جاسکتا کہ غارِحرا میں جا کر رونا (گریہ زاری کرنا) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص عبادت تھی۔اگر ایسا ہوتا تو کسی ذمہ دار کتاب کی کسی عبارت سے تو ثابت

ہوتا۔لیکن اتنے حوالوں میں کہیں بھی رونے کا ذکر نہیں آیا۔

نعت گو شاعر کی یہی ذمہ داری ہے کہ وہ جب نعت کے اشعار لکھے تو اپنی قطعی ذاتی رائے کو ’’دین‘‘ بنا کر پیش نہ کرے۔ بلکہ پہلے اپنے موضوع کا مطالعہ کرے پھر حقائق کے مطابق شعر کہے۔ اسی میں اچھائی ہے اسی میں سچائی ہے۔اور یہی نعت کا حق ہے۔وہ عامیانہ باتیں جو وقتی طور پر عام قسم کے سننے والوں کے جذبات میں ہلچل مچادیں۔انہیں سر دھننے پر مجبور کر دیں۔ نہ تو نعت بن سکتی ہیں اور نہ اہلِ علم سے ان پر کوئی تبریک وتحسین حاصل کی جاسکتی ہے۔ہمارے یہاں سرکاری طور پر کوئی قاعدہ قانون موجود ہوتو اس قسم کی باتوں پر سخت گرفت بھی ممکن ہے۔لیکن افسوس کہ ہمارے یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔فی زمانہ ہر شخص نے خصوصاً مذہبیات کو اپنے ہاتھوں میں لیا ہوا ہے اور حقائق کو پسِ پشت ڈال کر اپنی مرضی سے جو چاہ رہا ہے کر رہا ہے۔ جید علماء کی رائے اور تحقیق محض اس لیے بے اثر ہوکر رہ گئی ہیں کہ ان کی رائے کے مطابق اگر عمل کیا جائے ،ان کے مشوے اگر سو فیصد مان لیے جائیں تو ان سب کاموں میں سے اَسّی فیصد کاموں کو بغیر کسی شرط کے چھوڑنا پڑے گا جو مذہب کے نام پر مذہب بنا کر کیے جا رہے ہیں۔ میں دوٹوک کہنا چاہتا ہوں کہ صرف نعتیہ شاعری ہی نہیں بلکہ اس وقت الا ماشاء اللہ مذہب کے ہر شعبے کا یہی حال ہے۔اللہ تعالیٰ کرم فرمائے۔

میری گزارش ہے کہ نعت گو شعراء اپنی نعتوں میں غارِ حرا کو بھی ضرور لکھیں لیکن خدارا حقیقت کے خلاف ہرگز نہ لکھیں۔ نیز غار حرا کے علاوہ اور بھی کئی مقامات ہیں جو نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے حوالے سے غارِ حرا سے بلا مبالغہ زیادہ محترم ومکرم ہیں ،انہیں بھی اپنی نعت کا موضع بنائیں۔جن میں سے بعض کا ذکر میں سطورِ بالا میں کر چکا ہوں۔اگر انہیں اب تک کسی نے نہیں لکھا تو اب انہیں لکھنے کا رواج ڈالیں۔صرف سنی سنائی باتوں کو کاپی پیسٹ کاپی پیسٹ کرتے رہنے سے نعت پاک کی کوئی خدمت ادا نہیں ہوسکتی۔

جو:

علامہ حافظ ابنِ قیم لکھتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کھانے پینے میں بھی ایک مستقل سنت ہے، موجود کو رَد نہ کرتے اور جو چیز موجود نہ ہوتی اس کا تکلف نہ کرتے، جو حلال اور پاک کھانا میسر آتا اُسے کھا لیتے۔ ہاں عزتِ نفس مجروح ہوتی تو حلال ہوتے ہوئے بھی اُسے چھوڑ دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ جی چاہا تو کھالیا ورنہ چھوڑ دیا۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عادت نہ ہونے کی وجہ سے گوہ نہ کھائی۔ لیکن اُمت پر حرام بھی نہیں فرمائی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر گوہ کھائی گئی اور آپ دیکھتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوااور شہد تناول فرمایا۔ یہ دونوں چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں، بھیڑوں، مرغیوں، سرخاب، جنگلی گدھے اور خرگوش کا گوشت تناول فرمایا، نیز سمندری جانور (یعنی مچھلی) کا گوشت کھایا، اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا گوشت بھی استعمال فرمایا۔ اورتر اور خشک کھجور بھی تناول فرمائی۔ خالص دودھ، پانی ملا دودھ، ستو، اور شہد کو پانی میں ملا کر بھی نوش فرمایا۔ کھجور کا میٹھا پانی بھی پیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیرہ بھی کھایا جو دودھ اور آٹے سے بنتا ہے۔ تر کھجور کے ساتھ ککڑی کھائی۔ نیز پنیر کھایا۔ روٹی کے ساتھ خشک کھجور کھائی، سرکہ کے ساتھ بھی روٹی کھائی، ثرید بھی کھایا، جو روٹی اور گوشت (کے شوربے میں) میں بھگو دینے سے

بنتا ہے۔اہالہ سے بھی روٹی کھائی۔اہالہ چربی کو کہتے ہیں۔بھنی ہوئی کلیجی،اور گوشت کے ٹکڑے بھی کھائے۔پکا ہوا کدو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی محبوب تھا۔ثرید گھی میں ملا کر، پنیر،روٹی زیتون، اور تر کھجور کے ساتھ خربوزہ،اور تر خشک کھجور مکھن کے ساتھ بھی تناول فرمائی‘‘۔(۲۹)

اس تحریر کے بعد اور کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لیکن میں وہ تمام احادیث یہاں پیش کرنا چاہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا کے حوالے سے مجھے ملیں۔ایک تو یہ کلامِ رسول ہے اس کا نقل کرنا ثواب،پڑھنا ثواب،نیز نیت یہ بھی ہے کہ نعت گوشعراء کو اس کے ذریعے ایسا سچا موادمل جائے جسے وہ صحیح صحیح اپنی نعت کے اشعار میں پروسکیں۔اور لایعنی قسم کی باتوں کو نعت بنانے سے اپنے آپ کو بچاسکیں۔وماتوفیقی الاباللہ۔

روایت ہے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بکری کا)شانہ تناول فرمایا......الخ‘‘۔(۳۰)

روایت ہے حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہیں

’’حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (بکری کی) بھنی ہوئی پسلیاں پیش کیں گئیں حضور نے ان میں سے تناول فرمایا......الخ‘‘۔(۳۱)

روایت ہے حضرتِ ابورافع سے فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری کا پیٹ بھونتا تھا۔(یعنی پیٹ کی چیزیں،دل کلیجی تلی وغیرہ،گردے حضور صلی الہ علیہ وسلم کو ناپسند تھے کیونکہ ان کا تعلق پیشاب سے ہے)(۳۲)

روایت ہے حضرت ابورافع سے فرماتے ہیں’’میرے پاس بکری ہدیۃً بھیجی گئی۔میں نے اُسے (ذبح

کر کے) ہانڈی میں ڈالا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا: ابورافع ! یہ کیا ہے؟۔عرض کیا یارسول اللہ ! یہ بکری ہے جو مجھے ہدیہ ملی، پھر ہم نے ہانڈی میں پکالیا۔پھر فرمایا اے ابورافع ! ہم کو ایک دستی دو۔میں نے دستی پیش کی، پھر فرمایا دوسرا دست بھی دو۔میں نے دوسری دستی بھی پیش کر دی۔پھر فرمایا اے ابورافع ! اوردست لاؤ۔میں نے عرض کیا یارسول اللہ ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک بکری میں دوہی دست ہوتے ہیں۔تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم خاموش رہتے تو تم ہم کو دست پر دست دیتے رہتے۔جب تک خاموش رہتے......الخ‘۔(۳۳)

حضرت بریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ایک بار انہیں کسی نے صدقہ کا گوشت دیا۔وہ اُسے پکارہی تھیں گوشت کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔اب آپ حدیث ملاحظہ کیجیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں:

”ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو گھر میں ہانڈی گوشت سے اُبل رہی تھی۔(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت پکنے کی خوشبو ملاحظہ کی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی اور گھر کا کوئی اورسالن پیش کیا گیا تو حضور نے پوچھا” مجھے گوشت کی ہانڈی نظر نہیں آرہی“۔عرض کیا گیا ”ہاں (گوشت تو ہے) لیکن یہ وہ گوشت ہے جسے بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا۔اور حضور صدقہ آپ تو کھاتے نہیں“۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”وہ ان پر صدقہ تھا ہمارے لیے ہدیہ ہے“۔(پھر حضور کی خدمت میں وہ گوشت پیش کیا گیا اور حضور نے اُسے تناول فرمایا)(۳۴)

اس کا مطلب یہ ہے کہ بریرہ کو تو گوشت بطور صدقہ دیا گیا وہ صدقہ ان پر پورا ہوگیا۔اب وہ اس کی مالک ہیں۔سواب وہ ہمیں دیں گی تو ان کی طرف سے ہمارے لیے ہدیہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر مجھے پائے (یعنی گائے بکری کے کُھر وغیرہ) کی طرف دعوت دی جائے تو میں قبول کرلوں، اور اگر مجھے دستی دی جائے تو میں منظور کرلوں''۔(۳۵)

روایت ہے حضرت سہیل ابن سعد سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ نہ دیکھا جب سے اللہ نے آپ کومبعوث فرمایا۔حتیٰ کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دی۔اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھلنی نہ دیکھی جب سے اللہ نے آپ کومبعوث فرمایا حتیٰ کہ اللہ نے آپ کو وفات دی۔پوچھا گیا آپ حضرات''جو'' کیسے کھاتے تھے۔فرمایا''ہم انہیں پیستے تھے اور اُسے پھونکتے تھے جو اُڑتا اُڑ جاتا جو باقی بچتا اُسے گوندھ لیتے اور کھا لیتے۔(۳۶)

شارح کہتے ہیں یعنی ظہورِ نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ کی روٹی ملاحظہ نہ فرمائی اس سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا سفر کیا ہے اور بحیرہ راہب کی دعوت میں میدہ کی روٹی ملاحظہ فرمائی ہے۔اس زمانے میں شام اور رومہ میں میدہ کی روٹی بہت مروج تھی۔(۳۷)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جَو تناول فرمانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں تھی بلکہ اس دور میں مکہ اور مدینے کا سارا معاشرہ جو ہی کھاتا تھا۔جیسا کہ راوی کا بیان بتاتا ہے کہ وہ لوگ جو کیسے کھاتے تھے۔آج الحمدللہ مکہ اور مدینے میں دنیا کی کھانے پینے کی ہر حلال نعمت موجود ہے۔ خصوصاً مدینہ منورہ میں کوئی چیز ایسی نہیں جو نہ ملتی ہو۔

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ:

''ایک درزی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر مدعو کیا۔جسے اس نے تیار کیا تھا۔تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا۔تو اس نے جو کی روٹی اور

شوربا پیش کیا۔جس میں کدو (لوکی)اورخشک گوشت تھا۔تو میں نے دیکھا کہ حضور پیالے میں آس پاس کدو تلاش کررہے تھے۔اس دن کے بعد میں کدو سے محبت کرنے لگا''۔(۳۸)

روایت ہے حضرت عمرو(AMR)بن اُمیہ سے:

''انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بکری کو دستی سے کاٹ کر کھاتے تھے جو آپ کے ہاتھ میں تھی''۔(۳۹)

(اس طرح کہ پوری دستی بھنی ہوئی تھی حضور چھری سے بوٹیاں کاٹتے اور کھاتے تھے، یا دانت سے نوچ کر کھاتے تھے۔گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ہوں تو چھری سے کاٹ کر کھانے میں ہرج نہیں)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں:

''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے''۔(۴۰)

اس حدیث کی ذیل میں شارح نے لکھا ہے کہ مروجہ حلوہ سب سے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جس میں آٹا، گھی اور شہد تھا۔حضور نے بہت پسند فرمایا اور فرمایا کہ''فارسی لوگ اِسے''خَبِیص'' کہتے ہیں۔(۴۱)

نوٹ:اسے''خبیص ''بھی لکھا گیا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ:

'' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ککڑی کے ساتھ کھجور کھاتے دیکھا''۔(۴۲)

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے دو دن گندم کی روٹی سے سیر نہ ہوئے مگر ان میں سے ایک دن چھوارے ہوتے۔(۴۳)

ایک حدیث میں یہی کلمات جَو سے متعلق بھی ہیں ۔ اس قسم کے مقامات پر شارحین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر وفاقہ اختیاری تھا۔اور قیامت تک کے ناداروں مسکینوں اور فاقہ مستوں کے لیے تسلی اور دلاسے کا سبب تھا۔ ورنہ حدیث شریف سے ہی ثابت ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پہاڑ سونے کے ہوجاتے۔حضور کے کاشانۂ مبارک میں ایک دن روٹی پکتی تھی تو اہلِ خانہ تناول فرماتے تھے اوردوسرے دن وہ مسکینوں اورغریبوں میں خیرات کر دی جاتی تھی۔شارحین نے یہ بھی لکھاہے کہ خیبر کی فتح سے پہلے کم آمدنی کی وجہ سے ایسی حالت ہوتی تھی لیکن فتحِ خیبر کے بعد ایسا نہیں تھا حضور اپنی ازواج کو ایک سال کا راشن (کھجوریں) عنایت فرمادیا کرتے تھے۔کیونکہ خیبر میں کھجوروں کے باغات کثرت سے تھے اوروہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کی کھجوریں بہت آتی تھیں۔شارحین کی اور بھی ایمان افروز گفتگو ان مقامات پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابنِ حارث ابن جز سے فرماتے ہیں :

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی اور گوشت لایا گیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے تو حضور نے تناول فرمایا ......الخ''۔(۴۴)

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت لایا گیا تو آپ کی خدمت میں دستی پیش کی گئی ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند کرتے تھے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دانتوں سے نوچ کر کھایا۔(۴۵)

اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی احادیث سے ثابت ہے کہ حضور نے گوشت پر اپنی خاص پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ میں نے ایک حدیث شریف پڑھی ہے کہ ایک صاحب نے حضور کی دعوت

فرمائی ۔حضور چند اصحاب کے ساتھ ان کے ہاں تشریف لائے،جب گوشت ملاحظہ فرمایا تو اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا''اچھاتو یہ جانتا ہے کہ ہمیں گوشت پسند ہے''۔(اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گوشت کی پسندیدگی تو دور دور تک مشہور تھی کہ یہی وجہ ہے کہ خیبر میں سلام بن مشکم کی بیوی زینب جو''شق'' کے قلعوں میں کے ایک قلعے''قمقوس'' میں موجودتھی۔جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قلعے کو بھی فتح کرلیا تو اس عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر ہلاک کردینے کی سازش تیار کی ۔اس نے صحابہ کرام سے پوچھا''حضور بکری کے کون سے حصّے کا گوشت زیادہ شوق سے تناول فرماتے ہیں''۔صحابہ کرام نے اسے بتایا کہ''دستی کا گوشت (یعنی اگلے دونوں پاؤں کا گوشت)''۔اس سازش کے تحت اس نے ایک بکری بھونی اوراس کے تمام گوشت میں زہر ملادیا۔دستی کے حصّوں میں کچھ زیادہ زہر ملایا۔جب کھانا تیار ہوگیا اور دسترخوان پر لگادیا گیا تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت پر بلایا۔اوردستی خصوصی طور پر آپ کے سامنے پیش کی ......آگے تفصیلی واقعہ ہے۔(۴۶)

ہمارا مقصد یہاں بتانے کا صرف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ غذا کا شہرہ دشمنوں تک بھی پہنچا ہوا تھا۔

ایک حدیث میں ثرید کو محبوب ترین کھانا قراردیا، وہ حدیث آگے آرہی ہے۔جبکہ مطلق جو کے متعلق مجھے ایسی کوئی روایت نہیں ملی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا فرمایاہو۔مختلف چیزیں جن میں جو بھی شامل ہوتا تھا ان سے بنے ہوئے کھانوں کی بات اور ہے۔ (واللہ اعلم)اس سے اندازہ کیاجاسکتا ہے کہ کسی چیز کا کھانا اور بات ہے اور کسی چیز کو پسند کرنا اور بات ہے۔ہم لوگ بھی روزانہ تین وقت روٹی سالن یا چاول کھاتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ ہمیں بریانی بہت

پسند ہے۔ یا ہمیں باربی کیو بہت پسند ہے۔ وغیرہ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھرچنی بہت پسند تھی''۔(۴۷)

کُھرچنی اس کھانے کو کہتے ہیں جو ڈیگ یا دیگچی کے پیندے میں لگ جاتا ہے جلا ہوا نہیں بلکہ ہلکا سا براؤن ہوتا ہے۔اور بہت لذیذ ہوتا ہے۔ہمارے یہاں بھی بہت سے گھرانوں میں خصوصی طور پر اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت اُمِ منذر سے فرماتی ہیں:

''میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حضرت علی رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ہمارے ہاں (کھجور کے) خوشے لٹکے ہوئے تھے۔حضور کھانے لگے علی بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے۔تب حضور نے علی سے فرمایا،''اے علی! ٹھہرو،(یہ نہ کھاؤ) کیونکہ تم کمزور ہو''۔فرماتی ہیں'' پھر میں نے ان حضرات کے لیے چقندر اور جو کا دلیہ تیار کیا،تو حضور نے فرمایا''اے علی! اس سے لے لو کیونکہ یہ تمہارے لیے بہت موافق ہے''۔(۴۸)

روایت ہے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین کھانا روٹی کا ثرید اور کھجور اور مکھن کا ثرید تھا''۔(۴۹)

یہ کھانا اتنا اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے کہ اِسے بلا مبالغہ اس دور کا پیزا سمجھا جا سکتا ہے۔میں نے حدیث شریف میں پڑھا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ کے فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے''ثرید'' کی فضیلت تمام کھانوں پر۔اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت امِ ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو فرمایا:

''کیا تمہارے پاس (کھانے کے لیے) کچھ ہے''۔میں نے عرض کی'' نہیں، سوائے خشک روٹی اور سرکہ کے''۔تو فرمایا'' لاؤ۔ وہ گھر سالن سے خالی نہیں جس میں سرکہ ہو''۔(۵۰)

روایت ہے حضرت یوسف ابنِ عبداللہ ابنِ سلام سے فرماتے ہیں:

''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا پھر اس پر چھوارا رکھا اور فرمایا ''یہ اس کا سالن ہے'' اور کھالیا''۔(۵۱)

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور تربوز کے ساتھ تناول فرماتے تھے''۔(۵۲)

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پرانے چھوارے لائے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کریدتے تھے اور اُس کے کیڑے نکالتے تھے'' (پھر کھا لیتے تھے)(۵۳)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی عاجزانہ عمل تھا۔ اس سے رزق کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔اگر کھانے پینے کی کوئی چیز کچھ خراب ہوگئی ہو تو اس کی وجہ سے تمام پھینک دینا رزق کا اسراف ہے جو سخت گناہ ہے۔سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی خلاف ہے۔تمام انسانوں بلکہ تمام مخلوقات سے افضل و اعلیٰ

رسول تو رڈی خرموں کو صاف کر کے تناول فرما رہے ہیں اور ہم ان کے امتی انہیں کے فیض وعطا سے ملا ہوا ہزاروں روپے کا کھانا پینا بلا دریغ کچرے میں پھینک رہے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ جو خراب ہوگیا ہے اسے نکال کر پھینک دیا جائے باقی کھالیا جائے۔طبیعت پسند نہیں کرتی تو کسی ضرورت مند انسان کو دے دیا جائے کہ انسان کا حق سب سے پہلے ہے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی جانور کو کھلا دیا جائے ۔کھانے کے قابل کوئی بھی چیز کچرا کونڈی میں نہ پھینکی جائے۔ایک ایک معمولی سے لقمے کی قدر و قیمت کا اندازہ وہاں ہوتا ہے جہاں قحط پڑا ہوا ہے۔پیٹ بھروں کے ہاں تو ہزاروں روپے کے کھانے کی بربادی کلچر بن چکی ہے۔

روایت ہے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ،فرماتے ہیں:

''حضور کے پاس تبوک میں پنیر لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری منگائی اور بسم پڑھی اور اُسے کاٹا''(اور تناول فرمایا)(۵۴)

روایت ہے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ،فرماتے ہیں:

(ایک بار)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ'' میرے لیے شربتی گندم(اعلیٰ قسم کی میٹھی گندم) کی سفید روٹی ہوتی جو گھی اور دودھ سے چپڑی ہوتی ''۔قوم کے ایک صاحب اُٹھے انہوں نے یہ تیار کی اور خدمت اقدس میں پیش کی۔(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالبًا اس میں ہلکی سی بو محسوس فرمائی)تو استفسار فرمایا''گھی کس چیز میں تھا''۔انہوں نے عرض کیا ''گوہ کے (چمڑے سے بنے)ڈبے میں''۔فرمایا''اِسے اٹھالو''۔(۵۵)

یعنی اتنی اعلیٰ روٹی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش ظاہر فرمائی ،جب ایک صاحب نے پیش کی تو

محض گوہ کے ڈبے میں رکھے ہوئے گھی کی بو کی وجہ سے تناول نہیں فرمائی۔ممکن ہے وہ صاحب دوبارہ دوسرے گھی سے بنواکر لائے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمائی ہو۔صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ایسے ہی طریقے ہوتے تھے۔اس حدیث کی شرح میں شارح نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کھایا اور بٹیریں بھی ملاحظہ فرمائیں۔(۵۶)

روایت ہے حضرت ابوزیاد رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں جنابِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پیاز کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

''آخری کھانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا تھا اُس میں پیاز تھی''۔(۵۷)

یعنی پیاز پکی ہوئی تھی۔اس لیے تناول فرمائی ورنہ کچی پیاز اور کچا لہسن ان کی بو کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے سے پرہیز کیا۔پکنے کے بعد ان کی بو ختم ہو جاتی ہے۔

روایت ہے بُسر کے دو سلمی بیٹوں سے فرماتے ہیں:

''ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے مکھن اور چھوارے پیش کیے۔حضور مکھن اور چھوارے پسند فرماتے تھے۔''(۵۸)

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں:

''حضور کی خدمت میں بھنا ہوا چکور یا کبک پیش کیا گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ الٰہی !ایسے شخص کو بھیج جو تیری مخلوق میں تجھے بہت زیادہ محبوب ہے اور وہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے''۔پس حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چکور تناول فرمایا۔''(۵۹)

حضرت معن بن کثیر سے مروی ہے انہوں نے اپنے والد ماجد سے سنا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک تھالی اور ایک پیالہ لے کر آیا جو دماغ (مغز) سے بھرا ہوا تھا۔حضور نے مجھ سے دریافت کیا اے ثابت کے باپ!''یہ کیا ہے''۔میں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے میں نے چالیس ایسے جانور ذبح کیے ہیں جو جگر والے ہیں۔پس میں نے اس بات کو پسند کیا کہ میں آج حضور کو ان کا دماغ کھلا کر سیر کروں،چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے تناول فرمایااورحضرت سعد بن عبادہ کو اپنی دعاؤں سے نوازا۔(۶۰)

حضرت عبداللہ بن علی اپنی دادی سلمٰی رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ ایک روز میرے پاس حسن ابنِ علی،عبداللہ ابنِ عباس اور عبداللہ ابنِ جعفر رضی اللہ عنہم تشریف لائے اور مجھ سے فرمائش کی کہ وہ ہمارے لیے وہ کھانا تیار کیجیے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا اور اسے شوق سے تناول فرماتے تھے۔انہوں نے (یعنی حضرت سلمٰی نے) حضرتِ حسن کو فرمایا:

''اے میرے بیٹے! اس زمانے میں تم اُسے پسند نہیں کرو گے''۔لیکن پھر ہماری خواہش کا احترام کرتے ہوئے انہوں نے پہلے جو لیے۔ان کو صاف کیا،اس کی روٹی پکائی،پھر اُسے پرات میں رکھا،اور بطور سالن اس پر زیتوں کا تیل ڈالا اور اس پر کالی مرچ پیس کر چھڑک دی۔پھر یہ ساری چیزیں ہمارے نزدیک رکھیں اور فرمایا''یہ وہ کھانا ہے جو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ

وسلم کو بہت پسند تھا۔اور بڑے شوق سے اسے تناول فرماتے تھے‘‘۔(٦١)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی قسم کے حلوے بہت پسندیدگی سے تناول فرمائے ان کے صرف نام پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

’’الطفیثل ‘‘(ایک قسم کا حلوہ ،راوی کہتے ہیں ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کھانے میں رغبت اتنی کسی کھانے میں نہیں دیکھی جتنی اس میں دیکھی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا پسند تھا)

’’ھریسہ ‘‘(اناج کے دانوں کو کوٹ کر اوران میں گوشت ملا کر بنایا جاتا ہے)

’’حیس ‘‘(کھجور، پنیر اور گھی ملا کر تیار کیا جاتا ہے)

’’وطیئہ ‘‘(کھجور سے گٹھلی نکال کر پھر اُسے دودھ سے گوندھ کر بنایا جاتا ہے)

’’جشیشہ ‘‘(گندم موٹی موٹی پیس کر اسے ہانڈی میں ڈالا جاتا ہے پھر اس کے اوپر گوشت یا کھجور ڈال کر تیار کیا جاتا ہے۔اسے دشیشہ بھی کہتے ہیں)

’’خزیرہ ‘‘(معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کیسے تیار کیا جاتا ہے)

’’حریرہ ‘‘(یہ ایک مٹھائی ہے جو دودھ سے بنائی جاتی ہے)

’’عصیدہ ‘‘(ایک مٹھائی جو آٹے سے بنائی جاتی ہے)

’’ایک حلوہ ‘‘(جو آٹے پانی اور نمک سے تیار کیا جاتا تھا اس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ اس کی دعوت دینے والے حضرت عبداللہ بن بُسر تھے ،تناول فرمانے کے بعد ان کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

’’اے اللہ! ان کے گناہ بخش دے،ان پر رحم فرما،انہیں برکتیں عطا فرما، اور ان کے رزقوں کو ان کے لیے وسیع فرمادے‘‘۔

''خبیص ''(شہد، گھی اور گندم کے آٹے سے بنتا ہے۔ یہ وہی حلوہ ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خدتِ اقدس میں پیش کیا تھا اوپر اس کا ذکر گزر چکا ہے)

''ستّو ''۔

''تلوں کی کھل ''(وہ تل جس کا تیل نکال لیا جائے)

وہ پھل اور سبزیاں جو اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمائے۔

''کھجور''......''انگور''......''انجیر''......''الزبیب''(خشک انگور)......''سفر جل/بہی دانہ''......''شہتوت''......''کباث''(پیلو کا پکا ہوا پھل جو کالا ہو جاتا ہے)......''زنجبیل''(سونٹھ/ادرک)......''تربوز''......''فستق''(پستہ)......''جمار''......کھجور کا گابھ''(رس جو سفید چربی کی طرح ہوتا ہے)......''رطب''(تر کھجور)......''قلقاس''(ایک سبزی)......''کدو''(لوکی)(٦٢)

آپ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور مشروب کی تفصیل ملاحظہ فرمائی۔ میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے کہ یہ مکمل ہے۔میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ چیزیں تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھانے پینے کی ہیں جو حضور نے تناول فرمائیں اور نوش فرمائیں۔صرف انہی چیزوں کا ذکر نعت کا موضوع نہیں ہے۔ بلکہ نعت کا اتنا ہی اہم موضوع یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امتیوں کو کھانے پینے کے کیا آداب سکھائے؟۔اور کھانے پینے کے حوالے سے ان کی کیا تربیت فرمائی؟ جس پر عمل مسلمانوں کو دوسری اقوامِ عالم سے کھانے پینے کے حوالے سے بھی ممتاز و منفرد کرتا ہے اور انہیں جدید ترین مہذب بناتا ہے۔یہ ایک طویل سبجیکٹ ہے اگر یہ مضمون خاصا طویل نہ ہو گیا ہوتا تو میں اختصار کے ساتھ ہی اس کا بھی ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتا۔لیکن اب انشاء االلہ! ایک علیحدہ مضمون میں ان باتوں کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔اس مضمون میں جو صحیح اور اچھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جہاں غلطی ہو گئی ہے یا کوئی کمی رہ گئی ہے وہ سراسر میرا قصور

ہے اور میری کم علمی کی بنا پر ہے ۔اہلِ علم ضرور اصلاح فرمائیں ۔وماعلینا الا البلاغ۔

حوالہ جات:

۱)زادالمعاداردو،حافظ ابنِ قیم،حصہ اوّل،صفحہ۱۸۱

۲)ضیاء النبی،محمد کرم شاہ الازہری،پیر،علامہ،جلد پنجم،صفحہ۵۹۱،بحوالہ:بخاری

۳)ایضاً،جلد پنجم،صفحہ۵۹۱

۴)ایضاً،جلد پنجم،صفحہ۵۹۲

۵)ایضاً،جلد پنجم،صفحہ۵۹۲

۶)ایضاً،جلد پنجم،صفحہ۵۹۳

۷)ایضاً،جلد پنجم،صفحہ۵۹۳

۸)ایضاً،جلد پنجم،صفحہ۵۹۴

۹)ایضاً،جلد پنجم،صفحہ۵۹۴

۱۰)ایضاً،جلد پنجم،صفحہ۵۹۵،بحوالہ:سبل الہدیٰ،جلد۷،صفحہ۵۷۰

۱۱)ایضاً،جلد پنجم،صفحہ۵۹۶

۱۲)مرأت شرحِ مشکواۃ،مفتی احمد یار خان نعیمی،جلد ششم،صفحہ۳۵۹،نعیمی کتب خانہ گجرات،بحوالہ:ابوداؤد

۱۳)ضیاء النبی،پیر محمد کرم شاہ الازہری،جلد پنجم،صفحہ۵۹۳

۱۴)ضیاء النبی،پیر محمد کرم شاہ الازہری،جلد دوم،صفحہ۲۱۰،ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاہور

۱۵)سیرت ابنِ ہشام،محمد بن یسار المطلبی المدنی (المتوفیٰ ۱۵۱ھ)،مترجم:مولانا قطب الدین احمد محمودی،اسلام کتب خانہ،حصہ اول،صفحہ۲۶۶

۱۶) تاریخ ابنِ خلدون، علامہ عبدالرحمٰن ابنِ خلدون (۷۳۲ھ......۸۰۸ھ)، مترجم: حکیم احمد حسین الہٰ آبادی، حصّہ اول (رسول اور خلفائے رسول)، صفحہ ۳۸

۱۷) البدایہ والنہایہ، المعروف تاریخِ ابنِ کثیر اردو، علامہ حافظ ابوالفداء عماد الدین ابنِ کثیر دمشقی، جلد سوم، باب اول، صفحہ ۹، نفیس اکیڈمی کراچی

۱۸) ایضاً، صفحہ ۱۴

۱۹) ایضاً، صفحہ ۱۵

۲۰) تاریخِ طبری، علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ، مترجم: سید محمد ابراہیم ندوی، جلد دوم، حصّہ اوّل، صفحہ ۵۸، نفیس اکیڈمی کراچی

۲۱) رحمۃ اللعالمین، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، جلد اوّل/صفحہ ۵۷، مرکز الحرمین الاسلامی فیصل آباد

۲۲) نشر الطیب فی ذکرِ النبی حبیب، مولانا اشرف علی تھانوی، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، کراچی، گیارہویں فصل، صفحہ ۴۰

۲۳) امِ السیر المعروف سیرتِ حلبیّہ، علامہ علی ابنِ برہان الدین حلبی، مترجم: مولانا محمد اسلم قاسمی، مئی ۲۰۰۹ء، جلد دوم، نصف آخر، صفحہ ۱۱۰ تا ۱۱۱، دارالاشاعت کراچی

۲۴) ضیاء النبی، پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد دوم، صفحہ ۱۸۷

۲۵) ایضاً، جلد دوم، صفحہ ۱۸۷۔۱۸۸

۲۶) ایضاً، جلد دوم، صفحہ ۱۸۸

۲۷) ایضاً، جلد دوم، صفحہ ۱۸۸

۲۸) ایضاً، جلد دوم، صفحہ ۱۸۹

۲۹) زاد المعاد، علامہ حافظ ابنِ قیم، مترجم: رئیس احمد جعفری، سن اشاعت ۱۹۹۰ء، حصہ اوّل، صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۰

۳۰) مرأت المناجیح شرحِ مشکوٰۃ المصابیح، مفتی احمد یار خان نعیمی، جلد اوّل، صفحہ ۲۵۳، نعیمی کتب خانہ گجرات، بحوالہ: ابوداؤد، ابنِ ماجہ

۳۱)ایضاً،جلد اوّل،صفحہ۲۵۳،بحوالہ:احمد

۳۲)ایضاً،جلد اوّل،صفحہ۲۵۳،بحوالہ:مسلم

۳۳)ایضاً،جلد اوّل،صفحہ۲۵۳،بحوالہ:احمد

۳۴)ایضاً،جلد سوم،صفحہ۴۷،بحوالہ:مسلم و بخاری

۳۵)ایضاً،جلد سوم،صفحہ۴۸،بحوالہ: بخاری

۳۶)ایضاً،جلد ششم،صفحہ۱۳،بحوالہ: بخاری

۳۷)ایضاً،حاشیہ،جلد ششم،صفحہ۱۳تا۱۴

۳۸)ایضاً،جلد ششم،صفحہ۱۷،بحوالہ:مسلم و بخاری

۳۹)ایضاً،جلد ششم،صفحہ۱۹،بحوالہ:مسلم و بخاری

۴۰)ایضاً،جلد ششم،صفحہ۱۹بحوالہ: بخاری

۴۱)ایضاً، حاشیہ،جلد ششم،صفحہ۱۹،بحوالہ: مرقات

۴۲)ایضاً،جلد ششم،صفحہ۲۰،بحوالہ:مسلم و بخاری

۴۳)ایضاً،جلد ششم،صفحہ۲۳،بحوالہ:مسلم و بخاری

۴۴)ایضاً،جلد ششم،صفحہ۳۴،بحوالہ:ابنِ ماجہ

۴۵)ایضاً،جلد ششم،صفحہ۳۵،بحوالہ: ترمذی

۴۶)ضیاء النبی،از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری،جلد چہارم،صفحہ۲۴۶،ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۴۷)مرأت المناجیح شرحِ مشکواۃ المصابیح،مفتی احمد یار خان نعیمی،جلد ششم،صفحہ۳۶،بحوالہ: ترمذی،بیہقی،شعب الایمان

۴۸)ایضاً،جلد ششم،صفحہ۳۶،بحوالہ:احمد،ترمذی،ابنِ ماجہ

۴۹)ایضاً،جلد ششم،صفحہ۳۸،بحوالہ:مسلم و بخاری

۵۰)ایضاً،جلد ششم،صفحہ۳۹،بحوالہ: ترمذی

۵۱)ایضاً، جلد ششم ،صفحہ ۳۹ ،بحوالہ: ابوداؤد

۵۲)ایضاً، جلد ششم ،صفحہ ۴۰ ،بحوالہ: ترمذی

۵۳)ایضاً، جلد ششم ،صفحہ ۴۱ ،بحوالہ: ابوداؤد

۵۴)ایضاً، جلد ششم ،صفحہ ۴۲ ،بحوالہ: ابوداؤد

۵۵)ایضاً، جلد ششم ،صفحہ ۴۳ ،بحوالہ: ابوداؤد، ابنِ ماجہ

۵۶)ایضا، حاشیہ، جلد ششم ،صفحہ ۴۴

۵۷)ایضاً، جلد ششم ،صفحہ ۴۴ ،بحوالہ: ابوداؤد

۵۸)ایضاً، جلد ششم ،صفحہ ۴۴ ،بحوالہ: ابوداؤد

۵۹)ضیاء النبی ، پیر محمد کرم شاہ الازہری ،جلد پنجم ،صفحہ ۵۴۳ ،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، بحوالہ: سبل الہدیٰ جلد ۷، صفحہ ۲۹۶

۶۰)ضیاء النبی ، پیر محمد کرم شاہ الازہری ،جلد پنجم ،صفحہ ۵۴۴ ،ضیاء القرآن پبلی کیشنز ،لاہور

۶۱)ضیاء النبی ، پیر محمد کرم شاہ الازہری ،جلد پنجم ،صفحہ ۵۵۰ ،ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۶۲)ان تمام چیزوں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ہمارا ماخذ ''ضیاء النبی، پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد پنجم ،صفحہ ۵۵۳ تا ۵۵۷ ،ضیاء القرآن پبلی کیشنز ،لاہور

ڈاکٹر داؤد عثمانی۔ کراچی

’’نعت نامے‘‘ اور نقدِ نعت

ABSTRACT:

Dr. Dawood Usmani, has gone through the book NAAT NAMAY, a compilation work of Dr. Muhammad Sohail Shafiq comprising of letters received by Editor of Naat Rang. He has selected some highly attractive pieces from the letters and quoted them in order to show the significance of thought content of writings of various scholars who opined after in depth study of various volumes of Naat Rang. By such an approach of Dr. Dawood Usmani, the article, cited here, has become comprehensive review of Naat Namay. Quotations from the letters presented in the article are reflective of thirst to bring the criticism of Naat at such a standard that creative minds should become tuneful with the norms of higher poetry to achieve height of expressions to pay homage to Holy Prophet Muhammad (S.A.W).

خط اس تحریر کا نام ہے جس میں مکتوب نگار اپنے جذبات، احساسات اور نجی معاملات سے مکتوب الیہ کو آگاہ کرتا ہے، یہ عمل کسی دور میں اتنا دلچسپ، مفید و معروف تھا کہ اُسے آدھی ملاقات کہا گیا جس کا سہرا مرزا غالب کے سر جاتا ہے جنھوں نے خط کو مکالمے میں بدل کر مکتوب الیہ کو حاضر کر دیا اور بے زبان لفظوں کو زبان دے دی جس سے خط میں ایک نئی بات پیدا ہوگئی۔ جسے نہ صرف اُس وقت کے مشاہیرِ علم و ادب نے اپنایا بلکہ بعد کے آنے والوں نے بڑی حد تک اُس کی پیروی کی۔

مکتوب نگار خط میں جہاں ذاتی حالات قلم بند کرتا ہے وہیں ارادی و غیر ارادی طور پر اپنے عہد کی سیاسی ،معاشی و معاشرتی ،تہذیبی و تمدنی اور علمی و ادبی تصاویر کی جھلکیاں بھی شخصی آئینے میں دکھاتا چلا جاتا ہے۔

اس بات کو ڈاکٹر نسرین ممتاز بصیر صاحبہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

> ’’اپنے مراسلات کے توسط سے مکتوب نگار بعض حالات میں اپنی سوانح عمری کا بہت سا خام مواد مہیا کرتا ہے۔جو اس کے سوانح نگاروں کے لیے راست مآخذ کا کام بھی دیتے ہیں اس کے علاوہ اکثر و بیش تر وہ اپنے حالات بھی پیش کرتا رہتا ہے اور وقتاً فوقتاً معاصرین کے احوال وکوائف کا تذکرہ اور ان پر تبصرہ بھی کرتا ہے جس کے باعث اُس کی تحریروں میں سوانح ،تاریخ اور تذکرے کے جھلکیوں کے علاوہ روزنامچے کے ایسے اجزاء سمٹ آتے ہیں جن کے ذریعے بہت سی سماجی بندشوں ،زندگی کی الجھنوں اور عصری حالات کے نشیب وفراز کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے‘‘(۱)

مکتوب نگاری میں اب پہلی سی بات نہیں رہی جس کی وجہ شاید ہماری زندگی میں جدید ٹیکنالوجی کا آنا ہو۔مگر غنیمت ہے کہ ہمارے رسائل و جرائد کے مدیران کو ماضی کے مقابلے میں کم ہی سہی مگر آج بھی بعض قارئین کی طرف سے خطوط لکھے جاتے ہیں’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘(۲)ایسے ہی مکاتیب کا مجموعہ ہے جو جریدے’’نعت رنگ‘‘ کے مدیر معروف نعت گو شاعر و نعت خواں صبیح رحمانی کے نام لکھے گئے۔’’نعت رنگ‘‘ رسائل و جرائد کی تاریخ میں وہ واحد موضوعاتی مجلّہ ہے جس نے نعتیہ ادب میں تنقیدِ نعت کے موضوع پر پہلی سنجیدہ کوشش کی جس کی مبارک باد دیتے ہوئے ڈاکٹر وفا راشدی (۳) نے لکھا کہ:

اس ''صحیفۂ انوار'' کا اجرا نہایت مبارک اور باعث خیر و برکت ہے۔ پاکستان تو کیا پورے برصغیر میں یہ اپنی نوعیت، معنویت، افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے وہ واحد مجلّہ ہے جو صرف منظوم حمد و نعت اور حمدیہ و نعتیہ، افکار و معارف سے متعلق توصیفی مضامین پر حاوی نہیں ہوتا بلکہ خالص تحقیقی، تنقیدی اور علمی انداز کے مقالات پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ یہ امتیاز کسی اور رسائل و جرائد کو حاصل نہیں۔ علم و عرفان کے فروغ، ادب و معاشرت کی خدمت کا یہ ایک منفرد رنگ ہے(۴)

اور مشفق خواجہ (۵) نے تو پہلے شمارے کو دیکھتے ہی اکتوبر ۹۵/۱۰/۱۲ کو لکھا تھا کہ:

''آپ نے اس شمارے میں تحقیق و تنقید کے حوالے سے جو مضامین شائع کیے ہیں، اُن میں نعت گوئی کے تاریخی، فکری، جمالیاتی اور فنی پہلوؤں کے بارے میں بصیرت افروز مباحث ملتے ہیں۔ عہدِ حاضر کے چند نعت گو شاعروں کے فکر و فن کا مطالعہ بھی موجودہ دور کی نعت گوئی کے اعلیٰ معیار کا اندازہ کرنے میں بڑی مدد دیتا ہے'' (٦)

''نعت نامے'' درحقیقت مطالعہ ہیں ''نعت رنگ'' کا جسے محققین و ناقدین، اہل علم و دانش اور صاحب الرائے احباب نے ۱۹۹۵ء سے ۲۰۱۴ء کے دوران صبیح رحمانی کے نام خطوط کی صورت میں ارسال کیے۔ ان میں سے بہت سے شائع بھی ہوئے۔ جنھیں پڑھ کر ڈاکٹر یونس اگاسکر (۷) نے کہا:

خطوط کی تعداد اور دنیا کے چاروں کھونٹ سے آنے والے مکاتیب کے معیار و مزاج کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ ''نعت رنگ'' کی ایک واضح اور مستحکم برادری بن گئی ہے'' (۸) اور محترم ڈاکٹر عزیز احسن (۹) نے ان کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ''ان سے تو ادبی معرکوں کی ایک تاریخ مرتب کی

جا سکتی ہے‘‘(۱۰)اور محترم مصباح الدین شکیل (۱۱) نے لکھا کہ ’’نعت رنگ‘‘ کے خطوط دلچسپ اور ازدیادِ علم کا ذریعہ بن رہے ہیں (۱۲) ان مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مکاتیب کی ترتیب کا فریضہ عزیزی ڈاکٹر سہیل شفیق نے انجام دیا ہے۔موصوف اس سے پہلے بھی تحقیق کاروں کی سہولت اور رہنمائی کے لیے اس طرح کے کارنامے سرانجام دے چکے ہیں جن میں ماہنامہ ’’معارف‘‘،اعظم گڑھ میں جولائی ۱۹۱۶ء تا دسمبر۲۰۱۲ء تک ارباب علم وفضل کے انتقال پر شائع ہونے والی تحریروں کا انسائیکلو پیڈیا ’’وفیات معارف‘‘ ماہنامہ ’’معارف‘‘اعظم گڑھ کا نوّے سالہ اشاریہ،رسالہ ’’ارمغانِ حمد‘‘، کراچی کا اشاریہ اور ’’نعت رنگ‘‘ کا اشاریہ جس کے متعلق ڈاکٹر ریاض مجید نے (۱۳) لکھا کہ ’’مطالعاتِ نعت کے ذیل میں ’’نعت رنگ‘‘ کے اس اشاریے کو اہم حوالے کی حیثیت حاصل ہے اور نعت کے ریسرچ اسکالرز مختلف جامعات میں ڈاکٹر سہیل کے اس اشاریے سے استفادہ کر رہے ہیں (۱۴) قابل ذکر ہیں۔

’’نعت نامے‘‘ میں مجموعی طور پر ۱۸۵ مکتوب نگاروں کے ۵۱۲ خطوط شامل ہیں جس میں بیشتر تحقیقی و تنقیدی، علمی و ادبی نکات پر مشتمل ہیں جس میں سات سات،آٹھ آٹھ صفحات کے خط بھی ہیں جو کہ پورے کے پورے مقالے ہیں۔ان میں چند ایسے بھی ہیں جو مدیر کے ذاتی مراسم،علمی روابط اور محبت نامے کے ذیل میں آتے ہیں ان میں بھی کہیں نہ کہیں نعت کا تذکرہ آ ہی گیا ہے خطوط کی ترتیب میں عزیزی سہیل نے جن باتوں کا خاص اہتمام اور خیال رکھا ہے وہ انھی کی زبانی سن لیجیے:

’’خطوط میں ذکر کردہ نعتیہ مقالات اور کتابوں کا حتی المقدور مکمل حوالہ ہر خط کے ذیل میں دے دیا گیا ہے۔علاوہ ازیں مکتوب نگاران اور خطوط میں ذکر کردہ شخصیات کے مختصر کوائف (تاریخ پیدائش و وفات،علمی و ادبی حیثیت، تصنیفات وتالیفات اور اعزازات کا ذکر) بھی خطوط کے ذیل میں کردیا گیا

ہے۔اس سلسلے میں مرتب نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان کی فہرست کتابیات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

خطوط کے متن میں چند ایک مقامات پر وضاحت کے لیے ایک لفظ کا اضافہ کرنا پڑا ہے ۔ اس لفظ کو چوکور خطوط وحدانی میں (یعنی [ ] کے درمیان) لکھا گیا ہے تا کہ اصل متن سے الگ رہے۔ آخر میں مکتوب نگاران اور صرف ان شخصیات کا اشاریہ[۳۲۵] دیا گیا ہے جن کے مختصر کوائف خطوط کے ذیل میں دیے گئے ہیں۔خطوط میں ذکر کردہ کتابوں اور مقالات کا اشاریہ مرتب نہیں کیا گیا ہے ''(۱۵)

سہیل صاحب نے ان خطوط کو مرتب کرتے ہوئے جن چیزوں کو برتا انھیں دیکھ کر اور ان کے پچھلے کاموں کی روشنی میں محترم ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب (۱۶) نے یہ رائے دی کہ:

''اس مجموعے کو مزید افادیت سہیل شفیق صاحب نے اپنے اہتمام سے بخشی ہے،جنھیں جمع وترتیب اور حاشیہ نگاری کا یوں بھی خوب سلیقہ ہے۔متن کی ترتیب اور ضروری قطع و برید سے موضوع کو نمایاں کرنے میں ان کا کمال یہاں ظاہر ہے۔پھراس پر مستزاد ان کی کاوشِ خاص کے سبب مکتوب نگاروں اور متن کی موضوعی شخصیات پر تعارفی وتصریحی شذرات اس مجموعے سے استفادہ کرنے والوں اور ساتھ ہی رجال سے عمومی دل چسپی رکھنے والوں کے لیے مزید مفید ثابت ہوں گے''۔(۱۷)

۱۸۵ مکتوب نگاروں کے ۵۱۲ خطوط کا نو سو چھتیس صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ ایک طرف مکتوب نویسوں کے احساسات ،جذبات، مطالعات ،تحقیق وتنقیدات،تاثرات اور علمی و ادبی نکات کا آئینہ ہے

تو دوسری جانب بعض خطوط میں ادبی شہ پاروں کی جھلکیاں بھی خوب دکھائی دیتی ہیں جس کی کئی خوبصورت مثالیں ہمیں ان مکاتیب میں نظر آتی ہیں جیسے حنیف اسعدی (۱۸) کے خط کا یہ ابتدائیہ دیکھیے:

''تم نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا ہے کہ میں مر چکا ہوں تو یہ بات کچھ ایسی غلط بھی نہیں ہے۔ میں واقعی مر چکا ہوں مگر یہ بات خاصی فکرمندی کی ہے کہ تم زمانۂ علالت میں آئے اور نہ بعد مرگ تعزیت کے لیے آئے۔ نہ پُرسا دیا۔ نہ فاتحہ میں شریک ہوئے۔ یہ رسمیں میں نے اکیلے ہی ادا کیں۔ اب اگر کبھی جی چاہے آنے کو تو پتا وہی ہے اس لیے کہ جس گھر میں رہتا تھا وہی اب میرا مقبرہ ہے'' (۱۹)

اور چند سطریں پروفیسر شفقت حسین رضوی صاحب (۲۰) کی بھی ملاحظہ ہوں:

''بعد تسلیمات یہ حقیر و کم ترین قلم بردار اپنے چاہنے والوں اور نہ چاہنے والوں کی خدمت میں اس کے ذریعہ بقائمی ہوش و حواس، بلا جبر و اکراہ، حالت ذہنی صحت میں برضا و رغبت تحریر کرتا ہے کہ ساٹھ سال قلم گھسنے کے بعد چند زخم اور چند داغ لیے ادبی دنیا سے رخصت ہوتا ہوں۔ میں لکھنے کے عمل سے تائب ہو چکا۔'' (۲۱)

جناب عاصی کرنالی صاحب (۲۲) کا بھی یہ نثری نمونہ دیکھیے:

''نعت رنگ'' عطا ہُوا۔ خوب سے خوب تر۔ زیبا سے زیبا تر۔ زیادہ کاوش اور دقتِ نظری کا ثبوت۔ ہر تحریر عمدہ، مفید المطالعہ، لائقِ استفادہ۔ لکھنے والوں کی ژرف نگاہی، وسعتِ مطالعہ اور معیار کی دلیل۔ میں نے ابھی جستہ

جستہ مطالعہ کیا ہے۔ نعت رنگ، کی اہمیت اور اقتضا یہ ہے کہ اسے بغور پڑھنا چاہیے اور اس میں شامل سطر سطر، جملے جملے کا مطالعہ تعمق سے کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ نعت رنگ کا ہر شمارہ اور تخصص کے ساتھ موجودہ شمارہ اتنا پراز معنویت وافادیت ہے کہ طالبانِ علم وفن سے لے کر مطلوبانِ علم وفن تک اپنے اپنے ذوق، فہم اور شعوری سطح کے مطابق اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔''(۲۳)

اوراس کے ساتھ محترم ریاض حسین چودھری(۲۴) کی بھی دلکش نثر کا لطف اٹھایئے:

''پروفیسر محمد اکرم رضا ہمارا سرمایۂ افتخار ہیں، آقائے مکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کی نعت کے حوالے سے قلم اُٹھاتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے کائنات کا سارا حسن ان کے قلم کے ہم رکاب بارگاہِ حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم میں دست بستہ کھڑا ہو، لفظ لفظ میں مودّت کے چراغ جل اُٹھتے ہیں۔ ہر چند یہ تصویرِ ادب بن جاتا ہے ورق ورق پر ہجومِ مہِ وانجم اُمڈ پڑتا ہے''(۲۵)

نقوی احمد پوری (۲۶) کا بھی ایک اقتباس پڑھیے:

''نعت رنگ'' کا کتابی سلسلہ نمبر۲ نظرنواز ہوا۔ سرورق دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ دل میں کیا کیا جذباتِ عقیدت بھڑکے۔ ذہن میں کیا کیا الفاظ محبت گونجے۔ روح نے کس کس طرح سرمستی میں رقص کیا۔ کالی کملی والے کے تصور میں بے ساختہ سرورق کو چوم لیا... سرورق... انوار وتجلیات کی بارش۔ اس بارش میں ذاتِ باری کی طرف سے اعلان کرتی ہوئی ٹھنڈی، بھینی خوشگوار ومشکبار ہوا... ہوا کا اعلان ...ذاتِ بے نیاز کے اندازِ تخاطب کے

والہانہ پن کا ترجمان'' ورفعنالک ذکرک '' چمکتا دمکتا، ارفع و اعلیٰ، فضاؤں میں نور چھڑکتا ہوا مینار۔ خوش بوئیں لٹاتی ہوئی فصل بہار...علامتِ دلنشین... رحمۃ للعالمین... درود وسلام ہو اس رحمتوں کے تاج والے معراج والے نبی طاہر ومطہر پر اس کی آل پر، اس کے اصحاب پر اور اس کی ازواج پر'' (۲۷)

اس طرح کے اور بھی نثر پارے اپنے خاص اسلوب کے ساتھ آپ کو ان خطوط میں نظر آئیں گے تنقیدی اقتباسات سے پہلے چند تحقیقی اقتباس بھی دیکھ لیں کیونکہ تحقیق وتنقید کا چولی دامن کا ساتھ ہے ۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد:(۲۸)

'' موصوف نے اپنے اسی مقالہ میں حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل شعر کا انتساب سبعہ معلقہ کے مشہور ومعروف شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کی جانب کردیا ہے۔موصوف نے ثانوی حوالہ میں العقد الفرید کا نام لکھا ہے:

وان احسن بیت انت

قائله

بیت تقال اذا

انشدته صدقا

واضح ہو کہ درحقیقت مولانا الطاف حسین حالی نے اس شعر کو تسامحاً زہیر ابن ابی سلمیٰ کا اپنی معرکہ آرا تحقیق مقدمہ شعروشاعری کے صفحہ ۹۴ پر لکھ دیا ہے۔

راقم نے ۱۹۷۷ء میں ''اردو شاعری میں نعت'' کے تحقیقی سفر کے دوران اس شعر کو زہیر ابن ابی سلمٰی کے دیوان میں نہیں پایا اور تلاش بسیار کے بعد اس کو یہ شعر علامہ ابن رشیق کی کتاب العمدہ کے صفحہ ۲۳۷ پر ملا اور تب اس کو اس حقیقت کا علم ہوا کہ اس شعر کے تخلیق کار شاعر رسول صلی اللہ وعلیہ وسلم حضرت حسان بن ثابتؓ ہیں۔ راقم نے اس واقفیت کا اظہار اپنی کتاب ''نعتیہ شاعری کا ارتقاء'' مطبوعہ ۱۹۸۸ء کے صفحہ ۱۱۴ پر کر دیا ہے''(۲۹)

ڈاکٹر تحسین فراقی:(۳۰)

''عاصی صاحب کو ان امور سے بھی اعتناء کرنا چاہیے تھا۔ حواشی میں ایک جگہ انھوں نے ایک شعر مستغرق گناہیم، ہر چند عذر خواہیم... درج کر کے اسے معین الدین چشتی سے منسوب کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معین الدین چشتی کے نام سے جس دیوانِ فارسی کا ہمارے یہاں چلن ہے وہ ان کا نہیں معین الدین ہرویؔ کا ہے اور اگر میرا حافظ غلطی نہیں کرتا تو حافظ محمود شیرانی نے اپنے مقالات میں ایک جگہ اس کے معین الدین چشتی سے انتساب کو بہ دلائل غلط قرار دیا ہے''(۳۱)

حفیظ تائب:(۳۲)

''غوث میاں نے پہلے بھی قیامِ پاکستان سے پہلے چھپنے والے بہت سے نعتیہ گل دستوں کا ذکر تو کیا ہے۔ انھوں نے اُس دور کے اہم ترین انتخاب ''بوستانِ نعت'' کو دیکھ نہ سکنے کا اعتراف بھی کیا ہے، جب کہ راجا رشید محمود نے بجا کہا ہے کہ ''اس انتخاب کی اہمیت اور افادیت آج بھی مسلّم ہے''۔

بھائی غوث میاں کے ریکارڈ کے لیے عرض گزار ہوں کہ ''بوستانِ نعت'' کے مرتب احمد علی سیف کلانوری خود بھی نعت نگار تھے۔ اُن کا انتخاب "9x"6 سائز کے ۲۷۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور عمدہ کاغذ پر اشاعت پذیر ہوا تھا۔ یہ چھپا تو ''فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۱۹ سرکلر روڈ لاہور میں تھا، لیکن اس کی اشاعت کا اہتمام نواب صادق پنجم شہریار بہاول پور نے کیا تھا۔ مرتب نے اس بات کا ذکر اپنے دو صفحات پر مشتمل مقدمہ بعنوان ''وجہِ تالیف'' میں کیا ہے اور یہ تحریر انھوں نے ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۴۹ ہجری کے دن لکھی۔ اس مجموعہ میں ہر اہم شاعر کی نعتیں ردیف وار جمع کی گئی ہیں'' (۳۳)

رشید وارثی: (۳۴)

''اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، حفیظ تائب صاحب سے سخت مغالطہ ہوا ہے۔ دیگر واعظوں کی طرح وہ بھی اس غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں کہ نعوذ باللہ حضرت حسانؓ منبر رسول صلی اللہ وعلیہ وسلم پر بیٹھ کر مدحِ رسول بیان کرتے تھے۔ جب کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کو ضعیف العمری کی وجہ سے وعظ کے لیے قیام میں زحمت ہوئی تو ۸ ھ میں آپ کے لیے مسجد نبوی میں جھاؤ کی لکڑی کا منبر بنایا گیا (اور استوانہ کو دفن کر دیا گیا) (فتح الباری)۔ اور اسی سال فتح مکہ کا واقعہ ہے۔ ۹ ہجری میں جب بنو تمیم کے وفد نے مدینہ منورہ آ کر مفاخرت کی تو ان کے ایما پر آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے ان کے شاعر کا جواب دینے کے لیے حضرت حسانؓ کو حکم دیا اور انھوں نے کھڑے ہو کر اسلام کی مدافعت میں اشعار سنائے۔ اس کے بعد

ایک چوکی نما منبر تیار کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ بن ثابت کے لیے یہ منبر رکھواتے تھے تاکہ وہ اس پر کھڑے ہوکر حضور اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کی مدحت بیان کریں (مدارج نبوت)۔ اس طرح اب یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت حسانؓ جس منبر کو اشعار سنانے کے لیے استعمال کرتے تھے وہ منبر رسول صلی اللہ وعلیہ وسلم نہیں تھا بلکہ ایک چوکی نما Portable (نقل پذیر) منبر تھا جس پر وہ بیٹھ کر نہیں بلکہ کھڑے ہوکر مدحت گوئی فرماتے تھے۔ رہا رسولِ اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کا منبر شریف، تو وہ تین زینوں پر مشتمل تھا۔ زمین سے پہلے دو زینے Steps قیام کے لیے استعمال فرماتے تھے اور تیسرے زینے پر آپ نشست فرماتے تھے۔ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی نشست والے حصہ پر بیٹھنے کے بجائے آپ کے قدم مبارک رکھنے والے دوسرے زینہ پر نشست فرماتے اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادب کی وجہ سے زمین سے پہلے حصہ پر نشست فرماتے تھے۔ (یہ تمام باتیں متفق علیہ ہیں)۔ لہٰذا منبر رسول صلی اللہ وعلیہ وسلم پر حضرت حسانؓ کے بیٹھنے کی بات بالکل غلط ہے۔ اس کو ذہن سے محو کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کی بے ادبی کا پہلو ہے'' (۳۵)

ڈاکٹر عزیز احسن:

'' سیکڑوں مثنویاں لکھی گئی ہیں جن میں سے کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ

ہیں۔ان مثنویوں کی ابتدا حمد ونعت ہی سے ہوئی ہے۔ چنانچہ اگر ہم ہر بار کسی ایک مثنوی سے نعت کے اشعار منتخب یا مکمل شکل میں ،نعت رنگ کی زینت بنا سکیں تو ہماری یہ کاوش ،نعتیہ ادب کے مطبوعہ خزانے میں اضافے کا بھی باعث ہوگی اور تحقیقی آفاق کی وسعتوں کی راہ بھی ہموار کرے گی!''(۳۶)

تحقیق کے اور بھی نقوش ان مکاتیب میں دیکھے جاسکتے ہیں لیکن ہمارا مقصد ان خطوط میں پوشیدہ تنقیدی نکات کو آپ کے سامنے پیش کرنا ہے کیونکہ ان میں نقدِ نعت کے حوالے سے قابل قدر مواد موجود ہے جس سے نقد ونظر کی نئی نئی جہتیں سامنے آتی ہیں آغاز استاد محترم ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی صاحب(۳۷) کے خط کے اقتباس سے کرتے ہیں جس میں نعتیہ نقد ونظر کے اشارے کیسے خوب صورت جذبے،احساس اور فکر سے آئے ہیں کہ سبحان اللہ حالانکہ بات ڈاکٹر عزیز احسن کی شعری گرفت اور حنیف اسعدی کی نعت گوئی پر ہو رہی ہے۔

''.........عزیز احسن صاحب نے جن شعراء کے اشعار پر گرفت کی ہے ان کے اچھے اشعار کے ذریعہ بھی اپنا نقطہ نظر واضح کیا ہے۔اس سے مجھے وہ حدیث یاد آئی کہ محبت اور بغض اللہ کے لیے ہو۔ اور پھر مسئلہ تو سرکارِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے آدابِ ثنا کا ہے۔ یہاں کسی شخصی اونچ نیچ کی کیا گنجائش۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب میں وسعت پیدا فرمائے اور یہ بات ہماری سمجھ میں آسکے۔ ہر چیز کا معیار اور پیمانہ حضرت سرورِ کائنات فداہ ابی وامی کی ذات گرامی ہے۔سند ہیں تو وہی امید ہے ہر شمارہ پہلے شمارے سے بہتر ہوگا امید کیا یقین ہے کیوں کہ یہ کاوش اس ذاتِ اکمل واطہر سے متعلق

ہے جو تکمیل کا معیار ہے۔

حنیف اسعدی بلاشبہ ہمارے عہد کے نہایت ممتاز نعت گو ہیں غزل میں انھوں نے قائم رہنے والے نقش بنائے ہیں مگر یہ نقش گری ان کی نعت کا دیباچہ ہے۔ حنیف بھائی کی غزل میں بھی نعت کی کیفیت اکثر ابھرآتی ہے اور یہ اس بات کی شہادت ہے کہ وہ دوئی کو بہت پیچھے چھوڑآئے ہیں۔ قرآن حکیم نے اسلام کے بارے میں اہل ایمان سے کہا ہے کہ ''اسلام میں پورے'' داخل ہوجاؤ۔ حنیف بھائی کی نعت ان کی پوری ذات کا اظہار ہے۔ شاعری اور نعت گوئی سے قطع نظر ان کے نفس اور ذات کی خوشبو میں بھی نعت کے کتنے ہی پہلو ہیں اس سلسلہ میں (میں حفیظ تائبؔ کا بھی نام لینا چاہتا ہوں) جب آدمی کی خاموشی ثنا اور مدحت بن جائے تو پھر اسے اور اس کے چاہنے والوں کو اور کیا چاہیے۔ ان کے کتنے ہی شعر اور مصرعے بہت سے پڑھنے والوں کی طرح میرے ذہن کا حصّہ بن چکے ہیں۔

اپنے ہر جرم پہ محسوس ہوا
آپ ؐ نے دیکھ لیا ہو جیسے

اور بظاہر یہ سیدھا سادا مگر نہایت بلیغ مصرع

نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے

جس آدمی نے اسم محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم کو یوں جان لیا ہو، نعت کا کون سا مرحلہ ہے جو اس کے لیے مشکل ہوگا ان کی نعت گوئی تو معرفت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مسلسل سفر ہے اور میرے عزیز! تم تو جانتے ہو

کہ یہ سفر کبھی نہ ختم ہونے والا ہے۔ دنیا کی ہر زبان کے سارے محترم لفظ، اظہار اور امکانات سرکار انسانیت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلق کیے گئے ہیں۔ حنیف بھائی نے طبع موزوں، سلگتے ہوئے دل اور چشم نم کو وسیلہ نعت بنا دیا ہے اور ان کی ہر کاوش کے پیچھے وہ اشارہ موجود ہے جو ہر بڑی انسانی کاوش کی تحریک بنتا ہے۔

اس طرف کا اگر اشارہ نہ ہو
طبع موزوں بہم نہیں ہوتی

کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ لفظوں کے معانی لغت میں نہیں ملتے بلکہ اچھے اور بڑے اہلِ قلم کی نظم ونثر میں ملتے ہیں''۔(۳۸)

اس کے بعد احمد صغیر صدیقی صاحب کے مراسلے سے چند سطریں پیش خدمت ہیں جس میں انھوں نے مدیر ''نعت رنگ'' کی توجہ اس بات کی جانب دلائی کہ:

''آپ نے اداریے ''احوال'' کے آغاز پر لکھا ہے'' آغاز رب رحمٰن ورحیم کے نام سے ثنائے رسول ہاشمیصلی اللہ وعلیہ وسلم کے بعد'' یہ ترتیب آپ کی توجہ چاہتی ہے اصولاً حمد ربی پہلے اور ثنائے رسولصلی اللہ وعلیہ وسلم بعد میں ہونی چاہیے''۔(۳۹)

معبود وعبد کے مرتبے اور اس کے اظہار میں ہمیشہ احتیاط برتنی چاہیے اس میں بے احتیاطی ہمارے ایمان کی حدوں کو چھو لیتی ہیں دیکھیے محترم ادیب رائے پوری کو جب انھیں ایک ہی شعر میں اللہ اور رسولصلی اللہ وعلیہ وسلم کا ذکر کرنا پڑا تو کس طرح کیا:

خدا کا ذکر کرے ذکرِ مصطفیٰ نہ کرے

ہمارے منہ میں ہو ایسی زباں خدا نہ کرے

آگے چل کر صدیقی صاحب آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم کے نام کے ساتھ لکھے جانے والے القاب کے بابت قابل غور بات لکھتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ جو القاب مستعمل ہیں مثلاً ''مولائے کل''، ''آقائے دوجہاں''، ''سرکاردوعالم'' وغیرہ۔ میں ان پر اکثر غور کرتا ہوں یہ تمام القاب مجھے رب رحمان ورحیم کے محسوس ہوتے رہے ہیں مثلاً آقا ومولا تک تو یہ بات ٹھیک ہے لیکن اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مولائے کل'' کہا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے کیا کہیں گے؟ ہمارے سامنے ''رحمت للعالمین''، ''رسول مقبول''، ''نبی کریم''، ''حبیب خدا'' وغیرہ جیسے القاب بھی تو ہیں بہرحال میری خواہش ہے کہ اس طرف بھی کوئی صاحب علم مضمون نگار توجہ دے تو کیا ہی اچھی بات ہوگی اگر علامہ اقبال اور مولانا حضرات کچھ کہتے ہیں تو اسے سند بنا کر سب کو قائل کرنے کی ضرورت نہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ بذریعۂ تحقیق غلط اور درست کا فیصلہ کیا جائے''۔(۴۰)

پھر سوالیہ انداز میں اسی بات کو یوں پوچھنا:

''ایک بات ضرور پوچھوں گا کہ کیا یہ القاب (مولائے کل، سرکارِ دوعالم وغیرہ) حضور اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کے سامنے بھی رائج تھے اور کیا صحابہؓ ان کا استعمال کرتے تھے؟(۴۱)

اور آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے ''تو'' یا ''آپ'' کے استعمال پر اپنا یہ موقف پیش کیا

''نعت میں ''تو'' یا ''آپ'' کے استعمال کا ذکر بھی چھیڑا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اُردو میں ''آپ'' کا ضمیر بھی ہے اور ''تو'' کا بھی۔ تاہم بات وہی ''حسن نیت'' کی ہے اور اسے سبھی جانتے ہیں''۔(۴۲)

نعتیہ شاعری میں خیال ،لفظوں کے انتخاب عروض اور مضمون کی جانب کس حد تک توجہ درکار ہے اور کس حد تک دی جارہی ہے،اس حوالے سے دیکھیے اور غور کیجیے۔

احمد صغیر صدیقی:

''مدحت'' کے حصّے میں تابش دہلوی صاحب، جناب عبدالعزیز خالد صاحب اور حمایت علی شاعر وغیرہ کی نعتیں اچھی لگیں کچھ نعتیہ شعر بہت پسند آئے:

ان کی یاد کے صدقے
قلب کو حرا کہیے

(اعجاز رحمانی)

سرور حرف دعا کیسا مستجاب ہوا
زباں کو حوصلہ مدح آنجناب ہوا

(سرور بارہ بنکوی)

اسی نے تلخ نوائی کی تیرگی میں کیا
زمینِ دل پہ محبت کا آسماں روشن

(صبیح رحمانی)(۴۳)

لیکن اس شعر پر گرفت کی۔

زادِ حیات اسوۂ نبی کریم ہو

انور سدید کا ہے یہ ارمان یا رسول

اس شعر کی نثر بنایئے۔ یارسول انور سدید کا ارمان ہے کہ زادِ حیات اسوہ نبی کریم ہو۔لگتا ہے اسوہ نبی کریم کوئی اور چیز ہے۔جس کی فرمائش رسول سے کی جارہی ہے۔ حالاں کہ کہنا یوں تھا کہ یارسول انور سدید کا ارمان ہے کہ ان کا زادِ حیات آپ کا اسوۂ ہو۔ شاعر اچھی طرح بات لکھ نہیں سکا "۔(۴۴)

ڈاکٹر اشفاق انجم:(۴۵)

"یہ دھماکہ کن فیکون تھا کہ یہ کائنات سنور گئی
کئی آسمان بکھر گئے مگر اک زمین نکھر گئی

"کن فیکون" سائنسی نقطۂ نظر Big Bang Theory کی طرح کوئی "دھماکہ" نہیں تھا اور نہ ہی یہ کائنات اک دھماکے سے معاً وجود میں آ گئی جبکہ قرآن کہتا ہے کہ "اللہ نے چھ دنوں (فی ستة ایّام ۔سورہ الم سجدہ) میں کائنات کی تخلیق کی۔ "کئی آسمان بکھر گئے" بھی محل نظر ہے۔ اللہ نے آسمان بکھیرے نہیں بلکہ ایک خاص ترکیب اور خصوصیت کے ساتھ خلق کیے ہیں"۔(۴۶)

"میرے اسلوب کو ندرت کی ارم بھی ہو عطا
لہجہ وہ دے کہ جو فردوس سماعت ہوجائے

"ارم" شداد کی بنائی ہوئی جنت کا نام ہے۔ میں نعت وحمد میں خصوصاً اس لفظ کے استعمال کے حق میں نہیں ہوں۔(۴۷)

تنویر پھول:(۴۸)

’’گزشتہ سال بارہ ربیع الاول کی شب پی ٹی وی کراچی سینٹر سے ایک نعتیہ مشاعرہ پیش کیا گیا، ایک معروف نعت گو شاعر نے طائف کی سنگ باری کا حوالہ دیتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کے لیے ’’سنگسار‘‘ کا لفظ استعمال کیا:

کیا لاؤگے طائف کا کوئی ایسا مسافر؟
جو ان کی طرح راہ میں ’’سنگسار‘‘ ہوا ہو!

یہ لفظ نہایت قابل اعتراض ہے کیوں کہ ’’سنگ باری‘‘ اور ’’سنگساری‘‘ میں بڑا فرق ہے۔ موخر الذکر پتھر مار مار کر ہلاک کر دینے کو کہتے ہیں جو شریعت میں بدکاری کی سزا ہے۔ فنی اعتبار سے بھی شاعر موصوف کا یہ مصرعہ سقیم ہے کیوں کہ انھوں نے ’’سنگسار‘‘ بروزن ’’سنسار‘‘ استعمال کیا ہے، جو غلط ہے۔ ’’سنگسار‘‘ میں نون غنہ نہیں ہے بلکہ اس کا اعلان ہوگا، جس کی وجہ سے مصرعہ ساقط الوزن ہوکر بحر سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے ذرائع ابلاغ کو احتیاط برتنی چاہیے۔(۴۹)

’’عصرِ حاضر کے ایک معروف نعت گو اپنی نعت میں اکثر اس مفہوم کا شعر پڑھتے ہیں کہ ’حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم نے خلل کے چراغ بجھا دیے۔‘ چراغ ہمیشہ اچھے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے اگر ’خلل کے چراغ‘ کہنا درست ہے تو پھر ’جہالت کی شمع‘ اور ’باطل کا نور‘ کہنے میں کیا مضائقہ ہے؟ اسی طرح ایک شاعرہ کی نعت کا یہ مصرع دیکھیے ’کفر کے روشن ایوانوں میں آکے اندھیرا

کس نے کیا؟‘ یہ مصرع بھی قابلِ اعتراض ہے۔کفر کے ایوانوں کو روشن کہنا درست نہیں اور اندھیرا کہنا اچھا فعل نہیں، جسے حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم سے منسوب کرنا کھٹکتا ہے‘‘۔(۵۰)

خالد شفیق:(۵۱)

’’کس قدر پاکیزہ اور عظیم خواہش ہے:

تمنا ہے کہ ہو وہ نام نامی آپ کا آقاؐ
میں جو لفظ آخری بولوں میں جو لفظ آخری لکھوں

اور پھر یہ مشاہدہ:

زباں کو تاب گویائی نہیں رہتی مدینے میں
صدا دیتی ہے لیکن چشمِ تر آہستہ آہستہ

اور پھر اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے:

جو اہلِ دل ہیں، مدینے کی سمت جاتے ہوئے
متاعِ نعت بھی زادِ سفر میں رکھتے ہیں

حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کی سیرت کا بیان بھی قابل دید ہے:

گفتگو خوش بو کے لہجے میں سکھائی آپ نے
خارِ نفرت چن لیے دے کر محبت کے گلاب

......

نکل آئیں گے حل سب مسئلوں کے چند لمحوں میں
حیاتِ مصطفیؐ کو سوچنا اول سے آخر تک

صبیح کا ''جادۂ رحمت'' حال کے اُفق پر ایک رخشندہ وتابندہ مستقبل کے طلوع کی نشان دہی کر رہا ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''۔(۵۲)

پروفیسر خواجہ محمد سبطین شاہ جہانی:(۵۳)

''جناب عرش صدیقی[۵۴] صاحب کے ایک شعر سے متعلق گزارش کروں گا۔ جس میں انھوں نے لفظ ''بدنصیب'' نظم کیا ہے۔ ''بد'' کا لفظ باندھنا مناسب نہیں نعت کے ادب کے خلاف ہے۔ عرش صاحب کا شعر:

کیا خوش نصیب تھے کہ ترے در پہ آ گئے
کیا بدنصیب ہیں کہ چلے ہیں یہاں سے ہم(۵۵)

شوکت عابد:(۵۶)

''علامہ [شہزاد مجددی] صاحب کی نعت بھی کمال کی ہے اتنی سادہ، پر اثر اور باوقار نعتیں میری نظر سے کم ہی گزری ہیں۔ خصوصاً یہ شعر

یہ نکتہ ہی شہزاد معراج میں تھا
کہ رستے کو خود رہنما دیکھ آئے (۵۷)

ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ:(۵۸)

''خدا سے جو سنی ہے آپ نے سچ سچ بتائی ہے
سچ سچ بتائی ہے میں سُوے ادب ہے۔ یوں کر سکتے تھے'وہ سب بتائی ہے'۔

یعقوب تصور صاحب کی نعت کا مطلع ہے:

عظمتِ تخلیق کا ہر اک کمال ان کے لیے
حسنِ کائنات اوصافِ جمال ان کے لیے

'حسنِ کائنات' کو وزن میں 'حسنِ کائے نات' پڑھنا ہوگا جو غلط ہے۔ اسی نعت کے بارھویں شعر میں یہ لفظ اصلاً درست استعمال ہوا ہے۔ شعر بھی پڑھ ہی لیجیے:

ان کی اقلیمِ بصیرت میں ہے ساری کائنات
بازیِ طفلاں ہے کارِ دانیاں ان کے لیے

دوسرے شعر میں قافیہ فِعَال لائے ہیں:

گردشِ ارض وسما تاروں کی چال ان کے لیے
دوجہاں کا ذرّہ ذرّہ ہے فعال ان کے لیے

حالاں کہ اس معنی میں لفظ فعّال عین مشدد کے ساتھ ہے۔ فعال کے معنی لغت میں کچھ اور ہیں جن کا یہ محل نہیں۔

ایک مصرع ہے:

چاند، سورج، زحل، زہرہ، مشتری، مریخ سب

اس میں زحل بروزن فِعْل استعمال ہوا ہے جب کہ لفظ زحل بروزن فَعَل ہے''۔(۵۹)

حافظ عبدالغفار حافظؔ:(۶۰)

''اعلیٰ حضرت کے جن اشعار کو بحر سے خارج قرار دیا ہے وہ یہ ہیں:

سب نے صفِ محشر میں للکار دیا ہم کو
اے بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے
زائر گئے بھی کب کے دن ڈھلنے پہ ہے پیارے

اُٹھ میرے اکیلے چل کیا دیر لگائی ہے

ہم دل جلے ہیں کس کے، ہٹ فتنوں کے پرکالے

کیوں بھونک دوں اک اُف سے کیا آگ لگائی ہے

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ضرورتِ شعری کی بنا پر حرفِ علت گرایا جاسکتا ہے اور یہ قاعدہ اتنا عام ہے کہ ہر شاعر اس سے واقف ہے۔ مرزا داغ دہلوی مرحوم کا ''قصیدۂ اردوئے معلیٰ'' بہت مشہور ہے۔ اپنے اس قصیدہ میں وہ فرماتے ہیں:

وزن سے ہرگز نہ کوئی حرف گرنا چاہیے

ہاں مگر گرنا الف اور واؤ کا ہے روا

دوسری بات یہ کہ بعض مصرعے ذوالبحرین ہوتے ہیں اور انھیں دو بحروں میں پڑھا جاسکتا ہے۔ مثلاً علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اقبال کا یہ شعر فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن کے وزن پر ہے، مگر اس کا پہلا مصرع ذوالبحرین ہے اور وہ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن کے وزن پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص دونوں مصرعے مختلف اوزان پر پڑھ کر علامہ اقبال پر اعتراض کردے تو کیا کوئی عقل مند شخص اسے تسلیم کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ یہی صورتِ حال اعلیٰ حضرت کے مذکورہ تینوں اشعار میں ہے''۔(۶۱)

اس طرح کئی مقامات پر نعتیہ شاعری پر تنقیدی آرا کا اظہار موجود ہے۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد نے صحیح اور سچی بات کہی ہے کہ:

''عالمی امن و امان کی ضمانت صرف ختمی مرتبتصلی اللہ وعلیہ وسلمکے پاس ہے ۔کیونکہ آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم رحمت بے کراں اور فیضان بے نہایت کے منبع ومخرج ہیں''۔(۶۲)

اس موقع پر پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب (۶۳) کی یہ اچھی اور خوش کن بات بھی پڑھ لیں:

''دور حاضر کو نعت کا دور کہا جاتا ہے ۔نعت نے اس دور میں جو وسعت حاصل کی ہے وہ یقیناً قابل قدر ہے ویسے ہر دور نعت ہی کا دور رہا ہے نعت تو ایسی بہار ہے جو بے خزاں ہے۔ایک ایسا نغمہ ہے جو فصل بہار کا محتاج نہیں۔ بلکہ لالہ وگل ،رعنائیوں کی بھیک اس سے مانگتے ہیں حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کا ذکر تو بلند و بالا تھا، ہے اور رہے گا اگر یوں کہا جائے تو شاید بہتر ہو کہ ہمارے دور نے اپنے تشخص کو پالیا ہے اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ وہی ایک در ہے جہاں تمناؤں کے اضطراب کو آسودگی نصیب ہوتی ہے یہی ایک دیوار ہے جو آبلہ پاؤں کا واحد سہارا ہے اور وہی ایک راستہ ہے جہاں شوق ہی رہرو،شوق ہی رہبر اور شوق ہی منزل ہوتا ہے ۔آج کے قلم اگر نعت سراہیں تو اسی احساس کی شدت کا نتیجہ ہے۔اس دور نے اگر آفتاب کو پہچان لیا تو احسان آفتاب پر ہرگز نہیں ہے یہ تو ثبوت ہے اس بات کا کہ دیکھنے والے کی نگاہ سالم اور سمت درست ہے اور یہ بھی محبوب کی عطا ہے محبّ کا فخر نہیں''۔(۶۴)

ان نعت ناموں میں مکتوب نگاروں نے نقدِ نعت ،آدابِ نعت ،مشکلاتِ نعت،فیضِ نعت اورنظریۂ نعت کے متعلق اپنے خیالات ،احساسات اور جذبات کوکس طرح بیان کیا ہے ذرا دیکھیے :

ڈاکٹر اشفاق انجم:

''نعت، نہایت مقدس ومحترم صنف سخن ہے لہٰذا اس کی تقدیس وطہارت کا تقاضا ہے کہ مضامین و افکار بھی ایسی ہی صفات کے حامل ہوں ۔ ان کے اظہار کا ذریعہ زبان ہے تو اس کا بھی صحیح اور پاکیزہ وشستہ ہونا لازمی ہے۔ اس لیے الفاظ کا انتخاب انتہائی غور وفکر اور احتیاط کا طالب ہے ۔ اگر ایک بھی نامناسب لفظ درآیا تو وہ ساری شعری فضا کومکدر کردیتا ہے۔ زبان کے ساتھ فنِ شاعری اور عروض کا علم بھی ضروری ہوجاتا ہے کہ یہی شاعری کی اساس ہیں۔مضمون کتنا ہی اعلیٰ ہو، زبان کتنی ہی عمدہ ہو، بیان لاکھ خوب صورت سہی لیکن اگر شعر میں فنی عیب یا عروض کی خامی موجود ہوتو وہ ایک زنگ آلود آئینے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

نعت گوئی کے لیے ان خصوصیات کے علاوہ حقیقت وصداقت کیساتھ سنّت وشریعت ، سیرتِ پاک،قرآن و حدیث کا قابل قدر علم اور اس کی پاسداری بھی لازم ہے''۔(۶۵)

''سیّد صاحب !

میں نے ''نعت رنگ'' ۲۲ کی مشمولات میں جو کچھ بھی پایا محسوس کیا، اسے بلامبالغہ بیان کردیا میرا مقصد کسی کی تنقیص وتضحیک ہرگز نہیں ہے۔ معاملہ چوں کہ نعت اور حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا ہے اس لیے

ضروری خیال کیا کہ جو عیوب و نقائص نظر آئے ان کی نشان دہی کردوں، ممکن ہے مجھے بھی کہیں شعر فہمی میں غلطی ہوگئی ہو اس لیے قارئین ''نعت رنگ'' سے رہنمائی کا خواہش مند ہوں''۔(٦٦)

پروفیسر محمد اقبال جاوید:

''نعت گوئی اگر تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے تو نعت گوئی پر تنقید کہیں دشوار تر ہے۔ یوں ہی قلم کی شطرنج بچھانے کا فائدہ، اسی لیے مزاج کو تنقیدی نہیں، تحسینی بنا لیا ہے۔ میں نے گزشتہ دنوں اپنے ایک محترم نعت گو دوست کو عرض کیا کہ گاہے گاہے غزل کہہ لیا کرے کہ غزل سے اسلوب و ادا کو رنگ ڈھنگ اور آہنگ ملتا ہے اور یہی آہنگ، نعت کے فکری گداز کو ''تیر نیم کش'' بنایا جائے گا۔ جیسے حافظ لدھیانوی نے بات کرنے کی ادا کہا ہے وہ ادا غزل سے ملتی ہے(٦٧)

امین راحت چغتائی:(٦٨)

''میں تو ان [ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی] کے پہلے ہی جملے ''جب بھی شاعر محدود سے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ حمد و نعت کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔'' پر جھوم جھوم گیا۔(٦٩)

ڈاکٹر انور مینائی:(٧٠)

''نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مصداق ہے۔ شاعر رسولصلی اللہ وعلیہ وسلم، دربان رسولصلی اللہ وعلیہ وسلم اور خادم رسولصلی اللہ وعلیہ وسلم ہونے کے دعووں کے بجائے شاعر کو چاہیے کہ حفظ مراتب کو ملحوظ رکھے اور

خاکساری کا پہلو اختیار کرے''۔(۷۱)

ڈاکٹر تحسین فراقی:(۷۲)

''دراصل بات یہ ہے کہ بڑی شاعری کی طرح بڑی مذہبی شاعری بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خبر نظر کا، علم عین کا اور گوش آغوش کا روپ نہ دھار لے۔ ہمارے نقادوں کے صنفِ نعت سے اعراض کا ایک سبب شاید یہ بھی رہا ہو کہ اس کا بڑا حصہ محض رسمی اور رواجی رہا ہے اور جذباتِ عشق، محض بیان کی حد تک مطلوب رہے ہیں بالعموم عشقِ سرورِ کونین صلی اللہ وعلیہ وسلم شاعر کے لیے Living Presence نہیں بن سکا''۔(۷۳)

پروفیسر جگن ناتھ آزاد:(۷۴)

''علامہ اقبال کی نظم ''ذوق وشوق'' کا ذکر دیکھا میں بھی اسے نعت ہی کہتا ہوں حمد نہیں کہتا۔ پروفیسر عبدالمغنی کے ساتھ اس موضوع پر دو ایک بار گفتگو بھی ہو چکی ہے۔ لیکن وہ بضد ہیں اور مصر بھی کہ یہ نعت نہیں حمد ہے''۔(۷۵)

شاہ رشاد عثمانی:(۷۶)

''آپ نے مطالعۂ نعت کی ایک نئی طرح ڈالی ہے جو بے حد مفید و مستحسن ہے مگر اسے تنقید نعت کے بجائے نعت کا شرعی محاسبہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ آج اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ اردو نعت کا مطالعہ اسلامی فکر اور شریعت محمدی صلی اللہ وعلیہ وسلم کی روشنی میں کیا جائے اس لیے کہ نعت گوئی ایک مشکل اور نازک فن ہے، ذرا سی لغزش شاعر کو کہاں سے کہاں پہنچا سکتی

ہے،عقیدہ وایمان اور عشق ومحبت کی ہم آہنگی اور خلوص وابستگی کے بغیر کوئی شاعر نعت کا ایک شعر نہیں کہہ سکتا اور نہ اس کے کلام میں تاثیر ہی پیدا ہوسکتی ہے۔ عرفی جیسا خود پسند اور متکبر شاعر بھی جب اس میدان میں آتا ہے تو کانپ اُٹھتا ہے، اس کے نزدیک نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است

آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را (۷۷)

اردو نعت عصری آگہی، ملّی شعور اور اجتماعی درد کا مرقع ہے۔ خصوصاً عصر حاضر میں ملت اسلامیہ پر مصائب و آزمائش کا طوفان ٹوٹ پڑا ہے، اس کی بھرپور عکاسی نعتیہ شاعری میں بھی ہوتی ہے‘‘۔(۷۸)

ریاض حسین چودھری:

’’یہ اکیس ویں صدی کی پہلی دہائی ہے۔ نقد ونظر کے پیمانے بھی تبدیل ہورہے ہیں، شہرِ ادب میں تازہ کاری کی مسلسل بارشوں سے فرسودگی اور بوسیدگی کا زنگ بھی اُتر رہا ہے۔ آج کی نعت اعلیٰ حضرت کے زمانے کی نعت سے بہت مختلف ہے۔ نعت کی کائنات بھی ہر آن پھیلتی جارہی ہے۔ اگرچہ نعت گو کا اساسی رویہ وہی رہے گا جس سے ایوانِ نعت روزِ ازل سے گونج رہا ہے۔ لیکن سوچ اور اظہار کے ارتقائی سفر کے مختلف مراحل پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کو نظرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا، ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، اس کا ڈکشن بھی بڑی حد تک بدل جاتا ہے۔ آج کے نقاد کو بھی اَن گنت چیلنجوں کا سامنا ہے۔ اب ادبی منظرنامہ نئے رنگوں کی

رنگ آمیزی سے بڑی حد تک تبدیل ہو چکا ہے۔ نعت وہ واحد صنفِ سخن ہے جس نے تمام اصنافِ سخن میں اپنے وجود کو منوایا ہے حتیٰ کہ نثر میں بھی نعت کے خوب صورت نمونے مل جاتے ہیں‘‘۔(۷۹)

نعتِ حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کی ایک دستاویز ہے جو انفرادی اور اجتماعی رویوں کی آئینہ بردار ہے۔(۸۰)

غیر مشروط اور غیر متزلزل کومٹ منٹ کا پہلا صلہ یہ عطا ہوتا ہے کہ تخلیقی سطح پر سوچ اور اظہار کے مقفل دروازے خود بخود کھلنے لگتے ہیں۔ تخیل کے پرندوں کو تازہ ہواؤں سے دائمی وابستگی کا ادراک ملتا ہے اور لفظ و معانی کی فضائے بسیط میں اونچی پرواز کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ ’’نعت رنگ‘‘ نے اپنے جس تخلیقی سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس کے نقوشِ پا اتنے تابندہ اور روشن ہیں کہ بہت سے دوسرے اربابِ وفا پر بھی سفر کے مراحل آسان ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ثنائے حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کی خنک ہواؤں کے قافلے کے رواں دواں رہنے کا چرچا خوش بوئیں ہی نہیں، دھنک کے رنگ بھی کرتے رہے ہیں۔ ’’نعت رنگ‘‘ کا شمارہ نمبر۲۲ پھولوں کی اپنی خوش بوؤں، دھنک کے انھی رنگوں اور آفتابِ ادب کی اسی روشنی کا عکسِ جمیل نظر آتا ہے۔(۸۱)

’’ثنائے رسول صلی اللہ وعلیہ وسلم‘‘ کے ضمن میں میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ شہرِ غزل، نعت گو کی تربیت گاہ ہے۔ رموزِ شعر سے آشنائی ضروری ہے۔ نعت گو کو شعر کی باریکیوں، نزاکتوں اور لطافتوں سے آگاہ ہونا چاہیے جمالیاتی قدروں کی پاسداری کا اہل ہو تو اسے اقلیم نعت میں داخلے کی

اجازت ملنی چاہیے، آنسوؤں سے وضو کرنے کا سلیقہ جانتا ہو تو قلم اٹھائے۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ وعلیہ وسلم میں ہدیہ نعت پیش کیا جائے تو نعت فنی حوالے سے بھی اعتبار واعتماد کے معیارات پر پورا اُترتی ہو۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یہاں تو ذرا سی بھی لغزش یا شوخی سوئے ادب میں شمار ہوگی اس لیے احتیاط اور ادب پہلی شرط ہے''۔(۸۲)

سعید بدر:(۸۳)

''اس طرح آج کل کے نقاد حضرات، تنقید کے شوقِ فراواں کے ضبط میں مبتلا ہوکر ایسی ایسی بے پر کی ہانک جاتے ہیں کہ انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ''حسنِ ازل'' کی ترکیب سے ''محبوبِ حقیقی'' مراد لے لیا ہے۔ حالاں کہ اصل ترکیب ''حسنِ ازل کی نمود'' ہے۔ جوش استدلالیت میں ڈاکٹر موصوف نے ''نمود'' کو نظرانداز کر دیا ہے جس سے دراصل معانی واضح ہوجاتے ہیں''۔(۸۴)

حکیم محمد سعید:(۸۵)

''نعتیہ شاعری دراصل پل صراط پر چلنے سے بھی مشکل کام ہے کیوں کہ یہاں معمولی سی بے احتیاطی بھی دین ودنیا میں خسارہ کا سبب بن سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے میدان نعت گوئی کو ایک ایسی ''ادب گاہ'' سے تعبیر کیا ہے جو عرش سے بھی ''نازک تر'' ہے اور جہاں ''جنید و بایزید'' جیسے

صاحبانِ بصیرت بزرگوں کے بھی ہوش گم ہوجاتے ہیں''۔(۸۶)

سلطان جمیل نسیم:(۸۷)

''مولانا الطاف حسین حالی نے شاعروں، خصوصاً غزل گوشاعروں کے لیے جو پندنامہ لکھا ہے یعنی مقدمۂ شعر و شاعری... اس میں غزل اور مضامین غزل کے بارے میں جو اندازِ نقد اختیار کیا گیا ہے اس معیار پر خود مولانا حالی کی غزل پوری نہیں اُترتی۔ مقدمۂ شعرو شاعری کی اہمیت اور قدر و قیمت اپنی جگہ لیکن جذبات وخیالات کا بہاؤ اورتخلیقی جذبہ...تنقید کو خاطر میں نہیں لاتا۔لیکن اس کے باوجود تنقید ہی تربیت کا باعث ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب نے نعت کے موضوعات پر ایک بصیرت افروز مضمون تحریر فرمایا ہے اور ڈاکٹر صاحب کی اس بات سے تو میں بالکل ہی متفق ہوں کہ دوسروں سے الگ اپنی راہ تراشنے کے شوق میں، جدت کے گرداب میں بہت سے شاعر پھنس جاتے ہیں۔ یوں وہ زبان سے غفلت برتتے ہیں اور نئے موضوعات تک رسائی حاصل کرنے کی جگہ اپنے اسلوب کی بھول بھلیوں میں گم ہوجاتے ہیں۔(۸۸)

پھر ایسے شاعروں کو جو اپنی راہ تراشنے کے شوق میں جدت کے گرداب میں پھنس جاتے ہوں..... زبان سے غفلت برتتے ہوں اور اپنے اسلوب کی بھول بھلیوں میں گم ہوجاتے ہوں، ہمارے کشفی صاحب کا مشورہ یہ ہے کہ وہ مطالعۂ حدیث اور مشاہدۂ کائنات کے ذریعہ ہی رسول اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کی حقیقی عظمت کی بارگاہ میں بار پاسکتے ہیں..... بھائی! ہمارا شاعر تو

رسالے کا بھی وہی صفحہ پڑھتا ہے جس پر اس کا کلام بلاغت نظام شائع ہوا ہو...... اور جو شاعر ''پڑھے لکھے'' ہونے کے دعویدار ہیں وہ مشاہدۂ کائنات اور مطالعۂ قرآن و حدیث کے بجائے دیگر فلسفیوں کی کتاب پڑھتے ہیں۔ نعت صرف ضرورتاً کہتے ہیں یعنی ریڈیو، ٹی وی کے مشاعروں کے لیے۔(۸۹)

اردو میں جب سے شعروادب لکھا جارہا ہے اس وقت سے حمد و نعت بھی کہی جارہی ہے لیکن برکت و تبرک کے لیے..... اس جذبے سے بلند ہوکر جن شعرائے کرام نے نعت کو ایک صنفِ سخن کی حیثیت سے اپنایا ان میں حضرت محسن کاکوروی، امیر مینائی، احمد رضا خان بریلوی کے نام خصوصیت سے لیے جاسکتے ہیں۔ اب رہی بات علامہ اقبال کی ..... انھوں نے واقعی حمد اور نعت کو ایک نیا رخ دیا ہے اور کشفی صاحب کے مطالبہ پر پوری اترتی ہے...... یعنی اقبال کے یہاں قرآن و حدیث کا مطالعہ اور کائنات کا مشاہدہ نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑوں سے نسبت ہی بڑا بناتی ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری اسی وجہ سے سے بلند تر ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے اکتساب نور کرتے ہیں۔ اب رہی مولانا الطاف حسین حالؔی کی نظم ''مدّ و جزر اسلام'' تو اس کے ادبی محاسن اپنی جگہ لیکن برادرِ محترم جمال پانی پتی صاحب نے نہایت پتے کی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں: ''انھوں نے (مولانا حالؔی نے) اس بات پر غور نہیں کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ وعلیہ وسلم کی بے مثل بشریت اور عبدیت کاملہ کو ہم جیسے عام انسانوں کی سطح کے برابر لانے سے

نعت گوئی کا حق تو رہا درکنار، خود ایمان کی سلامتی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔‘‘(۹۰)

ہمارے بزرگ جو کچھ لکھ گئے ہیں ہم اس سے ہدایت بھی حاصل کر سکتے ہیں اور عبرت بھی بشرطیکہ دیدۂ بینا رکھتے ہوں...... آپ شاید میرے اس مشورے پر ہنس دیں لیکن میں اپنے نوجوان اور جدید شعراء کو یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ جس طرح دنیا کا کوئی بھی فن...... گانے بجانے سے لے کر...... کرکٹ، فٹبال اور شاعری تک بغیر سیکھے نہیں آتا...... اس لیے وہ جس شعبے سے بھی متعلق ہوں اس کے بارے میں پرانی سے پرانی اور نئی سے نئی ہر اہم بات ضرور سیکھیں اور معلوم کریں...... خاص طور سے نئے شاعروں کو یہ چاہیے کہ وہ مطالعہ اور مشاہدے کے ساتھ ساتھ جو ائمہ فن آج موجود ہیں ان سے بھی رہنمائی حاصل کریں۔ اس لیے کہ شاعری میں مشکل ترین صنف نعت ہے ...... ذرا سے ڈگمگائے اور گئے۔(۹۱)

نعت شاعری کا وہ رُخ ہے جس میں غزل یا نظم کی طرح موضوعات کے تنوع کی گنجائش نہیں ہے اور شاعر کو جولانیٔ طبع کے اظہار کا موقع کم سے کم تر ملتا ہے۔ اس لیے کہ ایک مخصوص موضوع کا پابند رہتے ہوئے، احترام وعقیدت کا اظہار ایک نہایت ہی مشکل ترین مرحلہ ہے۔ محض اسلوب اور اندازِ بیان کے نت نئے تجربات کے سہارے نعت گوئی میں جتنی گنجائش تھی وہ اساتذۂ فن نے پوری طرح برت لی ہے‘‘۔(۹۲)

سلیم یزدانی:(۹۳)

''ہر شعر کہنے والا نعت نہیں کہہ سکتا ہے۔ اس کے لیے شعری سلیقہ، رسول اللہصلی اللہ وعلیہ وسلم سے عشق، رسالت کے تقدس سے آ گہی، مقامِ رسالت کا شعور اور لفظوں کو موتیوں کی طرح شعری مالا کا روپ دینا آنا ضروری ہے کہ کوئی لفظ مقامِ رسالت کے منافی نہ ہو اور کوئی شعر تقدسِ رسالت کے خلاف نہ ہو اور یہ سب اُس وقت آتا ہے جب وہ ایک تہذیبی روایت، ماحول فضاے ربانی سے گزر رہا ہو جس کی برتر مثال حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کے دور کی مدنی زندگی ہے کہ حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کا ہر صحابی حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کے عشق سے سرشار نظر آتا ہے۔(۹۴)

شعر فہمی کا تعلق براہِ راست شعری حسیت سے ہوتا ہے اور یہ ہر سخن فہم کی الگ ہوتی ہے، کم تر سطح سے کچھ اور نظر آتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ قطرے میں قطرہ بھی نظر نہیں آتا، لیکن شعری حساسیت کا ایک وہ مقام ہے کہ قطرہ گہر نظر آنے لگتا ہے یا پھر قطرے میں سمندر موجیں مارتا نظر آتا ہے(۹۵)

جس ذاتِ گرامی کی تشریف آوری مومنوں کے لیے نعمت ہے، جس کی نبوت انسانوں کے لیے نعمت ہے، اُس کا ذکر بھی نعمت ہے اور نعمت کے اعتراف کی ایک شکل ہے **واما بنعمت ربک فحدث** ۔(سورۃ الضحیٰ) اور ذکرِ رسالت مآبصلی اللہ وعلیہ وسلم کی عظمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس سورہ سے سورۃ الناس یعنی اختتامِ قرآن تک سورۃ کی تلاوت کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے۔ حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کے اعترافِ کبریائی کی ایک صورت ہے''۔(۹۶)

سمعیہ ناز اقبال:(۹۷)

ڈاکٹر ریاض مجید کے نزدیک نعت کا تصور اور اس کی تشکیل کیا ہے؟ ان کا کہنا ہے:

’’حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق وعقیدت اور محبت کو نعت کے لوازمات میں اساس اور بنیاد کا درجہ حاصل ہے۔ نعت گو شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ سے والہانہ عقیدت وشیفتگی رکھتا ہو۔ وہ جس قدر آپ کے عشق میں سرشار ہوگا اسی قدر اس کے کلام میں کیف اور اثر پیدا ہوگا۔ حفیظ جالندھری نے دین حق کے لیے حضور کی غلامی کو شرطِ اوّل قرار دیا ہے محمد صلی اللہ وعلیہ وسلمکی غلامی دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے۔ اسی طرح تخلیق نعت کے لیے آپ کی محبت کو ایک لازمہ کی حیثیت حاصل ہے۔ ایک شاعر نظمیں اور غزلیں تو لکھ سکتا ہے لیکن اس کے دل میں محبت رسول کی چمک موجود نہ ہو تو اچھی اور کیفیت انگیز نعت کبھی نہیں لکھ سکتا۔ اس میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جنھوں نے اپنے دل میں محبت رسول کی باضابطہ پرورش کی ہے۔ اپنی فکر ونظر کی تربیت کی ہے اور قلب و روح کو احتیاط واحترام کا خوگر بنایا ہے ورنہ جذبات ہمیشہ دامن احتیاط چھوڑ کر اِدھر اُدھر نکل جانے کے عادی ہیں‘‘۔(۹۸)

شان الحق حقی:(۹۹)

’’حُبّ رسول مسلمان کا جزو ایمان ہے، اور اس کا اظہار بصورت نعت ایک فطری اور اندرونی تقاضا ہے۔ چناں چہ کوئی بیرونی تحریک یا تقریب بھی تخلیقی ذہن کو اس طرف بآسانی مائل کر سکتی ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اب

وہ جوش و جذبہ جسے بڑی طاقتیں اپنے مفید مطلب سمجھتی تھیں اور اسے ہوا دینے پر مائل تھیں، انھیں کھٹکنے لگا ہے۔ اب وہ اسے تقویت دینے کی جگہ اسے دبانے پر مائل ہیں۔مگر بقول مولانا ظفر علی خاں:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مذکورہ تاریخی پس منظر سے قطع نظر، ثنائے رسول بھی صلوٰۃ وسلام کی طرح، ہمارا محبوب مشغلہ، بلکہ فریضہ اور ایک مبارک ادبی روایت ہے''۔(۱۰۰)

پروفیسر سید شفقت حسین رضوی:(۱۰۱)

''میرے خیال میں نعت میں جو سراپا نگاری کی جاتی ہے وہ ذات گرامی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی محض مجاز کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔تخاطب کے لیے ''تو'' اور ''تیرا'' کی ضمیریں میرے دل میں چبھتی ہیں۔(۱۰۲)

اردو میں نعت گوئی چار نوع کی ہے۔

۱۔ وہ نعت جو جذبۂ صادق اور خلوص بے پایاں کے ساتھ لکھی گئی ہو اس کی پہچان یہ ہے کہ قاری اور نعت خواں پر پڑھنے کے دوران ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

۲۔ کمالِ فن کے اظہار کے لیے لکھی گئی نعت، اس کا اثر دل پر کم ہوتا ہے۔ البتہ دماغ غور وفکر پر مائل ہوتا ہے۔اس کی داد دی جاتی ہے اس سے کیف طاری نہیں ہوتا۔

۳۔ روایت کی پاسداری میں کہی جانے والی نعت۔

۴۔ بس یوں ہی کہی ہوئی نعت! جب سب کہتے ہیں تو ہم کیوں نہ کہیں، کے جذبے سے وجود میں آنے والی نعت۔

ذرا سی توجہ سے ہر نعت کو ان میں سے کسی قسم میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ میرے خیال میں (۱) اور (۲) کے امتزاج سے جو نعت وجود میں آتی ہے وہ ہر اعتبار سے کامیاب ہوتی ہے''۔(۱۰۳)

شوکت عابد:

''نعت کی تنقید ..... بھائی کانٹوں پر تیز رفتاری سے چل کر بچ نکلنا آسان کام نہیں۔ یہ کام کشفی صاحب جیسا کشف و کرامات والا آدمی ہی کرسکتا ہے''۔(۱۰۴)

شہزاد منظر:(۱۰۵)

''نعت گوئی کے بارے میں میرا خیال ہے کہ اگر یہ صدق جذبے سے کی جائے تو اس میں بڑا اثر ہوتا ہے، لیکن اگر اسے فیشن اور تقلید کے طور پر اختیار کیا گیا تو اس میں وہ تاثر اور والہانہ پن پیدا نہیں ہوتا جس کے بغیر نعت، نعت نہیں ہوتی''۔(۱۰۶)

محمد فیروز شاہ:(۱۰۷)

'' نعت درِحبیبصلی اللہ وعلیہ وسلم پر پلکوں سے دستک دینے کا عمل ہے۔(۱۰۸)

سیرتِ سرکارصلی اللہ وعلیہ وسلم پر تو لکھنا بھی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز ہے، ہر کسی کے مقدر میں نہیں ہوتا... یہ بڑے نصیب کی بات ہے... وہاں سے اِذن نہ ملے تو قلم لکھ نہیں سکتا، ذہن سوچ نہیں سکتا، لفظ بول نہیں سکتا، حرف وجود نہیں پاتا اور جذبہ بے نمو درہتا ہے۔ یہاں تو آرزو کو بھی باوضو ہونا پڑتا

ہے۔ تب تحریر میں تاثیر کی خوش بو نکھرتی ہے جو دلوں کو اپنی جاگیر بناتی چلی جاتی ہے اور لاریب دل سے بڑی جائیداد اور کوئی نہیں...(۱۰۹)

عشق تذکرۂ جمالِ یار سے سرشار ہوتا ہے اور عشق ہی عمل کی واحد کلید ہے۔ یوں نہ ہوتا تو دانائے راز ''عشق پر اعمال کی بنیادٗ' رکھنے کی تلقین نہ کرتے۔ کامرانیوں کی تاریخ میں فقط اہلِ عشق ہی کی جولانیوں کی سچی کہانیاں رقم ہیں۔ سو میں سمجھتا ہوں کردار و عمل کی استواری اور پائیداری عشق کی کامگاری اور سرشاری کے بغیر ممکن ہی نہیں اور عشق حسنِ صورت سے وابستہ ہو کر حسنِ سیرت پر فدا ہوتا ہے یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ سرکار صلی اللہ وعلیہ وسلم کے سراپا مبارک کا بیان اور سیرتِ طیبہ کی تحسین و تکریم دونوں اطاعت رسولصلی اللہ وعلیہ وسلم اور نعت گوئی کے لیے ضروری ہیں۔ دراصل نعت گوئی درِ حبیبصلی اللہ وعلیہ وسلم پر پلکوں سے دستک دینے کا عمل ہے!''(۱۱۰)

مولانا مبارک حسین مصباحی:(۱۱۱)

''اردو شاعری کی حیات و ترنگ کے لیے نعتیہ شاعری نے آبِ حیات کا کام کیا۔ اے کاش اردو ناقدین اسے محسوس کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی فکر و ہمت کو مزید استحکام عطا فرمائے۔ آمین''(۱۱۲)

محمد علی صدیقی شیدا بستوی:(۱۱۳)

''اور نعت محض چند رسمی عقائد تک محدود نہ رہے'' کھٹکتی ہے کیوں کہ ''نعت'' تو اظہار عقیدے ہی کا نام ہے اس میں رسمی اور غیر رسمی کی کوئی تفریق نہ ہونی چاہیے''۔(۱۱۴)

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط:(۱۱۵)

’’محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے یہ اشکال کیا ہے کہ...’’حمد وثنا دونوں کا معنی تعریف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کی ثنا ہوسکتی ہے تو حمد کیوں نہیں ہوسکتی۔اسی قسم کا اعتراض بہت پہلے مولانا کوکب نورانی صاحب نے بھی شمارہ نمبر ۶ میں اُٹھایا تھا۔ان دونوں حضرات سے گزارش ہے کہ نعت کی جگہ لفظ ’’منقبت‘‘ کا استعمال جیسا مناسب محسوس نہیں ہوتا اور ’’حمد کبریا‘‘ کو کبھی ہم ’’نعت کبریا‘‘ نہیں کہتے کیوں کہ اصطلاحاً نعت حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کی تعریف ہے اور حمد اللہ رب العزت کے لیے مستعمل ہے۔اس مروّجہ اصطلاح کی استعمال کی جگہ تبدیل کردی جائے تو معنی میں اشتباہ پیدا ہوجائے گا۔اس حقیقت سے یہ دونوں صاحبان واقف ہیں۔لیکن ان کا اس پر بہ ضد ہونا ان کی ہٹ دھرمی ہے۔ ادبی اور شرعی نقطۂ نظر سے میں سمجھتا ہوں یہ رویہ مناسب نہیں۔(۱۱۶)

آخر میں اس تنقیدی،تحقیقی،تاثراتی،عروضی،لفظی،اصلاحی،تعریفی،ادبی شہ پارے اور مراسلۂ محبت و عقیدت ’’نعت نامے‘‘ کی اہمیت و افادیت پر محترم ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کی رائے پڑھ کر اس مکاتیب کے دفتر کو بند کیجیے۔

’’انھوں نے مکاتیب کو اب موضوعاتی مطالعے کے ایک ماخذ کے طور پر بھی یکجا کردیا ہے۔مشاہیر کے مکاتیب کے مجموعے یا انتخابات تو بکثرت شائع ہوتے اور زیر مطالعہ آتے رہے ہیں لیکن موضوعاتی مکاتیب یا مکاتیب کو موضوعات کے تحت یکجا کرنے اور انھیں بطور ماخذ استعمال کرنے کا خیال

ہماری اس روایت میں یکسر انوکھا اور اسی اعتبار سے مفید بھی ہے۔ اب نعت کا اور اس کے فن و رجحانات کا مطالعہ ان مکاتیب کی روشنی میں بھی کیا جاسکتا ہے، جو اس مجموعے میں شامل ہیں‘‘۔(۱۱۷)

چلتے چلتے دو شعر آپ کے شعری ذوق کی نذر جو ان مکتوب نگاروں نے اپنے مکاتیب کی زینت بنائے ہیں:

بعد مرنے کے چلے جائیں گے سب سے چھپ کر
ایک گھر ہم نے مدینے میں بنا رکھا ہے (۱۱۸)

......

ثنا تیری بیاں کیا ہو، صفت تری رقم کیا ہو؟
نہ اس قابل زباں نکلی نہ اس لائق قلم نکلا(۱۱۹)

حواشی:

نوٹ: حواشی میں شامل تمام تعارفی نوٹ ’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘ سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ بصیر۔نسرین ممتاز، ڈاکٹر ’’خط کا مفہوم، تعریف اور اردو مکتوب نگاری کی روایت‘‘، مشمولہ: ’’تحقیق‘‘ (ششماہی)، مکتوبات نمبر(ا)، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۲۰۱۲ء۔ص ۷

۲۔مرتب، ڈاکٹر محمد سہیل شفیق، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، بار اوّل، جولائی ۲۰۱۴، ۲۰۱۴ء

۳۔ وفا راشدی (۱۹۲۶۔۲۰۰۳ء)، اصل نام: عبدالستار خان، ممتاز دانشور، محقق، مورخ، ادیب، شاعر، مترجم، سینئر اسکالر: انجمن ترقی اردو پاکستان، معتمد اعزازی: دائرہ علم و ادب پاکستان (کراچی)، کتب: ’’بنگال میں اردو‘‘، ’’سنہرا دیس‘‘، ’’پیامِ نو‘‘، ’’مہران نقش‘‘، ’’جہان رنگ و بو‘‘، ’’کیف و عرفان‘‘، ’’کیفیات غالب‘‘، ’’حیات وحشتؔ‘‘، ’’خالد: ایک نیا آہنگ‘‘، ’’سحرِ حلال‘‘، ’’آہنگِ ظفر‘‘، ’’اردو کی ترقی میں اولیائے سندھ کا حصہ‘‘ (پی ایچ۔ڈی کا مقالہ)، ’’کلکتہ

کی ادبی داستانیں‘‘،’’تذکرہ علمائے سندھ‘‘،’’میرے بزرگ میرے ہم عصر‘‘(خاکے)،’’داستان وفا‘‘(خودنوشت)۔ ص۸۹۰

۴۔ شفیق،محمد سہیل،ڈاکٹر،’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘،محولہ بالا،ص ۸۸۹

۵۔مشفق خواجہ(۱۹۳۵ء۔۲۰۰۵ء)،نام خواجہ عبدالحیٔ،تخلص مشفقؔ،محقق،نقاد،ادیب،شاعر،کالم نگار،سابق مدیر: سہ ماہی ’’اردو‘‘ و ماہنامہ’’قومی زبان‘‘ و’’تخلیقی ادب‘‘(کراچی)،۱۹۵۷ءتا ۱۹۷۳ء انجمن ترقی اردو سے وابستہ رہے۔کتب: ’’تذکرۂ خوش معرکہ زیبا‘‘،(ترتیب وتدوین)،’’غالب اور صفیر بلگرامی‘‘،’’جائزہ مخطوطات اردو‘‘،’’خامہ بگوش کے قلم سے‘‘،’’سخن در سخن‘‘،’’سخن ہائے گفتنی‘‘،’’سخن ہائے گسترانہ‘‘(ادبی کالموں کا انتخاب)،’’ابیات‘‘(شعری مجموعہ)، ’’کلیاتِ یگانہ‘‘(ترتیب وتدوین)۔۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۶ء،تک مختلف موضوعات پر کم وبیش پانچ سو فیچر لکھے۔۱۹۹۸ء میں حکومت پاکستان نے علمی وادبی خدمات کے اعتراف میں صدارتی ایوارڈ سے نوازا۔ص۸۰۴

۶۔ شفیق،محمد سہیل،ڈاکٹر،’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘،محولہ بالا،ص۸۰۲

۷۔ پروفیسر ڈاکٹر یونس اگاسکر(پ: ۱۹۴۵ء)،مصنف،محقق،نقاد، مدیر:’’ترسیل‘‘ممبئی،سابق صدر: شعبۂ اردو وگرودیو، ممبئی یونیورسٹی،کتب:’’اردو کہاوتیں اور ان کے سماجی ولسانی پہلو‘‘(پی ایچ۔ڈی کا مقالہ)،’’تلاشِ فن‘‘،’’فکرو فن اور فکشن‘‘،’’مراٹھی ادب کا مطالعہ‘‘،’’Arabic for everyday use‘‘۔ص۹۲۳

۸۔ شفیق،محمد سہیل،ڈاکٹر،’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘،محولہ بالا،ص۹۲۲

۹۔ڈاکٹر عزیزؔ احسن (پ:۱۹۴۷ء)،اصل نام :عبدالعزیز خان ولد عبدالحمید خان،شاعر،ادیب،محقق،نقاد،کتب: اردو نعت اور جدید اسالیب (۱۹۹۸ء)،تیرے ہی خواب میں رہنا (۲۰۰۰ء)،نعت کی تخلیقی سچائیاں (۲۰۰۳ء)،کرم ونجات کا سلسلہ(۲۰۰۵ء)، ہنر نازک ہے (۲۰۰۷ء)،شہپرِ توفیق (۲۰۰۹ء)،نعت کے تنقیدی آفاق (۲۰۱۰ء)،رموزِ بے خودی کا فنی وفکری جائزہ (۲۰۱۱ء)،امیدِ طیبہ رسی (۲۰۱۲ء)۔ص ۶۸۵

۱۰۔ شفیق،محمد سہیل،ڈاکٹر،’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘،محولہ بالا،ص۳۰

۱۱۔شاہ مصباح الدین شکیل (پ: ۱۹۳۱ء) مصنف،محقق،مورخ،سیرت نگار،کتب:’’سیرت احمد مجتبیٰ‘‘(صدارتی ایوارڈ یافتہ)،’’نشاناتِ ارضِ قرآن‘‘،’’نشاناتِ ارضِ نبوی‘‘،’’معراج النبی‘‘،’’آخری آسمانی کتاب‘‘،’’مسجد نبوی کا تاریخی جائزہ‘‘،’’بسم اللہ کی تفسیر وتشریح‘‘،’’حضرت امیر حمزہ‘‘،’’سیرت النبی الہم‘‘۔ص۸۰۶

۱۲۔ شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''، محولہ بالا، ص ۸۱۱

۱۳۔ ڈاکٹر ریاض مجید (۱۹۴۲ء)، نام: ریاض الحق، تخلص ریاض، پروفیسر گورنمنٹ کالج فیصل آباد، تصانیف: ''اردو میں نعت گوئی'' (پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ) ''پس منظر''، ''گزرتے وقتوں کی عبادت''، ''نئی آوازیں'' (مرتب)، رفحان میں ایک شام'' (مرتب)، ''انتخاب روشنی'' (مرتب)، ''خاک''، ''حی علی الثناء'' (پنجابی زبان میں نعتیں)، ''اللھم صل علی محمد'' (نعت ومنقبت)، ''سیدنا محمد'' (نعت)، ''اللھم بارک علیٰ محمد''، (نعت)۔ اعزاز: ''حی علی الثناء'' کو ۱۹۹۱ء میں اور ''اللھم صل علی محمد'' کو ۱۹۹۴ء میں صدارتی سیرت ایوارڈ دیا گیا۔ ص ۸۲۶

۱۴۔ مجید، ریاض، ڈاکٹر، ''نعت نامے: بنام صبیح رحمانی''، مشمولہ: نعت نامے بنام صبیح رحمانی''، محولہ بالا، ص ۲۱

۱۵۔ شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ''معروضات''، مشمولہ: نعت نامے بنام صبیح رحمانی''، محولہ بالا، ص ۳۱

۱۶۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل (پ: ۱۹۴۶ء)، محقق، مورخ، نقاد، پروفیسر وصدر، شعبہ اردو، کراچی یونیورسٹی، ڈین فیکلٹی اوف لینگوئجز اینڈ لٹریچر، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد؛ پروفیسر وصدر: شعبۂ اردو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد۔ چند کتب کے نام: ''تحریک آزادی میں اردو کا حصہ'' (پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ)، ''نوادراتِ ادب''، ''پاکستانی غزل: تشکیلی دور کے رویے اور رجحانات''، ''امیر خسرو فرد اور تاریخ''، ''پاکستان میں اردو ادب: محرکات و رجحانات کا تشکیلی جائزہ''، ''تحریک پاکستان کا تعلیمی پس منظر''، ''تحریک آزادی اور مملکت حیدرآباد''، ''اقبال اور جدید دنیائے اسلام: مسائل، افکار اور تحریکات''، ''اخلاقی تعلیم''، ''دکن اور ایران: سلطنت بہمنیہ اور ایران کے علمی و تمدنی روابط''، ''مسلمانوں کی جدوجہد آزادی: مسائل، افکار اور تحریک''، ''تحریک پاکستان اور مولانا مودودی''، ''پاکستان میں اردو تحقیق۔ موضوعات اور معیار''۔ حال ہی میں علمی، ادبی اور تحقیقی خدمات کے اعتراف میں شہنشاہِ جاپان کی جانب سے آپ کو اعلیٰ ترین سول ایوارڈ ORDER OF THE RISING SUN دیا گیا ہے۔ ص ۸۲۳۔۸۲۴

۱۷۔ عقیل، معین الدین، ڈاکٹر، ''پس ورق تبصرہ''، مشمولہ: نعت نامے بنام صبیح رحمانی''، محولہ بالا، ۲۱۰۴ء

۱۸۔ حنیفؔ اسعدی (۱۹۱۹۔۲۰۰۵ء)، شاعر و ادیب، نعت گو، نعتیہ مجموعہ: ''ذکر خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم''، ''آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم''۔ آپ کے والد اسعدؔ شاہجہانپوری بھی معروف شاعر تھے۔ ص ۲۹۱

۱۹۔ شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''، محولہ بالا، ص ۲۹۰

۲۰۔ سید شفقت حسین رضوی (۱۹۲۷۔۲۰۱۰ء)، ادیب، محقق، نقاد، افسانہ نگار، استاد: نیشنل کالج کراچی، کتب: ''اردو کے

یورپین شعراء‘‘،’’بندے اوران کی تاریخ‘‘،’’سراج اورنگ آبادی (شخصیت وفن)‘‘،’’مولانا حسرت موہانی‘‘،’’دیوان مہ لقا بائی چندا‘‘،’’حسرت موہانی (کتابیات)‘‘’’مضامین حسرت موہانی‘‘،’’فیضان دکن‘‘،’’مخدوم محی الدین، حیات اور ادبی خدمات‘‘،’’بیگم حسرت موہانی، حیات و سیرت‘‘،’’اذکار دکن‘‘،’’اردو میں حمد گوئی‘‘،’’نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ‘‘ و دیگر۔ص ۴۷۸

۲۱۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘،محولہ بالا،ص ۴۷۸

۲۲۔عاصی کرنالی (۱۹۲۷۔۲۰۱۱ء)، نام: شریف احمد، تخلص: عاصیؔ، شاعر، ادیب، محقق، نقاد، کتب:’’اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایات کا اثر‘‘ (پی ایچ۔ڈی کا مقالہ)،’’رگِ جاں‘‘،’’جشنِ خزاں‘‘،’’چمن‘‘،’’میں محبت ہوں‘‘ (نظم و غزل)،’’مدحت‘‘،’’نعتوں کے گلاب‘‘،’’حرفِ شیریں‘‘(نعت)،’’جاوداں‘‘ (سلام و منقبت)،’’تمام و ناتمام‘‘ (کلیات شعری)،’’خاصانِ خدا کربلا میں‘‘ (مرثیے)،’’چہرہ چہرہ ایک کہانی‘‘ (افسانے)،’’لبِ خنداں‘‘ (طنزومزاح)، ’’اپنی منزل کی طرف‘‘ (سفرحج)،’’چراغِ نظر‘‘ (انشائیے، خاکے، طنزومزاح، مقالات)۔ص ۵۸۷

۲۳۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘،محولہ بالا،ص ۶۰۰

۲۴۔ریاض حسین چودھری (پ: ۱۹۴۱ء)، شاعر، ادیب، صدر شعبہ ادبیات: تحریک منہاج القرآن، کتب:’’زرِ معتبر‘‘، ’’رزقِ ثنا‘‘،’’تمنائے حضوری‘‘ (طویل نعتیہ نظم)،’’متاعِ قلم‘‘،’’کشکولِ آرزو‘‘،’’سلام علیک‘‘۔ص ۳۷۷

۲۵۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘،محولہ بالا،ص ۳۸۲

۲۶۔نقوی احمد پوری، شاعر، ادیب۔ص ۸۸۴

۲۷۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘،محولہ بالا،ص ۸۷۸

۲۸۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد (۱۹۴۱ء)، ادیب، محقق، ریڈر، صدر شعبہ اردو، مہاتما گاندھی، پی۔جی۔کالج فتح پور (انڈیا)، کتب:’’اردو شاعری میں نعت‘‘ (پی ایچ۔ڈی کا مقالہ) و دیگر۔ص ۱۰۳

۲۹۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘،محولہ بالا،ص ۱۰۴

۳۰۔ڈاکٹر تحسین فراقی (پ: ۱۹۵۰ء)، اصل نام: منظور اختر، محقق، نقاد، شاعر، استاد شعبۂ اردو، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ناظم: مجلس ترقی ادب، لاہور، مدیر:’’صحیفہ‘‘،’’مخزن‘‘،’’ مباحث‘‘ لاہور، مدیر اعلیٰ: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور۔کتب:’’مولانا عبدالماجد دریا بادی: احوال و آثار‘‘ (پی ایچ۔ڈی کا مقالہ)،’’جستجو‘‘،’’عجائباتِ فرنگ‘‘،’’نقدِ

اقبال: حیاتِ اقبال میں''،''افادات''،''اقبال: چند نئے مباحث''،''مطالعۂ بیدل: فکرِ برگساں کی روشنی میں''،''مغربی جمہوریت: اہلِ مغرب کی نظر میں''،''نقشِ اول''،''شاخِ زریاب'' ودیگر۔ص۲۴۴

۳۱۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''، محولہ بالا،ص۲۴۵۔۲۴۶

۳۲۔پروفیسر حفیظ تائب (۱۹۳۱۔۲۰۰۴ء)، اردو اور پنجابی کے نامور نعت گو شاعر، ادیب، سیرت نگار، کتب:''صلو علیہ وآلہٖ''(اردو نعت)،''سِک متراں دی''(پنجابی نعت)،''وسلموا تسلیما''(اردو نعت)،''وہی یٰسین وہی طٰہٰ''(اردو نعت)، ''لیکھ''(پنجابی نعت)،''بابِ مناقب''(تذکرہ نعت گو شعراء)،''پن چھان''(پنجابی تنقید)،''پنجابی نعت''(تحقیقی جائزہ)،''کوثریہ''،''کتابیاتِ سیرتِ رسولؐ''(۱۹۷۳ءتا۱۹۸۷ء)۔ص۲۸۲

۳۳۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''، محولہ بالا،ص۲۸۰

۳۴۔رشید وارثی (پ: ۱۹۴۷۔۲۰۰۹ء)، اصل نام: عبدالرشید خان، نعت گو شاعر، صحافی، مدیر:''فلک پرواز''(پی آئی اے)، صدر: بزمِ وارث، کتب:''خوشبوئے التفات''(حمد و نعت و مناقب)،''اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ''،''عالمِ اسلام کی شرح درودِ تاج'' ودیگر۔ص۳۵۴

۳۵۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''، محولہ بالا،ص۳۵۵

۳۶۔ایضاً،ص۶۸۷

۳۷۔ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی (۱۹۳۲۔۲۰۰۸ء)، فرزندِ ثاقبؔ کانپوری، محقق، ادیب، نقاد، سابق صدر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، رکن مجلسِ ادارت:''مضراب'' کانپور،''قومی زبان'' کراچی،''مہر نیمروز'' کراچی،''منزل'' نیویارک، ''اردوئے معلی'' جاپان، کتب:''اردو شاعری کا تاریخی و سیاسی پس منظر ۱۷۰۷ء سے ۱۸۵۷ء''(پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ)، اعزازات: داؤد ادبی ایوارڈ (۱۹۷۵ء)، قومی سیرت ایوارڈ(۱۹۹۱ء)۔ص۳۹

۳۸۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''، محولہ بالا،ص۳۵۔۳۶

۳۹۔ایضاً،ص۴۴

۴۰۔ایضاً،ص۴۵

۴۱۔ایضاً،ص۴۹۔۵۰

۴۲۔ایضاً،ص۷۸

۴۳۔ایضاً،ص۴۴۔۴۵

۴۴۔ایضاً،ص۸۷۔۸۸

۴۵۔ڈاکٹر اشفاق انجم، شاعر، ادیب، محقق، صدر شعبہ اردو، فارسی (ایم۔ ایس۔ جی کالج) مالیگاؤں، کتب: ’’صلوا علیہ وآلہٖ‘‘، ’’پس نوشت‘‘، ’’اولیائے اسلام‘‘ (ڈائرکٹری) و دیگر۔ص۱۱۵

۴۶۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘، محولہ بالا، ص۱۱۴۔۱۱۵

۴۷۔ایضاً،ص۱۱۷

۴۸۔تنویر پھولؔ (۱۹۴۸ء)، اصل نام: تنویر احمد صدیقی، شاعر و ادیب، نگراں (کورنگی زون): حرا فاؤنڈیشن پاکستان (رجسٹرڈ)، کتب: ’’گلشنِ سخن‘‘، ’’خوشبو بھینی بھینی‘‘، ’’تنویرِ حرا‘‘، ’’رشک باغ ارم‘‘، ’’دھواں دھواں چہرے‘‘، ’’زبورِ سخن‘‘، ’’قندیلِ حرا‘‘، ’’چڑیا تتلی پھول‘‘، ’’نغماتِ پاکستان‘‘، ’’ارحم الراحمین‘‘۔ص ۲۴۷

۴۹۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘، محولہ بالا، ص ۲۴۷

۵۰۔ایضاً،ص۲۴۸۔۲۴۹

۵۱۔خالدؔ شفیق (پ:۱۹۳۲ء)، اصل نام: محمد خالد بٹ، کتب: ’’عالم افروز‘‘، ’’نعت سوغات‘‘ (پنجابی)۔ص۳۱۴

۵۲۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘، محولہ بالا، ص۳۱۴

۵۳۔پروفیسر شاہ محمد سبطین شاہجہانی (پ:۱۹۳۹ء)، سجادہ نشین درگاہ عالیہ حبیبیہ رحمانیہ صابریہ پاکستان، کتب: ’’حسنِ تحریر‘‘، ’’تاریخ اردو ادب کا پہلا سہروی مشاعرہ‘‘، ’’بربطِ جمال‘‘، ’’نذرانۂ عقیدت‘‘، ’’صد صلوٰۃ و سلام‘‘۔ص۴۰۵

۵۴۔عرش صدیقی (۱۹۲۷۔۱۹۹۷ء)، اصل نام: ارشاد الرحمٰن، شاعر، نقاد، ماہر تعلیم، افسانہ نگار، بانی: اردو اکیڈمی ملتان، پرنسپل: ملتان پوسٹ گریجویٹ کالج، صدر: شعبۂ انگریزی، بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، کتب: ’’دیدۂ یعقوب‘‘، ’’محبت لفظ تھا میرا‘‘، ’’ہر موج ہوا تیز‘‘، ’’کالی رات دے گھنگھرو‘‘، ’’کملی میں بارات‘‘، ’’باہر کفن سے پاؤں‘‘ (افسانے)، ’’عرش صدیقی کے سات مسترد افسانے‘‘، ’’تکوین‘‘، ’’محاکمات‘‘، ’’ارتقاء‘‘۔ص۴۰۵۔۴۰۶

۵۵۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘، محولہ بالا، ص۴۰۵

۵۶۔شوکت عابد (پ: ۱۹۵۳ء)، شاعر، ادیب، استاد: شعبۂ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی، کتب: ’’شاعری میرا تعارف نہیں‘‘، ’’جسے دل کہیں‘‘ (نظمیں)، ’’اشکِ رواں‘‘ (نعتیہ مجموعہ)۔ص۵۲۰

۵۷۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''محولہ بالا،ص ۵۲۶

۵۸۔ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ، شاعر، ادیب، نقاد، دانشور، سجادہ نشین آستانۂ چشتیہ نظامیہ(پٹنہ، بہار)، صدر شعبۂ اردو وفارسی، رئیس کلیۂ ہیومینٹیز، ویر کنور سنگھ یونیورسٹی، آرہ (بہار)۔ کتب: ''شہابِ سخن''، ''شایگاں''، ''نقد سنجش''، ''اردو کی نعتیہ شاعری''، ''شاہ اکبر دانا پوری (حیات وشاعری)'' (پی ایچ۔ڈی کا مقالہ)۔ص ۵۵۹

۵۹۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''محولہ بالا،ص ۵۶۷

۶۰۔حافظ عبدالغفار حافظؔ(پ: ۱۹۴۸ء)، شاعر، ادیب، کتب :'' قصیدۂ رسول تہامی'' (۱۹۹۸ء)،''ارمغان حافظ'' (۲۰۰۲ء)،''نگارِ عقیدت''، ''بہشت تضامین''۔ص ۶۴۵

۶۱۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''محولہ بالا،ص ۶۴۸۔۶۴۹

۶۲۔ایضاً،ص ۹۹

۶۳۔محمد اقبال جاوید(پ: ۱۹۳۶ء)، پروفیسر شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ، مدیر: ادبی مجلّہ ''مہک'' (گورنمنٹ کالج گوجرانولہ)، کتب: ''قرآن حکیم اردو منظومات کے آئینے میں''، ''مضامینِ شورش''، ''مرقع چہل حدیث''، ''بیسویں صدی کے قرآن نمبر''، ''بیسویں صدی کے رسول نمبر''، شعری التجائیں''، ''کعبہ پر پڑی جو پہلی نظر''، '' نعت میں کیسے کہوں''، ''تیرا وجود الکتاب''، ''مخزن نعت'' (انتخابِ نعت)، ''اردو کے دس عظیم شاعر''، ''تعمیرِ ادب''، ''نقشِ ادب''، ''لوح بھی تو قلم بھی تو'' (مرتبہ)، ''نگارشاتِ شورش'' (مرتبہ)، ''قلم کے چراغ''، ''مولوی محمد شریف۔ علم ومعرفت کے تناظر میں''، ''قرآن حکیم ایک طالب ہدایت کی نظر میں'' ودیگر۔ص ۱۹۴

۶۴۔جاوید، محمد اقبال، پروفیسر، ''نعت میں کیسے کہوں''، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، جنوری ۲۰۰۹،ص ۸۶۔۸۷

۶۵۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''محولہ بالا،ص ۱۳۳

۶۶۔ایضاً،ص ۱۴۸

۶۷۔ایضاً،ص ۱۹۷

۶۸۔امین راحت چغتائی (پ:۱۹۳۲ء)، ممتاز شاعر، ادیب اور نقاد، کتب: نعتیہ مجموعہ ''محرابِ توحید'' (حکومت پاکستان کی طرف سے اوّل انعام یافتہ کلام) ۲۰۰۷ء، شعری مجموعے ''بھید بھنور'' (۱۹۸۶ء)، ''بامِ اندیشہ'' (۲۰۰۸ء)، ''ذرا بارش کو تھمنے دو'' (۲۰۱۱ء)، ''دشتِ شب'' (۲۰۱۳ء) تنقیدی وتحقیقی مضامین کے دو مجموعے ''دلائل'' (۱۹۹۳ء)

اور’’ردِّ عمل‘‘ (۲۰۰۶ء)، تفسیری مضامین کا مجموعہ’’قرآن اور نظامِ کائنات‘‘(۲۰۰۰ء) اور تحقیقی کتاب ’’مغل مکتبِ مصوری، سولہویں صدی عیسوی‘‘ (۲۰۰۲ء)۔ص ۲۳۱۔۲۳۲

۶۹۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘، محولہ بالا، ص ۲۳۲

۷۰۔شاعر، ادیب، ص ۲۳۸

۷۱۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘، محولہ بالا، ص ۲۳۷

۷۲۔ڈاکٹر تحسین فراقی کے بارے میں تفصیلات حاشیہ نمبر ۳۰ میں ملاحظہ کیجیے۔

۷۳۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘، محولہ بالا، ص ۲۴۴

۷۴۔جگن ناتھ آزاد (۱۹۱۸۔۲۰۰۴ء)، ممتاز شاعر، ادیب، محقق، ماہرِ اقبالیات، پروفیسر اور صدر شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی (۱۹۷۰۔۱۹۸۰ء)، تصانیف: ’’بے کراں‘‘، ’’ستاروں سے ذروں‘‘، ’’وطن میں اجنبی‘‘، ’’نوائے پریشاں‘‘، ’’کہکشاں‘‘، ’’بوئے رمیدہ‘‘، ’’جستجو‘‘، ’’گہوارۂ علم و ہنر‘‘، ’’آئینہ در آئینہ‘‘ (شعری مجموعے)، ’’روبرو‘‘ (خطوط کا مجموعہ)، ’’نشانِ منزل‘‘ (تنقیدی مضامین)، ’’اقبال اور اس کا عہد‘‘، ’’اقبال اور مغربی مفکرین‘‘، ’’اقبال اور کشمیر‘‘، ’’اقبال۔شخصیت اور شاعری‘‘، ’’اجنتا‘‘، ’’دہلی کی جامع مسجد‘‘، ’’کولمبس کے دیس میں‘‘ (سفرنامۂ امریکا و کینیڈا)۔ادبی خدمات کے اعتراف میں پاکستان و ہندوستان کی حکومتوں نے کئی اعزازات سے نوازا۔ص ۲۶۷

۷۵۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘، محولہ بالا، ص ۲۶۸

۷۶۔شاہ رشاد عثمانی، شاعر، ادیب، محقق، کتب: ’’اردو شاعری میں نعت گوئی‘‘، ’’ادب کا اسلامی تناظر‘‘۔ص ۳۴۷

۷۷۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر، ’’نعت نامے بنام صبیح رحمانی‘‘، محولہ بالا، ص ۳۴۵

۷۸۔ایضاً، ص ۳۴۶

۷۹۔ایضاً، ص ۳۸۳

۸۰۔ایضاً، ص ۳۸۵

۸۱۔ایضاً، محولہ بالا، ص ۳۸۵

۸۲۔ایضاً، ص ۳۹۲

۸۳۔محمد سعید احمد بدر قادری (پ: ۱۹۴۰ء)، شاعر، ادیب، نعت گو، مدیر: ’’برقاب‘‘، ’’دلیلِ راہ‘‘۔ص ۴۲۳

۸۴۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''محولہ بالا،ص ۴۱۷

۸۵۔حکیم محمد سعید (۱۹۲۰۔۱۹۹۸ء)، نامور طبیب، ادیب، سماجی و سیاسی شخصیت، سیاح وسفر نامہ نگار، بانی: مدینۃ الحکمت کراچی، صدر: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، گورنر صوبہ سندھ (۱۹ جولائی ۹۳ء تا ۲۲ جنوری ۹۴)، چند کتب کے نام: ''نورستان''، ''اخلاقیات نبوی''، ''قرآن روشنی ہے''، ''تعلیمات نبوی''، ''سائنس اور معاشرہ''، ''ارضِ قرآنِ حکیم''، ''داستانِ حج''، ''یورپ نامہ''، ''جرمنی نامہ''، ''کوریا کہانی''، ''داستانِ لندن''، ''درۂ خیبر''، ''سعید سیاح اردن میں''، ''سعید سیاح امریکا میں''، ''سعید سیاح ترکی میں''، ''سعید سیاح چین میں''، ''ماہِ سعید''، ''یہ جاپان ہے''، ''اکیسویں صدی کی جانب''، اعزازات: ۱۹۶۶ء میں حکومت پاکستان نے ستارۂ امتیاز سے نوازا، ۱۹۸۳ء میں کویت فاؤنڈیشن برائے سائنس نے ''کویت پرائز برائے طب اسلامی'' عطا کیا۔ص ۴۲۹

۸۶۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''محولہ بالا،ص ۴۳۰

۸۷۔سلطان جمیل نسیم (پ: ۱۹۳۵ء)، صباؔ اکبر آبادی کے فرزند، افسانہ نگار، ڈرامہ نگار، صدا کار، کتب: ''جنگ زمین خوشبو''، ''حامد منزل''، ''کھویا ہوا آدمی''، ''سایہ سایہ دھوپ''، ''ایک شام کا قصہ''، ''میں آئینہ ہوں''، ''جنگل زمین خوشبو''۔ص ۴۳۴

۸۸۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''محولہ بالا،ص ۴۳۱

۸۹۔ایضاً،ص ۴۳۱

۹۰۔ایضاً،ص ۴۳۱۔۴۳۲

۹۱۔ایضاً،ص ۴۳۲

۹۲۔ایضاً،ص ۴۳۴

۹۳۔سلیم یزدانی، ادیب، کالم نویس، سیرت نگار، متعدد کتب کے مصنف۔ص ۴۴۵

۹۴۔شفیق، محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''محولہ بالا،ص ۴۴۱

۹۵۔ایضاً،ص ۴۴۳

۹۶۔ایضاً،ص ۴۴۴

۹۷۔سمیہ ناز اقبال (پ: ۱۹۶۹ء)، شاعرہ، نعت گو، نعت خواں، نگراں: نعت ریسرچ سینٹر، یو کے۔ص ۴۵۳

۹۸۔شفیق ،محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''،محولہ بالا،ص۴۵۷۔۴۵۸

۹۹۔شان الحق حقّی (۱۹۱۷۔۲۰۰۵ء)،شاعر، ادیب، محقق، مترجم، ماہرلسانیات، نائب مدیر: ''آج کل''، مدیرِاعلیٰ: ''ماہِ نو''(کراچی)، رکن ومعتمد: ترقی اردو بورڈ(کراچی)، ڈائرکٹر: یونائیٹڈ ایڈورٹائزر(کراچی)،چند تصانیف وتالیفات: ''انتخابِ ظفر''، ''انجان راہی''(ترجمہ امریکی ناول)،''تارِ پیراہن''(منظومات)،''دل کی زبان''،''پھول کھلے ہیں رنگ برنگے''(منظومات)،''نکتۂ راز''(تنقیدی مقالات)،''لغاتِ تلفظ''،''آپس کی باتیں''،''افسانہ در افسانہ''(خودنوشت سوانح)،''حرفِ دل رس''،''اوکسفرڈ انگریزی اردو لغت''،''شاخسانے''۔ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ پاکستان نے ''تمغۂ قائدِاعظم''(۱۹۶۹ء) اور''ستارۂ امتیاز''(۱۹۸۶ء) عطا کیا۔ص۴۷۱

۱۰۰۔شفیق ،محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''،محولہ بالا،ص۴۷۰

۱۰۱۔سید شفقت حسین رضوی کے بارے میں تفصیلات حاشیہ نمبر۲۰ میں ملاحظہ کیجیے۔

۱۰۲۔شفیق ،محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''،محولہ بالا،ص۴۷۷

۱۰۳۔ایضاً،ص۴۷۷

۱۰۴۔ایضاً،ص۵۲۲

۱۰۵۔شہزاد منظر(۱۹۳۳۔۱۹۹۷ء)، اصل نام: ابراہیم عبدالرحمٰن عارف، ادیب، نقاد، افسانہ وناول نگار، صحافی، دانشور، کتب:''علامتی افسانے کے ابلاغ کا مسئلہ''،''جدید اردو افسانہ''،''غلام عباس ایک مطالعہ''،''پاکستان میں اردو تنقید کے پچاس سال''،''مشرق ومغرب کے چند مشاہیر ادبا''،''پاکستان میں اردو افسانے کے پچاس سال''،''اندھیری رات کا مسافر''،''ندیا کہاں ہے تیرا دیس''،''سندھ کے نسلی مسائل''۔ص۵۵۳

۱۰۶۔شفیق ،محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''،محولہ بالا،ص۵۵۲

۱۰۷۔محمد فیروز شاہ (۱۹۵۲۔۲۰۰۸ء)،شاعر، ادیب، پروفیسر: شعبہ اردو گورنمنٹ کالج میانوالی، کتب: ''دریچہ''(۱۹۸۶ء)،''طلوع''(۱۹۸۹ء)،''تھل دریا''(۱۹۹۲ء)،''برنگِ خوابِ سحر''(۲۰۰۰ء)،''شہرِ شب میں چراغاں''(۲۰۰۳ء)،''باوضو آرزو''(۲۰۰۴ء)۔ص۷۲۳

۱۰۸۔شفیق ،محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''،محولہ بالا،ص۷۲۲

۱۰۹۔ایضاً،ص۷۲۴

۱۱۰۔ایضاً،ص۷۲۶

۱۱۱۔مولانا مبارک حسین مصباحی(پ: ۱۹۶۷ء)، عالم دین، ادیب، محقق، مدیر: ماہنامہ'' اشرفیہ''، مبارکپور، کتب: ''شہرخموشاں کے چراغ''ودیگر۔ص۷۸۱

۱۱۲۔شفیق،محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''،محولہ بالا،ص۷۸۱

۱۱۳۔محمد علی صدیقی، شیؔدا بستوی، شاعر، ادیب، صدر: انتظامی کمیٹی، جامعہ حنفیہ،بستی(انڈیا)، نعتیہ تخلیق: ''الصلوٰۃ والسلام''۔ص۷۹۲

۱۱۴۔شفیق،محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''،محولہ بالا،ص۷۹۲

۱۱۵۔ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط (پ: ۱۹۵۰ء)،ادیب،محقق، رکن: رابطہ ادب اسلامی،رکن مجلسِ ادارت: بال بھارتی اردو (پونے)،نگراں برائے پی ایچ۔ڈی: امراوتی یونیورسٹی،کتب:''اردو میں حمدومناجات''،''حرف حرف معتبر''،''مراٹھی اردو کے تہذیبی رشتے''،''مراٹھی اردو کے باہمی روابط''،''استوری فکر وفلسفہ اردو شاعری میں''،''اردو رباعیات میں ہندوستانی عناصر''،''ف۔س۔اعجاز ہشت پہلو فنکار''، ودیگر۔ص۸۹۶

۱۱۶۔شفیق،محمد سہیل، ڈاکٹر،''نعت نامے بنام صبیح رحمانی''،محولہ بالا،ص۹۰۱

۱۱۷۔ایضاً، پس ورق

۱۱۸۔ایضاً،ص۳۹۳

۱۱۹۔ایضاً،ص۱۹۸

خورشید ربانی۔اسلام آباد

سرائیکی شاعری میں نعت!

ABSTRACT:

Saraiki language contains a treasure of devotional poetry and Khurshid Rabbani who has at his credit marvellous work of Naat compilation viz Nai Sadi Nai Naat, has now introduced some Poets of Saraiki language who expressed their love to Muhammad (S.A.W) in their deep loving diction. The writer of the article has also quoted some trends of literary texts along with original version of couplets. He has also tried to present an out line of Saraiki Naatia poetry's history from older days to present scenario. The effort of Khurshid Rabbani is to show linkage and unity of thoughts of poets in order to express deep love to their beloved Prophet Muhammad (S.A.W) in different spoken languages of Pakistan.

سرائیکی شعروادب میں نعت کا ظہور بھی اتنا ہی پرانا ہے جتنا خود سرائیکی ادب۔سرائیکی زبان کی پہلی دستیاب کتاب ''نورنامہ'' ہے۔اس طویل نعتیہ نظم کے مصنف کے تفصیلی حالات زندگی کے بارے میں اگرچہ تاریخ تاحال خاموش ہے تاہم محققین اس کا سنِ تصنیف 500ھ بتاتے ہیں جبکہ معروف محقق حافظ محمود شیرانی کا کہنا ہے کہ یہ''نورنامہ'' 752ھ میں سامنے آیا۔اس کے مصنف ملاں تخلص کرتے تھے جس کی تصدیق درج ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

پنج سو سال جو گذر ریئے آہے ہجرت باجھ رسولاں

ملاں کہے غریب وچارا کم علماواں کولوں

ترجمہ: ’’اے ملاں! میں غریب کم علم لوگوں سے اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں کہ حضورؐ کی ہجرت کو پانچ سو سال گذر گئے ہیں‘‘۔

ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر نے اسی شعر کو اس نورنامے کے سنِ تصنیف 500 ھ کے جواز کے طور پر درج کیا ہے۔اس نورنامہ کی زبان صاف اور اسلوب متاثر کن ہے،واقعہ ٔمعراج کے حوالے سے چند اشعار دیکھیے:

ہویا سوار براق دے اُتے ونج چڑھیا اَسمانے

حضرت تائیں ظاہر کیتس کل اسرار خزانے

نو اسمان کیتے رب پیدا ہر اَسمانے چڑھیا

گنبد عرش ٹکانیں ہویا قدم نبیؐ جاں دھریا

ساز وضوں ڈوں نفل رکعتاں ترت گذار سدھایا

کُنڈی پانڑی ہلدے آہے جاں پھر سجدے آیا

ترجمہ: ’’حضورؐ براق پر سوار ہو کر آسمان تک پہنچے تو اللہ تعالی نے انؐ پر تمام اسرار اور خزانے ظاہر کر دیے،سرکار دوعالمؐ نے مسجد اقصی میں دو رکعت نماز نفل پڑھائی،پھر آپؐ عرش پر تشریف لے گئے اور تمام آسمانوں کی سیر کی ۔اس سفر میں اتنا ہی وقت لگا کہ جب حضورؐ واپس تشریف لائے تو ابھی تک وضو کا پانی بہہ رہا تھا اور دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی‘‘۔

حضرت ملاں کے قدیم نورنامے کے علاوہ حافظ مراد نابینا،امام الدین بھکوی کے نورنامے بھی آسمانِ تاریخ پر درخشاں ستاروں کی صورت موجود ہیں ۔ چانڈیو قوم کے ایک بزرگ حضرت میاں قبولؒ اور

دودے شاہ کے معراج نامے، جو چھٹی صدی ہجری میں تخلیق ہوئے، بھی قدیم سرائیکی نعت کے لازوال نمونے ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق سرائیکی ادب کی جو دو قدیم تحریریں دریافت ہوئی ہیں ان میں ایک قصیدہ بردہ شریف کا ترجمہ ہے جبکہ دوسری تحریر غلام حسین کی تخلیق ''حلیہ مبارک'' ہے جو ۵۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ حضرت ملاں کے ''نورنامے''، اعظم چانڈیو کے ''حلیہ مبارک'' اور پیارا شہید کے ''معراج نامہ'' جیسی نعتیہ روایت کے ساتھ ساتھ قدیم مذہبی کتب اور رسائل میں بھی نعتیہ کلام موجود ہے۔ اعظم چانڈیو کا نمونہ کلام دیکھیے:

دیکھ جمال نبی سرورؐ دا سجھ تے چن شرماوِن
حور ملائک صدقے جاوِن پریاں گھول گھماوِن
بدن مبارک حضرت سرورؐ آہا عیبوں خالی
خالق خلقی سبھو سوہنڑی صورت سوہنڑے والی

ترجمہ: ''حضورؐ کا جمالِ پرانوار دیکھ کر سورج، چاند شرماتے ہیں، ملائک اور حوریں اپنی جان قربان کرتے ہیں، حضورؐ کا بدن مبارک عیبوں سے پاک ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیںؐ ہر لحاظ سے خوب صورت بنایا ہے''۔

سرائیکی شاعری کے اولین دور سے متعلق پروفیسر عامر فہیم رقم طراز ہیں:

''سرائیکی شاعری کا ارتقا تو ہوتا ہی حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے، جتنی پرانی کہانیاں ہیں، مثنویاں ہیں، لوک قصے ہیں، سب کے آغاز میں دعا ہے کہ بارگاہِ رسالتؐ میں اسے قبولیت کا درجہ ملے''۔

سرائیکی شاعری اس حوالے سے تو خوش بخت رہی ہے کہ اسے معروف صوفی شعراء حضرت بابا فرید شکر گنجؒ، شاہ حسینؒ، شاہ شمس سبزواری، سچل سرمستؒ، سلطان باہوؒ، بابا بلھے شاہؒ اور خواجہ غلام فریدؒ جیسے نابغہ ء روزگار

شخصیات کی توجہ حاصل ہوئی، جنہوں نے سرائیکی شعر کو اس بامِ کمال تک پہنچایا جس کی بلندی کو حدودِ نظر میں تلاش کرنا مشکل ہے۔

وسدی ہر دم من میرے وچ،صورت یار پیارے دی
باغ ترا ، باغیچہ تیرا ، میں بلبل باغ تہارے دی
اپنڑے شاہ نوں میں آپ رجھاواں،حاجت نیں پسارے دی
کہے حسین فقیر نماناں،تھیواں خاک دوارے دی

(شاہ حسینؒ)

ترجمہ: ’’میرے دل میں ہر وقت محبوبؐ کا چہرہ مبارک آباد رہتا ہے،اے محبوب کریمؐ! باغ بھی تیرا ہے اور باغیچہ بھی ، میں تیرے باغ کی بلبل ہوں،اپنے محبوبؐ کو میں آپ راضی کرسکتا ہوں،حسین فقیر کی یہ خواہش کہ وہ آپؐ کے در کی خاک ہو جائے‘‘۔

چوڈس چن ہے مونہہ محبوبی ، واہ وسیع پیشانی
ویکھن نال حیراں رہیوسے ، رنگ سارا رحمانی
جھلک ایہیں دی کون جھلے،جو ہوئی نور نشانی
سچل حسن حسیناں اُتوں،جان کیتی قربانی

(سچل سرمستؒ)

ترجمہ: ’’میرے محبوبؐ کا چہرہ چودویں کے چاند کی طرح روشن ہے،میرے محبوبؐ کے حسن کی کوئی مثال نہیں، میں بھی یہ جمال بے مثال اور رحمانی رنگ دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہوں،اس نورانی پیکر کا مقابلہ کون کرسکتا ہے،سچل نے اس چہرہء پرانوار پر جان قربان کر دی‘‘۔

ب بسم اللہ اسم اللہ دا ایہہ گہنا وی بھارا ہو
نال شفاعت سرورِ عالم چھٹسی عالم سارا ہو

حدوں ودھ درود نبیؐ تے جنّیں دا ایڈا پیارا ہو

میں قربان انہاں توں باہو جنہاں ملیا نبیؐ دلارا ہو

(سلطان باہوؒ)

ترجمہ:''بسم اللہ خدا وند تعالیٰ کا نام ہے اور یہ گہنا انمول ہے،سرکاردوعالمؐ کی شفاعت سے ساری دنیا نجات حاصل کرے گی،ایسے باکمال نبیؐ پر بے شمار درود وسلام،باہو! میں ان لوگوں پرقربان جاؤں جنہیں ایسا دلارا نبیؐ ملا ہے''۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی ذاتِ بابرکات کی سیرت اور شان کا بیان بڑی سعادت ہے ،حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت وعقیدت اور آپؐ کے جمالِ بےنظیر کا والہانہ اظہار اسلامی دنیا کے شعروادب کا طرہ ءامتیاز رہا ہے۔پاکستان میں بولی جانے والی قریبا ہرزبان کے ادب میں نعت کی روایت موجود ہے مگر سرائیکی نعت میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جتنی محبت،عقیدت اور شفتگی کا اظہار کیا جاتا ہے،عشق کی جو وارفتگی بیان کی جاتی ہے وہ کسی اور زبان کی نعت میں کم کم ہی نظر آتی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ با سعادت،مکمل شجرہ ءنسب،سرکار دو عالمؐ کے والد گرامی کی شادی،حضرت عبدالمطلب کو خواب میں دی جانے والی خوشخبری،حضرت بی بی حلیمہؓ کا آپؐ کو گود لینا،سفرِ شام ،حضرت خدیجہؓ سے شادی مبارک،غارِحرا کی عبادات،واقعہ ءمعراج،وحی کا نزول،حلیہ مبارک کا تفصیلی تذکرہ،حضورؐ کی عادات،معمولات،اقوال،فضائل،خصائل الغرض نبی کریمؐ کے بچپن،لڑکپن سمیت پوری زندگی کے ہر لمحے کا احوال سرائیکی نعت کا موضوع بنایا گیا ہے۔زمانہ ء قدیم سے سرائیکی شاعری میں نعت نگاری کی مختلف اصناف مروج چلی آتی ہیں جن میں زیادہ تر دل بہ دل سفر کرتی رہی ہیں یا قلمی نسخوں کی صورت محفوظ ہیں تاہم ایک معقول ذخیرہ کتابی صورت میں بھی دستیاب ہے۔سرائیکی شعروادب میں نعت کے لیے مولود شریف کی ترکیب رائج ہے،اگرچہ یہ پرانے زمانے سے ایک الگ صنف کے طور پر بھی اپنا وجود منواتی رہی لیکن مجموعی طور پر ہرنعت کو مولود کہا جاتا

ہے اور یہ روایت آج تک قائم ہے۔دوسری نعتیہ اصناف میں (جو غالباً سرائیکی شاعری ہی کا اختصاص ہیں) نورنامے،معراج نامے،حلیہ مبارک یا حلیہ نامہ،تولد نامہ،بارات نامہ ، وصال نامہ ،مولود شریف،تاج نامہ،درود نامہ،معجزہ معراج اور دیگر اصناف شامل ہیں ،علاوہ ازیں کافی ،رباعی،دوہڑہ،قصیدہ ،مثنوی اورغزل کی ہیئت میں بھی نعت لکھی جاتی رہی ہے۔قدیم زمانے میں گھڑ ولی لعل،تورہ، جوگی نامہ،طوطا نامہ، ڈھولے نامہ، سی حرفی اور محمدی بارہ ماہ جیسی نعتیہ اصناف بھی موجود رہی ہیں تاہم اب یہ روایت قریباً ختم ہو چکی ہے۔

گھڑولی لعل پرانے زمانے میں سہرے کے لیے مخصوص تھی لیکن بعض شعراء نے نعتیہ گھڑ ولیاں بھی لکھیں۔اس صنف میں بھی سہ حرفی کی طرح الف سے ی تک ایک ایک بند لکھا گیا۔ایک قدیم گھڑ ولی کا ایک بند ملاحظہ ہو:

ن۔ نت وسے مینہ کرم دا جی
پانڑی کوثر باغ ِارم دا جی
ہادی صاحب کل شرم دا جی
ساری امت دا رکھوال۔گھڑولی لعل

(شاعر نامعلوم)

ترجمہ:’’کرم کا بادل ہمیشہ برستا رہے،پانی حوض ِکوثر کا اور باغ ارم ہمارا مقدر بنے،حضورؐ سب گناہ گاروں کی لاج رکھیں گے اور ساری امت کی شفاعت فرمائیں گے‘‘۔

تورہ بھی ایک قدیم صنفِ شعر ہے،یہ صنف لوک گیتوں کے لیے خاص رہی ہے مگر شعراء نے اس میں بھی نعتیہ رنگ بھرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور اکثر اوقات اس میں واقعہءمعراج کو ہی قلم بند کیا۔محمد شاہ نو بہار سیری حقانی جو سرائیکی شعر و ادب کا ایک بڑا نام ہے،ان کا ایک نعتیہ تورہ دیکھیے:

وصی آنڑ کھڑوتا درتے،کھڑا پڑھے درود سرورؐ تے،سر ہیٹھاں دھرتے۔یا نبیؐ جی

جُلو عرش اُتے یا حبیبیؐ، تھیا فضل تے خوش ہے نصیبی، قرب قریبی۔ یا نبیؐ جی

طٰہٰ تاج لولاک دو شالہ، بنڑیا روح الدین سبالہ، سہریا نوالہ۔ یا نبیؐ جی

ترجمہ: ''جبرائیل امیں آپؐ کے در پر آئے اور سر جھکا کر بہ صد ادب درود وسلام پیش کر کے عرض کی یا حبیبؐ اللہ! یہ خوش بختی کی بات ہے کہ آپؐ کو مالک دو جہاں نے اپنے پاس بلایا ہے، آپؐ نے طٰہٰ کا تاج سر پر سجایا، لولاک کا دوشالہ لیا اور روح الا میں کے ساتھ عرش پر چلے گئے''۔

ایک اور قدیم صنف جوگی نامہ ہے جس میں حضورؐ کی خدمت میں شاعر اپنے دکھ درد بیان کرتے رہے ہیں۔ مولوی نبی بخش کے جوگی نامہ کا رنگ دیکھئے:

جوگی میڈا پاکوں پاک اے
خاطر جیندی کل لولاک اے
ادبوں حاضر تھی کھڑا براق اے
عاشق خود غفار اے
حوراں خدمت آیاں

ترجمہ: ''میرا کریم نبیؐ پاکباز ہے، انہیؐ کی خاطر دو جہاں بنے ہیں، معراج کی رات براق ادب کے ساتھ حاضر ہوا، سرکار دو عالمؐ اللہ کے محبوب ہیں اور حوریں انؐ کی خدمت میں حاضر رہتی ہیں''۔

اس کے علاوہ باغ شاہ اور مبارک شاہ کے جوگی نامے بھی مشہور ہیں۔ طوطا نامہ بھی ایک نعتیہ صنفِ سخن رہی ہے جس کے ذریعے شاعر اپنے دل کا حال بارگاہِ رسالتؐ میں بالکل اسی طرح پیش کرتے رہے جس طرح اردو اور دیگر زبانوں کے شعراء نے بادِ صبا کے ہاتھ پیغام رسانی کو شعر کا موضوع بنایا ہے۔

بولیں طوطا نال ادب دے
اگوں میڈے شاہ عرب دے
آکھیں طوطا یار میڈے کوں
دل دے بھیداں ڈیواں کیکوں
توں ہے واقف رازِ نہانی
نور الدین مسکین

ترجمہ: ’’میرے پیام بر طوطے! شاہِ عربؐ کی بارگاہ میں ادب کے ساتھ حاضری دینا، میرے محبوب آقاؐ سے کہنا کہ آپؐ تو رازِ نہاں سے واقف ہیں، میں اپنے دکھی دل کا حال کس کو سناؤں‘‘۔

طوطا نامہ سے ملتی جلتی ایک اور صنف ہدہد نامہ کا ذکر بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے، احمد یار خان کے ایک قلمی ہدہد نامہ سے اقتباس ملاحظہ کریں جو بقول ڈاکٹر طاہر تونسوی حبیب فائق کے پاس موجود ہے۔

جیویں ہدہد مدینے دی طرف جا
تمامی حال مہجوری دے سنڑوا
کریں پہلے طواف اس یار دے توں
میرے اس یار تے غم خار دے توں
کریں بعد از ثنائش صد تحیات
کروڑاں بار تسلیمات و صلوٰت
باہاں بدھ کے ادب دے نال اوں جا

دو زانو بہہ کے سبھ احوال سنڑوا

آکھیں رو رو کے سارا ہجر دا حال

کدی حضرت اے سانول مہرتوں بھال

ترجمہ: ''اے ہد ہد! اللہ تجھے سلامت رکھے تو مدینے جا، نبی پاکؐ کی بارگاہ میں ادب کے ساتھ دو زانو ہو کے بیٹھنا اور میرے حبیبؐ اور میرے غم گسار آقاؐ کی زیارت کا شرف حاصل کرنا، سرکار دو عالمؐ کی بارگاہ میں بعد از کروڑوں درود وسلام، میرے ہجر کا حال رو رو کر بیان کرنا اور یہ عرض بھی گزارنا کہ یہ دیوانہ آپؐ کی نظر التفات کا منتظر ہے''۔

نعتیہ ڈھولے ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس نے سرائیکی شاعری پر راج کیا ہے۔ درجنوں شعرا نے نعتیہ ڈھولے لکھے مگر خادم حسین مکھن بیلوی، ناطق، مولانا شائق، جان محمد گداز اور مولوی نبی بخش کے ڈھولے بہت مشہور ہوئے۔

م مدنی ڈھول آ ڈے دیدار ضروری

اصلوں مار مکایا ایں فرقت مہجوری

نہ کر بے پروایاں دل نہ سہندی دوری

خادم خاک نکاری، توں خلقت ہیں نوری

خادم حسین مکھن

ترجمہ: ''اے مدینے والے محبوبؐ! ہمیں اپنی زیارت سے مشرف کر، ہم دردِ فرقت ہاتھوں بے حال ہو چکے ہیں، ہم سے بے پروائی نہ کرنا کہ یہ دل اب ہجر کا دکھ برداشت نہیں کرسکتا، آپؐ سراپا نور ہیں اور یہ خادم خاک کا پتلا''۔

ل لاج امت دی احمد پاک پلیسی

کھوٹی کھری امت کوں اپنڑے دامن لیسی
ہر ہر اکھ وچالے سَے سَے ڈوھ تاں ڈیسی
ناطق عاجز امت کوں ایہو پار پچیسی

(ناطق)

ترجمہ: ''حضور نبی کریمؐ اس امت کی لاج رکھیں گے، کوئی گناہ گار ہو یا پاکباز، سب کو اپنے دامن میں چھپا لیں گے۔ اے ناطق! نبی پاکؐ پردہ پوشی سے کام لیں گے اور اس عاجز امت کو منزل تک لے جائیں گے''۔

ل لُک چھپ ڈھولا برقعہ میم دا پایو
آپوں ملک عرب وچ احمد نام دھرایو
کیتو حسن دا جلوہ ملکاں دھوم مچایو
شائق یار دے دل وچ ڈھولا جھوک بنڑایو

(مولانا شائق)

ترجمہ: ''حضور نور مجسمؐ میم کے پردے میں تشریف لائے، آپؐ عرب کے ملک میں احمدؐ نام سے متعارف ہوئے، اپنے حسن سے دنیا میں دھوم مچائی اور اس شائق کے دل میں ڈیرہ ڈال لیا''۔

سہ حرفی کو بھی ایک مقبول صنفِ شعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ سید امیر حیدر میرن، علی حیدر ملتانی، حافظ جمال، جمل خان لغاری، سچل سرمست، فائق، شائق، سید مبارک شاہ، محمد بخش بخشا، سید شیر محمد گیلانی اور میاں رحیم بخش سہ حرفی لکھنے والوں میں نمایاں رہے ہیں۔

م محمدؐ دے ناں توں گھول گھتاں جگ سارا
عاجز جئی کان کمینی چھوڑ ویس تخت ہزارا

میں ماندی درماندی کوں ڈکھلایس روپ نظارا

میرن شاہ میڈے من بھایا ماہی ماہ متارا

(امیر حیدر میرن)

ترجمہ: ''میں محمدؐ پر دو جہان قربان کردوں، مجھ درماندہ کو انہوںؐ نے اپنا دیدار کرایا ہے، اس عاجز نے اپنے دیس کو خیر باد کہہ دیا کیونکہ میرن شاہ کے دل کو وہ ماہِ کاملؐ ہی پسند آ گیا ہے''۔

م محمد صلی علیٰ دا ہر دم ساکوں آسرا اے

اوسے دی امید ساہاں عملاں نہ بھرواسڑا اے

اوسے دے دربار دے سائل ہتھ اساڈڑے کاسڑا اے

اوسے دے دلاسے تے حیدر ہنجوں والا ہاسڑا اے

(علی حیدر ملتانی)

ترجمہ: ''آقا محمدؐ ہر لمحے ہمارا سہارا ہیں، ہمیں اپنے اعمال نہیں انؐ کی رحمت کا بھروسہ ہے، ہم کاسہ لے کر انؐ کے در پر سائل بنے کھڑے ہیں، اے حیدر! ہمارے آنسوؤں کو انہیؐ کے کرم کی امید ہے''۔

سرائیکی شاعری میں نعتیہ سہرے کی روایت بھی قدیم ہے جن میں واقعہ ء معراج کو بیان کیا جاتا ہے، اس حوالے سے محمد شاہ حقانی نو بہاری سیری کے سہرے بے مثال ہیں۔ مولانا شوق جو عالمانہ نظم و نثر کے لیے مشہور تھے انہوں نے بھی 109 صفحات پر مشتمل سہرا یادگار چھوڑا ہے۔

معراج مانڑے بناں معراج وے

سرتاج مانڑے بناں جگ راج مانڑے وے

آکھے محمد شاہ کیا سائیں تیڈی صفت تاں مکدی نئیں

تھیا خشک ختم مس پناں معراج ماڑے وے

(محمد شاہ حقانی سیری)

ترجمہ: ’’آپؐ کو معراج مبارک ہو، ہمیشہ معراج کے حامل رہیں، سرتاجی اور جگ راجی ہمیشہ آپؐ کے پاس رہے، اے صاحبِ معراجؐ! میرے قرطاس وقلم میں طاقت نہیں رہی، یہ محمد شاہ آپؐ کی کیا تعریف کرے کہ آپؐ کی صفات کی کوئی حد نہیں‘‘۔

سہرے کے علاوہ واقعہءمعراج کے بیان کے لیے ایک اور صنفِ سخن ’’معراج نامہ‘‘ بھی معروف ہے، قدیم معراج ناموں میں میاں قادر یار اور حافظ محمد یار کے معراج نامے بہت مقبول ہوئے ہیں۔

توں نبی کونین سرورؐ ، پاک سید مرسلیںؐ
دین روشن ، شان افضل ،توں پیمبر آخریںؐ
توں نبیؐ سرتاج بہتر، یا محمدؐ خاتمیں
حوض ِکوثر دا توں ساقی، ہر نبی دا پیشوا
توں اگے فریاد میڈی ، یا محمدؐ مصطفےٰؐ

(حافظ محمد یار)

ترجمہ: ’’اے نبی پاکؐ آپؐ سرور کونینؐ ،سید المرسلینؐ ہیں، آپؐ کا دین روشن، آپؐ کی شان افضل ہے، آپؐ انبیا کے سرتاج اور خاتم النبین ہیں، آپؐ حوض کوثر کے ساقی اور ہر نبی کے پیشوا ہیں، اے محمدؐ! میں بھی آپ کے پاس فریاد لے کے آیا ہوں‘‘۔

سرائیکی شاعری میں ’’مولود شریف‘‘ کی روایت بھی پرانے زمانے سے چلی آتی ہے، خواجہ فریدؒ، محمد یار بلبل ، شاطر نماناں ، مجروح شاہ ،جلال کلیم ،خرم بہاول پوری گلشن ، کمتر ، کہتر، فدوی، مولوی اعظم ،احمد یار،نور محمد گدائی، صابر مبارک پوری، ولایت شاہ،مولوی عبیداللہ،مولوی کریم بخش پردیسی، خادم اور مولوی محمد صدیق امر پوری سمیت کئی شعراء نے اس صنف میں اپنے کمال کے جوہر

دکھائے ہیں۔

چیتر چیت ہمیشہ کردی ، وچ مدینے جاواں میں
روضے پاک نبیؐ دے اوتوں ، اپنڑی جان گواواں میں
جیکر ہوواں حضور ول پوری سارے مطلب پاواں میں
رب رحیم کریم قادر توں ہر دم ایہو چاہواں میں

(نور محمد گدائی)

ترجمہ:''چیت کے مہینے میں ہر سال میرا دل چاہتا ہے کہ میں مدینے جاؤں، روضہء رسولؐ پر جان قربان کروں، اگر میں مدینہ پہنچ جاؤں تو میری یہ خواہش پوری ہو جائے، میں ربِ رحیم و کریم اور قادرِ مطلق سے ہر دم مدینہ کی حاضری طلب کرتا ہوں''۔

قاصد شوق کبوتر ہوے
شہر مدینے جایں میڈے یارا
خدمت پاک نبی سرورؐ دی
رو کر حال سنڑایں میڈے یارا
بہہ کر نال نیاز ادب دے
حاضر خدمت شاہ عرب دے
عرض کریں سبھ نال طلب دے
سمجھ کے سخن اَلایں میڈے یارا

(خادم)

ترجمہ۔'' اے میرے شوقِ دیدار کے کبوتر، قاصد بن کر شہرِ مدینہ جا اور سرورِ کونینؐ کی خدمت میں ادب کے ساتھ حاضری دے۔ بارگاہ رسالتؐ میں میرا حال رو رو کر بیان کر۔

یہ دھیان رکھنا کہ حضورؐ کے سامنے ادب اور نیاز مندی کے ساتھ، سوچ سمجھ کے بات کرنا''۔

حلیہ نامہ بھی ایک قدیم نعتیہ صنف ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا حلیہ مبارک سیرتِ رسولؐ کی روشنی میں لکھا جاتا رہا ہے، اس کا بھی ایک وقیع ذخیرہ موجود ہے۔ سرائیکی شاعری میں محمد اعظم کے ''حلیہ مبارک'' کو ممتاز مقام حاصل ہے، یہ منظوم کلام چھٹی صدی ہجری کے آواخر میں لکھا گیا، نمونہ کلام ملاحظہ ہو

نوری عالم سارا آکھے ماہ کنعانی سوہنڑاں
پَر چَن عرب دا بہت سلونڑاں، سوہنڑاں تے من موہنڑاں
لعل یاقوت لباں دی لالی ڈیکھن دی سدھرائی
رم جھم ڈنداں دی رتی توں موتی گھول گھمائی
ہر دم حمد الہی آکھاں رب کوں خالق جاناں
جیں رب اپنڑاں دوست بنڑایا سوہنڑان ڈو جہاناں

ترجمہ: ''نور سے معمور دنیا کہتی ہے کہ ماہِ کنعان خوبصورت ہے لیکن عرب کا چاند بہت پیارا، من موہنا اور بے مثال ہے، آپؐ کے لب مبارک کی لالی کے سامنے یاقوت بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں، دانت مبارک کی چمک دمک پر موتی جان چھڑکتے ہیں، میں ہر وقت اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اور اسے خالق مانتا ہوں جس نے آپؐ جیسا (دو جہان میں بے مثال حسن کا مالک) دوست بنایا ہے''۔

محمد اعظم کی طرح کئی اور شعراء نے بھی حلیہ نامے لکھے ہیں، ان میں مولوی عزیز الرحمٰن عزیز کے حلیہ نامہ نے بھی کافی شہرت پائی، نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

ہنس مکھ رہے ہمیشہ سرورؐ غصہ کڈھا نہ آوے

جوش دے وقت متھے وچ ہک رگ ابھرے جنبش کھاوے

رہے نگاہ ہمیشہ جھکی اوتے ڈیکھے گاہے

پہلے کرے سلام ہمیشہ خُلق دے نال اِلاوے

(مولوی عزیز الرحمٰن عزیز)

ترجمہ۔'' حضورؐ ہمیشہ ہنس مکھ رہے ،انؐ کے چہرے پر کبھی غصہ نظر نہیں آیا، جوش کے وقت اکثر ماتھے پرایک رگ ابھر آتی تھی،حضورؐ ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے،گاہے گاہے ہی نظر اٹھاتے،سلام کرنے میں بھی ہمیشہ پہل کرتے اورادب واخلاق کے ساتھ گفتگو فرماتے''۔

قصہ ہرنی بھی سرائیکی شاعری کی ایک منفرد صنف ہے اوراس میں بھی متعدد شعراء نے طبع آزمائی کی ہے۔ڈتن ملتانی کے قصہ سے اقتباس ملاحظہ ہو:

اول حمد ہکو سب مومن آنڑو شکر بجا

مطلب رازق خالق ہر دا سچا پاک خدا

حضرت نبی محمدؐ صاحب نبیاں دا سردار

پڑھو درود صلوٰۃ ہمیشہ مومن بے شمار

ترجمہ:''اے مومن مسلمانو! پہلے خدا کی حمد بیان کرو،اللہ تعالی کی نعمتوں پر شکر ادا کرو کہ وہ خالق ورازق سب کا خدا ہے، پھر نبیوں کے سردار حضرت محمدؐ پر بے شمار درود وسلام پیش کرو''۔

معروف لوک داستانیں ہیر رانجھا،سیف الملوک،سسی پنوں اور اسلامی داستان یوسف زلیخا کو بھی سرائیکی شعراء نے اپنا موضوع بنایا ہے اوران داستانوں کا آغاز حمد ونعت کے ساتھ ساتھ مناقب سے کیا گیا ہے،مولوی احمد یارتونسوی قصہ یوسف زلیخا میں نعتِ سرکارؐرقم کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

مجلس خاص خدا دی نال جبرائیل وزیرے

دوکونین بہشت جوسارے سرورؐدی جاگیرے

ترجمہ: ''حضورؐ کو بارگاہ خداوندی میں حاضری کا شرف حاصل ہے، جبرئیل انؐ کے نائب ہیں اور دونوں جہان آپؐ کی جاگیر ہیں''۔

مولوی لطف علی کی سیف الملوک ''سیفل نامہ'' اور چراغ اعوان کا قصہ ہیر رانجھا میں بھی اس حوالے سے اہمیت کی حامل تخلیقات ہیں۔ سرائیکی شاعری میں مولوی غلام قادر قریشی کا تولد نامہ بھی ایک قابل قدر تخلیق ہے، 1072 اشعار کا حامل یہ نعتیہ کلام قریباً ایک صدی قبل منظر عام پر آیا۔ اس کے مطالعہ سے مصنف کے تبحرِ علمی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور فنِ شعر پر کامل دسترس کا پتہ بھی چلتا ہے۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی نے قاضی محمد عارف کے ایک سفر نامہ کے قلمی نسخہ کی موجودگی کا انکشاف بھی کیا جو بقول ان کے حبیب فائق کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اس سفر نامہ کو سرائیکی کا پہلا منظوم سفر نامہ قرار دیا ہے۔ اس سفر نامہ میں بھی نعتیہ رنگ موجود ہے۔ قاضی عارف سفر مدینہ پر روانہ ہوتے ہوئے یوں سخن سرا ہیں۔

طرف مدینے تھیئم روانہ ہویا لطف خدایا
نئیں کجھ خوف سفر دا ہرگز نام خدا سر چایا
تھیسی فضل الٰہی شامل ہوسی پندھ سجایا
طالب ہاں دیدار نبیؐ دا ہر دم شوق سوایا

ترجمہ۔ ''مجھ پر اللہ کا فضل ہوا کہ میں مدینے کی سمت عازمِ سفر ہو رہا ہوں، میں بنامِ خدا سفر پر روانہ ہو رہا ہوں اس لیے مجھے کوئی خوف لاحق نہیں ہے، اللہ کا فضل شاملِ حال رہے گا اور میں منزل پر ضرور پہنچوں گا۔ میں حضورؐ کے دیدار کا مشتاق ہوں اور یہ شوق بڑھتا ہی چلا جاتا ہے''۔

ان اصناف کے علاوہ بارہ ماہ، ماہیے، محمدی بارہ ماسے اور چرخے نامے بھی لکھے گئے ہیں، کافی، غزل

اور دوھڑے کی اصناف میں بھی نعتیہ رنگ کی تابانی اپنی مثال نہیں رکھتی۔نعت کی روایت کا یہ سلسلہ نور نامہ کے حضرت ملاں ،میاں قبول شاہ ،اعظم چانڈیو، حضرت شاہ حسینؒ ،سلطان باھوؒ، بلھے شاہؒ، سچل سرمست ،حافظ جمال ملتانیؒ اورغلام فقیر سے آگے بڑھتا ہوا جب خواجہ غلام فریدؒ تک پہنچا تو اس میں جدت اور ندرت کے کئی دل کش رنگ نمایاں ہو چکے تھے۔خواجہ فریدؒ 19 ویں صدی کے وہ واحد اہم ترین شاعر ہیں جنہیں عالمی شہرت نصیب ہوئی۔ان کے کلام کا سوز وگداز،مٹھاس،اور نغمگی اپنی مثال آپ ہے،ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

> ’’خواجہ فریدؒ نے لحنِ داؤدی میں سچے حسن اور سچے عشق کی تلاش کا جو نغمہ تخلیق کیا اور عقیدت ومحبت ِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا جو مست کر دینے والا سُر چھیڑا ہے اس کے باعث وہ سب کے دل کی دھڑکن بن گئے۔علامتوں اور اسرار کے حوالے سے انہوں نے تصوف کے جو مسائل بیان کئے اور جس طرح علاقہ کی علامت کو اظہار کا ذریعہ بنایا اس میں ان کا ثانی کوئی نہیں‘‘۔

خواجہ فریدؒ ایک صوفی شاعر تھے اس لیے ان کی شاعری میں وحدت الوجود کے نظریے کے اثرات بھی نظر آتے ہیں اور ایک عاشقِ کامل کی صدائے دردمند بھی سنائی دیتی ہے۔صوفیانہ شاعری کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں حمد اور نعت کے مضامین بھی اپنے منفرد انداز میں موجود ہیں۔

اِتھاں میں مٹھڑی نت جان بلب
او تاں خُش وسدا وچ ملک عرب
ہر ویلے یار دی تانگ لگی
سُنجے سینے سک دی سانگ لگی
ڈُکھی دِلڑی دے ہتھ تانگ لگی

تھے مِل مِل سُول سموۓ سب

تتی تھی جوگن چودھار پھراں

ہند سندھ پنجاب تے ماڑ پھراں

سُنج بَر تے شہر بزار پھراں

متاں یار مِلم کئیں سانگ سبب

توڑے ڈِھکڑے ڈُھوڑے کھانڈڑی ہاں

تیڈے ناں توں مفت وکانڈڑی ہاں

تیڈی باندیاں دی میں بانڈڑی ہاں

ہے دَر دِیاں کُتیاں نال ادب

واہ سوہنڑاں ڈھولنڑ یار سجن

واہ سانول ہوت حجاز وطن

آ ڈیکھ فرید دا بیتِ حزن

ہم روز ازل دی تانگ طلب

ترجمہ: ''میں قسمت کی ماری یہاں دردِ ہجر سے جاں بہ لب ہوں، اور میرا محبوبؐ ملک عرب میں خوش آباد ہے، میرے دلِ برباد میں چاہت کا تیر پیوست ہے، ہر وقت محبوبؐ کا انتظار رہتا ہے، اور میرے بیتاب اور دکھی دل کو محض انتظار عطا ہوا ہے۔ دکھوں نے میرے دل کو گھیر لیا ہے، میں سوختہ جان جوگن بن کر محبوبؐ کی تلاش میں جگہ جگہ دیوانہ وار پھر رہی ہوں، ہند، سندھ، پنجاب، ماڑ تک ،کبھی صحراؤں میں اور کبھی شہروں میں۔مَیں اس لیے پھرتی رہتی ہوں شاید کہیں کسی سبب سے دوست مل جائے، اگرچہ تیری محبت میں دربدر

دھکے کھاتی ہوں، پھر بھی تیرے نام پر مفت بک ہونے کو تیار ہوں، تیری کنیزوں کی بھی کنیز ہوں اور تیرے در کے کتوں کا بھی ادب کرتی ہوں، اے میرے محبوب تمام دنیا سے حسین اور پیارے، ملک حجاز کے سانولے سلونے ''ہوت'' دوست سبحان اللہ، آ کر فرید کا غم کدہ دیکھ، جو روزِ اول سے تیرے انتظار میں ہے''۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے علاقہ ڈھکی کے رہائشی ایک صوفی شاعر غلام فقیر کو اگرچہ ملکی سطح پر ان کے کام اور کلام کی نسبت بہت کم تعارف حاصل ہے تاہم وہ بھی نعت گوئی اور صوفیانہ شاعری کے حوالے سے ایک اہم نام ہیں۔غلام فقیر خواجہ غلام فریدؒ اور علامہ اقبالؒ کے ہم عصر تھے اور ان سے ملاقات کا شرف بھی رکھتے تھے۔وہ ۱۵ستمبر۱۸۱۹ کو چوٹی بالا ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے بعد ازاں ان کے آباو اجداد ہجرت کر کے ڈیرہ اسماعیل خان آ گئے۔ غلام فقیر نے ۱۰مئی ۱۹۳۸ کو جہان فانی سے کوچ کے لیے رختِ سفر باندھ لیا۔غلام فقیر نے حمد ونعت کے علاوہ کافیاں، سہ حرفیاں اور ڈوھڑے بھی لکھے۔ان کی نظم عاشق اور گھڑے کا مکالمہ اپنا جواب نہیں رکھتی۔غلام فقیر کا نام تو زیادہ سفر نہ کر سکا لیکن ان کا دل کش اور پر اثر کلام دل سے دل تک سفر کرتا ہوا ایک عالم کو اپنا گرویدہ بناتا رہا۔امیر خسروؒ کے تتبع میں ان کی ایک نعت دیکھیے:

وہ خمریاں سب شوق میں،ڈالے ہوئے گل طوق میں
کہتی تھیں سب اس ذوق میں،کشف الدجےٰ بجمالہ
بلبلیں بھی سو بہ سو اور لے لے ہر اک گُل کی بُو
کرتی تھیں باہم گفتگو،حسنت جمیع خُصالہ
چڑیوں کی سن کر چوں چئیں ، بندے بھی کیوں کر چپ رہیں
لازم ہے ان کو یوں کہیں،صلوا علیہ وآلہ

ملک کے سرکاری ٹی وی پر ان کا یہ خوبصورت کلام تو نشر ہوتا رہتا ہے مگر ان کا نام سامنے نہیں لایا جاتا۔اس کا سبب شاید تخلص کی عدم موجودگی ہو کہ اس نعتیہ نظم کے مداح نے اسے ایک بڑے نشریاتی ادارے تک تو پہنچایا لیکن شاعر کا نام تلاش کرنے کی کوشش نہ کی حالانکہ آخری شعر میں ان کا نام موجود ہے،ان کے قلمی نسخہ میں درج بالا تیسرا شعر یوں ہے:

چڑیوں کی سن کر چوں چھیں، کیوں غلام فقیر بھی چپ رہیں

لازم ہے ان کو یوں کہیں،صلوا علیہ وآلہ

غلام فقیر کا نعتیہ کلام ملک بھر میں پڑھا اور سنا جاتا ہے لیکن ان کی شخصیت پر ابھی تک کوئی جامع کام نہیں ہوا۔ان کے کلامِ دل نشیں کا ایک وقیع ذخیرہ قلمی نسخوں کی صورت ان کے پوتے حاجی رشید احمد کے پاس موجود ہے اور وہ اس کی اشاعت کے لیے کوشاں ہیں،سرائیکی نعتیہ کلام ملاحظہ کیجیے:

واہ شان نبی سرورؐ دا اے

جیہڑا شافی روز حشر دا اے

یٰسین خدا فرمایا ہے

تیڈا نام مبارک آیا ہے

ایہو درجہ کئیں نہ پایا ہے

او صاحب شان قدر دا اے

ہک عرض کریندا اسیرا اے

درماندہ غلام فقیرا اے

تیڈے باجھوں دست نگیرا اے

میکوں آسرا تیڈے در دا اے

ترجمہ:"سبحان اللہ ! اس نبی مکرمؐ کی کیا شان ہے جو بہ روزِ حشر سب کی شفاعت کریں گے،اللہ تعالی نے انہیںؐ یاسین کہا، یہ درجہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوسکا، رسول پاکؐ بڑی قدر اور شان رکھتے ہیں،اس اسیرِ محبت کی استدعا سن لیں کہ اس درماندہ غلام فقیر کا آپؐ کے بغیر کوئی دستگیر ہے اور نہ ہی آپؐ کے سوا کوئی آسرا"۔

نعت کے مضامین اور موضوعات میں جہاں عہد بہ عہد جدت پیدا ہوئی وہیں اس میں تازگی اور قلبی واردات کے خوبصورت نمونے سامنے آئے، نیا اسلوب، نئے تشبیہ واستعارات، ندرتِ فکر وخیال، قلبی عقیدت کا والہانہ اظہار، جذبہ و احساس کی رفعت، جمالِ سرکارؐ کا ذکرِ نکہت افروز، حسنِ سیرتِ رسولؐ کی ضو باریاں، فریاد واستغاثہ کی پرسوز لے، تہذیب اسلامی کی رعنائی اور حرف ومعنی کی تابندگی نے ایک نئے طرزِ احساس کو جنم دیا۔ بیسویں صدی کا نصف آخر اور اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں تخلیقی تسلسل اور فنی ارتقاء کے ساتھ جس طرح دیگر شعری اصناف میں نئے مضامین ،موضوعات اور جدید تر لب ولہجہ کی چمک دمک نے فروغ پایا اسی طرح نعت میں بھی نئی دنیائیں دریافت کرنے کا عمل بتدریج آگے بڑھا اور تخلیقی تسلسل کی جاندار روایت بھی پروان چڑھتی چلی گئی۔ اس عرصہ کے دوران نعت میں فکر وخیال اور اظہار کے جو زاویے سامنے آئے اور جس طرح نعت کے کینوس میں وسعت پیدا ہوئی اسے اپنے الگ اور منفرد ذائقے کے ساتھ پہچاننا مشکل نہیں۔ بیسویں صدی میں لکھی گئی دوسری زبانوں کی نعت کی طرح سرائیکی نعت بھی اس بات کی غماز ہے کہ وہ بھی محبتِ رسولؐ اور عشقِ مصطفےؐ کے روشن چراغوں کی حامل ہے۔ نئی نعت میں جمالِ مصطفےؐ کی ثناء بھی ہے اور سیرتِ مصطفےؐ کی ضیا بھی، سرکارِ دوعالمؐ سے عقیدت کا اعتراف بھی ہے اور قلبی تعلق کا انکشاف بھی، قومی وملی مسائل کا بیان بھی ہے اور ذاتی الجھنوں کا اظہار بھی، عصری معاملات بھی ہیں اور کائناتی بھی، دامانِ رحمت پناہؐ کی وسعتوں کا تذکرہ بھی ہے اور عفو ودرگزر طلبی بھی، الغرض جدید نعت ہر زاویے

سے ارتقا کی نئی منزلیں بھی سر کر رہی ہے اور بشارتیں تحریر کرنے کا کیف آور کام بھی انجام دے رہی ہے۔مولانا نور احمد فرید آبادی،محمد یار بلبل فریدی،فقیر بخت ،محمد رمضان طالب،محمد بخش شاطر،فیض محمد دلچسپ ،مولوی مسکین،میرن شاہ،مولوی صدیق ،جانباز جتوئی ، غلام سیت پوری ،ایم بی اشرف،امید ملتانی،شائق بزدار،شباب ڈیروی ،حافظ رسول بخش حافظ،منظور احمد ناظم صابری،نور محمد سائل،حاجی بشیر احمد،دل نور پوری،آغا اقبال حسین،خان محمد کمتر،احمد حسن پرسوز،فیض عباسی،تاج محمد تاج،ماسٹر خادم حسین،خلیل احمد خلیل فریدی،دلکش اماموی،عبدالقدیر رئیس احمد پوری،فدا حسن،شہباز،عبدالرحمان آسی، شیخ امیر مجروح ،شاہ نواز فخری،گل خان خطائی،عبداللہ یزدانی ،نصیر سرمد،سرور خان سرور،عبدالرزاق بھٹی ، محمد نواز عظیم قادری ، عطا الرسول اویسی ، غلام نبی اویسی ، غلام حسین قمر،عزیز الرحمان گوہر،محمد رمضان بھٹی،محمد صدیق قدوسی،خادم حسین مخفی،غوث بخش منصف،محمد منشا نادر لاشاری،ممتاز احمد زاہد،نور الحسن لاشاری،محمد اقبال عاقل،منظور شاہ، دیوانہ بلوچ،شوق اُچوی، خدا بخش اظہر، ثاقب دامانی ،صفدر کربلائی سمیت کئی شعراء اس جاندار اور شاندار روایت کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں جنہوں نے سرائیکی نعت کو جدت اور ندرت کی نئی منازل سے آشنا کیا ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

حقیقت محمدؐ دی پا کوئی نیں سگدا

اتھاں چپ دی جھاے الاکوئی نیں سگدا

(مولانا نور محمد فرید آبادی)

ترجمہ:''کوئی بھی شخص حضور نبی کریمؐ کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا،یہ مقام خامشی کا ہے، یہاں کسی کو بات کرنے کی اجازت نہیں ہے''۔

نبیؐ سئیں تیڈے مکھ ڈکھاوݨ توں صدقے

خدا سئیں محمدؐ بناونڑ توں صدقے

تیڈے میم دے برقعے پاونڑ توں صدقے

احد ہو کے احمد سڈاونڑ توں صدقے

(خواجہ محمد یار بلبل فریدی)

ترجمہ:''اے نبی کریمؐ! میں اس بات پر آپؐ پر قربان جاؤں کہ آپؐ نے ہمیں زیارت کا شرف بخشا ہے، میں اللہ تعالی پر اپنی جان فدا کروں کہ اس نے محمدؐ کو پیدا فرمایا، میں محمدؐ کے پردہ ٔمیم پر اپنی جان وار دوں اوراس کے احد ہوتے ہوئے خود کو احمد کہلانے پر نثار ہو جاؤں''۔

محبوبِ رب کونین دی شاہی پیا ٹھمکیندا اے ایویں

جیویں خدا ایکوں رنگیا ہے جگ کو رنگیندا اے ایویں

(صابر مبارک پوری)

ترجمہ:''خدا کے محبوبؐ دو جہان کی رونق بڑھا رہے ہیں اور کونین کو اس طرح نواز رہے ہیں جس طرح خدا نے ان کو نوازا ہے''۔

تیڈے دین دے نور نے کیتا روشن ہک ہک گھر کوں

ڈھاندیاں گئیاں آپو آپے رستے دیاں دیواراں

ایہو شوق رشید ہے میڈے جیون دا سرمایا

سوہنڑے روضے دیاں چھاواں وچ ساری عمر گذاراں

(رشید عثمانی)

ترجمہ:''اے رسول کریمؐ آپؐ کے دین نے ایک اک گھر روشن کر دیا اور رستے میں آنے والی دیواریں خود بہ خود گر گئیں،اس رشید کی ایک ہی تمنا ہے کہ یہ اپنی زندگی گنبد خضرا کے

سائے میں گذار دے‘‘۔

عالم دی تخلیق دا باعث ہر مخلوق توں اعلیٰ
بعد خدا دی ذات دے سب توں اچیاں شاناں والا
جیندے ناں دیاں بانگاں سنڑ کے شام دے ڈیوے بلدن
جیندے ناں توں فزریں ویلے ڈیہنہ کوں سوجھلے ملدن

(حسن رضا گردیزی)

ترجمہ:اس عالم کی تخلیق کا سبب حضور نبی کریمؐ ہیں، جو ہر مخلوق سے اعلی ہیں،اللہ تعالی کے بعد سب سے بلند مقام و مرتبہ انہی کا ہے،انؐ کے نام کی اذان سن کر شام کے چراغ روشن ہوتے ہیں، انہیؐ کے نام سے صبح ہوتی ہے اور دن کو اجالا نصیب ہوتا ہے‘‘۔

جڈاں دور عدم وچ ذات احد کیتا حمد اپنڑا منظور اے
نال الفت احد دے حمد ملا کیتا احمدؐ نام ظہور اے
تہوں ہر توں پہلے پیدا کیتس پاک احمدؐ دا نور اے
وت مدت اوں ناں کوں رکھیس اپنڑے محض حضور اے

(غلام حسن شاہ تائب)

ترجمہ:’’جب عالمِ عدم میں خداوند تعالی نے چاہا کہ میری حمد کی جائے تو محبت کے ساتھ احد اور حمد کو ملا احمدؐ کو تخلیق کیا، پھر سب سے پہلے احمدؐ کا نور عالمِ ظہور میں لائے اور ایک مدت اس نور کو اپنے حضور میں رکھا‘‘۔

یزداں بھجے فرمان کیتا روح الامیں تے
جبریل نہ لا دیر توں ونج جلد زمیں تے
پیغام پچا جلد میڈے ماہِ جبیںؐ تے

محبوبؐ میڈا آوے جو اج عرش بریں تے
محبوب دی اج عرش تے مہمانی کریساں
اج وحی نیں گال میں زبانی کریساں

(تسکین ملتانی)

ترجمہ۔''اللہ تعالی نے جبرئیل علیہ سلام کو حکم دیا بلا تاخیر زمین پر جاؤ اور میرے محبوبِؐ ماہ جبیں کو یہ پیغام پہنچاؤ کہ مالک دوجہاں نے آپؐ کو عرش پر بلایا ہے۔میں آج اپنے محبوب کو عرش پر مہمان بنانا چاہتا ہوں اور وحی کے ذریعے نہیں بلکہ محبوب سے براہِ راست بات کرنا چاہتا ہوں''۔

نعت لکھاں میں پاک محمدؐ ھے محبوبؐ سبحانی
قسماں چایاں خود رب اکبر ایجھاں حسن لاثانی
رب اکبر ھے رحمت بھیجی جوڑ شکل انسانی
مجروح لولاک لما سر جھلدا واہ شوکت سلطانی

(شیخ محمد امیر مجروح)

ترجمہ:''میں نبی پاک محمدؐ کی نعت لکھنا چاہتا ہوں جو خدا کا محبوب ہے،اللہ تعالی نے جس کے بے مثال حسن کی قسمیں کھائی ہیں،اللہ نے انسانی پیکر میں اپنی رحمت بھیجی ہے،آپؐ کو لولاک لما کا تاج پہنایا ہے،اے مجروح! سبحان اللہ،کیا شوکتِ سلطانی ہے''۔

کریندے ودے ہیں ثنا مصطفیؐ دی
پسند آگئی ھے ادا مصطفی دیؐ
دعا ھے حشر وچ خدا آکھ ڈیوے
کوئی نعت سبقت سنڑا مصطفی دیؐ

(سبقت)

ترجمہ: ''ہم محمد مصطفےؐ کی ثنا کرتے رہتے ہیں کیونکہ ہمیں انؐ کی ادا پسند آ گئی ہے، میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حشر کے دن بھی مجھے کہے کہ سبقت محمد مصطفےؐ کی نعت سنا دے''۔

جنہاں نال عرشیاں دی ونج سک لہا یو
میڈے گھروی او خوش قدم بختاں والا
تیڈے حسن احسن دی تمہید لکھدیں
ھے حیران لوح و قلم بختاں والا

(نور محمد سائل)

ترجمہ: ''آپؐ نے جن مبارک قدموں کے ساتھ عرش والوں کی خواہش دیدار پوری کی ہے ،کسی دن میرے گھر کو بھی ان خوش قدموں سے فیض یاب کر دیں، اے بخت ور! تیرے حسنِ احسن کی توصیف لکھ کر یہ لوح و قلم اپنی خوش بختی پر حیران اور نازاں ہیں''۔

سوہنڑے نبیؐ دی شان خدا داکمال ھے
کیئں کوں ھے دعویٰ نال دا کیندی مجال ھے
عظمت تیڈی ھے ڈوہاں جہاناں دے واسطے
اِتھاں کوئی مثال نہ اُتھاں مثال ھے

(سلیم احسن)

ترجمہ: ''سرکار دو عالمؐ کی یہ اعلیٰ شان کمالِ خدا وندی ہے،کوئی ایسے کمالات کا دعوی کر سکتا ہے نہ ہی کسی کو اتنی مجال ،حضور نبی کریمؐ کی عظمت کی اِس جہان میں کوئی مثال ہے اور نہ اُس جہان میں''۔

زمین تے سوجھلا احسان اے حضورؐ دا ھے

تمام دہر تے سایہ اُنہاں دے نور دا ھے

(منیر فاطمی)

ترجمہ: ''اس زمین پر یہ روشنی حضورؐ کا احسان ہے اور سارے زمانے پر انؐ کے نور کا سایہ ہے''۔

بنڑے چوڈاں طبق سب والیء کونین دے صدقے
تھئی تخلیقِ آدمؑ ناناے حسنینؓ دے صدقے
خدا وند پاک میکوں وی سلیقہ نعت گوئی دا
عطا کیتا رسولِ پاکؐ دی نعلین دے صدقے

(نذیر ڈھلا خیلوی)

ترجمہ: ''اللہ تعالی نے چودہ طبق والی کونینؐ کے صدقے بنائے ہیں، حسنینؓ کے صدقے تخلیقِ آدم ہوئی ہے اور خداوند تعالی نے مجھے نعت گوئی کا سلیقہ رسول پاکؐ کی نعلین کے صدقے عطا کیا ہے''۔

خطائی تیڈے نعتاں لکھے جھوم جھوم کے
اللہ اینڈا کھولا ھے ادراک مدنیؐ
تیڈی جتی پاک دی ھے شان وکھری
ٹپ گئی ھے اے ست افلاک مدنیؐ

(گل خان خطائی)

ترجمہ: ''اے مدنی محبوبؐ! گل خان خطائی کو یہ شعور وادراک اللہ تعالی نے عطا کیا ہے کہ وہ جھوم جھوم کر آپؐ کی نعتیں لکھتا ہے، آپؐ کی نعلین پاک کو اللہ تعالی نے کتنی اونچی شان دی کہ وہ سات افلاک سے بھی آگے پہنچ گئی ہے''۔

رب سئیں ھے چیندا زلفیں دیاں قسماں

محبت دیاں ہوندن ایہو جیاں رساں

تئیں وانگ رب کوں منا کوئی نیں سکدا

جتھاں پہنچا عربیؐ جا کوئی نیں سکدا

(جام ایم ڈی گانگا)

ترجمہ: ''اللہ تعالی انؐ کی زلفوں کی قسمیں کھاتا ہے، یہ محبتوں کے رسم و رواج ہیں، آپؐ کی طرح اللہ تعالی کو کوئی راضی نہیں کرسکتا، جس مقام پر آپؐ فائز ہیں وہاں کوئی اور نہیں پہنچ سکتا''۔

پار ڈسیندا اے شہر مدینہ، میں رووواں اروار

نہ ہے ونجس نہ بیڑی کوئی، دریا ڈسدن تار

میں مسکین نماناں عاجز، رکھی ہم امید

ساوے روضے اُتے پہنچاں، دم نکلم اوں وار

(امید ملتانی)

ترجمہ: ''مدینہ شہر دور دریا پار ہے اور میں اِس پار بیٹھا ہوں، نہ اس طرف جانے کے لیے کوئی کشتی دستیاب ہے اور نہ ہی کوئی اور ذریعہ میسر ہے، میں مسکین اور عاجز اس امید پر زندہ ہوں کہ گنبدِ سبز دیکھوں اور وہیں مجھے موت آجائے''۔

رب دے حبیبؐ کیتیاں رب دو تیاریاں

فردوس وچوں آئیاں سئیں دو سواریاں

افلاک تے قدم شہء لولاکؐ جاں رکھا

سجھ، چن وجود گھول تے نذراں گذاریاں

(نور محمد کہتر)

ترجمہ: ''محبوبِ کریمؐ نے اپنے رب کی طرف جانے کی تیاری کی اور جنت سے آپؐ کے لیے سواری بھجوائی گئی، حضورؐ نے جب افلاک پر قدم رکھا تو چاند اور سورج نے اپنی روشنی نذرانے کے طور پر پیش کی''۔

ذکر تیڈے یار دا مولا کریند رہ ونجاں

توں وی راضی میں وی اپنڑا اہاں ٹھریندا رہ ونجاں

لوک پڑھدن حج نمازاں میڈے ذمے لا ایہو

میں تیڈے محبوبؐ دے سہرے لکھیندا رہ ونجاں

(شاکر شجاع آبادی)

ترجمہ: ''اے اللہ مجھے توفیق دے کہ میں تیرے محبوب کی تعریف کرتا رہوں، یوں میرا دل بھی اطمینان حاصل کرے اور تو بھی مجھ سے راضی ہو، لوگ حج کرتے اور نماز پڑھتے ہیں مگر مجھے صرف یہ ذمہ داری دے میں تیرے محبوبؐ کی سہرے ہی گاتا پھروں''۔

سئیں میم کریمؐ دے ڈیکھنڑ کیتے ہر ویلے ماہی سکداں

اوندی یاد ہمیشہ دل وچ راہندی بیٹھا نغمے فراق دے لکھداں

اوندے جوڑ کے سہرے جگ وچ گانداں ونج جھیڑی جھوک تے

ٹکداں

قسم خدا دی کر فیض آکھے میں تاں محض غلام سئیں لکھداں

(فیض سندھڑ)

ترجمہ: ''میں ہر وقت حضورؐ کی زیارت کے شوق میں رہتا ہوں، انؐ کی یاد میں فراق کے گیت لکھتا ہوں، میں جہاں بھی جاتا ہوں سرکار دو عالمؐ کے سہرے گاتا ہوں اور خدا گواہ ہے میں

خود کو نبی کریمؐ کا غلام سمجھتا ہوں‘‘۔

تیڈی زلف دے پچھاویں والیل پینگھ جھوٹے
ول فجر دی تجلی ادبوں انکھیں چا نوٹے
جبریل در دا بانا تیڈے لاڈلے کھڈالے
سئیں سوہنڑے کملی والے

(عزیز شاہد)

ترجمہ۔’’آپؐ کی زلفوں کے سائے میں والیل جھولا جھولتی ہے اور صبح کی تجلی ادب سے آپؐ کے سامنے سر جھکا لیتی ہے، جبرئیل آپؐ کا دربان ہے، اے سرکار دو عالمؐ! آپؐ کے کام انوکھے ہیں‘‘۔

چھوڑ میں اپنڑے گھر نوں جاواں
یار دے در تے ڈیرے لاواں
جاواں پھر نہ آواں، جاواں شہر مدینے

(خلیل احمد خلیل)

ترجمہ:’’میں اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینے جاؤں اور محبوبؐ کے در پر ڈیرے ڈال لوں، میں جب مدینے جاؤں تو پھر واپس نہ آؤں‘‘۔

حبیبا ؐاچی شاناں والیا جے توں آیوں تے بہاراں آیاں
اللہ کوں توں پیارا لگدا ایں تہوں رب نے وی خوشیاں منایاں
ناصر پڑھ پڑھ تیڈیاں نعتاں بھل گیا سارے جگ دیاں باتاں
پیار تیڈا ھے پلے سوہنڑیا ،کی کرنیاں ہور کمایاں

(ناصر شاہ)

ترجمہ: ''اے اونچی شان والے محبوبؐ جب آپؐ آئے تو بہار بھی آ گئی، آپؐ اللہ کو بہت محبوبؐ ہیں اس لیے رب تعالیٰ نے آپؐ کی آمد پر خوشیاں منائی ہیں، یہ ناصر دنیا جہان کی باتیں بھلا کر صرف آپؐ کی نعتیں پڑھتا ہے، آپؐ کی محبت اس کے پاس ہے یہی اس کی کمائی ہے، اسے اور کچھ نہیں چاہیے''۔

بیسویں صدی میں نعتیہ مجموعوں کے ساتھ ساتھ دیگر شعری تصانیف میں بھی نعت کا رنگ شامل رہا ہے اور عہد بہ عہد مختلف نئی اصناف بھی سرائیکی شاعری کا حصہ بنتی رہی ہیں۔اس صدی کے پہلے نصف دور میں صرف فقیر بخت کے ''ختم الرسلؐ دی شان'' کے نام سے چودہ مولود شائع ہوئے ، مدنی سئیں سلطان (امید ملتانی)، گلشنِ سرکارؐ (اسلم مبتلا)، پھنوار، سوچاں سکھ دیاں (رمضان طالب) رحمت دی ڈات (فقیر بخت)، خوشبو (شائق بزدار)، کونین دا والی، نعت میڈی کائنات (شباب ڈیروی) سہرے حضورؐ دے، محبوب رسالت، عرب دا چن، فیضِ مصطفےٰ، محسن ِکائنات، محمدی چمن، مدینے دے موتی، نوری گلشن (فیض سندھڑ)، ثنائے مصطفےٰ ، سرکار دی رحمت، گلشن احسان، گلشن عقیدت، گلشن صابری، گلشن نعت (منظور احمد ناظم)، سرائیکی نعتاں، عظمت رسولؐ، محبت رسولؐ، نوری بارش، نوری سہرے (انتخاب حاجی بشیر احمد۔مغفور سعیدی)، مدینے ہواں ہا، نوری نعتاں (مرتب۔دل نور پوری)، نعت مصطفےٰؐ (آغا اقبال حسین)، دیوان کمتر (خان محمد کمتر)، خالق دا ماڑ محمد (احمد حسن پرسوز بخاری)، محمدی ڈوھڑے (فیض عباسی، گلشن رسولؐ (تاج محمد تاج)، مدنی دے سہرے (ماسٹر خادم حسین) ، سوہنڑے دے سہرے (خلیل احمد خلیل فریدی)، محمدی گلشن (محمد منشا نادر لاشاری)، ڈھولا پاک محمد (غوث بخش منصف)، عقیدت دے پھل (ممتاز احمد زاہد) عقیدت دیاں ہنجوں (نور الحسن لشاری) اور حافظ رسول بخش حافظ کے انیس کتابچوں سمیت متعدد نعتیہ کتب بیسویں صدی میں منظر عام پر آئیں۔اس صدی کے آخری نصف میں ایم بی اشرف کی ایک طویل نعتیہ نظم ''کونین دا سنڑپ'' منظر

عام پر آئی جو اہمیت کی حامل کتاب ہے،اس مجموعہ میں عقیدت ومحبت اور شاعرانہ کمالات قابل داد ہیں:

آیاں استقبال دے کیتے حوراں لکھ ہزاراں
کل انبیاؑ تے ملک فلک توں لتھے بنھ قطاراں
خوش تھی مدنیؐ دے جھنڑے تے حوراں گاونڑ واراں
ڈیونڑ کانڑ مبارک بادی آیاں مار اُڈاراں
جھومیا عرش معلیٰ سنڑ تے خوشیاں دیاں چھکاراں
کل کینات کوں ازلاں توں ہن جیندیاں واٹ نہاراں
او آیا تاں اجڑی دھرتی تھی گئی گل گلزاراں

ترجمہ۔:’’آپؐ جب دنیا میں تشریف لائے تو لاکھوں حوروں نے استقبال کیا،تمام انبیا علیم السلام بھی آئے اور فرشتے قطار باندھے حاضر ہوئے، حوروں نے خوشی سے اڑانیں بھریں اور نغمے گائے،عرش معلیٰ خوشی سے جھوم اٹھا،ساری کائنات ازل سے جنؐ کی منتظر تھی جب وہ تشریف لائے تو ویرانے گلزار بن کر مہک اٹھے‘‘۔

اسی طرح عبداللہ یزدانی کی ایک نعت بھی بہت مقبول ہوئی اور اپنی تخلیق کے بعد سے اب تک غالبا بیس سالوں سے ہر محفل نعت میں پڑھی جاتی رہی ہے۔

جڈاں یاد تیڈی دا چن چڑھدا اے پلکاں تے ستارے بل ویندن
تیڈے ناں دا ورد کرینداں تاں میڈے سارے ڈکھڑے ٹل ویندن
کتھ عرشِ بریں کتھ فرشِ زمیں کتھ قابَ قوسین او ادنیٰ
میڈا پاک نبیؐ اُتھ پہنچا ھے جتھاں پر جبریل دے جل ویندن

سب جھولیاں بھر بھر ٹُر ویندن اتھاں پتھر وی بنڑ دُر ویندن
جھیڑے آندن ایں دروازے تے کون آدھے خالی ول ویندن
ہنڑ بھیج مدینے توں مولاؐ کوئی بدلی آپنڑے ساونڑ دی
میکوں بہہ بہہ تتیاں دھپاں تے ایویں روز پچھاویں ڈھل ویندن
میڈے لکھ سلام درود ہون اوں پاک نبیؐ تے یزدانی
جیندو ےگھن سوغات درودان دی جِن،اِنس،مَلک،مرسل ویندن

ترجمہ:''جب آپؐ کی یاد کا چاند چمکتا ہےتو میری پلکوں پر ستارے روشن ہو جاتے ہیں،میں آپؐ کے نام کا ورد کرتا ہوں تو میرے دکھ درد ختم ہو جاتے ہیں۔عرش بریں،فرش زمیں کہاں اور کہاں ''قاب قوسین او ادنی ''کا مقام،میرا پاک نبیؐ وہاں پہنچ گیا ہے جہاں جبرئیل بھی نہیں جا سکتا۔میرے کریم نبیؐ کے در پر آنے والے کبھی خالی نہیں لوٹتے ،یہاں آ کر سب لوگ جھولیاں بھر بھر لوٹتے ہیں اور یہاں پہنچ کر پتھر بھی موتی بن جاتے ہیں۔میں روزانہ یوں ہی صبح سے شام تک تپتے ہوئے دن گذارتا ہوں،مولاؐ!اب تو مدینے کی طرف سے میرے لیے کوئی لطف وعطا کا بادل بھیج ۔یزدانی !میں بھی اس پاک نبیؐ کی بارگاہ میں سلام گزار ہوں جن کے پاس انبیا علیہم السلام ،فرشتے،جنات اور انسان درودوں کی سوغات لے کے جاتے ہیں''۔

اکیسویں صدی میں بھی جدید تر نعت کا سفر تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور سرائیکی نعت کے حوالے سے بہت زرخیز ثابت ہو رہی ہے،اس کی پہلی دہائی میں ہی درجنوں نعتیہ کتب منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور یہ سلسلہ دوسری دہائی میں بھی جاری ہے ۔اس عرصہ میں شائع ہونے والی کتب میں ڈیرہ اسماعیل خان کے ڈاکٹر سلطان احمد مستجیر کی کتاب ''مسافر غارِ ثور دا'' کو اس حوالے سے اہمیت حاصل ہے کہ اس

میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نظمیہ صورت میں قلم بند کیا گیا ہے، میری معلومات کے مطابق یہ پہلی سرائیکی منظوم سیرتِ رسولؐ ہے، قریبا 800 صفحات پر مشتمل اس کتاب کو 2006 کا قومی سیرت ایوارڈ بھی دیا گیا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جھا ہر دی اتھاں ہکا ہئی
نہ اُچا کوئی نہ جھکا ہئی
جئیں حق دا کلمہ سِکھا ہئی
او بنڑ ساراں دا یار آیا
بھانویں عربی یا کوئی عجمی ہئی
ہئی حبشی یا ہئی رومی بھئی
کالے گورے نال ہس دلڑی لئی
سوہنڑا ساراں دا دلدار آیا

ترجمہ: ''حضورؐ کی محفل میں سب برابر تھے، حق کا کلمہ پڑھنے والوں میں امیر، غریب کا فرق نہیں تھا، کوئی عربی ہو یا عجمی، حبشی ہو یا رومی، کوئی کالا ہو یا گورا، آپؐ نے سب سے محبت کی، آپؐ سب کے دوست اور دل دار بن کر آئے''۔

گزشتہ بارہ سالوں میں سامنے آنے والے نعتیہ کلام سے مزید کچھ اشعار بھی ملاحظہ کیجیے تا کہ نئی نعت کے مجموعی مزاج سے آگاہی ہو سکے۔

محمدؐ دے در دے بھکاری اساں
ایندے ناں تو جند جان واری اساں
ایندے در توں پندوں ایندے در توں گھندوں

ایویں عمراں ساری گزاری اساں

فیاض حسین قاصر فریدی

ترجمہ:''ہم محمد عربیؐ کے در کے منگتے ہیں،انؐ کے نام پر جان قربان کرتے ہیں، ہم نے ساری زندگی انؐ کے سوا کسی اور در کی خیرات قبول نہیں کی''۔

جے سجھ ولاوے تاں اوندی مرضی جے چن لہاوے تاں اوندی مرضی

پڑھا کے کلمہ جے سنگریزاں کوں او سنڑاوے تاں اوندی مرضی

(خاورنقوی)

ترجمہ:''سورج اور چاند کو واپس بلانا حضورؐ کی رضا پر منحصر ہے،اگر پتھروں کو کلمہ پڑھا دیں تو یہ بھی حضورؐ کی اپنی پسند اور اپنی رضا ہے''۔

لجپال کریم محمدؐ سئیں ایہو کرم چا کر پچھے موت آوے

میڈیاں انکھیاں رج رج ڈیکھ گھنن تیڈا اعلیٰ در پچھے موت آوے

تیڈے فیض توں دل سیراب تھیوے رہے کئی نہ ڈر پچھے موت آے

دل نور نزاع دے وقت ڈیکھے تیڈا رخ انور پچھے موت آوے

(دل نور پوری)

ترجمہ:''اے لجپال محمد کریمؐ! دل نور پر اتنا کرم کر دیں کہ جب تک یہ جی بھر کر مدینہ نہ دیکھ لے، تیری رحمت سے اپنے دل کو سیراب نہ کر لے،خود کو ہر خوف سے آزادی نہ دلا لے اور نزع کے عالم میں آپؐ کا چہرہ ءانور نہ دیکھ لے تب تک اسے موت نہ آئے''۔

عالم اوںؐ توں ودھ نہ کوئی

عامل اوں توں ودھ نہ کوئی

جیکوں العلیم دی طرفوں

ہر ہک علم سکھایا گیا
ہر نکتہ سمجھایا گیا
کون پڑھیندا کون سکھیندا
اے جئیں علم تے ای جئیں نکتے
تہوں تاں دنیا دا کوئی مکتب
م مٹھلؐ دے قابل کوئیں

(حمید الفت ملغانی)

ترجمہ: ''حضورؐ سے بڑھ کر کوئی عالم ہے اور نہ عامل، حضورؐ کو العلیم نے ہر ایک علم اور فن سکھا دیا ہے، ہر نکتہ سمجھا دیا ہے، ایسے علم اور ایسے نکات کون پڑھا سکتا ہے، اس لیے دنیا کا کوئی مکتب حضورؐ کے لائق نہیں''۔

میں پلکاں نال چماں خاکِ اقدس تیڈی گلیاں دی
میڈا ناں وی جیکر شامل کرو آقاؐ سعادت وچ

(حفیظ گیلانی)

ترجمہ: '' اے آقاؐ! مجھے اگر مدینہ حاضری کا شرف مل جائے تو میں آپؐ کے شہر کی گلیوں میں پلکوں سے جاروب کشی کروں''۔

کتھاں عرش دا واسی کتھاں میڈا گھر
اگلی دنیا چوں تھی آواں ، متاں

(اقبال حسین)

ترجمہ: ''کہاں عرش کا باسی اور کہاں میرا گھر، میں اگلے جہان سے ہو آؤں شاید وہاں رسول کریمؐ کی زیارت کی سعادت پا سکوں''۔

اے بدرالدجاؐ ، شاہِ اممؐ ، والیء ثقلینؐ
اے کوثر وتسنیم تیڈے نیر دا مُل نئیں
مدنی! تیڈے صفدر کوں بس اتنا پتہ اے
کائنات تیڈے چولے دی ہک لیر دا مُل نئیں

(صفدر کربلائی)

ترجمہ: ''اے بدرالدجاؐ، اے شاہِ اممؐ، اے ثقلین کے والی، یہ کوثر و تسنیم آپؐ کے ایک آنسو کی قیمت نہیں ہو سکتے، اے مدینے والے محبوبؐ! آپؐ کے اس غلام صفدر کو بس اتنا معلوم ہے کہ یہ کائنات آپؐ کی قبا کے ایک ٹکڑے کی بھی قیمت نہیں ہو سکتی''۔

رب دا ڈھول جو آیا ھے کائنات وس پئی اے
نوری قدم ٹکایا ھے کائنات وس پئی اے
جڈاں تئیں نور ہا پردے وچ کائنات اجڑی ہئی
چہرہ والشّمس ڈکھایا ھے کائنات وس پئی اے

توقیر مہروی

ترجمہ: ''رب کے محبوبؐ جب سے کائنات میں آئے ہیں یہ ویرانہ آباد ہو گیا ہے، جب تک آپؐ کا نور پردے میں تھا، یہ دنیا اجڑی پڑی تھی مگر جب آپؐ نے چہرہ والشّمس دکھایا ہے اور نوری قدم زمین پر رکھے ہیں، یہ کائنات روشن ہو گئی ہے''۔

جہان سارا تھیا منور جو اج سراجِ منیرؐ آ گئے
فلک تے حور و مَلک پئے گاون حبیبِ ربِ قدیرؐ آ گئے
زمین منور زماں منور مکاں مکاں لامکاں منور
فلک توں انوارِ حق پئے وسدن حضورؐ روشن ضمیر آ گئے

(امان اللہ کاظم)

ترجمہ۔:’’سراجِ منیرؐ کے آنے سے سارا جہان منور ہوگیا، آسمان پر حوریں اور فرشتے گیت گا رہے ہیں کہ ربِ قدیر کا حبیبؐ آ گیا ہے، حضورؐ روشن ضمیر کی آمد سے زمین بھی روشن ہے، زمان بھی، مکان میں بھی چراغاں ہے اور لامکاں پر بھی اور فلک سے انوارِ حق کی بارش ہو رہی ہے‘‘۔

میکوں آنپڑے در تے سڈا میڈا مولاؐ

ایہا آس دل دی پچا میڈا مولاؐ

(ابرار عقیل)

ترجمہ:’’مولاؐ! میرے دل کی یہ ایک تمنا پوری کر دیں اور مجھے اپنے در پر بلا لیں‘‘۔

ڈکھڑے ساڈے ٹال محمدؐ

وسدی راہوے تیڈی آل محمدؐ

(کاظم شاہ نازک)

ترجمہ:’’اے محمدؐ! اللہ تعالی آپؐ کی آل کو آباد رکھے ہمیں دکھوں سے نجات دلا دیں‘‘۔

میں ہاں سوالی تہاڈے در دا تساں نبیاں دے بادشاہ ہو

خیال رکھدے ہو ہر بشر دا تساں نبیاں دے بادشاہ ہو

ہے ذات سائیاں دی لگدی پیاری، درود پڑھداں میں رات ساری

تے اکھ تے ہنج دا ہے تارا تردا تساں نبیاں دے بادشاہ ہو

(مخمور قلندری)

ترجمہ:’’اے انبیا کے بادشاہؐ! میں آپؐ کے در کا سوالی ہوں، اے انبیا کے بادشاہؐ! آپؐ ہر ایک بشر کا خیال رکھتے ہیں، اے انبیا کے بادشاہؐ! آپؐ کی ذات گرامی ہمیں پیاری لگتی ہے،

اے انبیا کے بادشاہؐ! میں ساری رات آپؐ پر درود پڑھتا ہوں تو میری آنکھوں میں ستارے روشن ہو جاتے ہیں‘‘۔

اے ڈکھ جڈاں وی میکوں ستیندن تاں وجد دے وچ درود پڑھداں
تے نعت سئیں دی کوں گنگنانداں جڈاں زمانہ ملال ڈیندا اے
ایہا تڑپ ہے جو میں سنڑاواں ہا حال درداں دا درتے ونج کے
او خالی درآئے کوں نئیں مڑیندا تے درد عمراں دے ٹال ڈیندا اے

(ثاقب دامانی)

ترجمہ: ’’یہ دکھ جب مجھے ستاتے ہیں میں درود وسلام پڑھنا شروع کر دیتا ہوں، جب دنیا والے مجھے غم دیتے ہیں میں نعتیں گنگنانے لگتا ہوں، میرے دل کی ایک ہی تمنا ہے کہ میں آپؐ کے در پر جا کر اپنے دکھ بیان کروں کیونکہ آپؐ اپنے در پر آنے والے کسی سوالی کو خالی نہیں لوٹاتے‘‘۔

ہاں خادم کملیؐ والے دا کئیں خان نواب دا نوکر ناں
میں سیرت دا پروانہ ہاں کئیں عام شباب دا نوکر ناں
کوئی غلط تعبیر منیندا ناں کئیں کوڑے خاب دا نوکر ناں
میں نوکر مفطر سچیاں دا کئیں نیت خراب دا نوکر ناں

(عابد علی مفطر)

ترجمہ: ’’میں کملی والے آقاؐ کا غلام ہوں کسی خان اور نواب کا نہیں، میں سیرتِ مصطفےؐ کا دیوانہ ہوں کسی عام شباب کا نہیں، میں کسی جھوٹے خواب کو تسلیم کرتا ہوں اور نہ ہی ایسی کسی تعبیر کو، اے مفطر! میں اعلی اخلاق کے حامل لوگوں کا غلام ہوں کسی بری سوچ والے کا نہیں‘‘۔

کملی والےؐ دا ھے اے کرم نعتاں لکھ لکھ سنڑ یندا وداں

ناں محمدؐ دی تسبیح پکا چُم انکھیاں تے لیندا وداں

(یوسف مضروب)

ترجمہ:''مجھ پر کملی والے آقاؐ کا کرم ہے کہ میں نعتیں لکھتا اور سناتا ہوں اور نام پاک محمدؐ کی تسبیح کرتا اور اسے چوم چوم آنکھوں سے لگاتا ہوں''۔

چند دیگر اہم کتابوں میں سک عربی دی (جام ایم ڈی گانگا)،نورگر(سفیر لاشاری)،نور دا سوجھلا (محمد صدیق نازک)،سوہنڑا ساوا روضہ(بشیر احمد دیوانہ)،سک مدینے دی(ناظم بخاری) ، سوجھل سہرے(محمد رمضان طالب)،کلامِ کہتر(نور محمد کہتر)،م مقدس،جلوے حضورؐ دے،تانگاں ڈھول دیاں،میلادِ مصطفیٰؐ(فیض محمد سندھڑ)،تھیواں نبی دے صدقے،سئیں دے سہرے(حافظ نذیر احمد)،کمالِ قدرت(شاکر شجاع آبادی،دل نور پوری)،نور دے نظارے،نوری نعتاں،ڈوجگ دا سلطان(دل نور پوری)،کونین دا گوٹھ(محمد نواز نیازی)،ثناتھی ونجے(مصطفیٰ عزیز)،سہرے پاک نبی دے(حافظ بشیر مغفور)،سلسلے سلونی دے(عزیز شاہد)،مدنی دے سہرے(گل شاد قادری)،تن روشنی من روشنی(سرور قریشی)،حضورؐ دا شان،رب خش تھیندا اے(ظفر مسکین)،م دے اُولے(حمید الفت ملغانی)،مٹھے مدنیؐ دیاں نعتاں،پاک نبیؐ دیاں نعتاں(حافظ رسول بخش)، کلام کہتر(نور محمد کہتر)،ماکھی توں مٹھا مدینہ،صفتاں لجپال دیاں(عارف شاہ عارف)،رحمت دی چھاں(جمشید کلا نچوی) میڈے آقاؐ کملی والے(پروین اختر پروین)اور نت جان بلب،نت تانگ طلب(فیاض حسین قاصر فریدی) شامل ہیں۔

سرائیکی شعراء جس طرح سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنی محبت کے والہانہ اظہار اورحضورؐ کے ذکرِ جمیل سے سرائیکی نعت کوثروت مند کرتے چلے جاتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ عقیدتوں اور سعادتوں کا یہ مبارک سفر ابدالآباد تک اسی آب و تاب کے ساتھ جاری رہے گا۔آخر میں یہ

وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مضمون میں کئی اہم نام شامل نہیں ہو سکے ہوں گے ،جس کا سبب وسائل کی کمی کے باعث میری معذوری ہے نہ کہ کوئی پسند نہ پسند، میں نے صرف دستیاب مواد سے ہی استفادہ کیا ہے جس کی وجہ سے سرائیکی نعتیہ ادب کا مکمل احاطہ نہیں ہو سکا ہے۔

کتابیات:

۱۔سرائیکی ادب۔ریت تے روایت۔ڈاکٹر طاہر تونسوی

۲۔سرائیکی ادب دا ارتقا۔ڈاکٹر نصراللہ خان ناصر

۳۔سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ۔سجاد حیدر پرویز

۴۔نور نامہ حضرت ملاں۔مرتب۔دلشاد کلانچوی

۵۔ابیات باہوؒ۔مرتب سلطان الطاف علی

۶۔منتخب کلام سچل سرمستؒ۔مرتب اسلم رسول پوری

۷۔معراج نامہ حافظ محمد یار۔مرتب۔دلشاد کلانچوی

۸۔مولود نبی مختارؐ۔نوبہار سیری

۹۔دیوان خواجہ غلام فریدؒ۔مترجم وشارح۔مولانا نور احمد فریدی

۱۰۔مجموعہ کلام مولوی نورالدین مسکین

۱۱۔پنجاب میں اردو۔حافظ محمود شیرانی

۱۲۔سرائیکی زبان کی مزید لسانی تحقیقاں

۱۳۔فن نعت کی نئ جہات۔محمد حیات چغتائی

۱۴۔آتش عشق۔کلام امیر حیدر میرن،مرتب حاجی شمس الدین

۱۵۔خادم دے ڈھولے۔ناشر مولوی فیض بخش

۱۶۔دیوان غلام فقیر۔قلمی نسخہ ملکیت حاجی رشید احمد

۱۷۔وحدت افکار۔علاقائی شاعری کا انتخاب۔وفاقی وزارت اطلاعات

ساجد صدیق نظامی۔لاہور

گلدستۂ معرفت............ایک قدیم نعتیہ مجموعہ

ABSTRACT:

Siddiq Nizami has find out an ancient collection of poetry titled Guldasta - e - Marifat' and has laid down some salient features of the same in the cited article. Maulvi Muhmmad Abdus Samad Awaisi Farooqi authored the book by his pen name Kaleem, which got published in 1889 A.D. Devotional poetry of Kaleem is consists of verses written in the shape of Ghazal. Poetic diction is reflective of traditional content of genre of Naat. The writer of the article has introduced the book with the idea of showing historical expansion of literature consisting Naatia content.

۲۰۱۱ میں راقم نے نعت رنگ میں قدیم مگر کم معروف نعتیہ دواوین اور مجموعوں پر تعارفی مضامین کا سلسلہ شروع کیا تھا۔اس سلسلے کے دو مضامین نعت رنگ کے شمارہ ۲۱ اور ۲۲ میں بالترتیب ''ذوقِ بشیر،ایک کم یاب اور منفرد نعتیہ دیوان'' اور ''سفینۂ عشقِ مدینہ،توصیف محمدؐ کا ایک نشاں'' کے عنوانات سے شائع ہو چکے ہیں۔اگرچہ یہ نعتیہ مجموعے اردو نعت کی تاریخ میں کوئی بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتے مگر یہ ضرور ہے کہ اس قسم کا خام مواد متعلقہ شعبے کے متخصصین اور محققین،مورخین کے کام آتا ہے۔بے شک یہ شعرا اور ان کی شاعری خاص ادبی مقام نہ رکھتی ہو لیکن نعت کے میدان میں جو قدم رکھ دے معتبر ہو ہی جاتا ہے اس بنا پر ان شعرا اور ان کے کلام کا کم سے کم تذکرہ ضروری ہے جس طرح اردو ادب کی تاریخ

میں ذکر تو بے شمار شعرا کا کیا جاتا ہے مگر فوری طور پر دس بارہ نام ہی یاد آتے ہیں ۔ان شعرا کے معتبر قرار پانے سے بقیہ شعرا جو صف اول، دوم، سوم سے تعلق رکھتے ہیں، رد تو نہیں کو جاسکتے کیونکہ ادبی روایت قائم ہونے کے دوران کئی گم نام اور کم معروف ادیب اور شاعر روایت میں اپنا حصہ ڈالتے جاتے ہیں۔ان کے ادبی مقام و مرتبہ کا تعین آنے والا عہد خود بہ خود کرتا ہے۔

اسی خیال کے پیش نظر نعتیہ دواوین/مجموعوں کے تعارف کے سلسلے کو آگے بڑھایا جارہا ہے تاکہ اکثر تخلیقات گو بہت اہم نہ سہی کم سے کم چھپے ہوئے گوشوں سے ایک بار سامنے تو آجائیں۔

گلدستۂ معرفت بھی ایک ایسا ہی مجموعہ ہے جو ۱۳۰۶ھ بمطابق ۱۸۸۹ء میں مطبع رضوی، دہلی میں سید میر حسن کے اہتمام سے شائع ہوا۔اس مجموعے میں مولوی محمد عبدالصمد صاحب اویسی فاروقی متخلص بہ کلیم کی نعتیہ شاعری شائع کی گئی ہے۔مجموعے کے سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالصمد کلیم کا تعلق علی گڑھ سے تھا ان کے بارے میں مزید معلومات مجموعے میں نہیں ملتی ۔سرورق کی عبارت اس طرح ہے: سب سے پہلے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم جلی حروف میں درج ہے اس کے بعد کی سطر میں لا الہٰ الا اللہ کا کلمہ اوراس کے بعد گول دائرے میں ''گلدستۂ معرفت ۱۳۰۶ھ'' درج ہے۔اس دائرے کے بیرونی خط کے گرد یہ عبارت درج ہے:''من تصنیف شاعر سخن سنج عدیم المثال نازک خیال غواص دریائے معانی کشاف اسرار ربانی مقبول بارگاہ ربِ احد مولوی محمد عبدالصمد صاحب اویسی فاروقی متخلص بہ کلیم متوطن علی گڑھ۔اس کے دائرے کے نیچے سطر میں محمد الرسول اللہ جلی حروف میں درج ہے۔آخر میں مطبع کا نام اور مہتم کا نام درج ہے۔سرورق کی عبارات کے چاروں طرف بیلدار پھولوں کا حاشیہ ہے۔

یہ مجموعہ ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے جس کا بیشتر حصہ نعتیہ غزلیات پر مشتمل ہے شروع کی دس غزلیات میں اکثر متصوفانہ مضامین نظم کیے گئے ہیں۔ان غزلیات کے بعد ۲۱ نعتیہ غزلیات ہیں یہ

سلسلہ ص۲۲ تک پھیلا ہوا ہے۔☆ص۲۳ سے ۲۷ تک غزل کی ہیئت میں منقبتیں درج کی گئی ہیں۔ جن شخصیات کے مناقب بیان کیے گئے ہیں ان کے اسمائے گرامی یوں ہیں: چار یار (مراد حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ و علیؓ) حضرت علیؓ ، عبدالقادر جیلانیؒ ،خواجہ عثمان ہارونیؒ،خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ،قطب بختیارؒ۔ یہ غزلیہ منقبتیں تعداد میں آٹھ ہیں۔عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجہ معین چشتیؒ کی دو دو منقبتیں لکھی گئی ہیں۔

مجموعے کے آخر میں عبدالصمد کلیم کے شاگردوں منشی کریم خاں بیخودؔ ،سید سراج الدین،امام خاں امام،محمود علی محمود اور محمد خاں عظیم کے قطعاتِ تاریخ درج ہیں۔ایک قطعہ تاریخ دیکھیے:

کیا بلاغت کا ہے کلامِ کلیم جس سے اہل خرد ہیں سب آگاہ

اس کی تاریخ طبع اے محمود کر رقم نسخۂ فصاحت واہ

۱۳۰۶ھ

گلدستۂ معرفت کی نعتیہ غزلیات میں عام طور سے نعت کے مروجہ مضامین ہی نظم ہوئے ہیں۔مثلاً آپؐ کے سراپا کا بیان،آپؐ کے معجزات کا ذکر ،نعت گو کی دیارِ نبیؐ جانے کی خواہش ،ذکرِ معراج،خواب میں زیارتِ رسولؐ،نعت گوئی کے باعث بخشش کی توقع رکھنا وغیرہ وغیرہ۔عبدالصمد کلیم نے غزلیات کہتے ہوئے خوش مزاجی کا ثبوت دیا ہے۔مروّجہ موضاعات نعت بیان کرنے کے باوجود کلام میں تازگی موجود ہے۔کلاسیکی رنگ سخن کا لحاظ رکھتے ہوئے شعر کہے گئے ہیں۔خاص کر اپنے تخلص سے کام لیتے ہوئے چند شعر اچھے نکالے ہیں۔مثلاً:

ملنے کے نہیں وادیِ ایمن میں کلیم اب

خوش آیا ہے بس اُن کو صحرائے مدینہ

☆

ارنیِ کہہ کے ہوں دیدار طلب مثل حکیم

روضہ شہہ پہ چلیں موسیٰ عمراں ہم تم

☆

بنے نورِ نبیؐ سے یہ ارض وسما وہی نور تو سب میں ہے جلوہ نما

نظر آئے وہ جلوہ کلیم کو کیا کہ وہ آنکھ نہیں وہ نظر ہی نہیں

☆

موسیٰ نے نہ دیکھی رخِ انور کی تجلّی

آنکھیں ہیں کلیم اپنی منور کئی دن سے

حضورؐ کے دیار میں زندگی گزارنے اور وہیں دفن ہونے کی خواہش یوں کرتے ہیں:

میں اب کے برس ہند سے کر جاؤں گا ہجرت کہتی رہے گو الفتِ دنیا ابھی کچھ اور

یارب ہو خاکِ گلشنِ طیبہ کلیم زار ایسا نہ ہو کہ ہند میں مٹی خراب ہو

ہو جیسے عازم مدینہ کلیم جلد چلیے کہ قافلہ نکلا

کلیم شاعرانہ تعلّی بھی کام میں لائے ہیں مگر اس طرح کہ نعت کا مضمون ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

میں نے اوصافِ نبیؐ پڑھ کر سنائے جو کلیم آپ مژدہ مری بخشش کا سنانے آئے

وصف ِ فرقِ سراقدس میں جو مطلع لکھا بول اٹھی یہ شبِ تار وہ بجلی چمکی

وصفِ احمدؐ میں غزل چاہیے ایسی ہو کلیم　　شور سے صل علیٰ کے نہیں محفل خالی

محفل میلاد میں اے دوستو آئے گا لطف　　ڈھونڈ کرلاؤ کلیم افصح التقریر کو

مگر توصیفِ احمدؐ میں عاجزی کا اظہار بھی کرتے ہیں:

اعجاز شہ لکھے گا تو کھینچے گا خطِ عجز　　دنیا میں اے کلیم تو معجز رقم سہی

بعض جگہ غزل کی ردیف خاصی مشکل رکھی ہے مگر آسانی کے ساتھ نعتیہ مضامین بیان کرتے وہاں سے گزرے ہیں جیسے ردیف وہ بجلی چمکی۔

کلیم صنائع بدائع کے استعمال میں مشاق نظر آتے ہیں خاص حسنِ تعلیل اور مراٰۃ النظیر سے خوب کام لیاہے۔نعتیہ غزلیات سے پہلے کچھ غزلیات متصوفانہ موضوعات پر بھی لکھی گئی ہیں تصوف کے بعض افکار کی نہایت عمدگی سے اشعار کا حصہ بنادیاہے شعر بھی بن گیاہے اور خیال بھی صاف ظاہر ہوگیاہے ۔جیسے کہ یہ چند شعر:

تعینات نے گو ایک کو ہزار کیا　　موحدّوں نے مگر ایک ہی شمار کیا

میں ہی مستِ بادۂ وحدت نہیں منصور وار　　ساقیا شورِ اناالحق ہرطرف محفل میں ہے

دم بدم کر پاسبانی دولتِ انفاس کی　　مال ِ دنیا کیاہے آیا پاس یا جاتا رہا

انتخاب اشعار گلدستۂ معرفت:(حمدیہ)

شاخ میں غنچہ میں ہر گل میں ہے جلوہ تیرا　　ہے ہر ایک مرغِ چمن بلبلِ شیدا تیرا

مست ہے تیرے ہی جلوے کی چمن میں نرگس　　اور سرو لبِ جو باغ میں جُویا تیرا

بند ہوجائے زباں میری دمِ آخر جب　　نام ہر سانس سے جاری ہوخدایا تیرا

☆

(متصوفانہ)

دم بدم کر پاسبانی دولت انفاس کی
مالِ دنیا کیا ہے آیا پاس یا جاتا رہا

حیف ہے میں نے نہ دیکھی باغِ طیبہ کی بہار
مثلِ بوئے گل ہمیشہ قافلہ جاتا رہا

یارنے دیدار دکھلایا دمِ آخر کلیم
عمر بھر کے غم اٹھانے کا گلہ جاتا رہا

☆

رونق فزا چمن میں جووہ گل عذارہو
بلبل جو گل کودیکھے توآنکھوں میں خارہو

ہرگل خزاں رسیدہ ہے میری نگاہ میں
وہ گل چمن میں آئے توفصلِ بہارہو

کب تک رہے گا نشۂ غفلت میں اے کلیم
پیری کے دن ہیں اب تو ذراہوشیار ہو

☆

نگاہ میں رہے ساقی نہ میں نہ تو باقی
بس اک نگاہ میں رہ جائے ایک ہوباقی

ہے گل رخوں کو عبث نازحسنِ صورت پر
ہے چار روزہ فقط گل میں رنگ و بُو باقی

ملاہے دل کا ہراک مدعا مگر یارب
ہے ایک مدینہ میں جانے کی آرزو باقی

☆

ہردم جو وہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہنا
میرا بھی یہ شیوہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

باقی ہے وہی کچھ نہیں دنیا کی حقیقت
دنیا کو سبب کیاہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

میں کچھ نہیں کہتا یہی کہتے ہو جو ہردم
پھر کون یہ کہتاہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ساقی کی عنایت ہے مرے حال پہ کیا کچھ
وہ جام پلایا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

لکھی ہے کلیم آپ نے یہ تازہ غزل خوب　　کیا خوب یہ لکھا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

☆

ترا بندہ ہوں تعلق سے کر آزاد مجھے　　اپنا غم دے فقط اور خلق میں رکھ شاد مجھے

سروِ گلزارِ حقیقت کو جو دیکھے جل جائے　　جلوہ دکھلاتا ہے کیا باغ میں شمشاد مجھے

شکل پروانہ جلوں عشق میں پر اُف نہ کروں　　مثل بلبل کے تو آتی نہیں فریاد مجھے

علم توحید میں حاصل ہے مجھے عین کمال　　جز الف اور کوئی حرف نہیں یاد مجھے

مثل گل کیوں نہ کروں چاک گریباں میں کلیم　　آ گیا اب تو مدینہ کا چمن یاد مجھے

☆

کلیم آئینہ شبنم میں جلوہ کس نے دکھلایا　　اگر حیرت ہے نرگس کو تو اک سکتہ ہے سوسن کو

☆

کون ہے پھر کلیم کا والی　　فضل گر تو ہی اے خدا نہ کرے

☆

میں ہی مستِ بادۂ وحدت نہیں منصور وار　　ساقیا شورِ اناالحق ہر طرف محفل میں ہے

☆

بیٹھے ہم خلوت میں شہرت ہوگئی　　ہم چھپے ظاہر کرامت ہوگئی

زندگی کی اب تو صورت ہوگئی　　سرورِ دیں کی زیارت ہوگئی

منزلیں عرفاں کی سب آسان ہیں　　طے اگر راہِ شریعت ہوگئی

آئی جس دم ساقیِ کوثر کی یاد نزع کی تلخی بھی شربت ہوگئی

☆

زندہ دل کب ہوسِ آبِ بقا کرتے ہیں ہم تو مر جانے کی اے خضر دعا کرتے ہیں

☆

تعینات نے گو ایک کو ہزار کیا موحّدوں نے مگر ایک ہی شمار کیا

نعتیہ غزلیات

دل بیمار بلاتا ہے مسیحا تیرا چل مدینہ کو وہاں ہوگا مداوا تیرا

شبِ معراج ہے اور کھولے ہیں گیسو شہ نے عقدہ اب حل ہوا اے عقدِ ثریا تیرا

اے صبا گلشنِ طیبہ ہے ابھی کوسوں دور کاش لے جائے اڑا کر کوئی جھونکا تیرا

ہاتھ سے ساقیِ کوثر کے پیا جامِ طہور اے کلیم اب تو کلیجہ ہوا ٹھنڈا تیرا

☆

محبوب حق الٹتے ہیں گوشہ نقاب کا اے اہل چرغ پھیر دو منہ آفتاب کا

مدحِ حضور لکھتا ہوں چالاک اے قلم چل سر کے بل کہ ہے یہی رستہ ثواب کا

رویا تھا آپ کے رخ رنگیں کی یاد میں تختہ کھلا ہے میری لحد میں گلاب کا

کی شہ نے تاجداری چارم فلک عطا دیکھو عروج عیسٰی گردوں جناب کا

☆

احمدِ پاک کی آتی ہے بہت یاد مجھے نیند آنے دے ذرا اے دل ناشاد مجھے

کھینچتا ہے دلِ بے تاب مدینے کی طرف　　مژدہ اے بخت کہ حضرت نے کیا یاد مجھے
مجھ کو ہوتی ہے وہیں چشمِ بصیرت حاصل　　نامِ احمدؐ پہ نظر آتا ہے جب صاد مجھے

☆

قبر میں مجھ کو شہ پاکِ جلانے آئے　　کہ مجھے چہرۂ پُر نور دکھانے آئے
رہ طیبہ میں خط سبز نبی یادآیا　　حضرت ِخضر مجھے راہ بتانے آئے
میں نے اوصافِ نبی پڑھ کر سنائے جو کلیم　　آپ مژدہ مری بخشش کا سنانے آئے

☆

ہل گئے گیسوئے خم دار وہ بجلی چمکی　　چمکے حضرت کے وہ رخسار وہ بجلی چمکی
یک بیک ہوگئیں کفار کی آنکھیں بے نور　　میان سے نکلی وہ تلوار وہ بجلی چمکی
وصف فرقِ سراقدس میں جو مطلع لکھا　　بول اٹھی یہ شبِ تار وہ بجلی چمکی

☆

ہے روئے پیمبر گل رعنائے مدینہ　　اوردل ہے مرا بلبل شیدائے مدینہ
ملنے کے نہیں وادیِ ایمن میں کلیم اب　　خوش آیا ہے بس ان کو صحرائے مدینہ

☆

ہیں ثنا خوانِ بنی حضرت حساں ہم تم　　آؤ اس بزم میں ہوں آج غزل خواں ہم تم
شور ہم دونوں کا ہے باغِ جناں میں جامی　　چمنِ نعت کے ہیں مرغِ خوش الحاں ہم تم
ارنیِ کہہ کے ہوں دیدار طلب مثل کلیم　　روضہ شہ چلیں موسیٰ عمراں ہم تم

☆

جلوۂ ناظر و منظور تھا معراج کی رات　　عرش کیا جلوہ گرِ نور تھا معراج کی رات

مہ کو سکتہ ہوا خورشید گرا غش کھا کر　　رخِ پرنور پہ کیا نور تھا معراج کی رات

تھا عجب ساز سے آراستہ گلزار بہشت　　ہر طرف زمزمۂ حور تھا معراج کی رات

ورد زباں ہے نام رِسول کریم کا　　کھٹکا ہے کس کو حشر میں نارِ جہیم کا

پالا چچا نے عہد یتیمی میں شاہ کو　　جوہر شناس مل گیا دُرِ یتیم کا

ہردم ہے لب پہ اس لبِ معجز نما کا وصف　　کب ہے دم ِمسیح سے کم دل کلیم کا

☆

منہ سے جب نام مصطفیٰ نکلا　　عرش کے لب سے مرحبا نکلا

چل گئی کس کے نام سے کشتی　　نوح کا کون نا خدا نکلا

شہ کے روضے پہ اڑکے جا بیٹھا　　طائرِ جاں کا حوصلہ نکلا

ہوجیے عازمِ مدینہ کلیم　　جلد چلیے کہ قافلہ نکلا

☆

حاصل تھی عجب عرشِ معلیٰ کو بلندی　　تھا اوج پہ قسمت کا ستارا شبِ معراج

☆

نعت گوئی سے نہ رہ اے دلِ غافل خالی　　ذکر احمد سے رہی جاتی ہے محفل خالی

کی جو اعدانے عدوات سے نبی کی دعوت　　تھا وہیں زہر مضرت سے ہلا ہل خالی

نور سے کاسۂ خورشید کو لب ریز کیا　　نہ گیا آپ کے در سے کوئی سائل خالی
وصف احمدؐ میں غزل چاہیے ایسی ہی کلیم　　شور سے صل علیٰ کے نہیں محفل خالی

☆

خواب دیکھا ہے میں نے ماہ پرتنویر کو　　کوئی کامل چاہیے اس خواب کی تعبیر کو
رتبۂ معراج بخشا صاحب معراج نے　　دوش ِاقدس پرچڑھا کر شبروشبیر کو
کی رہِ صد سالہ طے اور آئے جب معراج سے　　پایا تب جنبش میں در پُر فیض کی زنجیر کو
لے گئے لکھ کر فرشتے چرغ پر میرا کلام　　ایک وظیفہ کر لیا ہرشعر پُر تاثیر کو
محفلِ میلاد میں اے دوستو آئے گا لطف　　ڈھونڈ کر لاؤ کلیم افصح التقریر کو

☆

میں اب کے برس ہند سے کر جاؤں گا ہجرت　　کہتی رہے گو الفت ِدنیا ابھی کچھ اور
وَا ہیں پس پردہ جو کلیم آپ کی آنکھیں　　دیدار کی باقی ہے تمنا ابھی کچھ اور

☆

روح افزا ہے مدینے کی ہوا جاتا ہوں　　شوق دیکھو کہ ہوا سے بھی بڑھا جاتا ہوں
چمن ہند میں کھلنے کا نہیں غنچۂ دل　　باغِ طیبہ کو میں آئے بادِ صبا جاتا ہوں

☆

حضرت نے مدینے میں جو بلوایا ہے مجھ کو　　رکھتا نہیں میں پاؤں زمیں پر کئی دن سے
موسیٰ نے نہ دیکھی رخِ انور کی تجلّی　　آنکھیں ہیں کلیم اپنی منور کئی دن سے

☆

دیکھوں ہوتی ہیں مری آنکھیں منور کب تک　　اڑ کے آتا ہے غبارِ درِ انور کب تک

چاند سے شکل دکھا دے مجھے اے ماہِ عرب　　میں شبِ ہجر میں گنتا رہوں اختر کب تک

بزمِ اقدس میں رسائی نہیں ہوتی ہے کلیم　　یوں میں بیٹھا رہوں زانو پہ رکھے سر کب تک

قمر وارثی ۔ کراچی

فروغِ حمد و نعت میں دبستانِ وارثیہ کا کردار

ABSTRACT:

Qamar Warsi is known as a poet and an inventor of idea for promotion of Naatia Poetry by suggesting word or words of Radeef (the word which repeats itself in each couplets of Naat written in the format of Ghazal without changing shape and sound) for creation of new naats for recitation in monthly arranged Poetry Recital Sessions under the umbrella of "Dabistan-e-Warisia" Karachi, Pakistan, since 1995. He has been continuously arranged to publish collection of Naatia and Hamdia poetry presented by poets on different occasions.In the cited article, Qamar Warsi has shed light on the History of poetry recital sessions along with details of publications on the credit of "Dabistan-e-Warisia" Karachi, Pakistan.The article reflects upon literary events and also carries a quality to infuse enthusiasm for spreading good taste of creation of Nattia Poetry on semi traditional pattern.

۱۹۹۵ء میں دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کا قیام اُس وقت عمل میں آیا جب مجھ ناچیز کی غزلوں کا مجموعہ ’’یم تحریک‘‘ کتابت کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اُس وقت سے ۱۹۹۳ء تک اِس ادارے کا دائرۂ کار گاہے گاہے مذاکروں اور مشاعروں کے انعقاد اور چند کتابوں کی اشاعت تک محدود تھا، اس

حوالے سے بزرگ شاعرمحترم نشترؔ اکبر آبادی مرحوم کا نعتیہ مجموعہ ''رسالت مآب ؐ''اور میری تین کتابیں ''یمِ تحریک''(غزلوں کا مجموعہ)،''حضورِ وارث ؒ'' (قبلہ حاجی وارث علی ؒ صاحب کی شانِ بزرگی کے حوالے سے مناقب کا مجموعہ) اور''کہف الوریٰ ؐ'' (نعتیہ مجموعہ) شائع ہوئیں ،مگر اِس دوران یہ فکر ہمہ وقت لاحق رہی کہ جس سلسلے کی نسبت سے یہ ادارہ قائم کیا گیا ہے اِس کے تقاضے کچھ اور بھی ہیں ۔

نعت گوئی کے ضمن میں شعرائے متقدمین اور شعرائے متوسطین کے نعتیہ کلام کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہے کہ ان کے نعتیہ کلام میں حضورؐ سرورِ کائنات کے''جمالِ صورت'' کا اظہار کثرت سے کیا گیا ہے، یا پھر یہ آرزو کہ ''یا محمدؐ بلالو مدینے مجھے''۔ جبکہ فی زمانہ ہر ذی شعور کے نزدیک جمالِ صورت کے ساتھ ساتھ ''کمالِ سیرت'' کے بغیر نعت کا سراپا ادھورا نظر آتا ہے ۔میں اُن دنوں کئی مہینے اِس فکر میں گم رہا کہ نعت نگاری کا کوئی ایسا انداز وضع کیا جائے جو اچھوتا بھی ہو اور حضورِ اکرمؐ کی ذاتِ مبارکہ اور صفاتِ مقدسہ کے دونوں پہلوؤں یعنی جمالِ صورت اور کمالِ سیرت کا بالالتزام اظہار ہو سکے ۔

لٰہذا ،۱۹۹۳ء کے آخری مہینوں میں حضرتِ علامہ ومولانا الحاج معین الدین ظہوری چشتی نعیمیؒ (جو اُس وقت دربارِ ظہوریہ چشتیہ کے سجادہ نشین تھے)،علامہ محمد میاں نعیمی (خطیب جامع مسجد ظہوریہ)،محترم اخترؔ لکھنوی مرحوم اور محترم سجاد سخنؔ مرحوم سے باہمی مشوروں کی روشنی میں دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کے دائرۂ کار میں وسعت دینے اور نعت گوئی کو ایک نیا اندازِ فکر دینے کے لیے درج ذیل فیصلے کیے گئے ۔

۱۔دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کے پلیٹ فارم سے حمد ونعت کے فروغ میں تعمیری قدم اٹھا کر اپنا سا کردار ادا کیا جائے۔

۲۔ایسے طرحی نعتیہ مشاعرے منعقد کیے جائیں جن میں مصرعۂ طرح دینے کے بجائے صرف ’ردیف‘ دی جائے تا کہ شاعر، بحراور قافیے کی پابندی سے آزاد رہتے ہوئے اپنی تمام تر فکری اور تخلیقی توانائی سے کام لے سکے۔اس ضمن میں ایسے طرحی ردیفی نعتیہ مشاعروں کا انعقاد عمل میں لایا جائے جو نعت کے فروغ میں خصوصی اہمیت کے حامل ہوں۔

۳۔ایسے طرحی نعتیہ مشاعرے منعقد کرنے کے لیے ایسی منفرد اور خوبصورت ردیفیں منتخب کی جائیں جو بالخصوص جمالِ صورت اور کمالِ سیرت کی روشنی میں شعراء کو نئے نئے مضامین کی جانب متوجہ کرسکیں۔

۴۔یہ ردیفی نعتیہ مشاعرے ہر ماہ کسی ایک مقام پر منعقد کرنے کے بجائے مختلف مقامات پر منعقد کیے جائیں تا کہ دیگر علاقوں کے شعراء اور سامعین کے لئے بھی تسکینِ قلب وروح کے لمحے میسر آسکیں۔

۵۔سال کے پہلے ہی مہینے میں بارہ مہینوں کی ردیفیں مشتہر کرنے کے ساتھ ساتھ مقامات مشاعرہ کا اعلان طے شدہ دن ،تاریخ کے ساتھ کر دیا جائے تا کہ میز بان اور شعراء حضرات کو اپنی اپنی سہولت کے مطابق تیاری کے زیادہ سے زیادہ مواقع مل سکیں۔

۶۔سال کے اختتام پر منعقدہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے ردیفی نعتیہ کلام پر مشتمل ایک خوبصورت نعتیہ انتخاب شائع کیا جائے جس میں تمام شعراء کے مختصر کوائف یا کم ازکم ان کے اسمائے گرامی کی الگ فہرست بھی شامل ہو۔

دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کے زیرِاہتمام درج بالا فیصلوں کی روشنی میں عملی کام کا آغاز ۱۹۹۴ء میں ہوا اور پہلا ردیفی نعتیہ مشاعرے کا انعقاد ’’خوشبو‘‘ کی ردیف میں جنوری ۱۹۹۴ء میں کیا گیا۔ابتداء میں یہ مشاعرے صرف کراچی کے مختلف مقامات تک محدود رہے لیکن ایک نئے انداز کے ساتھ منعقد

ہونے والے ان ردیفی مشاعروں کی مقبولیت اور شعراء کی خصوصی دلچسپی کے باعث کراچی سے باہر پہلے سکھر ،جیکب آباد، کوئٹہ ، پھر گھوٹکی، ملتان، لاہوراس کے بعد لاڑکانہ ،سبی ،واہوا تحصیل تونسہ شریف، مخدوم پوراور وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں بھی منعقد ہو رہے ہیں جب کہ اسی سلسلے کا ایک سالانہ ردیفی نعتیہ مشاعرہ پاکستان سے باہر یعنی سعودی عرب میں بھی چودہ سال سے ایک تواتر کے ساتھ منعقد ہو رہا ہے ان نعتیہ مشاعروں کے لئے دی گئی ردیفوں پر کچھ شعراء کرام حمد بھی کہتے ہیں جنھیں الگ محفوظ کرلیا جاتا ہے لہٰذا ہر سال ایک نعتیہ مجموعے کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ہر پانچ سال بعد ایک حمدیہ انتخاب بھی شائع کیا جاتا ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ! کاروانِ دبستان وارثیہ کراچی پاکستان فروغِ حمد و نعت مشن کے حوالے سے کسی تعطل اور کسی قسم کی رکاوٹ کو خاطر میں لائے بغیر بیس سال کا سفر طے کر چکا ہے جب کہ سن ۲۰۱۴ء اس کارواں کے سفر کا اکیسواں سال ہے باہمی مشاورت سے کئے جانے والے فیصلوں میں چھٹے فیصلے کے مطابق اب تک بیس خوبصورت نعتیہ انتخاب شائع کئے جاچکے ہیں جن کے عنوانات یہ ہیں (۱) خوشبو سے آسماں تک (۲) جلوے حیات آراستہ (۳) آب وتابِ رنگ ونور (۴) جمال اندر جمال (۵) مہکا مہکا حرف حرف (۶) روشن گلیاں جھلمل کوچے (۷) کرن عطا شرف نصیب (۸) وابستگی (۹) رفعتیں (۱۰) منزلِ آگہی (۱۱) تجلّیاں (۱۲) آپ ؐ سراپا نور (۱۳) کیف آفریں تابانیاں (۱۴) شگفتہ ہی شگفتہ (۱۵) سرمایۂ روحانیت (۱۶) مقدس نکہتیں (۱۷) شعورِ بے کراں (۱۸) خزینۂ الہام (۱۹) گلشنِ جودوکرم (۲۰) نورانی حقیقت ،اور چار حمدیہ انتخاب بہ عنوان (۱) مالکِ ارض وسماء (۲) ربِّ خیرالبشرؐ (۳) قادر وقیوم ذات (۴) عرفانِ ربِّ کائنات ،جن کا اجمالی خاکہ پیشِ خدمت ہے۔

خوشبو سے آسمان تک:

یہ جنوری ۱۹۹۴ء سے دسمبر ۱۹۹۴ء تک ماہ بہ ماہ منعقد ہونے والے بارہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل پہلا مجموعہ ہے جس کے حوالے سے اخترؔ لکھنوی مرحوم نے ''ایک نئی طرح'' کے عنوان سے اپنے مضمون میں لکھا ہے،''یہ بات ۱۹۹۳ء کی ہے جب قمرؔ بھائی نے ایک تجویز میرے سامنے رکھی کہ دبستانِ وارثیہ کی طرف سے طرحی مشاعرے تو ہوتے ہی ہیں، کیوں نہ مصرعۂ طرح دینے کے بجائے صرف ردیف دی جائے ،شعراء حضرات بحر اور قافیہ کا انتخاب خود کریں اس طرح شعراء کو ایک نیا اندازِ فکر بھی ملے گا اور ہماری طرف سے دی جانے والی ردیف ایسی ہوگی جو نعت نگار کو جمالِ صورت کے ساتھ ساتھ کمالِ سیرت کے اظہار کا راستہ بھی ہموار کرے گی تجویز معقول تھی ،پاکستان اور ہندوستان میں اس کی کوئی مثال نہ تھی چنانچہ یہ طے پایا کہ جنوری ۱۹۹۴ء سے ردیفوں پر مشتمل نعتیہ مشاعروں کا انعقاد کیا جائے شعراء حضرات کو بھی یہ انداز اچھا لگا انہوں نے ردیفوں کے حوالے سے شعر کہے اور مشاعروں میں خصوصی دلچسپی کے ساتھ شریک ہوئے۔اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اخترؔ لکھنوی نے مزید لکھا کہ:

> ''دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کی طرف سے ردیفوں کے حوالے سے مشاعروں کا انعقاد ایک ایسی طرح ہے جو نعتیہ شاعری کے فروغ میں اہم کردار ادا کرے گی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کررہی ہے مہینہ بھر شعراء فکرِ سخن میں مشغول رہتے ہیں اور جذبۂ مسابقت ان کو اعلیٰ درجے کی شاعری کی طرف رجوع رکھتا ہے۔''

۲۵۶ صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب میں چھبیس (۲۶) شعراء کی ایک سو ستاسی (۱۸۷) نعتیں شامل ہیں جو،''خوشبو، دامن، روشن، چراغ، کرن، طواف، مہک، اجالے، اثاثہ، لگن اور آسماں'' جیسی ردیفوں کے اہتمام سے کہی گئی ہیں۔

جلوے حیات آراستہ:

یہ جنوری ۱۹۹۵ء سے دسمبر ۱۹۹۵ء تک منعقدہ بارہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل دوسرا مجموعہ ہے جس کے پیش لفظ میں معروف شاعر اور ادیب شفیق الدین شارقؔ مرحوم نے تحریر کیا ہے:

> ''دبستانِ وارثیہ نے جس قرینے سے یہ کام کیا ہے، اس کی مقدار اور معیار کیا ہے، نعت کے مضامین میں اگرچہ تکرار اور توارد کا ہر امکان موجود رہتا ہے لیکن اصل بات ان مضامین کی ادائیگی کے اسالیب کی ہے۔ ہر شاعر کا طرزِ اظہار اس کا اپنا ہوتا ہے، ایک ہی ردیف مختلف قوافی کے ساتھ ایک جیسے مضامین میں بھی رنگا رنگی پیدا کر دیتی ہے۔ ممدوح ایک ہے لیکن اُس کی مدحت کے انداز الگ الگ اور نت نئے ہیں۔''

۲۸۸ صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب میں پینتیس (۳۵) شعراء کی دوسو نو (۲۰۹) نعتیں شامل ہیں جنھیں جلوے، حیات، دریچے، خیال، فاصلہ، بھرم، سفینہ، آسودگی، کمال، راستہ، ظہور اور آراستہ جیسی ردیفوں کی پابندی کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے۔

آب وتابِ رنگ ونور:

یہ جنوری ۱۹۹۶ء سے دسمبر ۱۹۹۶ء تک منعقدہ بارہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں شریک شعراء کی جانب سے پڑھے گئے نعتیہ کلام پر مشتمل تیسرا نعتیہ انتخاب ہے۔ اس نعتیہ انتخاب کے حوالے سے پروفیسر آفاق صدیقی مرحوم اپنے مضمون ''جلوہ بہ جلوہ آب وتاب'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

> ''ہر مشاعرے کے لیے شعراء کو صرف مفرد یا مرکب ردیف دی جاتی ہے وہ جس زمین، جس بحر اور جن قوافی میں چاہیں اپنی مرضی کے مطابق نعت کہہ سکتے ہیں۔ اس ندرت کا ایک تو بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بہت ہی دلکش ردیفوں

میں، انتہائی پُرکشش نعتوں سے ہماری نعتیہ شاعری کا دامن مالا مال ہورہا
ہے، دوسرے یہ کہ متعلقہ شعراء کی مشقِ سخن پر بھی اس کے اچھے اثرات
مرتب ہورہے ہیں ۔شعراء پر ردیف کی پابندی کے علاوہ کوئی اور پابندی
نہیں،اس لیے وجدانی سطح پر تخلیقی جذبہ بیساختگی سے ذہنِ رسا کا ساتھ دیتا
ہے۔''

۳۰۴ صفحات پر پھیلے ہوئے اس نعتیہ انتخاب میں تینتالیس (۴۳) شعراء کی دوسو آٹھ (۲۰۸) نعتیں شامل ہیں جنھیں آب وتاب ،کیف وسرور،فکر وآگہی ،قلب وآگہی ،قلب ونظر،انجم وکہکشاں ،لعل وگہر ،مشرقین ومغربین ،ارض وسماءاور رنگ ونور جیسی مرکب ردیفوں سے سجایا گیا ہے۔

جمال اندر جمال:

یہ جنوری ۱۹۹۷ء سے دسمبر ۱۹۹۷ء تک منعقد ہونے والے بارہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پیش کیے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل چوتھا نعتیہ انتخاب ہے ۔اس انتخاب کے لیے''ایک خوبصورت نعتیہ سلسلہ'' کے عنوان سے اپنا مضمون سپردِقلم کرتے ہوئے راغبؔ مرادآبادی مرحوم نے لکھا ہے:

''ہر کام کا آغاز اوراس پر عمل کا انداز ہی اس کے روشن امکانات کا آئینہ دار
ہوتا ہے ۔دبستانِ وارثیہ کے زیرِاہتمام ردیفوں کے سلسلے کا ابتدائی حصہ ہی
خاصا متاثر کن ہے ۔اب تک جتنی ردیفیں دی جا چکی ہیں ان پر کہی گئی
نعتوں میں کافی تنوع ہے ۔نعتوں کا لہجہ اوران کی وسعت ،اس حقیقت
کوواضح کرتی ہے کہ ردیفوں کے انتخاب پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے ۔ مجھے
امید ہے کہ یہ سلسلہ نہ صرف قمرؔ وارثی صاحب کو دنیا وعقبیٰ میں سرخ روکرے
گا بلکہ اس ردیفی نعتیہ سلسلے کے حوالے سے ان کے مرتب کردہ نعتیہ مجموعوں

سے ہزاروں محبانِ رسولؐ فیضیاب ہوں گے۔‘‘

۳۰۴ صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب میں چھپن (۵۶) شعراء کی دوسوسینتالیس (۲۴۷) نعتیں شامل ہیں جو نفس در نفس، ابتدا تا انتہا، پے در پے، چمن اندر چمن، سلسلہ در سلسلہ، مکاں تا لا مکاں، دل بہ دل، جمال اندر جمال، کارواں در کارواں، ازل تا ابد، سر بہ سر، جہاں اندر جہاں جیسی مرکب ردیفوں کے اہتمام کے ساتھ تخلیقی عمل سے گزری ہیں۔

مہکا مہکا حرف حرف:

یہ جنوری ۱۹۹۸ء سے دسمبر ۱۹۹۸ء تک منعقدہ بارہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل پانچواں مجموعہ ہے۔اس مجموعۂ نعت میں ڈاکٹر عاصی کرنالی مرحوم اپنے مضمون ’’درِ آئنہ باز ہے‘‘ میں رقمطراز ہیں:

’’دبستانِ وارثیہ کے اصحابِ فکر ودانش کے ذوقِ ایجاد اور زندہ طبعی نے شگفتہ ردیفوں کے انتخاب وتعین سے اور شعراء کو قوافی وبحور کے چناؤ کا اختیار دے کر نعت کو وہ فنی، فکری اور معنوی وسعتیں دے ڈالی ہیں جن سے نعتیہ ادب میں ماضی کے ادوار سے بالکل مختلف، نیا اور نادر تجربہ کیا گیا ہے۔ یہ نیا اور نادر تجربہ ایسی ایجادی روش ثابت ہوا ہے جس نے فکر کو نئی جہتوں اور تخیّل کو اَن دیکھے آفاق سے متعارف کرایا ہے۔ پہلے دور کے قوافی اور ردیفیں شاعر کو چار اطراف سے گھیر لیتے تھے۔اب محض ایک ردیف، شش جہت میں راستہ دیتی ہے، وسعتوں میں جایئے، گہرائیوں میں اتریئے، رفعتوں میں اڑیئے ...... اس کا اثر یہ ہوا ہے کہ نعت گوئی اپنے مخصوص روایتی لہجے اور کلاسیکل نہج سے ہٹ کر نت نئے اسالیب اور نو بہ نو افکار ومضامین سے آراستہ ہوگئی ہے۔‘‘

۳۲۰ صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب میں چونسٹھ ۶۴ شعراء کی دوسو ساٹھ (۲۶۰) نعتیں شامل ہیں جو ردیف قدم قدم ، مہکا مہکا ،حرف حرف ،محبت محبت ،جبیں جبیں ،لمحہ لمحہ ،بار بار، نمایاں نمایاں ،نظر نظر ،گوشہ گوشہ،ساتھ ساتھ اور منور منور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہی گئی ہیں ۔

روشن گلیاں جھلمل کوچے:

یہ جنوری ۱۹۹۹ء سے دسمبر ۱۹۹۹ء تک بارہ منعقدہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پیش کیے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل چھٹا نعتیہ انتخاب ہے ۔اس نعتیہ انتخاب کی روشنی میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے پروفیسر منظؔر ایوبی نے اپنے مضمون ''انہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد'' میں لکھا ہے:

> ''روشن گلیاں جھلمل کوچے میں شامل نعتوں کے بالا ستیعاب مطالعے اور ان کے تجزیے سے اس امر کا انکشاف بھی ہوتا ہے کہ شعرائے کرام اپنی بھرپور تخلیقی صلاحتیں بروئے کار لائے ہیں اور انہوں نے زندگی کے تجربات ،عالمی مشاہدات کے ساتھ ساتھ اپنی علمی استعداد اور عمیق مطالعہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے ۔ردیفوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیسے کیسے عشقیہ احساسات وکوائف ،کیسی کیسی قلبیہ اور ذہنیہ وارداتیں ،جذبہ وشوق میں ڈوبی ہوئی کیسی کیسی کیفیات اور کیا کیا دل آویز حقائق نظم کیے ہیں ۔ ہر نعت ایمائیت ، اشاریت ،رمزیت ، جامعیت اور بلاغت کی تصویر بنی ہوئی ہے ۔ان محاسن کے علاوہ ایک اور مشترک خوبی کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ،اور وہ ہے غزل کی ہیئت میں نعتوں کے قافیوں ،ردیفوں کی ندرت اوران کا اچھوتا پن ،جن کے سبب اصطلاحاً زمین سنگلاخ نظر آتی ہے مگر حیرت ہے کہ نعت گوشعراء نے مشکل ردیفوں کی پابندی اور قافیوں کی مناسبت سے خیال وفکر کو قبائے الفاظ پہنانے میں آورد کے بجائے آمد کا ثبوت فراہم کیا ہے ۔''

۳۵۲ صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب میں چوہتر (۷۴) شعراء کی دوسوستاسی (۲۸۷) نعتیں شامل ہیں جنھیں رواں دواں ،سب کچھ ،پاک صاف ،والی وارث ،شجر حجر ،جھل مل ،دھوم دھام ،چمک دمک ،بوندا باندی ،آس پاس ،تن من اور گلیاں کوچے جیسی ردیفوں سے مزین کیا گیا ہے۔

کرم عطا شرف نصیب:

یہ جنوری ۲۰۰۰ ء سے دسمبر ۲۰۰۰ ء تک بارہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل ساتواں نعتیہ مجموعہ ہے جس کے پیش لفظ میں ’’ردیفوں کے مثبت استعمال کی تحریک‘‘ کے عنوان سے ڈاکٹر عزیز احسن نے تحریر کیا ہے:

’’دبستانِ وارثیہ کے زیر اہتمام ردیفوں کے حوالے سے منعقد ہونے والے نعتیہ مشاعروں میں شعراء کی قابلِ ذکر تعداد میں شمولیت اس رجحان کا اشاریہ ہے کہ اب بھی شعراء روایت سے منسلک رہتے ہوئے شعری مدار میں خلا نوردی کرنے میں ایک گونہ مسرت اور انبساط محسوس کرتے ہیں اور اپنی شعری دانش کو حمد ونعت کے فروغ کے لیے استعمال کرنے کے خواہش مند ہیں۔ پہلے پہل تو یہ ماہانہ مشاعرے صرف کراچی کے مختلف علاقوں میں ہوتے تھے لیکن اب ان مشاعروں کا دائرۂ کار کوئٹہ ،سکھر ،ملتان ،جیکب آباد ، گھوٹکی اور لاہور تک تو اندرونِ ملک اور جدہ سعودی عرب تک ملک سے باہر پھیل چکا ہے۔اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح کلاسیکی تحریک ، رومانوی تحریک ،ترقی پسندی کی تحریک ،حلقۂ اربابِ ذوق کی تحریک ،اسلامی ادب کی تحریک ،علامت پسندی کی تحریک ، تاثریت کی تحریک ،آزاد نظم کی تحریک اور شروع شروع میں ابہام گوئی اور پھر اصلاحِ زبان کی تحریک نے ادب میں اپنی اپنی جگہ بنائی اور اردو ادب کو متاثر کیا، اسی طرح قمر وارثی کی

چلائی ہوئی ’’جدّتِ ردیف‘‘ کی تحریک اردو ادب میں بالعموم اور اردو نعت میں بالخصوص اپنا اثر دکھا رہی ہے۔‘‘

۳۵۲ صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب میں ایک سو انہتّر (۱۶۹) شعراء کی پانچ سو پینتیس (۵۳۵) نعتیں شامل ہیں جنھیں، مہکتے راستے، جستجو، کرم، جمال، مبارک ساعتیں، زاویہ، عطا، نصیب، منور سلسلے، نقوش، شرف اور حاضری جیسی ردیفوں کے اہتمام سے تخلیق کیا گیا ہے۔

وابستگی:

یہ جنوری ۲۰۰۱ء سے دسمبر تک منعقدہ بارہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل آٹھواں نعتیہ انتخاب ہے۔ اس نعتیہ انتخاب کے لیے ’’نعت اور اس کا تقدس‘‘ کے عنوان سے اپنے مضمون میں راقم الحروف (قمر وارثی) نے تحریر کیا ہے:

’’سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات وصفات کا تذکرہ جہاں پُرخلوص محبت وعقیدت، قلبی وابستگی اور طہارتِ فکر وفن کا متقاضی ہے، وہاں اس کے تقدس کو پیشِ نظر رکھے بغیر وہ مقام حاصل نہیں کیا جاسکتا، جو قبولیت کی منزل تک لے جاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نعت کا تقدس کسی بھی نعت گو کے لیے قدرِ اوّل کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ نعت گوئی تزکیۂ حیات وفکر کا ایک اہم حصہ ہے۔ شاعر جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح میں فکرِ شعر کرتا ہے تو اس کے اندر کی کائنات نورِ مبیں سے منور ہو جاتی ہے۔ دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کی جانب سے ردیفی نعتیہ مشاعروں کے لیے دی جانے والی ردیفوں میں اس بات کا خصوصیت کے ساتھ خیال رکھا جاتا ہے کہ ایسی ردیفوں کا انتخاب کیا جائے جو شاعر کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمالِ صورت اور کمالِ سیرت کی جانب رہنمائی کرنے میں اہم کردار ادا

کرسکیں ۔ردیفی نعتیہ مشاعروں کی مقبولیت اس بات کا شدت سے تقاضا کررہی ہے کہ سال میں بارہ مشاعروں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے ۔‘‘

۳۰۴صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب میں ایک سو چھپّن (۱۵۶) شعراء کی چارسو پچانوے (۴۹۵) نعتیں شامل ہیں۔ان نعتوں میں جن ردیفوں کا اہتمام کیا گیا ہے ان میں بہار، سایہ فگن، دیا، زندگی ،نوید، جلوہ نما، وابستگی، آرزو، قدم، سماں، دیکھیے اور تمام شامل ہیں ۔

رفعتیں:

یہ جنوری۲۰۰۲ء سے دسمبر۲۰۰۲ء تک منعقدہ بارہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پیش کیے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل نواں نعتیہ مجموعہ ہے جس میں نور احمد میرٹھی مرحوم نے اپنے مضمون ’’چراغِ عرفاں...... رفعتیں‘‘ میں تحریر کیا ہے:

’’دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کے ردیفوں کے حوالے سے منعقد ہونے والے نعتیہ مشاعروں کے سال بہ سال شائع ہونے والے نعتیہ مجموعوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اکثر شعراء نے اپنے اظہار کو فکروفن کے تمام تر محاسن وخصائص کے ساتھ پیش کیا ہے، وہ اکثر مشکل ردیفوں میں بھی اپنی عقیدت ومحبت کو نظم کرتے ہیں اور بڑی سلامت روی سے گزر رہے ہیں۔شعراء کرام نے نعت کی وسیع فضا میں عشق ومحبت کے سہارے خوب پرواز کی ہے ۔کسی بھی زاویے اور کسی بھی رخ سے تجزیہ کیجیے، بیشتر شعراء کا باطن ظاہر ہورہا ہے جس میں عقیدت کی پختگی جلوہ گر ہے ۔ان کی نعتوں میں مضامین کی رنگا رنگی، الفاظ کی فراوانی، تراکیب کی جاذبیت، سیرتِ طیبہ کی تفہیم اور جذبہ وفکر کی گہرائی وگیرائی جابہ جا دیکھی جاسکتی ہے ۔‘‘

۳۳۶صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب میں ایک سو اٹھتّر (۱۷۸) شعراء کی پانچ سو اٹھائیس (۵۲۸)

نعتیں شامل ہیں جو خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ، دل ، سامنے ، حرا ، روشن ہوئے ، تک ، کیا نہیں ، سفر ، دیکھا کیے ، سب ، رفعتیں اور ملے جیسی ردیفوں کی پابندی کے ساتھ تخلیقی عمل سے گزری ہیں۔

منزل آگہی:

یہ جنوری ۲۰۰۳ء سے دسمبر ۲۰۰۳ء تک منعقدہ بارہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل دسواں نعتیہ مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں شامل اپنے مضمون بعنوان ''منزل آگہی کا سفر'' میں محترم عارف منصوؔر رقمطراز ہیں:

''اردو زبان میں طرحی مشاعروں کی روایت خاصی پرانی ہے لیکن اس پابندی سے عموماً مضامین کے اعتبار سے یکسانیت اور الفاظ کی ترتیب کے لحاظ سے مصرعوں کے ٹکراؤ کی عام شکایات تھیں۔ دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کے پلیٹ فارم سے اختر لکھنوی مرحوم اور قمؔر وارثی نے مل کر ایک نئی طرح ڈالی اور ردیفی نعتیہ مشاعروں کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا۔ ان ردیفی نعتیہ مشاعروں میں اہم شعراء کے ساتھ ساتھ نوجوان شعراء کی بڑھتی ہوئی تعداد اس بات کا اعلامیہ ہے کہ اختر لکھنوی مرحوم اور قمؔر وارثی نے خدمتِ نعت کا جو بیج بویا تھا وہ اب تناور شجر بن چکا ہے۔ مشاعروں کے انعقاد کے علاوہ اس خدمتِ نعت کا دوسرا اہم پہلو ان مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام کی تدوین اور سالانہ اشاعت ہے۔ یہ کام بھی مشاعروں میں شعراء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے باعث وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ اکثر اوقات یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اختر لکھنوی کے ۱۹۹۵ء میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوجانے کے بعد قمؔر وارثی تنِ تنہا کس طرح اس سے عہدہ برآ ہورہے ہیں۔''

۲۵۶ صفحات پر مشتمل اس نعتیہ مجموعے میں ایک سو اڑتیس (۱۳۸) شعراء کی تین سو اکیاسی (۳۸۱) نعتیں شامل ہیں جن کے لیے ،وارفتگی ،انتہا ،منزل ،روش ،تمنّا ،آئینہ ،کوئی نہیں ،آ گہی ،حوالے ،آنسو ،آنکھوں سے اور دعا جیسی شگفتہ ردیفوں کا انتخاب کیا گیا تھا۔

نوٹ:

ابتدائی دس سالوں یعنی ۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۳ء تک منعقدہ ردیفی نعتیہ مشاعروں کی تعداد سال کے بارہ مہینوں میں بارہ مشاعروں تک ہی رہی ،لیکن مختلف شہروں کی ادبی تنظیموں اور بیشتر شعراء کی جانب سے مسلسل درخواست کے باعث ردیفی نعتیہ مشاعروں کی تعداد میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا رہا ہے۔ یہ تعداد بارہ سے بڑھ کے کسی سال چودہ ،کبھی پندرہ ،یہاں تک کہ سال میں سترّہ مشاعرے بھی منعقد ہوئے ،جس کے نتیجے میں شعراء کے ساتھ ساتھ ردیفی نعتوں میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا،اور سال بہ سال شائع ہونے والے نعتیہ مجموعوں کی ضخامت بھی بڑھتی چلی گئی ۔اس تناظر میں ۲۰۰۴ء سے ۲۰۱۳ء تک ردیفی نعتوں پر مشتمل شائع ہونے والے نعتیہ مجموعوں کی صورتِ حال کچھ یوں ہے ۔یہاں یہ بات بھی خاصی اہمیت کی حامل ہے کہ طے شدہ مشاعروں کے ساتھ ساتھ ذیلی مشاعروں کا سلسلہ پہلے ملتان ،پھر کوئٹہ اور کراچی میں بھی شروع کردیا گیا۔اس حقیقت کی روشنی میں ردیفی مشاعروں کی مقبولیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

تجلّیاں:

یہ جنوری ۲۰۰۴ء سے دسمبر ۲۰۰۴ء تک ماہ بہ ماہ منعقدہ بارہ طے شدہ اور بارہ ہی ذیلی ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پیش کی جانے والی نعتیہ تخلیقات پر مشتمل گیارہواں نعتیہ مجموعہ ہے ۔اس مجموعے کے حوالے سے پروفیسر عزیز جبرانؔ انصاری نے اپنے مضمون ''نعت گوئی اور اس کے تقاضے'' کے عنوان سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اہلِ سخن اور صاحبانِ فن جانتے ہیں کہ طرح پر شعر کہنے کے لیے نفسِ

مضمون ،فکر وفن کی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ ساتھ سب سے اہم مرحلہ ردیف کو نباہنے کا ہوتا ہے ۔نفسِ مضمون کتنا ہی اعلیٰ وارفع کیوں نہ ہو ،فکروفن کے کیسے ہی جہان کیوں نہ سر کئے گئے ہوں، اگر ردیف وقافیہ مضمون کا ساتھ نہ دیں تو شعر کا سارا حسن ماند پڑ جاتا ہے ۔فکرودانش کی عالی شان عمارت ردیف کے بے جوڑ ہونے سے پیوندِ خاک ہوجاتی ہے اور جہاں معاملہ ''نعت'' کا ہو،وہاں تواور زیادہ مشّاقی کا مظاہرہ کرنا اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے ۔لہٰذا طرحی نعت چاہے وہ پورے مصرعے پر محیط ہویا صرف ردیف کے حوالے سے اشعار کہے جائیں ،ہرحال میں ردیف کی نازک مزاجی کا خیال رکھنا پڑے گا ۔مندرجہ ذیل جن ردیفوں کا انتخاب ۲۰۰۴ء کے بارہ مشاعروں کے لیے کیا گیا ،ان پر ایک نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ ردیفیں اپنے اندر جدّت وندرت کا ایک جہان رکھتی ہیں ۔''

۳۶۸صفحات پر مشتمل اس نعتیہ مجموعے میں ایک سو باون (۱۵۲) شعراء کی چارسوتیس (۴۳۰) نعتیں شامل ہیں جو رونقیں، لمحے ،بُلاوا ،شہِ زمنؐ ،خوشنما ،موسم ،سلیقہ ،نوازشیں ،ٹھرے ،تجلّیاں، واقعی اور فضا ئیں کی پابندی کے ساتھ کہی گئی ہیں ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سراپا نور:

یہ جنوری ۲۰۰۵ء سے دسمبر ۲۰۰۵ء تک منعقدہ پندرہ طے شدہ اور چودہ ذیلی ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل بارھواں نعتیہ انتخاب ہے ۔اس نعتیہ انتخاب پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ''نوشۂ عقیدت'' کے عنوان سے اپنے مضمون میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی عارفؔ (مشیر اعزازی رابطۂ عالمِ اسلامی مکّہ مکرّمہ سعودی عرب) نے تحریر فرمایا ہے:

’’حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل ،جو سخن آفرینی سے پاک ، حق پسندی کا آئینہ ہیں جو آپ کی صداقتِ نبوّت کے ساتھ ساتھ یہ اعلان کرتے رہیں گے کہ بے شک اس سیرتِ کاملہ کی حامل ذاتِ مبارکہ مستحق ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں براہِ راست اور ہمیشہ نازل فرماتا رہے اوراس کے فرشتے نذرانۂ عقیدت بصورتِ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے رہیں اوراہلِ ایمان کوحکم دیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری اوررسولِ کریمصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی محبت میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے رہیں ۔اراکینِ دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان اور بالخصوص جناب قمر وارثی لائق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے حضورصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر کے فروغ کاایک نئے اندازِ فکر کی دعوت کے ساتھ بیڑا اٹھا رکھا ہے۔اس مبارک راستے کے سفر میں ایک تسلسل کے ساتھ محوِ سفر رہنا کوئی معمولی بات نہیں۔ردیفوں کے حوالے سے اس دبستان کا فروغِ نعت مشن اس لیے بھی لائقِ تحسین اور لائقِ تقلید ہے کہ نعت نگاروں کو دعوتِ شعر دینے کے لیے خاص حدتک ایسی ردیفوں کاانتخاب کیاجاتا ہے جواس مضمون کی ابتداء میں بیان کیے ہوئے ذاتِ حضورِصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اقدس کے چاروں پہلوؤں یعنی جمالِ صورت ،کمالِ سیرت ،قولِ محکم اورحُسنِ عمل کو پیش نظر رکھ کر ایک نئے اندازِ فکر کے ساتھ نعتیہ اشعار کی تخلیق پر مائل کرتی ہیں۔فروغِ نعت کے اس مشن کاراستہ دشوار گزار ضرور ہے لیکن سچی لگن ،مستقل مزاجی اورخلوصِ نیت سے ہر مشکل کوآسان بنایا جاسکتا ہے۔‘‘

چارسو چونسٹھ (۴۶۴) صفحات پر مشتمل اس نعتیہ مجموعے میں ایک سوا کیانوے (۱۹۱) شعراء کی سات سو بائیس (۷۲۲) نعتیں ہیں جو دی گئی پندرہ ردیفوں، مرحبا، شمار، راہیں، نور، سراپا دلنشیں، کھلے، مسافر، خواہش، خبر، مقام، اساس، آپصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم ممکن اور شان کے اہتمام سے کہی گئی ہیں۔

کیف آفریں تابانیاں:

یہ جنوری ۲۰۰۶ء سے دسمبر ۲۰۰۶ء تک طے شدہ پندرہ اور ذیلی چودہ منعقدہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پیش کیے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل تیرہواں نعتیہ مجموعہ ہے اس نعتیہ مجموعے کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے ماہنامہ ''نعت'' لاہور کے مدیر اعلیٰ راجا رشید محمودؔ نے سپردِ قلم کیے ہوئے اپنے مضمون ''محبت کی نئی طرح کا قبولِ عام'' میں لکھا ہے:

> '' ردیف کا قصہ فارسی سے چلا اور اردو میں پنپا۔ دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان نے نعت کے ردیفی مشاعرے شروع کیے جس میں حمد بھی شامل ہوئی اور شامل ہے۔ اس اپچ نے نعت اور حمد میں تنّوع اور توسّع کی بلندیوں کو چھولیا ہے۔ طرحی مشاعروں میں یوں بھی نیا کلام کہنے اور مسابقت کے احساس کے باعث کلام کو سنوارنے نکھارنے کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ ردیف نے بعض صورتوں میں شعراء کے لیے مشکل بھی پیدا کی، کیونکہ حمد و نعت میں ''یہ تو ردیف ہے یہ تو آئے گی'' کا معاملہ نہیں پنپتا، یہاں تو ہر لفظ سوچا سمجھا، ہر ترکیب ''چاروں چول چوکس'' اور ہر بات تول میں پوری ہونا ضروری ہوتی ہے۔ اس راہ پر چلنے والوں کو تعلیماتِ قرآن وحدیث کے ساتھ زبان وبیان کی باریکیوں پر بھی نظر رکھنا ہوتی ہے۔ دبستانِ وارثیہ کے ردیفی نعتیہ مشاعروں کے اس نئے اندازِ فکر میں شعراء کی دلچسپی ایک تو اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ ہر سال مزید شعراء اس میں حصہ لے رہے ہیں،

دوسرے مختلف شہروں میں اس ادارے کے بیز تلے انہی مجوزہ ردیفوں میں مشاعروں کے انعقاد نے بھی ثابت کردیا ہے کہ ردیفی مشاعرے اور دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کی افادیت نعت گویانِ اردو کے نزدیک مسلّم ہوچکی ہے، کیونکہ ان مشاعروں کا بنیادی نکتہ ''ردیف'' ہے ،اس نکتے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مختلف علاقوں ،مختلف عمروں اور مختلف مسلکوں کے شعراء اپنی لفظیات ،اپنے نظریات اوراپنے احساسات کواپنی فکری اپچ سے منتخب کردہ قوافی و بحور کے اور موضوعات کے تنوع کے ساتھ جب نعتیں یا حمدیں کہتے ہیں تو ''ہر گُلے را رنگ وبوئے دیگراست'' کی دلکش کیفیات جنم لیتی ہیں۔ کہیں صنائع بدائع کی نیرنگی نظرآتی ہے،کہیں مختلف موضوعات ومضامین میں طرزِ ادا کا اختلاف مزا دیتا ہے اور کہیں علمِ دین سے گاڑھی واقفیت جھلکتی ہے۔''

چارسوآٹھ (۴۰۸) صفحات پر مشتمل اس نعتیہ مجموعے میں دوسوسترہ (۲۱۷) شعراء کی سات سوانتالیس نعتیں شامل ہیں جنھیں تابانیاں ، کہیے ،پیہم ،اَن گنت ،کیف آفریں، سِوا ،قیام ،پیدا ، کاغذقلم ،دستگیں ،دلیل ،مکمل ،ہمیشہ،جدا،لاجواب جیسی ردیفوں سے سجایا گیا ہے ۔

شگفتہ ہی شگفتہ:

یہ جنوری ۲۰۰۷ء سے دسمبر ۲۰۰۷ء تک طے شدہ سولہ (۱۶) ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل چودھواں نعتیہ انتخاب ہے ۔اس انتخاب کے حوالے سے اپنے مضمون ''احمد ،محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ،رحمت ،مدحت'' میں ممتاز نعت گوشاعرمحترم ماجد خلیل رقمراز ہیں:

''قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلے احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمہیں پھر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ،کیونکہ سب سے پہلے آپ صلی

اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ کی حمد کی ، پھر مخلوق نے آپ کی حمد کی ۔اسی طرح محشر میں بھی آپصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے پہلے اللہ پاک کی حمد کریں گے اور جب آپصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سفارش سے حساب شروع کیا جائے گا تو پھر اہلِ محشر آپصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حمد کریں گے۔ بہ لحاظِ وجود بھی پہلے آپ احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور بعد میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۔اسی وجہ سے کتبِ سابقہ میں آپصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشارت اسمِ احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مذکور ہے اور جب آپ عالمِ وجود میں تشریف لائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نامِ نامی سے جانے گئے۔ مذکورہ بالا دو انتہائی محترم و پاکیزہ الفاظ کی تفہیم کے بعد ایک اور انتہائی اہم و متبرک لفظ سامنے آتا ہے ''رحمت'' ۔ یہ ایسا لفظ ہے جس کا استعمال نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے لیے ہوا ہے کسی اور کے لیے نہیں۔ پس جب نبیٔ محترمصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جملہ عالمین کے لیے رحمت بنایا گیا ہے تو ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت بھی جملہ عالمین کے لیے ہے ۔ان الفاظ یعنی احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ،محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وررحمت کی مناسب تفہیم کے بعد غور فرمایئے کہ ہمارا کیا فرض بنتا ہے ،یہی کہ ہم اس ذاتِ گرامی کی مدحت وثنا گزاری کی تا حدِ امکان سعی کریں جس پر مندرجہ بالا ہر لفظ کا کما حقہٗ ، اطلاق ہوتا ہے ۔اس سعیٔ سعید کا اہلِ شعر وشعور نے ایک لفظ مختص کرلیا ہے ''نعت'' جو ایسی عبادت کا درجہ رکھتی ہے جس کے لیے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے '' وہ خود اور اس کے ملائکہ نبیٔ

مکرمصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں، لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجنے کی خدمت (عبادت) انجام دو۔ لفظ ''نعت'' کی تاریخ ومدارج کے حوالے سے ایک بڑا ذخیرۂ معلومات ہمارے ادبِ عالیہ کا سرمایہ ہے جس پر گفتگو ضروری نہیں، البتہ اس سلسلے میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مخلوقِ نوری کے علاوہ کرۂ زمیں پر جہاں بھی کلمہ گو نفوس موجود ہیں اپنے اپنے طریقوں سے کارِ خدمتِ نعت انجام دے رہے ہیں ۔ پاکستان میں خادمانِ نعت اپنے طور پر بھی اور اداروں کی شکل میں بھی محبتِ رسولؐ سے پاسداری کا حتی المقدور ثبوت فراہم کر رہے ہیں مثال کے طور پر برادرم قمؔر وارثی اور ان کا پاکیزہ ادارہ ''دبستانِ وارثیہ'' اس خدمت میں پیش پیش ہے ۔جنون سے بڑھ کر قمؔر وارثی مجذوبیت کی حد تک دامے ، درمے ، سخنے قدمے اور قلمے فروغِ نعت کے لیے مصروفِ عمل ہیں ۔ ماہانہ ردیفی نعتیہ مشاعروں کا سلسلہ گزشتہ تیرہ سالوں سے بغیر کسی تعطل کے جاری وساری ہے جس کا پھیلاؤ بفضلِ ربی کراچی اور پاکستان کے بیشتر بڑے اور چھوٹے شہروں کے ساتھ ساتھ جدہ سعودی عرب تک دراز ہے ۔ان مشاعروں میں پڑھی گئی نعتوں کے سالانہ مجموعے شائع کرنے کا عمل بھی جاری ہے ۔ کرامت یہ ہے کہ دیوانۂ فروغِ نعت قمؔر وارثی کسی کے آگے دستِ طلب دراز کیے بغیر تمام مراحل سے گزرتا جا رہا ہے اور خدمتِ نعت کو جاری رکھّے ہوئے ہے اس یقین کے ساتھ کہ جن کی خدمت گزاری پر مامور ہے ، وہی اسباب مہیا کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے انشاء اللہ''

تین سو چھتیس (۳۳۶) صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب ''شگفتہ ہی شگفتہ'' میں ایک سو پچانوے (۱۹۵) شعراء کی چھ سو دس (۶۱۰) نعتیں شامل ہیں جو ردیف درخشاں، خوب، خود بہ خود، مسلسل، مراد، شگفتہ، نشاں، صورت، مثال، دریا، معراج، ارتقاء، چُنے، عالم، اور، انجمن کی پابندی کے ساتھ کہی گئی ہیں۔

سرمایۂ روحانیت:

قرآن مجید کی مختلف آیاتِ کریمہ کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت ورفعت کا بیان اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف وتوصیف سنتِ الٰہیہ ہے۔ یہ سنت اس کے فرشتے بھی ادا کرتے ہیں اور ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی۔ اسی حکم کی تعمیل میں دنیا کی تمام زبانوں میں شانِ رسالت مآب کے حوالے سے بے شمار نعتیں لکھی جا چکی ہیں اور بے شمار نعتیہ مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں، آ رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔ جنوری ۲۰۰۸ء سے دسمبر ۲۰۰۸ء تک طے شدہ سترہ (۱۷) ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پیش کی جانے والی نعتیہ تخلیقات پر مشتمل پندرہویں نعتیہ انتخاب ''سرمایۂ روحانیت'' پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مضمون ''نعت اور فروغِ نعت کی معتبر تحریک'' میں سید محمد حنیفؔ اخگر ملیح آبادی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

> '' امریکہ اور کینیڈا میں منعقد ہونے والے مشاعروں اور بالخصوص نعتیہ مشاعروں میں پاکستان سے شریک ہونے والے معروف ومعتبر نعت گو شاعر جناب ماجدؔ خلیل کے توسل سے یہ خوش کن خبر امریکہ کے ادبی حلقوں تک پہنچی کہ عروس البلاد کراچی میں ایک ایسے ادبی ادارے کا قیام عمل میں آیا ہے جس نے فروغِ نعت کے حوالے سے ایک نئی طرح کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ ادارہ نعت کے لیے مصرعۂ طرح دینے کے بجائے صرف ردیف دیتا ہے جو ایک لفظ یا ایک مرکب لفظ پر مشتمل ہوتی ہے۔ شاعر کو پوری آزادی ہے

کہ وہ اپنی سہولت اور مرضی کے مطابق بحر و قافیہ کا انتخاب خود کرے۔ کراچی میں اپنے قیام کے دوران مجھے ''دبستانِ وارثیہ'' کے کئی ردیفی نعتیہ مشاعروں میں شرکت کے مواقع میسر آئے ہیں، جن کی کیفیات کا عالم دیکھ کر بہت رشک آیا۔ سچ پوچھیے تو ان ردیفی نعتیہ مشاعروں میں سرشاری کے ایسے لمحے دامن گیر ہوتے ہیں جن کی اثر پذیری اگلے مشاعرے تک قائم رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ردیفی نعتیہ مشاعرے اپنی مقبولیت کے باعث کراچی تک محدود نہیں رہے بلکہ ان کا دائرہ پاکستان کے بیشتر شہروں اور بیرونِ پاکستان جدہ سعودی عرب تک دراز ہو چکا ہے۔ عالم یہ ہے کہ مختلف مقامات سے ان مشاعروں کے انعقاد کی درخواستیں مسلسل موصول ہو رہی ہیں۔ دبستان کے منتظمِ اعلیٰ کو تو اب یہ فکر لاحق ہو گئی ہے کہ ان درخواست گزاروں کی خواہش کو کیسے پورا کیا جائے۔ معاملہ صرف مشاعروں کے انعقاد ہی کا نہیں بلکہ ان مشاعروں میں پڑھی جانے والی ردیفی نعتوں پر مشتمل سال بہ سال نعتیہ مجموعوں کی اشاعت کا بھی ہے جو بحمد اللہ ایک تواتر کے ساتھ جاری ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اتنا بڑا اور آئندہ نسلوں تک منتقل ہونے والا کام قمؔر وارثی جیسا عدیم الفرصت شخص تنِ تنہا کیسے انجام دے رہا ہے، جبکہ اس ادارے کا کوئی باقاعدہ فنڈ ریز نگ کا سلسلہ بھی نہیں ہے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر یہی کہا جاسکتا ہے کہ اراکینِ دبستانِ وارثیہ اور بالخصوص قمؔر وارثی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاص کرم کے باعث اللہ ربّ العزّت کی طرف سے غیبی امداد مل رہی ہے، ورنہ کثیر فنڈ رکھنے

والے بڑے بڑے ادارے بھی اتنا بڑا کام ایک تسلسل کے ساتھ جاری رکھنے سے قاصر دکھائی دیتے ہیں۔ میرے نزدیک فروغِ نعت کے حوالے سے ردیفی نعتیہ مشاعروں پر مشتمل یہ ایک ایسی معتبر تحریک ہے جو قابلِ تحسین ہی نہیں، لائقِ تقلید بھی ہے۔''

۳۳۶ صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب ''سرمایۂ روحانیت'' میں دوسو بیس (۲۲۰) شعراء کی چھ سونو (۶۰۹) نعتیں شامل ہیں جنھیں ردیف معرفت، عظیم، طلب، نظام، غنچے، خاص، ہزاروں، روحانیت، سرمایہ، پہلے پہل، حاصل، موجزن، وسیلہ، ذات، مقبولیت، ہَوا اور تقاضے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تخلیق کیا گیا ہے۔

مقدس نکہتیں:

یہ جنوری ۲۰۰۹ء سے دسمبر ۲۰۰۹ء تک منعقدہ پندرہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل سولھواں نعتیہ مجموعہ ہے۔اس مجموعے میں محترم سجادسخنؔ مرحوم اپنے مضمون ''باخدا دیوانہ باش وبا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوشیار'' کے عنوان سے رقمطراز ہیں:

''تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عروج دینا چاہتا ہے توسب سے پہلے اس کے دانشوروں، ادباء اور شعراء کی ماہیئتِ قلب تبدیل کردیتا ہے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے معاشرے میں راست روی کی تحریک پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرسکیں۔اس حوالے سے متعدد ادارے قائم ہوئے جنھوں نے ماہانہ، سہ ماہی اور سالانہ نعتیہ مشاعروں اور محافلِ نعت منعقد کرکے لوگوں کو پروردگارِ عالم اور نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور نذرانۂ حمد ونعت پیش کرکے یہ پیغام

دینا شروع کیا کہ ہم اپنے مرکز سے بھٹکے ہوئے تھے ، اللہ اور اس کے رسولصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکے احکامات اوراسوۂ حسنہ پرعمل کرکے خودکو ذلت ورسوائی سے بچا کرعزت واحترام حاصل کرسکتے ہیں۔اس نیک عمل میں اس وقت مزید تیزی اورمقبولیت پیدا ہوئی جب بعض نجی ونیم سرکاری اداروں اورمخیرّ حضرات نے اہلِ ادب ،خصوصاً شعراء کوحج وعمرہ پر بھیجنے کا قابلِ تحسین عمل شروع کیا، جس کے نتیجے میں راست روی کے حامل شعراء کے ساتھ ساتھ وہ شعراء بھی حمد ونعت کی طرف مائل ہونے لگے جونعت گوئی کو تضیعِ اوقات سمجھتے تھے۔یہاں جوذکر ضروری محسوس ہوتا ہے ،وہ دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کا ہےجس نے طرحی نعتیہ مشاعروں کاآغازاس جدت طرازی کے ساتھ کیا کہ مصرعۂ طرح سے مشاعرے میں مصرعوں اورشعروں کےتوارد سےشعراء میں جوذہنی کھنچاؤ رہتا تھا،اسےختم کرنے اورشعراءکواپنی اپنی جولانیٔ طبع کے حساب سے بحر وقافیہ کی آزادی دیتے ہوئے صرف ’’ردیف‘‘ کی پابندی رکھی ۔ابتداء میں تو شعراء حضرات کی دلچسپی کچھ کم دیکھنے میں آئی لیکن رفتہ رفتہ یہ سلسلہ اتنا مقبول ہوا کہ دور دراز علاقوں کے شعراء بھی پابندی سے شریک ہونے لگے ۔ان ردیفی نعتیہ مشاعروں کی مقبولیت میں اس وقت مزید اضافہ ہوا، جب سال بھر پڑھی جانے والی ردیفی نعتوں پرمشتمل پہلا مجموعہ شائع کیا جس میں شریک شعراء کے بنیادی کوائف کوبھی جگہ دی گئی ۔ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام پرمشتمل مجموعوں کی اشاعت کاسلسلہ سال بہ سال جاری ہےمگر

مجموعوں کی غیر معمولی ضخامت کے باعث کوائف کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا البتہ شریک شعراء کے اسمائے گرامی ہر سال شائع ہونے والے مجموعے میں شامل ہوتے ہیں۔دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان پر خدا اور محبوبِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کا مزید کرم یہ ہوا کہ اس ادارے کے اراکین کی توجہ اس جانب بھی مرکوز ہوئی کہ ان ردیفی نعتیہ مشاعروں میں باقاعدہ اور تواتر کے ساتھ شریک ہونے والے نعت گو شعراء کو عمرے پر بھیجا جائے ۔ لہٰذا بعض مخیّر حضرات سے رابطے کیے گئے جس میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ گزشتہ بارہ تیرہ سال سے دبستان کی جانب سے دو تین شعراء کو عمرے اور جدہ میں منعقد ہونے والے سالانہ ردیفی نعتیہ مشاعرے میں شرکت کی سعادت حاصل ہونے لگی ۔ یہاں ایک حیرت انگیز بات اور عرض کرتا چلوں کہ یہ سب کچھ صرف قمؔر وارثی کی ذاتی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ رہا ہے۔ ماہ بہ ماہ منعقد ہونے والے ردیفی نعتیہ مشاعروں کے دعوت ناموں کی تقسیم ،مدعو شعراء کو شرکت کے لیے بار بار یاددہانی ،میزبانِ مشاعرہ کے بجائے قمؔر وارثی نے اپنے سر لی ہوئی ہے ۔یہی نہیں بلکہ ردیفی نعتوں اور حمدوں پر مشتمل مجموعوں کی اشاعت اور مخیّر حضرات سے رابطے ،ان کی فروغِ حمد ونعت کے لیے خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔‘‘

شعورِ بے کراں:

یہ جنوری ۲۰۱۰ء سے دسمبر ۲۰۱۰ء تک سولہ (۱۶) ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پیش کیے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل سترہواں نعتیہ مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے مضمون ’’قرطاس وقلم کی خواہش‘‘ میں پروفیسر جاذؔب قریشی نے لکھا ہے:

''نعتیہ شاعری رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انام کی اُن صفات کا انتخاب کرتی ہے جو عصرِ حاضر میں بند دروازوں کو کھول سکیں، قیامِ پاکستان کے بعد نعتیہ شاعری کے حوالے سے شناخت رکھنے والے بزرگوں میں بہزاد لکھنوی، حمید صدیقی لکھنوی، یوسف ظفر، نعیم صدیقی، ماہرالقادری، جگر مراد آبادی، شمیم ملیح آبادی، حافظ لدھیانوی، ریاض مجید، خورشید آراء بیگم، منور بدایونی، اور رابعہ پنہاں کے علاوہ جن شاعروں کی پہچان نعتیہ شاعری بنی ہے ان میں حفیظ تائب، حنیف اسعدی، مظفر وارثی، سرشار صدیقی، اعجاز رحمانی، ادیب رائے پوری، قمر انجم، راجا رشید محمود، قمر وارثی، ماجد خلیل، صبیح رحمانی اور مسرور کیفی کے نام سامنے آتے ہیں۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ قمر وارثی نے جانے پہچانے لفظوں، مانوس بحروں اور غیر پیچیدہ اسلوب میں جس طرح حمد و نعت کو لکھا ہے، ایسا کم ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کا بنیادی سبب قمر وارثی کے عقیدے کی سچائی اور اظہار کے غیر مصنوعی پن کے سوا کچھ نہیں۔ قمر وارثی نے حمد و نعت کو صرف لکھا ہی نہیں بلکہ حمد و نعت کے ارتقاء کے لیے طرحی مشاعرے ''ردیف والے'' کرائے اور ان حوالوں کی تحریروں کو کتابوں میں شائع بھی کیا۔ اس سلسلے کے اب تک سولہ انتخاب شائع ہو چکے ہیں جب کہ ۲۰۱۰ء میں کہی جانے والی ردیفی نعتوں پر مشتمل نعتیہ انتخاب ''شعور بے کراں'' کے نام سے آپ کے سامنے ہے۔ اس طرح قمر وارثی نے ایک عظیم ادبی روایت سے خود کو جوڑ کر اپنی ذات کو اہم بنالیا ہے۔ دبستانِ وارثیہ کے جو مجموعے شائع ہو کر پڑھنے لکھنے والوں کے درمیان آئے ہیں

ان میں ربِّ عظیم اور رحمت اللعالمینصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشنیاں روح اور وجدان کے سفر کو آگے بڑھاتی رہیں گی جس کے حوالے سے قمر وارثی کی اہمیت میں اضافے لکھے جاتے رہیں گے۔''

چارسوسولہ (۴۱۶) صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب میں دوسو چالیس (۲۴۰) شعراء کی چھ سوستاون (۶۵۷) نعتیں شامل ہیں جنھیں پھولے پھلے، جابہ جا، چراغاں، آب وہوا، یقیں، آٹھواں پہر، ضرور، التجا، توازن، اثر، بے کراں، کے بعد، فروزاں، قبول، مقدر اور شعور جیسی شگفتہ ردیفوں کی پابندی کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے۔

خزینہء الہام:

یہ جنوری ۲۰۱۱ء سے دسمبر ۲۰۱۱ء تک پندرہ طے شدہ اورایک ذیلی ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل اٹھارہواں نعتیہ انتخاب ہے، اس انتخاب کے لیے محترم آصف اکبر (اسلام آباد) نے اپنے مضمون ''ردیفی سلسلۂ نعتیہ شاعری'' میں تحریر کیا ہے:

''لوگوں کو نئی نعتیں کہنے کی طرف راغب کرنے کے متعدد طریقے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں (۱) طرحی نعتیہ مشاعرے (۲) نئی نعت کہنے والے شاعروں کی زیادہ تحسین وآفرین اور نوعمر ہونے کی صورت میں حوصلہ افزائی (۳) اپنے زیرِ اثر شاعروں پر نئی نعت کہنے کی پابندی (۴) اچھی نئی نعتیں کہنے والے شعراء کو بزرگی (سینیارٹی) میں ترجیح وغیرہ۔

ہم نے اپنے حلقے میں ان تمام طریقوں پر کسی نہ کسی حد تک عمل کر کے یقیناً بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ اس سلسلے میں ایک جدّت سن ۲۰۰۶ء میں اس وقت ہمارے سامنے آئی، جب جناب عرشؔ ہاشمی کو کراچی میں دبستانِ وارثیہ کے دو ردیفی نعتیہ مشاعروں میں شامل ہونے اور

ان مشاعروں کے لیے دی گئی ردیفوں میں اپنی نعتیں پڑھنے کا موقع ملا۔ یہ نعتیں انہوں نے اسلام آباد کے مشاعروں میں بھی سنائیں، جن میں سے ایک کی ردیف ''تابانیاں'' اور دوسرے کی ردیف ''کیف آفریں'' تھی اور ساتھ ہی دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کا تفصیلی تعارف بھی کرایا۔ کسی بھی نئی چیز کو فی الفور مسترد کرنے کی انسانی جبلّت نے مجھے بھی اس جدّت کو رد کرنے پر اکسایا، لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو شاید عرشؔ صاحب کبھی ان ردیفوں کو استعمال کرکے ایسی منفرد نعتیں نہ کہتے ۔اس خیال نے اختلافی قلعے میں ایک بڑی دراڑ ڈال دی ۔ مزید غور وخوض کرنے پر اس سلسلے کے کئی مفید پہلو مجھ پر اجاگر ہوئے ، جنھوں نے اس اختلافی قلعے کو بالکل ہی ڈھا دیا۔ یہ پہلو کچھ یوں تھے ،(۱) مشاعرے کی ردیف نئی منفرد اور شگفتہ ہونے کی وجہ سے تقریباً تمام شاعر نئی نعت کہہ کر لاتے ہیں (۲) بحر اور قافیے کی آزادی میسر ہونے کی وجہ سے طرحی مشاعرے کی اکتا دینے والی یکسانیت نہیں ہوتی (۳) ردیف کا لفظ صفت یا اسم ہونے کی وجہ سے وسیع طور پر ایک موضوع کا تعین کر دیتا ہے، اس طرح محفلِ مشاعرہ ایک موضوعاتی محفل بن جاتی ہے جس میں موضوع کے تقریباً تمام پہلوؤں کا احاطہ ہوجاتا ہے (۴) ردیف اگر یگانہ ہو تو اسے نباہنے کے لیے شاعر کو اپنی شعری توانائی اور فکری صلاحیتوں کو پورے طور پر بروئے کار لانا پڑتا ہے ۔اس طرح فن کو مہمیز ملتی ہے اور اس پر نکھار آتا ہے (۵) ردیف کا تعین بہت پہلے ہوجانے کے سبب نعت کہنے کے لیے ایک مناسب مدت مل جاتی

ہے (۶) ردیفی مشاعرہ ایک نئی طرز کا ہونے کے باعث لوگوں کی دلچسپی کا محور ہوتا ہے۔

میں اس بات کا قائل ہوں کہ تمام بڑے کاموں کے پیچھے ایک سودائی ہوتا ہے جو اپنے جیسے دوسرے سودائیوں کو تلاش کر لیتا ہے اور پھر اپنے تن من دھن کی پوری توانائیوں کے ساتھ اس کام کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ میں نے اس دیوانے کا نام پوچھا جو بکارِ خویش بہت ہوشیار لگ رہا تھا تو مجھے پتہ چلا کہ یہ سلسلہ جناب قمرؔ وارثی کی کاوشوں سے چل رہا ہے جو خود بھی نہایت اعلیٰ درجے کے شاعر ہیں۔ گزشتہ اٹھارہ برس سے جاری اس سلسلے کے اثرات ملک کی دینی شاعری پر نمایاں طور سے مرتب ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ نعت کے ایک شاعر کی حیثیت سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ دبستانِ وارثیہ کے ردیفی نعتیہ مشاعروں کا سلسلہ پاکستان اور بیرونِ پاکستان معیاری نعتیہ اور حمدیہ شاعری کے فروغ میں اپنا کردار ادا کرتا رہے گا۔"

تین سو باون (۳۵۲) صفحات پر مشتمل اس نعتیہ انتخاب میں ایک سو ستانوے (۱۹۷) شعراء کی چھ سو چار (۶۰۴) نعتیں موجود ہیں جو آن بان، مبارک، نزول، قابل، گفتگو، رابطہ، الہام، کائنات، صدا، جھلک، خزینہ، عروج، دلکشی، تصور اور راحتیں جیسی منفرد اور شگفتہ ردیفوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہی گئی ہیں۔

گلشنِ جود و کرم:

یہ جنوری ۲۰۱۲ء سے دسمبر ۲۰۱۲ء تک ایک ذیلی اور پندرہ (۱۵) طے شدہ ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پیش کیے جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل انیسواں نعتیہ مجموعہ ہے جس کا اجمالی جائزہ پیش کرتے ہوئے الحاج صوفی شاہ محمد کمال میاں جمیلی سلطانی (سجادہ نشین دربارِ سلطانی مرکزِ روحانی) نے اپنے مضمون

’’گلشنِ جودوکرم‘‘ میں تحریر فرمایا ہے:

’’عربی اور فارسی ،عالمِ اسلام کی ابتدائی زبانیں رہی ہیں، پھر جدال وجہاد کے نتیجے میں اور کفار کے قبولِ اسلام اوراسلامی مملکت کی وسعتوں کے باعث نئی زبانیں بھی خزینۂ نعت سے مالا مال ہونے لگیں۔ اردو زبان ابتداء ہی سے اس سعادت سے بہرہ مند ہے اور گزشتہ ایک ہزار برس میں بہترین ارتقائی منازل کے ساتھ اردو زبان اور نعت کا سفر جاری رہا ہے۔ ہر چند کہ قدیم اور متوسط دور کے اردو شعراء کے یہاں بھی نعت کے بڑے اچھے کلام موجود ہیں لیکن گزشتہ دو تین دہائیوں سے جو نعت کہی جارہی ہے اس کا آہنگ کچھ مختلف ہی نہیں بلکہ نعت کی ان خصوصیات کی جانب اشارہ کرتا ہے جنھیں نعت کا تقاضا کہنا چاہیے۔ اس حوالے سے بعض اردو شعراء اور فروغِ حمد ونعت کے جذبے کے تحت کام کرنے والے کچھ ادارے بھی اپنی شناخت قائم کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں ۔اس سلسلے میں خلوصِ دل اور خلوصِ نیت سے کام کرنے والے اداروں کا جائزہ لیا جائے تو دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کا نام بھی سرِ فہرست نظر آتا ہے۔

اکثر احباب اس بات سے واقف ہوں گے کہ دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان‘نعت کے فروغ میں ردیفی نعتیہ مشاعروں کے حوالے سے نئی جہت کا بانی ہے۔یعنی طرحی مشاعرے جو صرف ردیف کی پابندی کے ساتھ منعقد ہوتے ہیں قوافی اور بحور شعراء کے ذمے۔ان مشاعروں کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ ایک سال میں کم وبیش سترہ اٹھارہ تک ردیفی نعتیہ مشاعرے منعقد

ہوتے رہے، صرف کراچی ہی میں نہیں بلکہ پاکستان کے کم از کم تین صوبوں اورصرف وفاقی دارالحکومت اسلام آباد ہی میں نہیں ، بیرونِ ملک خصوصاً مملکتِ اسلامی سعودیہ میں بھی سالانہ ردیفی نعتیہ مشاعرہ منعقد ہوتا ہے۔ یہ تو دبستانِ وارثیہ کے ردیفی نعتیہ مشاعروں کا اجمالی ذکر ہوا، لیکن اس سے بڑھ کر جو کارنامہ اس ادارے کا ہے وہ مستقل مزاجی کے ساتھ سال بھر منعقد ہونے والے ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھی جانے والی نعتوں پر مشتمل سال بہ سال مجموعوں کی اشاعت بھی ہے ۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ دبستانِ وارثیہ کی ان تمام مساعئ جلیلہ وجمیلہ کے پردے میں پُرخلوص اور پُر وقار شخصیت ، عاشقِ رسولصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور معروف شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہ فضلِ باری تعالیٰ اور بہ اذنِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہرسال عمرے کی سعادت سے مستفید ہونے والے ، جناب ارشاد حسین قمؔر وارثی ، جو بذاتِ خود اپنی ذات میں ایک بھرپور انجمن ہیں ، مزید یہ کہ ان کے فرزندِ دلبند جناب امداد حسین سحؔر وارثی بھی بہترین نعتیہ شاعری کے ذریعے دبستانِ وارثیہ کے مشاغل میں اپنے والد کے بھرپور معاون ہیں''۔

اللہ اپنی حفظ وامان میں رکھے، آمین

تین سو باون (۳۵۲) صفحات پر مشتمل اس نعتیہ مجموعے میں دوسو پچیس (۲۲۵) شعراء کی چھ سو چوّن (۶۵۴) نعتیں شامل ہیں جنھیں جودوکرم، محفل، سعادت ، بالخصوص ، انتخاب ، ضوفشاں ، حضوری ، رشتے ، کامل ، کلام ، مزیّن ، حسیں ، گلشن ، احاطہ اور خلوص جیسی خوبصورت ردیفوں سے مزّین کیا گیا ہے۔

نورانی حقیقت:

یہ جنوری ۲۰۱۳ء سے دسمبر ۲۰۱۳ء تک ، پندرہ طے شدہ اور ایک ذیلی ردیفی نعتیہ مشاعروں میں پڑھے

جانے والے نعتیہ کلام پر مشتمل بیسواں نعتیہ مجموعہ ہے۔اس مجموعے کے حوالے سے پروفیسر انوار احمد زئی (چیئر مین بورڈ آف انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن کراچی)اپنے پُر مغز مضمون ’’فروغِ نعت کی نورانی حقیقت‘‘ میں رقمطراز ہیں:

’’میرے نزدیک نعت گو شاعر تعمیلِ حکمِ ربِّ کائنات کی منزلوں میں ہوتا ہے۔جس ہستیٔ بے مثال کا ذکر بلند ہو چکا،اس کا ذکر کرنا،اُن ہی بلندیوں کا پتہ لگانا ہے اور قابَ قوسین کی رفعتوں کو اپنی بشری محدودات اور فکری مسدودات کے امکان کے باوصف استحسانِ مقامِ محمود کی مسلسل اور مقدور بھر پور کوششیں کرتے رہنے کا دوسرا نام ہے۔ایک زمانے تک نعت اور مدح کو الگ الگ معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ عرصۂ دراز تک نعت کو قدیم عربی اصطلاح میں حلیہ بیان کرنے کو کہا جاتا رہا،اس لیے نعت گو کو ناعت اور وصف نگار کو وصّاف کہتے تھے مگر جب سے نعت کو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نسبت ہوئی ،یہ سراپا ثنائے خواجہؐ کے مرادف ہوگئی ۔اسی لیے نعت دراصل کائنات کو سمجھنے کا ذریعہ بھی ہے ۔اس حوالے سے جو سخن گسترانہ بات صورتِ مقطع آن پڑی ہے وہ ہیئت سے زیادہ متن پر محیط ہے ۔ دبستانِ وارثیہ کے سلسلۂ بے بدل کے ایک مشاعرے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے غزل کی ہیئت میں نعتیں کہے جانے پر اپنی وقیع رائے کا اظہار کیا تھا جس کا مسکت جواب محترم عاصیؔ کرنالی دے چکے ہیں ،تاہم یہاں بات ہیئت سے زیادہ نفسِ مضمون کی ہے ۔جس طرح قدیم اصطلاح میں نعت ،وصف اور مدح میں امتیاز تھا ، اسی طرح بعد میں نعت

کے تعلق سے جو بات تسلیم کی جا چکی ہے وہ کا ملتاً اور خالصتاً وصفِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بیان اور شانِ رسالت مآب کے اظہار کی مقدور بھر کاوش ہے ۔مگر نعت کے سر نامے کے تحت کہیں کہیں وارداتِ قلبی، محاکات ، کیفیات اور دلی جذبات ومحسوسات کا اظہار بھی کیا جاتا ہے، اسے مرادی اعتبار سے ہی نعت سمجھنا مناسب ہوگا ۔اس نزاکت کو سمجھنے کے لیے میرے نزدیک قمر وارثی اوران کے قابلِ قدر، قابلِ فخر اور قابلِ رشک ساتھیوں کی اس تنظیم سے استفادہ کی ضرورت ہے جسے دبستانِ وارثیہ فاؤنڈیشن کا نام دیا گیا ہے اور اس تنظیم نے بیس سال سے مسلسل ایک ایسی پُر شکوہ فکری عمارت تخلیق کی ہوئی ہے، جس کے در وبام سے حمد ونعت کی روح پرور صدائیں اور ایمان افروز خوشبوئیں مشامِ جاں کو معطر ومعنبر کیے جارہی ہیں۔ یہ کام دیوانوں ہی سے ہوسکتا ہے، فرزانے اس مقامِ فنا سے دور رہ کر ساحل سے تماشا کیا کرتے ہیں ۔اس شان سے ، التزام سے ، اہتمام سے اور احترام سے حمدیہ ونعتیہ مشاعروں کا انعقاد بغیر عشق کی چنگاری کے، وارفتگی کے نور اور آگہی وشعور کے ممکن ہی نہیں ہے ۔تسلسل اور تواتر کے علاوہ ندرت اور خلاقیٔ جہت کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جانا قدرِ بالا کا متقاضی ہے جس کا حوالہ یہ ہے کہ یہ نعتیہ مشاعرے طرحی بھی ہیں اور نہیں بھی ہیں ۔نہیں اس لیے کہ اس میں مصرع طرح کی بجائے صرف ردیف کی پابندی ہوتی ہے ۔بحور، قوافی، اسالیب اور انداز کی مکمل آزادی شاعر کے طائرِ فکر کو وسیع جولانگاہ نیز آفاق ہائے دگر سے نوازتی ہے اور طرحی اس لیے کہ یہ انداز

بجائے خود طرحِ نَو، طرحِ جدا اور طرحِ بے طرح سے عبارت ہے۔ ایک زمانہ تھا جب مشاعروں کا مزاج ، ماحول ،مقصود اور مطلوب ،آج کے اِلّا ماشاء اللہ مشاعروں سے بالکل جدا ، بہت اعلیٰ ،حقیقی طور پر ارفع اور مقصد یت کے اعتبار سے استحسانی ،انتقادی اور بڑی حد تک نَو واردانِ عالم امکاں اور طالبانِ دنیائے ادب کے لیے اساسی اور نصابی ہوتا تھا۔اب جبکہ نہ وہ عشاقِ ادب رہے، نہ وہ شمع فکر وفہم کے پروانے ۔اس کے باوجود اس کشا کش، ابتلا اور بے ادبی کی فضا میں برادرِ مکرم ومحترم قمر وارثی ، نے چراغِ علم وحکمت جَلا رکھا ہے اور شمعِ رسالت کے پروانوں کو جلا رکھا ہے۔‘‘

تین سو اڑسٹھ (۳۶۸) صفحات پر مشتمل اس نعتیہ مجموعے میں دوسو چار (۲۰۴) شعراء کی چھ سو ایک (۶۰۱) نعتیں شامل ہیں جو شیر وشکر ، غلامی ،اصول ،محور ،مطمئن ،قرینہ ،مثالی ،سُکوں ،آ ہٹیں، گلاب، نورانی ،حقیقت ،زمیں ،حرف ونوا اور عیاں جیسی خوبصورت اور شگفتہ ردیفوں سے سجائی گئی ہیں۔

خاص بات:

دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کی تیسری نعتیہ پیشکش ’’آب وتابِ رنگ ونور‘‘ کی اشاعت میں شامل پروفیسر آفاق صدیقی مرحوم نے اپنے مضمون ’’جلوہ بہ جلوہ آب وتاب‘‘ میں تحریر کیا تھا کہ :

’’ردیفوں کے حوالے سے نعتیہ مشاعروں کے ساتھ ساتھ دبستانِ وارثیہ کے زیرِ اہتمام باقاعدگی سے حمدیہ مشاعروں کا انعقاد بھی ہونا چاہیے۔ سال میں اگر تین مشاعرے بھی ایسے ہوجائیں تو حمدِ ربِّ جلیل پر مشتمل مجموعہ بھی آسانی سے مرتب ہوسکتا ہے۔‘‘

اراکینِ دبستانِ وارثیہ نے پروفیسر آفاق صدیقی مرحوم کے اس پُر خلوص مشورے پر سنجیدگی سے غور کیا مگر اس سے پہلے کہ حمدیہ مشاعروں کا الگ اہتمام کیا جاتا، اللہ ربّ العزّت نے ردیفوں کے حوالے

سے منعقد ہونے والے نعتیہ مشاعروں ہی میں اس کمی کو اس طرح پورا فرما دیا کہ نعت کے لیے دی جانے والی ردیف کے ہر مشاعرے میں چند شعراء حضرات ازخود اسی ردیف میں حمد بھی کہنے لگے۔ اس سلسلے میں بنیادی کردار ممتاز شاعر سجاد سخنؔ مرحوم نے اس وقت ادا کیا جب انہوں نے ۱۹۹۴ء میں چھٹے نعتیہ مشاعرے کے موقع پر ''کرن'' کی ردیف میں چار حمدیہ قطعات پیش کیے۔اس پیش کش کا سب سے پہلے جن شعراء نے اثر قبول کیا، ان میں شفیق الدین شارق مرحوم، عارف منصورؔ، عزیز الدین معینی اور راقم الحروف شامل ہیں۔ایک تسلسل کے ساتھ اس سلسلے کا رجحان بڑھنے کے باعث فیصلہ کیا گیا کہ ہر نعتیہ مشاعرے میں پڑھی جانے والی ردیفی حمدوں کو الگ محفوظ کیا جائے اور ہر سال نعتیہ انتخاب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ہر پانچ سال بعد ردیفی حمدیہ انتخاب کی اشاعت کو بھی عملی شکل دی جائے۔ پانچ سال کے اختتام پر نعت کے لیے دی جانے والی ردیفوں کا ایک چارٹ تیار کیا گیا جس کے تحت انہی ردیفوں پر شعراء کرام کو حمد کہنے کی دعوت دی گئی۔ یہ انتہائی خوش آئند بات ہے کہ بیشتر شعراء حضرات نے اس پیشکش کو اس قدر قابلِ ذکر حد تک قبول کیا کہ تین سو سے زائد حمدوں پر مشتمل پہلا ردیفی حمدیہ انتخاب ''مالکِ ارض وسماء'' کے نام سے جولائی ۱۹۹۹ء میں شائع کیا گیا۔اس طرح بیس سال میں چار ردیفی حمدیہ انتخاب (۱) مالکِ ارض وسماء (۲) ربِّ خیرالبشر (۳) قادر وقیوم ذات (۴) عرفانِ ربِّ کائنات شائع کیے گئے۔ یہ ردیفی حمدیہ انتخاب کئی اعتبار سے اہمیت وانفرادیت کے حامل ہیں۔اوّل یہ کہ ان حمدیہ مجموعوں میں شامل تمام حمدیں نعت کے لیے دی جانے والی ردیفوں پر کہی گئی ہیں، دوئم یہ کہ ان حمدیہ مجموعوں کو عام حمدیہ انتخاب کی طرح مختلف زبانوں کے شعراء کی ایک ایک حمد لے کر مرتب نہیں کیا گیا بلکہ یہ موجودہ دور کے شعراء کی ایسی حمدوں پر مشتمل ہیں جنھیں خاص اہتمام کے ساتھ تخلیق کیا گیا ہے اور سوئم یہ کہ ان حمدیہ مجموعوں میں کہنہ مشق بزرگ شعراء کرام، حمد ونعت کے حوالے سے عصرِ حاضر کے معروف شعراء اور بالخصوص نئی نسل کے نوجوان شعراء کا

تازہ کاری سے مزیّن حمدیہ کلام شامل ہے۔اس طرح یہ اندازہ بھی آسانی سے کیا جاسکتا ہے کہ حمد گوئی کے باب میں دورِ حاضر کے شعراء کا فکری رجحان کیا ہے۔ دبستانِ وارثیہ کے زیرِ اہتمام اب تک شائع ہونے والے چاروں حمدیہ مجموعوں کا اجمالی خاکہ پیشِ خدمت ہے۔

مالکِ ارض وسماء:

یہ جولائی ۱۹۹۴ء سے دسمبر ۱۹۹۸ء تک نعت کے لیے دی جانے والی ردیفوں پر منعقدہ مشاعروں میں پڑھی جانے والی حمدوں پر مشتمل پہلا حمدیہ انتخاب ہے۔اس حمدیہ انتخاب کے پیش لفظ میں نوابزادہ افتخار احمد عدنی مرحوم ''لقائے خالقِ دوسرا'' کے عنوان سے لکھا ہے:

> ''شاعر کو شاعر کا وجدان عرفانِ حق کی راہ دکھاتا ہے لیکن اس کے لیے چند شرائط ہیں۔سب سے پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ واقعی شاعر ہو،صرف قافیہ پیمائی کے زور پر انحصار نہ کرتا ہو، دوسرے یہ کہ وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو کسی تحریک یا جماعت کے اہداف کے حصول کے لیے یا معاشرے کے روحانی استحصال کی خاطر یا کسی ذاتی منفعت کی غرض سے استعمال نہ کرے۔بحمداللہ دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کے مشاعروں میں شرکت کرنے والے شعراء صرف اخلاص کی بنا پر اپنا ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اس لیے بارگاہِ رسالتصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم نے نعت کے گلدستے پیش کرنے والے شعراء کو حمدِ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ کردیا اور حمدیہ مشاعروں کے خصوصی اہتمام کے بغیر ہی نعت کی ردیفوں میں خود بہ خود حمد کہنے کا اشتیاق ظہور پذیر ہوا، اور اتنی حمدیں ہوگئیں کہ ان کی اشاعت کے لیے ''مالکِ ارض وسماء'' کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب شائع کی گئی ہے۔''

تین سو باون (۳۵۲) صفحات پر مشتمل اس حمدیہ انتخاب میں چونتیس (۳۴) شعراء حضرات کی تین سو

(۳۰۰) حمدیں شامل ہیں جو ساٹھ (۶۰) مختلف ردیفوں میں کہی گئی ہیں۔

ربِّ خیرالبشر:

یہ جنوری ۱۹۹۹ء سے دسمبر ۲۰۰۳ء تک نعت کے لیے دی جانے والی ساٹھ (۶۰) مختلف ردیفوں پر منعقدہ مشاعروں میں پڑھی جانے والی حمدوں پر مشتمل دوسرا حمدیہ انتخاب ہے۔ممتاز قلم کار اختر حامد خاں مرحوم نے اس کتاب میں شامل اپنے مضمون ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن'' میں لکھا ہے:

''اسلامی تہذیب خاصی پرانی ہے، خیر سے ۱۴۰۰ سال پرانی، اس عرصے میں اس میں بڑی بڑی تبدیلیاں آئیں شروع کا معاشرہ تقریباً تیس سال، سادہ تھا۔قرآن اور اسوۂ حسنہ کا پابند، پھر خانہ جنگی ہوئی اور فتنہ وفساد، اس کے بعد اموی وعباسی آمریت اور بادشاہت کا دور۔اصحابؓ کے زمانے میں ۱۰۱ ھ تک حمد اور سلام کی الگ محفلیں نہیں تھیں، وہ لوگ نماز، روزے، حج، زکوٰۃ اور جہاد کو ہی دین سمجھتے تھے۔تمام عبادات اور معالات میں ان کے لیے رسولِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مقبول کا طریقہ (اسوۂ حسنہ) کافی تھا۔بعد میں جب تہذیب وتمدن میں نئے اثرات سے معاشرے میں مختلف قسم کے تکلفات درآئے، جیسے محفلِ نعت، میلاد شریف، ماتم، مرثیے، نذر و نیاز، قبر پرستی اور عرس وغیرہ تو ہمارے ہندی معاشرے میں شعروشاعری، قوالی جیسی تقاریب مقبول ہوئیں۔ بھائی قمر وارثی اور ان کا ادارہ ''دبستانِ وارثیہ'' مبارک باد کے مستحق ہیں کہ وہ بڑے اہتمام سے نہ صرف حمد ونعت کی محفل سجاتے ہیں بلکہ شعراء کا قابلِ قدر کلام شائع بھی کرتے ہیں۔اس حوالے سے قمروارثی نے اپنی نئی ترتیب ''ربِّ خیر البشر'' میں شامل حمدیں مجھے

پڑھنے کو دیتے ہوئے کچھ لکھنے کے لیے بھی کہا۔ ان حمدوں کو میں نے غور سے پڑھا۔ مجھے بہت سے اشعار اچھے اور کچھ بہت اچھے لگے۔ میری دعا ہے کہ قمر وارثی اور ان کے ادارے ''دبستانِ وارثیہ'' کو اللہ پاک پہلے سے زیادہ ادب اور دین کی خدمت کی صلاحیت عنایت فرمائے، آمین''

تین سو بارہ (۳۱۲) صفحات پر مشتمل اس حمدیہ انتخاب میں باون (۵۲) شعراء کی چار سو بارہ (۴۱۲) حمدیں شامل ہیں جو دوسرے پانچ سال میں دی گئی ساٹھ مختلف ردیفوں کے اہتمام سے تخلیقی عمل کا حصہ بنی ہیں۔

قادر وقیوم ذات:

یہ جنوری ۲۰۰۴ء سے دسمبر ۲۰۰۸ء تک نعت کے لیے دی جانے والی ساٹھ سے زائد ردیفوں پر منعقدہ مشاعروں میں پیش کی جانے والی ردیفی حمدوں پر مشتمل تیسرا حمدیہ مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں شامل حمدوں کا جائزہ لیتے ہوئے معروف شاعر ادیب جناب عارف منصوؔر نے اپنے مضمون ''منظوم عبادت'' میں تحریر کیا ہے:

''فنونِ لطیفہ میں شاعری وہ فن ہے جس پر انسانی حسیات کو چھیڑنے اور انسانوں میں اعلیٰ انسانی اقدار کو فروغ دینے کا فرض عائد ہوتا ہے اور شاعری میں حمد ونعت وہ بنیادی موضوع ہیں جو ابتداء ہی سے انسان کو اپنے خالق سے قربت عطا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ حمد کے لیے عجز وانکساری، کم مائیگی، کج فہمی اور ناقص عقلی وبیانیہ صلاحیتوں کا اعتراف بہت ضروری ہے۔ یہی وہ بنیادی اجزاء ہیں جو انسان کو اللہ کی تعریف کے بعد مناجات پر مائل کرتے ہیں اور انسان اپنے روحانی سفر پر روانہ ہو کر سکونِ قلب اور اطمینان کی نئی منزلوں سے آشنائی حاصل کرتا ہے۔ اردو شاعری کا دامن حمد ونعت

سے مالا مال ہے، چاہے ابتدائی دکنی مثنویاں لے لیں یا بعد میں غزلیہ انداز میں ربِّ کریم کا ذکر، ہردور میں شعراء نے اپنے رب کے حضور نذرانۂ عبودیت خوبصورت اشعار کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ہرطرف سے دوسری شاعری کے ساتھ ساتھ حمد ونعت کے حوالے سے بھی قابلِ قدر کام سامنے آرہا ہے۔ایسے ہی قابلِ قدر کام کے امین دبستانِ وارثیہ کے جناب قمؔر وارثی ہیں جن کی کاوشوں سے زیرِ نظر کتاب ''قادر وقیوم ذات''حمدیہ گلدستوں کی روایت کوآگے بڑھانے کی سعیٔ مشکور کے طور پر سامنے آئی ہے۔ایک محتاط انداز کے مطابق اس میں پچاس سے زائد شعراء کا حمدیہ کلام جگہ پاسکا ہے جن کے حمدیہ کلام میں روانی اور عام فہم لہجہ ہونے کے علاوہ قرآنی احکامات اوراحادیث کے حوالے کثرت سے بیان کیے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ حمدیہ گلدستہ قابلِ تحسین ہے اور دبستانِ وارثیہ کے اراکین عام طور پراور جناب قمؔروارثی خاص طور پراس کی اشاعت پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی کوششوں کو قبول کرے اورآئندہ ایسی جدوجہد کے لیے حوصلہ اور وسائل عطا کرے،آمین۔''

تین سو اٹھائیس (۳۲۸) صفحات پر مشتمل اس حمدیہ گلدستے میں تریسٹھ (۶۳) شعراء کی پانچ سو (۵۰۰) حمدیں شامل ہیں جو تیسرے پانچ سال میں دی گئی ساٹھ سے زیادہ ردیفوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہی گئی ہیں۔

عرفانِ ربِّ کائنات:

یہ جنوری ۲۰۰۹ء سے دسمبر ۲۰۱۳ء تک نعت کے لیے دی جانے والی پچھتّر (۷۵) ردیفوں پر منعقدہ مشاعروں میں پڑھی جانے والی ردیفی حمدوں پر مشتمل چوتھا حمدیہ انتخاب ہے۔ ڈاکٹرعزیز احسن نے

اس مجموعے میں شریک تمام حمد گو شعراء کے کلام کا فرداً فرداً جائزہ لیتے ہوئے اوران کے کلام سے خوبصورت اشعار کا انتخاب پیش کرتے ہوئے اپنے مضمون ''عرفان ربِّ کائنات میں تحریر کیا ہے:

''دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کی طرف سے پچھلے پانچ برسوں میں پچھتر (۷۵) ردیفیں مقرر کی گئی تھیں۔ان تمام ردیفوں کا اطلاق نعت پر ہوتا ہے، لیکن کچھ شعراء نے انہی ردیفوں میں ''حمدیہ شاعری'' بھی کی ہے۔اسی لیے چوتھی پنج سالہ مدت کی تکمیل پر اب تک ردیفی حمدیہ مجموعوں کی تعداد چوتھے نمبر تک پہنچ گئی ہے۔واضح کردوں کہ قمر وارثی کے حکم کی تعمیل میں، میں نے ''عرفانِ ربِّ کائنات'' کے مسودے کا بڑی عجلت میں مطالعہ کیا ہے۔حمد ونعت کے مطالعات میں میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ کچھ نہ کچھ نئے زاویے اور کچھ نہ کچھ تنقیدی نکات پیش کروں۔ گوکہ وہ زاویے اور نکات صرف شعرِ عقیدت کے ضمن میں نئے لگتے ہیں،عام ادبی تنقید میں شعری پرکھ کے بہت سے نئے زاویے اور تنقیدی نکات پہلے ہی رواج پا چکے ہیں۔شعراء جب حمدیہ شاعری کرتے ہیں تو ان کے سامنے اگر اپنے مسائل ہوں تو وہ دعا،یا مناجات کا انداز اپناتے ہیں۔ اگر کائنات کی تخلیق کے حوالے سے خالق کی عظمتوں کی طرف دھیان جائے تو اشیائے کائنات کے جزوی ذکر کے ساتھ خالق کی عظمت کا اعتراف شعروں میں ڈھل جاتا ہے اوراگر خالق کی طرف سے مخلوق کو ملنے والی نعمتوں پر شکر کرنے کا جذبہ غالب ہوتو جذباتِ تشکر شعری متن میں ڈھلتے ہیں۔آفاق کی طرف توجہ کرنے سے مادّی اشیاء کی تخلیق کا ذکر کیا جاتا ہے اور انفس کی سیر کرتے

ہوئے شاعر اپنی ذات میں جھانک کر خالق کی موجودگی کا ادراک کرتا ہے۔ اس طرح شاعری میں صوفیانہ جذبے وسرشاری کے عوامل داخل ہو جاتے ہیں۔

کسی بھی مشاعرے میں شریک ہونے والے شعراء کا معیارِ سخن اور مبلغ علم کبھی یکساں نہیں ہوتا، اس لیے جب مشاعروں میں شریک شعراء کی اجتماعی کاوشوں کو منظرِ عام پر لانے کا خیال آتا ہے تو اچھے اور کم اچھے اشعار مجموعے میں شامل کرنے پڑتے ہیں۔ اس لیے دبستانِ وارثیہ کے کار پردازوں کی طرف سے ''عرفانِ ربِّ کائنات'' کی پیشکش کو ''انتخاب'' کی حیثیت سے نہیں، بلکہ مشاعروں میں شریک شعراء کی لازمی نمائندگی کی ضرورت کے طور پر دیکھا جائے۔ میں نے البتہ جو انتخاب اپنے مضمون میں پیش کیا ہے اس کے معیار کے حوالے سے میں ایک حد تک مطمئن ہوں اور اتنا کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں کہ چوتھی پنج سالہ مدت پوری ہونے پر ''دبستانِ وارثیہ'' کا جو مجموعہ منصۂ شہود پر آ رہا ہے، اس کا بیشتر کلام شعری اور شرعی معیار پر پورا اترتا ہے۔''

تین سو چھہتر (۳۷۶) صفحات پر مشتمل اس مجموعۂ حمد میں باسٹھ (۶۲) شعراء کی پانچ سو نو (۵۰۹) حمدیں شامل ہیں جو چوتھے پانچ سال میں دی گئی چھہتّر میں سے چھیاسٹھ (۶۶) ردیفوں سے سجائی گئی ہیں۔

دبستانِ وارثیہ کراچی پاکستان کی بیس سالہ کارکردگی ایک نظر میں:

۱۹۹۴ء سے ۲۰۱۳ء تک بیس سال میں کُل ردیفیں دی گئیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۲۷۱

۱۹۹۴ء سے ۲۰۱۳ء تک بیس سال میں کل طے شدہ مشاعرے منعقد ہوئے ۔۔۔۔۔۔۔۲۷۱

۱۹۹۴ء سے ۲۰۱۳ء تک بیس سال میں کل ذیلی مشاعرے منعقد ہوئے --------۱۷

۱۹۹۴ء سے ۲۰۱۳ء تک بیس سال کے دوران شریک شعراء کی تعداد --------۴۲۸

۱۹۹۴ء سے ۲۰۱۳ء تک بیس سال میں کل ردیفی حمدیں تخلیق کی گئیں --------۱۷۲۱

۱۹۹۴ء سے ۲۰۱۳ء تک بیس سال میں کل ردیفی نعتیں تخلیق کی گئیں --------۱۵۹۴

۱۹۹۴ء سے ۲۰۱۳ء تک بیس سال میں کل ردیفی حمدیہ مجموعے شائع کیے گئے ------۴

۲۹۹۴ء سے ۲۰۱۳ء تک بیس سال میں کل ردیفی نعتیہ مجموعے شائع کیے گئے -----۲۰

بیس سال میں شائع شدہ ردیفی حمدیہ اور نعتیہ کتب کی تفصیل ایک نظر میں:

نمبر شمار	کتاب کا نام	موضوع	سنِ اشاعت	صفحات	ہدیہ
۱)	مالکِ ارض وسماء	حمد	۱۹۹۹ء	۳۵۲	۱۹۰/ روپے
۲)	ربِّ خیرالبشر	حمد	۲۰۰۴ء	۳۱۲	۲۲۰/ روپے
۳)	قادر وقیوم ذات	حمد	۲۰۰۹ء	۳۲۸	۳۰۰/ روپے
۴)	عرفانِ ربِّ کائنات	حمد	۲۰۱۴ء	۳۷۶	۳۵۰/ روپے
۵)	خوشبو سے آسماں تک	نعت	۱۹۹۵ء	۲۵۶	۹۰/ روپے
۶)	جلوے حیات آراستہ	نعت	۱۹۹۶ء	۲۸۸	۱۲۰/ روپے
۷)	آب وتابِ رنگ ونور	نعت	۱۹۹۷ء	۳۰۴	۱۴۰/ روپے
۸)	جمال اندر جمال	نعت	۱۹۹۸ء	۳۰۴	۱۵۰/ روپے

۹)	مہکا مہکا حرف حرف	نعت	۱۹۹۹ء	۳۲۰	۱۸۰/روپے
۱۰)	روشن گلیاں جھلمل کوچے	نعت	۲۰۰۰ء	۳۵۲	۲۰۰/روپے
۱۱)	کرم عطا شرف نصیب	نعت	۲۰۰۱ء	۳۵۲	۲۲۰/روپے
۱۲)	وابستگی	نعت	۲۰۰۲ء	۳۰۴	۲۲۰/روپے
۱۳)	رفعتیں	نعت	۲۰۰۳ء	۳۳۶	۳۴۰/روپے
۱۴)	منزلِ آگہی	نعت	۲۰۰۴ء	۲۵۶	۲۰۰/روپے
۱۵)	تجلّیاں	نعت	۲۰۰۵ء	۳۶۸	۲۵۰/روپے
۱۶)	آپؐ سراپا نور	نعت	۲۰۰۶ء	۴۶۴	۲۶۰/روپے
۱۷)	کیف آفریں تابانیاں	نعت	۲۰۰۷ء	۴۰۸	۲۶۰/روپے
۱۸)	شگفتہ ہی شگفتہ	نعت	۲۰۰۸ء	۳۳۶	۳۰۰/روپے
۱۹)	سرمایۂ روحانیت	نعت	۲۰۰۹ء	۳۳۶	۳۰۰/روپے
۲۰)	مقدس نکہتیں	نعت	۲۰۱۰ء	۳۳۶	۳۰۰/روپے
۲۱)	شعورِ بے کراں	نعت	۲۰۱۱ء	۴۱۶	۳۵۰/روپے
۲۲)	خزینۂ الہام	نعت	۲۰۱۲ء	۳۵۲	۳۰۰/روپے
۲۳)	گلشن جودوکرم	نعت	۲۰۱۳ء	۳۹۲	۳۵۰/روپے
۲۴)	نورانی حقیقت	نعت	۲۰۱۴ء	۳۶۸	۳۵۰/روپے

ڈاکٹر عزیز احسن۔کراچی

انور شعور کا شعرِ عقیدت!

شعری جمالیات سے واقف اور احساسات کو الفاظ میں موزوں کرنے سے آگاہ شعراء جب کسی مخصوص موضوع کو شعری بنت میں لاتے ہیں تو وہ ان شعراء سے ہمیشہ ممتاز نظر آتے ہیں جو محض جذبات کی ملفوظی تشکیل کر کے اپنا تخلیقی رویہ ظاہر کرتے ہیں۔نعتیہ شاعری میں چوں کہ کائنات کی واحد محبوب ہستی جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور مودت کا اظہار کیا جاتا ہے اور اسی ذیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ صوری اور جمالِ معنوی یعنی اسوہء حسنہ کو شعری متن میں ڈھالا جاتا ہے اس لیے اس متعین موضوع کے شعری اظہار میں بھی وہی شعراء زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں جن کی مشق ،مشاہدہ اور شعر گوئی کا تجربہ، خاطر خواہ حد تک پختگی کی حدود میں داخل ہو چکا ہو۔

اس وقت انور شعور صاحب کی نعتیہ شعری تخلیقات کے کچھ نمونے میرے پیشِ نظر ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان کی تخلیقی دانش کے تناظر میں موضوعاتی شعری کاوشوں کا کچھ احوال قلم بند کرسکوں۔

جیسا کہ ٹی ایس ایلیٹ نے کہا ہے کہ شاعری کو محض شاعری کے طور پر قبول کرنا چاہیے کسی اور حیثیت سے نہیں۔ چنانچہ میں بھی نعتیہ شاعری کو محض موضوع کی عظمت کے حوالے ہی سے نہیں بلکہ موضوع کی عظمت کے ادراک کے ساتھ ساتھ شعری جمالیات سے شاعر کی آگاہی کے آثار بھی دیکھتا ہوں۔

اس ذیل میں انور شعور کا شعرِ عقیدت میری خاص توجہ کا مرکز بنا ہے۔ وہ شاعری کی مقتضیات سے آگاہ بھی ہیں کیوں کہ ایک مدت سے غزل کہہ رہے ہیں اور اس میدان میں اپنی ایک ساکھ قائم کر چکے ہیں۔

مشقِ سخن کے ساتھ ملی درد،حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت اور امت کی بے عملی کے مشاہدے نے انہیں نعتیہ شاعری کی طرف مائل کیا ہے اور اس طرف آتے ہوئے انہوں نے کچھ کھری کھری باتیں، بڑے دل نشین انداز میں کہہ دی ہیں مثلاً:

کب مانتے ہیں کوئی ہدایت حضور کی

پھر بھی ہمارا خواب، شفاعت حضور کی

اس مطلع میں انور شعور نے وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو امتِ مسلمہ کے خوابیدہ ضمیر کو جگانے کے لیے ضروری ہے۔اس میں ہلکا سا طنز بھی ہے لیکن یہ طنز نہ تو مبالغے کی حدود کو چھو رہا ہے اور نہ ہی اس میں شاعر نے اپنے آپ کو قوم کے اجتماعی دھارے سے الگ تھلگ ظاہر کیا ہے۔ بلکہ ''ہمارا خواب'' کہہ کر اس نے خود کو بھی اس گروہ میں شامل کرلیا ہے جو التباس کا شکار ہے۔قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیا ہے ''وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ ....اور......دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آپہنچا''۔(الحدید۵۷......آیت۱۴)۔حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں''یہاں منافقین کی ان خصلتوں کا ذکر ہورہا ہے جو ان کی تباہی کا باعث بنیں۔ہمیں بھی چاہیے کہ ان کلمات میں سنجیدگی سے غور کریں اور پھر اپنا جائزہ لیں کہ کہیں منافقین کی ان خصلتوں کی کوئی خصلت ہم میں تو نہیں پائی جاتی؟''۔

شعر میں پیرایۂ صدق اختیار کرتے ہوئے، تلمیحی حوالوں سے شعر کو بوجھل بنائے بغیر انور شعور نے اتنی اہم بات بڑی سادگی سے یعنی''سہلِ ممتنع'' میں کہہ دی ہے کہ صرف یہی ایک شعر سامعین کے دل میں گھر کر جائے اور انہیں جھوٹی امیدوں سے نجات دلا کر عمل کی وادیوں میں پہنچادے تو شاعر اور سامع دونوں کا کام بن جائے۔نعتیہ شاعری میں اسلوب اور مافیہ دونوں ہی دیکھے جاتے ہیں۔اس

شعر کا اسلوب بھی شاعرانہ ہے اور مافیہ (content) بھی عبرت انگیز! ....شفاعت طلبی کے لیے بے عمل امتیوں کا رویہ اگر کسی ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ لفظ ''خواب'' کے علاوہ اور کونسا ہوسکتا ہے؟............ پھر بھی ہمارا خواب............ کہہ کر انور شعور نے شعر میں لفظ کی حرمت کے گہرے شعور کی حرارت منتقل کردی ہے۔

''رحمتِ تمام صلی اللہ علیہ وسلم'' والی نظم ملی درد سے مملو ہے اور بیان کی سادگی میں طرفگی اور پرکاری کا عنصر بدرجہء اتم موجود ہے۔

انور شعور نے اپنے شعرِ عقیدت میں اس بات کا بھی اظہار کردیا ہے کہ یہ شاعری موضوع کی نزاکت کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہم احتیاط سے رکھتے ہیں اس دھنک پہ قدم
زمینِ نعت ہماری، کلام ان کا ہے

''محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان سے لکھی گئی نعتیہ نظم پوری کی پوری نقل (qoute) کردینے کے قابل ہے۔لیکن صرف آخری چار مصرعے دیکھیے ۔کس خوبصورتی سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف امت کی توجہ دلائی گئی ہے:

سروں کی بھیڑ میں انسان ڈھونڈنے والو
جمالیات کے ایوان ڈھونڈنے والو
نظر اٹھا کے تو دیکھو! جمال سامنے ہے
محمدِ عربی کی مثال سامنے ہے

اگلے صفحات میں انور شعور کے شعرِ عقیدت کے چند خوبصورت نمونے پیش کیے جارہے ہیں جو تعارف کے لیے میری تمہیدی تحریر سے قطعاً مستغنی ہیں ۔لیکن میں نے اپنی سعادت جانی کہ اس شعری

اندوختے کونعت رنگ کی زینت بناتے ہوئے چند نکات کی طرف اشارے کردوں!!!

(انور شعور۔ نعتیں)

صلی اللہ علیہ وسلم

جو لوگ آج محمدؐ کا نام لیتے ہیں
تپاک بلکہ تفاخُر سے کام لیتے ہوئے
کبھی یہ لوگ گریباں میں جھانک کر دیکھیں

تو شرم آئے محمدؐ کا نام لیتے ہوئے

ﷺ

دکھ دیئے ہر برس، ہر مہینے مجھے
کب سنبھلنے دیا زندگی نے مجھے

اور دیتی نہیں زہر پینے مجھے
میرے مولا بلا لو مدینے مجھے

عقل کے مشورے دل نہیں مانتا
جانتا ہوں مگر کچھ نہیں جانتا

بے خبر کردیا آگہی نے مجھے
میرے مولا بلا لو مدینے مجھے

میرے جان وجگر، میرے محبوب لوگ
ہیں سبھی اپنی اپنی جگہ خوب لوگ

مرنے دیتے ہیں ظالم نہ جینے مجھے
میرے مولا بلا لو مدینے مجھے

خود گواہی جو ہیں میرے ایثار کی
جن سے اُمید رکھتا ہوں میں پیار کی

تان کر وہ دکھاتے ہیں سینے مجھے
میرے مولا بلا لو مدینے مجھے

وقت ہے کشمکش اور پہچان کا
ڈر نہیں ناخداؤں کو طوفان کا

غرق کردیں نہ اپنے سفینے مجھے
میرے مولا بلا لو مدینے مجھے

دوسرے مہرباں ہوں کہ انورؔ شعور
نام کس کس کے گنوائے یہ ناصبور

خوش کیا ہے بہت ہر کسی نے مجھے
میرے مولا بلا لو مدینے مجھے

ﷺ

کب مانتے ہیں کوئی ہدایت حضورؐ کی
پھر بھی ہمارا خواب ،شفاعت حضورؐ کی

ظاہر میں تھا تضاد نہ باطن میں تھا تضاد
پیشِ نظر ہے خلوت وجلوت حضورؐ کی

اپنے کو آدمی کے سوا کچھ نہیں کہا
یہ عجز و انکسار ہے عظمت حضورؐ کی

شاہِ عرب کے پیٹ پہ پتّھر بندھے ہوئے
دیکھے تو کوئی طرزِ معیشت حضورؐ کی

چاروں طرف سے بادِ مخالف کا سامنا
ہے سخت مشکلات میں اُمّت حضورؐ کی

اسلام کو تو بانٹ چکے مَسلکوں میں ہم
قرآن رہ گیا ہے امانت حضورؐ کی

ہوں گے ضرور حاضرِ دربار ہم شعورؔ
ہر اُمّتی کا حق ہے زیارت حضورؐ کی

صلی اللہ علیہ وسلم

اے رحمتِ تمام توجّہ کا ہے مقام — رہتے ہیں ابتلا و اذیّت میں خاص و عام
کٹتی ہے عافیت سے ہماری سحر نہ شام — ناقابلِ قیاس موانع ہیں گام گام
اے رحمتِ تمامؐ
سونے کے مول ہو گئی مٹّی، خدا کی شان — مہنگائی لے رہی ہے شب و روز امتحان
سَستی ہے کوئی شے تو فقط آدمی کی جان — آبادیوں میں تیغِ تشدّد ہے بے نیام
اے رحمتِ تمامؐ

دیہات ہوں کہ شہر، کہاں ظلم کم کہیں　　اپنی زمین پر نہیں محفوظ ہم کہیں

چلتی ہیں گولیاں کہیں، پھٹتے ہیں بم کہیں　　اِس فتنہ و فساد سے ہے زندگی حرام

اے رحمتِ تمامؐ

انسان ہوگیا ہے فقط ذات کا اسیر　　سود و زیاں کا صید، حسابات کا اسیر

اغراض کا غلام ، مفادات کا اسیر　　دنیا میں رہ گیا ہے خلوص و وفا کا نام

اے رحمتِ تمامؐ

ہم کیوں ترس رہے ہیں نشاط و سرور کو　　معلوم ہے ہماری کہانی حضورؐ کو

ہمّت کہاں کلام کی انور شعورؔ کو　　فرمایئے قبول یہ نذرانۂ سلام

اے رحمتِ تمامؐ

ﷺ

رکھتا ہے شوقِ شربتِ دیدار آپؐ کا　　یہ رند آپؐ کا ، یہ گنہگار آپؐ کا

رہتا ہے انتظار میں مشغول رات دن　　بے روزگار آپؐ کا ، بے کار آپؐ کا

یہ بے قرار شخص ، یہ بے اختیار شخص　　مشتاقِ التفات ہے سرکار آپؐ کا

اس گردش مدام میں جینا عذاب ہے　　حاصل نہ ہو جو سایۂ دیوار آپؐ کا

مانا کہ ہے شعور کو آوارگی کا شوق　　جاتا نہیں کہیں یہ گرفتار آپؐ کا

ﷺ

وظیفہ روز و شب و صبح و شام انؐ کا ہے　　خطاب انؐ کا، لقب انؐ کا، نام انؐ کا ہے

ہم انتظار کیے جائیں گے حضوری کا　　بلائیں یا نہ بلائیں، یہ کام انؐ کا ہے

کوئی جگہ، کوئی گوشہ تہی نہیں انؐ سے　　حریم دل، حرم دل تمام انؐ کا ہے

گزر رہی ہے سلامت روی سے عمر عزیز　　نظر میں نقش قدم گام گام انؐ کا ہے

فضیلتوں میں فضیلت ، بلندیٔ سیرت　　جہاں میں کیا ادب و احترام انؐ کا ہے

حیاتِ طیبہ، انسانیت کی جوئے رواں — شناوروں کے لیے فیض عام انؐ کا ہے
ہم احتیاط سے رکھتے ہیں اس دھنک پہ قدم — زمینِ نعت ہماری، کلام انؐ کا ہے
شعورؔ آنکھ بھلا کیا پہنچ سکے گی وہاں — تخیلات سے اونچا مقام انؐ کا ہے

ﷺ

بتائیں آپ کو کیا آہ یارسول اللہؐ — کہ دردِ ہجر ہے جانکاہ یارسول اللہؐ
نہیں تھکیں گے ہم اُمّیدِ باریابی سے — تمام عمر لگے خواہ یارسول اللہؐ
ہمیں نگاہِ کرم میں رکھیں جناب اپنی — یہی طلب ہے یہی چاہ یارسول اللہؐ
بڑا ہے آپ کا دربار اے خدا کے نبیؐ — عظیم آپ کی درگاہ یارسول اللہؐ
نہ کوئی آپ سے ذی مرتبت زمانے میں — نہ کوئی آپ سے ذی جاہ یارسول اللہؐ
حرم شریف میں چھوٹے بڑے برابر ہیں — کوئی گدا نہ کوئی شاہ یارسول اللہؐ
بھلا مدینے کے ذرّوں سے روشن و رخشاں — کہاں نجوم، کہاں ماہ یارسول اللہؐ
نجات مل گئی انسان کو بھٹکنے سے — دکھائی آپ نے وہ راہ یارسول اللہؐ
اگرچہ حاضرِ خدمت نہیں بہ نفسِ نفیس — شعورؔ در پہ ہے واللہ یارسول اللہؐ

ﷺ

وہ آدمی بھی نگاہِ فلک نے دیکھے ہیں
جو دشمنوں کو دعاؤں میں یاد کرتے تھے

جو انتقام کے بدلے معاف کرتے تھے
جو رنگ و نسل و زباں سے بلند و بالا تھے

زمانے بھر کے لیے صبح کا اُجالا تھے
وہ آدمی بھی نگاہِ فلک نے دیکھے ہیں

جو اِس زمین کو چند ایک کی زمین نہیں
ہوا و روشنی و نکہت و نمی کی طرح

تمام آدمیوں کی زمین کہتے تھے
کسی محل میں نہیں، جھونپڑی میں رہتے تھے

پسینہ جن کی نظر میں تھا عطر سے افضل
دکھائی دیتے تھے جن کے لباس میں پیوند

جنھیں قبول، بشر کی بڑائی کا معیار
منال و مال نہیں، علم و حِلم و تقویٰ تھا

وہ جن کا قول بھی سچّا، عمل بھی سچّا تھا
سروں کی بھیڑ میں انسان ڈھونڈنے والو

جمالیات کے اَیوان ڈھونڈنے والو
نظر اٹھا کے تو دیکھو، جمال سامنے ہے
محمّدِ عربی کی مثال سامنے ہے

صلی اللہ علیہ وسلم

یہ التماس ہے یارب! حضورؐ سے اپنے — نہ انتظار کرائیں شعورؔ سے اپنے
ملا نہ اب بھی ہمیں حاضری کا پروانہ — تو کیا کہیں گے دلِ ناصبور سے اپنے
ہمارے قلب میں فاران سے ہوئی روشن — کلیم لائے تھے جو آگ طور سے اپنے
شبِ سیاہ میں جب کچھ نظر نہیں آتا — وہ کوئی راہ دکھاتے ہیں نور سے اپنے
ہم اس نگاہ کی دریا دلی سے ہیں سرشار — نوازتی ہے جو کیف و سرور سے اپنے

یہ ایک تیرہ و تاریک خاکداں تھا یہاں   کیا انھوں نے اجالا ظہور سے اپنے
مسافروں نے رہِ مستقیم چھوڑ دی کیوں   بھٹک رہے ہیں سفر میں قصور سے اپنے
دکھائے نامہء اعمال کیا بھلا اپنا   شعورؔ خوش نہیں فسق و فجور سے اپنے

رہبر وہ رہبرؐ، ہادی وہ ہادیؐ   دنیا کو جس نے راہِ بقا دی
کذب وریا کے ظلمت کدے میں   صدق و صفا کی مشعل جلا دی
منشورِ آدم تسخیرِ عالم   انسانیت کو منزل بتا دی
دے کر دلوں کو مہر و محبّت   بغض و حسد کی دیوار ڈھا دی
ہر خود نما کو شیشہ دکھا کر   ایک ایک مستی سر سے اُڑا دی
حق دار کا حق کوئی نہ چھینے   اِس پر توجّہ بے انتہا دی
حسنِ عمل کی تعلیم دے کر   جینے کی زحمت رحمت بنا دی
فرمائی جس کی تلقین سب کو   وہ بات اُنھوں نے کر کے دکھا دی
پیشِ نظر ہیں وہ اے شعورؔ اب   صحرائے دل ہے سرسبز وادی

محمّدِ عربیؐ اے محمّدِ عربی   کرم کا وقت ہے اے ہاشمی و مطلبی
خدائی سخت پریشان ہے خدا کے نبی......محمّدِ عربیؐ

اگرچہ آپ نے انسانیت سکھائی ہے   سکھائی ہی نہیں، کردار سے دکھائی ہے

تنازعات ہیں دنیا میں نسلی ونسبی......محمّدِ عربیؐ

رواں تو وقت کی نہرِ فرات رہتی ہے   سحر ہو شام ہو، دن ہو کہ رات رہتی ہے

عجیب تشنہ دہانی ، عجیب تشنہ لبی......محمّدِ عربیؐ

بلا رہی ہے ستاروں میں کائنات ہمیں   ملا ہے آپ سے گو مقصدِ حیات ہمیں

دل و دماغ پہ طاری ہے کوئی بے سببی ......محمّدِ عربیؐ

امیر ہوتے ہوئے بھی غریب ہے امّت   زمیں پہ ایک ارب کے قریب ہے امّت

مگر پڑی ہے تضادات کی سِلوں میں دبی......محمّدِ عربیؐ

نظر کے سامنے گویا درِ رسالت ہے   زبان گنگ ہے، شرمندگی کی حالت ہے

سکوتِ نیم شبی ہے دعائے نیم شبی ......محمّدِ عربیؐ

کہاں شعورِ ساکج مج بیان و ہیچ مداں   کہاں حبیبِ خدا کی فضیلتوں کا بیاں

ہوئے ہیں نعت میں اعجازِ شعری و ادبی......محمّدِ عربیؐ

محمّدِ عربیؐ اے محمّدِ عربیؐ

ﷺ

آئے ہیں شاعروں میں گُن گانے مصطفیٰؐ کے   ہم رند مصطفیٰ کے مستانے مصطفیٰؐ کے

دنیا میں آبِ زم زم، جنت میں آبِ کوثر   دونوں جگہ پئیں گے پیمانے مصطفیٰؐ کے

ہے شمع مصطفیٰؐ کی کون و مکاں میں روشن   کون و مکاں میں رقصاں پروانے مصطفیٰؐ کے

عرفان کی بدولت ، وجدان کی بدولت   انسان نے مدارج پہچانے مصطفیٰؐ کے

ہو کر بُتوں سے خالی وہ بن گئے مثالی   ممنون ہیں نہایت بُت خانے، مصطفیٰؐ کے

محشر میں کون ہوگا پُرسانِ حال اُن کا — جو بدنصیب ہوں گے بیگانے مصطفیٰؐ کے
مکے مدینے جانا حُجّاج کو مبارک — ہم عاشقوں کے دل ہیں کاشانے مصطفیٰؐ کے
انورؔ شعورؔ! تم کیا اُن کا مقام جانو — فرزانے ہم نے دیکھے دیوانے مصطفیٰؐ کے

صلی اللہ علیہ وسلم

خیال آپؐ کا جب اے جناب آتا ہے — دل و دماغ میں ایک انقلاب آتا ہے
نسیم باغ میں لائے مہک مدینے کی — تو اور لالہ وگل پر شباب آتا ہے
ہم اہل دل کے لبوں پر خدا کے نام کے بعد — ہمیشہ نامِ رسالت مآب آتا ہے
امید و بیم میں رکھتا ہے شوق دید ہمیں — کبھی قرار کبھی اضطراب آتا ہے
پکارتے ہیں انہیں ہم اگر اندھیرے میں — ستارے ساتھ لیے ماہتاب آتا ہے
ہم اس گلی کے گدا بے سبب ہوئے ہیں کیا — ہمیں بھی سود و زیاں کا حساب آتا ہے
بقدر ظرف کسے روشنی نہیں ملتی — وہاں سے کب کوئی ناکامیاب آتا ہے
ہم اپنی بے عملی کا جواز کیا لائیں — کہ اس روش پہ ہمیں خود حجاب آتا ہے
شعورؔ ہوگی ہماری مراد بھی پوری — کوئی سوال کرے تو جواب آتا ہے

صلی اللہ علیہ وسلم

خدا ہے بانیِ محفل، محمدؐ شمعِ محفل ہیں — وہ پروانے ہیں خوش قسمت جو اِس محفل میں شامل ہیں
کہاں کوئی کمی سرکارؐ کے نغمہ سراؤں کی — دبستانوں میں شاعر، بوستانوں میں عنادل ہیں
اثر انداز ہوسکتے نہیں حق آشناؤں پر — بہت اوہام باطل تھے، بہت اوہامِ باطل ہیں
ہم اُن کے قول دُہراتے ہیں ذوق وشوق سے لیکن — یہ علم وعقل کی باتیں عمل کرنے کے قابل ہیں

ہمارے ہاتھ میں منشور ہے تسخیرِ عالم کا / ہمیں اس خاک پر ہوتے ہوئے افلاک حاصل ہیں
کیا کرتی ہے قدرت آزمائش استقامت کی / ہماری راہ میں جتنے مراحل ہیں وہ مشکل ہیں
عقیدت اور عزت سے لیا جاتا ہے نام اُن کا / عجب اُن کے محاسن ہیں، عجب اُن کے فضائل ہیں
تعجب کیا اگر انسانیت کو ناز ہے اُن پر / شعورؔ انسان ہیں وہ بھی مگر انسانِ کامل ہیں

ﷺ

پیشِ نظر ہے رُوئے پُر انوار آپؐ کا / دیدار ہو رہا ہے لگاتار آپؐ کا
ہم دشت میں رہیں کہ سمن زار میں رہیں / یہ دشت آپؐ کا، یہ سمن زار آپؐ کا
کرتا ہے ذکرِ خیر ادب و احترام سے / دنیا میں ہر ذریعۂ اظہار آپؐ کا
گفتار ہے جہاں میں تو گفتار آپؐ کی / کردار ہے جہاں میں تو کردار آپؐ کا
جس تک بڑے بڑوں کو پہنچنا نہیں نصیب / ہے ہر معاملے میں وہ معیار آپؐ کا
رکھتا نہیں کسی سے خدا واسطے کا بیر / حاصل ہو آدمی کو اگر پیار آپؐ کا
صحرائے زندگی کا سفر ہو نتیجہ خیز / مل جائے کاش سایۂ دیوار آپؐ کا
لایا ہے بارگاہ میں نذرانۂ سخن / انورشعور ایک قلم کار آپؐ کا

ﷺ

محوِ طواف، کون و مکاں آپؐ کے لیے / پیدا کیا گیا ہے جہاں آپؐ کے لیے
ہستی کے سبزہ زار و سمن زار کی تمام / رنگینیاں شگفتگیاں آپؐ کے لیے
تشریف لایئے کہ بچھائے ہوئے ہیں آج / آنکھیں بزرگ وطفل و جواں آپؐ کے لیے
دل آپؐ سے عزیز نہ جاں آپؐ سے عزیز / دل آپؐ کے لیے ہے تو جاں آپؐ کے لیے
گویائی دی گئی ہے ہمیں تاکہ صبح و شام / پڑھتی رہے درود زباں آپؐ کے لیے

اس امر پر کہ سب سے عظیم آدمی ہے کون
ہے اتفاقِ دیدہ ورواں آپؐ کے لیے

زائر پہنچ رہے ہیں مدینے کشاں کشاں
ہم اضطراب میں ہیں یہاں آپؐ کے لیے

دے دیجئے شعورؔ کو سوز و اثر کہ ہے
یہ عندلیب زمزمہ خواں آپؐ کے لیے

صلی اللہ علیہ وسلم

کسی کی یاد کیا آئی ، منور ہو گیا سینہ
ادب کے ساتھ آنکھوں میں سمٹ آیا دلِ بینا

ہم اُن کے سامنے خاموش بیٹھے ہیں تصور میں
لگا سکتے نہیں اپنی پشیمانی کا تخمینہ

زباں سے نام تو خیرُالبشر کا لیتے رہتے ہیں
جھکا لیں شرم سے نظریں اگر دیکھیں ہم آئینہ

ہمارے پاس منشورِ حیاتِ جاودانی ہے
مگر افسوس دُنیا میں ہمیں آتا نہیں جینا

بصارت کے علاوہ ہو بصیرت بھی جسے حاصل
نہاں رہتا نہیں اُس کی نظر سے کوئی گنجینہ

زمیں سے آدمی کی دوڑ جاری ہے ستاروں تک
ہم اپنے حال میں بدمست ہیں بے ساغر و مینا

شکستیں کھا رہے ہیں اور آنسو پی رہے ہیں ہم
ہمارا پیٹ بھر سکتا ہے یہ کھانا نہ یہ پینا

شعورؔ اُس فخرِؐ موجودات کا نقشِ قدم دیکھے
اگر انسانیت کو چاہئے اپنے لیے زینہ

”وہ دانائے سُبُل، ختم الرُّسُل، مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا“

صلی اللہ علیہ وسلم

رکھتا ہے ایک درد بھری داستاں یہ دل
خاموش اس لیے ہے کہ ہے بے زباں یہ دل

بے کیفیٔ فراق میں کیا باغ ، کیا قفس
وحشت سے سینہ چاک وہاں گل، یہاں یہ دل

آنے کا اُس طرف سے اشارہ نہیں ہوا
جائے بھی غم کدے سے تو جائے کہاں یہ دل

اُس رحمتِ تمام کی آغوش کے لیے
سینے میں ہے دبائے ہوئے ہچکیاں یہ دل

ہوتا ہے شرمسار بہت اپنے آپ میں
جب دیکھتا ہے جانبِ اسلامیاں یہ دل

ہم اے شعورؔ نامۂ اعمال کے بجائے ان کے حضور پیش کریں گے یہ جاں ، یہ دل

صلی اللہ علیہ وسلم

متصف ہو کوئی اس حُسنِ بیاں سے کیسے آپ کا ذکر کیا جائے زباں سے کیسے
ہے زیارت کدۂ روضۂ محبوبِؐ خدا طیبہ اچھا نہ لگے باغِ جناں سے کیسے
اس بُلاوے میں خدا جانے کشش ہے کیسی جمع ہو جاتی ہے مخلوق اذاں سے کیسے
آ تو سکتا ہے تصوّر میں وہ روئے روشن تابِ نظّارہ کوئی لائے کہاں سے کیسے
جا پہنچتا ہے کسی آن بھی اُن کے در پر بچ کے دل وقت کی چشمِ نگراں سے کیسے
آپؐ کے شہر میں کیا بات ہے اللہ اللہ لوگ تکتے ہیں مناظر دل و جاں سے کیسے
موسموں سے ہمیں رکھتی ہے کوئی یاد آزاد ہم گزرتے ہیں بہار اور خزاں سے کیسے
امتِ مسلمہ تیروں کا ہدف ہے سرکار ہم رہیں آتشی وامن واماں سے کیسے
آ گیا راس ہمیں اُن کا خیابان شعورؔ ورنہ مانوس تھے ہم اپنے مکاں سے کیسے

امین راحت چغتائی۔ راولپنڈی

جگمگ نور نہایا رستہ

(ایک مطالعہ)

جلیل عالی ہمارے صاحبِ اسلوب شاعر ہیں اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں فکروفن کے جوہر اجاگر کرتے رہتے ہیں ۔میاں محمد بخش کے لہجے سے خصوصی رغبت رکھتے ہیں جواہلِ دل کو لُوٹ لیتا ہے۔اس لہجے کی ایک جھلک ان کی غزل میں بھی ملتی ہے اور حمد و نعت میں بھی۔اس بار وہ مناجات کی صورت میں بارگاہِ ربّ العزت اور دربارِ رسالتؐ میں عرض پرداز ہیں ۔مناجات دراصل سرگوشی کے انداز میں خالقِ ارض و سما کو حاضر جان کر اس کی جناب میں عجز و انکسار سے راہِ ہدایت پانے کی استدعا کا نام ہے۔اس گیارہ بندوں پر مشتمل مناجات میں بھی ایسا ہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔زبان سہل ہے اور دل نشیں بھی ۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعر رات کے پچھلے پہر دو زانو بیٹھا ہے۔دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔اور لبِ عجز و نیاز پر بار بار ایک ہی جملہ آ رہا ہے کہ اے اللہ! تو مجھے نعتِ محمدؐ والے راستے پر گامزن کردے جو’’ جگ مگ نور نہایا‘‘ بھی ہے اور’’ خیر و برکت والا ‘‘ بھی۔یہ بڑی دل آویز نعت ہے جو مناجات کے پردے میں کہی گئی ہے۔اس میں اجازت تو ربِ کائنات سے طلب کی جا رہی ہے اور شاعر اوصاف بیان کرتا چلا جا رہا ہے سرورِ کائنات کے۔اس سلسلے میں وہ قصیدے کی تشبیب والی تکنیک بھی استعمال کرتا ہے۔اور ایک مقام پر پہنچ کر خالقِ بزرگ و برتر سے استدعا کر کے یوں گویا ہوتا ہے۔

لاکھ سلام اسے جس دل پر رب نے آپ اُتارا رستہ

اس ؐ نے دکھایا کیسا رستہ سیدھا، سادہ ، سچا رستہ

اور براہ راست رسولِ اکرمؐ کی توصیف پر آجاتا ہے۔لیکن احتراماً صیغۂ غائب ہی استعمال کرتا چلا جاتا ہے۔پھر اظہارِ محبت وعقیدت کے وہ جوہر دکھاتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کیف وسرور کا دریا موجزن ہے۔جذبات کی فراوانی ہے۔اورشاعرسرورِؐ کائنات کے قدموں پر الفاظ کے موتی نچھاور کر رہا ہے۔یاد کیجئے کہ ''تشبیب'' کالفظی معنیٰ '' آگ سلگانا''یا''عشق کا بیان'' کرنا ہے۔

جلیل عالی کےفن کی خوبی یہ ہے کہ وہ جذبات کی فراوانی میں بھی اپنا لہجہ دھیمہ رکھتے ہیں اور شعرکو مقامِ اطاعت سے آگے بڑھنے نہیں دیتے۔انہیں بخوبی اندازہ ہے کہ حضورؐختمی مرتبت ،شارع علیہ السلام ہیں۔شریعت سے تجاوز عقیدت کے اعمال بھی ضائع کر دیتا ہے۔شریعت ،خدا کی پیدا کی ہوئی راہِ راست سے عبارت ہے۔اسی لئے عالی نے بہت سوچ سمجھ کر نناوے اشعار کی نعت نما مناجات میں ''اھدِ نا الصراط المستقیم'' کے حوالے سے رستہ کی ردیف کا انتخاب کیا ہے اور اسے بہ حسن وخوبی نبھاہا ہے۔انہوں نے حضورؐ کے متعین کردہ رستے کے اتنے پہلو اجاگر کر دیئے ہیں کہ قارئین پڑھتے جائیں اور شاعر کی ژرف نگاہی اور ہنروری کو داد دیتے جائیں۔میرے مؤقف کی تصدیق کے لئے اس بیش بہا ذخیرے کے چند اشعار دیکھئے:

اُسؐ نے بچھایا فرشِ دل پر عرشِ بریں سے اترا رستہ

کتنے زمانوں، وقت نے دیکھا تارا تارا اسؐ کا رستہ

اللہ ! اللہ ! ، آقا! آقا ! واحد منزل ، تنہا رستہ

ایک وہیؐ تہذیب کی منزل ایک وہی عرفان کا رستہ

اسؐ کے سفر کی سمت مطابق وقت نے اپنا بدلا رستہ

کیا کیا شوق بہشتوں جانب دھڑکن دھڑکن بڑھتا رستہ

جلیل عالی کی شاعری کا ایک اور دلکش پہلو جس کی طرف میں نے ابتدائی سطور میں اشارہ کیا تھا، میاں محمد بخش کے لہجے سے تعلق رکھتا ہے۔اردو میں میر اور پنجابی میں میاں محمد بخش کا ''سیف الملوک'' لہجہ سیدھا کلیجے پر ہاتھ ڈالتا ہے اور قاری تڑپ اٹھتا ہے۔عالی مؤخرالذکر لہجے سے زیادہ متاثر ہیں۔متاثر کیا، یوں کہیئے کہ وہ بھی ''از دل خیزد، بر دل ریزد'' کے اربابِ کمال میں شامل ہیں۔اور

مجھ پر کھول خدایا رستہ   نعت ِ محمد والا رستہ

کا مطلع کہہ کر اپنی مناجات کی ابتدا ہی مذکورہ لہجے میں کرتے ہیں۔اور پھر ان پر ایسے خیال افروز اشعار کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔

جہل کے گھور اندھیروں اندر جگ مگ نور نہایا رستہ

دُور کرے سب دہر خسارے   خیر و برکت والا رستہ

......

ہر اک سوچ خسارے والی   اور یہ نفعوں والا رستہ

اُسؐ کے لحن میں چپ صحراؤں   پیار کی بولی بولا رستہ

اسؐ نے تمام زمانوں خاطر راتوں جاگ کے سوچا رستہ

یہی نہیں، عالی ایک شعر میر اور میاں محمد بخش کے ملے جلے لہجے میں کہہ کر دل کو مزید کیف و سرور بخش گئے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

کیوں بھٹکو ہو سوچ تھلوں میں   اور کرو ہو کھوٹا رستہ

یہاں تک تو بات تھی لہجے کی۔ابھی جلیل عالی کی فکر کے بہاؤ کا ذکر باقی ہے۔اس کی مناجات کا موضوع ہی ایسا انسانیت افروز ہے کہ اس پر لکھنا عین سعادت، سیرت سے رجوع اور راہِ خیر الوراؐئی کو

حرزِ جاں بنانا ہی معراجِ تعینات ہے۔عالی، اپنی مناجات میں ''رستہ'' کو بطور علامت استعمال کر کے اس کی شرح بھی بیان کرتے جاتے ہیں ۔یعنی کون سا رستہ؟ ؛نعتِ محمدؐ والا رستہ ؛سینوں بیچ بنایا رستہ ؛شب زاروں میں دمکا رستہ ؛سیدھا،سادہ،سچا رستہ۔قاری بار بار پڑھتا جاتا ہے ۔بار بار پڑھتا جاتا ہے۔پھراس پر وہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے جسے اربابِ دل ''وجد'' کہتے ہیں اور پھر وجد کے عالم میں قاری اور شاعر دونوں کی زبان پر بے اختیار جاری ہو جاتا ہے۔

اللہ ! اللہ ! ، آقاؐ ! آقاؐ ! کیسی منزل ، کیسا رستہ

اللہ ! اللہ ! ، آقاؐ ! آقاؐ ! واحد منزل ، تنہا رستہ

اللہ ! اللہ ! ، آقاؐ ! آقاؐ اپنی منزل ، اپنا رستہ

اللہ ! اللہ ، آقاؐ! آقاؐ! منزل منزل ، رستہ رستہ

قدم قدم قرباں دل اسؐ پر جس کے وسیلے پایا رستہ

ذکراً کثیراً،نقشبندی سلسلے کا وصفِ خاص ہے جسے تطہیرِ قلب کے لئے پڑھا جاتا ہے اور اس کا ایک مخصوص ''ردھم'' ہے۔اہلِ طریقت ایک دائرے میں بیٹھ جاتے ہیں اور ذکر کا آغاز آہستہ ردھم سے ہوتا ہے ۔پھر تیز اور پھر تیز تر۔ یہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہتا ہے ۔اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ '' اللہ ہُو'' کی ضرب براہِ راست دل پر پڑ رہی ہے۔۔علائقِ دنیا موقوف ہو گئے ہیں ۔دل، ذکر ختم ہو جانے کے بعد بھی ''اللہ ہُو'' کی آواز کچھ دیر تک سنتا رہتا ہے۔جس سے تطہیرِ قلب کا سامان ہو جاتا ہے اور سوچ کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

مذکورہ اشعار بھی اگر اسی اہتمام سے پڑھے جائیں تو کیا عجب خیر کی کتنی راہیں کھل جائیں۔ان اشعار کا ردھم ہی کچھ ایسا ہے کہ بے اختیار انہیں دائرے میں بیٹھ کر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔بس یوں سمجھ لیجئے کہ عالی کی فکر کا بہاؤ قاری کو براہِ راست تطہیرِ قلب کی دعوت دے رہا ہے۔

اس مناجات کی سادگی میں بہت پُرکاری ہے۔عالی ہوش سے نعت کہنے والے شاعر ہیں۔آدابِ رسالت ہمہ وقت پیشِ نظر رہتے ہیں۔قدم قدم پر یہ احتیاط دامن گیر رہتی ہے کہ بارگاہِ رسالتؐ میں استدعا کے لئے شایانِ شان الفاظ کا انتخاب کیا جائے ۔شکوہِ الفاظ کی بجائے آسان اسلوبِ اظہار اختیار کیا جائے۔عجز و انکسار کو شعار بنایا جائے ،شکوہ ،الفاظ کا ہو یا لباس کا ،دونوں کا مقصد اپنے ممدوح یا مخاطب کو متاثر یا مسحور کرنا بھی ہوتا ہے ۔لیکن عالی خالق و مالک کے دربار میں اس راستے پر چلنے کی توفیق مانگ رہا ہے جو رسالت مآبؐ کا راستہ ہے۔اور ساتھ ہی یہ التجا کر رہا ہے کہ:

دُھول رہوں اُسؐ کے قدموں کی   اور ہے باقی جتنا رستہ

جلیل عالی کے ہاں اظہار اور دعائے مدعا میں کوئی فرق نہیں ہے ۔صدق و صفا کے مسلک میں تو بس رضائے خالق و پیغمبرِ خالق ہی حاصلِ مدعا سمجھی جاتی ہے ۔محسوس ہوتا ہے کہ عالی کی فکر اور نعت دونوں اُسوۂ حسنہ سے بہ حسن وخوبی استفادہ رکھتے ہیں ۔زیرِ نظر مناجات میں وہ سب کچھ ہے جو ایک مقام آشنا کے کلام میں ہونا چاہئے۔سوز و گداز اور حزم و احتیاط نے عالی کے نظریۂ فن کو بہت نکھار بخشا ہے ۔جس رہبرِ عقل و ہوش اور مرسلِؐ حق نیوش کی راہ پر چلنے کی انہوں نے تمنا کی ہے، خالقِ ارض و سما نے وہ پوری کر دی ہے۔الحمدللہ!

پرویز ساحر۔ایبٹ آباد

ایک منفرد نعتیہ واردات

جلیل عالی ستّر کی دہائی میں ادبی منظرنامے پر ظہور پذیر ہونے والے ایک سر برآوردہ شاعراوراعتبارِ حرف و معنی کا معتبر حوالہ ہیں۔مستزادے کہ گزشتہ چہار دہائیوں میں وہ اپنے شعری معیارات اورفنی اعتبارات کو بہ دستور قائم رکھے ہوئے ہیں۔اردو کے ساتھ پنجابی میں بھی غزل،نظم ہر دو اصناف میں مسلسل طبع آزمائی کرتے آرہے ہیں ۔بہ ہر آئینہ غزل ہی ان کا متخصص ہے۔تا حال ان کے تین معیاری شعری مجموعے (’خواب دریچہ‘، ’شوق ستارہ ‘ اور ’عرضِ ہُنر سے آگے‘)اشاعت آشنا ہوکر منظرِ عام پرآچکے ہیں۔

جلیل عالی فن کے معاملے میں تکمیلیت پسند رویّے کے صاحبِ توفیق تخلیق کار ہیں ۔معاصر شعرا کی بہ نسبت ان کے کلام میں ایک جداگانہ تفکّراتی فضا اور دانش ورانہ سطح پائی جاتی ہے۔ملکی و بین الاقوامی حالات اور معیاری ادب پران کی گہری تنقیدی نظر ہے۔جلیل عالی کسی محدود سیاسی اور سماجی نظریّے کے قائل نہیں ۔ بہ ایں سبب ان کے کلام میں جا بہ جا وسیع تر اجتماعی پس منظراورکُلّی تصورِ حقیقت کا بڑا ویژن لَو پذیرنظر آتا ہے۔نقدِ وقت میں راقم الحروف ان کی کہی گئی تجرباتی طرز کی نعتِ مسلسل بہ عنوان’’ جگ مگ نورنہایا رستہ ‘‘ کی بابت اظہار یہ رائے قلم بند کیا چاہتا ہے۔

نعت کہنا فی الحقیقت شمشیرِ برہنہ کے منہ چڑھنے کے مترادف ہے۔قدرت جس کسی حرف کار کو مسندِ عزّت پر بٹھانا چاہتی ہے، یا اس سے کوئی غیر معمولی کارنامہ کرانا چاہتی ہے تو اس کے علمی ظرف مطابق اس پر اس کے نکتۂ دل کی کشود کر دیتی ہے۔جلیل عالی کا نعتیہ کلام آبِ مصفّا کی طرح صاف شفّاف اور آتشِ سیّال کی طرح رواں دواں ہے۔

مجھ پر کھول خدایا رستہ نعتِ محمدؐ والا رستہ

اُسؐ کی شان کے جوشایاں ہو وہ الفاظ سجھاتا رستہ

اردو غزل کی تاریخ میں متذکّرہ نعت سے کسی قدر مماثل مگر مختلف المزاج اور مختلف الموضوع یادگار شعری تجربہ ناصر کاظمی نے ’’پہلی بارش‘‘ کے عنوان سے کر رکھا ہے۔فرق یہ ہے کہ جلیل عالی کی شعری تخلیق کا مرکزی کردار کوئی عامی نہیں بلکہ انسانیت کی معیارِ مطلوب شخصیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

وہ جو حرا سے لایا رستہ اُجلا، نکھرا، سنورا رستہ

جہل کے گھور اندھیروں اندر جگ مگ نور نہایا رستہ

یہ نعت قسط وار گیارہ حصّوں پر مشتمل ہے۔ہر قسط میں نو اشعار ہیں۔ہر قسط علاحدہ سے ایک مکمل موضوع کو محیط ہے۔معروف اسمائے الٰہی کی نسبت سے نعت کے اشعار کی کل تعداد ننانوے رکھی گئی ہے۔غزلیہ رنگ سے متزیّن ہو کر بھی اس نعت کی تمام اقساط میں بلحاظ موضوع ایک نظمیہ تسلسل پایا جاتا ہے۔

جب تاریخ نے پوچھا رستہ صرف اُسؐ نے بتلایا رستہ

نفرت کی ماری دنیا میں سب سے پیار سکھاتا رستہ

جلیل عالی نے اپنی آب یارِ سخن زبان میں سیّد البشرؐ کی ذاتِ خوش صفات کے اوصافِ حمیدہ کو بین

السّطور بیان کرنے کی سعیِ مشکور کی ہے۔اس نعت میں عربی ،فارسی کی ادق مصطلحات کے استعمالات سے گریز برتتے ہوئے بھی قرآنی ادب اوراحادیثِ نبویہؐ سے فکری سطح پر بالواسطہ تخلیقی استفادہ کیا گیا ہے۔

جو قرآن میں جھلکا رستہ　　اُسؐ نے وہی اپنایا رستہ

اُسؐ کے سفر کی سمت مطابق　　وقت نے اپنا بدلا رستہ

کتنے زمانوں وقت نے دیکھا　　تارا تارا اُسؐ کا رستہ

جلیل عالی کی کہی یہ نعت ہر طرح کے 'شرکیہ' شائبے سے پاک ہے۔اس نعت کا ایک اختصاصی وصف یہ بھی ہے کہ اس کا بیانیہ اسلوب سہل ترین ہونے کے باوجود یک سطحی اور یک پرتی نہیں بلکہ معنوی ابلاغ کے حوالے سے اس میں ایک سے زائد سطوح اور پرتیں موجود ہیں جو عوام وخواص ہر دو حلقوں سے تعلق رکھنے والے قارئین وسامعین کی ذہنی سطح کے معیار مطابق ہیں۔

انساں بھول چکا تھا رستہ　　اُسؐ نے یاد دلایا رستہ

رہتی دنیا تک دھرتی پر　　محکم امن حوالہ رستہ

باہم دشمنِ جاں لوگوں پر　　امن واماں کا کھولا رستہ

جلیل عالی کے اس اشتیاق انگیز کلام میں تیقّنِ موجود کے ساتھ ،ہُو ہائے شوق، عاشقانہ سرمستی ،وجدانی سرشاری اور الہامی ترنگ کی ایسی فراوانی ہے کہ اس کی قرأت وسماعت کے دوران قاری وسامع بے اختیارانہ صل وجل پکار اٹھتا ہے۔استفہامی رنگ میں ڈوبے پُرشوق اشعار ملاحظہ کیجیے:

اللہ اللہ ، آقاؐ آقاؐ　　کیسی منزل ،کیسا رستہ

اللہ اللہ ، آقاؐ آقا　　واحد منزل ، تنہا رستہ

اللہ اللہ ، آقاؐ آقاؐ　　اپنی منزل ، اپنا رستہ

اللہ اللہ ، آقاؐ آقاؐ منزل منزل ، رستہ رستہ

دل نے دھیان اُسؐ کا چھوڑا تو   آنکھ سے اوجھل ہو گیا رستہ
اُسؐ کی وفا سے منہ موڑا تو   کھو گئی منزل بھولا رستہ
اُسؐ سے اگر ناطہ توڑا تو   پھر نہ کسی نے پایا رستہ

اُسؐ نے سب انسانوں خاطر   دل آنکھوں سے دیکھا رستہ
اُسؐ نے تمام زمانوں خاطر   راتوں جاگ کے سوچا رستہ
اُسؐ نے تمام جہانوں خاطر   اپنے رب سے مانگا رستہ

کون طریق طریقِ کامل ؟   بس اک اسوۂ حسنہ رستہ
کون سبیل ،سبیلِ محکم؟   اُسؐ کی سیرت والا رستہ
کون صراط نجاتِ عالم؟   اُسؐ نے جو سمجھایا رستہ
کون جتن جاں تسکیں پائے؟   اُسؐ کی محبت والا رستہ

جلیل عالی کے تہ خانۂ دل سے برآمد شدہ اس نعت کا مصرع مصرع ،شعر شعر منقوشِ خاطر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جان ایسا پڑتا ہے کہ اس نعت کی آمد کے دوران ان پر جملۂ پیچواں رستے ،آئینہ ہو گئے ہیں۔

رستوں کی تاریخ بتائے   کوئی نہیں ہے ایسا رستہ
سب رستوں سے بہتر و برتر   صدیوں جانچا پرکھا رستہ

یاد کیا مشکل میں اُس ؐ کو دیواروں سے نکلا رستہ
اُس ؐ کی یاد بسائی دل میں کتنا آساں گزرا رستہ

فارسی ادب کی فنی اصطلاح ''ترکیبِ مقلوب''جس میں حرفِ جار کو حذف کر کے بغیر اضافت کے ترکیب بنائی جاتی ہے ،کو جلیل عالی نے اپنی شاعری میں مقامی زبانوں سے استفادہ کر کے ہُنر کاوی کے ساتھ بہ کثرت استعمال کر رکھا ہے ۔اس نعتِ مبارکہ میں بھی ایسی بہت سی بے اضافتی تراکیب اپنی چھب دکھا رہی ہیں۔

گھور اندھیروں، باغوں سمت، سینوں بیچ ،دھیان سفر، سوچ تھلوں،سوچ خسارہ ،نور نہایا، پھولوں پھول،دل آنکھوں ،چُپ صحراؤں ،شوق بہشتوں،امن حوالہ اور سیرت آئینے وغیرہم چند در چند نو اختراع کردہ اضافتی تراکیب بھی حوالۂ قرطاس ہیں۔

خرامِ نور فزا،حکمتِ دوراں،طریقِ عالم،سبیلِ محکم،صفائے انساں اور اوجِ فلاح و خیر وغیرہ۔

جلیل عالی نے فنی لطافتیں دکھاتے ہوئے،مصرعین میں کسی ''حرفِ مخصوصہ'' کی صَوتی تکرار سے شعری نغمگیت اور طلسمیت کو دو چند کر دیا ہے ۔مثلاً:

ع۔ اللہ اللہ ، آقاؐ آقاؐ (الف) ع۔ دُور کرے سب دہر خسارے (د اور ر)

ع۔ قدم قدم قرباں دل اُس ؐ پر (ق اور د) ع۔ساری مسافت سارا رستہ (س اور الف)

اندرونی قوافی کی حسن آفرینیاں دیکھئے۔

ع۔ سوچ کے پوچ بیابانوں سے ع۔سہل اسی کے دم سے ہم پر ع۔ جو اُس ؐ سے وابستہ رستہ

لے ہر سانس اُسی ؐ کی لَو میں جس ؐ کی رَو میں زندہ رستہ
ویراں ہو گئے کیا کیا جادے اُس ؐ کا رواں ہر لحظہ رستہ

جلیل عالی نے اچھی طرح بوجھ سمجھ اور جانچ پرکھ کر لفظی تلازمات و مناسبات کا استعمال کیا ہے۔

اجلا، نکھرا، سنورا۔ سیدھا، سادہ، سچّا۔ جگ مگ، پگ پگ وغیرہ

ع ۔ کون روش روشن ہو سینہ ع۔ کون جتن جاں تسکیں پائے

نادر تمثالوں کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

رستے کا درِنجات کو چھونا، فرشِ دل پر رستہ بچھانا، وقت کے تیرہ زندان، سوچ تھلوں میں بھٹکنا، چپ صحراؤں پیار کی بولی بولنا، عشق کی انگلی تھامنا، دھڑکن دھڑکن شوق بہشتوں جانب بڑھنا، محبت تحریر کرنا، اُس ﷺ کی رَو میں رستے کا زندہ ہونا، رستے کا نور نہانا، قدموں کی دُھول رہنا وغیرہ:

جلیل عالی نے اپنے دیگر کلام کی طرح اس معیاری نعت کے ذریعے بھی بہارِ طرب کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

اُس محبوب نگاہ میں رکھنا جس نے دکھایا تیرا رستہ

دُھول رہوں اُس ﷺ کے قدموں کی اور ہے باقی جتنا رستہ

توفیقی لمحات میں تخلیق ہونے والی یہ نعتِ مسلسل اردو نعت کی تاریخ میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد اور کامیاب تجربہ ہے۔ جلیل عالی کی یہ کاوش نعتیہ ادب کے حوالے سے ''ادبِ عالیہ'' میں شمار کئے جانے کے لائق ہے، کیوں کہ اس میں شعریت کے ساتھ عصریت اور مستقبلیت کے روشن امکانات موجود ہیں۔

جگمگ نور نہایا رستہ

(۱)

مجھ پر کھول خدایا رستہ
نعتِ محمدؐ والا رستہ

جس پر سوچ سلامت جائے
ہو محفوظ کچھ ایسا رستہ

اُسؐ کی شان کے جو شایاں ہوں
وہ الفاظ سجھاتا رستہ

اوروں سے کچھ راہ جدا ہو
پر ہو تیری رضا کا رستہ

عکس دکھائے اُس ہادیؐ کے
اک ایسا آئینہ رستہ

اور بھی اُسؐ کے پروانوں کا
ذوق و شوق بڑھاتا رستہ

اُسؐ تک جو فریاد رسا ہو
ایسا حرف و صدا کا رستہ

اُسؐ کی شفاعت سے مَس کرتا
درِ نجات کو چھوتا رستہ

میں کیا جانوں تُو ہی جانے — دل کی تمنّا کیسا رستہ

(۲)

وہؐ جو حرا سے لایا رستہ — اُجلا ، نکھرا ، سنورا رستہ
جہل کے گھور اندھیروں اندر — جگ مگ نُور نہایا رستہ
سوچ کے پوچ بیابانوں سے — باغوں سمت نکلتا رستہ
دُور کرے سب دہر خسارے — خیر و برکت والا رستہ
رستوں کی تاریخ بتائے — کوئی نہیں ہے ایسا رستہ
ہار گئیں کتنوں کی راہیں — ایک اُسیؐ کا جیتا رستہ
پیچھے چھوڑ سبھی رستوں کو — آگے آگے جاتا رستہ
رہتی دنیا تک دھرتی پر — محکم امن حوالہ رستہ
لاکھ سلام اُسےؐ جس دل پر — رب نے آپ اُتارا رستہ

(۳)

اُسؐ نے دکھایا کیسا رستہ — سیدھا ، سادہ ، سچّا رستہ
اُسؐ نے بچھایا فرشِ دل پر — عرشِ بریں سے اُترا رستہ
کتنے زمانوں وقت نے دیکھا — تارا تارا اُسؐ کا رستہ
منزل منزل آگے بڑھتا — آخر اُسؐ تک پہنچا رستہ
اللہ اللہ ، آقاؐ آقاؐ — کیسی منزل ، کیسا رستہ
اللہ اللہ ، آقاؐ آقاؐ — واحد منزل ، تنہا رستہ
اللہ اللہ ، آقاؐ آقاؐ — اپنی منزل اپنا رستہ
اللہ اللہ ، آقاؐ آقاؐ — منزل منزل ، رستہ رستہ
قدم قدم قرباں دل اُسؐ پر — جس کے وسیلے پایا رستہ

(۴)

انساں بھول چکا تھا رستہ — اُسؐ نے یاد دلایا رستہ

کوئی نہیں تھا جادۂ ہستی — وہؐ آیا تو نکلا رستہ
اُسؐ پر اُترا اور پھر اُسؐ نے — سینوں بیچ اُتارا رستہ
باہم دشمنِ جاں لوگوں پر — امن و اماں کا کھولا رستہ
اک آوازِ اذاں پر سب کو — لے کے حرم تک آیا رستہ
دنیا اور کہاں پائے گی — ایسا افضل و اعلیٰ رستہ
ہر اک سوچ خسارے والی — ور یہ نفعوں والا رستہ
کون ہیں؟ کیا ہیں؟ کس خاطر ہیں؟ — سب احساس جگاتا رستہ
حکمتِ دوراں ، رحمتِ عالم — درد کا رشتہ ، پیار کا رستہ

(۵)

جو قرآن میں جھلکا رستہ — اُسؐ نے وہی اپنایا رستہ
اور پھر اپنے حسنِ عمل سے — اُسؐ نے اور اجالا رستہ
ایک وہیؐ تہذیب کی منزل — ایک وہی عرفان کا رستہ
وقت کے تیرہ زندانوں میں — اُسؐ کے نام سے پیدا رستہ
دل نے دھیان اُسؐ کا چھوڑا تو — آنکھ سے اوجھل ہو گیا رستہ
اُسؐ کی وفا سے منہ موڑا تو — کھو گئی منزل بھولا رستہ
اُسؐ سے اگر ناطہ توڑا تو — پھر نہ کسی نے پایا رستہ
کیوں بھٹکو ہو سوچ تھلوں میں — اور کرو ہو کھوٹا رستہ
اُسؐ کی یاد رہے سینے میں — آپ سے آپ بنے گا رستہ

(۶)

اُسؐ نے چنا کیا یکتا رستہ — سینوں بیچ بنایا رستہ
اُسؐ نے سب انسانوں خاطر — دل آنکھوں سے دیکھا رستہ
اسؐ نے تمام زمانوں خاطر — راتوں جاگ کے سوچا رستہ
اُسؐ نے تمام جہانوں خاطر — اپنے رب سے مانگا رستہ

اُسؐ کے لحن میں چپ صحراؤں
پیار کی بولی بولا رستہ

اُسؐ کے نقوشِ پا کی ضیا سے
روشن کاہکشاں سا رستہ

اُسؐ کے خرامِ نور فزا سے
شب زاروں میں دمکا رستہ

اک کردار کہ جس کے ناطے
دل سے دل تک پہنچا رستہ

اک رفتار کہ صدیوں والا
پل دو پل میں نمٹا رستہ

(۷)

اُسؐ نے کیا سمجھایا رستہ
یوں کہ لہو میں دھڑکا رستہ

اک مہتاب فروزاں دل میں
جگ جگ روشن اپنا رستہ

اُسؐ کے عشق کی انگلی تھامی
استقبال کو آیا رستہ

کیا کیا شوق بہشتوں جانب
دھڑکن دھڑکن بڑھتا رستہ

یاد کیا مشکل میں اُسؐ کو
دیواروں سے نکلا رستہ

سہل اُسیؐ کے دَم سے ہم پر
ساری مسافت ، سارا رستہ

کر تحریر محبت اُسؐ کی
دیکھ دلوں میں بنتا رستہ

لے ہر سانس اُسیؐ کی لَو میں
جس کی رَو میں زندہ رستہ

اُسؐ کے دھیان سفر میں کیا کیا
پھولوں پھول مہکتا رستہ

(۸)

لاکھ عدو نے روکا رستہ
اُسؐ کا کہاں رک پایا رستہ

ویراں ہو گئے کیا کیا جادے
اُسؐ کا رواں ہر لحظہ رستہ

سب رستوں سے بہتر و برتر
صدیوں جانچا پرکھا رستہ

اُسؐ نے قدم بڑھائے جس پر
وہ تا حشر چلے گا رستہ

اُسؐ کے سیرت آئینے سے
خلق پہ روشن پورا رستہ

نفرت کی ماری دنیا میں
سب سے پیار سکھاتا رستہ

منزل ! اُسؐ سے وفا کی منزل
رستہ ! اُسؐ کی رضا کا رستہ

اُسؐ کی یاد بسائی دل میں — کتنا آساں گزرا رستہ
اُسؐ کی رَو میں چلتے جائیں — ہم نے یہی پہچانا رستہ

(۹)

جب تاریخ نے پوچھا رستہ — صرف اُسؐ نے بتلایا رستہ
فرشِ غارِ حرا سے لے کر — عرشِ علیٰ تک جاتا رستہ
اُسؐ کے سفر کی سمت مطابق — وقت نے اپنا بدلا رستہ
ایک کتاب اور ایک پیمبرؐ — کیسی ہدایت! کیسا رستہ!
ایک کتاب اور ایک پیمبرؐ — ناطق حکمت گویا رستہ
ایک کتاب اور ایک پیمبرؐ — اپنی قیادت اپنا رستہ
اُسؐ کی ولا کے سائے سائے — سہل ہوا ہے کتنا رستہ
کیسے کیسے شوق مراحل — کیا کیا بھید سجھاتا رستہ
منزل صرف اُسی کی قسمت — جو اُسؐ سے وابستہ رستہ

(۱۰)

کون سبھوں سے اچھا رستہ؟ — اُسؐ پہ ہوا جو اِلقا رستہ
کون ڈگر چل حق تک جائیں؟ — اُسؐ نے جو اپنایا رستہ
کون مثالی جادۂ ہستی؟ — اُسؐ کے عمل سے نکھرا رستہ
کون طریق طریقِ کامل؟ — بس اک اُسوۂ حسنہ رستہ
کون سبیل سبیلِ محکم؟ — اُسؐ کی سیرت والا رستہ
کون صراط نجاتِ عالم؟ — اُسؐ نے جو سمجھایا رستہ
کون سلوک صفائے انساں؟ — خُلقِ عظیم سے نکلا رستہ
کون رَوِش روشن ہو سینہ؟ — اُسؐ کا نور نہایا رستہ
کون جتن جاں تسکیں پائے؟ — اُسؐ کی محبت والا رستہ

(۱۱)

یا رب تُو نے سجھایا رستہ — تیرے کرم سے نکلا رستہ

کب تھی آنکھ بصیرت والی — اور بہت نازک تھا رستہ

یہ اعزاز قلم کی قسمت — تیری عطا سے پایا رستہ

اپنے خاص کرم سے مولا — ہم پر کھول صفا کا رستہ

سوچوں کے اندھے جنگل میں — کر عرفان کا افشا رستہ

اوجِ فلاح و خیر کی جانب — پائے چاند ستارہ رستہ

اُسؐ محبوب نگاہ میں رکھنا — جس نے دکھایا تیرا رستہ

دُھول رہوں اُسؐ کے قدموں کی — اور ہے باقی جتنا رستہ

میں کیا مانگوں تُو ہی جانے — راس کہاں ہے کیسا رستہ

ڈاکٹر عزیز احسن۔ کراچی

سید ضیاء الدین نعیم کے نعتیہ اظہاری زاویے!

سید ضیاء الدین نعیم کا نام میرے لیے نیا ہے۔لیکن صبیح رحمانی نے جب ان کی چند نعتیں مجھے مطالعے کی غرض سے فراہم کیں تو ان کی نعتیہ شاعری کے چند نمونے دیکھتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے انہوں نے اپنے قرینۂ سخن گوئی کے ذریعے نعتیہ شاعری کو وہ آدرش دیدیا ہے جس کا میں متلاشی رہتا ہوں............آدرش کی یکسانیت ،فکر کی مرکزیت اور احساس کی ہم رنگی کے باعث میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ فن کی زبان میں میرے ہم خیال اور ہم آواز شاعر ہیں۔

ہمارا عہد تہذیبی زوال اور اقداری انحطاط و اِدبار کا کھلا منظر پیش کر رہا ہے۔ایسی صورت میں وہ ادباء وشعراء جو ادب کو زندگی سے قریب اور زندگی کو اصلح اقدار کے تابع دیکھنے کے متمنی ہیں اصلاحی تخلیقات کی طرف مائل ہوگئے ہیں۔نعت گو شعراء بھی اس اصلاحی مہم میں بالواسطہ شریک ہیں۔کیوں کہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عملی زندگی کی روشن مثالوں سے شعری شبیہیں (Images) بناتے ہیں۔لیکن عام طور پر نعت اپنی عوامی اپیل کے باعث بیشتر سستی جذباتیت اور بہت نچلی ادبی سطح کی تخلیقات کے ظہور کا سبب بنتی رہی ہے۔ظاہر ہے ایسی تخلیقات کی طرف ناقدین کی توجہ مبذول نہیں ہوسکتی۔جو شعراء عام شاعری کی طرف سے صرف ذائقہ بدلنے کی غرض سے یا کسی سماجی ضرورت کے تحت نعت کہتے ہیں وہ ادبی اسلوب تو برقرار رکھ پاتے ہیں لیکن زندگی آمیز اور زندگی آموز پیغام دینے میں زیادہ کامیاب نہیں ہوتے۔کیوں کہ ان کی توجہ شعری تکلفات کی طرف ہوتی ہے۔سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عملی پہلوؤں کی طرف ان کا دھیان کم کم ہوتا ہے اور پیغامِ عمل

کے ابلاغ کا کوئی ارادہ بھی نہیں ہوتا۔واضح رہے کہ شعر بالقصد موزوں کیے ہوئے متن ہی کو کہتے ہیں اس لیے جب تک خیال کی ارادی تنظیم نہ ہو، کوئی با مقصد اور فکری سطح کا شعر تخلیق کیا ہی نہیں جاسکتا ہے۔

حالؔی کے مسدس میں نعتیہ اشعار کی بنیادی خوبی ہی یہ تھی کہ ان میں نبیء کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عملی اقدامات کی وہ جھلک دکھائی گئی تھی جس سے انسانوں کے باہمی روابط میں ایسی خوئے انس پیدا ہوئی کہ پورا معاشرہ اعلیٰ اقدار کی خوشبو سے مہک اٹھا تھا۔ ہوتا یہ ہے کہ جب معاشرے' معیار اور اقداری ضابطوں سے تہی ہوجاتے ہیں تو خلاق ذہن ماحول کو زندگی بخش رویوں سے آشنا کرنے کے لیے کچھ تخلیقی اصولوں کے تحت زندگی کے لیے نصب العین اور معیارات و اقدار کی تلاش شروع کردیتے ہیں۔اردو ادب میں خلاق ذہنوں کا یہ عمل ۱۸۵۷ء کی سیاسی وعسکری پسپائی اور ذہنی انتشار کے بعد سے شروع ہوا جس نے ادب کی جملہ اقدار کو حقیقت آشنا بنانے کی کوشش کی۔نعت بھی اسی معیار پر لکھی اور قبول کی گئی۔

میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ نعتیہ شاعری میں پیغامِ صداقت، بیان کی سادگی اور حقائق کی تخلیقی نہج پر جلوہ گری دیکھ سکوں !!!............اور الحمدللہ ! نعیم صاحب کی شاعری میں یہ اوصاف بدرجہء اتم موجود پاکر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔میں اپنی بار بار دہرائی ہوئی بات کو پھر دہراتا ہوں ......کہ، عام شاعری میں صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیسے کہا گیا......جبکہ نعتیہ شاعری میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ''کیا کہا گیا؟''......اس شاعری میں کیسے کہا گیا کا سوال پہلے سوال کے استنادی حوالوں کے اثبات سے مشروط ہے۔ایسا قطعی نہیں ہے کہ نعتیہ شاعری میں کیسے کہا گیا والا سوال ہی زیرِ غور نہ آئے...........لیکن یہ سوال صرف ثانوی حیثیت میں اٹھایا جاسکتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی لچر بات بہت خوبصورت انداز میں کہی گئی ہو تو وہ عام شاعری میں قابلِ ستائش ہوسکتی ہے وہ بھی ان

لوگوں کے لیے جو ادب کو صرف تفریحِ طبع کے لیے تخلیق کرتے اور اسے پڑھتے ہیں۔ادب برائے زندگی کے قائلین تو اس شعر کی طرف بھی زیادہ متوجہ نہیں ہوں گے جبکہ ان میں دین بیزار بھی ہو سکتے ہیں۔لیکن نعتیہ شاعری کے سنجیدہ قارئین کسی شعری کاوش کو اس کی ادبی خوبیوں اور اس میں مضمر یا ظاہر دینی صداقتوں کے ساتھ ہی قبول کریں گے۔

اظہارِ صداقت، جذبۂ عمل جگانے کا داعیہ، سیرتِ سرکارِ عالمینصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنانے کا مؤثر پیغام اور احساسات کا تموج، سید ضیاء الدین نعیم صاحب کی شاعری کو لائقِ تحسین اور قابلِ قدر چیز بناتا ہے۔

وہ جو ادب کی دو اقسام بار بار حوالے کے طور پر میری تحریروں میں آتی رہی ہیں کہ (۱) معلوماتی ادب اور (۲) متأثّر کن ادب (Literature of Knowledge and Literature of Power)...... تو ہم دیکھتے ہیں کہ عام شاعری کو صرف متأثّر کن ادب کی سطح پر رکھ کر ہی تخلیق کیا جاتا ہے، پڑھا جاتا ہے اور اس پر نگاہِ انتقاد ڈالی جاتی ہے............اس کے برعکس نعتیہ ادب کو معلوماتی اور متأثّرکن ادب ' دونوں سطح کے معیارات کی روشنی میں تخلیق کیا جاتا ہے، پڑھا جاتا ہے اور اس پر تنقید کی جاتی ہے۔نعتیہ شاعری میں خوبصورت اظہار کو خوبصورت اور مستند بات یا خیال کی راست سمتی کی روشنی ہی میں سراہا جاسکتا ہے نرے اظہاری حسن کو نہیں۔

نعیم صاحب کی شاعری میں نعتیہ لہجہ سادہ ہونے کے باوجود دل میں اتر جانے والا ہے۔اس لیے کہ ان کی شاعری میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسوہ ءحسنہ' شعری بنت میں جلوہ آراء ہو کر الفاظ و معانی کے دریچوں کو روشنی کی سمت کھول رہا ہے۔ان کی نعتوں میں صرف جذبہ نہیں بلکہ جذبے کے ساتھ احساسِ پیروی بھی ہے اور پیروی کے لیے جس نقشِ قدم کی ضرورت ہے وہ بھی نعتیہ اشعار میں سورج بن کر چمک رہا ہے۔

نعیم صاحب کے کلام میں سہلِ ممتنع (یعنی ایسا کلام جس کی تقلید کرنا سہل معلوم ہو لیکن ویسا تخلیق کرنا نہایت مشکل ہو جائے) کی فراوانی اور فصاحت و بلاغت لائقِ تحسین ہے۔ مثلاً:

محبت ہی محبت تھی ، حکیمانہ رویّہ تھا
وہ جس نے ایک عالم کو نبیؐ کی سمت کھینچا تھا

یا

پہلے آئے تھے نہ ویسے کبھی آئے شب و روز
عہدِ پیغمبرِ آخر نے جو پائے شب و روز

''تو کیا کفار کی خاطر تم اپنی جاں گھلا لوگے''
یہ کہہ کر رب نے ان کو اتنا غم کرنے سے روکا تھا

سہلِ ممتنع کی خوبی کے ساتھ ساتھ بات کہنے کا ایسا قرینہ کہ نہ تو کلام میں تعقید ہے نہ تنافر، اس تخلیقی اظہار کی وقعت میں اضافے کا باعث ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود اپنے عہد کو ''خیر القرونِ قرنی'' فرمایا ہے۔ شاعر نے اسی لیے اس عہد کے بعد آنے والے رات دن کو ان سے کم تر ظاہر کیا ہے۔ پھر دین کا پیغام نہ ماننے والوں کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دلی کڑھن کے قرآنی اظہار کا شعری عکس جس میں رب تعالیٰ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمسے انتہائی درجہ محبت کا قرینہ ہو، یقیناً نعتیہ شاعری کی اچھی مثال ہے۔ تلمیح میں سورہء کہف کی آیت ۶ اور سورہء شعراء کی آیت ۳ (تو شاید اے نبیؐ! ہلاک کر دینا چاہتے ہو تم اپنے آپ کو ان کے پیچھے، اگر نہ ایمان لائیں وہ اس قرآن پر......اے نبیؐ شاید تم کھو دوگے اپنی جان اس [غم] میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے) کا پورا مفہوم بڑی سادگی سے جزءِ شعر بنا ہے۔

نعیم صاحب کی شاعری پڑھتے ہوئے مجھے اقبال یاد آگئے جو کہہ گئے ہیں:

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم

از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

(اعلیٰ مقاصد کی تخلیق ہی کی بدولت ہم زندہ ہیں اور [خیر، دیکھنے، خیر پر عمل کرنے اور خیر پھیلانے کی] اسی آرزو کے طفیل ہمیں زندگی کی چمک دمک نصیب ہے)

اور بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ نعیم صاحب کی نعتیہ شاعری میں مقاصد کی ضوریزی نے جہانِ معانی کو درخشاں کردیا ہے۔

نعت رنگ کے اگلے صفحات میں نعیم صاحب کی چند نعتیہ تخلیقات پیش کی جارہی ہیں۔ ابھی چوں کہ یہ شعری اندوختہ کچھ کم ہے جس میں مستقبل قریب میں مزید اضافے کی امید کی جاسکتی ہے۔ اس لیے فی الحال یہ مختصر تعارفی اظہاریہ ہی ان کی شعری قدر کی سمت نمائی کے لیے کافی ہے۔

(نعتیں: ضیاء الدین نعیم)

محبت ہی محبت تھی ، حکیمانہ رویّہ تھا
وہ جس نے ایک عالم کو نبیؐ کی سمت کھینچا تھا

نہیں تھی اُن کے ہاں تفریق اپنے اور پرائے کی
سب انساں اُن کے مدعو تھے، ہر انساں اُن کا اپنا تھا

تہجد میں کھڑے ہوتے تھے جب رب کی عبادت کو
تو اک سیلِ رواں اشکوں کا آنکھوں سے برستا تھا

طوالت سے قیامِ شب کی پاؤں سوج جاتے تھے
بدن، ربِّ دوعالم کی خشیت سے لرزتا تھا

دکھی حد درجہ گمراہوں کی گمراہی پہ ہوتے تھے
خیال اُن کو بہت ایک اک بشر کی عاقبت کا تھا

''تو کیا کفار کی خاطر تم اپنی جاں گھلا لو گے''
یہ کہہ کر رب نے اُن کو اتنا غم کرنے سے روکا تھا

وہ روز وشب میں ستر بار استغفار فرماتے
خدا کے نام کا ہر لحظہ ورد اُن کا وظیفہ تھا

دعائیں ہیں میسر ہم کو مسنون اُن کے ہر پل کی
انہوں نے اپنے ہر اک کام میں رب کو پکارا تھا

مدد ازواج کی فرمایا کرتے گھر کے کاموں میں
حقوقِ طبقۂ نسواں کا احساس اُن کا اتنا تھا

کشش ایسی تھی اوصافِ حمیدہ میں نعیم ان کے

اُنہی کا ہو کے رہ جاتا تھا جو بھی ان سے ملتا تھا

صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے آئے تھے نہ ویسے کبھی آئے شب وروز
عہدِ پیغمبرِ آخر نے جو پائے شب وروز

ساری بد زیبیاں ، ماحول کی زیبا کردیں
حسنِ نیتّ نے پیمبرؐ کے سجائے شب و روز

دشمنوں کے بھی سدا آپ رہے خیراندیش
پھول اخلاقِ حمیدہ کے کھلائے شب وروز

اپنے اصحاب سمیت آپؐ نے فاقے کاٹے
زیست میں آپؐ کی ایسے بہت آئے شب و روز

سربسجدہ ہوئے ، کی رب سے مدد کی درخواست
وقت جب کوئی کٹھن سامنے لائے شب و روز

کچھ سوا اور طبعیت میں ہوا عجز و نیاز
جب بھی اللہ نے خوشیوں کے دکھائے شب وروز

زر کو وقعت نہ پرِ کاہ برابر بھی دی
ہاتھ آئے بھی خزانے تو لٹائے شب و روز

آپ نے دنیا کو بس ایک سرائے جانا
دہرمیں ، مثل مسافر کے بتائے شب و روز

سارے ادوار سے بہتر تھا نعیمؔ اُن کا دور

ہر گھڑی گونج رہی ہے یہ صدائے شب و روز

صلی اللہ علیہ وسلم

یہ خدا کا حکم ہے ، ہر آدمی کے واسطے
اُنؐ کی جانب دیکھنا ہے پیروی کے واسطے

اُن کی آمد سے مٹا رنگ و نسب کا امتیاز
صرف تقویٰ ، شرط ٹھہرا ، برتری کے واسطے

ہر غلامی سے چھڑایا اور فرمایا کہ بس
ایک ہی رب ہے ہمارا بندگی کے واسطے

خیر اندیش آپ اپنے دشمنوں کے بھی رہے
بغض رکھا ہی نہیں دل میں کسی کے واسطے

آپ سے بڑھ کر کوئی رب کی اطاعت میں نہیں
آپ نے جو کچھ کیا ، رب کی خوشی کے واسطے

کیسے کیسے تیرہ قسمت ، ہو گئے روشن جبیں
اُنؐ کی خدمت میں جو پہنچے روشنی کے واسطے

رحمۃً للعالمیں کا اُمتی ہے تو نعیم

دل میں ہرگز بغض مت رکھنا کسی کے واسطے

ﷺ

در در کی بندگی سے چھڑایا حضور نے
بندہ فقط خدا کا بنایا حضور نے

بھولا ہوا تھا اپنی حقیقت کو آدمی
آئینہ آدمی کو دکھایا حضور نے

روشن کیے قلوب میں توحید کے چراغ
ایک اک شرارِ شرک بجھایا حضور نے

تعلیم دی اطاعتِ رب جلیل کی
انداز بندگی کا سکھایا حضور نے

واضح کیا تعلق ایمان و آگہی
تحصیل علم ، فرض بتایا حضور نے

چلنا خدا کے حکم پہ انساں کے بس میں ہے
اپنے عمل عمل سے جتایا حضور نے

ہے عافیت کا صرف وہی راستہ نعیم
جس راستے پہ چل کے دکھایا حضور نے

صلی اللہ علیہ وسلم

رؤف ایسا نہیں دیکھا رحیم ایسا نہیں دیکھا
کوئی انسان، دل کا نرم، اس درجہ نہیں دیکھا

کہا کرتے تھے اُن کو دیکھ کر ام القرٰی والے
امانت دار اتنا اس قدر سچا نہیں دیکھا

عداوت، بدزبانی، بے رخی، اپنوں کا کٹ جانا
نبیؐ نے راہ میں، تبلیغ کی، کیا کیا نہیں دیکھا

نہایت خندہ پیشانی سے ہر تلخی گوارا کی
رویّہ اُن کا لوگوں نے کبھی روکھا نہیں دیکھا

مقدم فائدہ تھا آپ کے نزدیک اوروں کا
پیمبرؐ نے کسی لمحے، مفاد اپنا نہیں دیکھا

نعیمؔ اس بات پر تاریخ کے صفحات شاہد ہیں
فلک نے اُن سے بڑھ کر خوبیوں والا نہیں دیکھا

صلی اللہ علیہ وسلم

رہبر دنیا و دیں ، رحمۃ للعالمیں
رحمۃ للعالمیں ، رحمۃ للعالمیں

کوئی بھی کردار میں ، خوبیٔ اطوار میں
آپ سے بڑھ کر نہیں ، رحمۃ للعالمیں

زیست کا ایک ایک پل،آپ کا ہر ہر عمل
شارح دینِ متیں ، رحمۃ للعالمیں

آپ نے نفرت نہ کی،دشمنوں سے بھی کبھی
پیکر حلمِ و یقیں ، رحمۃ للعالمیں

سامنے رکھی سدا،آپ نے رب کی رضا
آفریں صد آفریں ، رحمۃ للعالمیں

آپ پر آخر ہوا ، وحیِ رب کا سلسلہ
آپ ختم المرسلین ، رحمۃ للعالمیں

ﷺ

زبان پربار بار آئے ،صلوۃ اُن پر سلام اُن پر
سحابِ رحمت جو بن کے چھائے ،صلوۃ اُن پرسلام اُن پر

مطیع ربِ جلیل وبرتر،فلک نے دیکھا نہ اُن سے بڑھ کر
خدا نے وصف اُن کے خود گنائے ،صلوۃ اُن پرسلام اُن پر

وہ عفو اُن کا وہ اُن کی شفقت ،وہ فتح کے دن بھی یہ عنایت
کہ جائے ہرشخص امان پائے،صلوۃ اُن پرسلام اُن پر

یتیم نے لطفِ خاص دیکھا،غریب نے فیض عام پایا
ستم زدوں کے وہ کام آئے،صلوۃ اُن پرسلام اُن پر

قرینۂ بندگی سکھایا ،فلاح کاراز یہ بتایا
کہ شرک دل میں نہ راہ پائے،صلوۃ اُن پرسلام اُن پر

کہیں ہوئی اُن پہ سنگ باری،کبھی ہوئی بھوک پیاس طاری
جبیں پہ لیکن شکن نہ لائے،صلوۃ اُن پرسلام اُن پر

اطاعت اُنؐ کی میں چھوڑ بیٹھوں؟ میں رابطہ رب سے توڑ بیٹھوں
نعیمؔ وہ دن کبھی نہ آئے، صلوۃ اُن پر سلام اُن پر

ﷺ

شعور و فہم کے پیغام برَ خدا کے رسول
وفا تمام یقیں سربسر خد اکے رسول

''الہ اور نہیں ہے کوئی مگر اللہ''
یہ درس دیتے رہے عمر بھر خدا کے رسولؐ

نہ کھائی جو کی بھی روٹی کبھی تسلسل سے
رہے تھے عیش سے دور اس قدر خدا کے رسولؐ

جو چاہتے تو سب آسائشیں ، قدم لیتیں
یہ چاہتے ہی نہیں تھے مگر خدا کے رسول

برابر اپنے رفیقوں کے کلفتیں جھیلیں
عجیب شان کے تھے راہ بر خدا کے رسول

نعیم ان کی محبت تھی رب سے بے پایاں

رضا پہ رکھتے تھے اُس کی نظر خدا کے رسولؐ

صلی اللہ علیہ وسلم

یہ خانۂ نبی ہے ، یہاں زر نہ مال ہے
ہرآن صرف رب کی رِضا کا خیال ہے

بزم نبیؐ میں پاتے ہیں یکساں سب التفات
دربار کا سماں ہے زجاہ وجلال ہے

آئی نہیں زباں پہ کبھی کوئی تلخ بات
کیااُن سے بڑھ کےبھی کوئی شیریں مقال ہے؟

خود اپنی رائے سے بھی دیا اذنِ اختلاف
قصہ جنابِ زیدؓ کا بَیّنٌ مثال ہے

تکلیف دینے والوں کوبھی بددعا نہ دی
تکلیف دینے والوں کا کتنا خیال ہے

سیرت ہے اُن کی صرفِ نظر جہل ہے نعیمؔ
پیرو پراُن کے ہی کرم ذوالجلال ہے

صلی اللہ علیہ وسلم

خدائے واحدو یکتا کی بندگی کی طرف
وہ لائے جہل سے انساں کو آگہی کی طرف

انہوںؐ نے تزکیہ فرمایا ، اہل ایماں کا
نکال لے گئے ظلمت سے روشنی کی طرف

توہمات سے یکسر گریز سکھلایا
کہا ، کہ دھیان بھی جائے نہ اس گلی کی طرف

کشادہ ظرفی وہ دشمن سے آپ نے برتی
خیال پھر نہ گیا اُس کی دشمنی کاطرف

کمال درجے کی شفقت تھی اُن کی فطرت میں
کڑی نظر سے بھی دیکھا نہیں کسی کی طرف

نعیمؔ نام کا وہ اُنؐ کا نام لیوا ہے
نظر جو کرتا ہے تحقیر سے کسی کی طرف

صلی اللہ علیہ وسلم

چاہتا ہے جو دکھ سے بچے آدمی
اُن کے نقشِ قدم پر چلے آدمی

نفرتوں کے نہیں تھے وہ پیغام بر
نفرتوں سے کنارا کرے آدمی

وہ جو طائف میں گذری، رہے ذہن میں
صبر سے آزمائش سہے آدمی!

حکم اُن کا یہی ہے عمل بھی یہی
جو کٹے، کیوں نہ اس سے جڑے آدمی

''خاک سے ہیں سب آدم کی اولاد ہیں''
کھینچتا کیوں ہے یہ دائرے آدمی؟

اعتراف خطا سے نہ پیچھے ہٹے
جو غلط ہے نہ اُس پر اڑے آدمی

جس نے محروم رکھا ہمیشہ نعیم
وقت آئے تو اُس کو بھی دے آدمی

صلی اللہ علیہ وسلم

شمع علم آج جو فروزاں ہے
درحقیقت یہ اُن کا احساں ہے

سب جہانوں کے واسطے رحمت
یہ خطاب آپ ہی کے شایاں ہے

جس کو ''خیر القرون'' کہتے ہیں
آپؐ کا عہد ِخیر ساماں ہے

آپ جس راستے سے گزرے تھے
اب بھی وہ راستہ درخشاں ہے

ایک اک نقش اُن کی سیرت کا
صفحۂ زیست پر نمایاں ہے

راستے پر انہیؐ کے چلتے ہیں
اُنؐ کی ہستی کا جن کو عرفاں ہے

اُنؐ سا دیکھا ، نہ کوئی ایسا سنا
فکرِ انساں نعیم حیراں ہے

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی۔فیصل آباد

علامہ یوسف بن اسماعیل النبھانی۔۔۔ایک عظیم مدح نگار

ABSTRACT:

Allah Subhana-hoo-Taalaa has given His Messenger, Muhammad (S.A.W) renown for indefinite time and space. This Will of Almighty Allah is reflected in the efforts of those people who serve for the cause of preserving Sacred Life events of Prophet Muhammad (S.A.W) in their writings and to praise virtues of His character and physical beauty of Personality. Allama Yusuf Ibn-e-Ismail Al-Nabhani was fortunate to devote his life for the task of Praising Holy Prophet Muhammad (S.A.W) in prose and poems. Dr. Ishaq Qureshi is a scholar of Devotional Poetry in the sense of Researcher and Critic of high taste of literature of power, has now introduced the historical work of Prose and Poems in praise of Muhammad (S.A.W) done by Allama Nabhani in Arabic. The details of life sketch and literary work of Nabhani, provided by Dr. Ishaq Qureshi, are useful for all literature loving people in general and those in touch with the Naatia literature, in particular.

مدح نگاری ایک انفعالی عمل کا فعال اظہار ہے۔اس لیے مدح نگار بیک وقت تاثر پذیر بھی ہے اور اثر آفریں بھی، وہ ممدوح کی ذات اور اُس سے نمایاں ہونے والی صفات کو قبول کرتا ہے اور پھر اس قبولیت کا اظہار شدت جذبات کے جلو میں کرتا ہے۔اس دوگونہ عمل میں اگر کسی جانب کی تہذیب و تنقیح مناسب نہ ہوتو نتیجہ غیر تسلی بخش نکلتا ہے۔اس لیے مدح نگار کی تاثر پذیری کی اصلاح بھی ضروری ہے اور اس کے جذبات کے اظہار کی تہذیب بھی درکار ہے اسلام طرفین کی اصلاح کا ضامن ہے۔ممدوح کا انتخاب بھی غور وفکر کا متقاضی ہے کہ غیر مستحق ممدوح نہ بنے اور مستحق نظر انداز

نہ ہو اور مدح کو بھی آداب آشنا ہونا چاہیے تاکہ فرقِ مراتب کی فطری ضرورت کا احساس باقی رہے۔قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام اور مومنین کے اوصاف کا تذکرہ ہے اور اندازِ تحسین اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔کفار و مشرکین کے کردار کے سیاہ گوشے بھی مذکور ہیں اور طرزِ اظہار موضوع سے ہمہ پہلو ہم آہنگ ہے۔اسی طرح احادیث میں وصفِ جمیل اور کردار نامقبول کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔اعمال صالحہ پر تحسین اور افعال مذمومہ پر نفرین صرف ذاتی جذبے کی تسکین کے لیے نہیں ہوتی۔اس سے متضاد و متفاوت اعمال کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنا بھی مقصود ہوتا ہے تاکہ بہتر کی ترغیب اور بدتر سے اجتناب کا رویہ پیدا ہو۔

خوش آئند اعمال پر اظہار خوشنودی اور قابل گرفت افعال پر اظہار ناراضی انسان کی فطرت کا خاصہ ہے۔وہ خوش ہوتا ہے تو اس کا اعلان کرتا ہے اور ناراض ہو تو ردِ عمل دیتا ہے۔اسلام، انسان کو اس فطری حق سے محروم نہیں کرنا چاہتا، البتہ وہ اس حق کو عین فطرت اور عین واقعہ بنانے کا خواہش مند ضرور ہے۔اسلام کی یہی روش تھی کہ مدح نگاری پر کوئی ناروا پابندی عائد نہیں کی گئی بلکہ اظہار جذبات کو مناسب راہ دکھائی گئی تاکہ یہ فطری تقاضا فطری حدود کے اندر پورا ہو، روایات حدیث کے عظیم ذخیرے میں متعدد ایسی روایات موجود ہیں جو مدح کو آزادی عطا کرتی ہیں مگر صنوبر کو طرح پابہ گل بھی دیکھنا چاہتی ہیں۔حدیث مبارک ہے:

''عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ''(۱)

حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔''

اسی مضمون کی حدیث حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔(۲) اللہ تعالیٰ کے بے پایاں انعام و اکرام انسان کی سپاس گزاری کی دعوت دیتے ہیں مگر یہ تبھی ممکن ہے کہ انسان حق

شناس ہو اُس کے مزاج میں محسن کے احسانات پر ممنونیت کا جوہر موجود ہو، انسان کا دوسرے انسانوں سے یہ اخلاقی رویہ اس کے فطری رویہ کا عکاس ہوگا۔ بندوں کے حسن سلوک کے جواب میں شکر گزاری کی عادت اُسے اپنے خالق کے سامنے سرنگوں ہونے کا ابتدائیہ بنے گی، حدیث میں احسان پر شکریہ کی ترغیب ہے، یہی شکریہ شعر کے قالب میں ڈھلے تو مدح بنتا ہے اور یہ مدح حمد کی تمہید بنتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أرأیت الرجل یعمل العمل من الخیر ویحمد الناس علیہ قال تلک عاجل بشری المؤمن۔'' (۳)

''کہا گیا کیا آپ نے ایسے آدمی کو دیکھا جو بھلائی کا کام کرتا ہے اور لوگ اس کی اُس عملِ خیر پر تعریف کرتے ہیں تو آپ نے کہا یہ ایک ایسی عجلت ہے جو مومن کے لیے خوشخبری ہے۔''

عمل خیر پر مدح کو جنت کی پیشگی بشارت فرما کر واضح کر دیا کہ نیک اعمال کو سراہنا چاہیے تا کہ ان کی ترویج ہو اور یہی مدح کی بنیاد ہے۔ کتب حدیث میں کتاب المناقب، کتاب الفضائل کا وجود اسی رویے کا اظہار ہے۔ یہ مدح کا روشن اور جائز پہلو ہے اگر چہ احادیث کی خاصی تعداد غیر محمود مدح کی مذمت میں بھی وارد ہوئی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یثنی علی رجل و یطریه فی مدحه فقال اهلكتم أو قطعتم ظهر الرجل"۔(۴)(نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص سنا کہ وہ کسی کی تعریف کر رہا تھا اور تجاوز کر رہا تھا۔ فرمایا تم نے ہلاک کر دیا یا یہ کہ اس کی کمر توڑ دی)

معلوم ہوا کہ ثنا یا مدح، ممدوح کے لیے ابتلاء کا باعث ہوتی ہے عین ممکن ہے کہ اس سے اس کی شخصیت کی اٹھان مجروح ہو اور وہ غلط روش پر چل کر ہلاکت کا شکار ہو جائے۔

ان احادیث سے مدح نگاری کی تردید نہیں ہوئی تہذیب ہوئی ہے تا کہ وہ حقائق سے صرفِ نظر نہ کریں اور انتخاب میں محتاط رہیں اس لیے کہ جب مداحین واقعہ سے بڑھ کر بیان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نوازش سے زیادہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو رحمت پروردگار کے اعتراف میں گستاخی ہے اور فریب نفس بھی اسی لیے ایسے مداحین کے منہ کو مٹی سے بھر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔(۵)

طمع، خواہش اور حرص و آز مدح کے محرک بن جائیں تو مدح باطل قرار پاتی ہے جبکہ اظہار ممنونیت کا مخلصانہ رویہ مدح کو محترم بناتا ہے۔ اصل چیز وہ محرک ہے جس کی کوکھ سے مدح جنم لیتی ہے۔ اسلام خیالات کو شائستگی اور الفاظ کو متانت عطا کرتا ہے۔ مدح مداح کی نوازش نہیں ہے بلکہ موافق حقیقت خصائل کے اعتراف کا فریضہ ہے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات میں مدح کے حدود متعین ہیں۔ یہ موافق واقعہ غلو سے مبرا، حسین حرفوں کا پیکر، بلاغت کا مرقع اور مخلص و نیک طینت انسان کے دل کی آواز ہے۔ اس میں نفسانی خواہشات اور مادی مفادات کی رذالت نہیں ہوتی۔ یہ ممدوح کا قرض سمجھ کر ادا کی جاتی ہے اور ممدوح کے مقام و مرتبہ کے لائق الفاظ و اسالیب پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسلام جب عام مدح نگاری کو اس قدر ضوابط کا پابند بناتا ہے تو اس کی ارفع تریں شکل اور اس کے بلند ترین مظہر یعنی مدح رسالت مآب ﷺ میں کس طرح غیر حقیقی جذبات، مصنوعی خیالات اور غیر معیاری کلمات برداشت کرے گا۔ مدح خواجہ گردوں پناہ ﷺ ہیں۔ صداقت شعاری ضروری ہی نہیں فرض ہے، یہ تذکرہ کائنات کے سب سے بڑے صادق کا ہے جس کی پوری زندگی سے صداقت عکس ریز تھی۔ جو صداقت کا پیغامبر بھی تھا اور صداقت شعاری کا اعلیٰ ترین اسوہ بھی۔ اس لیے مداحین کے لیے قدم قدم پر احتیاط لازم ہے کہ یہاں صرف ایک صنف سخن کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کا مسئلہ نہیں ایمان کی سلامتی کا بھی سوال ہے۔ یہ راہ پر خطر ہے اس لیے حزم و احتیاط شرط ہے۔ ذات گرامی کا ہمہ

صفت موصوف ہونا سہولت بھی بہم پہنچاتا ہے اور راستے کی مشکلات کی بھی خبر دیتا ہے۔ یہاں تو جنبش لب خارج از آہنگ خطا ہے۔(۶) افراط وتفریط کی دوطرفہ حدبندی نے اس راہ کو پل صراط بنادیا ہے جہاں بڑے بڑوں کے قدم لرزتے ہیں۔ حاضر دربار کی کیفیت کچھ اس طرح کی ہے کہ:

نظر شرمندہ شرمندہ بدن لرزیدہ لرزیدہ(۷)

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا:

''حقیقتاً نعت شریف بہت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے''۔(۸)

مدح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مشکل ترین صنف سخن ہے مگر اہل اسلام نے اس پر کامیابی سے چل کر خود کو ثابت کیا ہے۔ چودہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ قریہ قریہ، شہر شہر مدحت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ترانے گائے جاتے رہے۔ عوام ہوں یا خواص سب اس حیطۂ عقیدت میں یکساں شامل رہے مدائح نبویہؐ کی طویل روایت اسلامی تاریخ کا ایسا شرف ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔

مدح رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تاریخی سفر تو آغاز کائنات سے شروع ہوگیا اور پھر تخلیق کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ پھیلتا گیا ہے۔ رشد و ہدایت کے تمام سلسلوں نے حرافۃً یا کنایۃً جزوی اور مدحت سرائی کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو ''و مبشراً بر سولٍ یأتی من بعدی اسمہ احمد''(۹) میں اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دے رہا ہوں جن کا نام احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوگا) کہہ کر طلوع آفتاب کے آثار کی نشاندہی کردی جس سے اشتیاق بڑھا۔ قبل ولادت کی تاریخ بے شمار واقعات کو اپنے دامن میں لیے ہوئے آنے

والے ''ممدوح کل'' کے خیر مقدمی ترانے گاتی محسوس ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے پوری کائنات نوید باد بہاری کے لیے سراپا انتظار تھی، آفتاب نبوت ہویدا ہوا تو نظریں اس کی کرنوں کی ضیا پاشیوں میں مسحور ہو گئیں۔ شاید ہر مرد و عورت کو نطق کی دولت سے اس لیے نوازا گیا کہ وہ اپنی عقیدت کے گجرے اس مقدس وجود کے حضور پیش کرے۔ ابن رشیق کہتے ہیں:

''بنو عبدالمطلب کے مرد و عورت میں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ایسا نہ تھا جو شعر نہ کہتا ہو۔'' (۱۰)

یعنی ممدوح ایک اور باقی سب مداحین، انصار مدینہ کے ہاں شعر گوئی اتنی عام تھی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''قدم علینا رسول اللہ ﷺ وما فی الانصار بیت الا وھو یقول الشعر قیل له وانت ابا حمزة قال وانا'' (۱۱)

''کہ جب رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں یعنی مدینہ منورہ آئے تو انصار کے تمام گھرانوں میں شعر کہا جاتا ہے کہا گیا کہ اے ابو حمزہ (یعنی حضرت انس) آپ بھی شعر کہتے تھے کہا میں بھی''

حافظ ابن عبدالبر (م۴۶۳ھ) نے ایک سو بیس مدح گو صحابہ کے نام گنوائے ہیں، حافظ ابن سیدالناس (م۷۳۴ھ) نے اسی موضوع پر میمیہ قصیدہ لکھا اور پھر اس کی ''منح المدح'' کے نام سے شرح تحریر کی جس میں ترتیب ہجاء سے دو سو صحابہ کے نام شامل کیے ہیں۔ (۱۲)

مدح نگاری کا معلوم سلسلہ مکی زندگی سے ہی شروع ہو گیا تھا مگر وہاں کی فضا ناموافق تھی اس لیے جذبات مدح اندر ہی اندر مچلتے رہتے۔ مدینہ منورہ میں ''ذات مصطفوی'' کے جلوے عیاں تر تھے۔ مکہ مکرمہ میں تو آپ ایک قریشی النسل نیک طینت انسان تھے جو معاشرے کی اصلاح کی خاطر اور دین کی تبلیغ کے لیے مسلسل مصائب کا شکار تھے مگر مدینہ منورہ میں آپؐ ایک سلطنت کے بانی، ایک

معاشرے کے محرک ایک تہذیب کے موجد اور ایک طرز حیات کے پیغام بر تھے۔ آپ مبلغ بھی تھے اور مفکر بھی، صلح جو بھی تھے اور مجاہد بھی۔ راہنما بھی تھے اور راہبر بھی۔ نظریات دہندہ بھی تھے اور اُن پر عامل بھی۔ سپہ سالار بھی تھے اور مردِ میدان بھی۔ غرضیکہ وجود انور کے بوقلموں رخ تھے اور متعدد گوشے تھے۔ ہر رخ ضوفشاں اور ہر گوشہ مثلِ ماہ نوری تھا۔ عرب فطرتاً حقائق آشنا تھے اور جذبوں کو لفظوں میں ڈھالنے کا فن بھی جانتے تھے اس لیے یہ وجودِ مقدس اُن کے دلوں کی دھڑکن اور لبوں کی آواز بناء صحابہ کرام رضی اللہ عنھم آفتاب نبوت سے بلا فصل مستفیذ ہوئے اس لیے سراپا سپاس بن گئے۔ دنیا نے عقیدت و محبت کے ان گنت گلدستے پیش ہوتے دیکھے۔ اس جماعت کے سرخیل، تائید روح القدس کے حامل حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ جن کا حوالۂ زیست ہی مدح حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنا بے حد نوازشوں سے نوازے گئے اور آنے والوں کے لیے مدح نگاری کے پیغام برقرار پائے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی سیماب صفت طبیعت آخر بانت سعاد کا گلدستہ لیے حاضر دربار ہوئی اور ردائے رحمت سے بامراد ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ''رخ حضرت کو ہدایت کا کفیل اور نجات کا وسیلہ گردانتے رہے۔ ان کے علاوہ حضرت کعب بن مالک ابو سفیان بن الحارث، العباس بن مرداس، النابغ الجدری، عبداللہ بن الزبصری اور کثیر تعداد سے سلک مروارید کے گہرِ تابدار تھے۔ یہ سلسلۂ شفاعت اسی عزیمت سے رواں دواں رہا۔ اس میں مفسرین و محدثین بھی ہیں آئمہ لغت اور علماء نحو بھی، درویش فراست اور صاحبِ شوکت وحشمت بھی، ان متعدد اسماء میں الصرصری (م ۶۰۶ھ) ابو تریٰ (م ۶۶۲ھ) الشھاب محمود الحلبی (م ۶۹۰ھ) امام الجرجوی (۶۹۶ھ) لسان الدین بن الخطیب (م ۷۷۶ھ) ابن بنات (م ۷۶۸ھ) ابرعی (م ۸۰۳ھ) ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) الیفروز آبادی (م ۸۱۷ھ) ابن حجۃ الحموی (م ۸۳۷ھ) اترابی (م ۸۰۹ھ) الشھاب المقری (م ۱۰۴۱ھ) اور عبدالغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) نے بڑا نام پایا۔

بارھویں صدی ہجری کے آخر تک سقوط بغداد کا طاری اضمحلال اپنی انتہا کو پہنچا، منتشر حکومتیں اور دست و گریباں سلطنتیں یورپ کی صنعتی یلغار کے سامنے سپر انداز ہو گئیں، عثمانی سلطنت اپنی بساط لپیٹ رہی تھی۔ عالم عرب پر اس کی حکومت تھی مگر سلطنت عباسیہ کے ایامِ زوال کی طرح اس کی حیثیت ایک یادگار کی سی تھی جس کا احترام تو تھا وقار نہ تھا۔ مصر میں ممالیک نائبالِ عثمان کہلانے کے باوجود خودسر اور لاتعلق تھے۔ یہ وہ دور تھا جب عالم اسلام مندی کے گہرے سایوں کی زد پر تھا۔ مایوسی کا عالم کہ آزادی کی تڑپ بھی دم توڑ رہی تھی۔ تیرھویں صدی جمود و بے بسی کی صدی تھی مگر چودھویں صدی میں زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے، تحریکیں ابھرنے لگیں اور جدوجہد بارآور ہونے لگی۔

یہ تھا سیاسی پس منظر جس کے حوالے سے مدح رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ گفتگو پیش کی جا رہی ہے۔ بہتر ہوگا کہ چند حقائق واضح کر دیے جائیں تاکہ تفہیم میں کوئی دقت نہ ہو۔

غلامی ایک ایسی بے بسی کو کہتے ہیں جس کی مداومت سے انسانی جوہر دھندلانے لگتا ہے۔ خوب و زشت کی تمیز اور عزت و ذلت کا امتیاز اٹھ جاتا ہے۔ بارھویں اور تیرھویں صدی میں باعزت زندگی کا تصور نہ رہا تو بلند نظری بھی گہنا گئی۔ مدح رسالت ؐمعروضی ہو یا موضوعی، ذاتِ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے وجود پذیر ہوتی ہے جس میں شاعر کی ذات اور ماحول اثرانداز ہوتا ہے۔ اس دور میں قومی نقاہت کا یہ عالم تھا کہ دربارِ رسالتؐ کی طرف اٹھنے والی پکار بھی دم بخود تھی۔ اس لیے یہ صدی نعت کے خمول کی صدی ہے۔

عالم اسلام پر بے چارگی مسلط تھی۔ ذہنی توانائیاں کسبِ رزق میں مصروف تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جب شکم کے مسائل گھمبیر ہو جائیں تو عقلی اور شعوری قوتوں کو زوال آ جاتا ہے۔ شعرا اور پھر مدح نبویؐ تو ذہنی صلاحیت کے ساتھ ذہنی وابستگی بھی چاہتے ہیں جو ان دنوں مفقود تھی اس لیے

نعتیہ شاعری کی دنیا بے کیف رہی۔

مدح نبویؐ ایک فعال عمل ہے، شاعر صرف لفظوں کے تار و پود ہی نہیں سنوارتا، اپنے وجود کا حصہ بھی ڈالتا ہے۔ شعر اُس کے اپنے وجود کا عکاس ہوتا ہے کہ اس میں اُس کا باطن شریک ہوتا ہے۔ مدحیہ شعر تو ممدوح اور مداح کے درمیان رابطے کی کڑی ہے اور جب یہ رابطہ کمزور ہو تو شعر ایک ایسا وجود ہوتا ہے جس کی روح نہ ہو۔

ان اسباب نے مدحیہ شاعری اور نعتیہ ادب کو بہت نقصان پہنچایا مگر قدرت کے فیصلے انمول بھی ہوتے ہیں اور حکمت آمیز بھی، یورپ کا عروج عالم اسلام کے زوال کی خشتِ آخر تھی اور یہی اس میں آزادی کی تحریکوں کی خشت اول بھی تھی۔ آزادی کا شعور ابھرنے لگا، یورپی استعمار نے غلاموں کے لیے اچھا رزق تو مہیا کیا مگر انہیں آزادی کی نعمت دینے سے انکار کیا۔ آزادی کے شعور مگر طلب پر قدغن نے ردِعمل پیدا کیا، خواہش دل و دماغ پر چھائی تو آتشِ نفس سے اس میں حدت آگئی اور بالآخر شعلہ جوالہ کی صورت اڑنے لگی۔ مسلمان قوم کی حالت اُس زیرِ دام پرندے کی سی تھی جو آزادی کی تڑپ میں جال سے الجھ رہا ہو اور الغیاث پکارتا ہو۔ اس پکار نے دربارِ رسالتؐ کی راہ دکھائی اور استمداد و استغاثے کے روپ میں مدحیہ شاعری کا آغاز ہوا۔ سقوطِ بغداد کے بعد دلی جذبات الصرصری اور بوصیری کے وجود میں مچلے تھے اب ابہارودی، احمد شوقی (م۱۳۰۱ھ)، احمد محرم (م۱۳۶۴ھ) اور خاص طور پر امام یوسف النبھانی (م۱۳۵۰ھ) کا روپ دھارنے لگے۔ نعتیہ ادب نے اعتماد نفس اور ذہنی استواری عطا کی۔ نت نئے معاشرتی مسائل، رزق کی مساوات کا جدید تصور، یورپ کی حاکمیت، تہذیبی یلغار اور نظریاتی مغالطوں کا سلسلہ مدحیہ شاعری کا حصہ بنا۔ شعر عقیدت کے اظہار کے ساتھ ساتھ دفاعِ عقیدہ، صیانت نظریہ اور استحکامِ ملت کا ذریعہ بنا۔ اس فضا میں علامہ یوسف نبھانی نے مجاہدانہ کردار انجام دیا، شعر کی ضرب بھی لگائی، حفظِ ماسلف کا فرض بھی ادا

کیا۔ ملت کو حوصلہ، ایمانیات کو تابانی اور عقیدت کو جولانی عطا کی، زبان و قلم کی بے پناہ قوت سے ملت اسلامیہ پر ایسے ایسے احسان کیے کہ ان کا اعتراف فرض بھی ہے اور قرض بھی، یہ مختصر مضمون اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی:

علامہ یوسف بن اسماعیل بن یوسف بن اسماعیل بن حسن بن محمد ناصر الدین الشافعی البیروتی کی کنیت ابوالمحاسن تھی۔(۱۳) فلسطین کے ایک قدیم بادیہ نشین قبیلہ ''نبہان'' کی نسبت سے نبھانی کہلائے۔(۱۴) آپ ارضی شام کے قصبہ اِجزم جو شمالی فلسطین میں حیفا سے ۲۰ کلومیٹر جنوب میں واقع ہے ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔(۱۵) دیگر سوانح نگار مثلاً الزرکلی اور صاحب معجم المولفین نے ۱۲۶۵ھ پر اعتماد کیا ہے۔(۱۶) ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم اور مقامی علماء سے حاصل کی، ۱۲۸۳ھ میں مزید تعلیم کے لیے مصر کا قصد کیا اور جامعہ ازھر میں داخلہ لیا۔ ۱۲۸۳ھ سے ۱۲۸۹ھ تک جامعہ ازھر کے فاضل اساتذہ سے کسبِ علم میں مصروف رہے اور سندِ فراغت حاصل کی۔(۱۷) ۱۲۹۱ھ میں نابلس کے قصبے جنین میں قاضی مقرر ہوئے، پھر استنبول چلے گئے۔(۱۸) وہاں رسالہ ''الجوائب'' کے ادارہ تحریر میں شامل ہوگئے، ادارہ کی تمام مطبوعات کی تصحیح بھی آپ کے فرائض میں شامل تھی۔ ۱۲۹۴ھ میں شام لوٹ آئے۔(۱۹) ولایت موصل کے شہر کوی سنجق میں قاضی مقرر ہوئے۔(۲۰) استنبول، موصل، حلب، دیار بکر، شھر وز، بغداد، سامرا، بیت المقدس کے سفر کیے۔ پہلے لاذقیہ کے محکمہ عدل کے رئیس مقرر ہوئے پھر اسی منصب پر بیت المقدس گئے۔ ۱۳۰۵ھ میں بیروت کے محکمہ حقوق کے رئیس بنا دیے گئے، بیس سال سے زاید عرصہ بیروت میں اس عہدے پر بسر کیا اور بالآخر دیارِ مدینہ کی تڑپ انہیں حجاز لے آئی۔(۲۱) ایک طویل عرصہ مدینہ منورہ میں حاضرِ دربار رہنے کی سعادت پائی، اُن کی سرمستی اور اُن کا سوز و گداز بعض ظاہر پرستوں کو اچھا نہ لگا۔ علامہ النبہانی محبّ صادق تھے اور محبت دوئی پسند نہیں ہوتی لیکن یہ ضرور ہے کہ محبّ اپنے محبوب کے خلاف کسی مخفی اشارے کو بھی بھانپ لیتا

ہے اور ردِعمل پر اُتر آتا ہے۔آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، آپ نے ایک قصیدہ جو الرائیۃ الصغریٰ کے نام سے مشہور ہے اور پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے، دربارِ رسالتؐ کے حوالے سے سنت کی تعریف اور بدعت کے رد میں لکھا جس میں ضمناً چند مشہور شخصیات کا تذکرہ بھی ہوا۔اس پر بعض معاند سازش کرنے لگے جس کے نتیجہ میں ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۱۲ء کو آپ گرفتار ہو گئے، علامہ النبھانی اس سازش کے خلاف خود لکھتے ہیں:

''ذلک بناء علیٰ تعصب الکافرین والمنافقین اللئام الذین اوقعوا الفساد بنی و بین الحکومۃ بایھامھم ایّاھا انی افرّق بین رعایاھا بکتُبی و قصائدی التّی دافعت بھا عن دین الاسلام و نافحت بھا عن سیّدالانام علیہ الصلاۃ والسلام ولاسیما الرائیۃ الکبری فی وصف الملۃ الاسلامیۃ والملل الاخری التی اشبعت فیھا الکلام فی الرد علی النصاری فی مقابلۃ تعرّضھم لدین الاسلام و الرائیۃ الصغری فی ذمّ البدعۃ و مدح السنۃ الغراء التی اشبعت فیھا الرد علی اُھل البدع و الضلال اللئام الذّین یدعون الاجتھاد ویسعون فی الارض الفساد۔''(۲۲)

''یہ سب کچھ کافروں اور کم ظرف منافقوں کی فتنہ سازی کی وجہ سے ہوا جنہوں نے میرے اور حکومت کے مابین فساد بپا کیا۔اس گمان پر کہ میں اپنی کتابوں اور اپنے قصائد کے ذریعے رعایا میں عدم استحکام پیدا کرتا ہوں جبکہ وہ قصائد ایسے تھے جن کے ذریعے میں نے دین کا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دفاع کیا تھا خاص طور پر قصیدہ الرائیۃ الکبریٰ (اس میں سات سو پچاسی شعر ہیں) جو ملت اسلامیہ اور دیگر ملتوں کے بارے میں ہے اور جس میں عیسائیوں کی دین اسلام کے خلاف مہم کا بھرپور رد ہے اور دوسرا قصیدہ الرائیۃ الصغریٰ (جس میں پانچ سو پچاس شعر ہیں) جو سنت پاکؐ کی مدح اور بدعت کے رد میں ہیں جس میں اہل بدعت وضلال کے دعویٰ اجتہاد اور مبنی برفساد منصوبوں پر شدید گرفت ہے۔''

مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمتہ نے ایک عینی شاہد کے طور پر یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے:

''ایک دفعہ سلطان عبدالحمید نے مدینہ منورہ کے گورنر بصری (باشا) کو علامہ یوسف نبھانی کی گرفتاری کا حکم دیا، گورنر بصری، علامہ کا انتہائی معتقد تھا، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلطان کا حکم نامہ پیش کیا۔ علامہ یوسف نبھانی ملاحظہ فرماتے ہی گویا ہوئے ''**سمعت و قرات و اطعت**'' (میں نے سُنا، پڑھا اور اطاعت کی)، گورنر بصری عرض کرنے لگا، حضور گرفتاری تو ایک بہانہ ہے گورنر ہاؤس تشریف لائیے آپ میرے ہاں بحثیت مہمان ہی ہوں گے۔ اس بہانے مجھے میزبانی کا شرف حاصل ہو جائے گا اور جو علماء وفضلاء اور مشائخ آپ سے ملاقات کے لے آئیں گے وہ بھی میرے ہی مہمان ہوں گے۔ آپ کے عقیدت مندوں پر گورنر ہاؤس کے دروازے ہر وقت کھُلے رہیں گے۔ آپ کا گورنر ہاؤس میں قیام قید نہیں محض سلطان کے حکم کی تعمیل کے لیے ایک حیلہ ہے۔'' (۲۳)

علامہ اس قید کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

''حُست فی المدینۃ المنورۃ مدّۃ اسبوع ولکن بالاکرام والاحترام'' (۲۴)

''مجھے ایک ہفتے کے لیے مدینہ منورہ میں اکرام و احترام کے ساتھ بند رکھا گیا''

''فأمرت بتخلیۃ سبیلی واظھر لی کبار رجالھا الندم علی ما کان'' (۲۵)

''حکومت نے میری رہائی کا حکم دے دیا اور اکابرین حکومت نے جو ہوا اُس پر افسوس کا اظہار کیا۔''

انہی دنوں جنگِ عظیم اول شروع ہوئی۔ دنیا کا امن اور حکومتوں کا توازن بگڑنے لگا تو علامہ نبھانی اپنے وطن مالوف اجزم لوٹ آئے۔ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے۔ متعدد لائق استفادہ تالیفات مرتب کیں۔ اکثر آپ کی زندگی ہی میں طبع ہوگئیں اگرچہ بعض طباعت کے مراحل سے نہ گزر سکیں جن کی اشاعت اہلِ علم و دانش اور اصحابِ ذوق پر قرض رہا۔ علامہ نبھانی

نے پچاسی سال کی عمر میں رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء کے سعادت بھرے ایام میں رخت سفر باندھا۔ تاریخ وفات ۲۹ رمضان المبارک ہے اگرچہ بعض نے ۲۳ رمضان بھی تحریر کی ہے۔(۲۶)

راہ نوردِ شوق:

علامہ نبہانی نے اپنے دور کے جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا تھا۔ جامعہ ازھر کے دینی و ادبی ماحول میں رہے تھے۔ ان کے فاضل اساتذہ میں المعمر الشمّس محمد الدمنھوری، البرھان السقا المصری، الشمّس محمود حمزہ الدمشقی، محمد بن عبداللہ الدمشقی، الشمّس الانیابی المصری، عبدالہادی الابیاری المصری، ابراھیم الزورالخلیلی المصری، المعمر محمد أمین البیطار، شیخ ابوالخیر بن عابدین اور عبداللہ بن ادریس بن السنوسی (۲۷) کے علاوہ شیخ احمد الاجھوری الشافعی، شیخ الحسن العدوی المالکی، شیخ عبدالرحمٰن الشمرینی الشافعی، شیخ عبدالقادر الرافعی الحنفی الطرابلسی اور شیخ یوسف البرقادی الحنبلی بھی شامل ہیں۔ (۲۸) اکتساب علم کے ساتھ ساتھ علامہ النبھانی معرفت کے حصول کے لیے کوشاں رہے۔ شاید انھیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۳۵۲ھ) کے والد گرامی حضرت مولانا سیف الدینؒ کا یہ فرمان پہنچ چکا تھا کہ آپ نے حضرت شیخ کو درسیات سے فراغت پر فرمایا تھا کہ بیٹا علم پڑھ لیا ہے مگر یہ ضرور یاد رہے کہ تو ''ملائے خشک و ناہموار نباشی'' (۲۹) صرف خشک اور نا مستقیم اور کھردرا سا ملا نہ بن جانا، مقصود یہ تھا کہ علم معتبر سہی اس کا حصول ایک نعمت سہی لیکن جب تک علم واردات میں نہ ڈھلے حرف شناسی سے زیادہ کچھ نہیں، یہ ذہنی بالیدگی کا عمل ہے جو جوارح پر طاری ہونا چاہیے اور یہ کاملین کی صحبت کے بغیر ممکن نہیں، علامہ نبھانی اس راز کو پا چکے تھے اس لیے قریہ قریہ گھومے، مختلف سلاسل سے رابطہ رکھا اور ہر دروازے پر دستک دی کہ مقصد اجتماعِ حسنات تھا۔ چنانچہ آپ نے سلسلہ اوریسیہ، شیخ اسماعیل نواب مہاجر مکی، سلسلہ رفاعیہ شیخ عبدالقادر ابو ریاح الدجانی الیافی، سلسلہ خلوتیہ، شیخ حسن رضواں الصعیدی، سلسلہ شاذلیہ، شمس محمد بن سعود الفاسی اور علی نور الدین البشرطی، سلسلہ نقشبندیہ،

غیاث الدین اربلی اور حضرت امداد اللہ مہاجر مکی اور سلسلہ قادریہ حسن بن علاوۃ الغزمی سے حاصل کیا۔ ان کے علاوہ شیخ محمد سعید الحبال الدمشقی، شیخ احمد بن حسن العطاس، شیخ سلیم المسوقی الدمشقی، شیخ حسین بن محمد بن حسین الحبشی الباعلوی، شیخ عبداللہ السکری الحفی الدمشقی اور ابو عبداللہ محمد سے روایت و اجازت کا فیض پایا۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران میں شیخ محمد سعید المغربی سے دلائل الخیرات کا سماع نصیب ہوا اور اجازت حاصل کی۔(۳۰) علم و عمل کے اس گداز نے طبیعت میں توازن، روح میں بحرِ بے کنار کا سا خروش اور نگارشات میں پختگی اور وقار پیدا کر دیا۔ اُس دور میں جبکہ اسلامی تعلیمات پر توجہ کم ہوتی جا رہی تھی، ماحول کے ناسازگاری اور مادیت کی یلغار کی چکاچوند نے بڑے بڑے آستانوں اور حرم کدوں کو ویران کر دیا تھا، علامہ نبہانی کے دل میں عشق کی وہ شمع روشن رہی کہ اس کی لَو اُن کی تالیفات کے ورق ورق سے آج بھی صاحبان علم اور متلاشیان راہِ حق کو مہکا رہی ہیں۔ اسے علم کا جلال کہیے یا معرفت کا جمال کہ آپ ہر عشق پیشہ کے لیے سراپا انکسار اور ہر گردن فراز کے لیے شمشیر بے نیام تھے۔ آپ اَشدّاء علی الکفار ورحماء بینھم (کافروں پر شدید اور آپس میں رحیم) کی تصویر اور علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی تعبیر تھے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

مؤلفات:

علامہ نبہانی عصر حاضر کے ایسے صاحب تصنیف بزرگ ہیں جنہیں قدیم علماء کی صف میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی تالیفات کی کثرت، موضوع اور اسلوب کی جدت اور معلومات کی وسعت نے آپ کو سیوطیٔ وقت کے لقب سے نوازا جبکہ شعر کے گداز اور مدح رسالتؐ کے ذوق نے انھیں بوصیریٔ عصر کا خطاب دیا۔(۳۲) آپ بیک وقت ایک پختہ مشق شاعر، کہنہ مشق ادیب، قابل اعتماد

عالم، لائق استفادہ صوفی اور فیض بخش مصنف تھے۔ اُن کی نگارشات قاری کو مسحور کرتی ہیں۔ جبکہ قلم کی جولانی اور تحریر کی روانی لذت مطالعہ کا محرک بنتی ہے۔ آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ الزرکلی نے اُن کی پچیس تصانیف کا ذکر کیا ہے۔(۳۳) فہرس الفھارس میں چوبیس کا حوالہ ہے۔(۳۴) جبکہ صاحب معجم المولفین نے تالیفات کی تعداد اڑتالیس بتائی ہے۔(۳۵)خود علامہ نبھانی نے ''المجموعة النبهانية فى المدائح النبوية
:الجز الرابع '' کے آخر پر اپنی کتابوں کی فہرست درج کی ہے جو طبع ہو چکی تھیں۔ ان کی تعداد اٹھائیس ہے۔ یہ فہرست ۱۳۲۰ھ تک کی ہے کہ اسی سال یہ مجموعہ طبع ہوا تھا۔(۳۶) پھر اس مجموعہ کے آخری صفحہ پر التنبیه الثالث کے زیر عنوان پانچ مزید مکمل کتابوں کا ذکر ہے جبکہ دو کے بارے میں تحریر کیا کہ تکمیل پذیر ہیں۔(۳۷) مناسب ہوگا کہ علامہ نبھانی کی معلوم تالیفات کی ایک فہرست نذر قارئین کر دی جائے تا کہ آپ کے علمی مرتبہ اور وسعت فکر کی وضاحت ہو سکے۔

(ا) اُن مولفات کے اسماء جن کو علامہ نبھانی نے خود ذکر کیا کہ طبع ہو چکی ہیں:

۱۔ الشرف المؤبد لآل محمد ﷺ ۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری نے برکاتِ آل رسولؐ کے نام سے کیا۔

۲. وسائل الوصولى الى شمائل الرسول

۳. افضل الصلوات على سيد السادات

۴. الانوار المحمديه مختصر المواهب اللدنية

۵. النظم البديع فى مولد الشفيع

٦،٧.	طيبة الغراء فى مدح سيّد الانبياء مع حاشيتها

٨.	الاحاديث الاربعين فى فضائل سيد المرسلين

٩.	الاحاديث الاربعين من امثال افصح العالمين

١٠.	سعادة المعاد فى موازنة بانت سعاد

١١.	حجة الله على العالمين فى معجزات سيد المرسلين

١٢.	خلاصة الكلام فى ترجيح دين الاسلام

١٣.	سعادة الدارين فى الصلاة على سيد الكونين

١٤.	رسالة فى مثال النعل الشريف

١٥.	صلوات الثناء علىٰ سيد الانبياء

١٦.	قصيده القول الحق فى مدح سيد الخلق

١٧.	هادى المريد الى طرق الاسانيد

١٨.	قصائد، السابقات الجياد فى مدح سيد العباد

١٩.	جامع الصلوات و مجمع السعادات

٢٠.	الفضائل المحمدية

٢١.	الورد الشافى مختصر الحصن الحصين

۲۲. المذدوجة الغراء فی الاستغاثةباسماءِ

الله الحسنیٰ

۲۳. الصلوات الالفیه فی الکمالات المحمدیه

۲۴. ریاض الجنة فی اذکار الکتاب و السنة

۲۵. الاستغاثة الکبری باسماء الله الحسنیٰ

۲۶،۲۷.المجوعة النبهانیة فی المدائح النویة

مع حاشیتها

۲۸. الخلاصة الوفیة فی رجال المجوعة

النبهانیة (۳۸)

نوٹ: ان تالیفات کے صفحات ۶۶۸۸ ہیں اور یہ ۱۳۰۹ھ سے ۱۳۲۰ھ کے دوران میں طبع ہوئی

ہیں۔

(ب) اُن مولفات کی فہرست جن کی تکمیل کی علامہ نبہانی نے صراحت کی، نیز وہ مؤلفات جو

بقول اُن کے تکمیل پذیر تھیں۔

۲۹۔ الفتح الکبیر فی ضم الزیادة الی الجامع

الصغیر ، تین اجزاء پر مشتمل یہ مجوعہ جس میں چودہ ہزار چارسو پچاس احادیث

ہیں۔علامہ نبہانی کی وفات کے بعد مطبع المصطفیٰ البابی

الحلبی و اولاده بمصر سے طبع ہوا

۳۰. صلوات الاخیار علی النبی المختار

۳۱. ارشاد الحیاری فی تحزیر المسلمین من

مدارس النصارى

۳۲. الاساليب البديعة فی فضل الصحابة و اقناع الشیعة

۳۳. السھام الصائبة لاصحاب الدعادی الکاذیة

۳۴. جامع کرامات الاولیاء ، دو ضخیم جلدوں میں اس کتاب کا اردو ترجمہ مکتبہ حامدیہ سے شائع ہوا ہے۔ عربی متن بھی مطبوع ہے۔

۳۵. ھدایة الرحمٰن فی الرد علی ھدایة الشیطان

(۳۹)

۳۶. قصیدہ الرائیة الکبریٰ ،سات سو پچاس اشعار کا قصیدہ

۳۷. قصیدہ الرائیة الصغریٰ ، پانچ سو پچاس اشعار کا قصیدہ (۴۰)

(ج) اُن تالیفات کی فہرست جن میں بعض طبع ہو چکی ہیں اور بعض کا سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے۔

۳۸. جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ، چار اجزاء پر مشتمل فضائل نبویہ پر ایک جامع کتاب جو طبع ہو چکی ، اس کا اردو ترجمہ بھی قسط وار شائع ہو رہا ہے۔

۳۹. شواھدالحق فی الاستغاثة بسیدا لخلق ،ایک ضخیم لائق استفادہ کتاب

۴۰. الاحادیث الاربعین فی وجوب طاعة امیر المومنین

۴۱. نجوم المهتدین فی معجزاته و الرد علی اعداء ہ اخوان الشیاطین

۴۲. احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکامل (اسماء منظوم)

۴۳. البرهان المسدد فی اثبات نبوة سیدنا محمد ﷺ

۴۴. کتاب الاسماء فی مالسیدنا محمد ﷺ من الاسماء

۴۵. اتحاف المسلم

۴۶. مختصر ریاض الصالحین للنووی

۴۷. منتخب الصحیحین، دس هزار احادیث مکمل اعراب و حرکات کے ساتھ (۴۱)

۴۸. تهذیب النفوس فی ترتیب الدروس

۴۹. اربعین فی فضل عثمانؓ

۵۰. اربعین فی فضل ابی بکرؓ و عمرؓ و غیر هما

۵۱. اربعین فی فضل ابی بکرؓ

۵۲. اربعین فی فضائل عمرؓ

۵۳. اربعین فی فضائل علیؓ (۴۲)

۵۴. قّرة العینین علی منتخب الصحیحین ، تین هزار

احادیث کا مجموعه

۵۵. قرة العینین من البیضاوی و الجلالین

۵۶. جامع الثناء علی الله وهو یشتمل علی جملة من احزاب اکابر الاولیاء

۵۷. مفرح الکُروب

۵۸. جزب الاستغاثات

۵۹. حُسن الشرعة فی مشروعة صلواة الظهر بعد جمعة

۶۰. الرحمة المهداة فی فضل الصلاة

۶۱. دلیل التجار الی اخلاق الاخیار

۶۲. سبیل النجاة

۶۳. التحذیر من اتخاد الصور و التصویر

۶۴. تنبیه الافکار محکمة اقبال الدنیا علی الکفار

۶۵. سعادة الانام فی اتبا ع دین الاسلام

۶۶. الاربعین من احادیث سیّد المرسلین

۶۷. العقود اللولویة فی المدائح النبویة ، دیوان المدائح

۶۸. البشائر الایمانیة فی المبشرات

المنامية ، الدلالات الواضحات   کے آخر پر   طبع   ہے

(۴۳)

۶۹.   المبشرات

۷۰.   کتاب الاذکار

۷۱.   کتاب البرزخ (۴۴)

مندرجہ بالا مؤلفات کے علاوہ بھی بعض کتب اور قصائد کا وجود ممکن ہے کہ ایسے قلم برداشتہ قلمکار کے ہاں تالیف وتصنیف ایک معمول کا عمل ہوتا ہے پھر جبکہ زبان و بیان کی قدرت کے ساتھ معلومات کی فراوانی بھی حاصل ہوتو تالیفات کی کثرت عین ممکن ہوتی ہے۔ یہ تو علامہ مرحوم پر تحقیق کرنے والے محققین کا فرض ہے کہ وہ مسلسل کوشش اور غیر مختتم جدوجہد سے اس مشن کو جاری رکھیں۔

مؤلفات کی فہرست کا طائرانہ جائزہ بھی اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ علامہ نبہانی کا تصنیفی سرمایہ ایک مرکز پر مجتمع ہے۔نثر ہو یا نظم، تالیف ہو یا تصنیف، تحقیق ہو یا روایت، غرضیکہ کوئی رُخ تصنیف ہو، مقصد صرف اور صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے اپنے قلب و ذھن اور قلم وفکر کو منوّر رکھنا ہے۔کبھی آپ فرمودات رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تجمیع و ترتیب میں ''قولِ حضور'' کی چاشنی پاتے ہیں۔صحیحین کا انتخاب ہو یا الجامع الصغیر کی تدوین وترتیب، اذکار الکتاب والسنۃ کی حلاوت ہو کہ ریاض الصالحین کے اختصار کی چاشنی، الحصن الحصین کے اوراد کی تکرار ہو یا اربعین کے حوالے سے نطق محبوب کی حیات آفرینی ، یہ سب بہانے ہیں اُس وجودِ محترم کے تذکرے کے، جو کائنات کا ایام اور انسانیت کا مربّی ہے، شمائل رسول ہوں معجزات سید العالمین، فضائل جناب کے جواہر ہوں یا مثال نعل کے نقوش تابندہ ، افضل الصلوات   ہو یا سعادة دارین، جامع الصلوات   ہو یا صلوات الثناء،

الصلوات الالفیۃ ہو یا البرہان المسدد، المزدوجۃ الغراء یا القول الحق، الاسالیب البدیعۃ ہو یا الشرف ا لمؤید ، تمام نگارشات کا مقصد درحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دہائی اور ذات وصفات سرکار سے استغاثہ ہے۔ فضائل رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی رنگ ہو، حُسن بہر رنگ مطلوب ومحبوب ہے۔ صحابہ کرام علیھم الرضوان کے تذکرے ہوں اور اربعین کا پیراھن ہو یا اہلِ بیت اطہار کی مدح سرائی، محبوبوں کا ذکر ہو یا عشاق کی داستانِ رنگیں، آئمہ کرام کے حوالے سے بات ہو یا اولیاء اللہ کی کرامات کی حکایت، مطمح نظر ایک ہی ہے۔ اس یکتائی محبوب کا انہوں نے خود بیان یوں تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''ہم مقدمہ میں تفصیلاً بیان کرنے والے ہیں کہ ہر ولی کی کرامت دراصل اس کے بنی کا معجزہ ہے تو ہمارے آقاؐ کی امت کے اولیائے کرامؒ کی کرامات بھی اس اصول کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں جو دینِ محمدیؐ کی صحت وصدق پر دلیل ہیں۔ یہی حقیقت مجھے اس کتاب (یعنی جامع کرامات اولیاء) کی تحریر پر آمادہ کر رہی ہے تاکہ میں اسے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کا تتمہ قرار دے سکوں۔''(۴۵)

واضح ہو گیا کہ علامہ نبہانی کے نزدیک ہر کمال اُسی صاحبِ کمال کا عکس ہے اور ہر حُسن اُسی حُسنِ تمام کی زکوٰۃ ہے۔ عاشق صادق دوئی پسند نہیں ہوتا اور یہ بھی نہیں کہ وہ حقائق آشنا نہیں رہتا، اُس کا خیال تو صرف یہ ہوتا ہے کہ اُسے ہر رنگ محبوب نظر آتا ہے کہ سب میں اُس کا فیضان ہے۔ علامہ نبہانی نے ابتدائی دور میں بعض اکابرین کی مدح میں شعر کہے تھے جن کا اُن کو ملال رہا۔ اس پر معذرت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''الشعر صنعۃ لاءِظھار المھارۃ والحذق لاءِخبار بالحق والصدق۔''(۴۶)

''شعر مہارت و ذہانت کے اظہار کا ذریعہ تھا حقائق و صداقت کی خبر نہ تھا۔''

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے پھر کبھی اس روش کو نہیں اپنایا، علامہ نبہانی کی چند دیگر کتب کا مقصد بھی اصلاحِ امت تھا کہ یہ بھی صاحبِ اُمت کے حضور خراج کا ذریعہ تھیں۔ نصاریٰ کا رد، مدارس نصاریٰ سے اجتناب کی تاکید، ذاتِ نبوتؐ سے بے نیازی پر مشتمل اجتہاد اور بلند بانگ دعاوی۔ آپ کے موضوعات میں اس لیے شامل ہو گئے کہ ان کی اصلاح میں امت کی بہبود کا راز پنہاں تھا۔ آپ کی مؤلفات کا مجموعی جائزہ واضح کرتا ہے کہ اُن کی پچاسی سالہ زندگی کا ہر لمحہ وقفِ سرکارِ مدینہؐ تھا۔ اُن کے جذبوں اور اُن کے خیالوں پر ایک ہی ذات جلوہ فگن تھی اور وہ کسی قیمت پر اس ''توحید مستی'' سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھے۔

علامہ نبہانی ____ ایک منفرد مدح نگار:

علامہ نبہانی کی مؤلفات کا سرسری جائزہ اُن کے محبوب نظر کی وضاحت کے لیے کافی ہے۔ نثر ہو یا نظم آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدح نگار ہیں، دربارِ رسالتؐ اُن کا مقصود بھی ہے اور اُن کے دل کا قرار بھی، نظم میں پیوستگی الفاظ اور موسیقی اصوات کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی اثر آفرینی بھی دو چند ہو جاتی ہے۔ جذبات عشق و محبت کے لیے شعر موزوں تر ہے کہ اس میں تاثر منضبط ہوتا ہے اور آہنگ میں ربطِ شعور کی جھلک ہوتی ہے۔ علامہ نبہانی تھے ہی عشق پیشہ اس لیے اُنھیں شعر میں جذبوں کو سمونے کی ضرورت بھی اور اس پر سلیقہ شعار قدرت بھی حاصل تھی۔ شعر گوئی اُن کے لیے زندگی بھر کا وظیفہ تھا۔ بچپن میں ہی تھے کہ شعر کہنے لگے اور ماحول کے مطابق مدح اکابرین میں مصروف ہوئے مگر جونہی شعور پختہ ہوا، اس کارِ بے توفیق سے کنارہ کش ہو گئے اور ماسلف شعر گوئی پر پشیمان اور نادم رہے۔ پشیمانی یہ تھی کہ درِ حبیبؐ کے سوا کسی پر آواز کیوں دی۔ یہ ندامت تلافیٔ مافات کا سبب بنی اور پھر عمر بھر اس کا ارتکاب نہ ہوا۔ شعور کی ساری شاعری گواہ ہے کہ موضوعات کے تنوّع کے باوجود ہر نظم اور ہر قصیدے کا مرکزی خیال عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم ہی رہا۔ آپ شاہ ولی اللہ محدثؒ کے اس ارشاد کے نہایت مناسب مصداق تھے کہ:

فَمن مثاء فلیذکر جمال بثینۃ   ومَن شاء فلیغزل بحب الزیانب

سا ذکر حمّی للحبیب محمد   اذا وصف العشاق حب الحبائب

''پس جو چاہیے بثینہ کے جمال کا تذکرہ کرے اور جو چاہے زینبوں (زینب کی جمع) کی محبت کے ترانے گائے میں اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہی ذکر کروں گا جب دیگر عشاق محبوباؤں کی محبت بیان کریں۔''

آپ کے معلوم ذخیرہ اشعار کا تجزیاتی مطالعہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اُن کے اشعار کے ماخذ کی نشاندہی کر دی جائے تا کہ کمیت کے اعتبار سے اُن کے مرتبۂ شاعری کا اندازہ ہو جائے۔

ا۔النظم البدیع فی مولد الشفیع :

یہ ایک مخمس ہے جس میں ایک سوتیئس (۱۲۳) بند ہیں۔ ولادتِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے اس کا مرکزی موضوع آپؐ کی دنیا میں تشریف آوری کی حکایت ہے۔ واقعات ولادت کی ترتیب کا اہتمام کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ تمہید ہے جس میں وجۂ تصنیف کا بیان ہے، ولادت جو دیباچہ ہے ''رحمت باری'' کے نزول کا۔ اس لیے مجلسِ ولادت کے آداب کا خیال رہنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ پاکیزہ محفل، پاک کلام، مستند واقعات اور عشق و محبت کی فضا، درود کے زمزموں میں حاضری کا تصور کہ رحمتِ ربّ استقبال کرے، یہ ہیں وہ موضوعات جن سے پہلا حصہ عبارت ہے۔ یہ حصہ بیس بند کا ہے۔ دوسرا حصہ نور احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہور سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنھا کی گود تک کی روایات پر مشتمل ہے۔ یہ بھی بیس بند کا ہے۔ تیسرا حصہ عظمت نسب کے حوالے سے بیان ہوا جو بیس بندوں کا ہے۔ چوتھا حصہ قرب ولادت اور بعد از ولادت نازل ہونے والی برکات کا بیان لیے ہوئے ہے۔ پانچواں حصہ ولادت کی رات کے اوصاف کے ذکر پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں حصے بھی بیس بیس بند کے ہیں۔ آخری اور چھٹا حصہ بعد از ولادت، علاماتِ عظمت کے ذکر کے ساتھ دعا و

استغاثہ ہے اس میں تیئیس بند ہیں۔ علامہ نبہانی نے پوری مخمس کومحفلِ میلاد کے حوالے سے مکمل کیا ہے۔ مولود برزنجی تو منثور بیان ہے جبکہ **النظم البدیع** منظوم خراجِ محبت ہے۔ پوری نظم سلاستِ الفاظ اور شکوہِ معنیٰ سے مزین ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ عقیدت ومحبت کی آبشار ہے جو تیزخرام بھی ہے اور نغمہ آفریں بھی، یہ مولود نبہانی ایک مستقل کتابچہ کی صورت بھی چھپا اور ''**حجة الله علی العالمین فی معجزات سید المرسلینؐ**'' کے باب ثانی میں ص۲۴۰ سے ۲۵۴ تک بھی طبع کیا گیا۔

ب۔**طیبة الغراء فی مدح سید الانبیاء** :

علامہ نبہانی سراپا مدح نگار تھے۔ اس میدان میں علامہ بوصیریؒ (م۶۹۶ھ) اُن کے امام تھے۔ امام بوصیریؒ کا قصیدہ بردہ تو اپنی عظمت وجلالتِ شان کی بنا پر نعتیہ شاعری کا اسوہ حسنہ ہے مگر آپ کا قصیدہ ھمزیہ''**أم القریٰ فی مدح خیر الوریٰ**'' اپنی طوالت اور مضمون آفرینی کی بنا پر بلند مقام رکھتا ہے۔ امام بوصیریؒ کا ھمزیہ ۴۵۶ اشعار کا قصیدہ ہے۔ اس سے ہمزیہ کی روایت بھی چلی جو تتبع تھا حضرت حسانؓ کے ھمزیہ کا، علامہ نبہانی نے اس روایت کونہایت مستحکم انداز سے قائم رکھا اور''**طیبة الغراء فی مدح سید الانبیاء**'' کے عنوان سے ایک ہزار ایک (۱۰۰۱) اشعار کا ھمزیہ قصیدہ کہا۔ یہ قصیدہ مدحیہ شاعری کا بحرِ بے کنار ہے۔ مضامین کا تنوع مگر تسلسل، الفاظ کی متانت مگر روانی، قصیدے کو عربی ادبیات کا شہکار بنا دیتی ہے۔ صاحب فہرس الفہارس کہتے ہیں:

> ''ثم ھمزیتہٗ و بھا اشتھر وتناقل الناس مالہ من خیر، لبلاغتھا و انسجامھا و طلاوتھا، ثم عظم ذکرہ بما صنّف ونظم ونثر وطبع ونشر خصوصاً جی الجانب المحمد ی الأعظم۔'' (۴۸)

''پھر اُن کا ھمزیہ جو ان کی شہرت کا سبب بنا، اس میں ان کی وجود خیر لوگوں

میں منتقل ہوئی۔ اس کی بلاغت، حُسن الفاظ اور اس کی رخشندگی کی بنا پر، پھر آپ کا ذکر ہر تصنیف پر بلند تر ہوتا گیا۔ وہ نظم تھی یا نثر، طبع ہوئی یا شائع، خاص طور پر مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے۔''

طیبۃ الغراء ایک معارضہ ہے مگر انھیں امام بوصیریؒ کی عظمت کا احساس ہے اس لیے خود کہتے ہیں:

''یقول ناظمھا قد وازنت بھمزتی ھزہ ھمزیۃ الامام الأ بوصیری اُم القری فی مدح خیر الوریٰ عالما انّ الفضل للمتقدم وأنہ بمنزلۃ المعلم وأنا بمنزلۃ المتعلم۔''

''ناظم ہمزیہ کا کہنا ہے بے شک میں اس اپنے ھمزیۃ سے امام بوصیریؒ کے ھمزیۃ ''اُم القریٰ فی مدح خیر الوریٰ'' کا معارضہ لکھا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ فضیلت متقدم ہی کو حاصل ہے اور یہ کہ وہ معلم کے مقام پر ہیں اور میں طالب علم کی سطح پر۔''

یہ ھمزیۃ قصیدہ بار بار چھپا، مصر کے مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ کا طبع ثانی (۱۳۷۱ھ ۱۹۰۲ء) ہمارے پیشِ نظر ہے۔ یہ قصیدہ علامہ نبھانی کے مجموعہ نبھانیہ کے الجزء الاول کے صفحہ ۲۰۴ سے ۲۸۷ پر بھی موجود ہے۔

ھمزیۃ النبھانی میں مدح شاری کے تمام ضوابط کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ سیرت وشمائل کا تذکرہ اور خاندانی وجاہت ونسلی صیانت کا ذکر، پھر صفات وخصائص، خیر البشر، وجہِ کائنات ہونے کا حوالہ، مولا پاک، توسل انبیاء کا دلآویز بیان، خاندان کے بزرگوں کی طہارت، رضاعت، شق صدر، والدین کریمین، تبلیغ اور اس کی مشکلات، شق قمر وشعب ابی طالب، عام الحزن، طائف کا سفر، معراج کی منزلت کی روایات، بیعت انصار، ہجرتِ ، مدینہ آمد، اذن قتال، غزوات، عمرۃ الحدیبیہ، یہود سے معاملات اور اخراج، فتح مکہ، غزوہ حنین، طائف ،تبوک، حجۃ الوداع اور وفات، پھر عظمت کے آثار، معجزات کا تفصیلی بیان، ابتدا سے انتہا تک واقعاتِ سیرت کا مرغزار لہلہا رہا ہے۔ اک بے پایاں

عقیدت ہے جو مچلتی جا رہی ہے۔ ایک عاشق کی صدا ہے جو دلوں پر دستک دیتی ہے۔ ابتدا یوں ہوتی ہے:

نُورکُ الکُلّ وَ الْوَرَیٰ اجزاء یا نبیاً مِنْ جُندہِ الانبیاء
روح ھٰذا الوجودِ اَنْتَ ولولا ک لدامت فی غیبھا الاشیاء
مُنتھی الفضل فی العوالم جمعاً فوقہُ من کمالِک الابتداء

''آپ ؐ کا نور، نورِ مبارک کُل ہے، جبکہ پوری کائنات اس کے اجزاء و حصے ہیں، آپ ؐ ایسے نبی ہیں جن کے لشکر میں دوسرے تمام انبیاء ہیں، آپ ؐ اس وجود کے اصل روحِ رواں ہیں اور اگر آپ ؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، آپ ؐ تمام عوالم کے لیے فضل کی منتھی ہیں، اُن کے اوپر آپ ؐ کے کمال کی ابتدا ہے''

ج۔سعادۃ المعاد فی موازنۃ بانت سُعاد :

حضرت کعب بن زہیر ؓ کا قصیدہ ''بانت سعاد'' دربارِ رسالت ؐ میں پڑھا گیا جس پر ردائے مبارک کی جزا بھی حاصل ہوئی اس لیے ہر شاعر کے دل میں اس کے تتبع میں قصائد کہنے کی تحریک ہوئی۔ یہ لامیہ قصیدہ ہے جس کے معارضہ میں کثیر تعداد میں لامیہ قصائد لکھے گئے۔ علامہ نبھانی کا یہ قصیدہ بھی اسی خواہش کا مظہر ہے۔ ایک سو چوالیس اشعار کا یہ قصیدہ لامیہ ۱۳۱۵ھ میں دس صفحات کے ایک پمفلٹ کی صورت میں خود علامہ نے شائع کرایا پھر اسے اپنے مجموعہ ''المجموعۃ النبھانیہ فی المدائح النبویۃ'' کے تیسرے حصے میں شامل کرلیا۔(۵۱)

''سعادۃ المعاذ'' میں حضرت کعب بن زہیر ؓ کا بار بار ذکر ہوا۔ مدح کی ابتداء میں تشبیب کا ارادۃً بیان بھی اسی تتبع کا اثر ہے جو قصیدہ کے ہر شعر سے عیاں ہے۔ ''ھوائے طیبہ'' تشبیب کا موضوع ہے جس کے جمال کے سامنے سعاد ایک تمثال ہی تو ہے۔ فرماتے ہیں:

فما سُعاد اِذا قیست ببھجتھا و کُل امثالھا اِلا تماثیل(۵۲)

’’سعاد کو جب بھی وادی مدینہ کے جمال کے سامنے کیا گیا تو وہ کیا اُس جیسی سب صرف متاثیل ہی تو ہیں۔‘‘

لکن لکعبک یا خیر الانام علیٰ رُؤسِنا ثابتٌ فضلٌ وتفضیلُ (۵۳)

’’آپ کے کعب کی اے خیر الانام ہمارے سروں پر فضل وفضیلت ثابت ہے۔‘‘

اس میں کعب میں توریہ ہے کہ مراد حضرت کعبؓ ہوں تو مراد یہ کہ آپ ہمارے سر کا تاج ہیں، موابلہ معارضہ کیسے ہوسکتا ہے اور اگر ٹخنہ مراد ہے تو پھر بھی اس ٹخنے کی عظمت سر آنکھوں پر ہے۔

د ۔السابقات الجیاد فی مدح سید العباد :

علامہ نبہانی نے عربی حروفِ ھجاء کے ہر حرف کو قافیہ بنا کر دس دس اشعار کہے جو اُن کی کتاب ’’**سعادۃ الدارین فی الصلاۃ علیٰ سیدالکونین** ‘‘ کے آخر پر بطور ضمیمہ شامل ہیں۔(۵۴) یہی قصائد ان کی تالیف ’’**المجموعۃ النبہانیہ** ‘‘ کے تمام اجزاء میں ہر حرف کے قافیہ میں آخری قصیدہ کے طور پر شامل ہیں۔ یہ مجموعی طور پر انتیس (۲۹) قصائد ہیں کہ ان میں الف متصوریٰ بھی شامل ہے۔ ان کے علاوہ حرف ھمزہ میں ایک زاید قصیدہ ہے اور حرف لام مع الالف میں ایک قصیدہ ان پر زائد ہے۔ یوں یہ معشرات یعنی دس دس اشعار کے اکتیس قصائد ہیں جو ۳۱۰ اشعار پر مشتمل ہیں۔ ان قصائد میں التزام کی وجہ سے بعض اشعار میں آورد کا گمان ہوتا ہے مگر شاعر پختہ ہو تو آورد بھی تراشی ہوئی مورتی دکھائی دیتی ہے لیکن عمومی طور پر ان معشرات میں جذبے کی فراوانی اور وارفتگی کا عالم ہے۔

ہ ۔القول الحق فی مدح سیّد الخلق :

ایک سو تیرہ شعر کا قصیدہ لامیہ جو بانت سعاد کے معارضہ کے علاوہ ہے۔ اس قصیدہ میں مدح کے عمومی مضامین کے علاوہ معجزات کا بطور خاص تذکرہ ہے۔ خود علامہ نبہانی اسے القصیدہ الفریدۃ کہتے ہیں۔ آپ کے خلاف جو شورش بپا ہوئی تھی اُس کے حوالوں میں یہ قصیدہ موضوعِ بحث

رہا ہے کہ شواھد الحق کی طرح القول الحق میں بھی استعانت اور استغاثات کی بازگشت زیادہ ہے۔ لیکن یہ حقیقت یہ کہ آپ کا یہ قصیدہ آپ کے دینی میلانات اور روحانی کیفیات کا مکمل عکس ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی پہچان ہے۔

ر۔قصیدہ الرائیۃ الکبریٰ و الرائیۃ الصغریٰ :

الرائیۃ الکبریٰ سات سو پچاس شعراور الرائیۃ الصغریٰ پانچ سو پچاس شعر کا قصیدہ ہے۔ تیرہ سو اشعار خاص مقاصد کے تحت کہے گئے ہیں۔ الرائیۃ الکبریٰ میں اسلام کی فضیلت اور دیگر مذاہب کا رد ہے جن میں خاص طور پر عیسائیت پر بھرپور تنقید ہے۔ضمناً ان افراد کا بھی رد ہوا جو عیسائی دنیا سے متاثر ہوئے اور اسلامی تعلیمات کو دیگر مذاہب کے لیے قابلِ قبول بنانے کے لیے معذرت خواہانہ رویہ اپنانے لگے۔ الرائیۃ الصغریٰ میں سنت کی تعریف اور بدعت کا رد ہے۔ضمناً ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے بعض پہلوؤں کی تشکیلِ نو کے لیے غیر ضروری اجتہاد کا سہارا لے رہے تھے۔ ان میں وہ شخصیات بھی تھیں جو سیاسی میدان میں بڑی قدآور تھیں مگر علامہ نبہانی تو انہیں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے دیکھ رہے تھے اس لیے مذمت سے دست بردار نہیں ہوئے۔ برصغیر میں سر سید احمد خان اور اُن کے رفقاء کے خلاف جو کچھ دینی طبقہ کی طرف سے ہوا ایسا ہی شیخ محمد عبدہ اور المنار کے مدیر علامہ رشید رضا کے خلاف ردعمل عرب ممالک میں پیدا ہوا تھا۔شخصی دشمنی نہ تھی، صیانت عقائد کا مرحلہ تھا۔علامہ نبہانی نے اس محاذ پر نثر میں بھی کام کیا اور نظم میں بھی۔نثر میں ''خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلام '' ، ''ارشادالحیاریٰ فی تحذیر المسلمین من مدارس نصاریٰ'' ، ''الاسالیب البدیعۃ فی فضل الصحابۃ و اقناع الشیعۃ'' ، ''السھام الصائبۃ لاصحاب الدعاوی الکاذبۃ'' ، ''ھدایۃ الرحمٰن فی الرد

علی ھدایة الشیطان“ ، ”نجوم المھتدین فی
معجزاته والرد علی اعداء و اخوان الشیاطین“ ،
”البرھان المسدد فی اثبات نبوۃ سیدنا محمد
صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم “ ہیں جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی کتاب ”اثبات نبوت“ کی یاد دلاتی ہے۔ اِن کے علاوہ دیگر کتب میں دفاعِ اسلام کا مجاہدانہ کردار نمایاں ہے۔ نظم میں الرائیۃ قصائد مولانا فضل حق خیرآبادی کے رسالہ منظوم ”امتناع النظیر“ کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کا اثر یہ ہوا کہ حکومت کو بہکایا گیا اور ایک ہفتے کے لیے علامہ نبہانی گرفتار بھی ہوئے لیکن ان کا جوشِ دینی اور دفاع ذات نبویؐ کا ذوق کم نہ ہوا بلکہ آپ ہمہ وقت شمشیر محبت کے حامل میدان مبارزت میں موجود رہے۔ خلوص اور نیک نیتی کا اپنا جلال ہوتا ہے۔ مخالفت کے ارادے کے باوجود مخالف زیرِ منقار رہتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا علامہ کے خلاف مجموعی جدوجہد اور تعاون سے محمود شکری آلوسی (م۱۳۴۲ھ) کو تیار کیا گیا۔ انہوں نے ”شواھد الحق فی الاستغاثہ بسید الخلق“ اور اسی قبیل کی دیگر کتب اور نظریات کی تردید میں دو اجزاء پر مشتمل ایک کتاب ”غایۃ الامانی فی الرد علی النبھانی“ تیار کی۔ موضوع وہی تھا جو بہت عرصے سے زیر بحث چلا آرہا تھا۔ اس کتاب میں علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے علامہ ابن حجر، علامہ السبکی، علامہ السیوطی کی تحریروں کو بھی موضوع بنایا گیا۔ کتاب حُسنِ ترتیب سے عاری تھی کہ قاری پڑھنے میں دقتیں محسوس کرتا ہے مسلسل عبارت جو بلا فصل اور بلا عنوان ہے۔ بات سے بات نکالی گئی ہے۔ بہر کیف یہ ردعمل تھا جو پوری قوت سے ترتیب پایا مگر علامہ نبہانی کی ہیبت تھی کہ اس کی اشاعت اور فروغ نہ ہوسکا۔ اس سے عالمِ عرب اور عالمِ اسلام میں علامہ نبہانی کی ساکھ کا اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ محمود شکری آلوسی کی کتاب کے دیباچہ نگار محمد بن عبداللہ بن السبیل لکھتے ہیں کہ اس کی اشاعت شیخ تلمسائی اور شیخ محمد نصیف کی مشترکہ کوششوں سے ہوئی اور طباعت کا

اہتمام فرج زکی الکردی کے سپرد کیا گیا:

''فقام بطبعتہ الاولی وقد وضع المؤلف علی طرۃ الکتاب: تالیف أبی المعالی الحسینی، اشارۃ الی کنیتہ ونسبہ الحسینی، وزاد علیھا السلامی الشافعی لئلا یتضح اسمہ خوفاعلی نفسہ''۔۔۔''فلذلک خاف السید محمود شکری الالوسی من اظھار اسمہ علی طرۃ الکتاب وکذلک صاحب المطبعۃ فرج اللہ زکی خاف علی نفسہ، ولم یذکر اسمہ الارمزا(ف،ج،ز) ولا اسم مطبعتہ ، ولاالبلدالتی فیھا المطبعۃ۔۔۔''(۵۵)

''پس فرج زکی الکردی نے اس کے طبع اول کا اہتمام کیا، کتاب کے اوپر مؤلف کا نام اس طرح لکھا، تالیف ابی المعالی الحسینی، یہ کنیت اور نسبت کی جانب اشارہ تھا۔ اس پر السلامی الشافعی کا اضافہ بھی کیا کہ نام ظاہر نہ ہو، جان کے خوف کی وجہ سے'۔۔۔پس اس سبب سید محمود شکری الالوسی کتاب پر اپنا نام نہ لکھا، اسی طرح صاحب مطبع نے خوفِ جان کے سبب صرف اشارۃً نام لکھنے پر اکتفا کیا یعنی، (ف، ج، ز) لکھا، نہ مطبع اور نہ اُس شہر کا نام لکھا گیا جہاں یہ کتاب طبع ہوئی۔''

ز ۔ چند دیگر منظوم کتب و رسائل:

علامہ نبہانی نے اسماء حسنیٰ سے استغاثہ کے موضوع پر ''المزدوجة الغراء فی الاستغاثه باسماء الله الحسنیٰ'' اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے ''احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکامل'' جیسے عقیدت مندانہ قصائد لکھے۔ ان کے علاوہ ''العقود اللؤلوية فی المدائح النبوية'' کے زیر عنوان اُن کے دیوان کی نشاندہی بھی ہوئی ہے۔ شیخ البرعی کے میمیہ قصیدہ پر ایک مصرعہ کے اضافہ سے تخمیس کہی۔(۵۶) موشحات اندلسیہ کے معارضہ میں ابن العقاد کے موشح پر ایک سو دو شعروں کا موشح

لکھا۔(۵۷) اسی طرح الموشحات الشامیہ کے معارضہ میں نعتیہ موشح لکھا جو ایک سو دوشعروں کا ہے۔(۵۸) آخری موشح ابو عبید کے معارضہ میں ہے جو سینتالیس اشعار کا ہے۔(۵۹) اگرچہ علامہ نے خود اپنے شعروں کا شمار کرتے وقت اسے تیس شعروں کا کہا ہے۔(۶۰) قافیہ لام کے زیرِعنوان چار قطعات بھی اُن کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔(۶۱) اگرچہ ایک دالیہ ہے جس کے بارے میں اُن کا کہنا ہے کہ جو المجموعہ النبھانیہ کو دوبارہ شائع کرائے وہ اس کو حرف دال میں درج کردے۔

اس مختصر جائزے سے واضح ہوگیا کہ علامہ نبھانی نے عربی میں مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موضوع پر اور اس کی مناسبت سے تقریباً چار ہزار اشعار لکھے جو کسی بڑے سے بڑے شاعر کے لیے وجہِ شرف ہو سکتے ہیں۔ یہ اُن کی قادرالکلامی اور عربی ادب پر دسترس کی دلیل ہے۔ یقیناً اُنھیں عصرِ حاضر کے نمائندہ عرب شاعروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

۲۔المجموعة النبهانية فى المدائح النبوية :

علامہ نبھانی کے شعری سرمایہ کا بیشتر حصہ ان کے مشہور مجموعہ ''المجموعة النبهانية فى المدائح النبوية'' کے چار اجزاء میں موجود ہے۔

آپ خود باکمال شاعر تھے۔انھوں نے نہایت وقیع قصائد قارئین کے لیے تحریر کیے۔اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ عہدِ صحابہ کرامؓ سے اپنے دور تک جس قدر قصائد، معارضات، موشحات اور مخمسات اُن کو دستیاب ہوئے انہوں نے ان چار اجزاء میں جمع کردیے۔ان پر حواشی لکھے اور دیباچہ کے طور پر نہایت کارآمد مباحث پر رائے زنی کی۔اس طرح یہ چار اجزاء نعتیہ شاعری کا دائرہ معارف بن گئے۔ یہ قصائد ۲۱۳ اصحاب کی شعری کاوشوں کا ثمر ہیں۔ان میں چوالیس معلوم صحابہ کرامؓ اور چار وہ ہیں جن کی عہدِ صحابہ میں مستند نشاندہی نہ ہوسکی۔اس طرح اڑتالیس افراد کا تعلق عہدِ صحابہؓ سے ہے۔ان میں ۱۶۰ وہ شعراء بھی ہیں جن کی نسبت اور اسماء معلوم نہیں اور ۱۵ مجہول ہیں۔اس طرح عہدِ صحابہؓ کے بعد سے عصرِ حاضر تک ۱۷۵ شعراء کی شعری کاوشیں المجموعہ النبھانیہ کی زینت بنی ہیں۔ان مدائح میں اصنافِ سخن

کے لحاظ سے بھی تنوع ہے کہ ۴۵۶ قصائد، ۹۹ قطعات، ۱۳ مخمسات، ۱۶ موشحات، ایک تسدیس اور ایک تشطیر ہے۔ ان مختلف اصناف کے مظاہر میں صحابہ کرامؓ کے کل شعر ۴۶۱ ہیں جبکہ ۲۴۶۳۵ اشعار دیگر شعراء کرام کے ہیں۔ اس طرح کل شعر ۲۵۰۹۶ ہیں۔ مختلف ادوار پر پھیلا ہوا اس قدر ضخیم مجموعہ علامہ نبھانی کا وہ کارنامہ ہے جس پر عربی ادب کو ہمیشہ ناز رہے گا۔

المدائح النبویة کا تجزیاتی مطالعہ:

علامہ نبھانی مدح رسالتؐ میں اس قدر مستغرق رہے کہ صاحب فہرس الفہارس نے اُنہیں بوصیری العصر (۶۲) کا لقب دیا۔ یہ اس لیے نہیں کہ انہوں نے علامہ بوصیریؒ کے تتبع میں مدح سرکار ابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وظیفۂ حیات بنایا، اُن کا ھمزیہ تو اس تتبع کا عملی اظہار ہے۔ ''سعادة المعاد'' میں حضرت کعب بن زہیرؓ کی پیروی کی اور مجموعی روش میں حضرت حسان بن ثابتؓ کا اتباع کرتے رہے۔ حضرت حسانؓ سے اُن کی نسبت کا اظہار تو خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، مولانا محمد میاں صدیقی کی زبانی سنیے موصوف اپنے والد محترم محمد ادریس کاندھلوی کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

> ''۱۹۷۲ء میں ناچیز راقم (یعنی محمد میاں صدیقی) نے علامہ یوسف النبھانی کی کتاب ''الوسائل الوصول الی شمائل الرسول'' (مراد وسائل الوصول ہے) کا اردو ترجمہ کیا، چھپا تو پیش کیا۔ دیکھ کر بہت خوش ہوئے (یعنی مولانا محمد ادریس کاندھلوی) اور علامہ نبھانی کے بارے میں ایک واقعہ سنایا، فرمایا: میں ۱۳۵۶ھ میں فلسطین گیا وہاں ایک عالمِ دین سے ملاقات ہوئی، وہ علامہ نبھانی کے احباب اور رفقا میں سے تھے (علامہ نبھانی کا انتقال ۱۳۵۲ھ میں ہوا تھا، آپ فلسطین کے رہنے والے تھے) وہ کہنے لگے کہ نبھانی کے انتقال کے کچھ روز بعد مجھے خواب میں حضورِ اقدسؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ، نبھانی ہمارا ساتھی ہے، اُس نے آپ کی مدح،

تعریف اور فضائل میں بہت سی کتابیں لکھیں، اس کا انتقال ہو گیا، اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ حضورؐ نے فرمایا: ''نبھانی تو ہمارا حسان تھا'' حضورؐ نے صرف اتنا فرمایا۔ والد صاحب (یعنی مولانا محمد ادریس کاندھلوی) فرمانے لگے کہ علامہ نبھانی نے تقریباً پچاس کتابیں حضور اقدسؐ کے بارے میں تالیف کیں۔ وہ اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے مقبول بندوں میں سے تھے۔''(٦٣)

علامہ یوسف نبھانی نے المجموعة النبھانیہ کے دیباچہ میں ''مدح رسالتؐ'' کی حدود، ضرورت اور تسلسل کے بارے میں مختلف مفید معلومات کا اندراج کیا ہے۔ اس تفصیل کا اجمال یہ ہے:

۱۔ مدح رسالتؐ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ اس میں انقطاع ممکن نہیں، اس لیے مدح کا حصر انسان کے بس میں نہیں ہے۔ ہر مدح کم اور ہر مداح ناتمام ہے، علامہ ابن الفارض فرماتے ہیں:

أریٰ کل مدح فی النبی مقصّراً و ان بالغ المثنی علیہ و أکثرا

إذا اللہ اثنیٰ بالذی ھواھلہ علیہ فما مقدار ما تمدح الوریٰ

''میں نبی کریمؐ کی ہر مدح کو قاصر خیال کرتا ہوں اگرچہ ثنا خواں کس قدر مبالغہ اور کثرت سے کام لے۔ اس لیے کہ جب آپؐ کے مرتبے کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے تو مخلوق کی تعریف کس شمار میں ہے''

۲۔ مدحتِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حق کوئی ادا نہ کر سکا تو بھی مدح میں دوام رہنا چاہیے کیونکہ:

''فمن مدحہ صلی اللہُ علیہ وسلم من المتقدمین والمتأخرین اِنما مدحہ توسلاً بجنابہِ أوتفریجاً لکربہ ومصابہ اورغبۃً فی جزیل ثوابہ او استشفاء ببرکۃ ذاتہ واستلذ اذاً

بذکراسمہ الشریف و صفاتہ۔۔۔۔۔ و مقاصد المادحین شتی و انما التوفیق مواھب۔"(۶۵)

"متقدین اور متاخرین میں سے جس نے بھی آپؐ کی مدح کی تو بے شک یہ مدح آپؐ کی بارگاہ کے توسل یا اپنی تکالیف اور مصائب سے نجات یا اس کے بہتر ثواب کی رغبت یا آپؐ کی ذات کی برکت سے شفا کی طلب یا آپؐ کے اسماء و صفات کے ذکر سے متمتع ہونے کے لیے۔۔۔ مدح نگاروں کے مقاصد مختلف ہیں۔ یقیناً توفیقِ مدح بھی ایک کرم ہے۔"

اس مدح میں توازن، شائستگی اور متانت ضروری ہے۔ مدح کے موضوعات، سیرت کے ذکر، خصائص کے تذکار، آل واصحاب کی منقبت اور دشمنانِ اسلام سے دفاعی کاوشوں پر مشتمل ہیں۔

۳۔ مدح سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوران میں یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ آپؐ اس مدح کے محتاج نہیں ہیں، یہ تو مدح نگار کی قسمت ہے کہ اُسے اس بارگاہ میں لب کشائی کی توفیق حاصل ہوئی ہے کیونکہ خالق کی مدح کا تو جواب نہیں ہے۔

۴۔ مدح میں روایتِ قصیدہ کو نبھانے کا عمدہ ترین انداز یہ ہے کہ تشبیب کے حوالے دیارِ مدینہ منورہ سے متعلق رہیں۔ اس کی وادیوں، بستیوں، موسموں اور جہتوں کا تذکرہ چاہیے تا کہ روایت بھی قائم رہے اور ادب کے تقاضے بھی ملحوظ رہیں۔

۵۔ تشبیب کی قصیدہ میں موجودگی بانت سعاد کے حوالے متحقق رہی ہے مگر اس میں کوئی اشارہ، کوئی کلمہ اور کوئی تشبیہ و استعاہ منصب ممدوح کے مقام و مرتبہ سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ لفظ پاکیزہ، خیالات عمدہ اور اسالیب باوقار ہونے چاہئیں، عورتوں کے حوالے اور اُن کے متعلقات کے بیان سے اجتناب ضروری ہے۔ درحقیقت علامہ نبھانی تشبیب کے جواز کے قائل ہیں اگرچہ احتیاط کے بھی

قائل ہیں۔

۶۔ مداحین کی کثرت، مدح نگار کو راستے کے نشیب و فراز جاننے کے لیے معاون ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ مدح نگار اُن مداحین کے کلام اور رویہ کو پیش نظر رکھے جن کی شعری صلاحیت اور معنوی عظمت کا اک جہان معترف ہو چکا ہے۔ مثلاً امام بوصیری، امام بُرعی، امام صرصری، شھاب محمود حلبی، ابن نباتہ، القیر اطی، النواجی، امام ابن حجر، الصفی الحلی وغیرہ، یہ بھی کہ اُس کے سامنے بیش تر کلام ہونا چاہیے بلکہ مختلف اصناف کے عمدہ نمونے بھی تا کہ اُس کی راہ آسان ہو جائے۔

۷۔ مدح نگار کو اُن شعراء سے متاثر نہیں ہونا چاہیے جو دنیائے شعر میں تو نمایاں مقام رکھتے تھے مگر مدح رسالت ؐ میں ژولیدہ بیان ثابت ہوئے اس لیے کہ مدح رسالت ؐ ایک توفیق ہے اور دنیا پرستوں کو یہ روحانی سربلندی حاصل نہیں ہوتی۔

۸۔ مدح نگاری، سیرت کے مطالعہ اور خصائص نبویؐ سے کسبِ فیض کا ذریعہ بھی ہے۔ اس لیے اس دینی سہولت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور مطالعہ سیرت کی عادت ڈالنی چاہیے تا کہ مدح میں مضامین کی تنگ دامنی راہ نہ کاٹے۔

ان توضیحی اشارات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ علامہ نبھانی مدحیہ شاعری کے بارے میں کن خیالات کے حامل تھے۔ اُن کے نقطہ نظر کو سمجھ لینے کے بعد اُن کی مدحیہ شاعری کا جائزہ مفید رہے گا۔

علامہ نبھانی کا ھمزیہ قصیدہ ایک ہزار ایک شعر کا ہے جس میں سیرت کے واقعات یوں بیان ہوئے ہیں کہ یہ منظوم سیرت نگاری کا عمدہ ترین نمونہ ہے۔ تشبیب کے حوالے سے مدینہ منورہ کا روح پرور نقشہ ہے، ذرا شدتِ جذبات ملاحظہ ہو:

''لیت شعری کیف الوصول الی طیبۃ وھی الحبیبۃ العذ راء'' (٦٦)

''کاش مجھے خبر ہوتی کہ طیبہ کی حاضری کیسے ہوگی کہ ایسی محبوبہ کی طرح ہے
کہ جس کا حُسن لٹا ہی نہیں یعنی محفوظ ہے''

پھر دربار کے گردونواح کو سلام محبت پیش کرتے ہیں کہ یہ وہ مقام ہے:

''حیت روح الارواح حیث جنان الخلد حیث النّعیم والنعماء''

''جہاں روحوں کی راحت، خلد کی جنت، نعمتیں اور نعمت والے ہیں۔''

''حیت یثوی محمد سید الخلق وفی بابہ الوریٰ فقراء''(٦٧)

''جہاں حضرت محمد سید الخلق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رونق افروز ہیں جن کے دروازے پر ساری مخلوق فقیرانہ حاضر ہے۔''

ھو حیٌ فی قبرہ بحیاۃ کل حی منھالہٗ استنملاء(٦٨)

''آپ اپنی قبر میں سراپا زندگی کے ساتھ حیات ہیں اور ہر زندہ اُسی زندگی سے زندگی کی بھیک مانگتا ہے۔''

ایک مسلسل رواں دواں انداز ہے کہ عظمت کے ہر حوالے سے استمداد طلب کر رہا ہے۔ پاک وجود، پاک ارحام سے منتقل ہوتا ہوا آ رہا ہے اور جہاں جہاں بھی ٹھہرا ہے عظمت لٹاتا جا رہا ہے۔

وسری فی الجدود کالروح سراً صانہٗ الأمھات والاباء(٦٩)

''وہ وجود آباء اجداد میں روح کی طرف چلتا رہا، ماؤں اور باپوں نے اُس کی خود حفاظت کی''

ایک اور طویل سلسلہ بیان سیرت کے مختلف گوشوں کے حوالے سے جاری ہے پھر معجزات، شمائل، حلیہ مبارکہ کی دلفریب روداد اور پھر خصائص کا بیان ہے۔ استفہامیہ انداز اور تکرار کلمات نے روح پرور سماں باندھا ہے۔ آخر پر توسل و استغاثہ جو علامہ کا مرغوب موضوع ہے، خاندان کے ایک فرد کے نام سے توسّل نے لفظوں کو جذبوں کی زبان عطا کر دی ہے۔ پہلا شعر اسی قدر وجد آفرین ہے:

سیدی یا أبا البتول سُوَالٌ من فقیرٍ جوابہٗ الاعطاء(٧٠)

''اے آقا! بتول زہرا کے باباجان، فقیر کا ایک سوال ہے جس کا جواب کرم و

عطا ہی ہے“

علامہ نبہانی نے قصیدہ کے آخر پر امام بوصیریؒ، حضرت کعب بن زہیرؓ اور حضرت حسان بن ثابتؓ کو شفیع بنایا ہے کہ اُنہیں اُن کی اقتدا پر ناز ہے۔ بیان میں لفظی گلکاریاں بھی ہیں اور صوری آتش فشانیاں بھی، چند شعر ایضاح مطلب کے لیے حاضر ہیں:

سید العالمین یا بحر جودٍ   قطرۃٌ من سخاۃ الأَ سخیاء
ھٰذہ طیبۃ بمدحک قدطا   لت وطاب الانشادو الانشاء
مست فیھا باثر شیخ امام   قد اقرّت بسبقہ الشعراء
و اِذا لم اکن بمدحک حسّا   نًا فھٰذی قصیدتی حسناء
لو رآھا کعبٌ لقال سُعادُ   أُمۃ من اِ مائھا سوداء (۷۱)
مثلی فیک فی مدیحی کما لَو   وصف العرش ذرّۃٌ عمشاء (۷۲)
انت شمسٌ وفی سناک ظھوری   غیرُ مستُغربٍ لأَ نّی ھباء
کم فقیر بلحظۃ منک اضحیٰ   عن جمیع الوری لہُ استغناء
قداً اجزت المداح قبلی فکانت   سنۃ واقتدٰی بک الکرماء (۷۳)

”اے سب جہانوں کے سردار اور اے جودوکرم کے بحرِ بے کراں، تمام سخی آپ کی سخاوت کا ایک قطرہ ہی تو ہیں۔ یہ طیبۃ قصیدہ آپ کی مدح میں طویل ہوگیا۔ شعر و انشاء پاکیزہ تر ہو گئے۔ اس قصیدہ میں مَیں اُس امام محترم (یعنی امام بوصیری) کے نقش قدم پر چلا جس کی پیش روی کو سب شعراء تسلیم کر چکے ہیں۔ جبکہ میں آپ کی مدح میں حسّان نہ بن سکا۔ یہ بھی کہ حسین تر نہ ہو سکا تو یہ خوبصورت قصیدہ حاضر ہے۔ اگر اس قصیدہ کو حضرت کعبؓ دیکھتے تو ضرور کہتے کہ سعاد اس کی لونڈیوں میں سے ایک سیاہ فام لونڈی ہے۔ آپؐ کی مدح نگاری میں میری مثال یوں ہے جیسے کہ کم نظر ذرہ یا چیونٹی عرش کے اوصاف بیان کرے۔ آپؐ سورج ہیں آپ کے نور میں میرا ظہور ہے جو غروب ہونے والا نہیں کہ میں تو ایک ذرہ غبار ہوں، ایسا غبار جو سورج کی شعاع ہی میں نظر آتا ہے، کتنے فقیر ہیں جو آپ کی نظرِ کرم سے تمام مخلوق

سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔آپ نے مجھ سے پہلے بھی مداحین کو نوازا ہے، یہ
آپ کا طریقہ ہے اور اس میں صاحبِ بخشش لوگوں نے آپ ہی کی اقتداء
کی ہے۔''

الغرض یہ قصیدہ ھمزیہ علامہ نبھانی کا ایک قابل فخر کارنامہ ہے،لفظوں کی آب ہے جو قلب و دماغ پر دستک دیتی ہے اور کانوں میں رس گھولتی ہے۔قاری سیرت مطہرہ کے مختلف گوشوں سے آگاہ بھی ہوتا ہے جو عصرِ حاضر کی ضرورت اور پسند ہے اور لفظوں میں گھلے ہوئے جذبوں سے صیانت عقیدہ کے عمل سے بھی گزرتا ہے اور وارفتگی کی حالت میں علامہ نبھانی کے جذبوں کا ہم رکاب بھی ہو جاتا ہے۔ یہ قصیدہ واقعات اور جذبات کا حسین مجموعہ ہے جس کی شیرینی مدت تک محسوس ہوتی رہے گی۔اس قصیدے سے علامہ نبھانی کی معلومات کی وسعت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔شعری صلاحیت کا بھی اور حاضریٔ دربار کے آداب کا بھی۔

قصیدۃ سعادۃ المعادۃ حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصیدہ بانت سعاد کا معارضہ ہے۔تشبیب کے اشعار میں محبوبہ وادی مدینہ ہے جسے وہ ''عذراء'' کہہ کر ''توریہ'' کرتے ہیں کہ اس کا معنٰی دوشیزہ بھی ہے اور یہ مدینہ منورہ کا ایک اسم بھی ہے۔لوگ دوشیزاؤں سے نسبت دے کر حُسن تغزل کی بات کرتے ہیں تو علامہ نبھانی فرادی تو رحمت کے ترانے گاتے ہیں:

كلُّ المحاسن جُزءٌ من محاسنها اجما لُها بجمال الكون تفصيلُ
فما سُعادُ اذا قيست ببهجتها وكلُّ أمثالها الا تماثيل(۴۷)

''ہر حسن مدینہ منورہ کے محاسن سے لیا ہوا ہے یہ اجمال ہے کہ جس کی تمام
کائنات تفصیل ہے، سعاد ہی نہیں جبکہ اسے اس کے حسن و جمال پر قیاس کیا
جائے بلکہ اُس جیسی تمام محبوبائیں صرف تماثیل ہیں''

نواح مدینہ کے زمزمے سے متعدد اشعار تک ممتد ہو گئے ہیں، وارفتگی کا عالم ہے کہ اس مکان سے مکین کی یاد آنے لگتی ہے تو مدح سرائی کا چشمہ ابل پڑتا ہے۔کائنات کا ذرہ ذرہ جھومتا ہے اور حُسن

عالمتاب کی عظمت کا نشان ہے۔ اسی روانی میں معجزات کے تذکرے جو ذھن کو گرفت میں لے لیتے ہیں، شروع ہو جاتے ہیں، حُسن و رعنائی کی داستان میں شاعر اپنے عجز کلام کا اعتراف کرتے ہوئے پکارتا ہے:

لایعلم الناسُ فی الدنیا حقیقتہ فالعقل عنھا بحبل العجز معقول
وفی القیامۃ تبدو شمس رُتبتہ کأ نھا فوق ھام الخلق اکلیل(۷۵)

''دنیا میں لوگ ان کی حقیقت کو نہیں جان سکے کہ عقل اس بلندیٔ مرتبہ کے ادراک سے عاجزی کے بندھن کی اسیر ہے۔ اُن کے مراتب کا آفتاب تو قیامت میں طلوع ہو گا یوں جیسے کہ لوگوں کے سروں پر تاج ہو''

علامہ نبہانی کے کلام میں عصری تقاضوں کی بازگشت بھی بڑی واضح ہے۔ غیروں کے ظلم و ستم اور اپنوں کی بے وفائی بھی ان کے کلام میں بڑی نمایاں ہے۔ ھمزیہ میں دین مبین پر ظالموں اور منافقوں کی یلغار پر سراپا دعا بن کر عرض کرتے ہیں:

عاد فیہ الدین المبین کما قلت غریباً و اَھلہُ غُرباء
فتدارکہ قبل اَن تخطُرا الاخطار فالیوم مسہُ الاعیاء
کم ابُوجھل استطال علی الدین وکم ذا اُزرت بہِ الجھلاء
ولکم فی ثیابہِ ابن سلوثیا شاکہُ من نفاقہ سُلّاء(۷۶)

''اس دور میں دین مبین ویسے ہی ہو گیا جیسا کہ آپ نے کہا تھا کہ وہ غریب ہو جائے گا اور دین دار اجنبی بن جائیں گے، آپ اس کا تدارک فرمائیں قبل اس کے خطرات منڈلانے لگیں کہ آج دین کو درماندگی لاحق ہو گئی ہے، کتنے ابوجہل ہیں جنھوں نے دین پر ظلم کیا اور کتنے ہیں جن کی وجہ سے جاہل لوگ مصائب کا شکار ہوئے اور کتنے ابنِ سلول یعنی عبداللہ بن سلول رئیس المنافقین کے لبادے میں ہیں کہ ان کے منافقت کے کانٹوں نے دین کو زخمی کر رکھا ہے''

اسی طرح سعادۃ المعاد میں زمانے کا ماتم بڑا پُر تاثیر اور زود اثر ہے جس پر وہ پناہِ عالم صلی

اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دہائی دیتے ہیں:

اشکو الیک زمانی شاکراً نعماً ما عند مثلی باذن اللّٰہ تسھیلُ
فقد بُلیت بعصر کلہُ فتن فیہ اخوالحق مغلوبٌ و مغلولُ
الدین فیہ بحکم الجمر قابضہ بنار دُنیاہُ بین الناس مشعولُ (۷۷)

''شاکر نعمت ہوتے ہوئے بھی میں آپؐ سے اپنے زمانے کا شکوہ کرتا ہوں، مجھ ایسے کے ہاں تو باذن اللہ کوئی سہولت و بندگی کا سامان نہیں، میں تو ایسے زمانے کا آزمودہ ہوا ہوں جو سراپا فتن ہے اس میں صاحب حق مغلوب ہے اور غیر کا اسیر ہے، دین پر قابض تو شعلوں کی زبان میں قبضہ کر رہے ہیں اور لوگوں کے درمیان دنیا کی آگ بڑھکائی جا رہی ہے''

آخر پر حضرت کعبؓ کے حوالے معارضت پر معذرت مگر بخشش و عطا کی التجا ہے

علامہ نبہانی کا قصیدہ ''الوعدالحق'' تو اُن کے شدت جذبات کا عکاس ہے اسے وہ خود ہی القصیدۃ الفریدۃ کہتے ہیں۔ اسی پر اُن کے خلاف ایک ہنگام بپا ہوا تھا۔ اس میں سے یہی اُن کے مزاج کا ترجمان ہے۔ تشبیب کے ضمن میں شاعر کا اضطرار ملاحظہ ہو:

فیا رکب الحجاز فدتک نفسی تحمّل ما یخف علیک حملا
متی جزت النقا و رُبوع سلعٍ وجئت أعزّ ارض اللّٰہ اھلا
فبادر بالسجود علیٰ ثراھا وأدِ بلثمہ فرضاً و نفلا
وبلغ طیبۃ و السا کنیھا رسائل من ملئ الشوق تملی
یظل فوٴا دُہ للجزعِ یصبو ویھوی باللّوی ماء و ظلاّ (۷۸)

''اے حجاز کے مسافر تجھ پر میری جان فدا ہے، تو مجھ پر اتنا بوجھ ڈال دے جو تیرے بوجھ کو کم کرے دے۔ جب تو نقاء اور سلع کی منزلوں سے گزرے اور اُس سرزمین پر جائے جو اللہ کی ساری زمین سے عزیز تر ہے تو اُس کی مٹی

پر سجدہ کرنے میں جلدی کرنا اور اس مٹی کو چوم کر فرض و نفل ادا کرنا، مدینہ منورہ اور وہاں کے ساکنین کو میرے وہ پیغام پہنچانا جوشوق سے املا ہوئے ہیں۔ یہ بھی پہنچانا کہ اس کا دل 'جزع' کے لیے مشتاق ہے اور وہ 'اللوی' میں پانی وسایہ کا متلاشی ہے"

مدح سرائی میں جولانی طبع کا رنگ دیکھئے اور استغاثے کا بیانیہ انداز ملاحظہ کیجیے:

فلم یخلق لک الرحمٰن شبھاً — ولم یخلق لک الرحمٰن مثلا
ونوع الانس أشرف کل نوعٍ — لانک منھم یا نور شکلا
ایامن قد تمنی کل تاجٍ — یکون برجلہ للنعل نعلا
وخیر الناس یرضی ان تراہ — للثم تراب تلک النّعل اھلا
ولست بحاجۃٍ للمدح لٰکن — لنا حاجٌ ولیس سواک مولی(۷۹)

"اللہ تعالیٰ نے آپ کے کوئی مثال پیدا نہیں کیا اور نہ آپ کا مثل بنایا ہے، نوع انسانی کو تمام دیگر مخلوقات پر اس لیے شرف حاصل ہے کہ آپ ان میں سے ہیں، شکل کے اعتبار سے، اے وہ وجود گرامی کہ ہر تاج شاہی آپ کے نعل کا نعل بننا چاہتا ہے اور لوگوں میں سے بہتر سے بہتر انسان بھی یہ پسند کرتا ہے کہ آپ اُسے اپنی نعلین کی مٹی کو بوسہ دینے کا اہل سمجھیں، آپ تو مدح کے محتاج نہیں ہیں، محتاج تو ہم ہیں کہ آپ کے سوا کوئی آقا نہیں ہے۔"

خوش عقیدگی کا ایک مرقع قطعہ کی صورت میں پڑھیے اور صاحبِ عقیدت کی محبت آفرینی کی داد دیجیے:

علیٰ رأس ھٰذا الکون نعل محمدٍ — علت فجمیع الخلق تحت ظلالہ
لدی الطّور موسیٰ نودی اخلع و احمد — علی العرش لم یؤذن بخلع نعالہ(۸۰)

"اس کائنات کے سر پر نعلین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے، وہ اس قدر بلند ہے کہ ساری مخلوق اس کے سایوں میں ہے، طُور پر موسیٰ علیہ السلام کو

نعلین اتارنے کی صدا دی گئی اور احمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عرش پر بھی نعلین اتارنے کی اجازت نہ ملی۔''

علامہ نبہانی کے وہ قصائد جو ''السابقات الجیاد فی مدح سید العباد'' کے عنوان سے ''سعادۃ الدارین'' میں شامل ہیں اور المجموعۃ النبھانیہ کے تمام اجزاء میں حسبِ قافیہ موجود ہیں، ۲۹ قصائد ہیں جن میں ھمزہ اور لام میں اسی نسبت سے اضافہ بھی ہے، اس طرح ۳۱ قصائد، ۳۱۰ شعروں پر مشتمل ہیں۔ یہ دس دس شعروں کا مختصر قصیدہ ہے جس کا انہوں نے ارادۃً التزام کیا ہے جیسا کہ امام الوتری نے بیس بیس شعروں پر مشتمل قصائد کہے۔ ان میں اختصار کی وجہ سے جذبوں کی شدت بھی سمٹ آئی ہے اور نہایت بلیغ انداز میں مافی الضمیر کو بیان کیا گیا ہے مثلاً:

آہ لولا الجناح منی کسیر — کنت فی الحال للحجاز اطیرُ

سید الخلق صفوۃُ الحق شمس الافق — اُفق الھدیٰ البشیرُ النذیرُ (۸۱)

نقبّل ارضاً مسھا قدم الذی — لہ سُحبت فوق السماء دیول

نبیٌ جمیع الانبیاء محمدٌ — نعم ولکل المرسلین رسول

فما کان بین الخلق مثل لاحمد — ولیس لہٗ فیمن یکون مثیلُ (۸۲)

''کاش اگر میرے بازو بے بس نہ ہوتے تو میں فوری طور پر حجاز کی جانب پرواز کرتا، آپ مخلوق کے سردار، حق کا انتخاب آفاق کے آفتاب، ہدایت کے آفاق اور بشیر ونذیر ہیں، ہم اسی سرزمین کو چومتے ہیں جس پر وہ قدم لگے ہیں جن قدموں والا کے دامن آسمان پر کشاں رہتے ہیں، وہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو سارے نبیوں کا نبی ہے اور تمام رسولوں کا رسول ہے، مخلوق میں احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کوئی مثل نہیں ہے اور نہ اُن کی مثل ہوگا۔''

علامہ نبہانی عصری حادثات اور واقعات سے متاثر ہو کر دین کے درد کا برملا اظہار کرتے

ہیں:

اُنظر الٰی دینک المبین غداً لملّۃ الکفر فی الوریٰ ھدفا
ھاھم تداعوا کما ابنت لا و نحن مع کثرۃ بنا ضعفا
فلن بھذا الزمان ذا نظرٍ لنا کما کُنت فی الذی سلفا(۸۳)

''اپنے دین مبین کے مستقبل پر نظر ڈالیے کہ وہ کفر کی ملّت کا تمام مخلوق میں نشانہ بنا ہوا ہے، وہ دیکھیے کہ ایک دوسرے کو پکار رہے ہیں جیسا کہ آپؐ نے واضح فرمایا تھا یعنی جمعیت کفر کو دین مبین کے خلاف اکٹھا کر رہے ہیں اور ہم دین والے کثرت کے باوجود کمزور ہیں، اس زمانے پر ویسے ہی نظر ڈالیے جیسا کہ آپ گزرے ہوئے ادوار میں نظرِ رحمت فرماتے رہے ہیں۔''

علامہ یوسف نبہانی نے ''النظم البدیع فی مولد الشفیع'' کے زیرِ عنوان میلاد نامہ بھی لکھا ہے۔۱۲۳ بند پر مشتمل یہ مخمس اس اہتمام سے رقم ہوئی ہے کہ میلاد کی محافل میں پڑھی جانے کے قابل ہے۔ ولادت سے قبل اور بعد کے واقعات، احادیث و سِیر کی کتابوں کے حوالے سے نہایت مہارت اور محبت و عقیدت سے سلسلہ وار روایت ہوئے ہیں کہ یہ سیرت نگاری بھی ہے اور مدح نگاری بھی۔ اس لیے کہ مدح سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وسعت بے پایاں ہے، آپ کی شخصیت کا ہر پہلو، سیرت مطہرہ کا ہر گوشہ اور پیغمبرانہ عظمت کا ہر رُخ اس میں سمویا گیا ہے۔ کہیں آپؐ کے حسن و جمال کا تذکرہ ہے تو کہیں اخلاق و عادات کا، ایک کے ہاں ذات کے حوالے سے متعلقات کے ادراک کی خواہش ہے تو دوسرا متعلقات کے راستے ذاتِ اقدس تک رسائی کے لیے بے چین ہے۔ بعض کے ہاں تاثر پسندی کی انفعالیت ہے اس لیے وہ سیرت مبارکہ کو الفاظ کا پیراہن مہیا کر رہا ہے تو بعض کے ہاں اپنے داعیات و محرکات کی فعالیت ہے اور وہ اپنی ذات کے حوالوں سے التجاؤں اور تمناؤں کی دنیا بسائے ہوئے ہے۔ مدح نگاری کا معروضی عنصر سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکار یعنی آپؐ کی حیاتِ ظاہرہ کا بیان ہے۔ سیرت کے واقعات میں مداحین کے نزدیک سب سے زیادہ توجہ کا مستحق

''ولادت'' کا واقعہ ہے۔ پیدائش سے قبل کے حالات، پیش گوئیاں، آثارِ رحمت، عجائب کا ظہور، جناب آمنہؓ سے بعض خوارق کی حکایت اور اسی قسم کے دیگر واقعات جن سے نومولود کی عظمت اور شرافت کا اظہار ہوتا تھا۔ مدح نگاروں کی توجہ کا مرکز ہیں۔ محافل کا انعقاد ہونے لگا تو اظہار تشکر و عقیدت کے لیے واقعاتِ سیرت دوہرائے جانے لگے، ولادت کی مناسبت سے قصائد کہے گئے۔ مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مستقل تصانیف معرضِ وجود میں آئیں جن میں مقفّٰی نثر ہوتی اور برمحل اشعار سے انہیں دوآتشہ کیا جاتا، ایسے موالید کی کثیر تعداد دارلکتب المصریہ اور دیگر کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ علامہ نبھانی کی ''النظم البدیع'' ایسی ہی کوشش ہے کہ شاعر واقعات کی روایت بھی کر رہا ہے اور چشم تصور سے حاضرِ دربار بھی ہے۔ واقعہ تاریخ کا ورق نہیں رہا ورقِ دل کی حکایت بن گیا ہے۔ الفاظ کا جلال، موضوع کا جمال اور شاعر کا شعری کمال یوں پیوست ہوگئے ہیں کہ نظم اپنے مظاہر میں بدیع بھی ہے اور شاعر کے لیے مجسم شفیع بھی، ملاحظہ کیجیے:

ولم یزل نور النبی الاکمل   من سیدٍ لسیدٍ ینتقلُ
کا نہ فوق الجبین مشعل   کراہ من یعقل من لایعقل
ککوکبٍ قدحل برج سعد(۸۴)

فی للۃ الاثنین لاثنی بشرا   قبیل فجرٍ من ربیع ظھرا
فاشرق الکون بہاذا اسفرا   وانجل الشمّس وفاق القمرا
والبدر قد حکمہ فی المھد(۸۵)

یاربّنا بجاھہ لدیکا   انا توسلنا بہ الیکا
معتمدین ربّنا علیکا   وطالبین الخیر من یدیکا
فأَلھم الکل سبیل الرشد(۸۶)

''نبی اکرم و اکمل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور مبارک ایک محترم وجود سے
دوسرے وجود میں منتقل ہوتا رہا، یوں وہ نور چمک رہا تھا جیسے پیشانیوں پر

مشعل روشن ہو جسے ہر سمجھ دار اور بے سمجھ دیکھ لیتا تھا کہ یہ وہ کوکب ہے جو برج سعد میں اُتر آیا ہے"

"پیر کی رات بارہ ربیع الاول فجر سے کچھ پہلے وہ نور ظاہر ہوا، جب وہ نور چمکا تو کائنات روشن ہو گئی اور سورج اور چاند کو اس نے شرمندہ کر دیا اور چودھویں کے چاند سے پنگوڑے ہی میں ہم کلام ہوتا رہا۔"

"اے ہمارے پروردگار اُس نبی محترمؐ کی اُس عظمت کے واسطے جو اُن کو تیرے ہاں حاصل ہے کہ ہم انہیں کے واسطے تجھ سے التجا کرتے ہیں، اے پرودگار تجھ پر اعتماد رکھتے ہوئے اور تیرے ہاں سے خیر کی طلب کرتے ہوئے کہ تو سب کو ہدایت کے راستے کی ہدایت دے۔"

دینِ اسلام اور امت مرحومہ کی حالت زار علامہ نبہانی کا خاص موضوع ہے۔ نظم ہو یا نثر وہ موقعہ کی مناسبت سے نصیحت کرتے ہیں اور پروردگارِ عالم سے طلب گارِ اعانت ہوتے ہیں۔ اس مخمس میں بھی یہ انداز برقرار ہے فرماتے ہیں:

یا ربّ و ارحم اُمۃ المختار   فی کل عصرٍ و بکل دار
واُحرسھم من سلطۃ الاغیار   فی سائر البلاد والاقطار
فی کل غورٍ و بکل نجد

بہ استجب یا ربنا دعواتنا   اٰمن بہ یا ربّنا روعاتنا
حسن بہ یا ربّنا حالاتنا   و بدّلن بالحسن سیّئا
و نجنا من حسد و حقد(۸۷)

"اے میرے ربّ نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت پر رحم فرما، ہر دور اور ہر علاقے میں اور انہیں دشمن کے غلبے سے محفوظ فرما، تمام شہروں اور اطراف میں، ہر نشیب اور فراز میں"

"اے ہمارے ربّ اُس نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلے سے ہماری دعائیں قبول فرما اور اُن کے صدقے ہمیں خوف و ہراس سے محفوظ فرما، اُن کے واسطے سے ہمارے حالات بہتر فرما اور ہمارے گناہ نیکیوں میں بدل

دے اور ہم کو حسد و کینے سے نجات دے“

الغرض علامہ نبھانی کا ہر قصیدہ اور ہر نظم اُن کے جذبات کا مظہر اور مدح کے تمام ممکنہ مشتملات کا حامل ہے۔ آپ ایک پختہ مشق شاعر ہیں۔ آپ کے کلام میں اُن کی دینی علوم پر دسترس اور عربی زبان و ادب پر عبور کی جھلک نمایاں ہے مگر حیرت یہ ہے کہ علماء دین میں شامل ہونے اور درس و تدریس سے شغف کے باوجود اُن کا کلام مدرسانہ نہیں ہے۔ اُن کے اشعار میں الفاظ و تراکیب کا ایک بہتا ہوا دریا موجزن ہے۔ ان کی شاعری ایک محور کے گرد گھومتی ہے اور محور و مرکز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔ ایک لمحے کو بھی وہ اس مرکز نگاہ سے صرف التفات نہیں کرتے، مدح اُن کی، دفاع اُن کے مقام و مرتبہ کا، حکایت اُن کی سیرت کی اور توسّل اُن کی ذات کا، غرضیکہ ہر پہلو ذات مصطفوی جلوہ فگن ہے اور علامہ نبھانی مثل پروانہ بہر جانب رقصاں ہیں۔ ان گزارشات کو آپ کے ایک موشح پر ختم کیا جاتا ہے جو موشحات اندلسیہ کے معارضہ میں کہا گیا تھا، دستِ طلب دراز ہے اور سائل دربار اپنا حالِ دل سنا کر رحم و کرم کی بھیک مانگ رہا ہے کہ یہی دربارِ عالی ہے اور سارا جہاں اس در کا سوالی ہے:

یا أبا الزهراءِ کُن فی مسعدا	فلقد اوهی زمانی جلدی
لست ابغی من سواک المددا	انت من بین الوریٰ معتمدی
وعلی ضعیفی اِذا صال العدا	جاهک الاعظم اقوی عددی
أنا ان اسلمتنی لن اسلما	فعداتی کل ذئب اطلس
ادرک ادرکنی مادام الذما	لاتدعنی مضغة المفترس (۸۸)

اے حضرت زہراؓ کے باباجان آپ میرے لیے سہارا بن جائیں کہ میرے اس زمانے نے میری قوت کو کمزور کر دیا ہے، میں آپ کے سوا کسی کی مدد نہیں چاہتا، آپ ہی مخلوق کے درمیان میرا اعتماد اور سہارا ہیں، جب دشمن میری کمزوری پر حملہ آور ہوتا ہے تو آپ کی عظیم شان میرا مضبوط

ترین سامانِ حفاظت ہوتی ہے، اگر آپ نے مجھے بے سہارا چھوڑ دیا تو میں نہ بچ سکوں گا کہ میرے دشمن کا ہر فرد خاکستری رنگ کا بھیڑیا ہے، لیجیے، مجھے بچا لیجیے جب تک بھی مری روح سلامت ہے مجھے کسی درندہ کا لقمہ بنا نہ رہنے دیجئے۔

حوالہ جات:

۱۔جامع الترمذی باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک، ص ۳۵

۲۔حوالہ مذکورہ

۳۔صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والادب، باب اذا اثنی علی الصالح فھو بشری، ص ۳۳۲

۴۔صحیح بخاری کتاب الشھادات، باب ما یکرہ من الاطناب فی المدح، ص ۳۶۶، وباب ما یکرہ من التمادح، ص ۸۹۵

۵۔صحیح مسلم کتاب الذھد، باب النھی عن المدح، ص ۴۱۴

۶۔مولانا، حالی، مسدس

۷۔اقبال عظیم

۸۔الملفوظ، مولانا احمد رضا خان بریلویؒ، حصہ دوم ص ۴

۹۔سورہ الصّف: ۶

۱۰۔العمدہ لابن رشیق، الجزء الاوّل، ص ۱۵

۱۱۔العقد الضرید لابن عبدربہ، الجزء الثالث، ص ۳۸۸

۱۲۔الوافی بالوفیات للصغدی، فی ترجمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، یذکر من مدحہ، ص ۹۳،۹۴

۱۳۔معجم المؤلفین عمر رضا کمالہ، الجزء الثالث عشر، ص ۶۷۵

۱۴۔الاعلام لخیر الدین الزرکلی، المجلد الثامن، ص ۲۱۸

۱۵۔فہرس الفھارس والاثبات لعبدالحئ بن عبدالکبیر الکتانی، الجزء الثانی، ص ۱۱۰۸

۱۶۔الاعلام، المجلد الثامن،ص ۲۱۸، ومعجم المؤلفین، الجزء الثالث عشر،ص ۶۷۵

۱۷۔فہرس الفہارس والاثبات، الجزء الثانی،ص ۱۱۰۸

۱۸۔معجم المؤلفین، الجزء الثالث عشر،ص ۲۷۶

۱۹۔الاعلام المجلد الثامن،ص ۲۱۸

۲۰۔معجم المؤلفین، الجزء الثالث عشر،ص ۲۷۶

۲۱۔الاعلام المجلد الثامن،ص ۲۱۸

۲۲۔الدلالات الواضحات للنبھانی،ص ۱۳۹

۲۳۔برکات، ال رسول(اردو ترجمہ الشرف المؤید لآل محمد للنبھانی)،ص ۱۲

۲۴۔الدلالات الواضحات،ص ۱۳۹

۲۵۔حوالہ مذکورہ

۲۶۔معجم المؤلفین، الجزء الثالث عشر،ص ۲۷۶

۲۷۔فہرس الفہارس والاثبات، الجزء الثانی،ص ۱۱۰۸

۲۸۔برکاتِ آل رسولؐ،ص ۱۰

۲۹۔حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، خلیق نظامی،ص ۸۵

۳۰۔فہرس الفہارس والاثبات، الجزء الثانی،ص ۱۱۰۸

۳۱۔سورہ الفتح: ۲۹

۳۲۔فہرس الفہارس والاثبات، الجزء الثانی،ص ۱۱۰۷

۳۳۔الاعلام المجلد الثامن،ص ۲۱۸

۳۴۔فہرس الفہارس والاثبات الجزء الثانی،ص ۱۱۰۹،۱۱۱۰

۳۵۔معجم المؤلفین، الجزء الثالث عشر،ص ۲۷۶

۳۶۔المجموعۃ النبھانیہ فی المدائح النبویۃ، الجزء الاربع، ص۴۷۱

۳۷۔حوالہ مذکورہ، ص۴۷۲

۳۸۔حوالہ مذکورہ، ص۴۷۱

۳۹۔حوالہ مذکورہ، ص۴۷۲

۴۰۔الدلالات الواضحات، ص۱۳۹

۴۱۔فہرس الفہارس والاثبات، الجزء الثانی، ص۱۱۰۹، ۱۱۱۰

۴۲۔الاعلام، المجلد الثامن، ص۲۱۸

۴۳۔برکات آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص۱۴ تا ۱۶، جامع کرامات اولیاء (اردو ترجمہ) ص۵۸ تا ۶۵

۴۴۔جامع کراماتِ اولیاء (اردو ترجمہ) ص۶۳ تا ۶۵

۴۵۔حوالہ مذکورہ، ص۶۷

۴۶۔الاعلام، المجلد الثامن، ص۲۱۸

۴۷۔اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ص۲۰، ۲۱

۴۸۔فہرس الفہارس والاثبات، الجزء الثانی، ص۱۱۰۸

۴۹۔قصیدہ، طیبۃ الغراء فی مدح سیّد الانبیا، طبع ۱۳۷۱ھ / ١٩٥٢ء مطبعۃ مصافی البابی الحلبی واولادہ بمصر الطبعۃ الثانیہ، ص۲

۵۰۔المجموعۃ النبھانیہ، الجزء الاول، ص۲۰۴

۵۱۔المجموعۃ النبھانیہ، الجزء الثالث، ص۱۶۶ تا ۱۷۶، سعادۃ الدارین للنبھانی، ص۱۵۷ تا ۲۰۷

۵۲۔المجموعۃ النبھانیہ، الجزء الثالث، ص۱۶۶

۵۳۔حوالہ مذکورہ، ص۱۷۶

۵۴۔سعادۃ الدارین، ضمیمہ، ص ۱ تا ۲۰

۵۵۔غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی لمحمود شکری الآلوسی، المجلد الاول، ص ۸،۹

۵۶۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الاربع، ص ۳۵۴ تا ۳۵۷

۵۷۔حوالہ مذکورہ، ص ۴۴۹ تا ۴۵۶

۵۸۔حوالہ مذکورہ، ص ۴۵۶ تا ۴۶۴

۵۹۔حوالہ مذکورہ، ص ۴۶۴ تا ۴۶۷

۶۰۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الاول، دیباچہ، ص ۱۶

۶۱۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الثالث، ص ۴۰۶، ۴۰۷

۶۲۔فہرس الفہارس والاثبات، الجزء الثانی، ص ۱۱۰۷

۶۳۔تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، محمد میاں صدیقی، ص ۱۷۱، ۱۷۲

۶۴۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الاول، دیباچہ، ص ۳

۶۵۔حوالہ مذکورہ، ص ۷

۶۶۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الاول، دیباچہ، ص ۲۰۸

۶۷۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۰۹

۶۸۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۱۰

۶۹۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۱۰

۷۰۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۷۷

۷۱۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۸۲، ۲۸۳

۷۲۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۸۴

۷۳۔حوالہ مذکورہ، ص۲۸۶

۷۴۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الثالث، ص۱۶۶

۷۵۔حوالہ مذکورہ، ص۱۷۶

۷۶۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الاول، ص۲۸۵، ۲۸۶

۷۷۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الثالث، ص۱۷۴

۷۸۔حوالہ مذکورہ، ص۴۰۸

۷۹۔حوالہ مذکورہ، ص۴۱۴، ۴۱۵

۸۰۔حوالہ مذکورہ، ص۴۰۶

۸۱۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الثانی، ص۲۴۸

۸۲۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الثالث، ص۴۱۵، ۴۱۶

۸۳۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الثانی، ص۴۰۱

۸۴۔حجۃ اللہ العالمین فی معجزات سید المرسلین للنبہانی، ص۲۴۳

۸۵۔حوالہ مذکورہ، ص۲۵۲

۸۶۔حوالہ مذکورہ، ص۲۵۲

۸۷۔حوالہ مذکورہ، ص۲۵۳

۸۸۔المجموعۃ النبہانیہ، الجزء الاربع، ص۴۵۵

پروفیسر فتح محمد ملک۔آسلام آباد

اقبال،حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں

ABSTRACT:

Professor Fateh Muhammad Malik has hinted towards some intellectual points of Iqbal's poetry to arouse sentiments of freedom of Muslim Ummah from all forces whether they are physical or mental by strengthening faith in only One Power of Almighty Allah as taught by the Holy Prophet Muhammad (S.A.W.). Iqbal had alerted people from bad effects of slavery. The progress whether secular or spiritual, according to Iqbal, is in un-conditional obedience of Holy Prophet (P.B.U.H). The devotional poetry of Iqbal contains treasure of pure love of the Holy Prophet with sympathetic suggestions to strive hard for eliminating evils from the society with the power of such kind of love.

ہر چند اقبال نے رسمی معنوں میں کبھی نعت نہیں کہی تاہم عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ عالم ہے کہ اُن کا تخیل بار بار انھیں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں لے جاتا ہے، جہاں وہ ملتِ اسلامی کی زبوں حالی پر فریاد کناں نظر آتے ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ جب وہ قومی، ملّی اور انسانی مصائب پر غور وفکر میں منہمک ہوتے ہیں تو اچانک اُنھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات والا صفات تاریخِ انسانی کی سب سے بڑی محسنِ انسانیت شخصیت کے رُوپ میں اچانک یاد آجاتے ہیں اور وہ زیرِ نظر موضوع کی مناسبت سے نہایت والہانہ انداز میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیضان کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ اِس کی ایک مثال بالِ جبریل کی وہ غزل ہے جس کے پہلے دو شعر انسانی شخصیت وکردار پر غلامی اور آزادی کے اثرات پر غور وفکر سے عبارت ہیں:

غلامی کیا ہے؟ ذوقِ حُسنِ زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے، ہے وہی زیبا
بھروسہ کرنہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دُنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

بعد کے اشعار میں برطانوی استعمار سے پنجہ آزمائی میں یدِ بیضا کی اہمیت اُجاگر کرتے وقت اُنہیں اچانک وہ مبارک ہستی یاد آ جاتی ہے جس نے انسان کو ہر نوع کی غلامی سے آزاد کر دیا تھا۔ چنانچہ اُن کی زبانِ قلم پر درج ذیل مقبولِ عام نعتیہ اشعار رواں ہو جاتے ہیں:

وہ دانائے سبُل، ختم الرسل، مولائے کُل جس نے
غُبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قُرآں، وہی فرقاں، وہی یسیں، وہی طہ

اِسی طرح جب وہ فلسطین کانفرنس کے دوران دُنیائے اسلام کے سرکردہ سیاسی رہنماؤں اور نامور دانشوروں سے مل کر اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ: ’قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں‘ تو وہ تڑپ اُٹھتے ہیں اور اُن پر درج ذیل نعتیہ اشعار نازل ہونے لگتے ہیں:

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب — گُنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ — ذرہِ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر وسلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جُنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام — میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب　　تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے

طبع زمانہ تازہ کر جلوہِ بے حجاب سے!　　تِیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے

ہماری دُنیا نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محروم ہو کر تِیرہ و تار ہو چکی ہے۔ چنانچہ ہمارا جہاں 'ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است'۔ اقبال سراپا نگاری کے سے رسمی موضوعات سے اعتنا نہیں کرتے۔ اُن کی توجہ ہمیشہ باطنی اور خارجی زندگی میں اُس انقلاب پر مرکوز رہتی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکی مبارک زندگی اور تعلیمات سے پھوٹا تھا۔ درج بالا حوالہ جات میں ع:

ذرہء ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب

اور ع:

غُبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

کے سے مصرعے اُس انقلاب کے نقیب ہیں جس کے اعجاز سے گری پڑی اور پامال خلقِ خدا میں خدا کا جلوہ دیکھا جانے لگا تھا۔ حریّت، اخوت اور مساوات کی انسانی اقدار کی بازیافت کی تمنّا اقبال کو بار بار آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انقلابی تعلیمات کی جانب متوجہ کرتی ہے اور وہ بار بار مگر ہر بار بہ اندازِ دگر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کی تلقین کرتے ہیں:

طرحِ عشق انداز، اندر جانِ خویش

تازہ کن با مصطفیٰ پیمانِ خویش

اقبال آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمکے ظہور کو شبابِ زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ارتقائے حیات کے ساتھ ساتھ ہر خطہء زمین اور ہر عہد کی روحانی ضروریات کے پیشِ نظر وقتاً فوقتاً انبیائے کرام ظہور کرتے رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زندگی کے ارتقاء کی اُس منزل پر ظہور فرمایا جب زندگی شعور کی پختگی کی منزل پر پہنچ چکی تھی:

شعلہ ہائے اُو صد ابراہیم سوخت

تا چراغِ یک محمد بر فروخت

(مثنوی اسرار و رموز)

یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم ایک ایسا پیغامِ ربانی لے کر تشریف لائے جو آئندہ تمام زمانوں اور دُنیا کی ساری زمینوں کے لیے ابدی پیغامِ ربانی کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہیں اور اس انداز سے کرتے ہیں کہ علامہ اقبال اسلام کے ظہور کو عقل کا ظہور قرار دیتے ہوئے تمام انسانوں کو اسلام کے پیغام کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

اپنی شاعری کے دورِ اوّل میں وہ ملتِ اسلامیہ کی انتہائی اندوہناک صورتِ حال کی چارہ گری کی تمنا میں کبھی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی خدمتِ اقدس میں سراپا فریاد نظر آتے ہیں اور کبھی اللہ میاں کے حضور شکوہ سنج :

حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی　　تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ و گُل ہیں ریاضِ ہستی میں　　وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی

مگر میں نذر کو اِک آبگینہ لایا ہوں　　جو شے ہے اِس میں وہ جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تیری اُمت کی آبرو اِس میں　　طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اِس میں

(حضور صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم رسالتِ مآب میں)

اللہ میاں سے اسی نوع کے شکوہ کا جواب فریاد کی بجائے عمل کی تلقین ہے اور عمل بھی وہ جس سے پستی میں ٹھوکریں کھاتی ہوئی مخلوق بلند و بالا مقام پر فائز کی جا سکے :

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے　　دہر میں اسمِ محمد سے اُجالا کر دے

اور:

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری　　مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری

ما سوی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری　　تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(جوابِ شکوہ)

یہاں سے اقبال کی فکر و نظر کا دُوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اب اُنہیں شعوری ارتقاء کے اُس مقام پر رسائی حاصل ہو چکی ہے جہاں اُنہیں اِس حقیقت کا عرفان حاصل ہے کہ دُنیائے اسلام کی تمام تر زبوں حالی کا سبب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بے وفائی ہے اور اس زوال کو عروج میں بدلنے کا واحد ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وفا ہے۔ اس وقت مجھے ’’پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق‘‘ میں شامل وہ نظم یاد آ رہی ہے جس کے آغاز میں اقبال اس بات پر نازاں نظر آتے ہیں کہ اُن کی فکر نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احسانات کی گود میں پرورش پائی ہے۔ یہاں وہ اپنی زندگی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیضان کو یوں پیش کرتے ہیں جیسے فقط اقبال کی ذات ہی نہیں بلکہ پوری کائنات آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احسانات کی ثناخواں ہے۔ ان سارے احسانات کو اگر ہم ایک فقرے میں بیان کرنا چاہیں تو وہ کچھ یوں ہوگا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسلام کا جو انقلابی پیغام لائے ہیں اُس نے دُنیائے انسانیت کو روشن خیالی اور سائنسی شعور کی نعمت سے مالا مال کر دیا ہے، پرانے بُت جلا کر راکھ کر دیئے ہیں اور یوں پرانی کائنات کو فرسودگی کے چُنگل سے رہائی دلا کر اسے تجدید و ارتقاء کے نِت نئے مراحل سے آشنا کر دیا ہے:

سوختی لات و مناتِ کہنہ را تازہ کر دی کائناتِ کہنہ را
در جہانِ ذکر و فکرِ انس و جاں تو صلوٰتِ صبح، تو بانگ اذاں
لذتِ سوز و سرور از لا الہ در شبِ اندیشۂ نور از لا الہ
نے خداہا ساختیم از گاؤ خر نے حضورِ کاہناں افگندہ سر
نے سجودے پیشِ معبودانِ پیر نے طوافِ کوشکِ سلطان و میر
ایں ہمہ از لطفِ بے پایانِ تست فکرِ ما پروردہ احسانِ تست

ان اشعار میں اسلام کا تاریخی کردار نمایاں کرتے وقت اقبال نے بطورِ خاص اس حقیقت کو اُجاگر کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات نے اِنسان کو پتھروں اور درختوں کی پوجا سے آزاد کرایا، صرف لات و منات ہی نہیں بلکہ گائے اور گدھے کی عبادت میں مصروف آدمی کو لا الہ کا نعرہ بلند کر کے اِن جھوٹے خُداؤں کے جادو سے رہائی بخشی اور سب سے بڑھ کر بادشاہوں، ملاؤں اور جاگیرداروں کی خُدائی سے انکار کا حوصلہ بخشا۔ گویا اسلام کا ظہور انسانی مساوات اور سلطانی جمہور کے تصورات کا عملی ظہور ہے۔ اسلامی فکر کی نئی تشکیل کے موضوع پر اپنی کتاب بعنوان: "The Reconstruction of Religious Thought in Islam" میں لکھتے ہیں:

"The Prophet of Islam seems to stand between the ancient and the modern world. In so far as the source of his revelation is concerned he belongs to the ancient world; in so far as the spirit of his revelation is concerned he belongs to the modern world. In him life discovers other sources of knowledge suitable to its new direction. The birth of Islam is the birth of

inductive intellect. In Islam prophecy reaches its perfection in discovering the need of its own abolition. The abolition of priesthood and hereditary kingship in Islam, the constant appeal to reason and experience in the Qur'an, and the emphasis that it lays on Nature and History as sources of human knowledge, are all different aspects of the same idea of finality."(1)

درج بالا پیراگراف میں ختمِ نبوت کے تصور کی تہذیبی اور سائنسی تفسیر کرتے وقت اقبال نے اپنے ایمان پرور اور محکم استدلال کے ساتھ یہ کہا ہے کہ اسلام میں نبوت ختم ہونے کے ساتھ ہی خاندانی بادشاہت اور ملاّئیت کے ادارے بھی ختم ہو کر رہ گئے ہیں۔ چنانچہ اسلام کا ظہور عقل کے ظہور سے عبارت ہو کر رہ گیا ہے۔ مثنوی اسرار و رموز میں اس موضوع کو مختلف اور متنوع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ درج ذیل اشعار میں اسلام کا مقصود انسانی اخوت، مساوات اور حریّت کی اقدار کا فروغ و استحکام بتایا گیا ہے:

بود انسان در جہان انسان پرست　　ناکس و نابود مندو زیردست

سطوت کسری و قیصر رہزنش　　بندہا در دست و پا و گردنش

کاہن و پاپا و سلطان و امیر　　بہریک نخچیر صد نخچیر گیر

صاحب او رنگ و ہم پیر کنشت　　باج برکشت خراب او نوشت

از غلامی فطرت او دون شدہ　　نغمہ ہا اندر نئے او خون شدہ

تا امین حق بحقداران سپرد　　بندگان را مسندِ خاقان سپرد

(درمعنی اینکہ مقصود رسالت محمدیہ تشکیل وتاسیس حریت ومساوات اخوت بنی نوع آدم است)

کلامِ اقبال میں ایک بڑی نادر و نایاب نظم جلوہ گر ہے جس میں ہجو بلکہ واسوخت کے پیرایہء اظہار میں عالمِ انسانیت پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احسانات گنوائے گئے ہیں۔ یہ نظم جاوید نامہ میں فلکِ قمر کی وادیء طواسین میں اُس مقام پر دی گئی ہے جہاں مختلف پیغمبروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہاں طاسینِ محمد اُس انقلاب کے فیوض و برکات کی آئینہ دار ہے جو ظہورِ اسلام کی دین ہیں۔ یہاں اقبال نے ابوجہل کی رُوح کو حرمِ کعبہ میں نوحہ کناں دکھایا ہے۔ ابوجہل اسلام کے اعجاز سے دورِ جاہلیت کے انسانیت سوز اصول و اقدار کے نیست و نابود ہو جانے پر نالہ زنی میں مصروف ہے۔ اس طویل نظم کے فقط چند اشعار درج ذیل ہیں:

سینہء ما از محمد داغ داغ — از دم او کعبہ را گل شد چراغ

از ہلاک قیصر و کسری سرود — نوجوانان راز دست ما ربود

ساحر و اندر کلامش ساحری است — این دو حرف لا الہ خود کافری است

تابساط دین آبا در نورد — با خداوندان ما کرد آنچہ کرد

پاش پاش از ضربتش لات و منات — انتقام از وی بگیر ای کائنات

مذہب او قاطع ملک و نسب — از قریش و منکر از فضل عرب

در نگاہ او یکے بالا و پست — با غلام خویش بر یک خوان نشست

قدر احرار عرب نشناختہ — با کلفتان حبش در ساختہ

احمران با اسودان آمیختند — آبروے دودمانی ریختند

این مساوات این مواخات اعجمی است — خوب میدانم کہ سلمان مزدکی است

دورِ جاہلیت میں رنگ و نسل، آقا و غلام اور عرب و عجم کے امتیازات انسانی زندگی کو جہنم زار بنائے

ہوئے تھے۔ طلوعِ اسلام نے انسانوں کے درمیان ان طبقاتی ، جغرافیائی اور نسلی امتیازات کو مٹا کرانسانی مساوات ،اخوت اور حریّت کی اقدار کو رائج کیا۔اس اسلامی انقلاب نے جہاں خاک نشینوں کو سربلندی اور سرفرازی بخشی وہاں دورِ جاہلیت کی معاشرت اور معیشت کی کایا پلٹ کر رکھ دی تھی۔ اِس نظم میں ابوجہل کو ماضی کے اُس استحصالی اور استبدادی نظام کی موت پر واویلا کرتے ہوئے یوں دکھایا گیا ہے کہ جہاں دورِ جاہلیت کی انسانیت سوز روایات کی موت برحق ثابت ہوگئی ہے وہاں اسلام کی انسانیت پرورنئی روایات کے زندگی بخش اثرات نمایاں تر ہو گئے ہیں۔ یہ بلاشبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک نادر و نایاب نذرانۂ عقیدت ہے۔ ایک ایسا نذرانۂ عقیدت جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت میں برپا ہونے والے اسلامی انقلاب کے معاشی ، معاشرتی اور روحانی خدوخال کو روشن کر کے اپنے زمانے اور آنے والے زمانے کو اسلام کی حقیقی انقلابی تعلیمات کی جانب متوجہ کرتا ہے۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اقبال کی فکر اور اُن کا فن نورِ مصطفیٰ سے مستنیر ہے۔ نسیمِ حجاز ہی اُن کے افکار کی کھیتی کو پروان چڑھاتی اور سرسبز و شاداب رکھتی چلی آئی ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے دمِ واپسیں بڑی حسرت کے ساتھ کہا تھا کہ: نسیمے از حجاز آید کہ ناید/ سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید/ سرآمد روزگارے ایں فقیرے/ دگر دانائے راز آید کہ ناید۔ ہر چند ہمارے ہاں ابھی تک اقبال کے بعد کوئی اور دانائے راز نہیں آیا تاہم ہماری دُنیا بھی اُمید پر قائم ہے۔

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن رحیمی۔ سعودی عرب

محسن کاکوروی کے قصیدے لامیہ پر ایک نظر

ABSTRACT:

Mohsin Kakorvi was a poet who achieved the height of poetics with his diction and by applying techniques of aesthetical values of literature of power in the genre of Devotional Poetry. He is the only poet whose literary work gripped the minds of religious as well as non religious circles to recognize his supremacy over the other poets of the same genre. Dr. Habib-ur-Rahman Rahimi has highlighted some critical viewpoints of literary critics to emphasise upon the importance of famous Qaseeda of Mohsin Kakorvi. Mohsin was the only poet who created atmosphere based on Indian mythology in his Qaseeda and succeeded in expressing a true Muslim's sentiments towards Naatia poetry.

نعتیہ ادب کی تاریخ میں محسن کاکوروی ایک زندۂ جاوید نام ہے اور محتاجِ تعارف نہیں ہے، دراصل محسن نے پوری زندگی نعت سے شغف رکھا، نعت کے سوا کچھ نہ کہا اور نعت ہی کو اپنے لیے وسیلۂ نجات و سرخ روئی سمجھا، انہوں نے متعدد اصنافِ ادب کی ہیئتوں میں نعتیہ کلام کہا ہے، مثلاً مثنوی، قصیدہ، رباعی، قطعہ اور غزل وغیرہ۔ محسن چونکہ دبستانِ لکھنؤ سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ان کے کلام میں اس دبستان کی تمام خصوصیات جلوہ گر ہیں، لکھنؤ میں قصیدے اور مثنویاں زیادہ لکھی گئی

ہیں، اس لیے ان کے یہاں بھی قصیدے اور مثنوی کی ہیئت کا نعتیہ کلام ہی زیادہ ملتا ہے۔

ان کے پورے نعتیہ کلام میں قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین'' کو سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، اسے قصیدۂ لامیہ بھی کہا جاتا ہے، ایک عرصۂ دراز تک یہ قصیدہ زبان زد خلائق رہا، اس کی مقبولیتِ عام کا تذکرہ محمد حسن عسکری نے اس طرح کیا ہے:

> ''محسنؔ نے کچھ زیادہ تو نہیں لکھا مگر دو ڈھائی سو صفحے کا مجموعہ تو بن ہی گیا، پھر اس مجموعہ میں تین چار چیزیں ایسی موجود ہیں جو نہ صرف نعتیہ شاعری میں بلکہ پوری اردو شاعری میں ایک امتیازی درجہ کی مستحق ہیں، مثلاً دو مثنویاں ''چراغِ کعبہ'' اور ''صبح تجلی'' ایک سراپائے رسولِ اکرم اور وہ لمبی غزل جس کا مطلع ہے:
>
> دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا　　مٹانا لوحِ دل سے نقش ناموسِ اب وجد کا
>
> مگر لے دے کے جس چیز کو قبولِ عام حاصل ہوا، وہ ہے ان کا قصیدہ لامیہ، یعنی ''سمتِ کاشی سے چلا جانب متھرا بادل''، محسنؔ کی ساری شہرت اسی ایک قصیدے پر موقوف ہے''۔(۱)

یہ قصیدہ محسنؔ نے ۱۲۹۳ھ میں لکھا، اس میں ایک سو تینتالیس (۱۴۳) اشعار ہیں، قصیدے کے درمیان میں دو غزلیں بھی شامل ہیں، اس قصیدے کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا موضوع ہے، اس کا موضوعاتی مطالعہ علمائے ادب میں مسلسل موضوعِ بحث رہا ہے، دراصل قصیدہ تو نعتیہ ہے لیکن اس کی فضا ہندوانہ ہے، اس سے قبل نعت میں اس طرح کا موضوع نہیں برتا گیا تھا، تشبیہ و استعارہ اور پس منظر کے طور پر اسلامی مقامات یا اسلامی تہذیب وتمدن سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا ذکر کیا جاتا تھا، مثلاً اگر کسی دریا کا ذکر کرنا ہو تو دجلہ وفرات کا ذکر کیا جاتا تھا، لیکن محسنؔ نے ان سب

سے ہٹ کر ایک نئی روایت کا آغاز کرتے ہوئے گنگا جمنا اور کاشی و متھرا کا ذکر کیا ہے، یہی اس قصیدہ کا امتیازی وصف ہے کہ اس کی تشبیب ہندوانہ رسم و رواج سے تعلق رکھتی ہے، ہندوانی فضا کے باوجود اس کا مطلع زبان زد خاص و عام ہوگیا،قصیدے کی تشبیب کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل

خبر اُڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیوں کر درشن سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل

راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

اب کی میلا تھا ہنڈولے کا بھی گردابِ بلا نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل

ڈوبنے جاتے ہیں جو گنگا میں بنارس والے نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

تشبیب کافی طویل ہے، درمیان میں غزل کے اشعار ہیں، چند اشعار دیکھیے:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ صحرا بادل برج میں اوج شری کشن ہے کالا بادل

بجلی دو چار قدم چل کے پلٹ جائے نہ کیوں وہ اندھیرا ہے کہ پھرتا ہے بھٹکتا بادل

جوش پر رحمتِ باری ہے چڑھاؤ خُمِ مے چشمک برق سے کرتا ہے اشارا بادل

دیکھتا گر کہیں محسنؔ کی فغان و زاری نہ گرجتا کبھی ایسا نہ برستا بادل

مدح کے چند اشعار دیکھیے:

سجدۂ شکر میں ہے ناصیۂ عرشِ بریں خاک سے پائے مقدس کی لگا کر صندل
افضیلت پہ تری مشتمل آثار و کتب اولیّت پہ تری متفق ادیان و ملل
لطف سے تیرے ہوئی شوکتِ ایماں محکم قہر سے سلطنتِ کفر ہوئی مستاصل
جس طرف ہاتھ بڑھیں کفر کے ہٹ جائیں قدم جس جگہ پاؤں رکھے سجدہ کریں لات وہبل

دوسری غزل کے مطلع اور مقطع کو بھی دیکھیے:

کیا جھکا کعبے کی جانب کو ہے قبلا بادل سجدے کرتا ہے سوے یثرب و بطحیٰ بادل
محسنؔ اب کیجیے گلزارِ مناجات کی سیر کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھِرتا بادل

اب اخیر میں چند دعائیہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل
صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارہ سے کہ ہاں بسم اللہ سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل(۲)

اس قصیدے پر بے شمار اعتراضات کیے گئے ہیں جیسا کہ فرمان فتح پوری نے لکھا ہے:

"محسنؔ نے اپنی بہاریہ تشبیب میں ایسے مقامی رنگوں سے کام لیا ہے جو اس سے پہلے اردو کے نعتیہ قصائد میں نظر نہیں آتے، محسنؔ نے اس قصیدے میں برسات کے موسم، اس کے اثرات، ہندوانہ ماحول، مقامی رسم و رواج، تقریبات اور تہوار، ہندی الفاظ و تلمیحات اور ہندوؤں کی بعض تہذیبی و مذہبی روایات کو اس خوش اسلوبی اور فن کاری سے برتا ہے کہ ان کے قصیدے کا

کچھ اور ہی عالم ہوگیا ہے.....۔ عام طور پر قصیدے کی تشبیب میں جس مقامی رنگ سے کام لیا تھا اسے بعض مشروع حلقوں میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا اور طرح طرح کے اعتراضات اٹھائے گئے‘‘۔(۳)

ایک اعتراض یہ اٹھایا گیا کہ اس کی تشبیب میں (جو اس قصیدے کی روح ہے) غیر مشروع موضوعات کو جگہ دی گئی ہے، لیکن یہ اعتراض زیادہ قوی نہیں ہے، کیوں کہ تشبیب کی روایت اردو میں عربی شاعری سے آئی ہے اور عربی روایات کے مطابق تشبیب میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہے، ہر طرح کے مضامین کو نظم کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عربی کے بہترین نعتیہ قصائد میں مختلف موضوعات پر مشتمل تشبیب ملتی ہے، قصیدۂ بردہ (بانت سعاد) کو آپؐ نے پسند ہی نہیں فرمایا بلکہ اس میں اصلاح بھی کی، جب کہ اس کی تشبیب میں محبوبہ سعاد کا ذکر کیا گیا ہے، اللہ کے رسول کے مقابلہ میں سعاد کی کیا حقیقت ہوسکتی ہے، ایسا ہی اس قصیدے کی تشبیب میں کیا گیا ہے کہ کفر و اسلام دو متضاد چیزوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ دراصل یہاں کفر کی نفی کر کے اسلام و ایمان کی ترغیب دی گئی ہے۔امیرؔ مینائی نے اس اعتراض کا جواب بہت مناسب طریقہ سے دیا ہے۔

’’بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے کہ قصیدۂ نعت میں متھرا، گوکل و کنہیا کا ذکر بے محل ہے، لہٰذا دفعِ دخل کیا جاتا ہے کہ نعت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکر ایام شباب کرنا اور اصطلاحِ شعر میں مضامینِ عشقیہ کا بیان کرنا۔ اساتذہ نے تخصیصِ مضامینِ عاشقانہ کی قید بھی نہیں رکھی، کوئی شکایتِ زمانہ کرتا ہے، کوئی متفرق مضامین کی غزل لکھتا ہے، کوئی غزل میں کسی طرح کا خاص تلازم ملحوظ رکھتا ہے۔

الغرض متّبعانِ کلام اساتذہ حقیقت شناسانِ تشبیب وقصیدہ پر پوشیدہ نہیں کہ

مضامین تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ مناسبت کی قید ہے کہ حمد و نعت و منقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اس کی رعایت رہے، مرزا اسد اللہ غالبؔ دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا جس کا مطلع ہے:

صبح کہ در ہوائے پرستاریٔ وثن   جنبد کلیدِ بتکدہ ، در دستِ برہمن

اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں، عمدہ تر سند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرورِ کائنات خواجۂ ہردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قصیدۂ بانت سعاد جس کی تشبیب مشروع نہیں ہے پڑھا گیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانِ مبارک سے اس کی تحسین فرمائی''۔(۴)

خود محسنؔ نے بھی زبانِ شاعری ہی میں اس اعتراض کا جواب بڑے مدلل اور عالمانہ انداز میں دیا ہے:

گو قصیدے سے جدا ابر بہار تشبیب   فکر کے تازہ و تر کرنے کو ہے مستعمل
مختلف ہوتے ہیں مضمون کہیں عشق کہیں حسن   کہیں نغمہ ہے کہیں مے کہیں پھول اور کہیں پھل
تاہم ایک اک لطف ہے خاص اس میں جو سمجھے دانا   کہ سخن اور سخن گو کو ہے نازش کا محل
پڑھ کے تشبیب مسلماں مع تمہید و گریز   رجعت کفر بایماں کا کرے مسئلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر   شب کا خورشید کے اشراق سے قصہؔ فیصل
چشم انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہ   نیم رخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طول سخن   مگر ایمان کی کہیے تو اسی کا تھا محل

کفر وظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دینِ خدا مے ونغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسن عمل (۵)

ایک اعتراض محمد حسن عسکری نے جلال الدین سحرؔ لکھنوی کے درج ذیل نمونۂ کلام کے حوالہ سے کیا ہے:

اے ہوا جا کے بنارس سے اُڑا لا بادل چاہیے ہندوی سوسن کے لیے گنگا جل

قمریاں کہتی ہیں مستی میں جو چلتی ہے ہوا ٹوٹ جائے نہ کہیں سرو چمن کی بوتل

روشیں صاف ہیں ایسی کہ پھسلتی ہے ہوا پھول ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں سنبھل دیکھ سنبھل

آج تو خوب سی جی کھول کے پیلو یارو فکر فردا نہ کرو دیکھ لیا جائے گا کل

آن کر پیڑوں کے ٹھالوں میں نہاتے ہیں لال سوکھتے سوکھتے ہوجاتے ہیں بالکل ہریل

کس قدر کیاریوں میں جمع ہیں گلہائے فرنگ یہ بڑے دن کے لیے ہوتی ہے شاید کونسل

اس قصیدے کے بارے میں جلال الدین جعفری نے اپنی تصنیف ''تاریخ قصائد اردو'' میں رائے ظاہر کی ہے کہ ''سحرؔ لکھنوی کی زبان متانتِ قصائد کے لیے موزوں نہیں'' اس رائے کے حوالے سے محمد حسن عسکری نے یہ اعتراض کیا ہے:

> ''زمین بھی محسنؔ کے قصیدۂ لامیہ کی ہے اور زبان بھی لیکن محسنؔ کا قصور معاف ہوگیا، بلکہ حبیبِ ہنر ٹھہرا، حالانکہ وہ نعت لکھ رہے تھے جس میں ادب ولحاظ اور بھی ضروری تھا، تو اس قصیدہ میں وہ کیا چیز تھی جو لوگوں کے لاشعور میں اترتی چلی گئی اور جس نے لوگوں سے بیساختہ سبحان اللہ کہلوایا؟''(٦)

پروفیسر شفقت رضوی کو بھی قصیدۂ لامیہ پر چند اشکالات اور اعتراضات ہیں، جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، موصوف رقم طراز ہیں:

’’بلا شبہ تشبیب میں ہر قسم کے دل خوش مضامین کو جگہ دی جا سکتی ہے، اگر محسنؔ نے ہندوستانی روایات اور کیفیات کو جگہ دی تو بُرا نہیں کیا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ شعر کس کے لیے کہا جاتا ہے، شاعر کی شعر گوئی اس کی اپنی ذات کے لیے ہے تو وہ جو چاہے کہہ لے، اگر شاعری ذریعۂ ابلاغ ہے، اگر شاعر قاری اور سامع سے کچھ کہنا چاہتا ہے تو اس کے حدودِ ادراک میں وہ رہ کر کہے، عمومی ذہنی سطح سے بلند ہو کر کہنے سے ابلاغ کا حق ادا نہیں ہوتا، دوسری بات یہ ہے کہ شعر کسی خاص زمانہ کے لیے ہو تو اس کی قدر وقتی اور عارضی ہوتی ہے، اچھی اور بڑی شاعری وہ ہے جس کی قدر ہر زمانہ اور ہر جگہ ہو، جو اسی وقت ممکن ہے جب وہ ہر زمانہ میں شوق اور ذوق سے پڑھی جائے اور وسیع پیمانے پر سمجھی جائے۔ محسنؔ کاکوروی کے قصیدے کی تشبیب کا وہ حصہ جو ہندو روایات کی تلمیحات اور اشاروں پر مبنی ہے، نعت سے شغف رکھنے والوں کے ایک محدود طبقہ کے لیے نیا نہیں ہوگا، برصغیر جنوبی ایشیا کے خاص علاقوں میں اس کے سمجھنے والے ملیں گے، مسلم معاشرہ کے بیشتر افراد اس سے ناواقف ہیں، بالخصوص برصغیر کی تقسیم کے بعد وہ قطعاتِ زمین جو ہندو تہذیب، معاشرت اور مذہب سے دور ہو گئے ہیں، ان کے لیے ضمنیات والا حصہ بالکل اجنبی ہوگا، گویا قصیدوں کی تشبیب کی دائمی قدر باقی نہیں رہی اور پھر جس رومانی انداز سے اس تشبیب کی تشکیل و تعمیر ہوئی ہے، اس کے سحر سے نکلنا آسان نہیں، جب تشبیب قاری و سامع کے ذہن کو مضبوطی سے اپنی گرفت میں لے لے، اس سے گزر کر متضاد نوعیت کی مدح کی طرف رجوع

کرنا آسان نہیں، ذہن کو تشبیب کے سحر سے آزاد کرنے کے لیے جو پُر اثر گریز ہونا چاہیے تھا، وہ موجود نہیں ہے''۔(۷)

پروفیسر رضوی کا یہ غیر جانبدارانہ اور مخلصانہ تجزیہ و تبصرہ ہے، یہ اعتراضات ایسے ہیں جو ہر غیر جانبدار نقاد کے ذہن میں اُبھر سکتے ہیں، موصوف کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ عمومی ذہنی سطح سے بلند ہوکر کہنے سے ابلاغ کا حق ادا نہیں ہوتا'' جہاں تک نعت گوئی کے محرک یا مقصد کی بات ہے تو منبعِ نعت سے گہری عقیدت اور شدتِ محبت ہی شاعر کو نعت کہنے پر مجبور کرتی ہے، گویا شاعر نعت کے ذریعہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا دوسرا عظیم مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ سامع اور قاری کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یک گونہ محبت ہو جائے، یوں ابلاغ و ترسیل نعت میں مقصود و مطلوب ہوتا ہے، لیکن قصیدۂ لامیہ کو عمومی ذہن سے بلند و بالا قرار دیا گیا ہے، قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر یہ عمومی سطح سے زیادہ ہی بلند ہوتا تو پھر اس طرح مقبولِ خاص و عام کیوں کر ہوتا؟ ایک زمانہ میں تو ہر کسی کی زبان پر اس قصیدے کے اشعار ہوا کرتے تھے، محسنؔ کو صفِ اول کے شعرا میں شمار کرانے میں اس قصیدے کا اہم رول رہا ہے، تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ قصیدہ صرف خواص کے لیے ہے، یا پھر خود اپنے لیے کہا گیا ہے۔ کیا اشعار میں تلمیحات یا مشکل الفاظ اور صنائع و بدائع کا استعمال بالکل ناجائز ہے؟ کیا علامہ اقبالؔ اور مرزا غالبؔ کے تمام اشعار عوام الناس کو برجستہ سمجھ میں آجاتے ہیں؟ اگر محسنؔ اپنے وقت کی مروجہ زبان و بیان استعمال نہیں کرتے تو شاید اس قصیدے کو اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ان کی دوسری مثنویوں کے ساتھ ہوا ہے کہ ان کی وہی مثنویاں زیادہ مقبول ہوئی ہیں جن میں صنائع و بدائع کا استعمال ہوا، دراصل کھانے والے کی انہی اشیاء سے ضیافت کی جاتی ہے جو اسے مرغوب ہوں، یہی وجہ ہے کہ جب زمانے کی رفتار کے ساتھ زبان و بیان کا معیار بدلا تو اس قصیدے کی مقبولیت بھی ماند

پڑنے لگی، لیکن اس وجہ سے نعت گوئی کی تاریخ میں اس قصیدے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک اس کی تشبیب میں ہندوانہ ماحول وفضا یا ہندوصنمیات کی تلمیحات کے استعمال کی بات ہے تو ہمیں یہ بات یادرکھنی چاہیے کہ یہ قصیدہ اس وقت کہا گیا ہے جب برصغیر متحد تھا، اس کی تقسیم نہیں ہوئی تھی، ظاہر ہے اس وقت اس متحد ملک میں ہندو اور مسلمان سب ایک ساتھ رہتے تھے اور اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دونوں مذاہب ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے ہیں، اس وجہ سے مسلمان ہندوؤں کی مذہبی شخصیات اور مقامات سے بخوبی واقف تھے اور ہندو بھی مسلم معاشرہ میں گھل مل گئے تھے، یہی وجہ ہے کہ متعدد غیر مسلم شعرا نے بھی نعت گوئی کا شرف حاصل کیا، اس ماحول و معاشرہ میں محسنؔ نے یہ قصیدہ کہا اور اس میں پہلی بار ہندوصنمیات کی تلمیحات کا استعمال کیا، اس وقت ان تلمیحات سے سب لوگ واقف تھے، اس لیے اس قصیدہ کو فوراً قبولِ عام حاصل ہوگیا، بلکہ یہ نرالا، اچھوتا اور انوکھا انداز سب کو پسند آیا (نیز کمال یہ تھا کہ اس کے اخیر میں ہندو مذہب سے مسلم مذہب کی طرف مائل ہونے کی ترغیب دی گئی ہے، اس لیے مسلم معاشرہ میں تو اس کی کوئی مخالفت ہونی ہی نہیں چاہیے، کیوں کہ یہ نعت کے موضوع پر پورا اترتا ہے) لیکن بعد میں ملک تقسیم ہوگیا اور دھیرے دھیرے اس میں مستعمل تلمیحات بعض لوگوں کے لیے مشکل ہوگئیں لیکن اس میں شاعر کی کوئی خطا نہیں ہے۔ دراصل یہ نعت میں ہندوانہ تہذیب پیش کرنے کی پہلی کوشش تھی اور پہلی کوشش پر کچھ زیادہ ہی اعتراضات کیے جاتے ہیں، لیکن پروفیسر رضوی کا یہ اعتراض بالکل بجا اور درست معلوم ہوتا ہے کہ ''جس رومانی انداز سے اس کی تشبیب کی تشکیل وتعمیر ہوئی ہے اس کے سحر سے نکلنا آسان نہیں ہے''۔ محسنؔ نے جس شوق اور لگن سے اس کی تشبیب لکھی ہے، اسی معیار و مرتبہ کی گریز یہاں مفقود ہے، نیز مدح کے اشعار میں بھی اتنا زیادہ زور نہیں دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس

پر زیادہ اعتراضات کیے گئے ، یہ اس قصیدے کی کمی ہے ، جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

پروفیسر رضوی نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ محسنؔ کا کوروی کا لامیہ قصیدہ عام قاری یا سامع کے لیے نہیں بلکہ یا تو خود ان کے لیے یا خواص کے لیے لکھا گیا ہے، پروفیسر صاحب نے یہی حکم مولانا احمد رضاؔ خان فاضل بریلوی کے دو ایک قصیدوں پر اور عبد العزیز خالدؔ کے تمام تر کلام پر لگایا ہے، ان تینوں کے کلام کے لیے ''ماہرانہ'' اور ''استادانہ'' کی اصطلاح استعمال کی ہے، نیز لکھا ہے کہ:

''یہ تینوں شاعر محسنؔ، فاضل بریلوی اور خالدؔ یا تو اپنے لیے شعر کہتے ہیں یا خاص حلقے کے لیے''۔(۸)

محسنؔ کے قصیدے کا موازنہ ان دونوں شاعروں سے کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ فاضل بریلوی کی دو ایک نعتیں واقعی مشکل ہیں ، انہوں نے جس ذہنی سطح پر فائز رہ کر شعر کہے ہیں وہاں تک رسائی عام پڑھے لکھے افراد کے بس کی بات نہیں ہے، اس لیے ان کی چند نعتیں جس زمانہ میں لکھی گئیں تب بھی اور آج بھی مشکل ہی سمجھی جاتی ہیں، یہی حال عبد العزیز خالدؔ کے کلام کا ہے، لیکن محسنؔ کا کلام اپنے زمانہ کے مطابق تھا اور تھوڑی بہت ہندو مذہب کی معلومات رکھنے والے کے لیے یہ قصیدہ بہت زیادہ مشکل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ عوام الناس نے اسے اپنی ذہنی سطح سے قریب تر سمجھا، یہ الگ بات ہے کہ تقسیم ملک کے بعد جو لوگ ہندو تہذیب و معاشرت سے دور ہو گئے ان کے لیے ضمنیات والا حصہ یقیناً مشکل اور اجنبی ہو گیا ہے۔

ان اعتراضات کے باوجود ڈاکٹر اعجاز حسین اس قصیدے کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، وہ رقم طراز ہیں:

''محسنؔ نے بڑا کام یہ کیا ہے کہ مذہبی و نیم مذہبی امور کو قصیدہ میں جگہ دے کر نہ صرف وسیع النظری کا ثبوت دیا بلکہ ادب کو ایک نئے میدان کی طرف

بڑھانے کی کوشش کی، سوداؔ اور میرؔ کی طرح محسنؔ کا بھی قصیدہ پر احسان رہے گا کہ ادب کو زندگی سے قریب تر کرنے کی فکر کی، ایک نئے عنوان کا اضافہ کیا، قصیدہ کو بھی دلچسپ بنایا اور ادب کے بڑے فرض کو ادا کرنے کی کوشش کی.....، اس جراَتِ رندانہ کی قدر ہماری نگاہوں میں اور بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ نعتیہ قصیدہ میں وہ کاشی، متھرا، برج، کنہیا، برہمن اور گوپیوں کو جگہ دے کر تشبیب کو دلکش بنا دیتے ہیں، ہندوؤں کی رسوم نظم کر کے اپنی جدت پسندی اور واقفیت کا مسلسل ثبوت دیتے ہیں''۔(۹)

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے بھی تشبیب کی اس جدت پسندی کو سراہا ہے اور پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا ہے، انہوں نے لکھا ہے:

''ایسی نرالی تشبیب آپ کو اردو کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں ملے گی، ذوقؔ و سوداؔ قصیدے کے بادشاہ ہیں لیکن ان کی کسی تشبیب میں ایسی جدت اور زور نہیں، یہ مضامین تشبیہات، استعارات اور خیالات جو خالص ہندوستانی فضا کی پیداوار ہیں، محسنؔ ہی کا حصہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محسنؔ کی پاکیزہ طبیعت عوام کی پامال شاہراہ سے بچ کر اپنا راستہ الگ بنانا چاہتی تھی، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سرزمینِ نعت میں اپنی جدت پسندی سے رنگ رنگ کے پھولوں کا ایک گلزار دکھلا دیا ہے''۔(۱۰)

اردو میں قصیدہ نگاری کے مصنف ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ نے بھی اس کی تشبیب میں برسات کے موسم اور ہندوستانی رنگ کے بیان کو اس کی مقبولیت کا راز بتایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ان کے قصیدے ''مدیح خیر المرسلین'' کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی اور

اس میں شک نہیں کہ ان کا یہ قصیدہ اردو قصائد میں ایک منفرد اور امتیازی مقام کا مالک ہے، اس کی تشبیب جس پر اس قصیدے کی مقبولیت کی بنیاد ہے، یوں تو بہاریہ تشبیب ہے لیکن محسنؔ نے اس کو برسات کے موسم سے ہم آہنگ کر کے مقامی رنگ ، ہندوستانی تلمیحات، ہندوستانی رسوم و رواج اور ہندی الفاظ کی آمیزش اتنی فنکاری سے کی ہے کہ کچھ اور ہی عالم پیدا ہو گیا ہے"(۱۱)

محسنؔ نے دبستانِ لکھنؤ کی تمام اہم خصوصیات کو اپنایا ہے لیکن اس طور پر کہ یہ تمام کلام کی خوبی بن کر ابھری ہیں نہ کہ کلام کے فہم یا روانی میں رخنہ انداز ہوئی ہیں اور نہ اس سے کلام کی اثر انگیزی میں کمی آئی ہے اور نہ ان کا اکثر کلام ایک معمہ اور چیستاں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مولانا عبد السلام ندوی نے لکھا ہے:

''متاخرین کے دور میں محسنؔ کاکوروی نے نعت گوئی کو جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں:

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسنؔ
کلام نعتیہ رکھا مری زباں کے لیے

اپنا خاص فن بنا لیا، اور اس حیثیت سے غیر معمولی شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اس مقدس موضوع کے متعلق لکھنؤ کی بر خود غلط شاعری کا استعمال اور بھی غلط طریقے سے کیا''۔(۱۲)

انہوں نے مزید لکھا ہے:

''.....اور ان تمام خصوصیات کے اجتماع نے ان کے کلام کو اس قدر بے اثر

کر دیا ہے کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں کسی مذہبی جذبے سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں۔ غرض انہوں نے جو نعتیہ قصائد اور نعتیہ مثنویاں لکھی ہیں ان کا بیشتر حصہ ایک معمہ اور چیستاں ہے نعت نہیں ہے"۔(۱۳)

مولانا عبد السلام ندوی کی رائے نعتِ محسنؔ کے بارے میں کچھ زیادہ شدت اختیار کیے ہوئے ہے، ان کی رائے قصیدے کے صرف ایک رخ پر مبنی ہے۔ دراصل مولانا لکھنوی شاعری سے نالاں ہیں، چونکہ محسنؔ بھی لکھنوی طرز کے حامل ہیں اس لیے مولانا کو ان کی شاعری میں وہ ساری برائیاں نظر آئیں جو اس دبستان کے شعرا میں عام طور سے ہوا کرتی ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ محسنؔ نے نعت گوئی کا حق ادا کر دیا، محسنؔ کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچے عشق و محبت اور خلوص کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے تاعمر نعت گوئی کو ہی اپنا شعار بنایا، ابتدا بھی نعت سے کی اور انتہا بھی نعت پر کی۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر کے نزدیک محسنؔ کی نعتیہ شاعری کی حقیقت یہ ہے:

"دبستانِ لکھنؤ کے وہ جملہ شعری محاسن جو نعت میں شامل ہو سکتے تھے، انہوں نے پوری دیانت داری و امانت کے ساتھ شامل کیا اور تمام بازاری پن جنہیں نعت سے دور رکھنا ضروری تھا، ان کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا، نعتیہ شاعری اگرچہ بنیادی طور پر عشق نبی، حبِّ صادق، تبلیغ حق اور اظہارِ ندامت و التجائے شفاعت کا نام ہے لیکن اس بنیادی تعلق کے باوجود محسنؔ نے اپنی قادر الکلامی اور فکر و فن کی بلندیوں کی روشنی میں یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ نعت اگرچہ ایک موضوعاتی شاعری ہے مگر اس کو فن اور حتمی جستجو کی دولتوں سے نواز دیا جائے تو بڑی سے بڑی غیر موضوعاتی شاعری بھی سر جھکانے پر مجبور ہو سکتی ہے"۔(۱۴)

محسنؔ کی اس کامیابی کی وجہ محمد حسن عسکری نے کچھ اس طرح بیان کی ہے:

''محسنؔ کاکوروی نے نعت گوئی کو فنِ شریف بنا دیا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کا عشقِ رسول اوروں سے زیادہ صادق تھا، یا انہوں نے حقیقتِ محمدی کو اوروں سے زیادہ سمجھا تھا، نعت گوئی میں ان کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ نہ تو انہوں نے اپنی صلاحیتوں کی حد سے آگے جانے کی کوشش کی اور نہ اپنی صلاحیتوں کے استعمال سے شرمائے''۔(۱۵)

غرض بحیثیت مجموعی محسنؔ کے کلام میں مشکل پسندی، تلمیحات اور دبستانِ لکھنؤ کی دیگر خصوصیات صنائع و بدائع اور اپنے احساسات کا اظہار پُر تکلف اور پُر تصنع انداز میں ہونے کے باوجود محسنؔ ایک کامیاب نعت گو شاعر ہیں، محسنؔ نے نعت کو بامِ عروج پر پہنچایا، ان سے متاثر ہوکر کتنے ہی شعرا نعت گوئی کی طرف پورے طور پر متوجہ ہوئے، محسنؔ نے دبستانِ لکھنؤ کو بھی نئی راہ دکھائی، اس کی ایک وجہ ان کی فنی مہارت اور ان کی شاعری کا وقتی تقاضوں پر پورا اُترنا ہے، تو دوسری بڑی وجہ ان کا جذبِ صادق، عشقِ حقیقی اور حضور سے عقیدت و محبت میں اخلاص و استقامت ہے۔ غرض نعتیہ قصائد میں محسنؔ کا نام بلند و بالا مقام پر فائز ہے، نعت گوئی کی تاریخ محسنؔ کا نام لیے بغیر کبھی مکمل نہیں ہوسکتی۔

مراجع:

(۱) ستارہ یا بادباں از محمد حسن عسکری، ص ۲۹۸، مطبع سعدی، قرآن محل، مولوی مسافر خانہ بندر روڈ، کراچی، ۱۹۶۳ء ناشر مطبع سات رنگ، کراچی

(۲) کلیاتِ محسنؔ مرتبہ محمد نور الحسن ص ۹۵ تا ۹۷، ۱۰۴ تا ۱۰۸، ۱۱۵ تا ۱۱۶، ۱۱۸ تا ۱۲۳، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۲

(۳) اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ص ۶۰، آئینۂ ادب لاہور، ۱۹۷۴

(۴) کلیات نعت محسنؔ ص ۹۳

(۵) ایضاً ص ۹۴

(۶) ستارہ یا بادبان، ص ۳۰۰

(۷) نعت رنگ، ص ۶۰، ۶۱، مضمون ''اردو نعت پر تاریخی تحقیقی اور تنقیدی کتب۔ تعارف و تجزیہ''

(۸) نعت رنگ مدیر صبیح رحمانی، کراچی، ص ۶۱

(۹) مذہب و شاعری از ڈاکٹر اعجاز حسین، ص ۱۹۶ تا ۱۹۸

(۱۰) لکھنؤ کا دبستانِ شاعری از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، اردو مرکز، لاہور، ۱۹۶۷

(۱۱) اردو میں قصیدہ نگاری از ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ، ناشر تخلیق کار پبلی شرز، لکشمی نگر، دہلی

(۱۲) شعر الہند حصہ دوم از مولانا عبدالسلام ندوی، ص ۲۱۱، مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع پنجم، ۱۹۸۱

(۱۳) شعر الہند حصہ دوم، ص ۲۱۳

(۱۴) نعت کے چند شعرائے متقدمین از ڈاکٹر سید شمیم گوہرؔ، ص ۶۷، سید ابو طاہر، خانقاہ حلیمہ ابو العلائی، نیا حجرہ، ۱۲۷، چک الہ آباد

(۱۵) ستارہ یا بادباں از محمد حسن عسکری، ص ۳۱۱

شفقت رضوی ۔ نیویارک

مرزا دبیر کا نعتیہ کلام

ABSTRACT:

Late Professor Shafqat Rizvi introduced some devotional poetry of Mirza Dabeer who is famous for composition of elegy. Dabeer's expertise of usage of language was reflected in elegy writing and he also paid homage to Prophet Muhammad (S.A.W.) with equal craftsmanship. Though, according to the writer of the article, Naatia Poetry of Dabeer could not get attention of critics, yet it is worth reading. Professor Rizvi cited some examples of masnavi (poem in which second line of every distich rhymes with the same letter) and some sestets of Dabeer that carry Naatia textual substance and very honestly mentioned that Dabeer depicted his religious beliefs in his poetry which may not be acceptable to some readers. Shafqat Rizvi has however infused insight into nice blending of words and thoughts by presenting Dabeer's couplets.

اردو کے باکمال شاعروں میں مرزا دبیر بھی ہیں جن کو عام طور پر نظر انداز کیا گیا۔ان کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق ہیں ۔ان کے متنوع کلام کا غائر نظر سے مطالعہ کیا گیا اور نہ اس کے حسن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ۔حد یہ کہ ان کے کلام کی مجموعی تعداد کے بارے میں وثوق سے کچھ نہ کہا گیا۔ان کی جانب سے روگردانی کی متعدد وجوہ ہیں جن میں چند وجوہات کا ذکر ضروری ہے ایک

تو یہ کہ بڑے علمی اور ادبی طبقے نے ذہنی تحفظات سے کام لے کر ان کو نظر انداز کیا دوسرے مذہبی اور نیم مذہبی ادب وشاعری کو عمومی ادب سے الگ رکھنے کی شعوری کوشش کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مرثیہ، سلام اور منقبت ہی نہیں حمد اور نعت کے تذکرے بھی کم نظر آتے ہیں۔تیسرے مرزا دبیر کا اپنا رویہ ہے۔ یہ رویہ ان کا اپنا نہیں بلکہ تقریباً تمام بڑے شاعروں کا رہا ہے بالخصوص مذہبی اور نیم مذہبی ادب کے تخلیق کاروں کا۔حمد،نعت،منقبت،مرثیہ،سلام وغیرہ کی حد تک اپنے ادبی ذوق اور تخلیقی کمال کو محدود رکھنے والے اسے اشاعت اور تشہیر کا ذریعہ بنا کر ذاتی شہرت حاصل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔کیونکہ یہی ہے جسے حقیقی شاعری کہا جاسکتا ہے کہ وہ دل کی دھڑکنوں کو شعر میں سمو کر پیش کرتے اور سمجھتے کہ انہوں نے مدحت کا حق رد کر دیا ہے۔ وہ شہرت سے زیادہ ثواب کے قائل تھے۔وہ تو ان کے مرتبے کو جاننے،سمجھنے والوں کا فیض ہے کہ ان کی نگارشات کا قلیل حصہ ہی سہی ہم تک پہنچ سکا ہے۔اسی لیے میں اس نوع کے ادب کو ''مجلسی ادب'' کہتا ہوں گویا یہ سنانے کی چیز ہے چھاپنے اور عام کرنے کی نہیں۔اس بارے میں ہمیں نعت خوانوں اور مرثیہ خوانوں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان طبقوں سے تعلق رکھنے والوں نے باکمال شاعروں کے شہکاروں کو سینے میں محفوظ رکھا اور بعد کی نسل تک منتقل کرنے کی کوشش کی اگرچہ اس میں سو فی صد کامیاب نہیں ہوئے۔

مرزا دبیر کا نام اور کلام عام نہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کی زندگی میں نہ ان کا کلام چھپا نہ ان کے بارے میں کوئی کتاب لکھی گئی۔مراثی دبیر کی دو جلدیں ۱۸۷۰ء میں نولکشور پریس لکھنؤ میں چھپیں۔ یہی سال ان کی وفات کا ہے۔ان دو جلدوں میں ۴۹ مرثیے ہیں جبکہ ڈاکٹر تقی عابدی کی شماریات کے مطابق ان کے مراثی کی تعداد ۶۷۰ سے کم نہیں ہے ان میں سے بھی ۲۸۵ مرثیے ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہونے پائے ہیں اور بیاضوں میں محفوظ ہیں۔

ہمارے یہاں ہی نہیں دنیا میں ہر جگہ، ہر ملک میں یہ رویہ رہا ہے کہ شاعر یا ادیب پر ایک چھاپ لگادی

جاتی ہے گویا اس کی ذہنی وسعتوں کو کوزہ میں بند کر دیا جاتا ہے یہی کوزہ نسلوں میں منتقل ہوتا جاتا ہے ۔اقبال یا تو شاعر مشرق ہیں یا شاعر اسلام ۔ یہ کہہ دینا آسان ہے لیکن یہ کہنے والے ان کی فکر وذہن کی آفاقیت کو نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں اس سے زیادہ اہم مثال فانی بدایونی کی ہے ان کو محض یاس کا شاعر باور کر کے ایک قنوطی بنا دیا گیا ہے حالانکہ شبابیات کے حوالے سے ان کی شاعری اپنے زمانے کے تمام شاعروں سے برتر ہے ۔مرزا دبیر کو بھی اگر کبھی یاد کیا جاتا ہے تو صرف ان کے مراثی کی وجہ سے حالانکہ اصناف سخن کے اعتبار سے کوئی صنف ایسی نہیں جس میں ان کی تخلیقات موجود نہ ہوں ۔ان سے یادگار غزلیں ہیں رباعیات اور قطعات ہیں ،مثنویاں ہیں ،حمد ،نعت ،منقبت ،سلام ، خمسے ہیں کلام منقوطہ بھی ہے کلام غیر منقوطہ بھی ہے ۔اگر یہ کہا جائے کہ تمام اصناف ادب ،تمام صنائع وبدائع سب سے زیادہ ذخیرۂ الفاظ مروجہ تمام محاورے اور روز مرہ کا مطالعہ کرنا ہو تو صرف مرزا دبیر کا کلام کافی ہے ۔لیکن ہم نے انہیں مرثیہ کے کوزے میں بند کر کے طاق نسیاں کے حوالے کر دیا ہے ۔کتنی عجیب بات ہے کہ رباعی اور مثنوی پر ڈاکٹریٹ پانے اور کتابیں لکھ کر شہرت حاصل کرنے والوں کو علم نہیں کہ ان اصناف میں دبیر کی کتنی تخلیقات ہیں اور کس معیار کی ہیں ۔ہمیں ڈاکٹر تقی عابدی کا مرہون منت ہونا چاہیے کہ انہوں نے ۱۳۳۳ رباعیات کا پتہ چلایا ہے کہ اردو میں سب سے زیادہ رباعی کہنے والا شاعر دبیر ہے یہ رباعیاں متنوع موضوعات پر ہیں حمدیہ ،نعتیہ ،منقبتی کے علاوہ فلسفیانہ ، اخلاقی اور سماجی موضوعات ان میں شامل ہیں اردو کے شاعروں میں صرف امجد حیدر آبادی رباعیوں کی تعداد اور مضامین کے تنوع کے اعتبار سے دبیر کے مد مقابل ہیں یہ دونوں بزرگ مذہبی ذہن کے مالک اور صالح اقدار کے حامل تھے ۔ان کا کلام فن کے ذریعہ ذہنوں کی تربیت' اخلاق کی ترویج ،تہذیب کے نکھار اور سنجیدہ فکر کو سنوارنے کا فرض انجام دیتا ہے ۔

مرزا دبیر مذہبی ذہن رکھنے والے تھے ان کے پیش نظر شعائر اسلامی ،اللہ کا پیغام ،رسول اللہ کے فضائل

رہتے ۔کوئی صنف شاعری ایسی نہیں جس میں حمد ونعت شامل نہ ہو۔ان کے کلام میں یہ عناصر محض روایت کا حصہ بنیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے وہ امنڈتے ہوئے پُرخلوص اور نیک جذبات ہیں فن کے اظہار پروہ مجبور ہیں ۔کلام کے سلسلہ میں کہیں نہ کہیں وہ موقع نکال کر حمد اور نعت کے اشعار کہہ جاتے ہیں جو بے جوڑ معلوم نہیں ہوتے ۔اور پھر وہ ان مضامین کو یہاں تک طول دیتے ہیں کہ ان کے جذبہ اظہار کی تسکین ہوجاتی ہے۔

ہم نے اس طویل تمہید میں دعوے تو بہت کر دیے اب دلیلیں ملاحظہ کیجیے ذیل میں ہم مرزا دبیر کے نعتیہ کلام کے نمونے پیش کررہے ہیں۔

نعتیہ رباعیات

(۱)

کیا روئے پیمبر نے ضیا پائی ہے
فرقان کی بِلا فرق یہ زیبائی ہے
ہرشے سے مقدم ہے ہمیں اس کا ادب
قرآن سے پہلے یہ کتاب آئی ہے

(۲)

اندامِ نبی نے کیا صفائی پائی
سائے کی بھی وصل سے جدائی پائی
وہ سایہ ہوا دواتِ قدرت میں جمع
لکھنے کو قضانے روشنائی پائی

(۳)

معراج نبی میں جائے تشکیک نہیں

ہے نور کا تڑکا شبِ تاریک نہیں

قوسین کے قرب سے یہ ثابت ہے دبیرؔ

اتنا کوئی اللہ کے نزدیک نہیں

(۴)

موسیٰ کو توحکمِ خلع نعلین ملا

احمد کو مقام قابَ قوسین ملا

معراج کو یہاں عرش معلیٰ وہاں طور

کیا فرق بلند و پست مابین ملا

(۵)

مداح ہوا موردِ امدادِ رسول

کھولا وہ درِ مدح ،کروداد رسول

حلاّل مہم ،سرورِکل،مالکِ ملک

واللہ رسول اور اولاد رسول

رباعی (۱) مضمون انوکھا اوردلنشین بیان ہوا ہے حضور کے تقدم اورقرآن کے تاخرکو کتنے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے رباعی (۴) میں بھی حضرت موسیٰ پرحضور اکرم کی فضیلت کا پہلو نکالا ہے رباعی (۵) غیرمنقوطہ ہے اس میں ایسا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا جس میں نقطہ ہو۔

مرزا دبیر سے منسوب کتنی مثنویات ہیں جن میں اہم احسن القصص اورمعراج نامہ ہیں اول الذکر میں انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق چہاردہ معصومین کی پیدائش اوران کی زندگی کے اہم واقعات نظم

کیے ہیں ۔ یہ طویل مثنوی ہے جو چودہ ابواب اور ۳۳۱۶ اشعار پر مشتمل ہے پہلا باب حال ولادت باسعادت حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے انداز مثنوی کا ہے اور اشعار دو سو سے زائد ہیں ۔ اس میں حضور کے فضائل کے علاوہ حضرت ابو طالب کا حضور کی ولادت سے قبل خواب دیکھنے اور ایک اس کی تعبیر میں ایک کاہن کا حضور کی تشریف آواری کی پیش گوئی بھی شامل ہے ۔ حضور کی ولادت کے موقع پر دنیا کے عام حالات کا ذکر اور سراقہ بن جعشم اور ابوجہل کی مذموم کوششوں اور ناکامیوں کا حال بھی ہے ۔

اگر چہ مرزا دبیر تحقیق اور حوالے کے بغیر روایات تحریر نہیں کرتے لیکن انہوں نے حضور کی ولادت کی تاریخ عام روایت کے برخلاف ۱۷/ ربیع الاول بیان کی ہے اس کی صداقت پر تحقیق کی گنجائش ہے ۔

ہوئی ہفدہم کو یہ دولت حصول
کہ دنیا میں آئے جناب رسول

حضور کی تشریف آوری پر ایک طرف تو خوشیوں اور شادمانیوں کا یہ حاصل تھا کہ :

عدم سے نسیمِ بہاری چلی — گلِ ہاشمی کی سواری چلی
فنا شر کو جن وبشر پاتے ہیں — کہ دنیا میں خیر البشر آتے ہیں
فلک پر زمیں کا دفاع آج ہے — ہر اک ذرہ خورشید کا تاج ہے
ہوا دین دنیا میں ہرسو عیاں — ندا کفر کی ہے چھپوں میں کہاں
چہ سحر و چہ افسوں ، چہ کذب ودروغ — ہوئے آج بے اصل اور بے فروغ
دم ورد الحمدللہ ہے — عجب نور ماہی سے تا ماہ ہے
منور ہے جولاں گہہِ اشتیاق — کہ پیدا ہوا شہ سوارِ براق

وہ خورشیدِعالم میں ہے جلوہ گر | کیا جس نے انگلی سے شق القمر
جہاں نور سے آج معمور ہے | خوشی ہے قریب اور غم دور ہے
مبارک بہت یہ مہینا ہوا | کہ عیش وفرح کا قرینہ ہوا

تو عالم کفر میں تباہی و بربادی کے آثار پیدا ہو گئے۔

ملی خاک میں آبروئے منات | لگی لات کے سر پر ایماں کی لات
جدا آج باطل سے حق ہو گیا | جگر اہل بدعت کا شق ہو گیا
لرزتے ہیں شعلہ صفت ظلم و شر | کہ دنیا میں آتے ہیں خیر البشر
وہ کسرا عجم کا تھا جو بادشاہ | محل اس کا محکم تھا بے اشتباہ
وہ لرزا ولادت کے وقت اس قدر | کہ چودہ گرے کنگرے خاک پر
ہوئے سرد کفار کے دست وپا | کہ ایراں کا آتش کدہ بجھ گیا
لبالب جو ساوہ میں دریاچہ تھا | ہوا خشک ایسا کہ گویا نہ تھا
ہوا سحر جادو گراں بے اثر | زمیں کو نہ تھی آسماں کی خبر
وہ بت جن کو نافہم سمجھے خدا | گرے منہ کے بل خود بخود جا بجا

مرزا دبیر مثنوی میں جب مدحت پر آتے ہیں وہ سلاست اور روانی دکھلاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے خیالات اور الفاظ کا سیلاب ہے کہ امنڈتا چلا جاتا ہے۔ یہ حصہ کا مثنوی ہونے کے باوجود اس میں قصیدوں کی شان موجود ہے لہجہ باوقار، بلند آھنگ، الفاظ میں جاہ وجلال، شان وشوکت، صنائع وبدائع عروج اظہار پر ہیں۔

پڑھو کلمہ گویو پڑھو اب درود | میں لیتا ہوں نامِ حبیبِ ودود
شہِ مرسلاں ، قبلۂ شش جہات | محمد ، محمد علیہ الصلوٰت
نمائندۂ راہ حق بے گزند | کشا نیدۂ کارِ پست وبلند
فرازندۂ رایتِ شرع ودیں | نواز ندۂ بے نوا وحزیں
رفیع الفضیلت امیر الورا | وسیع المروت ،کثیر الحیا
بشیر ونذیر و جمیل و حسیں | لطیف و شریف و امین ومتیں
سرِ شرع وایمان وفضل وکمال | جگر گوشۂ رحمت ذوالجلال
کرم ہے نبی کا عجب واہ واہ | گنہ ہم کریں اور وہ عذر خواہ
حبیبِ خدا ہیں جناب رسول | ہوا سب کوایمان ان سے حصول
پیمبر کوئی بعدان کے نہیں | یہ مرسل ہیں اورخاتم المرسلیں
چراغِ رسالت جو روشن ہوا | ضیا بار ایماں کا گلشن ہوا
نبوت نبی کی جو ظاہر ہوئی | شریعت سے سب خلق ماہر ہوئی
نہ آدم نہ حوا نہ غلماں نہ حور | ہزاروں برس پیشتر تھا یہ نور
نکلتے تھے جب گھر سے خیرالبشر | تو جھکتے تھے تسلیم کو سب شجر
صدا آتی تھی ہر طرف سے یہی نبی | ہے نبی ہے نبی ہے نبی

حضور کا سایہ نہ ہونا نعت گو شعرا کا محبوب موضوع ہے اس عنوان سے وہ حسن تعلیل کی عمدہ مثالیں پیش کرتے ہیں مرزا دبیر نے بھی حضور کا سایہ نہ ہونے کی کتنی ہی دلیلیں پیش کی ہیں :

کوئی بے مثال ایسا آیا نہیں
کہیں جسم انور میں سایا نہیں

نہ کیوں ساتھ سایہ کا ہونا گوار
کہ فضل خدا ساتھ ہے سایہ دار

ہوا کم جو ظلِ حبیبِ الہٰ
بنا سایہ سرمۂ خور شید وماہ

وہ سایہ بنا سائبانِ فلک
کہ سایہ کرے سب پہ محشر تلک

ملا سنگ اسود کی طلعت میں کچھ
ہوا صرف مُہر نبوت میں کچھ

وہ سایہ سیاہی بنا یک قلم
کیا کلکِ قدرت نے قرآں رقم

اگر سرمہ دیں اس کا اہل زمیں
پڑھیں شب کو چیونٹی کا خطِ جبیں

چھنی ہے یہ پلکوں کی چھلنی میں بات
خوشا سایۂ خسر وِ کائنات

کہ ہر چشم حق میں کی پتلی بنا
ہوا خالِ رخسارۂ انبیا

سزاوار سایہ کی ہے یہ ثنا
کہ نورِ نگاہِ رسولاں بنا

کہ سایہ نہ ہونے کی ہے یہ دلیل
وحید الوراہیں رسولِ جلیل

یہ ہیں عاشق وحدہٗ لاشریک
نہیں عشق میں کوئی ان کا شریک

یہ تحلیل و تحمید میں ایک ہیں
یہ اصحاب توحید میں ایک ہیں

نہیں شرکت سایہ اس راہ سے
جدا ہیں نبی ماسویٰ اللہ سے

حضور کے کئی معجزات باشمول معراج بیان کرنے کے بعد مرزا دبیر نے اس طویل مثنوی کو حضور کی وساطت سے دعا پر ختم کیا:

یہی حکمِ خالق ہے سب پر مدام

کہ بھیجو نبی پر درود و سلام

خدایا کرم کر بحق نبی

کہ ایماں کی دولت سے کردے غنی

گنہ میرے بخش اے غفور الرحیم

کرم کر کرم اے خدائے کریم

مرزا دبیر کی دس مثنویوں میں دوسری طویل مثنوی ''معراج نامہ'' ہے ڈاکٹر تقی عابدی (مقیم ٹورنٹو) کی کاوشیں قابل داد ہیں کہ انہوں نے دبیر کے کلام کی تقریباً تمام گم شدہ کڑیاں برآمد کر کے شائع کر دی ہیں ان میں ''مثنویات دبیر'' بھی ہے اس میں ''معراج نامہ'' بھی شامل ہے ۔ ڈاکٹر عابدی کی صراحت کے مطابق اس مثنوی میں ۶۸۴ اشعار ہیں ۔مثنوی کا آغاز حمد سے ہوتا ہے اس کے بعد نعت رسول مقبول اور پھر منقبت حضرت علی ہے ۔ان کے بعد معراج کا ذکر ہے ابتدا معراج کے حوالے سے پائے جانے والے شکوک کی رو سے ہوئی ہے ۔اس بارے میں بیان ہے کہ:

حکیمانِ بے عقل سلطاں خصال جو کرتے ہیں معراج میں قیل وقال

بُلا لا ذرا ان کو میرے حضور بجھا دوں میں ان کا چراغِ شعور

ہے انکار معراج میں کیا انہیں بلا شک یہ دعویٰ ہے بیجا انہیں

وہ ہیں علم منطق سے امداد خواہ احادیث و قرآں ہیں یاں دو گواہ

پڑھوں وہ احادیث میں متصل فلاطون و بقراط ہوئیں خجل

ہے بعضوں کا معراج میں یہ سخن گئی روحِ خیر الورا بے بدن

ہے اکثر کا یہ قول اس بات میں کہ معراج حاصل ہوئی خواب میں

سووہ ہے غلط اور یہ بھی غلط نہیں حرفِ حق ہے یہ باطل فقط
وہ سوتے نہ تھے بلکہ بیدار تھے کہ خالق کے مشتاقِ دیدار تھے
ہے قرآں میں سورہ جو والنجم کا وہ شاہد ہے معراج پر بر ملا
قسم کھاکے کہتا ہے یہ کبریا کہ گمراہ ہرگز نہیں مصطفا
نہیں خواہشِ نفس سے کچھ کہا سخن اس کا ہراک ہے وحیِ خدا

معراج کے بارے میں تاریخ میں جو اختلاف ہے اور معراج کا پیغام جس جگہ حضور کو ملا یہ بھی اختلافی امور ہیں۔ دبیر نے ان پر روشنی ڈالنے کے بعد حضور کے سوئے فلک روانگی سے قبل براق کی شان بیان کی ہے براق کی شان میں طویل سلسلۂ اشعار بطور مدح بیان کرنے کے بعد حضور کی سواری کا دلنشین منظر پیش کیا ہے اور ہر آسمان پر جن امور کا نظارہ کیا ان کی تفصیل بیان کی ہے یہاں تک طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ سے گزرے اور قاب قوسین تک رسائی حاصل کی اور قرب الٰہی میں پہنچے کہ درمیان میں صرف ایک پردہ حائل رہا:

زہے رتبہِ قدرِ خیرالانام
جو پردے تھے حائل وہ اٹھے تمام
اِدھر تھے محمد اُدھر کردگار
اب آگے کہوں کیا کہ ہے آشکار
نہ پردہ رہا ایک بھی مطلقا
فقط ایک آنکھوں کا پردہ رہا
خدا سے یہ تھا قربِ خیر الانام

فقط قاب قوسین کا تھا مقام

خدا بولا سعد یک یا مصطفا

نبی بولے لبیک یا کبریا

اس موقع پر حضرت علی کی شان بیان کی ہے کہ وہ بھی منظور خدا تھے اور بعض روایات کے مطابق خدائے ذوالجلال نے حضرت علی کے لہجہ میں بات کی تھی ۔ بیان کے اس حصہ میں شاعر کے معتقدات حاوی ہیں۔ پھر خدا نے حضور کو وضو کرنا سکھایا اور نماز پڑھنے کی تعلیم دی اور حکم دیا کہ رسول اللہ اور ان کی امت کے لیے خدا کی طرف سے نماز ایک تحفہ اور قرض ہے امت پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں لیکن آسمان سے لوٹتے ہوئے حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی ان کے کہنے پر کہ امت یہ فرض ادا نہ کرسکے گی خدا سے تخفیف کی التجا حضرت موسیٰ کے بار بار اصرار پر رسولِ خدا پیش خدا تعالیٰ عرض گزار ہوتے رہے یہاں تک کہ نمازیں کم ہوتی ہوئیں پانچ فرض قرار پائیں ۔ بالآخر حضور زمیں پر واپس آئے:

کیا پھر اجازت کا سجدہ ادا

مرخص ہوے فخرِ شاہ و گدا

مگر آئے جب عرش سے فرش پر

تو دیکھا کہ ہلتی ہے زنجیرِ در

ہوئے زیب بستر جو خیر الورا

بدستور وہ گرم تھا جا بجا

اس طرح دبیرؔ نے دعائیہ اشعار پر مثنوی کا خاتمہ کیا ہے ۔ بلاشبہ اس میں شاعر کے معتقدات بھرپور انداز میں موجود ہیں بعض حضرات اسے قبول نہ کریں مگر اس میں کسی نوع کی ہجو یا ذم کا پہلو نہیں ہے۔

اسے شاعری کے کمال کا نمونہ جان کر پڑھا جائے تو تخیل اور حقیقت کے امتزاج کی کرشمہ سازیوں کے ساتھ زبان پر عبور اور فن کی مہارت قابل تحسین نظر آتے ہیں۔ مضمون میں یکسانیت نہیں لیکن شان و شوکت کا ذکر ہے تو اندازِ بیان اسی کے متقاضی ہے جہاں بیان سادگی ہے وہاں سلاست وروانی سہل ممتنع کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے۔ واقعہ نگاری میں بھی دبیر نے مہارت کا ثبوت دیا ہے غرض مثنوی حضور کے شایانِ شان ضرور ہے۔

رباعی اور مثنوی سے زیادہ مرثیہ میں مرزا دبیر کا زورِ کلام ظاہر ہوتا ہے مرثیوں میں نعت کے اشعار کم ملتے ہیں اردو شاعری میں روایت رہی ہے کہ آغاز کلام میں حمد و نعت ہوتے ہیں مرثیہ میں اس روایت کی پاسداری کم کی گئی ہے۔ قدیم مرثیہ گو شعراء نے اس کا بدل یہ نکالا کہ مرثیہ سنانے سے قبل چند رباعیات ضرور سناتے۔ ان ہی میں ذکر خدا اور رسول ہوتا۔ جو مرثیہ میں حمد و نعت کی کمی کے احساس کو دور کر دیتا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مراثی حمد و نعت سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ تسلسل بیان میں کہیں نہ کہیں موقع نکال کر شاعر ایسے شعر ضرور کہتا کہ یہ کمی پوری ہو جاتی مرزا دبیر کے مراثی میں دونوں صورتیں ملتی ہیں۔ بعض مراثی کی ابتدا حمد و نعت سے ہوئی ہے بعض میں یہ مضامین درمیانِ مرثیہ آئے ہیں۔ ہم یہاں ان کے ایک مرثیہ کا ذکر کرتے ہیں جس کا مطلع ہے

طغرا نویس کن فیکوں ذوالجلال ہے

اس کا آغاز حمد سے ہوتا ہے اسی سے متصل حضور رسول خدا کی نعت میں کہا ہے:

کیا کیا بیاں کروں میں عنایات کبریا ۔۔۔ پیدا پیمبروں کو پئے رہبری کیا

ہم کو محمدِ عربی سا نبی دیا ۔۔۔ بسم اللہ صحیفۂ فہرست انبیا

آگے جو انبیائے ذوی الاقتدار تھے ۔۔۔ محبوب کردگار کے وہ پیشگار تھے

آفاق بہرہ ور ہوا حضرت کی ذات سے ۔۔۔ آگاہ ذات نے کیا حق کی صفات سے

تصدیق حکمِ رب کی ہوئی بات بات سے
رفتار نے لگادیا راہِ نجات سے

سیکھے طریقے قرب خدا کے حضور سے
گمراہ آئے راہ پہ نزدیک و دور سے

سینوں سے سب کے دور ہوا دردِ بے دلی
باقی رہی نہ پیروں میں سستی و کاہلی

معراج ان کے ہاتھ سے اعجاز کو ملی
واں چاند ٹکڑے ہوگیا انگلی جو یاں ہلی

انگلی سے دو قمر کو کیا کس جلال سے
غل تھا کہ قفل چاند کا کھولا ہلال سے

سرتا قدم لطیف تھا پیکر مثالِ جاں
اس وجہ سے نہ سایہ بدن کا ہوا عیاں

قالب میں سایہ ہوتا ہے پر روح میں کہاں
سایہ انہیں کا ہے یہ زمینوں پہ آسماں

معراج میں جو وارد چرخ نہم ہوئے
سائے کی طرح راہ سے جبرئیل خم ہوئے

سایہ بدن کا پاس ادب سے جدا رہا
محبوب سے ہمیشہ وصالِ خدا رہا

یہ عاشقِ خدا بھی خدا پر فدا رہا
سائے سے اپنے دور رسولِ ہدا رہا

دیکھو یہ باغِ نظم جو رغبت ہو سیر کی
پرچھائیں تک نہیں یہاں مضمونِ غیر کی

مصرف میں اک عبا کو شب و روز لاتے تھے
آدھی تو اوڑھتے تھے اور آدھی بچھاتے تھے

سائل کو اپنی قوت خوشی سے کھلاتے تھے
امت کے بھوکے رہنے کا خود رنج کھاتے تھے

ناداروں کا قلق سے رفاقہ پسند تھا
اپنا اور اپنی آل کا فاقہ پسند تھا

لوحِ جبیں پہ سنگ لگا بددعا نہ کی
بیگانوں کے گِلے سے زباں آشنا نہ کی

اور عین عارضے میں نظر جز خدا نہ کی
بخشی شفا مریضوں کو اپنی دوا نہ کی

شکرانہ عافیت پہ تحمل بلا پہ تھا   ہر حال میں نبی کو توکل خدا پہ تھا

مرزا دبیر کی صرف ایک نثری تصنیف ملتی ہے ''ابواب المصائب''! اسے بھی ڈاکٹر تقی عابدی نے ڈھونڈ ہ نکالا ہے۔ یہ ان ہی کے اہتمام سے اشاعت پذیر ہوئی ہے اور اپنے طرز کی منفرد تصنیف معلوم ہوتی ہے اس میں حضرت یوسف کا جو احوال قرآن مجید میں آیا ہے اس کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں۔ ان کے تمام مصائب و تکالیف کا موازنہ امام حسین کے مصائب و تکالیف سے کیا گیا ہے اس کا دیباچہ بھی نثر میں ہے لیکن اس کی ابتدا ایک قطہ سے ہوئی ہے جس میں حمد باری تعالیٰ کے بعد نعت کے یہ چند اشعار ہیں:

شھد اللہ علی صدقِ رسول العربی   رحمہ للہ علیٰ آل و اولاد نبی

بعد حمد احدِ پاک لکھوں نعت رسول   کون وہ شہرِ علومِ احدی بابِ بتول

وہ رسولان سلف سے بخدا افضل ہے   پیش کار احمدِ مختار کا ہر مرسل ہے

فخرِ آدم ، شرف عالم و سرتاجِ ملک   قبلۂ اہلِ زمیں کعبۂ ارباب فلک

پہلے آغاز اسی سے ہوا اللہ کا نام   انبیا سبحہ کے دانے ہیں یہ ان کا ہے امام

انبیا ذرے ، یہ خورشید فلک پرور ہیں   مصطفے چاند رسولانِ سلف اختر ہیں

کلامِ دبیر سے نعت گوئی کے یہ چند نمونے پیش کیے گئے ان سے واضح ہوتا ہے کہ دبیر حب نبی میں ڈوبے ہوئے تھے اور جس کسی صنف سخن میں طبع آزمائی کی اس کو ذکر نبی سے محترم اور معزز بنا دیا رباعی ،قطعہ ،مثنوی ،مرثیہ ہر ایک صنف کو موزوں قرار دیتے ہوئے فن کا وقار بھی قائم رکھا اور حضور کی فضیلت کے ذکر سے ان کا مرثیہ بھی آسمان تک پہنچا دیا۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی۔کینیڈا

اِنشا کی نعتیہ شاعری

ABSTRACT:

Dr. Syed Taqi Aabdi has dug out hidden treasure of Naatia Poetry done by renowned Urdu Poet Insha Allah Khan Insha after a long period of about 200 years (Insha died in 1817 A.D.). Insha Allah Khan was not just a one track-minded creator. He left his prints in linguistics, Poetry in different forms, Story writing as well as in Naat writing. One Naat composed by him has everlasting impact on devotional poetry and usually been recited in sessions by Naat Khwans i.e. Sall-e-Ala Nabiyenaa, Sall-e-ala Muhammadin. Some couplets of Persian Naats have also been quoted in this article. The article may inspires scholars for further research in this field.

اِنشا اللہ خان اِنشا کی نعتیہ شاعری سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اِنشا کا نعتیہ کلام رسالوں ،جریدوں اوراخباروں میں شائع نہیں ہوتا جب کہ بعض ایسے شعرا کی نعتیں مسلسل چھاپی جاتی ہیں جنھوں نے مشکل سے ایک آدھ نعت کہی ہے۔اِنشا کا زیادہ تر کلام تلف ہو گیا لیکن جو اُردو اور فارسی کلام ان کے کلیات کی صورت میں ہمارے درمیان موجود ہے تقریباً ساڑے آٹھ ہزار اشعار پر مستمل ہے جس میں تین نعتیۂ مخمّس ،نعتیۂ غزل ،کئی نعتیہ رباعیات اور چیدہ چیدہ نعتیۂ اشعار شامل ہیں جن کی مجموعی تعداد دوسو شعروں کے لگ بھگ ہے۔تقریباً بیس (۲۰) پچیس(۲۵) اشعار فارسی

اورعربی اور باقی اُردوزبان میں ہیں۔چونکہ نعت عربی ،فارسی اور اُردو شاعری کا اہم موضوعی صنف سخن سمجھی جاتی ہے اس لیے نعت شاعری کی تقریباً ہر صنف یعنی دوہے،مثلث،ہائیکو ،قطعہ ،رباعی ،نظم ،غزل ،قصیدہ، مثنوی،مخمّس ،مسدّس ترجیع وترکیب بند میں رقم کی گئی اور ہر صنف سخن میں توصیف وتعریف اور تجلیلِ حضوراکرمؐ کی گئی ۔اُردوشاعری کی ابتدا کواگرامیر خسرؔو سے منسوب کریں توخسرؔو وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے ہندوی میں نعت کہی جس کوڈاکٹر اسپرانگر نے۱۸۵۲ء میں اپنے مضمون میں داخل کیا۔یہاں نعت پہیلی کی شکل میں ہے۔

اک پرکھ ہے دی سنوارا

دنیا کا نشان ہارا

واکے چرنوں لاگ رہو

زیادہ بچن نہ منہ سے کہو

اُردو کا پہلا صاحب دیوان شاعرمحمد قلی قلبؔ شاہ متوفی ۱۰۲۰ءھجری جس کا دیوان پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے صدہانعتیہ اشعار سے مزیّن ہے۔اگر چہ صرف پانچ نظموں کا عنوان نعت ہےلیکن چودہ پندرہ نظمیں میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور معراج جیسے عنوانات کے تحت نعتیہ مضامین سے بھری ہیں۔یہاں ان مطالب کو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تقریباً اُردو کے ہر عظیم شاعر نے اپنی اپنی ہمّت اورصلاحیت کے لحاظ سے دربارنبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ۔انشؔا کی شاعری کی عمراب دوسوسال سے زیادہ ہے۔انشؔا کی شاعری کے دور میں بعض عظیم شعرا عشق مجازی اورعشق حقیقی کے ایوان تعمیر کررہے تھے تو بعض معمولی شعرا اپنی چوما چاٹی کی شاعری میں سرگرم تھے۔ایسے منقلب دوبُعدی دور میں نعتیہ شاعری برائے ثواب دارین کی جاتی تھی اِسی لیے اس دور کی نعتیں اور دوسری مذہبی شاعری عموماً عقیدتی لحاظ سے قوی اورفنّی لحاظ سے ضعیف تھی لیکن اس دور

میں بھی نامور شعرا جیسے سوداؔ، میرؔ، مصحفیؔ اور انشاؔ نے ارسال مضمون کے ساتھ ساتھ فنی پختگی کو ضروری جانا۔

انشاؔ کی نعتیہ شاعری کا سرسری جائزہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اُن کے اشعار حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جمال، جلال، کمال، خصال کے اوصاف اور اقدار سے لبریز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آل سے لے کر بلال تک کی عکاسی ان کے شعروں میں نظر آتی ہے۔ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شمائل ،فضائل اور خصائل کا حسن بیان ہے تو کہیں شفاعت کی امید، کہیں دیار مدینہ کے دیدار کی تمنّا تو کہیں عرفان ،تصوف اور قلندری کی جھلک اور پھر ان مضامین کے ساتھ ساتھ جدّت نگاری ،سلیس وسادہ بیانی، شگفتگی اور تازگی ان کی قادرالکلامی ہے یا معجز بیانی ہے۔ انشاؔ نے ایک پانچ بند کا مخمّس ''صل علی نبینا صل علی محمدؐ'' کے مصرعہ پر لکّھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل ،وصف آل محمدؐ اور درود کی اہمیت کی عکاسی کی گئی ہے۔ ہم یہاں اس نعتیہ مخمس کو پیش کرتے ہیں۔

آپ خدا نے جب کہا صل علی محمدٍؐ
کیوں نہ کہیں پھر انبیاؑ صل علی محمدٍؐ
عرش سے آتی ہے صدا صل علی محمدٍؐ
نورِ جمال مصطفیٰؐ صل علی محمدٍؐ
صل علی نبینا صلی علی محمدٍؐ

عرش کی کچھ نہیں فقط قائمہ جلیل پر
لوح جبین مہرپر چشمۂ سلسبیل پر
ثبت یہی نقوش ہیں عدن کی ہر فصیل پر
ہے خطِ نسخ سے لکھا شہپر جبریلؑ پر

صل علی نبینا صلی علی محمدؐ
لمعۂ ذات کبریا باعث خلق جز و کل
فخر جمیع مرسلیںؑ رہبر و ہادیٔ سبل
نور سے جس کے ہوگئی آتش کفر بجھ کے گل
بعدِ نماز تھا یہی وردو وظیفہ رسل
صل علی نبینا صلی علی محمدؐ
بھیجتے ہیں سدا درود وحش و طیور وانس و جن
حور و بہشت جاوداں کس کو ملی ہے اُس کے بن
واہ عجیب چیز ہے قلب ہو جس سے مطمئن
اؔنشا اگر نجات تو چاہے تو پڑھ یہ رات دن
صل علی نبینا صلی علی محمدؐ

اؔنشا کا ایک شاہکار نعتیہ مخّمس جو اکتیس (۳۱) بند پر مشتمل ہے۔مولوی حیدر علی صاحب کی نعت کے مصرعوں پر تضمین کیا گیا ہے۔اس نعتیہ مخّمس کی تخلیق کے بارے میں خود اؔنشا کہتے ہیں ''مولوی حیدر علی کسی ضرورت سے لکھنؤ آئے۔میں یہ مژدہ سنتے ہی اُن کی خدمت میں حاضر ہوااور ان کی خدمت میں بے نقط قصیدہ طور الکلام سُنایا جس میں کئی صنعتیں رکھی ہیں تا کہ ان کو پسند آئے اور میری عزّت افزائی ہو چنانچہ مولوی صاحب نے قصیدہ سُن کر بے حد تعریف کی۔میرے اصرار پر مولوی صاحب نے وہ قصیدہ جو ہندی زبان میں تھا جو حضور اکرمؐ کی نعت میں لکّھا گیا تھا سنایا جس کا صلہ ان کو خدا قیامت کے دن عطا فرمائے گا۔قصیدہ سُنّے کے بعد بندۂ عاصی نے وہ قصیدہ اُن سے لے لیا۔جی میں آیا کہ اس کو ضمہ کروں تا کہ دنیا میں یادگار رہے۔خدا کا شکر ہے کہ یہ مہم آسانی سے تمام ہوئی۔اس

قصیدے کی دو شعر نقل کرتا ہوں۔

رسولؐ حق کا محمدؐ نبیؐ خیر الانام
اے فخر کون و مکاں تجھ اوپر درود و سلام
ہے امر ہم کوبھی صلّواۃ سلمّوا تسلیم
ہے امتثال امر کا واجب اے مومناں مدام

ہم مضمون کی طوالت کا خیال کرتے ہوئے اکتیس (۳۱) بند کے نعتیہ مخمّس سے صرف آٹھ بند پیش کریں گے۔

ہر بند میں پہلے تین مصرع انشا کے ہیں اور آخری دو مصرع مولوی صاحب کے ہیں۔

چمن میں کہتے پھرے ہے گلوں سے موج نسیم	درود ورد جو کیجیے تو ہے ثوابِ عظیم
بہار کہتی ہے یہ شعر واجب تعظیم	ہے امر تم کوبھی صلوات و سلموا تسلیم
ہے امتثال امر واجب اے ذوی الا فہام	ظہور حجلۂ عالم میں ہے یہ سب اُس کا
فرشتے کرتے ہیں مذکور جب نہ تب اُس کا	طیور سدرہ بھی رکھتے ہیں ذکر اب اُس کا
جومیں نے عقل سے پوچھا کہ کیا سبب اُس کا	کہا کہ ملہمِ حق نے کیا یہ مجھ پہ ہے الہام
پیئے گی امت مرحومہ جرعۂ کوثر	نہ فسخ ورسخ سے خطرہ نہ مسخ ہونے کا ڈر
محمدؐ عربی ہے جو اپنا پیغمبرؐ	وہ ہی نبیؐ تھا جب آدم تھا آب وگل اندر
وہی ہوا ہے سب ہی انبیاؑ کا قص ختام	مدارآیۂ لولاک وخلقت آدم
حبیب حضرت خلاق و خواجۂ عالم	ملیک و مالک و ملاک کعبہ و زمزم
وہی ہے روز جزا شافع جمیع امم	رضائی اُس کی ہے منظور خالق علام

بلند عرش بریں سے بھی اُس کا پایا ہے | خدانے نور سے اپنے اُسے بنایا ہے
پھر اُس کے سایہ ہو کیوں کر وہ آپ سایہ ہے | شروع صلوٰۃ کہ اللہ اکبر آیا ہے
درود اُس کے سے پایا صلوٰۃ نے انجام | کرے ہے وقت سحر آفتاب جیسے طلوع
اُسی طرح سے سمجھتے ہیں اس کو اہل رجوع | زہی کمال رجوع وخمی وفورِ خشوع
قعود دال ہے اور سجدہ میم جائے رکوع | چہارم حرف الف چاہتے ہو آیا قیام
درود کے جو موظف ہیں ان کو راحت ہے | انھیں کے واسطے آمادہ قصر جنّت ہے
یہ راز سمجھے ہے وہ شخص جس کو دقت ہے | صلوٰۃ حق سے نبیؐ پر یہ معنی رحمت ہے
لکھا ہے اس کو کتب بیچ مردمان اعلام | مدیح اُس کے ہیں ہر خاص وعام عالم پر
یہ سایہ اُس کا رہے گا تمام عالم پر | وہ ذات پاک ہے رحمت تمام عالم پر
اُسی کے حکم سے ہے صبح و شام عالم پر | جو ہووے رحمت رحمت اوپر تو عین تمام
مجازوالے نہیں جانتے حقیقت شئے | نشہ یہ اُن کو ہے پی ہے جنھوں نے عشق کی مئے
ملے یہ بات ہوا جب کہ دشت الفت طے | صلوٰۃ عبد سے معنی میں طلب رحمت ہے

سوا سوال کے بندوں سے کچھ نہ ہووے کام

انشؔا کا تیسرا نعتیہ مخمّس فارسی میں ہے۔اس مخمّس میں سات بند ہیں۔اس مخمّس میں انشؔا نے صنعتوں کے استعمال کے ساتھ ساتھ عدد،حروف اور علم جفر سے بھی استفادہ کیا ہے۔ہم اس مخمّس کے تین بندوں کو بعینہٖ فارسی میں اُس کے اُردو ترجمہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔اس فارسی نعت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انشؔا کا فارسی کلام کسی دوسرے فارسی عظیم شاعر سے کم نہیں۔شاید اسی لیے انشؔا نے کہا تھا۔

شیخ سعدؔی وقت ہے انشا

☆

بہین برائے رسولؐ چہ شان وتکریم است
کہ جبرئیل امیں در مقام تسلیم است
بہ عرش اعظم وکرسیش فخرو تعظیم است
دلیل دعوی انا احمدؐ بلا میم است
کہ تا زیادہ شود عظم شوکت اسلام

یعنی دیکھ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کیا شان وشوکت ہے کہ حضرت جبرئیلؑ امیں ان کے خادموں میں ہے۔خود عرش اعلیٰ اور کرسی کوان پر فخر ہے ۔اور خود خدا کہتا ہے کہ میں احمد بغیر میم کے ہوں تا کہ اسلام کی شان وشوکت زیادہ ہو۔

کہ حاصلِ عدد احمد و صلوٰۃ بود
یک است و ہشت و دگر چار چار در احمدؐ
نہ است وسہ ویک وچار در صلوٰۃ عدد
باین دلال کہ واو صلوٰۃ الف باشد
وگر چہ میطلبی والسلام والا کرام

احمد اورصلوۃ کے عدد کا حاصل ایک ہے اورآ ٹھ اور چار چار احمدؐ میں ۔صلوۃ کے عدد میں نو،تین،ایک اور چار ہیں کیونکہ صلوۃ کا واؤ الف ہے۔اگر تو ان کا تقاضہ کرے تو تو لایق سلامتی اور اکرام ہے۔

بروی خلق جہان غرفۂ بہشت کشاد

باین وسیلہ خدائیش جزائے خیر دہاد
بحق احمدؐ مرسل وآلہ الامجاد
اجلۂ علمارا بود ہمین استاد
کنون زمغنمانت است خجستہ شیام

دنیا والوں پر بہشت کے دریچے کھولے۔انہی کے وسیلے سے خدا نے مخلوق کو جزائے خیر عطا کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم اور آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے طفیل میں ہی اسلام کے عظیم واکابر علما بنے۔اور انہی کے دم سے چیزیں غنیمت اور فرخندہ مقدس درخت ہے۔

انؔشا کے کلیّات میں نعتیہ رباعیات بھی ملتی ہیں۔کچھ فارسی اور اُردو رباعیات اور اُردو رباعیات پیش کی جاتی ہیں۔

یا رب برسالت محمدؐ رحمی
یا رب بہ صداقت محمدؐ رحمی
من درامت محمد ہستم
یا رب برامت محمدؐ رحمی

انؔشا نے یہ رباعی لکھنؤ میں قحط پڑنے پر بارش کی طلب میں لکّھی تھی۔دوسری رباعی بھی فارسی میں ہے۔

شک نیست کہ بندہ ام اگر گمراہم
الطاف محمدؐ وعلیؑ می خواہم
انشا اللہ جنّتی خواہد شد
گو بندہ لاالہ الا اللّٰہم

یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر میں گمراہ بھی ہوں تو اُنہی کا بندہ ہوں اور لطف وکرم محمد صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم اور علیؓ کا خواستگار ہوں۔انشااللہ جنّت میں ہوگا کیوں کہ وہ خداے لاشریک کا بندہ ہے۔اؔنشا نے اپنے فارسی دیوان کی تمہید میں کچھ حمدیہ اور نعتیہ اشعار لکّھے جن میں سے صرف تین فارسی نعتیہ اشعار ترجمے کے ساتھ پیش کیے جارہے ہیں۔ان اشعار سے اؔنشا کی قرآن اوراحادیث سے واقفیت اورعربی زبان پرمہارت اور قادرالکلامی ظاہر ہے۔

افزودہ است رتبۂ شانِ محمدیؐ
عظم و شکوہ و مرتبۂ قال و قیل را

(حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت ،شکوہ اور رتبہ بہت بلند ہے جسے بیان نہیں کیا جاسکتا)

انی دخیل بابک یا ایّہا الرسولؐ
آفت زفرط جرم نبا شد دخیل را

(اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے اپنے رحمت کے دروازے میں داخل کرلیجیے کیوں کہ اس حریم میں گناہگار بھی آفتوں سے دور ہیں۔)

اے دل فداے آنکہ دراوصافِ خلق خود
آدم نمود چون منِ زار و ذلیل را

(اے دل تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پرقربان ہوجا جن کے خلق عظیم کی تاثیر نے مجھ جیسے ذلیل وخوار شخص کوانسان بنادیا)

اؔنشا اللہ خان جگہ جگہ ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور درود کی اہمیت پرزور دیتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت پر پورا بھروسہ کرتے ہیں۔کہیں شوخیانہ شکوہ کرتے ہیں۔کہیں اپنا فنّی رنگ دکھاتے ہیں۔

دل ستم زدہ بے تابیوں نے لوٹ لیا / ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

کرشنائے رسولؐ راہ نما / جس کی نعلین کا ہے سایہ ہما

صلواۃ اس پہ بھیجیے جاوید / ہے جو ایک آسماں پہ مرغ سفید

گر حمایت کرے نہ اس کے آل / نہ جمیں مرغ عقل کے پر و بال

بن دیکھے ہیں جو عاشق نور محمدیؐ / ان کو مناسبت ہے اویس قرن کے ساتھ

رتبہ کھلے جو تجھ پہ فنا فی الرسولؐ کا / تو سب میں سوجھے احمدؐ مختار کی شبیہ

درِ فردوس پہ کہتے ہیں ملایک کہ یہ جھٹ / کُھل پڑے لیجے اگر نام محمدؐ کا قفل

اس مضمون کے آخر میں نعتیہ اشعار صنعت مہملہ یعنی صفت غیر منقوطہ میں پیش کیے جاتے ہیں۔

صد آہ آہ کے ورد درود صل علیٰ
محمدؐ و علیؓ و آلہ محال ہوا
حاسد آل احمدؐ مرسل
اہل اسلام ہو دلا کس طرح
اور کس کا آسرا ہو سر گروہ اس راہ کا
آسرا اللہ اور آل رسولؐ اللہ کا

ڈاکٹر زاہد منیر عامر۔لاہور

مولانا ظفر علی خان کی نعتوں میں مستقبل کی جھلک

ABSTRACT:

Dr. Zahid Muneer Aamir has traced optimism in the devotional poetry of Mualana Zafar Ali Khan. The optimistic lairs of views of Zafar Ali Khan have become omega point of Poetry for arousing conscience of the nation to prepare for getting rid of British Rule besides spreading fire of love of their prophet Muhammad [peace be upon him] into the hearts of Muslims. Maulana Zafar Ali Khan made his devotional poetry a bridge in between present past and future by infusing current sensitivity into couplets. The author of the article has quoted couplets of relevance from the Natia Poetry of Zafar Ali Khan, in order to strengthen his point of view.

کہتے ہیں کہ سلاطین زمن کی مدح میں حکیم سنائیؒ غزنوی کے بے مثل قصائد پر تنقید کرتے ہوئے ایک دُردنوش نے کہا تھا کہ سنائیؒ ایسے بادشاہوں کی مدح کرتا ہے جو اپنی سرزمینکے انتظام سے عہدہ برآ نہ ہوتے ہوئے بھی دوسرے ممالک کو سر کرنے کی مہم پر نکل جاتے ہیں اس جھوٹی مدح پر سنائیؒ قیامت میں کیا جواب دے گا ؟ اس اعتراض کے بعد سنائیؒ غزنین چھوڑ کر مرو چلے گئے اور صوفیانہ زندگی اختیار کرلی۔جامیؒ کی نفحات الانس میں مذکور یہ قصہ مبنی بر حقیقت ہے یا نہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا ظفر علی خان کی زندگی میں ایسا کوئی انقلاب نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں دورِ

طالب علمی سے آغاز ہونے والی شاعری میں پایانِ عمر تک ایک آزادانہ روش کارفرما رہی اور خود ان کے بہ قول سنِ شعور سے ان کے مضامین ''خدا کی حمد پیغمبر کی نعت اسلام کے قصے'' رہے۔

ان مضامین کے بیان میں ظفر علی خان کی قدرتِ کلام ایسی ہے کہ اُس پر حرف زنی ممکن نہیں ۔وہ دریائے تندوتیز کی طرح شعر کہتے تھے، الفاظ ان کے سامنے سرنگوں اور قوافی دست بستہ دکھائی دیتے ہیں۔دیکھنا یہ ہے کہ ان کا طوفانی جوش وخروش جب نعت کے میدان میں اترتا ہے تو کیا رنگ لاتا ہے، یوں تو انھوں نے 'دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمھی تو ہو' جیسی زندہ و پایندہ نعتیں کہیں اور اساتذہ سخن کی زمینوں میں بھی طبع آزمائیاں کی ہیں اور نعت میں استغاثے کی روش کو اپنا شیوۂ خاص بنالیا ہے لیکن یہ سطور اُن کی نعتوں میں مستقبل کی جھلک تلاش کرنے کے لیے سپردِ قلم کی جارہی ہیں ۔

اُردو کی ادبی تاریخ میں نعت کا سرمایہ قابلِ لحاظ ہی نہیں قابلِ فخر بھی ہے،مولانا ظفر علی خان کی حیثیت اس سفر میں راہ نما کی سی ہے۔ان سے پہلے اردو نعت اپنی پیش روعربی،فارسی نعت کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف وفضائل کے بیان تک محدود تھی لیکن ظفر علی خان نے اسے عصری مسائل سے آمیز کیا اور نعت میں قصیدے کا رنگ پیدا کرتے ہوئے حسنِ طلب کو عصری مسائل کا آئینہ بنادیا استغاثے کی یہ روش ان سے پہلے صرف حالی کے ہاں دکھائی دیتی ہے ظفر علی خان اگر نعت میں عصری مسائل کے بیان تک محدود رہتے تو کہا ہوسکتا تھا کہ ان کی نعتوں کی اپیل محدود زمانی دائرے میں مقید رہتی لیکن ایسا نہیں ہوا۔نعت جو عام طور پر ماضی سے جنم لیتی ہے اسے بیانِ حال تک لے آنا ہی ایک کمال تھا لیکن ظفر علی خان کا کمال یہ بھی ہے کہ انھوں نے اسے مستقبل کا آئینہ بھی بنادیا۔ مستقبل پر نظر، پُر امید زاویۂ نظر کے بغیر ممکن نہیں ہوتی ،ظفر علی خان مسلمانوں کے اَدبار، اسلام کی حقیقی تعلیمات سے ان کی دوری اور استعماری طاقتوں کی ستم رانیوں سے گہری واقفیت رکھنے کے باوصف قنوطیت کا رُخ نہیں کرتے اور زوال وادبار کی کیفیتوں میں:

تِلْكَ الْاَ یَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ

النَّاسِ

''یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۳:۱۴۰) پر یقین رکھتے ہوئے پُکا را ٹھتے ہیں۔''

ہے پھر ابرہہ کی کوشش کہ بنائے کعبہ ڈھا دے
مگر اس میں ہم کو شک ہے کہ مہم یہ سَر بھی ہو گی
اگر آج ہم پر آئی شبِ غم پہاڑ بن کر
تو یہ رات یونہی بھاری کبھی آپ پر بھی ہو گی
عرب اور عجم کے ذرّے ہوئے آفتاب جس سے
کسی روز دیکھ لینا وہ نظر ادھر بھی ہو گی

وقت کبھی ایک حال پرنہیں رہتا، ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں ۔کل کی بالا دست طاقتیں آج بالا دست نہیں ہیں اور آج، بالا دستی کا تاج پہننے والے کل موجودہ حالت میں نہیں ہوں گے، ہر زمانے کا ابرہہ بنائے کعبہ ڈھانے کے درپے رہتا ہے لیکن وہ یہ بھول جاتا ہے کہ ہر زمانہ اپنا ابرہہ ہی نہیں اپنی ابابیلیں بھی رکھتا ہے ۔توانا جب سراپائے حقارت سے ہزاروں ناتوانوں کی تمناؤں کو ٹھکراتے ہیں تو زمان کے اسی مرحلے میں ناتوانوں کی توانائی کا بیج بویا جا رہا ہوتا ہے۔اس لیے ظفر علی خان اپنی قوم پر آنے والی شبِ غم کے پہاڑ بن جانے کا عرفان رکھنے کے باوجود شبِ غم کے کٹ جانے پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ قافلے کی درماندگیاں مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کے اجالے سے سربلندی میں بدل جائیں گی اور برسنے والے بادل ان کے گلشنِ امید کو سرسبز و شاداب کردیں گے لیکن اس مقصد کے لیے وہ تارِ عنکبوت سے بھی کمزور دنیوی سہاروں سے استمداد نہیں کرتے وہ صورتِ حالات پر اپنا استغاثہ پیش کرتے ہوئے ابابیلوں کی مدد

سے بھی بے نیاز دکھائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ 'ہم ابابیلوں سے لیکن کس لیے مانگیں مدد؟ جب کہ تو خود ہے ہماری فتح ونصرت کی دلیل' ان کا اصل تخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے اور پرامید لہجے میں اپنی التجائیں پیش کرتے ہیں

تمھارا قافلہ کچھ لُٹ چکا اور کچھ ہے لُٹنے کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی خبر بادِ صبا کر دے

نکل آنے کو ہے سورج کہ مشرق میں اُجالا ہو

برس جانے کو ہے بادل کہ گلشن کو ہرا کر دے

نعت کی تاریخ میں عام طور سے رسول اللہ کے محامد ومحاسن پر توجہ رہی ہے ظفر علی خان کا قلم اس روش پر گام زن ہوتا ہے تو ان کے دل و دماغ اپنے عہد کے مسائل و معاملات کو بارگاہ رسولؐ میں پیش کرنے کی تحریک دیتے ہیں اس کی بہترین مثال ان کا مشہور مخمس ''اے کہ ترا شہود ہے وجہ نمود کائنات'' ہے یہ جب پہلے پہل ستارۂ صبح میں شائع ہوا تو اس کا ٹیپ کا مصرعہ تھا

سلطنت اک جہاں کی ہے تیری نگاہِ التفات

لیکن نظر ثانی کرتے ہوئے انھوں نے اسے جس مصرعے سے تبدیل کر دیا وہ نعت نگاری میں ان کی روشِ خاص کی نشان دہی کر دیتا ہے

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

یہی مصرع ایک اور نعت ' اے کہ ترا جمال ہے زینت محفل حیات ......' الخ میں برنگِ دگر جلوہ دکھاتا ہے۔ پہلی نعت مخمس کی ہیئت میں تھی یہ نعت غزل کی ہیئت میں ہے اور یہاں اس کا مصرعہ اولیٰ ''موردِ لطف خاص پر کس لیے آج یہ عتاب '' قرار پایا ہے۔ قدما کی زمین میں کہی گئی ان کی مرصع نعتیں ہوں یا ان کے اپنے خاص انداز کے مظہر بن کر سامنے آنے والے بے مثل نعتیہ فن پارے یہ

روش ان کے ہاں واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ مشہور و معروف نعت جس کا نام کبھی ’’شمع حرا‘‘ کہیں ’’صلوا علیہ وآلہٖ‘‘ اور کہیں ’’صاحب قاب قوسین اوادنیٰ‘‘ تجویز کیا ہے یعنی ’’دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمھی تو ہو‘‘ اس میں بھی ارشاد ہوتا ہے:

پپتا سنائیں جا کے تمھارے سوا کہاں
ہم بیکسانِ ہند کے ملجا تمھی تو ہو

’وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں.................اک روز چمکنے والی تھی کل دنیا کے درباروں میں‘ سادگی اور فنی حسن کا بے نظیر مرقع ہے اسی طرح مولانا کی ایک اور نادر نعت ’’محمد مصطفیٰ گنجِ سعادت کے امیں تم ہو۔ شفیع المذنبیں ہو رحمت اللعلمیں تم ہو‘‘ اردو نعت کے کسی قاری کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگی اس نعت میں بھی خالص نعتیہ مضامین بیان کرتے کرتے وہ اپنے عہد کے مسلمانوں کی جانب متوجہ ہوجاتے ہیں ان کی بے عملی اور معصیت کا خیال انھیں گھیر لیتا ہے اور ان کی نعت انھیں امید کے گلستانوں میں لے جاتی ہے وہ رجائی لہجے میں پکارتے ہیں:

خدا کیونکر نہ کھینچے معصیت پر مغفرت کا خط
مسلماں مذنبیں ہیں اور شفیع المذنبیں تم ہو

اسی نعت میں جہاں وہ مسلمانوں کی عصری صورت حال پر تبصرہ کرتے ہیں ان میں پائی جانی والی نفاق، بغض اور کینے کی بیماریوں پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں وہیں ان کے لیے وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللّٰہِ جَمِیعاً وَّلاتَفَرَّقُوا (۱۰۳:۳) کا قرآنی لائحہ عمل بھی تجویز کرتے ہیں جو انھیں مستقبل کے منظرنامے میں سربلند و مفتخر کرسکتا ہے اور اسی کو امت کا عروۃ الوثقیٰ (۲۵۶:۲) یعنی مضبوط حلقہ قرار دیتے ہیں دیکھیے کس سہولت سے قرآن کے دو مختلف مقامات کی آیتوں کو ایک مصرعے میں سمویا ہے اور ان کے باہمی رشتے کو کس انداز سے دریافت

کیا ہے:

تمھارا عروۃ الوثقیٰ ہے واعتصموا
بحبل الله
پھر اس رسی کو یار و تھام لیتے کیوں نہیں تم ہو
اخوت کا سبق تم کو پڑھایا ہے پیمبر نے
مگر دل میں لیے پھرتے نفاق و بغض و کیں تم ہو

بہ قول شورش کاشمیری ’’حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے انھیں جو عشق تھا وہ ان کی شاعری کی جان ہے‘‘ اسی عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عکس ان کی نعتوں میں جابجا دکھائی دیتا ہے اور وہ مسلمانانِ ہند کی غلامی اور اغیار کی سربلندی کا تجزیہ کرتے ہوئے اس صورت حال کو ان کی اپنی بے عملیوں کا سبب قرار دیتے ہیں انھیں کفر کی پرچم کشائی کے پسِ پردہ اپنی ہی کوتاہیِ عمل دکھائی دیتی ہے جس سے اسلامی نظریے پر ان کے غیر متزلزل ایمان کا سراغ ملتا ہے:

کفر اگر پرچم کشا ہے اس کے ہم ہیں ذمہ دار
سر بلندی دینِ قیم کے نشاں کی تجھ سے ہے

یہ زاویہ نظر ان کی نگاہ کو ماضی سے ہٹا کر مستقبل پر مرکوز کر دیتا ہے، حیاتِ لازوال ماضی کے رشتے کو حال اور استقبال سے جوڑے رکھے بغیر ممکن نہیں۔شبلی نے تو مسلمانوں کی ترقی ماضی کی طرف رجوع میں پنہاں قرار دی تھی اور اپنی اصل سے وابستگی کے حوالے سے یہ بات درست بھی ہے لیکن ظفر علی خان جو دوسری جگہوں پر ماضی اور اس کی روایات کا گہرا شعور رکھتے ہیں اور اس سے جدائی گوارا نہیں کرتے مستقبل بینی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

عبث ناز کرتے ہیں ہم ابتدا پر

ہمیں دیکھنا چاہیے انتہا کو
عمل گر یہی ہیں تو ہم حشر کے دن
دکھائیں گے منہ جا کے کیا مصطفیٰ کو

یہاں وہ ''کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے'' کے اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ملت کو اپنی انتہائی منزل پر دیکھنا چاہتے ہیں اور محض ماضی پرستی پر مطمئن دکھائی نہیں دیتے۔ روشن مستقبل کو پانے کے لیے وہ اپنی نعتوں میں جا بجا دست بہ دعا دکھائی دیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح ظلمت اور نور برابر نہیں ہوتے اسی طرح اعمیٰ اور بصیر برابر نہیں ہوتے اور عصرِ حاضر کی نابینائی کو بینائی میں بدلے بغیر اگلے وقتوں کی بلند ہمتی حاصل نہیں ہوسکتی۔ افرادِ قوم کے بازو جب تک پرایوں کی غلامی سے آزاد نہیں ہوسکتے پہلے کی سی توانائی کے حامل نہیں ہوسکتے اس لیے وہ آزادی کی شہنائی کے تمنائی بن کر یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں:

یہاں تک لکھ چکا تھا مَیں کہ یثرب سے ندا آئی
یہ نابینا ہیں یا رب مرحمت کر ان کو بینائی
عطا کر اگلے وقتوں کی بلندی اُن کی ہمت کو
اور ان کے بازوؤں کو بخش پہلی سی توانائی
پرایوں کی غلامی سے انھیں آزاد کر یا رب
بجے ان کی حویلی میں پھر آزادی کی شہنائی

مولانا ظفر علی خان کے مجموعہ حمد و نعت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض دعا پر رک جانے والے نہیں بلکہ ان کے نزدیک مستقبل کی روشنیوں کو پانے کے لیے فکر و عمل کی دنیا میں انقلاب ضروری ہے۔ متعدد منظومات میں حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی اصل و اساس سے وابستگی، عصرِ

حاضر میں فضائے بدر پیدا کرنے کی ضرورت، نفسا نفسی اور خود پرستی کے اندھیروں میں اخوت کی شمعیں جلانے کی ضرورت ، بت شکنی ، رسومِ شرک و کفر سے نجات اور سرفروشی کی ضرورت پر زور دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ان کی دعوت اپنے قاری کو اس قابل دیکھنے کی آرزومند ہے کہ وہ جہازوں کو خشکیوں پر چلا سکے، عجم اور عرب کی رقابت کو مٹا کر انسانی اخوت کی بساط بچھا سکے اور اللہ کی زمین کو ٹکڑوں میں بانٹنے کی بجائے ایک انسانیت کا وطن بنا سکے چنانچہ وہ تلقین افروز لہجے میں کہتے ہیں:

اٹھاؤ نہ دریا کی لہروں کے احساں
جہازوں کو پھر خُشکیوں پر چلاؤ
مٹادو عجم اور عرب کی رقابت
جہاں میں بساطِ اُخوت بچھاؤ
علم ہاتھ میں لے کے دینِ ہدیٰ کا
سرا چیں کا پھر اُندلس سے ملاؤ

ان بلند مقاصد کے حصول کے لیے وہ قرآنی ہدایت:

وَ اَعِدُّوْ الَـهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ
رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ (۸:۶۰)

کی جانب توجہ مبذول کرواتے ہیں کہ کوئی بھی تبدیلی تیاری اور عزم و ہمت کے بغیر ممکن نہیں ہوتی اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہونے کا مطلب خود کو وقت کے بہتے سمندر کی لہروں کے حوالے کر دینا ہوتا ہے اس لیے وہ محولہ بالا قرآنی حکم کے مطابق اپنے مخاطب کو تلقین کرتے ہیں کہ:

بحُکمِ اَعِدُّوْ اَلُـهم مَا
اسْتَطَعْتُمْ

بڑھے جس قدر اپنی طاقت بڑھاؤ

وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مستقبل اسی صورت میں فروزاں ہوسکتا ہے جب انھیں آتش نوائی کی دولت میسر ہوگی اورحضرت انسان لیس للانسان الا ماسعیٰ (۳۹:۵۳) کی روشنی میں اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرتے ہوئے محنت کو اپنا شعار بنائے گا وہ مستقبل کی مناسبت سے اپنی حضورحق میں اپنی تمناؤں کا اظہاراس طرح کرتے ہیں:

الٰہی برقِ غیرت کی تڑپ مجھ کو عطا کر دے
مجھ آتش زیر پاکو ساتھ ہی آتش نوا کر دے
میری تقریر سحر آلود میں کر وہ اثر پیدا
کہ اہلِ درد کے حلقوں میں اک محشر بپا کر دے
دیا ہے علم اگر تو نے تو ساتھ اس کے عمل بھی ہو
کہ شرحِ لَیسَ الانسَانِ الّا ما
سَعیٰ کر دے
بتادُوں گا کہ خاک ہند یوں اکسیر بنتی ہے
مری پلکوں کو جا روبِ حریمِ مصطفیٰؐ کر دے

ان کی یہ تمنائیں اور دعائیں اسلام کی سربلندی اور دنیا میں ناموسِ مصطفیٰؐ کے علم کی سرافرازی کے لیے ہیں ۔وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانانِ عالم کی بقا بھی اسی صورت میں ممکن ہے جب ان کا نظریہ محفوظ ہے اور جب علم مصطفیٰ سربلند ہے یہی ان کی تمنا ہے اور یہی ان کا نظریہ فن:

اتنی ہی آرزو ہے مرے دل میں اے خدا
اسلام کو زمانہ میں دیکھوں میں سر بلند

دنیا میں سرنگوں علم مصطفےٰ نہ ہو

ہم خواہ خود ذلیل ہوں اور خواہ ارجمند

اس سر بلندی کی کچھ شرائط کی طرف اشارہ تو سطور بالا میں ہوگیا ہے کچھ مزید صفات ہیں جنھیں مستقبل کی تابناکی کے لیے جنھیں وہ ضروری سمجھتے ہیں اور جن کا تعلق عمل وکردار ہی سے ہے وہ آبا کی اندھی تقلید کو ترک کر کے زندگی کو نئی نگاہ سے دیکھنے کی جانب متوجہ کرتے ہیں خالق کائنات کے دروازے کے سوا تمام دروازوں سے امید کا رشتہ توڑ لینے کی نصیحت کرتے ہیں اور خلیل اللہ کی طرح بت پرستی کے ماحول میں بت شکنی کے شیوے کی ضرورت پر زور دیتے سکھائی دیتے ہیں:

ترک کر تقلید آبا بن خلیل اور بُت کو توڑ

ما سوا کو چھوڑ ربّ العالمیں سے رشتہ جوڑ

یاد کر بھولا ہوا وَالرُّجزَ فَاھجُر کا

سبق

شرک کی رسموں سے باز آ کفر کی ریتوں کو چھوڑ

وَالرُّجزَ فَاھجُر (اور ناپاکی سے دور رہو ۵:۷۴) کا سبق یاد دلانا بجائے خود ان کی اصل واساس کی طرف دعوت کی نشان دہی کرتا ہے جو بندے کو شرک و بت پرستی کی ہر نوع سے نجات دینے کا باعث بنتا ہے۔ان کے ان خیالات سے یہ گمان نہ کرلیا جائے کہ وہ دنیوی زندگی کے مطالبات سے غافل ہیں یا نعتوں میں ان کی دعوت محض یک طرفہ ہے،نہیں! وہ اسلام کی حقیقی تعلیم کی طرح جس کا اظہار فِی الدُّنیَا حَسَنَۃً وَّفِی الاٰخِرَۃِ (دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت بخش ۲۰۱:۲) کے الہامی الفاظ سے ہوتا ہے دین اور دنیا دونو کا آمیزہ چاہتے ہیں لیکن ان کا زاویہ نگاہ ان دونو میں ایک ترتیب ضرور قائم کرتا ہے وہ پہلے دین اور پھر اس کے ثمر کے

طور پر دنیا کی ترتیب ہے:

نَا شئۃ الَّیل   آج سے دے گا میری روح کو
نشوونما

اقوم قیلا   آج سے ہو گا میری اقامت کا معمول

دین بھی ہوجائے مجھے حاصل دنیا کی بھی مراد ملے

گوشۂ چشمِ عنایت مجھ پر ہو جو پیمبرؐ کا مبذول

گویا ان کے نزدیک دین اور دنیا کی کامیابی گوشہء چشمِ عنایت نبیؐ ہی سے ممکن ہے اور اس کی اہلیت دین کے ان احکام میں ہے جن کا علم ہمیں نبیؐ کی سیرت اور قرآن حکیم کی تعلیمات سے ہوتا ہے مندرجہ بالا اشعار میں جس قرآنی آیت کی تلمیح استعمال کی گئی ہے اپنے ایک خط میں اس کی جانب توجہ مبذول کرواتے ہوئے کہتے ہیں:

''اِنّ نَا شئۃ الَّیلِ هِيَ اَشَدُّ وَ طأً وَّ اَقوَمُ قِیلًا
رات کا اٹھنا عبادت باری کے لیے مشکل اور دقت طلب ہے لیکن پانچ وقت
کی نماز اور قرآن فجر جس کی نسبت کَانَ مشہودا   قرآن کریم میں
آیا ہے کچھ مشکل نہیں۔ اس پر التزام کے ساتھ عامل ہو''

یہاں جملے کے آخر میں جس قرآنی آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ پوری آیت اس طرح سے ہے:

اَقِمِ الصّلوٰۃَ لِدُلُوکِ الشَّمسِ اِلٰی غَسَقِ
الّیلِ وَ قُراٰنَ الفَجرِ۔اِنَّ قراٰنَ الفَجرِ کَانَ
مَشهُودًا۔   بنی اسرائیل ۷۸

'' قائم رکھ نماز کو سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور قرآن پڑھنا
فجر کا۔ بے شک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو۔'' (ترجمہ شیخ الہند)

مندرجہ بالا اشعار میں وہ نَا شئۃ الَّیل   اورَّ اَقوَمُ قِیلًا   پر عمل کا ارادہ ظاہر کرتے

ہیں بلکہ اپنی جانب اشارہ کرکے اپنے قاری کی قوت عمل کو مہمیز کرتے ہیں موخرالذکر آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا عثمانی نے لکھا ہے" حدیث میں ہے کہ فجر وعصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے لہٰذا ان دو وقتوں میں لیل ونہار کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے تو ہماری قرات اور نماز ان کے روبرو ہوئی جو مزید برکت وسکینہ کا موجب ہے اور اس وقت اوپر جانے والے فرشتے خدا کے ہاں شہادت دیں گے کہ جب گئے تب بھی ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب آئے تب بھی۔ اس کے علاوہ صبح کے وقت یوں بھی آدمی کا دل حاضر اور مجتمع ہوتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی طبع سعودی عرب ص ۳۸۵)

مولانا کے نزدیک ان صفات سے متصف ہونے والے اللہ کی جانب سے انعام واکرام کے حق دار قرار پاتے ہیں ایک نظم جس کا عنوان ہی من کان للہ کان اللہ لہ تجویز کیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

یثرب سے آج بھی یہ صدا گونجتی سُنو
وہ جو خُدا کے ہو گئے اُن کا خدا ہوا

جب خدا ان کا ہو جائے تو پھر عرب وعجم پر غلبے کا انعام ملتا ہے ملاحظہ ہو:

عجم ہے میرا عرب ہے میرا جہاں میں جو کچھ ہے
سب ہے میرا
اگر مسلماں لقب ہے میرا تو بول ہو گا مرا ہی بالا

یہ خیال ان کے ہاں بار بار جلوہ گر ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی دونو جہانوں کی سرداری عطا کرتی ہے چنانچہ کہتے ہیں:

غلامی کر محمدؐ مصطفےٰ کی

گدائی چھوڑ دے سلطان ہو جا

جہانگیری اور سلطانی کا راز کہاں پوشیدہ ہے وہ بتاتے ہیں:

جو کرنی ہے جہانگیری محمدؐ کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پر رکھ خدا وندِ عجم ہو جا
ہو سَرکش سرو کی مانند اگر باطل نکالے سَر
اگر حق آگے آئے ماہِ نو کی طرح خم ہو جا

لیکن یہ غلامی جان مال عزت آبرو سب پر فائق ہونی چاہیے جیسا کہ ان کے مشہور اشعار ہیں:

زکوٰۃ اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا اور نماز اچھی
مگر مَیں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

وہ جانتے ہیں کہ ان کا عصر جس گرداب میں مبتلا ہے اس کی ہر ہر موج میں سینکڑوں طوفان پنہاں ہیں اور جس کی جناب میں گستاخی فرشتہ بھی گوارا نہیں تھی وہ آج ذلیل وخوار ہے لیکن اس احساس کے ساتھ انھیں اعتماد ہے کہ درد کا درماں اسی ذاتِ گرامی کے در کی گدائی سے حاصل ہوسکتا ہے وہ کہتے ہیں کہ جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاں گدایانہ جائے گا وہ سر پر تاج شہنشہی پائے گا چنانچہ وہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں عرض پرداز ہوتے ہوئے امت کے راج کے لٹ جانے کی شکایت کرتے ہیں اور وہ قوم جس کی ہیبت ایک زمانے سے خراج وصول کرتی رہی آج سر چھپانے کے ٹھکانے سے بھی محروم ہے اس لیے وہ یوں عرض پرداز ہوتے ہیں:

سینکڑوں طوفاں ہیں پنہاں جس کی اک اک موج میں

اُس سمندر سے مسلمانوں کا بیڑا پار کر
جو سزا چاہے انھیں دے لے کہ تُو مختار ہے
لیکن اپنوں کو نہ غیروں کی نظر میں خوار کر
ہند کو بھی اے خدا قیدِ غلامی سے چھڑا
اپنے گھر کا ہم کو بھی مالک بنا ، مُختار کر

اس مقصد کے لیے امت کو ایسی راہ نمائی کی ضرورت ہے جو اسے منزل آشنا کر دے اگر ایسی راہ نمائی مل جائے تو ماضی جیسی کامیابیوں کے راستے آج بھی کھلے ہیں شرط وہی ہے کہ امت کے ماتھے سے حضور خواجۂ یثرب کے دروازے کی چھوکھٹ کا نشان مٹنے نہ پائے ۔چنانچہ وہ خم خانہء الست کے خمّاروں کو تلاش کرتے ہیں، عہدِ سلف کے قدح خواروں کی جستجو کرتے ہیں، پیمانہء مدینہ کی بادۂ شبینہ کے مستوں کے جویا دکھائی دیتے ہیں:

حسنِ امت لم یزل ہے چھن رہی ہیں آج بھی
اس کی قامت سے شبابِ رفتہ کی رعنائیاں
رہنما گم کردہ رہ ہیں ورنہ رَہرو پھاند جائیں
آج بھی جبرالٹر جیسی ہزاروں کھائیاں

ان کی نعتیہ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والہانہ محبت سے شروع ہوکر رجائیت پر ختم ہوتی ہے ۔خواجہ حسن نظامی نے درست کہا تھا کہ وہ ’’قیامت کے دن اپنی غیر فانی نعتوں کے باعث بخشے جائیں گے‘‘ مولانا کی نعت گوئی کے متعدد پہلو ہیں لیکن ہم نے صرف ایک پہلو کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کروائی ہے جو امید اور رجائیت سے عبارت ہے انھی کے ایک شعر پر ان گزارشات کا اختتام کیا جاتا ہے:

تجھے فکر کیوں ہے اے دل کہ یہ شب بسر بھی ہو گی
ہے ابھی اگر اندھیرا تو کبھی سحر بھی ہو گی

ڈاکٹر عبدالکریم۔آزاد کشمیر

نعتیہ مسدس 'روحِ انقلاب' اور زاہد کلیم

ABSTRACT:

The writer of the article has introduced a reformative poetic effort of Zahid Kaleem who has used his poetic genius for expressing his sentiments of deep sense of sorrow over the non- practicing of religious values by Muslim Ummah. The genre of Naat, covers all the topics of religious nature that denote praise of Holy Prophet Muhammad (S.A.W.) indirectly by raising voice to bring the Caravan-e-Ummah on the correct path shown by the Prophet (peace be upon Him). Dr. Abdul Karim has aptly traced some textual relations of Mussaddas of Zahid Kaleem in Shikwa Jawab-e-Shikwa of Iqbal. He has also pointed out beauty of component words, used by Zahid Kaleem in his sestet containing broad sense of meanings. Zahid Kaleem has shown optimism and Dr. Abdul Karim applauded the effort in the light of current scenario of Muslim Ummah in general and Pakistani Nation in particular.

'روحِ انقلاب' نظم وغزل کے شاعر اور شاگردِ جوش زاہد کلیم کی نعتیہ مسدس ہے۔اس کی کتابت جمیل الحسن (تلمیذ سید انور حسین نفیس رقم) نے کی ہے اور اس شعری مجموعے کی پہلی خوبی یہ ہے کہ اس میں کتابت کی کوئی غلطی نہیں۔زاہد کلیم نظم وغزل کے نامور شاعر محمد خاں نشتر کے صاحبزادے ہیں۔ان کی اس مسدس کو پڑھ کر ذہن علامہ اقبال کی مسدس 'شکوہ' اور 'جواب شکوہ' کی طرف جاتا ہے اور زاہد کلیم کا

تاریخی شعور بھی سامنے آ تا ہے۔ماضی میں انسانی تارِیخ کی غلام گردشوں سے گزرتے ہوئے زاہد اسلام کے عروج وزوال کی داستانیں سمیٹتے آج کے اس دورفتن تک آتے ہیں۔انقلابِ محمدیؐ کی چاپ اس قدر قریب سے آتی ہے کہ بے اختیار دل چاہتا ہے کہ چودہ صدیوں کا فاصلہ لمحوں میں طے کرتے ہوئے اس ماحول میں جا پہنچیں جس کی عکاسی زاہد نے کی ہے۔میں اس مسدس کو لسانی حوالے سے جانچنا چاہتا ہوں اور کہیں کہیں اقبال اور زاہد کی مسدس کا تقابل بھی کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔مجھے اس مسدس میں زاہد کی تراکیب سازی نے متاثر کیا ہے جن میں انھوں نے تلمیحات ،استعارات،تشبیہات اور علامات کو کمال خوبصورتی سے پرو دیا ہے۔علامہ اقبال کی مسدس کا صرف ایک بند لیتے ہیں:

امتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں
اور محرومِ ثمر بھی ہیں،خزاں دیدہ بھی ہیں
سیکڑوں نخل ہیں،کاہیدہ بھی،بالیدہ بھی ہیں
سیکڑوں بطنِ چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں
نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

اور زاہد کلیم کی مسدس سے ایک بند ملاحظہ ہو

چمکا چراغِ عقل سے ہر جادۂ حیات
ظاہر ہوئی حقیقتِ ارژنگِ کائنات
معدوم ہو کے رہ گیا بحرِ تعصّبات
پامال ہو کے رہ گیا ہر اک زبوں صفات

ذہن وذکا پہ غایتِ ارض وسما کھلی
دوشِ عمل پہ علم کی زلفِ رسا کھلی

دونوں بندوں کے مطالعے سے اشعار میں تراکیب کا خوب صورت استعمال نظر آتا ہے۔ اقبال نے وُہ بھی خوبصورت تراکیب استعمال کی ہیں اور زاہد کلیم نے بھی۔یہی خوبصورتی زاہد کلیم کی اس پوری مسدس میں نظر آتی ہے۔زاہد کی اس نعتیہ مسدس کے ایک سوبیس بند ہیں ۔شاعر نے اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔روحِ انقلاب،ذوق وشوق،لعل فشاں صباخرام اور عالمِ شوق۔زاہد کلیم نے اس خوب صورت مسدس میں جو تراکیب استعمال کی ہیں ان کو دیکھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ زاہد نے کلاسک سے اپنا رابطہ استوار رکھتے ہوئے اپنے خیالات کو کمال مہارت سے بیان کیا ہے۔ان تراکیب میں سے بعض نئی ہیں اور اردو زبان کے دامن کو وسیع کرتی ہیں ۔ان تراکیب سے زاہد کلیم کی لفظیات کا مطالعہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ان تراکیب کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے۔اس قدر تراکیب کا استعمال اقبال کے ہاں تو ہے لیکن حالی کے ہاں نہیں ۔زاہد نے مرکب تراکیب کا استعمال بھی کیا ہے جیسے سرِ کوہِ طور اور یہ بھی اقبال کے ہاں ملتا ہے جیسے محوِ غمِ دوش۔زاہد کلیم کی ان تراکیب میں اجنبی الفاظ کی آمیزش نہیں اور سمجھنے میں بھی آسانی محسوس ہوتی ہے۔زاہد نے ترکیب کے اندر تلمیح کو پرونے کا خوبصورت تجربہ کیا ہے جیسے جیحونِ انتشار۔

کچھ تراکیب نذر قارئین ہیں۔تب وتابِ زندگی،گلبانگِ بے خودی،اسبابِ ظاہری ، ربابِ وہم وگماں،سحرِ جانکنی،گلِ تر،شورِ نشاط،ابرِ بہار،افسونِ جاں کنی،چشمانِ تر،وقتِ گریزاں،آبِ بقا،اہلِ جہاں،بادِ صبا،اشکِ غم،خونِ رگِ جاں،خنجرِ براں،رخشِ ظلم وستم،نیرنگِ روزگار،نوکِ خار،شیرِ نر،آوازِ الاماں،آوازِ جاں نواز،خواب گاہِ ناز،نذرِ سمومِ غم،گلستانِ عیشِ دل،تہِ نقاب،تاریخِ روزگار،نخلِ تمنا،زہرِ قہر،موجِ مئے غدیر،داستانِ عمرِ دوروزہ،زیرِ آسماں،کشتِ شکوہ،قعرِ حکومت،افراطِ زر،دستورِ ظلم،رسمِ شقاوت،صحنِ زمیں،ضمیرِ زندہ،عرفانِ زندگی،دیوِ توحش،دستِ حنانواز،آوازِ جاں

گداز،عصفورِ گل بدن، برقِ ظلم، برسرِ بازار، آتشِ دوزخ، بزمِ ہست وبود، دورِفلک، دولتِ برق وشرار، تیغِ ستم ہائے روزگار، میدانِ زندگی، زندانِ تنگ وتار وغیرہ۔

اب اگر'روحِ انقلاب' کا مختصر مطالعہ کیا جائے تو زاہد کلیم نے اس کا آغاز انسانی زندگی کی بے مقصدیت سے کیا ہے۔قوموں کی زندگی میں مقصد ہی ان کے مستقبل کا تعین کرتا ہے۔جو انقلاب محمدؐ عربی لے کر آئے وہ انسانوں کو ایک مقصدیت اور وقت کی قدر سکھاتا ہے۔یہ انقلاب تھا بھی time oriented یعنی صرف ۲۳سال کی مختصر مدت میں مکمل ہوگیا۔جزیرہ عرب اس نور سے جگمگا اٹھا اور پھر جو توسیع شروع ہوئی تو افریقہ، یورپ اور ایشیا تک پہنچ گئی۔لیکن اچانک یہ پیش قدمی رک گئی کہ میرِ کارِرواں مقصد کو بھولنے لگے اور دنیاوی عیاشی ہی میں مگن ہوکر منزل کو کھو بیٹھے۔اگرچہ اس مال وزر نے ان کو دیا کچھ نہیں کہ:

خاکستری ہے کچھ نہیں دنیا کا مال وزر

کس سمت جا رہا ہے کوئی،کیا کسے خبر

ہماری اس تگ وتاز سے دنیاے ہست وبود میں سکون ختم ہوگیا۔ایک واضح نصب العین بھلانے کے بعد رنگ ونسل وعلاقہ اور دولت کے بت ہمارا مقدر بن گئے۔سکون ختم ہوا۔وقت کی قدر نہ رہی۔ہمارے سامنے تہذیبیں عروج کی جانب گامزن ہوتی رہیں۔ہم کو اس کا احساس نہ تھا۔اس بے حسی نے ہمارا سماجی نظام تلپٹ کردیا۔ہر سطح پر بے حسی اور بے قدری چھاگئی۔انسان نفس کے کتے ہوگئے۔

جاتے ہیں سوئے شیب جوانی کے قافلے

کس کی مجال؟ وقتِ گریزاں کو روک لے

ہم نے اس غریب وسادہ ورنگین تہذیب کی قدر نہ کی کہ ہم اس انقلابِ محمدیؐ کی حقیقتوں کے قدرشناس

ہی نہ تھے۔اس انقلاب نے ان کی زندگیوں کو تبدیل کیا جو تبدیلی چاہتے تھے اور ہم تو کسی تبدیلی کے خواہش مند ہی نہیں۔زاہد کلیم کا تاریخی شعور بھی اس مقام پر سامنے آتا ہے۔وہ تاریخ کے انقلابات کو تراکیب واستعارات وتلمیحات کی صورت میں پروتے چلے گئے ہیں۔انھوں نے ان تمام تبدیلیوں کا تذکرہ کیا ہے جو عرب سماج میں آئیں۔ایک نیا آئین بنا۔نئی اقدار سامنے آئیں۔یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ انسان ناآسودہ خواہشات کے طلسم میں اسیر رہتا ہے۔انا پرستی اس کو حقائق کا شعور ہی نہیں کرنے دیتی۔یہی حال اس دور کے انسان کا تھا۔وہ جو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا اور صرف گھوڑا آگے بڑھانے پر عشروں جنگیں کرتا،تو یہ سب انا پرستی نہ تھی تو کیا تھی۔انسان نے اپنے راحت وسکون کے لیے محل تعمیر کیے،دولت کے انبار لگائے لیکن سکون اس سے دور ہی رہا۔حرص وہوس نے سوچنے کی صلاحیتوں کو سلب ہی کیے رکھا۔محبت اور وفا نام کو نہ رہی۔تعصب،عدم رواداری اور فرقہ پرستی نے انسان کو انسان کے خون کا پیاسا بنا دیا۔

ان حالات میں اصلاح کاروں کو تختہ دار پر لٹکایا گیا،پس دیوارزنداں کیا گیا۔دنیا تاریکیوں میں ڈوب گئی۔دنیا جب ظلم وجبر کے اندھیروں میں ڈوب گئی تو مشیت ایزدی کو پھر ان پر رحم آیا اور محمد عربیؐ تشریف لائے۔زاہد کلیم نے والہانہ انداز میں آمد مصطفیٰؐ کو بیان کیا ہے اور یہ اظہار بہت کم شعراء کے ہاں ملتا ہے۔یہ انداز صرف عقیدت کو بیان نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس مقصدیت کو سامنے لاتا ہے جو اس رسالت کی صورت میں سامنے آیا۔آپؐ مساوات لے کر آئے،اوہام کے چراغ گل کرنے اور علم کی تحریک لے کر آئے۔ایوانِ ظلم وجور کو مسمار کرنے اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں دینے کے لیے آپؐ آئے۔

ظلمت کدوں کو نور کا آغوش کردیا
محمود کو ایاز کا ہمدوش کردیا

صحرائے بے گیاہ کو ، گل پوش کردیا
اوہام کے چراغ کو خاموش کردیا
حکمت سے جس کی دامنِ شب چاک ہو گیا
حرص و ہوا سے صحنِ زمیں پاک ہوگیا

آپؐ کے آنے سے انسانیت کا وقار قائم ہوا۔بے توقیر انسان باتوقیر ہوا۔انسانی زندگی جنسِ معتبر قرار پائی۔حرا سے نکلنے والے انقلاب نے پوری دنیا کو لپیٹ میں لے لیا۔مشرق ومغرب اس انقلاب کے نور سے جگمگا اٹھے۔انسان نے سکون کا سانس لیا۔

انسانیت کا دہر میں قائم ہوا وقار
پائے نخیلِ امن وشرافت نے برگ وبار
ہرسنگ ریزہ بن گیا یاقوتِ آبدار
شاخیں ہلیں،چمن کھلا ، رقصاں ہوئی بہار
بدلا نظامِ دہر ، درخشاں ہوئے علوم
ذرے زمیں کے ناز سے بننے لگے نجوم

عقائدِ کہنہ میں زلزلہ آیا۔وہ جو اپنے جیسے انسانوں کے سامنے جھکتے تھے اب وہ صرف ایک اللہ کے سامنے جھکنے لگے۔جوایک دوسرے کی جان ومال اورعزت وآبرو کے درپے تھے وہ اب ایک دوسرے کے محافظ بن گئے۔تاہم اس انقلاب نے معاشرے کوحق اور باطل کی بنیاد پر دوحصوں میں تقسیم کردیا۔حق غالب آیا لیکن دھیرے دھیرے انقلاب کی گرفت سماج پر کمزور پڑتی گئی اور جہل دوبارہ چھانے لگا۔اب اہل شعورہی بےشعور ہو گئے۔تہذیب ہی تخریب میں ڈوبنے لگی۔شریعت کی پیروی ختم ہوئی اورقرآن طاقِ نسیاں بن گیا۔یہ وہ دورتھا جب مسلمانوں کی حالت یہ ہوگئی کہ:

پابند شرع کے ہونہ صوم و صلوٰت کے
مردوں کو مانتے ہو وسیلے نجات کے
اسرارتم پہ کھل نہ سکے کائنات کے
پاؤں اکھڑ گئے ہیں تمھارے ثبات کے
لیکن ، ہزارحیف کہ ، اب تک خبرنہیں
اپنی تباہیوں پہ تمھاری نظر نہیں

اس دور میں صرف منصب ومرتبہ مقصدحیات رہ گیا۔نوجوان علم وادب سے دوراور عیاشیوں کے قریب ہوگیا۔اس حالت میں کسی قوم کی حالت کیسے سنورسکتی تھی۔اس دورفتن میں سیاست عیاریوں کا نام قرار پائی ۔جھوٹ سیاست کا مرکزہ بن گیا۔عریانیت اب جزوثقافت تھی۔رشوت اور دھونس دھاندلی کوتجارت قراردیا گیا۔بے جا تصرفات اب حاجت قرار پائے۔یہ عجب دورتھا جس میں غیروں سے تعلقات گوارااوراپنوں سے ناگوار تھے۔چھوٹی چھوٹی باتوں پراختلافات نے سماج کاحسن گہنا دیا۔غیبت فیشن بن گئی اورحمیت وغیرت نام کی چیزنہ رہی۔شرافت گالی بن گئی۔معاشرے کے لٹیرے امام قرار پائے۔باطل کوحق،حق کو باطل،سچ کوجھوٹ اورجھوٹ کوسچ ،معیارزندگی قراردیا گیا۔

ذلت کے درپہ خم سرِ تسلیم ہو گئے
تم رنگ ونسل وخون میں تقسیم ہوگئے

ان حالات میں قوم میں تجزیے کی کسوٹی کہاں سے آئے۔زندگی کیا ہے،ہم کون تھے،کیا ہو گئے،ہمارااور ہماری نئی نسل کامستقبل کیا ہوگا۔اس طرح کے سوالات عیاشیوں میں کہاں ذہن میں آتے ہیں۔دورکہیں سے صدا آرہی ہے کہ:

دیکھو،اجڑچکی ہے ہراک مسند ِخیال

اٹھو کہ، بزمِ عیش ہوئی عرصہء قتال
ہشیار، نغمہ اوج کا ہے نوحہء زوال
چونکو کہ، موت سہل ہے اور زندگی محال
مہمان یک نفس کی ہے دنیا کی ٹیم ٹام
لمحوں کے ہاتھ رخشِ تغیر کی ہے زمام

ن مایوسیوں میں بھی امید کا دیا روشن ہے کہ زندگی اضداد سے آگے بڑھتی ہے۔انسان مرمر کے جیتا اور جی جی کے مرتا ہے لیکن ہمت نہیں ہارتا۔اگر ثابت قدم رہو تو انقلاب تم ہی لا سکتے ہو۔ان حالات میں اتحاد اور بیداری کی ضرورت ہے۔خدا نے پھر ابھرنے کا موقع دیا ہے اور ہمارا مقصدِ حیات اسرارِ بحر و بر کو دنیا پر واضح کرنا ہے۔حرص و ہوس کے بتوں کو توڑ دو اور تبدیلیوں کی اس آواز پر لبیک کہو:

آؤ کہ، غولِ حرص کی سانسیں اکھاڑ دیں
اٹھو کہ ، تیرہ شب کا گریبان پھاڑ دیں
چونکو ، اٹھو کہ ، وقت نہیں ہے یہ خواب کا
آؤ کریں بلند علم انقلاب کا

ہم ظلمت کی داوری کو دہر سے ایک بار پھر جڑ سے اکھاڑ سکتے ہیں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جو ہمت ہار بیٹھے ہیں ان کے دلوں میں نئی امنگ اور جوت جگائی جائے۔چراغ سے چراغ جلانے کی ضرورت ہے۔دنیا کی جہالت کو علم کے چراغ جلا کر ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔اس بے چراغ رات کو زرتار دھوپ ہم ہی دے سکتے ہیں لیکن اس کے لیے شعورِ ذات کا ہونا ضروری ہے۔ہم جو اسیرِ ظلمتِ رنگ و نسل ہیں ہم کو اس اسیری سے رہائی حاصل کرنا ہوگی۔گم گشتہ منزل کا سراغ ڈھونڈنا ہمارا فرض

ہے اور اس کے لیے ذاتِ واحد کا ادراک اور اس پر اعتماد ضروری ہے۔ایک وہی ہماری ڈوبتی نیا کو پار لگا سکتا ہے اور سموم قعر سے نجات دلا سکتا ہے۔اور اس کے بعد اس بات کا شعور کہ ہم نبی امی کی امت سے ہیں اور قیامت کو ان کے سامنے اپنے آپ کو شرمندگی سے بچانا ضروری ہے۔

مانا کہ ،ہم زمین کی چھاتی پہ بار ہیں
مانا سیاہ کار ہیں ، غفلت شعار ہیں
یہ جانتے ہوئے بھی کہ ، رسوا ہیں خوار ہیں
امیدوار رحمتِ پروردگار ہیں
مانا اسیرِ قعرِ مذلت ہیں کردگار
لیکن ترے حبیبؐ کی امت ہیں کردگار

زاہد کلیم کی اس مسدس کے بند ۱۰۵ تا ۱۲۰ حمد یہ ہیں اور حمد کا یہ انداز بھی کم شعراء کو نصیب ہے۔ذات باری کا ادراک اور پہچان اور اس پر غیر مشروط ایمان کم شعراء کو ملا ہے کیونکہ شعراء توکل الی اللہ کم ہی کرتے ہیں اور اکثر قسمت اور کردگار سے شاکی ہی رہتے ہیں ۔لیکن زاہد کلیم کی تربیت جس ماحول میں ہوئی اس نے ان کو استغنا،فقر اور توکل سکھایا ہے۔وہ اپنی ہر خواہش کا اظہار پروردگار ہی سے کرتے ہیں۔یہ دعائیں فرد سے لے کر امت تک کے لیے ہیں یعنی خزاں گزیدہ چمن اور دلِ حزیں سب کے لیے ہیں اور دلوں کی کدورت کی دوری کے لیے ہیں۔

پروردگار ارضِ فلسطین کو چھڑا
صرصر کی رو کو موجہء باد صبا بنا
افغانیوں کو ان کے وطن سے نہ کر جدا
کشمیریوں کو خطہء کشمیر سے ملا

یارب نگاہ لطف بہ فیضِ رسولؐ کر
مظلومیت کی ساری دعائیں قبول کر

ملت اسلامیہ میں نفاق سے دوری کی دعائیں ہیں تو ملت کے دوبارہ عروج کی التجا بھی ہے۔ایک طرف عدل ومساوات کی بہار کے لیے ملتجی ہیں تو دوسری طرف سمومِ وقت کو بادشمال کے لیے دعاگو بھی۔انداز بہت عاجزانہ ہےاورتراکیب بہت خوب صورت

ہمسرنہیں کوئی ، ترا کوئی بدل نہیں
ترے نظامِ شمس و قمرمیں خلل نہیں

زاہدنے اپنے لیےبھی دعا کی توعلم ،عقل اورشعورکی کی ہے۔ان کواپنی کم مائیگی کا احساس ہےاوریہی احساس ان کو بڑا شاعر بناتا ہے۔انھوں نے اس پروردگارکاشکرادا کیا ہےجس نے ان کوزباں دی اور پھرطرزِ بیاں دی اوراس طرزِ بیاں کوفکرِ فردا دیا۔اس سے خوب صورت اشعارممکن نہیں

یارب سکونِ خاطرِ ناشاد کرعطا
چہرے کو پھر رعونتِ اجداد کرعطا
اس زندگی کا فہم دے ،ادراک دے مجھے
پروردگارجراتِ بے باک دے مجھے

زاہدکلیم نے اس مسدس میں چودہ صدیوں کو پرو دیا ہے اور داستانِ زوال کو پڑھتے ہوئے آج کا دورسامنے آتا ہے۔یہی تو نقشہ ہے زوالِ امت کا۔مشرق سے مغرب اورشمال سے جنوب مسلمان زوال کا شکار ہے۔غلامی اس کا مقدر ہے۔کہیں اغیار کی اورکہیں اپنوں کی۔فرقہ پرستی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں،کہیں جدیدیت کے نعرے ہیں تو کہیں رجعت پسندی۔سکون کہیں نہیں۔نئ نسل تباہی کے دھانے پرکھڑی ہے۔زندگی کا واضح نصب العین ان کے پاس تو کیا ان کے رہبروں کے

پاس بھی نہیں۔اقدار کا سوال ہے۔تہذیب کا سوال ہے اور ترقی کیا ہے ،بھی ایک سوال ہے۔ہم کیا چاہتے ہیں اور کس طرح چاہتے ہیں۔مستقبل کیا ہوگا اور کیا ہونا چاہیے۔ہماری جامعات سے نکلنے والی نسل جو پڑھی لکھی ہے اس کے پاس کیا وژن ہے اور اس کا حاصل حصول کیا ہوگا۔یہ سب سوال جواب چاہتے ہیں۔ان سب سوالوں کے لیے ضروری ہے کہ کائنات کا ایک واضح نصب العین ہو۔ایک خدا پر غیر متزلزل ایمان اور محمد ؐعربی کی رسالت کی بنیاد پر اس امت کو یک جا کرنا۔زاہد کلیم کی یہ مسدس اپنی نوعیت کی ایک کوشش ہے۔

ڈاکٹر محمد سہیل شفیق ۔کراچی

مولانا غلام رسول مہؔر کی ایک نایاب نعت

ABSTRACT:

Dr. Sohail Shafiq always keeps himself busy in research activity. Now he has traced out a unique poem written by Maulana Ghulaam Rasool Mehr whose fame is totally based on his prose comprising research and interpretational work of Ghalib and Iqbal besides other relevant literary work. The poem of Maualana Mehr was composed at the age when he was a student of First year in College. Dr. Sohail Shafiq has presented this poem with his research oriented note. The poem comprises of twelve stanzas consists of devotional sentiments of the poet and is reflective of collective conscious of Muslim Ummah in general and Muslims of Indo-Pak in particular.

برصغیر پاک و ہند کے مشہور صحافی، صاحبِ طرز ادیب، نامور محقق، سوانح و سیرت نگار، غالبؔ و اقبالؔ شناس اور مستند مؤرخ مولانا غلام رسول مہؔر مورخہ ۵ اپریل ۱۸۹۵ء کو پھولپور ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔(۱) ۱۹۲۱ء میں روزنامہ ’’زمیندار‘‘، لاہور سے صحافت کا آغاز کیا۔ بعد ازاں ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۷ء تک اسی پرچے کے مدیر رہے۔(۲) ۱۹۲۷ء میں مولانا عبدالمجید سالکؔ کے اشتراک سے اپنا روزنامہ ’’انقلاب‘‘ جاری کیا۔ ۱۹۴۹ء میں اخبار کی بندش کے بعد ادبی و تحقیقی کاموں میں مشغول

ہو گئے ۔ ۲۷ برس تک مولانا کتابیں، تراجم، اخبار کے مقالہ ہائے افتتاحیہ وغیرہ لکھتے رہے۔ تقریباً ۱۰۵ کتابیں تصنیف وتالیف وترجمہ کیں۔(۳) آپ کا سب سے اہم کارنامہ سید احمد شہید اور ان کے رفقا کی سوانح عمری ہے جس کی تصنیف میں آپ نے عمر عزیز کے کم وبیش بیس برس صرف کیے۔ علاوہ ازیں آپ نے اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے لیے ۱۵ مقالات سپرد قلم فرمائے۔ تقریباً ۴۰ کتابوں کے تراجم کیے۔ جن میں درج ذیل کتابیں بھی شامل ہیں:

۱۔ اسلام اور قانونِ جنگ وصلح/ مجید خدوری (۱۹۵۹ء)

۲۔ خلا میں سفر کی پہلی کتاب/ جین بنڈک (۱۹۶۰ء)

۳۔ تاریخ لبنان/ ڈاکٹر فلپ کے حتی (۱۹۶۲ء)

کالج کے زمانے میں مولانا شعر گوئی کا شوق رکھتے تھے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مولانا کو شاعری کا جنون تھا۔ اچھا شعر مولانا کے حافظے میں پیوست ہو جاتا تھا۔ مولانا کے ذہن میں اشعار نہ صرف محفوظ رہتے تھے بلکہ بروقت تازہ ہو کر زیب قرطاس بھی بنتے تھے۔ اپنے مکاتیب [گنجینۂ مہر (جلد اوّل ودوم)، مرتبہ: محمد عالم مختار حق] میں مولانا نے جگہ جگہ اشعار درج کیے ہیں اور ایسے برمحل درج کیے ہیں جیسے خاص اسی موقعے کے لیے کہے گئے ہوں۔

شاعری کے سلسلے میں ابتداً مولانا مہؔر نے حکیم محمد سلیم صاحب (ساکن بستی غزاں) سے اصلاح بھی لی۔ سلیم صاحب نے ہی آپ کا تخلص مہؔر تجویز کیا تھا۔ نظام حیدرآباد دکن کے وزیر اعظم مہاراجہ کشن پرشاد کے مصاحب خاص ترک علی شاہ ترکی قلندر نے 'مہر عالمتاب'' کا خطاب دیا۔ زمانۂ طالب علمی میں مولانا مہؔر انجمن حمایت الاسلام کے جلسوں میں بڑی شان سے اپنا کلام پڑھا کرتے تھے۔(۴) لیکن مقدر میں لکھا تھا کہ زندگی شعر گوئی نہیں بلکہ نثر نگاری میں گزرتی۔ چنانچہ مولانا شعر گوئی سے نثر نگاری کی جانب آ گئے اگرچہ شوق سے نہیں آئے۔ خود کہتے ہیں کہ ایک غیر مرئی قوت مجھے زنجیریں

پہنا کر کھینچ لائی۔(۵)

مولانا مہؔر کا ایک حمدیہ قطعہ جوان کی لوحِ مزار پر بھی رقم ہے، درج ذیل ہے:

بھروسا تو ہے اے جانِ کریمی
نہ ٹوٹے تیرا پیمانِ کریمی
جہاں میں دو سمندر بیکراں ہیں
مرے عصیاں تری شانِ کریمی

محمد عالم مختار حق (٦) کے نام اپنے ایک مکتوب میں شعروسخن میں دلچسپی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> کہاں کی شاعری اور کیسی سخن طرازی۔ ایک زمانہ تھا کہ اخبار نویسی کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ اتوار کو تعطیل ہوتی تھی۔ ویسے بھی افتتاحیہ اور بعض خاص چیزیں لکھنے کے سوا میں کچھ نہیں کرتا تھا۔ مرحوم ومغفور سالک صاحب اور میں عرفؔی، نظیرؔی، حافظؔ وغیرہ اساتذہ کا کلام پڑھا کرتے تھے اور اشعار کی تری سے سیاسیات کی یبوست کا مداوا کیا کرتے تھے۔ گویا دواوین اساتذہ ہمارے لیے بہ اصطلاح طبیباں ''خمیرہ ابریشم'' تھے۔(۷)

ذیل میں مولانا مہؔر کی ایک نعت پیشِ خدمت ہے۔(۸) یہ نعت مولانا نے انجمن حمایتِ اسلام کے چوتھے اجلاس، زیرِ صدارت آنریبل خان بہادر میاں محمد شفیع، منعقدہ ٦/اپریل ۱۹۱۲ء، بروز ہفتہ بعد نمازِ مغرب، ''نعت عاشقانہ بجناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم وفریادِ امت بحضور آں ذات بابرکات'' کے عنوان سے پڑھی کہ جس کو سن کر ذوقِ سلیم رکھنے والے اصحاب بے تاب ہوگئے۔ واضح رہے کہ اس وقت مولانا مہؔر اسلامیہ کالج لاہور میں ایف۔اے۔ کے طالبِ علم تھے۔

نعت عاشقانہ بجناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم وفریادِ امت بحضور آں ذات بابرکات

بند اوّل

سرگزشت دلِ پرسوز سناؤں کیونکر — آگ کو معرضِ گویائی میں لاؤں کیونکر
المدد المدد اے چشم بہا دے دریا — کشتیِ عشق کو خشکی پہ چلاؤں کیونکر
شبہ سے ہوں نہ مبدل گہر اشک کہیں — سرمہ بن کر تری آنکھوں میں سماؤں کیونکر
اس چھپانے کا عیاں ہونا ہے رازِ الفت — کوئی بتلا دے چھپانے کو چھپاؤں کیونکر
خوف محراب عقیدت سے کیا ترک سجود — دامن بیخودی پر داغ لگاؤں کیونکر

بیخود شوق ہوں آتا ہے توہّم مجھ کو
کہ مرا جوش محبت نہ کرے گم مجھ کو

بند دوم

شکن موج یم اشک یتیماں ہوں میں — رگ بالیدگیٔ خواب پریشاں ہوں میں
گرد جولانی ہوئی مجھ کو حجابِ زنگار — صافیِ حیرتِ نظارۂ جاناں ہوں میں
دیکھ او چشم ابھی ضبط کو کردے تاکید — اشک گرنے پہ نہ منت کشِ داماں ہوں میں
گرد میری ہے حجابِ حرمینِ امید — شو ر ناقوس صنم خانۂ حرماں ہوں میں
نہ گرا بے خطر او دیدۂ تر خون جگر — آبروئے شفق شام غریباں ہوں میں
ضعف پیری نے کیا مجھ کو زبس مثل ہلال — موت کے خوان پہ گویا لب جاناں ہوں میں
کیوں نہ وقف قفس آرائی کروں شوق سے پھر — اپنے صیاد کا پروردہ احساں ہوں میں
ہر رگ و ریشہ میں عصمت کا لہو جوشاں ہے — اے زلیخا ترے یوسف کا گریباں ہوں میں

شیخ جی گردِ تکدّر ہے نظر کا پردہ کفر بھی ہوں تو حجابِ رُخِ ایماں ہوں میں

ہے سویدائے دلِ حور شبستاں میری کس بتِ ناز کی زلفوں کا پریشاں ہوں میں

میں ہوں دریائے طلب، پاس مرا ساحل ہے

بلبلہ قالب مینائے شکست دل ہے

بند سوم

جلوۂ طور چراغ گل کاشانۂ دل قصۂ وحشتِ قیس ابجد طفلانۂ دل

شوق ہے صید الستی کا تجھے گر صیاد رہ الفت میں بچھا دام رگِ دانۂ دل

شورآفاق ہے اس مرغ کی تاب پرواز محرم رمزِ حقیقت نہیں بیگانۂ دل

حاصلِ مزرعۂ وحدت سے بھرے گھر اس کا ذکر کے کھیت میں بوئے جو کوئی دانۂ دل

خاک پر خلد سے آدم گرے گندم کھا کر سجدۂ سہو تھا بالغزشِ مستانہ دل

ذرّے سولی پہ بگولے کی اناالحق گو ہیں دیکھو منصور ذرا آکے تو ویرانۂ دل

لوگ کہتے ہیں کہ ہے جسم لباس ہستی میں سمجھتا ہوں اسے دلق گدایانۂ دل

دیدۂ راکہ بہ نظارۂ دل محرم نیست

مژہ باہم زدن از دست تاسف کم نیست

بند چہارم

ملتی ہے ہوش کی رہ آپ سے غافل ہوکر نیست ہو نیست نشان پئے منزل ہوکر

ظلمت کفر نے کیا کیا مجھے عزت بخشی رُخِ ایماں پہ جما بیٹھا ہوں میں تل ہوکر

خاک ہونے کے سوا جینے سے چھٹنا ہے محال　　آب دریا سے نکل سکتے ہیں ساحل ہوکر

رنج غرقابی دائم ہے گہر ہونے میں　　ٹوٹ جا قطرے حبابِ لبِ ساحل ہوکر

حشر تھا حشر دلِ کن کی گرہ کا کھلنا　　پڑگیا اپنے پہ میں آپ ہی مشکل ہوکر

اپنی نظروں سے چھپا لیتا ہوں اپنی منزل　　پردۂ گردو غبارِ رہِ منزل ہوکر

آپ ہی اس کے تجسّس میں ہوں گرم جولاں　　آپ ہی میں نے چُھپایا اسے حائل ہوکر

عقل کو پھونک دے اے طالب دیدار کہ شیخ　　رہ گئے وقفِ خیالِ حق وباطل ہوکر

طور الفت پہ ہوں میں گرم نوائے ارنی　　کثرتِ شوقِ طلب سے ہمہ تن دل ہوکر

ایک ترچھی سی نگہ اوربھی زخمہ زنِ کن　　جان بھی تا کہ نکل جائے کہیں دل ہوکر

مدد اے سید عالم کہ بسے حیرانم

دررہِ شوق تولب تشنۂ و سرگردانم

بندپنجم

سازسامان کا ہے سوختہ ساماں ہونا　　خلعتِ احسن تقویم ہے عریاں ہونا

الفِ صیقل آئینۂ دل ہے گویا　　تیری وحشت میں مرا چاک گریباں ہونا

سیکھ گل سے سبق اوغنچہ باجمعیت دل　　خنستان کا حاصل ہے پریشاں ہونا

آہ ! اس پارۂ امید کی واژوں بختی　　جس کی قسمت میں لکھا ہے مرا ارماں ہونا

میرا دل صدمۂ پرواز سے ٹوٹے نہ کہیں　　ورنہ مشکل نہیں صیاد پرافشاں ہونا

صاف چھپ کربھی دوعالم پہ عیاں ہے اتنا　　ابھی آتا ہی نہیں گویا کہ پنہاں ہونا

رخت ہستی کو جلا ہے یہی سرمایۂ زیب
مور کو بال ہے ہم چتر سلیماں ہونا

چاک سلوانے میں کیا لطف ہے اللہ اللہ
خود جنوں چاہتا ہے میرا گریباں ہونا

چشمِ تحقیق نگر کھول تن آسانی شوق
عین لاہوت ہے وقت غم پنہاں ہونا

موم ہے اے مگس شوق نہ تار پیاں
خود خلیل طپش گلخن ہجراں ہونا

خاک پا کا تری دامن جو براہیم پہ تھا
نارِ نمرود کو لازم تھا گلستاں ہونا

راز توحید نمایاں ہے تری ہستی میں
سیر لاہوت تری دید ہے اس پستی میں

بند ششم

دہر میں برق زن حاصل پندار آیا
مژدہ اے دل کہ ترے کعبے کا معمار آیا

کوئی بازیچہ نہ تھا عشق حقیقی منصُور
او تنک ظرف تو اُٹھ کر جو سرِ دار آیا

لیے امت کے گناہ نقد شفاعت دے کر
مجھے ایسا نہ نظر کوئی خریدار آیا

رشتۂ ہجر سمجھ کر کیا پنبہ پنبہ
جب کہ وحشت میں نظر تن پہ کوئی تار آیا

ہر نبی سن کے شفاعت کی خبر تجھ سے بہ حشر
ہے پشیمان کہ میں کیوں نہ گنہگار آیا

جلوۂ صبح تمنائے براہیم استی
چہرۂ پرداز نہ حیرتکدۂ میم استی

بند ہفتم

مے الفت کا دیا کس نے پلا خُم مجھ کو
درس ہے ٹوٹنے کا صبح تبسم مجھ کو

ہائے اے دلکش توحید وہ کیا لے تھی تری
لے گئی مجھ سے مری تابِ تکلم مجھ کو

تیرے قربان بتادے کہ پڑھوں کس کی نماز
جسمِ خاکی جو ہے سامانِ تیمّم مجھ کو

یثربی ناز کی کشتی پہ دمِ بادِ مسیح
نہ ہوابندی کریں کہہ کے کہیں قم مجھ کو

نا کھلے دل پہ مرے عقدۂ لاینحل راز
کردے اے بیخودیٔ شوق کہیں گم مجھ کو

پھینک کر سبحہ کے دانے رہِ زنّار کے بیچ
پھانس کر لے گیا پھندے میں توہّم مجھ کو

میرے عصیاں سے تو ہے آتش دوزخ کو بھی عار
اپنی رحمت سے رکھو دور نہ پرتم مجھ کو

نیست گر زادِ رہے صبر وتحمل دارم
تکیہ برلطف توؤ فیض توکل دارم

بندِ ہشتم

شعلہ اُو ز دل کن کا تھا جلوہ تیرا
بخت چمکا گیا فاران کا سایہ تیرا

میم گو خود بھی ہوا جھک کے سراپا ناخن
نہ کھلا پر نہ کھلا راز معما تیرا

سینۂ دہر کو ہے داغ چراغ سینا
کہ سوادِ دل ہستی نہیں سایا تیرا

چاک جیبِ مہِ کنعان و زلیخا توبہ
صاحب شق قمر تھا وہ اشارا تیرا

عینک انجم رخشندہ لگا کر قدسی
بام افلاک سے کرتے ہیں تماشا تیرا

اے کہ تھی کفش تری کشتیٔ دریائے نور
اے کہ تھا عرش بریں فرش کفِ پا تیرا

اے کہ پوشاکِ نمائش تھی ترا پاک وجود
اے کہ تھا طرح فگاں؟؟ داغ تمنا تیرا

کیا کہوں امت مرحوم کی حالت ہے ہے
کس سے میں جا کے کہوں درد مصیبت ہے ہے

بند نہم

تجھ سے حال امت عاصی کا شہا کہتے ہیں
بات جو سچ ہے وہ بے لوثِ خطا کہتے ہیں
ہوا ہر شخص جدا بغض سے جوں ذرۂ ریگ
اس کو یہ اندھے اخوت کی بنا کہتے ہیں
آبلہ کاری کا ساماں ہے سراپا کینہ
ہائے غفلت یہ اسے بانگ درا کہتے ہیں
مہ کنعاں ہوا نخشب تو بدولت اس کی
پر حسد کو یہ ترقی کی دوا کہتے ہیں
اصل ایماں کو سرے سے جو جلا دیتی ہے
مئے احمر کو یہ برق من و ما کہتے ہیں
قوم کی فکر میں جس کو نہ ہو کچھ ہوش لباس
یہ اسے طعن سے بے ننگ وحیا کہتے ہیں
کیا کہوں سیدا ڈر ہے کہ یہ کہہ دیں نہ کہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں
منکرِ معجزہ ہیں صاف نئے فلسفہ داں
اور اسے خامئ قانون خدا کہتے ہیں
یہ تو منصور سے بھی چار قدم ہیں آگے
گندمی رنگ کے بندوں کو خدا کہتے ہیں
خانۂ دل پہ کیا عشق بتاں نے قبضہ
نرگسی آنکھ کو یہ قبلہ نما کہتے ہیں

آتش عشق نے کیا پھونکا ہے بینائی کو
اصل اعزاز سمجھتے ہیں یہ رسوائی کو

بند دہم

بے اثر صاف ہوا جاتا ہے اپنا کہنا
گوش دل سے یہ اگر سن لیں تو پھر کیا کہنا

پستی عالم ہستی میں ہیں خوار وخستہ شافع حشر گئے بھول یہ تیرا کہنا
خود فروشی کی صدآہ ہے ہمدردی کی کارواں جب کہ نہیں سنتا درا کا کہنا
دل میں ہے جلوہ فگن روشنیٔ غارحرا خرمنِ صبر کودے پھونک ہمارا کہنا
لے کے فریاد چلا ہوں شہ بطحا کے حضور کوئی سکھلا دے مجھے حرف تمنّا کہنا

المدد سید مکی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

بند یازدہم

گنبد سبز کے صدقے رہے پردا اپنا غیر قوموں کو نہ دکھلانا تماشا اپنا
دیدۂ انجمِ افلاک سے ہو خون رواں لب بربر کبھی کہدے جوفسانہ اپنا
حالت دردِ دروں جاکے کہیں ہم کس سے اور ہے کون سوا تیرے سہارا اپنا
رہ گئیں انجمنیں چند نشان اسلام میہماں موج گہر کا ہوادریا اپنا
آج وہ دن ہے کہ سراپنے ہوئے ننگ زمیں کف پا تھا کبھی تاج سرکسریٰ اپنا
مددے کشتی ہستی کے کھویّا مددے ٹکڑے ٹکڑے ہواجاتا ہے سفینا اپنا

گردباد اٹھنا یہاں ننگ پریشانی ہے
دیکھ آکر کوئی ویرانی سی ویرانی ہے

بند دوازدہم

شافع حشر ترقی کی دوا کون سی ہے یہ پری موم ہوجس سے وہ وفا کون سی ہے

جس کو آغوش میں لے دوڑ کے مقبولیت   بندہ پرور ہمیں بتلا وہ دعا کون سی ہے

نالۂ درد کی ہے جس کے بہا خواب خوش   ہاں بتا دے کہ وہ نایاب دوا کون سی ہے

پہلی منزل سفرِ عشق میں ہے جس کی فنا   رہبر خلق وہ وادی بقا کون سی ہے

نرگسِ حضرت یعقوب ہے سرتاپا قوم   صاف ظاہر ہے کہ مطلوب صبا کون سی ہے

گرہِ قطرہ میں جس کی چمن نامیہ ہے   ہائے اے !ابر شفاعت وہ گھٹا کون سی ہے

جس پہ معشوق الستی کا بھی جائے دل پگھل   دلربا حق کے وہ جانا نہ ادا کون سی ہے

نعرۂ ہوئے صفا کیش میں ہے جس کا رنگ   پردۂ عشق میں وہ طرز جفا کون سی ہے

لا و الّا کا وہی راگ سنادے ہم کو
اور اس نقش پہ جوں نقش مٹادے ہم کو

حواشی

۱۔ گنجینۂ مہر (جلد اول) مکتوبات غلام رسول مہر بنام محمد عالم مختار حق، ۲۰۰۸ء، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، مکتوب ۱۸، ص ۳۸

۲۔ گنجینۂ مہر (جلد دوم) مکتوبات غلام رسول مہر بنام محمد عالم مختار حق، ۲۰۰۸ء، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، مکتوب ۱۴۶، ص ۵۴

۳۔ مکتوب محمد عالم مختار حق بنام محمد سہیل شفیق، مورخہ ۲۷/ اکتوبر ۲۰۱۱ء

۴۔ خلیل الرحمٰن داؤدی، غلام رسول مہر، مشمولہ: ''نقوش'' (شخصیات نمبر)، ۱۹۵۶ء، طبع ثانی، لاہور: ادارۂ فروغِ اردو، صفحہ ۶۳۷

۵۔ گنجینۂ مہر، ج ۱، محوّلہ بالا، مکتوب ۵۶، ص ۱۲۸

۶۔ مولانا محمد عالم مختار حق، عالم و فاضل اور صاحبِ تصنیف و تالیف بزرگ تھے۔ آپ ۱۴/ شوال ۱۳۴۹ھ مطابق ۴/ مارچ ۱۹۳۱ء کو جھگیاں شہاب الدین لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد میاں محمد حسین نقشبندی مجددی (متوفیٰ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۸ء) سے حاصل کی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد اردو فارسی کے شاعر، ادیب اور صوفی کامل چودھری جلال الدین اکبر کی صحبت اختیار کی۔ علمی کتابوں کا مطالعہ آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ کتاب دوست و کتاب شناس اور اہل علم کے قدردان تھے۔ ذوقِ کتب بینی نے آپ کو مولانا غلام رسول مہر کے کتب خانے تک پہنچایا۔ یہاں تک کہ آپ

مولانا مہرؔ کے رفیق مجلس اور معاون قلم بن گئے اور عمر بھران کے علمی ذخیرہ سے اپنے ذوقِ علم کی تسکین کرتے رہے۔

آپ کا اپنا ذاتی کتب خانہ ۱۳ ہزار نادر و نایاب کتب پر مشتمل ہے۔ آپ کے کتب خانے کے مہرؔ سیکشن میں مہرؔ صاحب کی جملہ کتب موجود ہیں۔ اکثر و بیشتر کتب مولانا مہرؔ نے آپ کو اپنے دستخطوں سے عطا کیں۔ مولانا محمد عالم مختارحق صاحب کی تصنیفات و تالیفات و مرتبہ کتب کی تعداد ۲۰ سے زائد ہے۔ ۷/ مارچ ۲۰۱۴ء کو آپ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

۷۔ ایضاً، مکتوب ۷، محوّلہ بالا، ص ۱۸

۸۔ بشکریہ: ڈاکٹر امجد سلیم علوی [فرزند مولانا غلام رسول مہرؔ]

پروفیسر محمد اقبال جاوید۔ گوجرانوالہ

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

(حمد و نعت کے آئینے میں)

ABSTRACT:

Professor Muhammad Iqbal Javed is an appreciator of high emotional expression of poets with sensitivity of grace of devotional poetry and grandeur of Prophet Muhammad (S.A.W). He has expressed his love to the poetry of Dr. Mahmood Ahmad Gazi, who was a renowned religious scholar and a poet. The examples of Devotional poetry presented in the cited article are suggestive of recognition of Late Gazi in the genre of Naatia Poetry, as the same is profoundly written with the high sensibility of Persian traditions besides deep sense of importance of the text of such type of poetry. Contents of Naatia poetry are always sensitive but the same poetry is not being written with that much required care by contemporary poets and, therefore, Professor Iqbal Javed has aptly attempted to invite heed towards some points to ponder with.

یہ اشرف المخلوقات جانے ،نہ جانے ،سمجھے ،نہ سمجھے ،حقیقت یہی ہے کہ جملہ مخلوق اپنے اپنے رنگ سے خالقِ کائنات کی حمد سرا ہے کہ حمد' ذکر کی ایک حسین کہکشاں اور یاد کی ایک دل آویز قوسِ قزح ہے۔یہ نفس نفس زیبائی ،روش روش رعنائی اور قدم قدم سچائی ہے ۔ یہ دل کی سعادت جبیں کا نور اور ذہن کی

معراج ہے۔ یہ ہم خاکیوں کا اعزاز اور قدسیوں کا شعار ہے۔ اِس سے نیاز کو ناز اور سجدوں کو گداز ملتا ہے۔ یہ تحدیثِ نعمت اور نیازِ عبدیت ہے۔ یہ عبدِ مجبور کا سہارا اور عبدِ شکور کا فخر ہے۔

اور نعت

اُس ذاتِ اقدس کی ثنا ہے، جن کی حیثیت اس کائنات کے لیے اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم ترین احسان کی سی ہے۔ جو نہ ہوتے تو کائنات نہ ہوتی ،لولاک لما خلقت الافلاک کو گو ضعیف حدیث کہا گیا لیکن اس کے ضعف میں بھی حقیقت کی ایک پوری قوت پوشیدہ ہے اور حقیقت یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وجہِ وجود کائنات ہیں ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاؤں کی ٹھوکر سے ہزاروں طور ابھرتے ہیں ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفتارِ حسیں، تاریخ کے رُخ موڑتی اور تمدن کے رنگ نکھارتی رہی ہے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے نطقِ عنبر فشاں کا فیض ہے کہ کون ومکاں کو نکہتیں عرب ہی کے صحرا سے مل رہی ہیں ،آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے کوچے کو چُھو کر گزرنے والی ہوائے مشک بُو سے دل کے غنچے نمو پاتے اور روح کے آنگن مسکراتے ہیں ،آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے محاسن کی دھنک پر فشاں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقوشِ پا کی چمک منزل نشاں ہے اور رہے گی۔

حمد ونعت کے بارے میں درجِ بالا سطور بے ساختہ قرطاس وقلم کو ''نواز'' گئی ہیں کہ پیشِ نظر جناب محمود احمد غازیؒ کی ایک حمد اور کچھ نعتیہ منظومات ہیں۔ وہ بنیادی طور پر شاعر نہیں تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اُنھیں طبع موزوں اور قلبِ سلیم سے نواز رکھا تھا اور شعر ،کلامِ موزوں ہی کا دوسرا نام ہے ۔حق یہ ہے کہ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی اکثریت شعر کہتی تو نہیں تھی مگر اُن کی تحریروں اور تقریروں میں آمد کی ایک ایسی بے ساختگی ہوتی تھی کہ اُن کے جملوں پر بھی مصرعوں کا گمان گزرتا تھا:

لہو جلا کے کیا لفظ کا دیا روشن

زمیں اُٹھائی ، اُسے آسماں کیا ہم نے

اور بعض کی فکری صالحیت تو باقاعدہ شعری ستارے اُبھارتی اور اُجالے بانٹتی رہی۔بعض اللہ والوں کی تحریروں میں اساتذہ کے مستعمل اشعار اہم نکات کی صرف وضاحت ہی نہیں کرتے بلکہ اُن کے حُسنِ ذوق کا دل آویز اظہار بھی ہیں۔اور یوں لگتا ہے کہ وہ اشعار اِسی موقع اور محل کے لیے وجود میں آئے تھے اور اُن کے حسنِ استعمال پر تو شعر کہنے والوں کی روح بھی وجد کرتی ہوگی سوزِ دل کو سازِ رگِ جاں بنانے کے لیے جاں گداز مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے

کہاں زمانے کا ذہن پہنچا ،مرے تصور کے بانکپن تک

ہزار عالم گزر چکے ہیں ،شعورِ فن سے خلوصِ فن تک

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کو ۱۸ سال کی عمر میں (۱۹۶۸ء) ایک نابینا مصری شاعر (شیخ صاوی علی شعلان) کی صحبت میسر آئی ۔موصوف کو حکومتِ پاکستان نے کلامِ اقبال کے منظوم عربی ترجمے کے لیے مدعو کیا تھا۔غازی مرحوم کلامِ اقبال کا عربی نثر میں ترجمہ کرتے اور مصری شاعر اُسے عربی نظم کا روپ دیتے تھے ۔اِس مشق سے اُن کے فارسی اور عربی ذوق کو جلا ملی ۔اُنھیں اسی عمر میں کلامِ اقبال از بر ہوگیا تھا اور مطالب دل میں اتر گئے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے ''ام الشرق'' کے نام سے کلامِ اقبال کا عربی میں ترجمہ بھی کیا۔گوانھیں شاعری سے دلچسپی نہ تھی ۔مگر فیضانِ اقبالؒ نے اُن کی فکر کو صالحیت اور تحریر کو دل نشینی کی ایک ایسی کیفیت عطا کی کہ نثری بے کیفیاں ،لطف اور لطافت کے سانچے میں ڈھل گئیں اور اقبالؒ ہی کی آرزو تھی کہ کوئی ایسا بالغ نظر ابھرے جو اسلامی اصولوں کا عہدِ حاضر کے سماجی ضوابط کے ساتھ موازنہ کرے اور پھر اسلامی ضوابط کی برتری ثابت کرے کہ وہ اصول الہامی اور بہ ہر نوع مکمل ہیں اور دیگر قوانین انسانی ذہن کے ساختہ پرداختہ ہیں اور ہر لمحہ ترمیم و تنسیخ کے محتاج محترم محمود احمد غازیؒ نے شعوری یا لاشعوری طور پر اقبالؒ کی اِس آرزو کی تکمیل میں اپنے ذہن و فکر

،قلب ونظر اور قرطاس وقلم کی بہترین صلاحیتوں کو صرف کیا__ اقبالؒ کو حُبّ ِ رسولصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم اور حُبّ ِ قرآن ہی نے عظمت عطا کی تھی اور اُس کی اِس رفعت کو چُھونے والا ،کوئی دور دور تک نظرنہیں آتا کہ اقبالؒ تخیّل کا مجدّد اور تصور کا امام تھا ،اُس کی شراب عرب کی کھجور سے کشید ہوکر آئی تھی ۔وہ ہر جلوے میں کلیم ،شعلے میں خلیل ،غبار میں سوار ،مُشتِ خاک میں پارۂ الماس ،جسدِ خاکی میں انگارا ، خاکستر میں چنگاری اور چنگاری میں فروغ جاوداں ڈھونڈتا تھا ، وہ بلالِ مشرق بھی تھا اور کلیم ِ ایشیا بھی ____اور مجھے جناب غازیؒ کی زیرِ نظر منظومات میں اقبالؒ ہی کی اثر آفرینیاں نظر آتی ہیں، یہاں تک کہ کئی مصرعے اقبالؒ ہی سے مستعار ہیں ۔میں اُنھیں کلامِ اقبالؒ اور پیغامِ اقبالؒ کے تاثر کا ایک خوبصورت نتیجہ سمجھتا ہوں۔

جناب غازیؒ کی یہ منظومات غزل کی ہیئت میں ہیں ،غزل وہ حقیقت ہے جو حُسن میں بستی ہے، یہ قلزم کو قطرے میں سمیٹنے پر قادر ہے ۔بہت سی نظمیں مل کر بھی غزل کے ایک مصرعے سے آنکھ نہیں ملا سکتیں اور __یہ تخیّل کی وہ معراج ہے جو دیوانگی میں قیس وفرہاد اور فرزانگی میں میر و غالب کو عطا ہوتی ہے ۔اورسب سے بڑھ کر یہ اُن منظومات کو دیارِ خدا ورسولصلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکی فضا اور ہوا نصیب ہوئی کہ وہاں ہر رنگ خود بہ خود آہنگ کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔وہاں دھڑکنیں ،دردِ دل کہتی ہیں ،آنسو چھلکتے اور سکوت بولتا ہے۔

کسی کے روبرو بیٹھا رہا میں بے زباں ہوکر
مری آنکھوں سے حسرت پھوٹ نکلی داستاں ہوکر

محمود احمد غازیؒ رب العالمین کے گھر میں ہیں ،یاس آس کے دامن میں مسکرا رہی ہے رحمتوں کے در کھلے ہیں اور ہر ایک باریاب ہے۔

مرے جذبوں کو ساری وسعتیں تو نے عطا کی ہیں

مرے احساس کے شام وسحر تیرے عطا کردہ

یہ لفظوں کے گہر، یہ آرزوؤں کے حسیں خاکے

دعاؤں میں جو آتے ہیں نظر، تیرے عطا کردہ

جمال میں جلال اور جلال اور جمال لیے، یہ واحد مرکز ہے، جس کے گرد حضوری کا کیف وسرور والہانہ انداز میں گھومتا اور جھومتا چلا جاتا ہے۔ جذب وجنوں کا یہ بانکپن، اِس بھری کائنات میں، صرف اورصرف اِسی گھر کا حصہ ہے۔__ محمود احمد غازیؒ یہاں اپنی ذات کے ساتھ کائنات لے کر چلتے ہیں اُنھیں امتِ مسلمہ کی بے چارگی مغموم کیے ہوئے ہے، اُن کی نگاہوں کی تمنائیں، دل کی دھڑکنیں اور روح کی لرزشیں فریاد کناں ہیں کہ

آگ ہے، اولادِ ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے

کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

اُن کے چند حمدیہ اشعار دیکھیے کہ اُن کے دل کی دھڑکنوں کو کیسے زبان مل گئی ہے۔

شہیدِ نازِ او بزمِ وجود است | قتیل جلوہ اش سرخ و کبود است

تلامیذ خلیلاں اندر آتش | کمالِ آزراں نار و وقود است

چہ پرسی از نمازِ عاشقانش | تفنگ و تیر و تکبیر و سجود است

جلال و کبریائے ربِّ کعبہ! | بہر سو در جہاں اورا نمود است

بہر سو کہکشانِ رنگ و بو بینم، خرد دنگ است | ”من ایں دانم کہ من ہستم، ندانم ایں چہ نیرنگ است“

اُن کی ایک نعت کا عنوان ہے ”جمالِ خواجۂ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس قدر اجمل، اکمل اور احسن تھے کہ الفاظ اپنی تمام تر رعنائیوں کے

باوجود سراپا نگاری سے قاصر ہیں،فطرت کا سارا شباب اور کائنات کا سارا نکھار بھی یکجا کرلیا جائے پھر بھی اُس شہِ انجم مطاف کی تصویر کشی ناممکن ہے،جس کی مسکراہٹوں سے کلیاں چٹکنا سیکھتی تھیں اور جس کے خرامِ ناز سے ریت کو ریشم کا لوچ مل جاتا تھا۔

رنگ ،خوشبو ،صبا،چاند ،تارے ،کرن، پھول ،شبنم ،شفق ،آب جُو ،چاندنی
تیرے معصوم پیکر کی تخلیق میں ،حُسن فطرت کی ہر چیز کام آگئی

اللہ تعالیٰ کی عطا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ضیا سے،جناب غازیؒ کی بصیرت کا وہ عالم ہے کہ دونوں عالم کی درخشانی دل کے آئینے میں جھلک رہی ہے اور علوم ومعارف کی تابانیوں نے اُنھیں جگمگا رکھا ہے۔اور یہ کرم اُس ذاتِ عظیم وجلیل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو بہ ظاہر گنبدِ اخضر میں آرام فرما ہے مگر جلوے ہیں کہ ہر دور کو روشن کیے ہوئے ہیں

تجلّیوں سے تری مستنیر و تابندہ
زمانِ ماضی وعصرِ روان و آئندہ

جناب غازیؒ بھی اِنھی انوار کے ہالے میں ہیں،دیارِ ناز کے اِس قیام نے اُنھیں کِھلا ہُوا پھول اور کُھلا ہُوا نافہ بنا رکھا ہے اور یہ فیض ہے اُس ذاتِ گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ،جو جس راستے سے گزر جاتی تھی خوشبو خود غمازی کرتی تھی کہ ''ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے۔

خوشبو بتارہی ہے کہ وہ راستے میں ہیں
موجِ صبا کے ہاتھ میں اُن کا سراغ ہے

اَب جمالِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں محمود احمد غازیؒ کے وہ اشعار دیکھیے جوانھوں نے ۲۲ دسمبر ۲۰۰۴ء کو مدینہ منورہ کی عنبر فشاں فضاؤں میں کہے نہیں بلکہ اُن سے کہلوائے گئے تھے:

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینہ ہے ثنا سے پہلے

☆

دوعالم راتواں دیدن بمینائے کہ من دارم — کراباشد میسّر چشم بینائے کہ من دارم
کند پروردگارم رازدانِ علّم الاسماء — زہے تابانیٔ دانش بہ طیبائے کہ من دارم
شبم روشن زنور جاں فزا ،روزم نشاط افزا — کجا طور کلیمے پیش سینائے کہ من دارم
بہ چشم ظاہرِ تو مصطفیٰ در روضہ اش پنہاں — بہ ہرسوجلوہ اش تاباں بہ پہنائے کہ من دارم
جمالِ خواجۂ طیبہ دو عالم راکند روشن — ’نگویدلن ترانی کس بسینائے کہ من دارم‘
مقام مصطفیٰ بینی اگر بادیدۂ دل بیں — ندارد کس چناں چشمے بہ دنیائے کہ من دارم
مہِ تاباں مہِ انور اگر خواہی کہ می بینی — بیا،بیں آں مہِ کامل بہ صحرائے کہ من دارم
دلم چوں کہکشاں روشن شوداز دیدہ ام ریزد — زہے تابش،خوشا نورے بدنیائے کہ من دارم
بقائے جاوداں یابم جمالِ مصطفیٰ بینم — عبیرافشاں ہمیں آیم زصحرائے کہ من دارم

’’مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم‘‘ سے متعلق جناب غازیؒ کی نعتوں میں بعض قرآنی اشارات ہیں اُن پر بساط بھر روشنی ڈال رہا ہوں تاکہ قارئین اُن نکات کے حسنِ استعمال سے کیف اندوز ہوسکیں۔

ہبوطِ آدمؑ کے ساتھ ہی رشدو ہدایت کی ترسیل کا وعدہ بھی تھا اور وعدہ کرنے والا بھی وہ، جو بہرکیف وعدہ وفا کرتا ہے،چنانچہ رنگ وبو کے اس قافلے کا رواں دواں رہنا ،اُلوہی منشا تھا،جسے نبوت کہتے ہیں، ہرنبی اِس قافلۂ رنگ وبو کا ممتاز راہی بھی تھا اور قافلہ سالار کا منتظر اور مخبر بھی_ جناب غازیؒ کے اِن نعتیہ اشعار کے مطابق ،آخر میں وہ آئے جن کے انوار سے ہرنبی کا نور مستعار تھا کہ آنے والے کا

نورِتجلیاتِ ربّانی کا پرتو تھا۔نور، روشنی ہے اور روشنی اللہ کی عطا ہے جو اللہ والوں کا مقسوم ہے۔ نبوت کی یہ روشنی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری سے تکمیل کو پہنچی، تکمیل کے بعد، نہ کسی اضافے کی ضرورت ہوتی ہے نہ ترمیم کی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کمال کاملاں بھی ہیں اور جمالِ مرسلاں بھی۔ ہونے والے خلیلِ کبریا بھی ہوئے، کلیمِ کبریا بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھہرے حبیبِ کبریا۔

انبیاء را عظمتاں از مصطفیٰ　　آں مجاز وہست حقیقت مصطفیٰ

انبیاء روشن ز نور مصطفیٰ　　مصطفیٰ روشن ز نور مبتدا

انبیاء از فیض او نور قمر　　طالبِ نورِ محمد بحر وبر

اے محمد تو کمال کاملاں　　مصطفیٰ رازِ جمالِ مرسلاں

پور آذر را خلیلی دادہ اند　　ہم کلامی با شباں بخشیدہ اند

پورِ مریم روحِ حق نامیدہ شد　　ہم چناں پیغمبری بخشیدہ شد

برتر آمد از رسولاں مصطفیٰ　　آں حبیبِ کبریا در اصطفا

☆☆

نور یزداں ہر کجا از مصطفیٰ　　ایں جہاں تابد زنور مصطفیٰ

از کمال مصطفیٰ کامل ہمہ　　در صلائے مصطفیٰ شامل ہمہ

از چراغِ مصطفیٰ روشن ہمہ　　از فروغش تابِ ایں گلشن ہمہ

از در پیغمبری مارا نصیب　　در پناہش ہر فقیر وہر غریب

اِس امر کی صداقت میں نہ ماضی شبہ کرسکتا ہے نہ حال اور نہ مستقبل کر سکے گا کہ اَب جہاں جہاں روشنی ہے وہ اس چراغِ رسالت ہی کی دین ہے اور جہاں جہاں ظلمت ہے وہ روشنی کے لیے مدینے ہی کی طرف لپک رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ''سراجِ منیر'' کہا گیا، جناب غازیؒ کے مطابق چراغ (لفظ سراج غالباً فارسی لفظ چراغ کا معرب ہے) کی تشبیہ محض تفہیمِ مطالب کے لیے ہے ۔ورنہ دنیا کے چراغوں کو اُس چراغ سے کیا نسبت ،جسے نورِحق نے روشن کیا ہوا ور روشن تر رہنا جس کا مقدر ہو۔حق یہی ہے کہ کائنات کو جمال وکمال کی ہر کیفیت ،اِسی سراج منیر سے ملتی رہی ہے اور ملتی رہے گی۔''سراج'' کے لفظی اور بنیادی مفہوم میں حُسن کی دل آویزی بھی پائی جاتی ہے۔ زیب وزینت کی نظرنوازی بھی اور جمال کا کمال بھی__ جو سراج نعت نگار کے پیشِ نظر ہے اُس کے مقابل نہ آفتاب کا چراغ جل سکتا ہے نہ ماہتاب کا، بلکہ ہر چراغ اُس کے رُوبہ رُو داغ داغ ہے ۔اَب اس ''سراج منیر'' کی کرنوں سے مستنیر ،جناب غازیؒ کے کچھ نعتیہ اشعار دیکھیے :

ہردوعالم بر فروخت از مصطفیٰ
مستنیر ہر ذرہ خاک از مصطفیٰ

روشن از نور سراجش ہر بشر
از تب و تابش جمالِ بحر وبر

برتر است و بہتراز روشن چراغ
نورِ تابانش کجا دارد چراغ

ایں مثال است از برائے فہم ما
ورنہ کے باشد چراغ را ایں بہا

ایں چراغِ روشن آمد در مثل
ایں چراغاں را نبا شد آں اہل

نیست ایں تشبیہ در بابِ کمال
در منال و در فضیلت ،در جمال

ہست ایں تشبیہ از بہرِ نگہ
چشم ما در امر حق کور وسیہ

ایں مثالاں از برائے فہم ما
تانبا شد مشکلے در فہم ما

آں درودے چوں خلیلِ آزری　　　　برترش آمد درودِ داوری

برتر از نور چراغت در بہا　　　　در لطافت نورِ دینِ مصطفیٰ

☆☆

شہرت و آوازۂ نورِ چراغ　　　　پیش نورِ مصطفیٰ ہست داغ داغ

از قمر برتر چراغت در کمال　　　　آفتابِ ہم نبا شد آں کمال

ہردو رانورِ کمال است از خدا　　　　ہردورا شانِ جمال است از خدا

دیگراں را ماہتاب است بے اثر　　　　نور او بر دیگراں است کور وکر

آفتابے روشنے دارد شکوہ　　　　زد منورعالمِ صحراء و کوہ

دیگراں راآفتاب ہم بے اثر　　　　کے شود پیدا ازو انجم دگر

آفتاب و ماہتاباں کوہ نور　　　　آفتابے دیگرے را چوں گور

یک چراغ آرد ہزاراں در وجود　　　　یک منیر سوزد ہزاراں رابہ جود

مصطفیٰ روشن تراز نورِ ہمہ　　　　مصطفیٰ برتر ز آفتابِ ہمہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''شاہد'' ہیں۔حق وصداقت کے، وہ جہاں کہیں بھی ہو، کہ وہ انسانیت کی مشترکہ میراث ہے اور شاہد کا حق وصداقت کی منزل تک پہنچنا نتیجہ ہے، مشاہدے کی معراج کا، عقل واستدلال کا نہیں کہ وہ تو نہ رہ نشیں ہے نہ راہی۔نہ اُسے راستے کا علم ہے نہ منزل کا۔شاہد، اپنے مشاہدے کی بنیاد پر حقائق کا اظہار کرتا ہے اور کسی حقیقت کے حواس کی گرفت میں آجانے کا دوسرا نام مشاہدہ ہے__اور پوشیدہ حقائق کو بے نقاب دیکھنے والا''نبی'' کہلاتا ہے اور اُن حقائق کو دوسروں تک

پہچانے والا ''رسول'' کہلاتا ہے اور جب رسول اپنے متبعین کے اعمال واحوال کی نگرانی کرتا ہے تو ''شہید'' کہلاتا ہے۔ یہ بھی صداقت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روزِ حشر ہم پر گواہ ہوں گے اور ہم پہلی امتوں کے بارے میں اللہ پاک، رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآنِ پاک کی حقانیت کی روشنی میں گواہی دیں گے اور ہماری اِس گواہی سے اُن کی قسمتوں کے فیصلے ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''نذیر'' ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انکار، اللہ تعالیٰ اور اُس کی رحمتوں کا انکار ہے اور اقرار کی جزا اور انکار کی سزا مل کے رہے گی۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کج روی اور گُم رہی کے سنگین نتائج سے انسانیت کو متنبّہ فرمایا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''بشیر'' ہیں کہ احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں کو حُسنِ عاقبت کی خبر دیتے ہیں اور رشد وہدایت کا وہ صحیفہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وساطت سے ہم تک پہنچا جو فوز وفلاح کا آخری نقیب ہے۔ جس نے انسانیت کو یاس وقنوط کی جگہ رجا وتیقّن عطا کیا گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہ یک وقت جنّت کی بشارت بھی دیتے ہیں اور جہنم سے ڈراتے بھی ہیں ۔یوں جمال وجلال اور ترغیب وترہیب کو بہترین توازن عطا ہُوا اور ظاہر ہے کہ ایمان خوف ورجا کے مابین ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''شفیع'' ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت ہم عاصیوں کا واحد سہارا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ جلال میں شفاعت وہی کرسکیں گے جنھیں اجازت عطا ہوگی اور صرف اُسی کے لیے جس کے لیے اجازت ملے گی، یہ شفاعت ملائکہ بھی کریں گے، انبیاء بھی، شہدا بھی، صالحین بھی، حفاظ بھی، مگر اللہ تعالیٰ پر کسی کا دباؤ نہیں ہوگا، سوائے قرآن مجید کے کہ وہ اللہ ہی کا کلام ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ''ذکر رفیع'' کے حامل ہیں اوقاتِ عالم کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو آپ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر کی رفعت کا اعلان نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی رفیع ہے اور اُن کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بھی۔ رفعِ ذکر، سنّتِ نبوی کے تحفظ کی یقین دہانی بھی ہے کہ جس طرح قرآن کا متن سینوں میں محفوظ ہے، اسی طرح اُس متن کی علمی تشریح بھی بہ ہر رنگ محفوظ ہے۔ جناب غازیؒ کی درج ذیل نعت میں مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انھی حقائق کا ذکر ہے ،بلیغانہ انداز سے کہ: ع

سفینہ چاہیے اِس بحرِ بے کراں کے لیے

شاہد و روشن چراغ وہم نذیر	او گواہ واو شفیع وہم بشیر
داعیٔ راہِ خدا ہم رہنما	رافعِ ذکرِ خدا قبلہ نما
کاملان وانبیاء بودند بسے	معجزات حق بیاوردند بسے
نورشاں محدود وفانی بودہ است	درزماں ودرمکان آنی بودہ است
مصطفیٰ آورد ہزاراں معجزات	عظمتش برتر زکون و کائنات
در قران و در نماز و حج ببین	تابہینی معجزات دائمین

اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیائے کرام کو دلیلِ نبوت کے طور پر معجزات عطا فرمائے، تا کہ کفّار حق کی عظمتوں کے قائل ہوسکیں مگر وہ جملہ معجزات، وقتی، ہنگامی اور فانی وآنی تھے کیوں کہ اُن کی نبوت بھی محدود تھی مگر نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرآن مجید کی شکل میں ایک دائمی معجزہ عطا کیا گیا۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت بھی دائمی تھی،قرآن پاک کتابِ زندہ ہے،زندگی آمیز بھی ہے،زندگی آموز بھی اور زندگی بخش بھی۔ اُس کی رشدو ہدایت کا اسلوب جاوداں ہے اُس کی فصاحت وبلاغت کے مقابل عرب کے جُملہِ فصیحان تمرّ دخُو عاجز ہوکر رہ گئے تھے __ معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ

وسلم ایک ایسا اعجاز ،ایک ایسی فضیلت ،ایک ایسی رفعت اور ایک ایسی قربت ہے کہ کسی اور نبی کو نصیب نہ ہوئی۔نماز اِسی معراج سے عطا ہونے والا تحفہ ہے جو ہماری معراج ہے کہ ہمیں اس کے طفیل اُس ذاتِ بلند و برتر سے ہم کلامی کا شرف ملتا ہے جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم ۔اِسی نماز میں ہماری دنیاوی آسودگی اور اُخروی سرخ روئی مضمر ہے ___ تاریخ بتاتی ہے کہ جب مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام لیواؤں کو نا قابلِ بیان تکلیفیں دی جا رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وطنِ مالوف سے نکالنے کی سازشیں ہو رہی تھیں اور یہ بھی طے پا چکا تھا کہ اِس شمع ہدایت کو، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گُل کر دیا جائے۔عین اُس عالم میں آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عروج وارتقا کے سامان ہو رہے تھے قضا وقدر کے دفاتر میں معراج وتقدم کے ہنگامہ خیز چرچے تھے ______ چنانچہ اللہ کی مشیّت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اٹھایا اور مسجد اقصیٰ تک لے اڑی، پرواز اور اڑان کا یہ منظر اس لیے تھا کہ جس شخص کو تم وطن سے نکال رہے ہو، ساری دنیا اس کا وطن قرار پائے گی ،حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آسمان تک گئے اور حجب واستار کو چیرتے ہوئے جناب باری تک پہنچ گئے۔باتیں ہوئیں ،اسرارِ دین سمجھائے گئے ،نمازیں عطا ہوئیں ،شریعت کی تفصیلات دی گئیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ قربِ اِلٰہی کا بلند ترین مقام حصہ میں آیا_____۔

محمود احمد غازیؒ کی درجِ ذیل نعتوں میں قربِ حق کی انھی حقیقتوں کا دل نواز اور روح پرور تذکرہ ہے:

انبیاء را معجزات آمد دلیل ‏ ‏ ‏ ‏ تا کہ باشد عظمت شاں را دلیل

معجزاتے کانبیاء آوردہ اند ‏ ‏ ‏ ‏ ہم نشانِ رفعتِ شاں بودہ اند

با قدیماں معجزہ بد ظاہری ‏ ‏ ‏ ‏ از محمد معجزہ شد قاہری

ظاہری باشد دلیل آفلیں ‏ ‏ ‏ ‏ قاہری آرد حیات خالدیں

ظاہراں را زندگی باشد قلیل
قاہراں را سرمدی راہ وسبیل

ظاہری رااز یدبیضا مثال
قاہری بیں در کلامِ ذوالجلال

ایں کلامِ ذوالجلال آمد دلیل
بر ثبوتِ عظمتِ پورِ خلیل

☆☆

بر سماوات و فلک رفت مصطفیٰ
تابیا رد معجزات باصفا

تو گماں داری کہ اسراست یک سفر
من ہمی بینم درونش صد گہر

از کمال مصطفیٰ گیرند کمال
در جمال مصطفیٰ جویند جمال

از فلک آوردہ است سوز و سرور
نے فقط فردوس وحور وہم قصور

سوز و سازِ مصطفیٰ در کائنات
کائنات گیرد ازونوروثبات

در رجب آمد سفر تا بیت قدس
از قدوم مصطفیٰ تنویرِ قدس

☆☆

آمد از اسرا نماز مومناں
در نماز آمد عروجِ مومناں

زیں عروجِ مصطفیٰ مارا ضیا
زیں نمازِ باصفا مارا بقا

نورِ دیں بارد نمازِ مومنے
سرِّ دیں دارد عروجِ مومنے

چوں ہمہ اعجاز ھا مارا مفید
ہم عروجِ مصطفیٰ مارا مفید

اے خوشا آں مسلمِ روشن ضمیر
کز ضیائے مصطفیٰ شد مستنیر

از بیانِ معجزاتِ مصطفیٰ
ماہمہ از نورِ یزداں باصفا

از کمالات و جمالِ احمدے
در ہمہ عالم جمالِ سرمدے

ایں سعادت از برائے مومناں
ایں کمال آمد برائے مسلماں

ہر کمالش ازرہِ درس وعبر
ذکر اور بالد ہمی فکر ونظر

از دعائے پور آذر برکتش
در نویدپور مریم ذروتش

از وجودِ مصطفیٰ نور خدا
در دلم از ابتدا تا انتہا

از رسول خالقِ کون و مکاں
در و جو دم نورِعلم و امتناں

امتنانِ خالقِ ارض و سما
برثبوتِ نعمتِ یزداں ندا

درکمالِ مصطفیٰ مارا سبق
اتباعِ مصطفیٰ آمد زِحق

اے خوشا ایں ماہِ پرنورِ رجب
اے خوشا آں ساعتِ ماہِ رجب

در طلب از قصۂ اسرا عبر
گرتو داری جذبۂ فکر ونظر

ملت بیضا زاسرا مستنیر
مردحق ! تو ہم ازونورے بگیر

نعت ،رفعتِ ذکرِمحمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلانِ ربّانی کاایک دل نواز تسلسل ہے،حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کادل کی گہرائیوں میں اُتر جانا ، اَساسِ نعت ،گنبدِ اخضر سے دُوری کا احساس،گدازِ نعت اور اسوۂِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چراغ زندگی بن جانا،مقصودِنعت ہے ،نعت ،سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی ایک منظوم صورت ہے جناب غازیؒ کا ایک خوب صورت نثری اقتباس دیکھیے ۔

مدائحِ نبوی کوبھی ادبیاتِ سیرت یا منظوم سیرت کاایک حصہ قرار دیا جاسکتا

ہے۔ صحابہ کرامؓ بلکہ اُن سے پہلے ہی سے مدائحِ نبوی کا رواج چلا آ رہا ہے۔ بعض اشعار جناب عبدالمطلب سے بھی منسوب ہیں، جب اُن کا انتقال ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر آٹھ سال تھی لیکن اس وقت بھی جناب عبدالمطلب نے ایک موقع پر بعض شعر کہے تھے جو سیرت ابن ہشام وغیرہ میں نقل ہیں۔ جناب ابو طالب نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں کچھ شعر کہے تھے جن میں سے ایک شعر بہت قبول ومشہور ہے:

و ابیض یستسقی الغمام بوجھہ

ثمال الیتامی عصمۃ للا رامل

(وہ گورا چٹا مکھڑا جس کا نام لے کر بادلوں سے بارش برسانے کی دعا کی جاتی ہے جو یتیموں کا ٹھکانا اور بیواؤں کا سہارا ہے)

جب سیدنا ابو بکر صدیقؓ بیمار تھے، آپؓ کا بالکل آخری وقت تھا۔ غشی کی کیفیت تھی اور اس کے بعد انتقال ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور والد کے بسترِ مرگ پر ہونے کے موقع پر شدید غم کی کیفیت میں انھوں نے یہ شعر پڑھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فوراً آنکھیں کھولیں اور فرمایا یہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہے کسی اور کے لیے نہیں کہا جا سکتا، اس کے بعد پھر غشی کا دورہ طاری ہو گیا۔ جناب ابو طالب کا کہا ہوا یہ شعر اس وقت سے ہی صحابہ میں بہت مشہور تھا، اس وقت سے آج تک ہر شاعر اور ہر ادیب اپنی مقدور اور بساط کے مطابق منظوم خراج عقیدت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارک کو پیش کرتا چلا آ رہا ہے۔ فارسی اور اردو کا دامن اس بارے میں سب سے زیادہ وسیع ہے، اس میں اگر کوئی لسانی عصبیت کارفرما نہ سمجھی جائے تو میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ اردو اور فارسی کا دامن نعتیہ کلام اور منظوم سیرت کے معاملے میں عربی سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

جناب محمود احمد غازیؒ کی یہ نعتیں فارسی زبان میں ہیں، یہ ایک لسانی اورادبی حقیقت ہے کہ فارسی نے عربی کی بلاغت کو حلاوت عطا کی ہے اور اردو نے اس حلاوت کو فصاحت کی شگفتگی سے نوازا ہے، اِسی لیے کہتے ہیں کہ اردو نے عربی اور فارسی کا دودھ پی کر پرورش پائی ہے ۔نقد ونظر سے متعلق بلیغ اور مغلق اصطلاحات سے قطع نظر،ان نعتوں کا مجموعی اعتبار سے جائزہ لیتے ہوئے مجھے یہی دیکھنا ہے کہ غازی مرحومؒ نے کیا کہا اور کیسے کہا؟حق یہ ہے کہ انھوں نے اپنی نعتوں میں جو کہا وہ قرآن وحدیث کی واضح روشنی میں کہا اور خوب صورت انداز سے کہا یوں اُن کی نعتیں حسن وعشق اور علم وعرفان کا ایک دل آویز امتزاج بن گئی ہیں ۔عقیدہ اور عقیدت دونوں نکھر نکھر کر،قاری کے وجدان کو نکھارتے چلے جاتے ہیں۔ان کے ہاں جوش ہے کہ ہوش کا دامن تھام کر چل رہا ہے،جنوں ہے کہ شعور سے راہ نمائی لے رہا ہے اور عقیدت ہے کہ بصیرت کی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے ۔اُن کی نعتوں میں محبّ سراپا آرزو ہے اور محبوب سراپا نوازش ۔نتیجہ معلوم کہ آرزو کی تاب وتب ہے کہ جگمگاتی ہی چلی جارہی ہے ۔تمناؤں کی زیرِ نظر قوسِ قزح ہمارے تاریخی آثار کو یوں لفظ روشن کرتی چلی جارہی ہے کہ ناظر،تصور کی دل آویزیوں میں کھوسا جاتا ہے اور ماضی کی درخشانی،حال کی لُٹی ہوئی صبحوں اور بجھی ہوئی شاموں کو اُجالتی چلی جاتی ہے، جناب محمود احمد غازیؒ کی یہ آرزوئیں،اپنے جلو میں جھلملاتے آنسوؤں کا خراج بھی لیے ہوئے ہیں اور لرزتے قلم کا نیاز بھی کہ یہی وہ بارگاہِ ناز ہے جس کی محبت ہمارا قبلۂ مراد اور کعبۂ شوق ہے __ آرزو کے اِسی رنگ وآہنگ نے نعت گو کو یوں سرِ چراغاں بنا رکھا ہے:

چوں صدای دردمندودل نواز آید بروں　　　خضروقت ازخلوت دشت حجاز آید بروں (۱)

مہلتِ ایں زندگی از یک نفس رشکِ جناں　　　آں نفس کزوی شرارِ دلگداز آید بروں

عمرخود باگردشِ شام وسحر بخشیدہ ای　　　زندگی کے از شبِ تار ودراز آید بروں؟

مردِحق رامی نیابی در حریم دلبراں   می ندانی مردِ حق از ترکتاز آید بروں

پردہ ہائے رنگ وبوچوں می شود زیر وزبر   عالمِ تاب وتبِ دل سرفراز آید بروں

رہ گئی یہ بات کہ جناب محمود احمد غازیؒ کا نعتیہ سرمایہ اس قدر مختصر کیوں ہے، جب کہ وہ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی بہرہ ور تھے اور شعری صلاحیتوں سے بھی متصف، وہ راسخ الایمان بھی تھے اور قادر الکلام بھی، وہ دینی اقدار کے مظہر بھی تھے اور شرعی آداب کے نمائندہ بھی۔ اُن کی عالمانہ وجاہت بھی مسلمہ تھی اور مومنانہ بصیرت بھی ___ میرے نزدیک اِس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اُنھیں احساس تھا کہ:

- نعت میں محض لفظی خوش نمائی سے بات نہیں بنتی۔
- وہ خوب سمجھتے تھے کہ وہ کوئی کم مرتبہ شاعر نہ تھا جس نے نعت گوئی کو تلوار کی دھار چلنے سے تشبیہ دی تھی۔
- وہ اس حقیقت سے بھی آشنا تھے کہ مُشک وگلاب سے ہزار بار منہ کو دھو کر بھی وہ اسمِ پاک زبان پر لانا ''کمال بے ادبی'' ہے۔

(۱) مصرع از علامہ اقبال۔است (زبور عجم۔ص ۴۶۵)

- انھیں بیدل کا علم تھا کہ اُس نے مدتوں پہلے کہا تھا۔

زلافِ حمد ونعت اولیٰ است برخاکِ ادب خفتن

سجو دے می تو اں بُردن، دُرودے می تواں گفتن

- وہ خوب جانتے تھے کہ ایک ہی ذاتِ بلند وبرتر ''مرتبہ دانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' ہے اور وہی آدابِ ثنا بھی جانتی ہے۔
- وہ ماضی بعید کی اُن عظیم شخصیات سے بہ خوبی آشنا تھے جو نعت کہتے ہوئے لرزا کرتی تھیں کہ کہیں

قلم کی کوئی ہلکی سی چُوک، خطرے اور خسارے کا باعث نہ بن جائے ۔

لمحۂ فکر یہ ہے کہ آج ہر ''باتخلص'' بلا تامل تلوار کی دھار پر چلا جا رہا ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارا (الا ماشاء اللہ) ظاہر قرآن وسنّت کے مطابق ہے نہ باطن ۔ نہ معارفِ قرآنی کا ہمیں کوئی خاص فہم ہے اور نہ انوارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے کوئی خاص علاقہ ،مگر نعتوں کے ڈھیر ہیں کہ لگتے چلے جا رہے ہیں ، یہ کیا بات ہوئی کہ دور نعت کا ہے ،اس لیے نعت کہنا چاہیے ، جب کہ ہر دور نعت کا دور رہا ہے اور رہے گا کہ نعت درود وسلام ہی کی ایک شکل ہے ______ کون سمجھائے اِس ''عہدِ تیز رفتار'' کو، کہ نعت ، سنبھل سنبھل کر، لرزلرز کر اور سہم سہم کر، اپنی عظیم نسبت کو شعری پیرہن میں ڈھالنے کی ایک امکانی کوشش ہے _ کاش دورِ حاضر سمجھے کہ اُس بارگاہِ ناز میں ، جنیدؒ و بایزیدؒ ایسی ایک ''نفس گُم کردہ'' حاضری پر شوکتِ الفاظ سے معمور ہزاروں نعتیں قربان کی جاسکتی ہیں:

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ!

دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

جہاں آراء لطفی ۔کراچی

ایک رہ نوردِ شوق..................سرؔشار صدیقی

ABSTRACT:

Mrs. Jahan Ara Lutfi, has expressed her deep sentiments over sad demise of Late Poet Sarshar Siddiqui and presented his devotional poetry to denote his metamorphosis from secular mindedness to devotional and submissive Muslim. She has elaborated poetic skill of the late poet with proper quotations of his selected couplets from Poetic collection 'MEESAAQ'.

سرشار صدیقی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ۔ آنا للّٰہ و آنا الیہ راجعون.

اس جملے کو میں نے آج رات ۷ ستمبر کی رات ۱۱ بجے ان کی تدفین کے بعد لکھا ہے۔ سرشار صدیقی نے اس دنیائے فانی کو خیر آباد کہہ دیا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔ انہوں نے اپنے ربّ کے حضور حاضری دیدی ہے میں ان کے لئے کیا لکھوں میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا، بس جذبات کا تلاطم ہے جو دل میں اٹھ رہا ہے ایک شفیق ،مہربان ، باوقار، سنجیدہ مزاج وخوش اخلاق، مبتسم الوجہ، روشن چشم ،سایہ دار شخص تھا جواب ہم میں نہ رہا بلکہ خود اللہ کے سایہ عاطفت میں جا گزیں ہوگیا۔ ان کو یہ مقام بھی اعلیٰ ترین ملا جیسا کے دنیا میں بھی ان کو ملا تھا وہ آخرت میں بھی سرخرو رہے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سرشار صدیقی دسمبر ۱۹۲۶ء کو کانپور میں پیدا ہوئے ۔ اسی کوچہ ادب میں ان کا بچپن گزرا۔ یہ شہر صنعتی

ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی مرکز بھی تھا جہاں آئے دن بڑے بڑے مشاعرے اور سیاسی جلسے جلوس ہوتے تھے۔سرشار صدیقی قیام پاکستان کے تین سال بعد ترک وطن کر کے اسلامی جمہوریہ پاکستان آئے ۔اس وقت ان کی عمر چوبیس برس کے قریب تھی اور وہ سیکولر ہندوستان کو شعوری طور پر قبول کر چکے تھے۔مگر جب سرشار صدیقی اپنے روحانی مرکز کی طرف رجوع ہوئے تو ان میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوا جواب اپنی اساس کی تلاش میں سرگرداں ہے اور اسی تلاش کے پس منظر میں آپ کی کتاب ’’اساس‘‘ معروض وجود میں آئی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نعتیہ مجموعہ سرمایۂ ادب میں ایک اچھا اضافہ ہے۔جن لوگوں نے سرشار صدیقی کو پہلے دیکھا ہے وہ اب سرشار سے مل کر حیران ہوجاتے ہیں ۔ایسا مدح خوان رسول کہ ہر وقت آنکھیں نم ہیں۔ ہر سانس میں مدینہ بسا ہے اور ہر ذکر سرکار دو عالمؐ کے دربار سے وابستہ ہے ۔شاید روح کی یہی تڑپ آپ کو ہر سال مدینہ النبیؐ کی گلیوں میں پہنچا دیتی ہے۔(۱)

سرشار صدیقی تعلیم یافتہ اور روشن خیال ضرور تھے لیکن پختہ عقیدے کے حامل تھے یہی ان کی اساس تھی اسی لئے تو انہوں نے کہا

سرشار کچھ بھی تھا ترا منکر کبھی نہ تھا
اس کے خمیر ہی میں نہیں خوئے انحراف(۲)

سرشار صدیقی صاحب سے میری پہلی ملاقات آرٹس کانسل کے ایک ادبی پروگرام میں ہوئی غالباً۱۹۹۵ء کی بات ہے ۔ان کا نام اس قدر شہرت یافتہ تھا کہ ملک بھر میں اس کی گونج سنائی دیتی تھی یوں بھی پاکستان ٹیلی ویژن نے ایسے نامی گرامی شعراء کو عوام سے مشاعروں کے ذریعے اتنا متعارف کروادیا تھا کہ اب لوگوں کے لئے وہ قطعاً اجنبی نہیں رہے تھے چنانچہ میں ان سے عقیدت واحترام سے ملی جس کا جواب خندہ پیشانی سے ملا، ان کی شخصیت کے بہت سے پہلو تھے لیکن بظاہر بھی ان کی

شخصیت وضع داری، تہذیب و شائستگی ، رکھ رکھاؤ، خوش مزاجی خوش لباسی کے باعث بہت گہرا تاثر چھوڑتی تھی، وہ فوراً سب کو اپنی جانب متوجہ کر لیتے لوگ ان کے گرد جمع ہوجاتے تو وہ سب کو ہی والہانہ انداز میں جواب دیتے چنانچہ ہماری یہ ملاقات کارڈز کے تبادلے پر ختم ہوئی تو انہوں نے اپنائیت بھرے لہجے میں میرے شوہر عبدالستار شیخ سے کہا! میاں اب آپکی ذمہ داری ہے جہاں آراء کو ہمارے گھر لانے کی ۔ ہم نے آنے کا وعدہ کرلیا لیکن مختلف مصروفیات کی وجہ سے نہ جا پائے ۔ ایک دن پھر کسی محفل میں ان سے ملاقات ہوگئی تو انہوں نے ہم دونوں سے شکوہ کیا کہ ''ارے بھائی آپ دونوں آئے نہیں بڑے وعدے کر رہے تھے کہ حاضر ہونگے، اب کیا محفلوں میں ملاقات رہے گی۔ ارے یہ ہماری بہو بھی ہیں میری آنکھیں وفور جذبات سے نم ہوگئیں۔ ان کی شیخ صاحب سے بہت پرانی واقفیت تھی کہ وہ ان کے بہترین پڑوسی سید افتخار الدین صاحب کے رشتے میں بھائی تھے جہاں آپس کی بے حد قربت تھی چنانچہ سرشار صاحب جب ان کے ہاں آتے شیخ صاحب بھی ان کے بھتیجوں کی طرح ان کو سرشار چچا کہا کرتے اسی لحاظ سے انہوں نے مجھے اپنی بہو کا درجہ بھی دیدیا یہ تھی ان کے اعلیٰ درجے کی اپنائیت اور وضع داری۔ مزے کی بات یہ ہے اس اپنائیت کا دعویٰ ان سے ملنے والا ہر شخص ہی کرتا دکھائی دیتا ہے۔

سرشار اپنے اصولوں کے بڑے پابند آدمی تھے جو اصول وضع کر لئے ان سے انحراف نہ کرتے ان کی ادبی زندگی میں سنہرا موڑ اس وقت آیا جب حرمین شریفین کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔ مارچ ۱۹۸۴ء کو وہ اللہ کے مہمان بنکر سفر حجاز کی برکتوں کو سمیٹنے نکلے اس سفر نے ان کے من کی دنیا بدل ڈالی گویا ان کو شعوری طور اپنا ادراک ہوا اپنی پہچان ہوئی اس معاملے کو شعر کی زبان میں یوں بیان کرتے ہیں۔

اے مرے خالق تیرے پتے سے

میں پہنچا خود اپنی خبر تک (۳)

☆

میں نے بھی آج اپنے رب سے اپنے دل کی باتیں کیں

دامن کو ہ ِصفا تو مجھ کو وادیٔ کوہِ طور ہو ا (۴)

پھر تو سال بہ سال اس بابرکت سفر سے فیضیاب ہوتے رہے سرشار صدیقی کے اندر ایک سچا، پختہ عقیدے کا مالک اور عشق نبی سے سرشار، سرشار تھا جس نے پہلے خود اس رستے کی شناخت کی جو جانب خلد جاتا ہے اور پھر اپنے قارئین اور سامعین و احباب کو اس راستے کی پہچان کروانے میں مصروف عمل ہو گئے۔ ابوالخیر کشفی ان کے لئے کلمات سپاس تحریر فرماتے ہوئے بڑے نپے تلے انداز میں لکھتے ہیں۔

''سرشار اپنے علم و اختیار کے بغیر شجر محمدیؐ کا ایک پتہ تھا اور اس بات کا شعوری ادراک سرشار کو ۱۳ مارچ ۱۹۸۴ء روضہ رسالت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے روبرو ہوا۔

مدینے والے کو سب کچھ بتا دیا میں نے

بہت سکوں ہے گناہوں کے اعتراف کے بعد (۵)

سرشار صدیقی اس واقعے کے بعد سے اپنے آپ کو ''نومسلم'' کہا کرتے تھے، کشفی صاحب نے اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

''اس اعتراف کے بعد ہی سرشار نے اپنے آپ کو ''نومسلم'' کہا۔ اسلام نام ہے اپنے نفس کو اُس کے طابع بنانے کا جو نبی کریمؐ لے کر آئے۔ یہ بات سرشار صدیقی کے لئے ان کی زندگی میں حقیقت اس جگہ بنی جو زمین کا مقدس ترین ٹکڑا ہے۔ سرشار نے اپنے لہجے کو نئے آداب میں ڈھالا۔ اسے

ایک ایسا لہجہ صحن حرم میں عطا ہوا جس میں اب انا کے تماشائے یک رنگ کی جگہ عجز کا حلوہ صد رنگ ہے۔ اس لہجے میں اس سجدے کی عظمت اور سربلندی ہے جو صدیوں کی امانت تھا اور یہ امانت ادا ہوگئی ہے ۔ یہ وہ عجز ہے جو سربلندی آدم کی علامت ہے"۔(٦)

سرشار صدیقی کی مذہبی شاعری میں عقیدت و احترام اور تقدس کا ٹھاٹیں مارتا سمندر ہے جس میں غوطہ زن ہو کر فکر و بصیرت کے درنایاب ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔ایسی ہی جامع مگر بلیغ "اُم النبی" کے زیر عنوان کہی گئی نظم ہے ۔انہوں نے ایک دن مجھے فون کیا اور کہا بھئی ایک نظم ہے اس کا عربی ترجمہ کردو ۔ میں نے خوشی اور مسرت کے جذبات سے بھرپور لہجے میں کہا، زہے نصیب آپ مجھے یہ اعزاز دے رہے ہیں۔ اور میں نے اس نظم کا عربی میں ترجمہ کیا جو غالباً انہوں نے دبئی کے کسی مشاعرے میں پڑھی۔قطع نظر ان کی یہ نظم نکتہ آفرینی، افکار عالیہ اور شعری علامت کی بہترین مثال ہے۔ میں چاہوں گی یہ نظم آپ بھی سنیں۔

اُم النبیؐ

سلسلہ نور کے ظہور کا تھا

کائنات انتظار شوق میں تھی

اور تخلیق کائنات کا راز

صورت انکشاف چاہتا تھا

قبلۂ عرش و فرش کے اطراف

کعبہ اذن طواف چاہتا تھا

اور وہ راز

تیرے بطن میں تھا

لوحِ محفوظ عرش کی مانند

کلمۂ اعتبار کی صورت

جس کا سایہ نہ ہوگا

اس کے لئے

تیرے سائے کا انتخاب ہوا

تیرا اُم النبیؐ خطاب ہوا

فیصلہ ہے نظام قدرت کا

شاخ لازم ہے پھول سے پہلے

تیری تخلیق ناگزیر ہوئی

دو جہاں کے رسول سے پہلے

تیری عظمت کا کیا ٹھکانا ہے

تجھ سے جبریل ہم کلام ہوئے

آیتوں کے نزول سے پہلے (۷)

ابوالخیر کشفیؒ جو خود بھی صاحب کشف شخصیت تھے سرشار صاحب کی اس نظم کے بارے میں بطور شہادت یہ خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

''سرشار صدیقی کی اس نظم ''ام النبیؐ'' کی شعر گوئی اس کے مومن قلب اور اُردو زبان کے امکانات کی بیک وقت شہادت ہے۔اس کی ایک ہی نظیر اس سے پہلے نظر آئی۔''

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا

دعائے خلیل اور نوید مسیحا

سرشار صدیقی نے نعت کہنے کے لئے غزل کو ذریعہ اظہار بنایا۔ ان کی نعتوں میں بے قراری اور اضطراب ہے تو اس کا جواب بطریق اطمینان وسکون بھی ہے شاید غزل کی ہئیت ہی اس طرح کے جذبات کومکمل طور پر اور متوازن انداز میں بیان کا ذریعہ ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی جب اپنے بندوں کو سرزنش فرماتا ہے اور عذاب سے ڈراتا ہے تو اگلی آیات میں بشارتوں اور رحمتوں کے ابواب کھولنے کے وعدے بھی فرماتا ہے سرشار صدیقی کی حمد ونعت کے کچھ اشعار ملاحظہ ہیں۔ حمد کے اشعار:

نئے لہجے میں بصد عجز و ندامت لکھوں

صرف اشکوں کی زباں میں، تری مدحت لکھوں (۸)

دل دھڑکتا ہے تو آتی ہے صدائے لبیک

میں اسے روح کی تصدیق محبت لکھوں (۹)

در کعبہ ہو، کبھی ہو مرے سرکار ؐ کا در

کاش یوں دربدری میرا مقدر ہوجائے (۱۰)

ہنگامۂ حیات میں گوشہ نشیں ہوں میں

یا رب! قبول کر مرا انداز اعتکاف

اے خیر و شر نگر، مرے ماضی سے درگزر

اے مشفق و کریم، مری لغزشیں معاف (۱۱)

سرشار صاحب کی حمد یہ ہائیکو بھی ہیں ہمارے شعرا نے ہائیکو کو بھی اظہار کا ذریعہ بنایا ہے اور قابل تحسین بات یہ ہے کہ حمد ونعتیہ شاعری کے لئے اس صنف کا استعمال بہت ہی خوب کیا ہے سرشار

صدیقی کی چند ہائیکو ملاحظہ کیجئے۔

شب کا سفر تنہا
میں نے اپنے سینے پر
بس ''یا اللہ'' لکھا

حاضر و ناظر ہے
ہر اک کی نیت کا حال
اس پر ظاہر ہے

شعر لکھ یا نثر
لیکن اپنے سامنے رکھ
آیات والعصر (۱۲)

کس قدر برمحل تراکیب، استعارے اور تلمیحات ہیں جو سرشار کی شاعری میں دریا کی روانی کی مانند رواں دواں نظر آتی ہیں۔

عزیز احسن کہتے ہیں:

> ''سرشار صدیقی کی مدحت گزاری کی'' اساس'' نئے طرز احساس اور جدید نظریۂ فن پر ہے۔ ان کی لفظیات میں عظمت ہنر کا عکس اور حروف میں عقیدت کا رنگ جھلکتا ہے۔شعریت کا ادراک سرشار صدیقی کے تخلیقی وجدان کا حصّہ ہے اور ان کی مدحیہ شاعری اس شعری ادراک کی بھر پور نمائندگی کرتی ہے۔''(۱۳)

سرشار صدیقی کی نعتیہ شاعری ۱۹۹۰ء میں ''اساس'' کے نام سے مجموعہ کی صورت میں آئی اور اُسی کو

ترتیب نو کے ساتھ ''میثاق'' کی شکل میں مئی ۲۰۰۲ء میں لایا گیا جو انہوں نے اپنے خوبصورت دستخط کے ساتھ ۲۱ جون ۲۰۰۲ء کو مجھے عنایت فرمائی۔ میثاق سے نعتیہ اشعار کا ایک انتخاب یہاں پیش کر رہی ہوں۔

میں اپنے حرف مدح کو یوں محترم کروں
لوح یقیں پہ اسم ''محمدؐ'' رقم کروں (۱۴)

☆

اجالے ذہن میں ہیں ، روشنی ضمیر میں ہے
کہ خاک کوئے مدینہ مرے ضمیر میں ہے (۱۵)

☆

وہی رمز اوّل وہی امرِ آخر
ازل تا ابد اقتدارِ محمدؐ (۱۶)

☆

زمین شعر سنائے نبیؐ ہے عرش مقام
کہاں یہ رفعت ادراک چرخ پیر میں ہے (۱۷)

☆

مرحبا صل علیٰ یادِ مدینہ آئی
یوں بھی احساس کے ویرانوں میں کھلتے ہیں کنول (۱۸)

مدینے کی محبت، اس کی فضاؤں کا عشق ،اس کی ہواؤں سے الفت ،اس کی زمین سے انسیت کا عجب اظہار کیا ہے سرشار صاحب نے سادے الفاظ کو اپنے عمیق خیالات اور بسیط افکار کا پیراہن پہنا کے

بڑی سہولت اور آسانی سے وہ سب کہہ جاتے ہیں جنھیں کہنے کو وسیع و عریض اوراق درکار ہوں ۔ چند ابیات بطور نمونہ ہی پیش کر سکتی ہوں ۔ میں اپنی نم آنکھوں سے ان کی پر تاثیر بندشوں میں دیکھتی ہوں تو ان کا چہرہ متبسم متبسم اور آنکھیں گہرے ساگر جیسی تصور میں آجاتی ہیں کہ جب ان سے یہ اشعار سننے کی فرمائش ہوتو پہلے دم بخود ہوکر گہری سوچوں میں گم ہوجاتے پھر مسکراتے لبوں سے دبی دبی آواز میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ دو چار اشعار بیان کردیتے ۔ اس آیت مبارکہ کے پیش نظر نعتیہ اشعار کی ادائیگی میں آواز کو مدہم ہی رکھتے کہ **لا تر فعواا صو اتکم فوق صوتِ النبی** (٤٩:٢) کا اطلاق ہم سب پر ہے ....مدینے کی سرزمین کے لئے کہتے ہیں:

مدینے میں نہیں ملتا جو کوئی گھر، نہ ملے
کہ میں نے دل میں بنانا ہے گھر مدینے کا (۱۹)

☆

تڑپ جو پچھلے برس سے تھی، میرے سینے میں
پھر ایک بار بلایا گیا، مدینے میں
نہ ہوش ہے، نہ خبر ہے، نہ فکر ہے، نہ خیال
مگر عجیب مزا ہے یہاں کے جینے میں (۲۰)

☆

دیارِ طیبہ میں مجھکو مری شناخت ملی
پتہ چلا کہ مرا نام کیا ، نشاں کیا ہے (۲۱)

سرشارؔ صدیقی جیسا روایتوں کا امین شخص محبتوں کو نچھاور کرنے والا، غیروں کو اپنانے والا آج ہمارے

درمیان نہیں لیکن وہ جو اپنی ذات میں انجمن تھے دنیا کی انجمن کو سونا کر کے جنتوں کے باسی بن گئے آج ان کی یادیں ہمارے لئے سرمایۂ افتخار ہیں ہم آنے والی نسلوں کو کہہ سکیں گے ہم نے انہیں دیکھا تھا انہیں سنا تھا اور ان کی چھاؤں سے فیض اٹھایا تھا۔ اپنی شاعری کے اس روشن اور تابناک رُخ کے بارے میں ان کے الفاظ کو اختتامی کلمات بناتی ہوں، لکھتے ہیں:

''شاعری تو صرف الفاظ کا پیرہن ہے۔ میں تو اس روح پر اصرار کروں گا جو میں نے لفظ لفظ کے وجودِ باطن میں اتارنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ان لفظوں میں میرا لہو، میرا نسب، میرا عشق بولتا ہوا محسوس ہو تو پھر میری گواہی سچّی ہے۔''(۲۲)

آج جب میں ان کا یہ قطعہ پڑھ رہی ہوں تو دل کی عجیب سے کیفیت ہے۔ ۲۲ فروری ۱۹۹۶ء یکم شوال ۱۴۱۶ھ کو کہے گئے اس قطعہ کا عنوان ہے ''لوح مزار''۔ تقریباً اٹھارہ برس پہلے لکھے گئے ان اشعار کو آج پڑھنے میں کچھ اور بات ہے، آج جب کہ وہ ہم میں نہیں۔

لوح مزار

میں خاکِ پائے رسالت ، میں گردِ راہِ حرم
مجھے خدا کی زمیں پر کہیں بھی دفن کرو
میں روز حشر جہاں سے اٹھایا جاؤں گا
وہ ارض شوق مری جنت یقیں ہو گی
وہ سر زمین، مدینے کی سر زمیں ہوگی (۲۳)

حوالہ جات:

۱۔محمد قاسم سید، پاکستان کے نعت گوشعراء، جلد اول، ہارون اکیڈمی کورنگی کراچی، سال اشاعت ۱۹۹۳۔ص:۱۸۵

۲۔سرشارؔ صدیقی میثاق ،حرا فاؤنڈیشن پاکستان کراچی، اشاعت، ۹ربیع الاول ۱۴۳۳ھ ۲۲مئی ۲۰۰۲ء ص:۴۸

۳۔ ایضًا ۔ص:۵۳ ۴۔ ایضًا ۔ص:۹۱ ۵۔ ایضًا ۔ص:۱۴۔۱۵ ۶۔ ایضًا ۔ص:۱۵

۷۔ ایضًا ۔ص:۶۷ ۸۔ ایضًا ۔ص:۲۱ ۹۔ ایضًا ۔ص:۵۱ ۱۰۔ ایضًا ۔ص:۴۷

۱۱۔ ایضًا ۔ص:۴۸ ۱۲۔ ایضًا ۔ص:۵۴

۱۳۔عزیز احسن ،نعت کی تخلیقی سچائیاں، اقلیم نعت ، باہتمام نعت ریسرچ سینٹر کراچی، سن اشاعت مارچ ۲۰۰۳ء

۱۴۔ میثاق ص:۹۸ ۱۵۔ ایضًا ۔ص:۱۰۵ ۱۶۔ ایضًا ۔ص:۱۰۳ ۱۷۔ ایضًا ۔ص:۱۰۵

۱۸۔ ایضًا ۔ص:۱۱۷ ۱۹۔ ایضًا ۔ص:۹۷ ۲۰۔ ایضًا ۔ص:۹۹ ۲۱۔ ایضًا ۔ص:۱۰۹

۲۲۔ ایضًا ۔ص:۲۰۶ ۲۳۔ ایضًا ۔ص:۲۰۳

پروفیسر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی۔ انڈیا

المدیح النبوی ـــــ ایک مطالعہ

ABSTRACT:

Professor Dr. Abu Sufyaan Islahi has presented in depth study of Arabic Naatia collection of Poetry compiled by Maulana Yaseen Akhtar Misbahi Azami. Various couplets of Arabic verses have been cited for example from the period of Ashaab-un-Nabi (R.A) till Indian era. The writer has praised the painstaking work of compiler of book which contains references of numerous Arabic research works. Arabic version of couplets also followed by prose Urdu translation to help understanding for non Arabic readers. The writer has aptly criticised the way of expression and presentation of Naat by male and female Naat Khwans with commercial objectives.

ہندوستان میں نعت گوئی پر مباحثے اور مذاکرے کا انعقاد ہوا اور بہت سی شخصیات نے نعت گوئی کو موضوع بحث بنایا۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس(۱)، پروفیسر رفیع الدین (۲)، ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی، ڈاکٹر صدرالدین ندوی(۳) اور ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے نعت گوئی کے وجوہ واسباب کی تلاش وتتبع میں قابل ذکر خدمات انجام دیں۔ راقم الحروف نے عربی نعت گوشعراء کے ذکرمحاسن میں اپنی بساط بھرقلم وقرطاس کا سہارا لیا۔ شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے عربی نعت گوئی پر سیمینار کا انعقاد کیا اور اس کی روداد بھی شائع کیا۔(۴) اس تقدس کی انجام دہی کے پیچھے مجلّہ ''نعت رنگ'' کی محبتیں اور محمد صبیح رحمانی کی

مکرر یاددہانیاں بھی پوری طرح شامل ہیں۔ خدا کرے ہندوستان کے ارباب قلم اسی طرح سرورکائنات کے حضور گلہائے عقیدت پیش کرتے رہیں۔اسی سلسلے کی ایک کڑی ’’المدیح النبوی‘‘ ہے جسے مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی اعظمی نے ترتیب دیا ہے جس میں ۱۴۰ شعراء کے نعتیہ کلام کو جمع کیا گیا ہے۔اس مجموعے سے عربی نعت گوئی کا ایک مستند نیز مقدس خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ ماقبل نبوت اور مابعد آپ کے شخصی، عائلی اور دینی کوائف سامنے آجاتے ہیں، صحابہ کرام، تابعین عظام، اموی عباسی شعراء کرام، جدید شعراء اور ہندوستانی نعت گوشعراء نے حضرات شمائل نبوی کو کس عقیدت اورکس خوبصورتی سے منظوم کیا ہے جسے اسے پڑھ کر ایمان تازہ ہوجائے بلکہ ایمان کی بہار آجائے۔غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کیا حصہ داریاں رہیں، کس طرح اپنے جاں نثاروں کے ساتھ شانہ بشانہ چلتے رہے اور دشمنان اسلام کے ساتھ کس طرح نباہ کیا ان تمام موضوعات کی جلوہ آفرینیاں اس مجموعے میں موجود ہیں۔

اس مجموعے میں موجودہ نعتوں کو موضوعات کے تحت درج کیا گیا ہے۔اس کا پہلا حصہ ’’التحمید‘‘ کے عنوان سے جس میں خالق کائنات کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے، اس میں گیارہ شعراء کے حمدیہ جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔ بالعموم دنیا کی بیش تر زبانوں میں اوصاف رسول پر توجہ مبذول کی گئی ہے۔شعراء نے رب ذوالجلال کو بہت کم موضوع بحث بنایا ہے۔ضرورت ہے کہ شعراء خداوند قدوس کی کرشمہ سازیوں کو منظوم کریں۔اسی طرح ارباب نثر اور ناقدین پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حمدیہ قصائد کے تحلیل وتجزیہ کے تئیں بے اعتنائی کا ثبوت نہ دیں۔حمدیہ صنف پر قابل قدر توجہ دینے والوں کا سالار جدید شاعر اسماعیل صبری ہے اسی طرح اردو میں اس صنف کی طرح ڈالنے والوں میں ایک نمایاں نام اسماعیل میرٹھی کا ہے۔ اسماعیلین نے عربی اور اردو حمد گوئی میں وہ خدمات انجام دی ہیں، جو ناقابل فراموش ہیں۔خاکسار نے عربی کے حمدیہ اشعار کے تناظر میں ایک مقالہ نقوش کے

قرآن نمبر (شمارہ: ۱۴۶) میں بعنوان ''عربی شاعری میں حمد کا ارتقاء'' کے تحریر کیا ہے۔(۵) اس مقالہ کی طباعت کے بعد مزید سینکڑوں حمدیہ اشعار کافی جستجو کے بعد ہاتھ لگے ہیں خدا کرے یہ ایک کتاب کی شکل اختیار کر جائیں۔خود اسمٰعیل صبری کی حمدیہ شاعری پر ایک مقالہ مجلّہ نعت رنگ میں سپردِ قرطاس کر چکا ہوں۔(٦) بقیہ نو عناوین نعتیہ قصائد پر مشتمل ہیں جو اس طرح ہیں: (i) البشائر (ii) ذكرى المولد (iii) المدائح والخصائص الكبرى (iv) الاعتذار إلى سيد الابرار(v) رثاء الرسول (vi) دعوة الكئيب (vii) الاستبراك بالآثار (viii) الحنين الى زيارة روضة النبى الامين (ix) التسليم على صاحب جنات النعيم ۔اس مضمون میں انہی عناوین کے تحت مندرجہ نعیتہ قصائد سے چند اشعار کا انتخاب کرتے ہوئے عربی نعتیہ شاعری کے کچھ رنگ و آہنگ کو حیطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی جائے گی۔لیکن اس سے قبل کچھ حمدیہ اشعار کو نقل کرتے ہوئے مضمون کو آگے بڑھایا جائے گا پہلے ورقہ بن نوفل کے حمدیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔ یہ وہی ورقہ بن نوفل ہیں جنھوں نے اعلان رسالت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا اعتراف کیا۔ دورِ جاہلیت میں وہ اپنے اشعار میں اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے تھے۔مثلاً:

مسخر كل ماتحت
السماء له
لاينبغى أن ينادى
ملكه احد

(زیرِ آسمان ہر شی اللہ کے دست قدرت میں ہے، کسی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ
اس کی قدرت کی ہم سری کرے۔)

لاشيئ مما ترىٰ تبغى

بشاشته

ينبغى الا له ويؤدى

المال والولد

(دنیا کی جتنی اشیاء کا تم مشاہدہ کرر ہے ہو، ان کی تروتازگی دائمی نہیں ہے، بقاء صرف اللہ کے لے ہے اور وہی اموال واولاد فراہم کرتا ہے۔)

ولاسليمان إذ تجرى

الرياح به

والإنس والجن فيما

بينهم برد

(اور نہ ہی (حضرت) سلیمان علیہ السلام باقی رہے جب کہ ہوائیں ان کے اشاروں سے چلتی تھیں اور جن وانس اور ان کے مابین بسنے والی تمام خلقت آپ کی پیغامبر تھی۔)

أين الملوك التى

كانت لعزمتها

من كل أدب إليها وافد

وفد

(وہ سلاطین کہاں ہیں؟ عزم وارادہ جن کی شناخت تھی انہی عزائم کے حامل سلاطین میں سے ہر سلطان (آج دنیا سے) جا چکا ہے۔)

ابوالعتاہیہ کے دیوان کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے یہاں بھی بہت سے حمدیہ اشعار مل جائیں گے۔ مرتب نے اس کا بھی ایک قصیدہ اس عنوان کے تحت نقل کیا ہے۔ یہاں صرف دوشعر نقل کیے جارہے ہیں:

تعالی الواحد
الصمد الجليل
وحاشىٰ ان يكون له
عديل

(ذات یکتا، بے نیاز اور صاحب جلالت بلند وبرتر ہے اور اس کا ہم پلہ ہونا بعیداز قیاس ہے۔)

هو الملك العزيز
وكل شيئ
سواه فهو منتقص
ذليل

(اللہ تعالیٰ طاقت ور بادشاہ ہے اور اس کے علاوہ تمام اشیاء ناقص اور بے جان ہیں۔)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ لفظ ''صمد'' کی وسعت کو کسی زبان میں منتقل کرنا محال ہے۔ مولانا حمیدالدین فراہی نے اپنی تفسیر سورہ اخلاص میں اس لفظ کی عدیم النظیر تفسیر کی ہے۔ (۷) اس کے بعد اس توضیح وتفسیر سے متاثر ہوکر سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی میں اس پر عالمانہ انداز میں اظہار خیال کیا ہے (۸) ان دونوں دو چیزوں کو راقم الحروف نے اپنے مضمون ''مولانا حمیدالدین فراہی اور سید سلیمان ندوی'' میں پیش کیا ہے مولانا فراہی نے اس کی لغوی تشریح مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

''کلمہ صمد جس کا ترجمہ باہمہ کیا گیا، اصل وضع میں بڑی چٹان کو کہتے ہیں اور

چوں کہ دشمنوں کے حملہ کے وقت اس کی پناہ پکڑتے ہیں اس لیے سردار کو جو
قوم کی پشت پناہ ہو اور سب لوگ اسی کی طرف متوجہ ہوں صمد کہتے ہیں۔
زبور اور دیگر کتب مقدسہ میں خدائے تعالیٰ کو اکثر چٹان، مدد کی چٹان کہا گیا
ہے"۔(۹)

اندلس جسے انگریزوں نے Spain بنادیا ہے۔تبشیری تحریک در اصل تنسیخی تحریک ہے۔ وہ اسلامی ناموں کو بگاڑنا چاہتے ہیں اسلامی ماثر ومفاخر کو تہہ خاک ڈالنے کے خواست گار ہیں۔لیکن صدیاں گزرنے کے باوجود بھی اسلامی اندلس یوں ہی دمک رہا ہے، چمک رہا ہے۔اسی چمک کا ایک حصہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن سہیلی اندلسی ہیں جن کے تین حمدیہ اشعار مرقوم ہیں:

مالی سویٰ قرعی
لبابك حیلة
فلئن ردوت فأی باب
اقرع

(اے بار الٰہا! تمہارے دروازے پر دستک دینے کے بجائے میرے پاس
کوئی چارہ نہیں ہے، اگرتم نے دھتکار دیا تو میں کس دروازے کو کھٹکھٹاؤں
گا۔)

مالی سوی فقری
إلیك وسیلة
بالافتقار إلیك
فقری ادفع

(تمہارے دربار میں رسائی کے لیے میرے فقر کے ماسوا کوئی ذریعہ نہیں

ہے۔ میں اپنے فقر کو تمہارے حضور بدست احتیاج لے کر کھڑا ہوں۔)

مذکورہ چند حمدیہ اشعار کی تقدیم کے بعد اب نعتیہ اشعار پیش کیے جائیں گے۔ یہ سچ ہے کہ عرب نعت گو شعراء نے آپ کی بڑے سچی تصویر اتاری ہے۔ بالخصوص صحابہ کرامؓ نے تو براہ راست روبرو اتاری ہے اس بلاواسطہ اتاری گئی تصویر میں صداقت اور کس قدر حقیقت ہے۔ چشمۂ نبوت ان کے سامنے تھا، وہی آبِ زلال ان کی شاعری میں رواں دواں ہے یہ چشمۂ صافی کسی اور زبان کے شاعر کو نصیب نہیں، یہ دربار نبوت کسی اور زبان کو حاصل نہیں یہی تو وجہ ہے کہ اس میں مبالغہ نہیں، قیاس آرائیوں سے پاک صاف اور ذہنی زور آزمائیوں سے دوروں دور، صحابہ کرامؓ کے جذبات آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے تئیں کتنے پاکیزہ تھے اس پاکیزگی نے ان کی نعتیہ شاعری کو آب حیات بنا دیا ہے۔ یہی آب حیات امت مسلمہ کی شناخت ہے اور باعث طمانیت بھی۔ آج اس ظلمت کدہ میں یہی نعتیہ شاعری ہمارے لیے مشعل حیات ہے۔ اس سراج منیر کی کچھ کرنیں آپ کے حضور لے کر حاضر ہوں۔ یہ حقیقت آشکارہ ہوچکی ہے کہ صحف آسمانی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی نبوت کی بشارت موجود ہے۔ جسے مستشرقین اور علماء یہود ونصاریٰ نے اسے پس پشت ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ بہر کیف سرسید نے خطبات احمدیہ (۱۰) اور تبیین الکلام (۱۱) نے اس بشارت کو منظر عام پر لانے کے لیے بڑا عالمانہ انداز اختیار کیا ہے۔ اسی تعلق سے تبان اسعد بن کللکیرب کے دوشعر ملاحظہ ہوں:

شہدت علی أحمد

انه

رسول من الله باری

النسم

(میں شہادت دیتا ہوں کہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم لوگوں کو پیدا کرنے

والے اللہ کی جانب سے مبعوث کیے ہوئے رسول ہیں۔)

فلومد عمری إلى

عمره

لكنت وزيراً له وابن

عم

(پس اگر میری عمر نے اس کی عمر تک پہنچنے میں وفا کیا تو میں اس کا اور چچا

کے بیٹے کا وزیر بنوں گا۔)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیماء نے بھی آپ کو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ وہی حضرت شیماء ہیں جنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم والدہ محترمہ کی چھاتی سے لگے ہوئے ہیں۔ اس طرح کے دیگر نظاروں نے حضرت شیماء کے اندر حب رسول کا عمیق وسیع سمندر سرایت کر دیا۔ اس کے تقاطر کے ایک منظر سے آپ بھی محظوظ ہوں:

يا ربنا أبق لنا

محمداً

حتى آراه يافعاً

وأمردا

(اے پروردگار! محمد کو ہمارے لیے باقی رکھ، ہم نے نظروں کے سامنے ان

کے بچپن سے بلوغ تک کو دیکھا ہے اور بے ریش جوانی کے دن بھی)

واعطه عزاً يدوم

أبداً

(اور تو نواسے ایسی عزت دے دے جسے دوام حاصل ہو۔)

ورقہ بن نوفل کی شخصیت کا ذکر ہمیشہ تاریخ اسلام میں ہوتا رہے گا احادیث کی تمام کتابوں میں آپ کا ذکر موجود ہے۔آپ اپنے وقت کے ایک معروف عالم تھے۔انھیں قدر کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عجیب کیفیت ہوگئی تو حضرت خدیجہ آپ ہی کے پاس گئی تھیں جہاں سے آپ کو تسلی بخش جواب ملا اور ملنے والی نبوت کے باب میں بتایا گیا کہ جلد ہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیا جائے گا۔اور یہ وہی فرشتہ ہے جو دیگر انبیاء کرام کے پاس آتا رہا ہے۔

فخبر ناعن كل خبر

بعلمه

وللحق أبواب لهن

مفاتح

(پس آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلمنے اپنے علم کے ذریعہ ہر خیر کی اطلاع دی اور حق کے متعدد دردازی کے لیے کنجیاں ہیں۔)

كأن بن عبدالله أحمد

مرسل

الى كل من ضمت عليه

الأباطح

(گویا کہ ابن عبداللہ احمد وادیوں میں سکونت پذیر لوگوں کی طرف بھیجے گئے رسول ہیں۔)

وظن به أن سوف يبعث

صادقاً

كما أرسل العبد ان

وهود وصالح

(اور احمد مرسل کی باب میں مجھے یقین ہے کہ انہیں ایک صادق کی صورت میں پیش کیا جائے گا جس طرح حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔)

اس کے بعد چند اشعار ''ذکری الولد'' سے نقل کیے جائیں گے۔ یہ بات روز روشن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت سے نہ صرف عرب بلکہ دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا۔ ایک عجیب قسم کی بارش تھی جو اقتصادیات کے مسائل ومصائب کا حل پیش کررہی تھی اور دنیا کی تاریکیوں کی روشنیوں میں تبدیل کررہی تھی۔ کفروشرک اور ظلم وتشدد کا سورج غروب ہورہا تھا۔ سیرت نگاروں نے اپنے اپنے انداز سے ان حسین لمحات کی تصویرکشی کی ہے لیکن علامہ شبلی نعمانی نے اپنی سیرۃ النبی میں ''ظہور قدسی'' کے عنوان سے ایسا مثالی نقشہ کھینچا ہے کہ انسان انگشت بدنداں ہوجائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دادا عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کعبہ کے اندر لے گئے اور اپنے جذبہ مسرت کا یوں اظہار کیا:

الحمدللہ الذی

أعطانی

هذا الغلام الطیب

الأردان

(ہم اس پروردگار کے شکرگزار ہیں جس نے ہمیں یہ خوش رنگ اور خوشبودار بیٹا عطا کیا۔)

قد سار فی المهد

علی الغلمان

أعیذہ باللہ ذی

الأرکان

(یقیناً یہ بچہ گود ہی سے تمام بچوں کا سردار نظر آرہا ہے، میں اس کے لیے اس اللہ کی امان کا خواہاں ہوں جو طاقتوں والا ہے۔)

حتی یکون بلغة

الفتیان

حتی أراہ بالغ

البنیان

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فہم وفراست میں تمام جوانوں سے آگے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بلند بالا عمارت کے مانند ہوگیا۔)

اسی سلسلے کے دوشعر ابومحمد عبداللہ الشقر اطی کے ملاحظہ ہوں:

ضاء ت لمولدہ الآفاق

واتصلت

بشری الھواتف فی الاشراق

والطفل

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت سے آفاق عالم روشن ہوگئے۔ اور مشرق ومغرب میں یہ صدائے بشارت عام ہوگئی۔)

وصرح كسرى تداعى من
قواعده
وانقض منكر الأرجاء
ذاميل

(اور کسریٰ کی درودیوار ڈھنے لگی، اور چہار جانب میلوں پر مشتمل یہ سلطنت زمین بوس ہونے لگی۔)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد مبارک کا ذکر شیخ امام جعفر مدنی برزنجی نے اس انداز سے کیا:

محيا كالشمس
منك مضى
أسفرت عنه ليلة
غراء

(مانند آفتاب آپ کا چہرہ دمک رہا ہے آپ کی وجہ سے یہ راتیں روشن ہوگئیں۔)

ليلة المولد الذى
كان للد
ين سرور بيومه
وازدهار

(ولادت باسعادت کی رات دین اسلام کے لیے باعث مسرت اور فصل بہاراں ثابت ہوئی یہ سب صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کے سبب تھا۔)

مولد کان منه فی

طالع الکفر

وبال علیهم ووباء

(دنیائے کفر میں ظہور قدسی انجام پذیر ہوئی، کفار کے لیے وبال (جان) اور

باعث عذاب تھی۔)

مشہور جدید مصری شاعر احمد شوقی نے کئی نعتیہ قصائد منظوم کر کے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ تمام قصائد ''الشوقیات'' میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔شوقی کے اندر جب رسول کا ایک تلاطم تھا شوقی اپنے فکر اور اسلوب بیان کی بنیاد پر نعت گوشعراء میں ایک بلند مقام پر فائز ہے۔ ایرانیہ اسکالر محترمہ نسرین نزاری تلوکی نے اپنے غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ: ''مکانة الفکر الدینی فی شعر شوقی'' میں شوقی کی مذہبیات اور عشق رسول کا قابل قدر انداز میں جائزہ لیا ہے۔خودر راقم الحروف نے شوقی کی نعتیہ شاعری پر ایک مقالہ مجلّہ نعت رنگ میں سپرد قرطاس کیا ہے۔(۱۴) یہاں تین اشعار نقل کیے جا رہے ہیں:

وکان بیانه للهدی

سبلاً

وکانت خیله للحق

غابا

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیانات میں رشد وہدایت کی متعدد شکلیں

تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خیالات حق کے لیے نیزہ تھے۔)

بنيت لهم من الأخلاق

ركنا

فخافوا الركن

فانهدم إضطرابا

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ستونِ اخلاق کی عمارت تعمیر کی، پس دھیرے دھیرے امت مسلمہ اس ستون کو کم کرتی گئی جس کی وجہ سے یہ اچانک زمین پر آ گیا۔)

ولو حفظوا سبيلك

كان نوراً

وكان من النحوس

سحابا

(کاش کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقہ کار کے محافظ بنتے جو روشنی اور ادبار نحوست سے تحفظ کے لیے ابر رحمت ہے)

وما للمسلمين سواك

حصن

إذا ما الضرمسهم

ونابا

(جب امت مسلمہ مسائل ومصائب میں گھر جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ اس کے لیے کوئی اور جائے پناہ نہیں)

ابراہیم عزت کے چند اشعار پر یہ سلسلہ ختم کیا جا رہا ہے:

صلوا علیه علی من دعا اللہ

محتسبا

ومن لساحته یھفوا

المحبون

(اس ذات اشرف پر درود سلام بھیجو جو خدا وند قدوس کو اپنا محتسب سمجھ کر پکارتا ہے۔ اور یہ وہی شخص ہے جس کے دربار میں عشاق پر پھڑ پھڑاتے ہوئے حاضری دینے کے خواہش مند ہیں۔)

یا سید الخلق فامسح غلة

ظمئت

والحب من کاسکم یروی

ویرضینا

(اے سردار انسانیت! میری شدید پیاس کو بجھادے یقیناً کاسہ رسول سے محبت ہی مجھے سیراب کرے گی اور کاسہ جاں کو خوشیوں سے لبریز کردے گی۔)

یا سید الخلق ان العجز

یحرمنی

من عذبة القول فی

الذکری لراعینا

(اے سید خلق! نعت گوئی میں میٹھے بول بولنے سے میں عاجز ہوں اپنے

چاہنے والوں کے لیے۔)

يا منة الله للدنيا

ورحمة

للعالمين

اَتيناكم فزورونا

(اے احسان الٰہی! اس دنیا کے لیے اور اے رحمت ربانی! سارے جہانوں کے لیے ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے حضور ہیں پس ہمیں اپنا دیدار کرادیں)

اس کا ایک باب ''المدائح والخصائص الكبرى'' ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے محاسن ومحامد کی جلوہ گری کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے عظمت ورفعت کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں کئی قصائد ہیں۔ جن سے حب رسول کے چشمے ابل رہے ہیں۔ ایمان وایقان کی کھیتیاں لہلہارہی ہیں اور امت مسلمہ کی رسالت سے گہری وابستگی سرخیل کے مانند نظر آرہی ہے۔ یہی عربی نعت گوئی ہے۔ یہی اس کا مزاج اور رنگ وآہنگ ہے۔ اسی عربی نعت گوئی نے دنیا کی بے شمار زبانوں کو آداب نعت سکھائے، اور شمائل النبی کے ساتھ ہم کلامی کے ہنر عطا کیے۔ کیا دیگر زبانوں کے کوشعراء، عربی نعت گوئی کے اس باراحسان کو اتار سکتے ہیں۔ آیئے حسان بن ثابتؓ کے حب رسول سے خود کو سرشار کریں:

مثل الهلال

مباركاً ذا رحمة

سمح الخليفة طيب

الأعواد

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مانند ہلال مبارک ہیں ، باعث رحمت ہیں۔
طبیعتاً نرم مزاج ہیں، اور مانند عود مہک رہے ہیں)

والله ربی لانفارق

أمره

ما كان عيش يرتجى

لمعاد

(بخدا اے میرے پروردگار! ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے خود کو
علاحدہ نہیں کر سکتے، میرے پاس کوئی پونجی نہیں ہے جس سے بروز قیامت
امید وابستہ کرسکوں۔)

لانبتغی ربا سواه

ناصراً

حتى نوافی صخـوة

الـميعاد

(ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ کسی کو اپنا محافظ ومددگار نہیں
بنایا، یہاں تک کہ اچانک وقت معینہ کا لمحہ آدھمکا۔)

حسان بن ثابتؓ کو شعراء الرسول میں جو اعزاز حاصل تھا وہ دیگر شعراء کو نہیں، مختلف مواقع پر سرورکائنات نے اپنے دفاع کے لیے حکم کیا، سرورکائنات نے یہ بھی بتایا کہ آپ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تائید حاصل ہے، دیوان حسان میں ایسی بے شمار نعتیں ہیں جن سے حب رسول کے ریلے

اٹھتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ آپ کا ایک شعر ایسا ہے جس میں ہندوستانیت بھی جھانکتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔

فأمسى سراجاً

مستنيرا وهادياً

يلوح كما لاح الصقيل

المهند

(وہ ذات اقدس ایک ایسا چراغ بن گئی جس سے روشنی طلب کی جا رہی تھی، وہ ہندوستانی چمکدار تلوار کی طرح چمک رہا تھا۔)

ایک دوسرے قصیدے میں حسان بن ثابت کی محبتیں یوں اپنے وجود پر شاہد ہیں۔

فان أبى ووالده

وعرضى

لعرض محمد

منكم وقاء

(بیشک میرے باپ دادا اور میری عزت و آبرو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت و آبرو کے لیے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے لیے سامان محافظت ہیں۔)

لسانى صارم

لاعيب فيه

وبحرى لا تكدرة

الدلاء

(میری زبان مانند تیغ براں ہے جو عیب سے پاک ہے۔ اور میں بحر (بے پایاں) ہوں جسے بیشمار ڈول بھی گدلا کرنے سے قاصر ہیں۔)

عبداللہ بن رواحہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کی ذات اقدس کے لیے مندرجہ اسلوب اختیار کیا:

روحی الفداء لمن

أخلاقه شهدت

بأنه خير مولود من

البشر

(میری ذات اس ہستی پر قربان ہے جس کے اخلاق شہادت پیش کر رہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان سے (بہتر ہے)

عمت فضائله كل

العباد

عم البرية ضوء

الشمس والقمر

(اس کی کرم فرمائیاں تمام بندوں کے مابین عام ہیں، جس طرح آفتاب و ماہتاب کی ضوء فشانیوں سے پوری دنیا فیض یاب ہے۔)

ولم تكن فيه آيات

بينة

كانت بديهته

تنبيك بالخير

(اگر آیات بینات اس کے باب میں نازل نہ ہوئی ہوتیں تو خود اس کی فراست وذہانت اس کے محاسن کا پتہ دیتی۔)

کعب بن مالک بھی بھی شعراء الرسول میں شمار ہے، انھوں نے بھی متعدد قصائد عظمت رسول کی پیش کش میں منظوم کیا ہے:

فينا الرسول شهاب

ثم يتبعه

نور مضى له فضل على

الشهب

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم ہمارے مابین شہاب (ثاقب) کے مانند ہیں، روشن کرنیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلمکو تمام ستاروں پر فوقیت حاصل ہے۔)

الحق منطقه

والعدل سيرته

فمن يحبه اليه

ينج من تبب

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی گفتگو برحق ہے اور آپ کی زندگی مبنی بر عدل ہے پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی طرف بڑھ کر لبیک کہا وہ ہلاکت سے محفوظ ہوگیا۔)

يمضی ويذمرنا عن

غير معصية

كأنه البدر لم

يطبع على الكذب

(سرور کائنات ہمیں انقیاد واتباع پر اکساتے ہیں، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ماہ کامل ہیں جس کی فطرت میں کذب بیانی ہے ہی نہیں۔)

بدأ لنا

فاتبعناه

تصدقه

وكذبوه فكنا

أسعد العرب

(وہ بدر منیر طلوع ہوا تو ہم نے اس کی اتباع کرتے ہوئے اس کی تصدیق کی اور کفار ومشرکین نے اس کی تکذیب کی، پس ہم عربوں میں خوش بختی کے سزاوار ہوئے۔)

بنی نضیر کی جلاوطنی کا ذکر کرتے ہوئے کعب بن مالک کہتے ہیں:

لقد خزيت

بغدرتها الحبور

كذاك ذو صرف

يدور

(یہودی کاہنوں کے سردار بنی نضیر کی بے وفائیوں سے رسوا ہوئے، گردش روزگار کا پانسا اسی طرح پلٹا رہتا ہے۔)

نذير صادق ادى

كتاباً

وآيات بينة تنير

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نذیر صادق ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کتاب واضح آیات بینات پیش کیں)

فقالوا ما اتيت

بأمر صدق

وأنت بمنكر

مناجدير

(یہودیوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حقیقی معاملے کے ساتھ نہیں آئے، اسی بنا پر ہماری جانب سے انکار بالکل بجا تھا)

آدى الله النبى برأى

صدق

وكان الله يحكم

لا يجور

(اللہ تعالیٰ نے بنی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صدق مقال سے سرفراز کیا اور اللہ

کی حکمرانی جور و جفا سے پاک ہے۔)

فأیده وسلطه

علیهم

وکان نصیره

نعم النصیر

(پس اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کی نصرت کی اور آپ صلی اللہ علیہ
وآلہٗ وسلم کا مددگار کس قدر اچھا ہے۔)

مخضرم شاعر قیس بن عبداللہ نابغہ جعدی کی اہمیت کا اعتراف کھلے دل سے کیا گیا۔ آپ دین اسلام کو قبول کرنے کے بعد دربار رسول میں حاضر ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کو اپنا نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم نے آپ کے لیے دعائیں کیں۔ آپ پہلے شاعر ہیں کہ قصیدہ رائیہ کی صورت میں نعت رسول کو منظوم کیا۔

اتیت رسول الله اذا جاء

بالهدی

ویتلو کتاباً بالمجرة

نیرا

(جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو آپ صلی اللہ
علیہ وآلہٗ وسلم کے خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم
ایک ایسی کتاب کی تلاوت کررہے تھے جو کہکشاں کی مانند روشن تھی۔)

اصید بن سلمیٰ نے اسلام لانے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کے تئیں اپنے جذبات کا

یوں اظہار کیا:

بعث الذی ما مثله

فیما مضی

یدعوا لرحمتہٖ

النبی محمداً

(اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی شخصیت کو مبعوث کیا جس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ اللہ کی رافت ورحمت کے لیے نبی محمد کو وہ آواز دیتا ہے۔)

ضخم الدسیعة

کالغزالة وجهه

قزناً تأز ربا

بمکارم وارتدی

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات مجموعہ اخلاق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ ہرنی کی طرح خوبصورت اور مثالی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود کو بلند اوصاف کی جامہ میں لپیٹ لیا ہے۔)

فدعا العباد لدینه

فتتابعوا

طوعاً وکرها مقیلین

علی الهدیٰ

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عباد اللہ کو دعوتِ دین دیا چنانچہ طوعاً وکرہاً

اتباع کے لیے دوڑ پڑے تا کہ راہ ہدایت پر آسکیں۔)

عبداللہ بن عمرہ سلمی فتحہ مکہ کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کو یوں یاد کیا:

وکنالہ دون

الجنود بطانۃ

یشاورنا فی

آمرہ ونشاورہٗ

(فوج کے علاوہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کے اصحاب خاص میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم ہم سے اپنے معاملہ میں اور ہم بھی ان سے مشورہ کرتے۔)

دعانا

فسمانا

الشعار مقدماً

وکنالہ عوناً

علی من ینافرہ

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم نے ہمیں آواز دی اور فوج میں ہمیں لفظ خاص ''مقدم'' سے نوازا۔ اور ہم اس وقت اس شخص کے خلاف کھڑے ہو جاتے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم سے نفرت کرتا۔)

قبیلہ کنانہ کا ایک شخص اپنی نعت نبی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کے حضور لے کر حاضر ہے:

لك الحمد والحمد

من شكر

سقينا بوجه النبی

المطر

(اے بار الٰہا! تو لائق ستائش ہے اور ستائش ہی تو شکر خداوندی کی علامت ہے، ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرہ انور سے سیراب کیا گیا۔)

دعا الله

خالقه دعـوة

إليه وأشخص منه

البصر

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے خالق کو پکارا اور مکمل طور سے اس کی جانب متوجہ ہوئے اور اسی پر ٹکٹکی لگائے ہوئے تھے۔)

به الله يسقى

بصوب الغمام

ومن يكفر الله

يلق الغير

(خداوند قدوس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وجہ سے ہمیں موسلا دھار بادلوں سے سرفراز کیا۔ اور اللہ کے منکرین کی جھولی میں کذب و بطلان کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔)

عمر بن الفارض نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف وتوصیف کے لیے یہ طرز اختیار کیا:

أری کل مدح فی
النبی مقصرا
وإن بالغ المثنی
علیه واکثرا

(میں ہر نعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کوتاہی سمجھتا ہوں، گو کہ شاعر مبالغہ یا اس سے آگے کی حدوں کو پار ہی کیوں نہ کر گیا ہو۔)

إذا الله أثنی
بالذی هو أهله
علیه فما مقدراً
ما تمدح الوری

(اللہ اس کی جس بھی انداز میں تعریف کرے وہ اسی کا اہل ہے۔ مخلوق اپنی تعریفات کے توسط سے اس پر قادر نہیں ہوسکتی۔)

شیخ شرف الدین محمد بن سعید بوصیری کی شخصیت دنیائے نعت میں محتاج بیان نہیں (۱۶) بوصیری کے قصیدہ بردہ کے اثرات تمام زبانوں کے شعراء نے قبول کیے، کیوں کہ مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے ہیں۔ یہ نعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایسا ممتاز عنوان ہے جس کو اہل علم وادب نظر انداز نہیں کرسکتے۔ یہ قصیدہ بردہ اپنی زبان، اپنی لفظیات اور اپنی فکر کی بنیاد پر اساسی کردار کا حامل ہے۔ اس سے حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شعائیں پھوٹتی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ یہاں اس

تاریخی قصیدے کے چند اشعار یہاں نقل کیے جارہے ہیں۔

هو الحبيب الذى ترجى

شفاعته

لكل هول من الأهوال

مقتحم

(ہر قسم کی نازل ہونے والی مصیبت کے وقت اسی شفاعت کی امیدیں بندھی ہوئی ہیں۔)

دعا إلى الله

فالمستمسكون به

مستمسكون بحبل غير

منفصم

(اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا، پس ہم نے اسے مضبوطی سے تھام لیا ہے۔ہم ایک اٹوٹ رسی سے چمٹ گئے ہیں۔)

فان النبيين فى خلق

وفى خلق

ولم يدانوه على

علم ولا كرم

(اپنے چہرے بشرے اور اخلاقیات میں تمام انبیاء سے فائق ہے اور اس کی علم وشرافت میں وہ اس کی ہم سری نہیں کر سکتے۔)

كالزهر فى ترف

والبدر فى شرف

والبحر فى كرم الدهر

فى همم

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شگوفے کے مانند تروتازہ ہیں ماہ کامل کی طرح شرافت میں مکمل ہیں۔سمندر کی طرح فیاض اور زمانے کی طرح پختہ ارادوں کے حامل ہیں۔)

كأنما اللؤلؤ

المكنون فى صدف

من معدنى منطق منه

ومبتسم

(گویا صدف کے چھپے ہوئے موتی ہیں۔جس کا تعلق نطق وابتسام سے ہے، یہ گوئیاں اور نیم ریزیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی ذات گرامی سے متسم ہیں۔)

يا اكرم الرسل مالى

من الوذبه

سواك عند حلول الحادث

العمم

(اے تمام رسولوں میں سب سے مکرم! حوادث روزگار کی کثرت کے وقت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ میرا کوئی نہیں ہے جس کے یہاں جا کر پناہ لوں۔)

ولن یضیق رسول الله

جاهك لی

إذا الكريم تجلی

بإسم منتقم

(جس روز اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ انتقام کے ساتھ (بروز حشر) نمودار ہوگا اس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان شفاعت میرے لیے تنگ دامنی کا ثبوت نہ دے گی۔)

یا نفس لاتقنطی من

زلة عظمت

إن الكبائر فی

الغفران كالعمم

(اے نفس! تو (اپنے) بڑے بڑے گناہوں کے باب میں ناامید نہ ہو، کیوں کہ گناہ کبیرہ بھی گناہ صغیرہ کی طرح معاف ہوجائیں گے۔)

لعل رحمة ربی حین

یقسمها

تاتی علی حسب العصیان فی

القسم

(امید ہے کہ میرا رب (بروز حشر) جب اپنی رحمتوں کو عام کرے گا تو (گنہگاروں کو) بھی ان کی نافرمانی کے باوجود حصہ دے گا۔)

يا رب واجعل رجائی

غير منعكس

لديك واجعل حسابی

غير منخزم

(اے پروردگار! تو اپنے دربار میں میری امید کو میرے برعکس بنادے اور میرے حساب کتاب کو رسوائیوں سے پاک کردے۔)

سید علی رضوی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یوں خاکہ پیش کیا ہے:

فأنت رسول الله اعظم

كائن

وأنت لكل الخلق

بالحق مرسل

(اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کائنات کے سب سے عظیم انسان ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام مخلوق کے رسول برحق ہیں۔)

عليك مدار الخلق إذ

أنت قطبه

وأنت منار الحق تعلو

وتعدل

(تمام مخلوق کا انحصار آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مخلوق کے قطب ہیں۔ آپ ایسے منارہ حق ہیں جو بلند کرتا ہے۔)

فوادك بيت الله

دارعلومه

وباب عليه منه

للحق يدخل

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دل بیت اللہ کا دارالعلوم ہے اور اسی کے ذریعہ راہ حق تک رسائی ممکن ہے۔)

ينابيع علم الله منه

تفجرت

ففى كل حى منه لله

منهل

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل سے معرفت خداوندی کے چشمے ابل رہے ہیں، پس ہر شخص چشمہ خداوندی تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے توسط سے پہنچ سکتا ہے۔)

جدید شاعری میں حافظ ابراہیم کا ایک نمایاں مقام ہے۔ جدید مصری شعراء میں انھیں قدرومنزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جدید شاعری میں ایک نئی فرہنگ اور نئی لفظیات کو رواج دینے میں حافظ ابراہیم کا حصہ رہا ہے۔ جدید ہجری سال ۱۳۲۷ھ کا آغاز ہوا تو آپ نے آپ صلی اللہ

علیہ وآلہٰ وسلم کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا۔

وھاجر فیه خیر داع

إلی الهدیٰ

یحف به من قوة الله

عسکر

(اور ہدایت کی طرف دعوت دینے والے سب سے بہتر داعی نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت اختیار کی، اور اللہ کی مرضی سے ایک جم غفیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے ارد گرد طواف کر رہا تھا۔)

یماشیه جبریل

وتسعی ورائه

ملائکة ترعی خطاه

وتخفر

(حضرت جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور ان کے پیچھے فرشتے رواں دواں تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے قدم بہ قدم کی نگرانی کر رہے تھے اور حفاظت پر مامور تھے۔)

بیسراه برهان من الله

ساطع

هدیً وبیمناه

الکتاب المطهر

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بائیں طرف اللہ کی جانب سے ایک واضح اور روشن دلیل تھی اور دائیں سمت میں کتاب مقدس تھی۔)

فکان أبواب مکه

رکبۂ

وفی یثرب

انواره تنفجر

(پس مکہ مکرمہ کے دروازوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھوڑے اور اونٹ تھے اور مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انوار کی شعاعیں بہہ رہی تھی۔)

ابتداء میں احمد شوقی کا ذکر آچکا ہے۔شوقیات کے تناظر میں قدرے اس کے مقام ومرتبہ پر روشنی بھی ڈالی گئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ شوقی کو عالمی حیثیت حاصل ہوئی، اپنے معاصرین شعراء میں اسے کہیں زیادہ محبوبیت ومقبولیت ملی۔اپنے معروف قصیدہ "الھمزیة النبویة" (۱۸) میں یوں شان رسول میں نعت سرا ہے:

زانتك فی الخلق

العظیم شمائل

یغری بہن ویولع

الکرماء

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں موجودہ اوصاف نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تزئین کی یہی اخلاق عالیہ تحریک تشویق کا باعث ہیں اور شرفاء کے

اندر جذبہ اشتیاق پیدا کرتی ہیں۔)

وإذا سخوت بلغت بالجود

المدیٰ

وفعلت مالا تفعل

الأنواء

(اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سخاوت پر آئے تو سخاوت کی آخری حد کو پہنچے، اور حقیقت تو یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہ کچھ کر دکھایا جو بارشیں بھی دکھانے سے قاصر ہیں۔)

وإذا خطبت

فللمنابر هـزة

تعرو الندی وللقلوب

بكاء

(اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خطبہ دیتے تو منبر ومحراب پر ارتعاش طاری ہوجاتا۔ اور مجلس پر لرزاں چھاجاتا اور دلوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔)

سعدی عبید حمزہ حسناری نے اپنے عشق رسول کو یوں باندھا ہے:

بمدح رسولٍ أنشدوا

وأنثر

من الدر شعراً

بالمحاسن يعطر

(انھوں نے خوب صورت ترنم کے ساتھ مدح رسول پیش کی اور اشعار کو موتیوں کی طرح پرویا، انہی محاسن رسول صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کے سبب یہ اشعار معطر ہیں۔)

نبی سما

بالمكرمات

وإنه

إلى البر نبراس

وعنه معبر

(مجد دشرافت کا حوالہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم ہیں اور وہ نیکیوں کا چراغ ہیں اور وہی تعبیر وتشریح بھی ہیں۔)

رحيم ، رحيب الصدر،

فاحسن سماحة

وقلب رقيق بالفضيلة

يعمر

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم رحم فرما کشادہ دل عفور ودرگزر کے فیضان اور دردمند دل کے حامل ہیں، جس کی لیب فصل وکرم سے کی گئی ہے۔)

طلعت علينا هادياً

لصلاحنا

وإنك مبعوث وأنت

مؤزر

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم ہم پر ہماری اصلاح کے لیے کتاب ہدایت بن کر طلوع ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم انتہائی مستحکم فرستادہ ہیں۔)

وأنت منار

كلنابك نهتدى

ونترك فيك

اللائمين ونہجر

(اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم منار (ہدایت) ہیں، ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم سے ہدایت یابی کے طالب ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے دشمنوں کو ہم نے ترک کر دیا اور ان سے دوری اختیار کر لی۔)

عبداللہ الحاج ذیاب عکیدی نے یوں مدح رسول کا آغاز کیا:

رسول الله يا نوراً

تجلى

وبدراً ضاء فى جوف

الظلام

(اے رسول خدا! تو نور بن کر روشن ہو اور بدر کامل بن کر ظلمت کدے میں روشن ہوا۔)

رسول الله فيك

الشعر يحلو

وفيك القلب يشفى من

سقام

(اے رسول خدا! تمہارے باب میں منظوم اشعار کتنے لذیذ (کتنے رغیب اور کتنے حبیب) ہیں اور تمہارے اشتغال سے دل بیماریوں سے نجات پاتے ہیں۔)

وهذبت النفوس بكل

حرص

فأعطيت الدروس على

الدوام

(اور اے رسول خدا! تو نے انسان کو حرص وآز سے نکال کر مہذب بنایا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (انسانیت کو) دائمی تعلیمات دیں۔)

وقلبى فى هواكم

طارشوقا

فكنتم رمزجى

والهيام

(اور میرا دل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں بھڑ بھڑ تا رہا ہے۔ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی میرے اشتیاق اور میری پیاس کا حقیقی راز ہیں۔)

اب اس کے بعد ''الاعتذار إلى اسد الأبرار'' کا سلسلہ شروع ہورہا ہے۔سب سے پہلے عبداللہ بن زبعری کا معذرت نامہ دیکھیے:

إني لمعتذر

إليك من التى

أسديتُ إذ أنافى

الضلال أهيم

(میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے حضور نامہ اعتذار لے کر کھڑا ہوں کہ میں پس پردہ تھا اور ضلالت وگمرہی کے اندھیروں میں بندتھا۔)

وأمد أسباب الردیٰ

ويقودني

أمر الغواة وأمرهم

مشئوم

(اور میں ہلاکت کے دلدل میں پھنسا ہوا ہوں، گمراہ زدوں کی مجھ پر حکومت ہے اور اس کی حکومت وقیادت کا پڑاؤ نحوست وادبار پر ہے۔)

فاليوم أمن

بالنبي محمد

قلبي ومخطئ هذه

محروم

(آج نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم پر ایمان لاتا ہوں، میرا دل خطا کار اور

حرماں نصیبی کا شکار ہے۔)

مضت العداوة وانقضت

أسبابها

وأتت أواصر بيننا وحلوم

(ایام عداوت لد گئے اور اس کے تانے بانے دم توڑ گئے اور اب ہمارے

درمیان محبتیں اور صبر وسکون پنپ رہے ہیں۔)

وعليك من سمة

المليك علامة

نور أغروخاتم مختوم

(خداوند قدوس کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علامت خاصہ

سے نوازا گیا، آپ نور پر کشش اور خاتم مختوم بھی۔)

دنیائے نعت کے دو قصیدے ہمیشہ زریں حروف سے لکھے جاتے رہیں گے اور حب رسول کی دستاتین حرز جاں بنائی جاتی رہیں گی، بوصیری کا قصیدہ بردہ اور کعب بن زہیر کا بانت سعاد (۱۹) ہمیشہ یوں ہی دربار رسالت کی عظمتوں کی یاد دلاتے رہیں گے۔ ان قصائد میں جہاں عقیدت مندیاں ہیں وہیں فکروفن اور فصاحت وبلاغت کی معرکہ آرائیاں بھی ہیں۔ دونو ں قصائد نے اردو نعت گوشعراء کے اذہان وقلوب کو متاثر کیا ہے۔ انھیں زاویے اور جہتیں عطا کی ہیں۔ یہاں ''بانت سعاد'' کے کچھ اشعار نقل کیے جارہے ہیں تاکہ ایمان افروز ہوائیں ہمارے زنگ آلود ایمان کو گرما سکیں۔

انبئت أن رسول الله

أو عدنى

والغو عند رسول

الله مأمول

(ہمیں خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم نے ہمارے باب میں (مارڈالنے کی) دھمکی دی ہے اور جب کہ اور دربار رسالت سے عفو و درگزرہی کی امیدیں وابستہ ہیں۔)

فقد أتيت رسول الله

معتذراً

والعذر عند رسول

الله مقبول

(میں رسول اللہ کے پاس معذرت کے ساتھ حاضر ہوا، دربار رسالت میں معذرت خواہی مقبول ہے۔)

مهلاً هداك الذى

أعطاك نافلة

القرآن فيها مواعيظ

وتفضيل

(ذرا سنیے، اس اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کو ہدایت بخشی، نیز عطیہ قرآن عطا کیا جو مجموعہ نصائح ہے اور دیگر احکام کی تفصیل بھی۔)

ان الرسول لنور

يستضاء به

مہند من سیوف الله

مسلول

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم ایک ایسے نور ہیں جس سے ضیاء پاشی کی جاتی ہے۔ اللہ کی تلواروں میں سے سونتی ہوئی ہندی تلوار ہیں۔)

وقال کل صدیق کنت

أملة

لا ألهينك إنی

عنك مشغول

(اور ہر ایک دست جس سے ہماری امیدیں وابستہ تھیں وہ مجھے آپ سے غافل نہیں کر سکتے میں تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی ذات اقدس میں ڈوبا ہوا ہوں۔)

فقلت خلوا سبیلی لا

أبالکم

فکل ما قدر

الرحمن مفعول

(میں نے کہا دوستو! میرے راستے سے ہٹ جاؤ، مجھے تم لوگوں کی پرواہ نہیں، رحمٰن ورحیم کی طرف سے جو نوشتہ ہے وہ ہو کر رہے گا۔)

"رثاء الرسول" کے حوالے سے کئی قصائد اس میں شامل ہیں ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی وفات گوہ گراں تھی جو امت مسلمہ پر بجلی بن کر گری، ایسا سخت ترین اور اندوہ

ناک وقت مسلمانوں پر کبھی نہ آیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر یہاں تک کہہ گئے کہ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کی وفات کا ذکر زبان پر لائے گا تو اس کی گردن اڑادوں گا۔ لیکن قرآن کریم نے آپ کی اس برانگیختگی کوفرو کردیا۔ رثاء الرسول میں انہی جذبات اور انہی آلام واحزان کو سمیٹا گیا ہے۔ آج تک مختلف زبانوں میں مختلف شعراء نے اسی رنج ودرد کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ ان قصائد کو پڑھ کر رقت طاری ہوجاتی ہے۔ آنکھیں برسنے لگتی ہیں۔ دل میں الاؤ جلنے لگتا ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان تہہ خاک ہوا۔ اگر غالب کو اس بڑے انسان کا خیال ہوتا تو گنجینہائے گراں مایہ پر آنسو نہ بہاتا یا پرستار غالب رشید احمد صدیقی 'گنجہائے گران مایہ' کی زحمت نہ اٹھاتے۔ آیئے دیکھیے ''رثاء الرسول'' میں کیا کیا سوزشیں ہیں۔ کس کس طرح سے تجلیات رسول کو سمیٹا گیا ہے اور کن کن کلمات سے شمائل النبی کی ادائیگی کی گئی ہے:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے جذبات کو یوں جامۂ الفاظ پہنایا ہے:

لما رأیت نبینا

متجندلاً

ضاقت علی بعر ضھن

الدور

(جب میں نے اپنے نبی (کے جسد خاکی) کو پڑا ہوا دیکھا تو ستاروں کے درمیان چاند کا ہالہ بھی مجھ پر گراں گزرنے لگا۔)

فارتاع قلبی عند

ذاک مھلکه

والعظم منی ما

حييت كسير

(میرا دل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہلاکت کے وقت تھرتھرا رہا تھا اور میں جب تک زندہ رہوں گا یہ میری ہڈیاں یوں ہی چور چور رہیں گی۔)

أعتيق ويحك إن

حبك قد ثوى

فالصبر عنك ما

نعيت يسير

(اے عتیق! یہ کس قدر بربادی ہے کہ تمہارا محبوب آسودہ خاک ہوا، جب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جانے کی خبر ملی ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باب میں صبر کرنا آسان ہے؟)

باليتنى من قبل

يهلك صاحبى

غيبت فى جدث على

صخور

(اے کاش میں اپنے دوست کے چل چلاؤ سے قبل قبر کے سپرد کردیا جاتا اور مجھ پر چٹانیں ڈال دی جاتیں۔)

حضرت علیؓ نے اپنے رنج والم کو یوں پیش کیا ہے:

أمن بعد تكفين

النبى ودفنه

بأثوابه آسىٰ على

هالك ثوىٰ

(آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تجہیز انہی کپڑوں میں تکفین کے بعد کیا میں زیر زمین آسودہ شخص پر رنجور نہیں ہوں۔)

رزئنا رسول الله فينا

فلن نرى

بذاك عديلا ما حيينا

من الردى

(ہم اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چلے جانے سے غم زدہ ہیں۔ سرزمین پر موجودہ لوگوں میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہم سر نہیں ہے۔)

وكان لنا كالحصن من

دون أهله

له معقل حرز حريز

من العدىٰ

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اہل وعیال کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے بھی قلعہ تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دشمنوں سے بچاؤ کے لیے پناہ گاہ تھے۔)

وكنا بمرآة نرى

النور و الهدى

صباح مساء راح فينا أو

اغتدى

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے حسین منظر سے صبح وشام ہم نے شعاعوں اور ہدایت کا مشاہدہ کیا، ہر شام و صبح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی ضیاء پاشیوں کا یہی حال ہوتا۔)

لقد غشينا ظلمة

بعد موته

نهاراً فقد زادت على

ظلمة الدجىٰ

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی وفات کے بعد دن میں ظلمتیں ہم سے چمٹ گئیں بلکہ یہ تاریکیاں مزید گھنگھور وتاریکیوں کا سبب بن گئیں۔)

وضاق فضاء الأرض

عنهم يرحبه

بفقد رسول الله إذ

قيل قد مضى

(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کے جانے کی خبر دی گئی تو صحابہ کرامؓ پر یہ سطح زمین تنگ ہوگئی، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا استقبال کیا۔)

وفى كل وقت للصلوٰة

یہیجه

بلال ویدعو باسمه

کلما دعا

(اور ہر نماز کے وقت بلال اسے (حضرت علی) بے چین کر دیتے ہیں اور جب جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لے کر وہ پکارتے ہیں تو جسم میں اضطراب اٹھنے لگتا ہے۔)

ویطلب اقوام مواریث

هالك

وفینا مواریث

النبوة والہدیٰ

(قومیں فوت ہونے کے بعد ترکے کی طالب ہوتی ہیں اور ہم میں نبوت اور ہدایت کے ترکے ہیں۔)

ابوسفیان بن حارث نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات پر بے پناہ گریہ وزاری کیا، اپنی اندرونی جراحت اور باطنی اضطراب کو یوں منظوم کیا ہے:

أرقتُ فبات لیلی لا

یزول

ولیل أخی المصیبة

فيه طول

(میں اشکبار تھا اور میری رات ڈھلنے کا نام نہ لے رہی تھی اور اس دن (یوم وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم) برادر مصیبت کی رات انتہائی طویل تھی۔)

لقد عظمت

مصيبتنا وجلت

عشية قيل قد قبض

الرسول

(یقیناً ہماری مصیبت عظیم ہے اور وہ شام بھی نہایت گراں تھی جب اعلان ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کی روح قبض کر لی گئی ہے۔)

وذاك أحق ما سالت

عليه

نفوس الناس أو

كادت تسيل

(لوگوں نے جس قدر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم پر آنسو بہائے ہیں وہ بالکل برحق ہے یہ آہ وبکا اتنا شدید ہے کہ گویا اصحاب گریہ کو بہالے جائے گا۔)

ويهدينا فلا

تخشى ضلالاً

علينا والرسول

لنا دليل

(اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے ہادی ہیں جس کی وجہ سے ہمیں اپنی گمرہی کا کوئی خوف نہیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے قائد ہیں۔)

أفاطم ان جزعت

فذاك عذر

وإن لم تجزعی ذاك

السبیل

(اے فاطمہ! اگر تو نے جزع وفزع کیا تو بجا ہے اور اگر تم صبر سے کام لیتیں تو وہ بھی ایک طریقہ ہے۔)

فقبراً بیك سید كل

قبر

وفیه سید الناس

الرسول

(پس تمہارے ابو کی قبر درحقیقت شہر خموشاں کی سردار ہے، کیوں کہ اس میں سید الناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آسودہ ہیں۔)

حسان بن ثابت انصاری کا آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خصوصی تعلق تھا اگر یہ کہا جائے کہ وہ آپ کے ادبی سکریٹری تھے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ کیوں کہ دشمنان اسلام کی معرکہ آرائیوں کا جواب یہی دیتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ان پر خاصا اثر رہا۔ یہی اثر

ان کے مراثی میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

فبيناهم في ذلك

النور إذ غدا

إلى نورهم سهم من

الموت مقصد

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کا نور عامۃ الناس میں جگمگا رہا تھا اچانک موت کا تیر ان کے نور میں جا گھسا۔)

فأصبح محمود إلى

الله راجعاً

يبكيه حق

المرسلات ويحمداً

(پس محمود و محبوب اللہ کی طرف جا رہے ہیں، رسالت کی سچائیوں نے اس پر گریہ طاری کر دیا اور وہ اس کی نعت سرائی کرتا ہے۔)

وأمست بلاد الحرم وحشا

بقاعها

لغيبة ما كانت من

الوحي تعهد

(وحی محمدی کے رک جانے سے ازواج مطہرات کے شہروں میں وحشت کا ڈیرا ہے۔)

ومسجده

فالموحشات

لفقده

خلاء له فيه مقام

ومعقد

(اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چلے جانے کی وجہ سے مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جگہ خالی ہے، اب وہاں سکوت وصموت کا قیام وقعود ہے۔)

وبالجمرة الكبرى له

ثم او حشت

ديار وعرصات وربع

ومولد

(اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جمرہ کبری (سب سے بڑے شیطان کو کنکری مارنا) پر رمی جمار کا سلسلہ بھی ٹوٹ گیا، آج (آپ کے جانے کی وجہ سے) علاقوں، گھروں، محلوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جائے پیدائش پر وحشت برس رہی ہے۔)

فبكى رسول الله يا

عين عبرة

ولا أعرفنك الدهر،

دمعك يجمد

(اے آنکھ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آنسو بہاؤ، اور میں نے تمہیں زمانے کے سامنے اس حیثیت سے پیش کیا کہ تمہارے آنسو کبھی خشک ہونے والے نہیں ہیں۔)

ومالك لاتبكين

ذالنعمة التی

علی الناس منہا

سابغ يتغمد

(اے آنکھ! تو لوگوں کے محسن پر آنسو کیوں نہیں گراتی ہو، آپ کی کرم فرمائیوں سے آپ کی بخشش (معاشرے) پر چھائی ہوئی تھی۔)

فجودی عليه

بالدموع وأعولی

لفقد الذی لامثله

الدهر يوجد

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آنسوؤں کی بھرمار کردو اور چیخ چیخ کر روؤ اس عظیم ہستی کے چلے جانے پر جس کی مثال زمانے میں مفقود ہے۔)

وما فقد الماضون

مثل محمد

ولا مثله حتی

القيامة يفقد

(گزشتہ زمانے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسی چیز نہیں کھوئی گئی اور نہ ہی تا قیامت کسی ایسی چیز کا مفقود ہونا ممکن ہے۔)

مع المصطفى أرجو

بذاك جواره

وفي نيل ذاك اليوم

أسعى وأجهد

(میں بھی اپنے مصطفٰی کی جوار میں جانے کا خواست گار ہوں اور اس دن کی دستیابی کے لیے مستقل کوشاں ہوں۔)

سواد بن قارب کو جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کی خبر ملی تو ان پر کیا گزری اسے دیکھیے:

جلت مصيبتك الغداة

، سواد

وأرى المصيبة

بعدها تزداد

(اے سواد! صبح سویرے تم پر مصیبتوں کا پہاڑ گر پڑا، اور اس کے بعد تو مجھے سیل مصائب بڑھتا ہی نظر آ رہا ہے۔)

أبقى لنافقد

النبي محمد

صلى الاله عليه ما

يعتاد

(فقدانِ ہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ہمارے حصے میں بدستور ’’صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ ہی باقی رہا۔)

حزنا لعمرك في

الفواد مخامراً

وهل لمن فقد

النبي فؤاد

(سچ کہہ رہا ہوں کہ دل میں غم بسا ہوا ہے۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کھونے والے کے پاس دل ہے؟)

كنا نحل به

جنابا ممرعاً

جف الجناب

فأجدب الروّاد

(ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سرسبز وشاداب بارگاہ میں حاضر ہوا کرتے تھے آج یہ بارگاہ خشک پڑی ہے جس کی وجہ سے قاصدین تشنہ لب ہیں۔)

فبكت عليه أرضنا

وسماؤنا

وتصدعت وجداً به

الأكبار

(آج ہمارے ارض وسما اس پر اشکبار ہیں، اوراس کی وجہ سے دلخراش غم لاحق

ہوا۔)

یہ ہے صحابہ کرامؓ کی صورت حال کہ وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں پاگل بنادیا تھا۔ یہ حادثہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھا کیوں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی زندگی، ان کی روشنی، ان کی فکر امروز اور فکر فردا دونوں تھے۔ ان کی رضا ورغبت اور جلوت وخلوت کا دارومدار تھے، اگر ایسا محبوب مفقود ہوجائے تو انسان کی زندگی بے کیف ہوجائے اور بے کیفی اسے آغوش ظلمت کے سپرد کردے۔ اسی چیز نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے سے روک دیا تھا(۲۱)اور شہر یثرب ان کے لیے شہر آشوب بن گیا تھا۔

يا خير من دفنت

بالقاع أعظمه

فطاب من طيبهن

القاع والاكم

(اے اکرم الناس! تمہاری ہڈیاں گوشہ (حجرہ) میں مدفون ہیں۔ انہی کے

حسن وجمال سے یہ گوشہ اور جسم اطہر کا لباس بھی حسین وجمیل ہوگیا ہے۔)

نفسى الفداء بقبر

أنت ساكنه

فيه العفاف وفيه

الجود والكرم

(میں قربان ہوں اس قبر پر جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم سکونت پذیر ہیں، اس میں (امراض امت کا) علاج بخشش اور کرم فرمائی ہے۔)

اس مجموعے کا ایک عنوان ''دعوة الكئيب'' ہے جس میں شعراء نے اپنی بے بسی اور لاچاری کا اظہار کیا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کے حضور دست بدعا ہوکر اپنے مسائل کا حل چاہتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ اگر آپ کے طفیل اللہ سے کچھ مانگا جائے تو وہ مل سکتا ہے۔ یہی حب رسول درد کا درماں ہے یہی اتباع رسول شدائد وشناعت کا سد باب ہے اور جاں نثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کے لیے طمانیت قلب۔ آیئے دیکھیے زہیر بن صرد جشمی کس طرح جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم میں درخواست گزار ہیں:

أمنن علينا رسول

الله في الكرم

بانك المرء

نرجوه وندخر

(اے رسول خدا! ہم پر کرم فرمایئے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم ہی ایک ایسے انسان ہیں جن سے امید کی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کے ہی سامنے دنیا وآخرت کی حاجات پیش کی جاتی ہیں۔)

أمنن على بيضة قد

عاقها قدر

مشتتت شملها فى

دهرها غير

(اے رسول خدا! اس شہر پر کرم فرمایئے جسے مقدر نے پٹخ دیا ہے اور آج اس کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔)

ان لم تدارکهم

نعماء تنشرها

يا أرجح الناس

حلما حين يختبر

(اے ارجح الناس! اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ساکنانِ شہر کا خیال نہ رکھا تو اس کی نعمتیں تتر بتر ہوجائیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آزمائش کے وقت کھرے اترے۔)

أمنن على نسوة قد

كنت ترضعها

وإذ فوك تملوه من

مخضبها الدرر

(اے رسول خدا! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان عورتوں پر رحم فرمائیں جن کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دودھ پیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے ہرے چمکدار موتیوں سے اپنا منہ بھر لیتے تھے۔)

امام اعظم ابوحنیفہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ نے اپنی فقہی بصیرت سے فقہی لٹریچر میں غیر

معمولی اضافہ کیا۔ اس فقہی بصیرت اور استخراجی مواہب کا معروف محقق محمد ابوزہرہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''ابوحنيفة حياته وعصره وآرائه '' (۲۲) میں تحلیل وتجزیہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شبلی نعمانی نے اپنی معرکہ آراء کتاب ''سيرة النعمان'' (۲۳) میں امام اعظم کے احوال وکوائف کے ساتھ آپ کی فقہی خدمات اور اس کے اثرات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ امام اعظم نے اپنی قیمتی تصنیف ''كتاب الأم'' (۲۴) کے ذریعہ علم فقہ کو آگے بڑھایا۔ بالعموم امام اعظم کو ایک فقیہ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے جب کہ دنیائے شعروادب میں بھی آپ کا ایک بلند مقام ہے۔ اللہ نے آپ کو غیر معمولی شاعرانہ کمال سے نوازا تھا۔ مرتب نے آپ کا ایک قصیدہ ''النعمانية'' اس مجموعہ میں شامل کیا ہے۔ جسے 'الخيرات الحسان'' سے لیا گیا ہے:

يا سيد السادات جئك

قاصداً

أرجو رضاك وأحتمى

بحماك

(اے سید السادات! میں ایک مقصد لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور حاضر ہوں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا کا طالب ہوں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیرنگرانی رہنے کا خواست گار ہوں۔)

والله يا خير

الخلائق إن لی

قلبا مشوقاً لا

يروم　　　　سواك

(یاخیر الخلائق! بخدا میں ایک وارفتہ دل کا مالک ہوں جس کا پڑاؤ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا کوئی اور نہیں۔)

وبحق　جاهك　اننى

بك　　　　مغرم

والله　يعلم　أننى

أهواك

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حقیقی جاہ وجلال کی وجہ سے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شیدائی بن گیا ہوں، اور اللہ بخوبی جانتا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تمنائی ہوں۔)

أنت　الذى　لولاك

ماخلق　　　إمرء

كلا　ولا　خلق　الوریٰ

لولاك

(اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ ہوتے تو ایک ذی روح بھی سطح زمین پر نہ ہوتا اور یہ مخلوق بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بغیر وجود میں نہ آتی۔)

أنت　الذى　من　نورك

البدر　　　　إكتسى

والشمس　مشرقة　بنور

بهاك

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی ہے وہ ذات گرامی کہ جس کے نور میں بدر کامل ڈھل گیا۔اور سورج بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے نور سے روشن ہے۔)

يا مالكي كن

شافعي في فاقتي

إني فقير في الورىٰ

لغناك

(اے میرے مالک! تو میری فاقہ زدگی اور محتاجی میں میری دست گیری فرما، میں مخلوق میں ضرورت مند ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے استغناء کا خواہش مند ہوں)

أنا طامع بالجود

منك ولم يكن

لأبي حنيفة في الأنام

سواد

(میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جودوسخا کا شیدائی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ مخلوق میں ابوحنیفہ کا کون ہے؟)

فاجعل قراك شفاعة لي

في غد

فعسى أرى في الحشر تحت

لواك

(کل (میدان حشر) میں آپ اپنی ضیافت کو میری شفاعت میں تبدیل
کردیں، مجھے امید ہے کہ میدان حشر میں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم
کے جھنڈے تلے ہوں گا۔)

عبدالرحمٰن بن خلدون کو ایک مؤرخ اور ماہر عمرانیات کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ تاریخ کیسے لکھی جائے مؤرخ کے اصول وضوابط کیا ہوں اور تاریخی واقعات کا تجزیہ کس طرح کیا جائے ان تمام موضوعات پر ابن خلدون نے بڑا استدلالی انداز اختیار کیا ہے۔ اسی طرح تہذیب وتمدن کا ارتقاء کیسے ہوا اور اسلامی تہذیب وثقافت کا دنیا پر کیا اثر رہا، اسلامی خلافت کا کیا مفہوم ہے اور خلیفہ کے اندر کن کن صلاحیتوں کا ہونا لازمی ہے؟ ان تمام پہلوؤں کا ابن خلدون نے بڑے سلیقے سے جائزہ لیا ہے۔ لیکن اس مؤرخ اور ماہر عمرانیات کے متعلق بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ابن خلدون ایک ادیب اور شاعر بھی تھا۔ یہاں ان کے چند اشعار حاضر ہیں:

هب لي شفاعتك التي

أرجو بها

صفحاً جميلاً عن قبيح

ذنوبي

(مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم اپنی شفاعت سے سرفراز کریں جس کے
لیے میں پرامید ہوں اور میرے گناہوں کو مٹا کر مجھے ایک سندر سادہ پنّا جیسا
بنادیں۔)

إنی دعوتك

واثقاً بإجابتی

یا خیر مدعو وخیر

مجیب

(میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس اعتماد کے ساتھ آواز دی ہے کہ میری ضرور سنی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب سے بہتر پکارنے والے ہیں اور سب سے عمدہ جواب دینے والے ہیں۔)

قصرت فی مدحی فان

یك طیبا

فبما لذكرك من

أریح الطیب

(میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح سرائی میں کوتاہ ہوں، پھر بھی اگر وہ خوبصورت ہے تو وہ کمال صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر (جمیل) کا ہے جس سے بڑی پیاری خوشبو اٹھتی ہے۔)

شیخ عبداللہ شیراوی رفاعی نے جب مدینہ منورہ کی زیارت کی تو ان کے دل میں حب رسول موجزن ہوگئی، انہی موجوں کی اس طرح قید کیا گیا ہے۔

مقلتی! قد نلتِ

کل الأرب

هذه انوار طه

العربی

(اے میری آنکھیں! تم نے اپنی تمام خواہشات پوری کرلیں، یہ اب (تمہارے سامنے) طہٰ عربی کے انوار ہیں۔)

یا رسول الله ! إنی

مذنب

ومن الجود قبول

المذنب

(اے رسول اللہ! میں گناہوں میں لت پت ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دہلیز عفو درگزر سے گناہ گار کو قبولیت کی امید ہے۔)

یا نبی الله

مالی حیلة

غیرحبی لك یا

خیرنبی

(اے نبی اللہ! یا خیر نبی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے سوا میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔)

ویقبنی فیك یا

خیر الوریٰ

أن حبی لك أقویٰ

السبب

(اے خیرالوریٰ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تعلق سے پورا یقین ہے
کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کرنا ہی میرا سب سے بڑا ہتھیار
ہے۔)

حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی کی شخصیت کے کئی زاویے ہیں۔(۲۵) انھیں عربی اور فارسی پر قدرت حاصل تھی۔عربی کے شاعر تھے اور فارسی کے تذکرہ نویس ، تذکرہ نویسی میں آپ کی ایک شناخت ہے، لیکن شاعری میں ایک شناخت بنانے سے قاصر رہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے آپ کی شاعری پر اچھا تبصرہ کیا ہے۔ (۲۶)اور بتایا کہ اس پر ہندوستانیت غالب ہے۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ایک بڑے نعت گو شاعر تھے طرح طرح سے حب رسول کی کرنوں کو قید کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی رگ وپے میں حب رسول سرایت کرچکی تھی۔آپ کے چند شعار سے آیئے اپنے حب رسول میں مزید رنگ بھریں۔

یا سیدی یا عروتی
ووسیلتی
یاعدتی یا مقصدی
مولای

(اے میرے سردار، اے میری رسی، اے میرا واسطہ، اے میرے سامان،
اے میرے مقصد اور اے میرے آقا۔)

قد جئت بابك
خاشعا متضرعاً
مالی ورائك کاشف

الضراء

(میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے در پر خوف زدہ اور گڑگڑاتا ہوا حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ مصیبت کا ٹالنے والا کوئی نہیں ہے۔)

ولك الوسيلة

والفضيلة في غد

ولأنت أقدم معشر

الشفعاء

(کل کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے لیے وسیلہ اور عظمت وفضیلت ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی تمام گروہ شافعین میں سب سے مقدم ہوں گے۔)

أحسن إلى ضيف

ببابك واقف

شان الكرام ضيافة

الغرباء

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان پر کرم فرمائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازے پر کھڑا ہے۔ شرفاء کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اجنبی لوگوں کی ضیافت کریں۔)

اس میں ایک باب ''الاستبراك بالآثار'' ہے جس کے قصائد میں نعلین

شریفین کا مخصوص انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔شعراء اپنے وجود کو نعلین شریفین کے پیچھے ڈالنے کے خواستگار ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے تسمہ بن جائیں تا کہ ان کی قسمت سنور جائے اور آنے والا دن ان کے لیے خوشگوار ثابت ہو۔عرب شعراء نے حب رسول کو مختلف انداز دیا ہے۔ مجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ عربی نعت گوئی میں تصنع اور تکلف نہیں ہے۔ ذات اکرم سے ان کی حقیقی وابستگی ہے۔ اردو شعراء کے یہاں آورد اور فنی زور آزمائی ہیں۔اس میں اخلاص، دلی عقیدت مندی اور ذات افضل سے دینی لگاؤ ہے۔ بالخصوص پاکستان کے حوالے سے یہ کہنا ضروری ہے کہ نعت گوئی اور نعت سرائی ایک دھندا بنتا جارہا ہے اس دھندے سے دولت اور شہرت کمائی جارہی ہے۔محلات تعمیر ہورہے ہیں اور تعیش کے سامان بٹورے جارہے ہیں۔نسائی نعت سرائی نے تو مردوں کو پیچھے ڈھکیل دیا ہے۔انھیں نعت سرائی سے زیادہ اپنی جامہ زیبی، اپنی آرائش اور حنابازی کی فکر ہوتی ہے۔اب بتایئے اس ہجوم دوراں میں حب رسول کا کہاں اتا پتا ہے۔بہر کیف اس باب سے چند اشعار پیش کیے جارہے ہیں۔

أذكرتني من لم

يزل ذكرى له

يعتاد فى الأبكار

والأصال

(تم نے مجھے اس شخص کی یاد دلائی جو مستقل میرے ذکر میں بسا ہوا ہے صبح

وشام (اس کا ذکر کرنا) خاصہ ہے۔)

ولها المفاخر

والمآثر فى

الدنا

والدين والأقوال

والأفعال

(اور دین ودنیا اور اقوال وافعال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مفاخر

ومآثر حاصل ہیں۔)

لو أن خدی یحتذی

یغلالہا

لبلغت ومن نیل

المنی آمال

(اگر میرے رخسار آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جوتے پہن لیتے تو میری

امیدیں خواہشات کو پالیتیں۔)

ابوبکر احمد ابن الامام ابومحمد عبداللہ بن حسین قرطبی نے بھی نعلین شریفین کے ذکر میں ایک

مخصوص رنگ چھوڑا ہے۔

ونعل خضعنا

ھیبة لبھائہا

وإنا متی تخضع لہا

أبداً نعلو

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نعلین شریفین کے حسن وجمال کے حضور ہم

جھک گئے۔ اور ہم اس کے سامنے ہمیشہ جھکیں گے تاکہ بلندی کو پاسکیں۔)

فیضعھا علی اعلی

المفارق إنها

حقيقتها تاج وصورتها

نعل

(پس تم اسے سر کی بلندی پر رکھ لو کیوں کہ حقیقتاً یہ تاج اور صورتاً جوتا ہے۔)

اس کا ایک باب "الحنين إلى زيارة روضة النبی الأمين" ہے کہ انسان جب روضہ رسول پر حاضری دیتا ہے تو اس کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ اسے ایک خاص لذت محسوس ہوتی ہے جو آنکھوں کے سہارے بہنے لگتی ہے۔ اس کا اعمال نامہ نظروں میں چلنے لگا ہے وہ شفیع المذنبین کے سامنے گڑگڑاتا اور آہ وزاری کرتا ہے تاکہ اس در عظیم سے کچھ لے کر لوٹے اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرے۔ یہی رقت، یہی اشکباری اور یہی شرم ساری اس طرح کے قصائد میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح کا ایک خوبصورت قصیدہ صبیح رحمانی نے بھی کہا ہے جس کا عنوان ''مواجہ'' ہے۔ اسے پڑھ کر انسان خود کو روضہ کے حضور کھڑا ہوا پاتا ہے۔ علامہ ابن جابر اندلسی نے بھی اپنے اس طرح کے جذبات کو منظوم کیا ہے:

هناء كم يا أهل طيبة

قد حفا

فبالقرب من خير الوریٰ

حزتم السبقا

(اے اہل طیبہ! تم یقیناً لائق مبارک باد ہو، تم لوگ خیر الوریٰ کی قربت اختیار کرنے میں سبقت لے گئے۔)

فلايتحرك ساكن

منکم إلی

سواھاو إن جار الزمان

وان شقا

(تمہارا ہر شخص روضہ رسول کے سوا کہیں اور کا قصد نہیں کرتا گرچہ زمانہ قہر برپا کرے یا منتشر کردے۔)

فکم ملك رام الوصول

کمثل ما

فھا أنتم فی بحر

نعمته غرقی

(تم کس قدر خوش بخت ہو کہ تمہیں تمہارے رب کی توجہات حاصل ہیں۔ یہ کتنا خوب ہے کہ تم اس کے بحر عنایات میں غرق ہو۔)

ترون رسول الله فی

کل ساعة

ومن یره فھو

السعید به حقا

(تم سب ہمہ آن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کرتے رہتے ہو اور جس شخص کو یہ زیارت دستیاب ہو یقیناً وہ خوش بخت ہے۔)

متی جئتم لا یغلق

الباب دونکم

وباب ذوی الإحسان

لایقبل الغلقا

(تم لوگ جب بھی آؤ تمہارے لیے روضہ رسول کا دروازہ بند نہیں ہوگا، صاحب احسان کا دروازہ بند ہونا پسند نہیں کرتا۔)

اسی باب میں عبدالرحیم برعی کا قصیدہ ہے۔ دیکھیے روضۂ رسول پر اپنی حاضری کو کس طرح پیش کیا ہے:

لقد شافتی زوار

قبر محمد

شوقی مع الزوار

یسری ویدلج

(محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر کی زیارت کرنے والوں نے میرے اندر زیارت کا اشتیاق برپا کردیا، بس میرا اشتیاق زائرین کے ساتھ شب (وروز) چلتا رہتا ہے۔)

وأرتاح من أرواح

أطیاب طیبة

إذا لمسك فی

أرجاء ھا یتارج

(میں طیبہ کی خوشگوار ہواؤں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہوں، اس کے گوشے

گوشے سے مشک (وعنبر) کی خوشبو آتی ہے۔)

بلادبها جريل يسحب

ريشه

وينزل من جو

السماء ويعرج

(یہی وہ سرزمین ہے جہاں حضرت جبرئیل اپنے پروں کو گھسیٹتے تھے، فضاء فلک سے اترتے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔)

شیخ حسین دجانی مفتی یانانے روضہ اقدس کی زیارت کو یوں محسوس کیا:

إذا هبت الأرياح من

نحو طيبة

أهاج فوادى طيبها

وهبوبها

(جب ہوائیں طیبہ سے ہوکر گزرتی ہیں، تو اس کی خوشگوار ومشک بار ہوائیں میرے دل کے اندر ہیجان برپا کردیتی ہیں۔)

فلا تعجبوا من لوعتى

وصبابتى

هوى كل نفس أين حل

حبيبها

(میرے سوزش (دل) عشق (بے پناہ) پر تمہیں استعجاب کیوں ہے؟ ہر

انسان کا دوست جہاں بھی وہ اسے اسی طرح ٹوٹ کر چاہتا ہے۔)

اس کا آخری باب ’’التسلیم علی صاحب جنات النعیم‘‘ ہے جس میں شعراء نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود وسلام بھیجا ہے۔ شیخ جمال الدین زکریا صرصری کا احساس یوں منظوم ہوا ہے:

يا نبي الهدى عليك

السلام

كلما عاقب

الضياء الظلام

(اے نبی ہادی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سلام ہو جب جب ظلمتیں روشنی کا تعاقب کریں)

زادك الله رفعة

وجلالاً

و بهاء أو عـــزة

لا ترام

(اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لاجواب رفعت وجلالت اور شان وشوکت میں اضافہ فرمائیں۔)

قد قطعنا إليك

فجا عميقاً

بقلوب بها اليك آوام

(دور دراز، اور گہرے دروں سے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں ہم حاضر ہوئے۔)

نطلب الفضل منك يا

خيرهاد

فلديك الإحسان

والانعام

(اے سب سے بہتر ہادی! ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فضل وکرم کے طلب گار ہیں۔ یقیناً احسانات وانعامات کا خزانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہی پاس ہے۔)

امام عبدالرحیم برعی نے اس طرح رسول خدا کو ہدیہ تسلیم ارسال کیا ہے:

سلام على ذلك

الحبيب فانني

إليه على بعدى

أحسن وأطرب

(اس حبیب پر درود وسلام ہو میں اپنے حبیب سے دوری کے سبب اظہار غم کر رہا ہوں اور رنج سے نڈھال ہوں۔)

عسى يا رسول الله

نظرة رحمة

إلينا وإلا دعوة ليس

تحجب

(اے رسول اللہ! ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نظر کرم کی امید ہے، بغیر کسی حجاب کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آواز لگانا چاہتے ہیں۔)

فثانيه فى

الغار الخليفة

بعده

لامته نعم

الحبيب المقرب

(غار ثور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ثانی اثنین حضرت ابوبکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد آپ کی امت کے کس قدر قریبی دوست ہیں۔)

شیخ محمد بن قزح سبتی جن کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے ہے۔ انھوں نے بھی اپنے حبیب پر درودوسلام بھیجا ہے۔

صلوٰة وتسليم ورحمىٰ

بلاإنتها

على من غدا فذ

الوجود وفرده

(متواتر صلوٰۃ وسلام اور کرم فرمائیاں اس ذات گرامی پر جو عدیم المثال اور

منفرد ہے۔)

علی العروۃ الوثقی، علی

القمر الذی

علی الخلق ظل الأمن والمن

مدہ

(درود وسلام اس مضبوط رسی پر اور اس چاند پر جس کی چاندنی امن واحسان بن کر مخلوق پر برس رہی ہیں۔)

علی منقذ الإنسان من

حفر الردیٰ

ولولا سناہ کان فیھا

یدھدہ

(درود وسلام اس ذات اقدس پر جو انسان کو ہلاکت کے گڑھے سے نجات دلانے والی ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشنی نہ ہوتی تو یہ انسان اس گڑھے میں جالڑھکتا۔)

علی من لہ المجد

الصمیم علی الذی

بہ شرف الرحمن آدم جدہ

(درود وسلام اس ہستی پر جسے حقیقی شرف حاصل ہے اور یہی وہ ذات ہے جس کے توسط سے ان کے باوا آدم کو اللہ تعالیٰ نے شرف عطا کیا۔)

علی مجتبیٰ قد نور

الله قلبه

علی مصطفی قد طهر

الله برده

(درود وسلام اس چنیدہ ذات پر جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے صیقل کر دیا اور
درود وسلام اس منتخب ہستی پر جس کی چادر کو اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا۔)

ابن معصوم نے مندرجہ کلمات کا صلوٰۃ وتسلیم کے لیے انتخاب کیا، جس سے اخلاص اور حب رسول جھلکتا ہے، اگر اندرونی حسیت اور ظاہری اقوال میں تطابق وترابط نہ ہو تو وہ تنافر وتضاد پوری طرح سے نظر آتا ہے۔ ابن معصوم کی معصومیت اپنے اظہار جذبات میں ہویدا ہے۔ یہ بات علامہ شبلی نے عربی اور فارسی کا موازنہ کرتے ہوئے تحریر کی ہے کہ عرب شعراء کی شاعری درحقیقت قلبی اظہار ہے اس میں منافقت کی آمیزش نہیں، جب کہ فارسی شاعری تصنع وتکلف سے گراں بار ہے۔ (۲۷) عرب شعراء کی قدیم روایت رہی ہے کہ اسی تقدیم صداقت میں انھوں نے اپنی جاں تک کا نذرانہ پیش کر دیا جب کہ فارسی شعراء چھپ کر وار کرتے ہیں اگر آمنا سامنا ہوا تو دم دبا کر اپنا راستہ ناپتے ہیں۔ دراصل بات یوں ہے کہ شی واحد ہی کا نام عرب وصداقت ہے۔ حضرت ابوسفیان سے جب دربار حبشہ میں حضرت محمد مصطفیٰ کے متعلق ایک سوال یہ کیا گیا کہ کیا ان کا قائد جھوٹ بولتا ہے تو حضرت ابوسفیان اثبات میں جواب دینے جارہے تھے لیکن ان کی عربیت نے انھیں فی الفور جھنجھوڑا کہ کیا عرب بھی جھوٹ بولتا ہے؟ بہرکیف ابن معصوم کی معصومیت اور صداقت کو لے کر بات کچھ آگے نکل گئی۔ آیئے دیکھیے ابن معصوم نے کس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم کو یاد کیا ہے:

عبيدك الوافد فی

سوحكم

يهدى سلاماً نشره

أعطر

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا غلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار میں حاضری کے لیے آنے والا ہے، ہدیہ سلام پیش کرنے والا ہے، جس کا چھڑکاؤ کس قدر عطر بیز ہے۔)

یا سید الرسل سلام

علی

وجهك وهو الكوكب

الانوار

(اے سید الرسل! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرہ روشن پر سلام ہو جو ستارہ روشن کے مانند ہے۔)

یا صفوة الحق

سلام علی

مثواك وهو الاقدس

الأزهر

(اے حق حقیقی! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تربت پر سلاموں کی بارش ہو، ایک نہایت مقدس اور تابناک ہیں۔)

یا هادی الخلق سلام

علی

سوحك وهی الموطن

الافخر

(اے ہادی خلقت! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار پر سلام بھیجتا ہوں

اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو بڑے ہی قابل افتخار مقام پر فائز ہیں۔)

انہی اشعار پر یہ سلسلہ ختم کیا جارہا ہے کیوں کہ دس عناوین کے ایک سو چالیس نعتیہ قصائد کے ترجمے کے لیے طویل وقت درکار ہے۔ خدا کرے ان تمام نعتوں کے تراجم کا شرف کسی کو حاصل ہو۔ مرتب مجموعہ یٰسین اختر مصباحی اعظمی قابل صد افتخار اور قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اتنا خوبصورت اور علمی کام کیا، اس مجموعے میں وضاحت کی کوشش کی گئی ہے کہ دورِ جاہلی ،مخضرمی، اسلامی، اندلسی اور ہندوستانی شعراء نے کس کس طرح عربی نعتیہ شاعری میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصویر کشی کی ہے ، ان قصائد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام ومرتبہ ،مکی ومدنی زندگی، ازواج مطہرات، صحابہ کرام، خلفاء راشدین، مدینۂ رسول، روضۂ رسول، دشمنان رسول، اورغزوات وسرایا پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ مجموعہ عربی نعت گوئی میں ایک استنادی حیثیت کا حامل ہے۔ مرتب کو اس کی ترتیب میں محنت شاقہ سے گزرنا پڑا ہوگا۔ اس محنت شاقہ سے ان کی آخرت سنور جائے گی اور یقیناً اللہ انہیں بڑے انعام واکرام سے نوازے گا۔ اس کے مندرجہ مآخذ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب میں عالمانہ معیار کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ البخاری، الروض الانف، السیرة النبویة، مولد النبی، الفضل الموهبی، مجله التربیة الاسلامیة، وفاء الوفاء، مسالك الحنفاء، الاستیعاب، الحاوی، الإصابة، السیرة لابن

اسحق، الخصائص الکبری، زاد المعاد، مجلة رابطة مکة المکرمة، مجلة هدی الاسلام، شرح المواهب، عمدة القاری، تہذیب ابن عساکر، البدایة والنہایة، اسد الغابة، المجموعة النبہانیة، الروض المحمود، مجلة العالم الاسلامی، السیرة النبویة للسید احمد زینی، دیوان ابی الحسن علی بن أبی طالب، الخیرات الحسان، السبعة السیارة لکناؤ اور الشوقیات وغیرہ کی ورق گردانی کے بعد یہ مجموعہ ترتیب دیا گیا ہے۔

یقیناً ''دارالقلم'' کے روح رواں نے ایک قابل ذکر کام کیا ہے اس سے مرتب کے دینی، علمی، اور ادبی مزاج کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اس مجموعے کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے راقم الحروف نے یہ مضمون ترتیب دینے کی کوشش کی ہے۔ خدا کرے دنیائے نعت کی تزئین میں مولانا مصباحی اعظمی صاحب آئندہ بھی کوئی بڑا کام کرجائیں۔ اس چھوٹے سے مجموعہ پر دریا کو کوزے میں بند کرنے کی مثال صادق آتی ہے۔ ویسے بھی جو علامہ شبلی نعمانی، قاضی اطہر مبارک پوری، اور علامہ اقبال سہیل کا ہم وطن ہو اسے اس طرح کالفت خواں طے کرنے کی عادت ہو ہی جاتی ہے۔ صاحب ترتیب علم وفن کے شیدائی ہیں۔ خدا کرے کہ دنیائے علم وادب میں اسی طرح کے نقوش چھوڑتے جائیں آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور مستقلاً قلم وقرطاس سے لیس رہتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱)عبداللہ عباس ندوی کی تصنیف ''عربی میں نعتیہ کلام (بار اول، نامی پریس لکھنؤ، ۱۳۹۵ھ/۱۹۸۵ء) ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اس میں نعتیہ شاعری اور بعض نعت گو شعراء پر اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲)پروفیسر سید اشفاق رفیع الدین کی کتاب کا عنوان ''اردو میں نعتیہ شاعری'' ہے۔ ۱۹۷۶ء میں کراچی اردو اکیڈمی پاکستان سے شائع ہوئی ہے۔مولانا ندوی کی کتاب ''شعراء الرسول'' (مکتبہ الفردوس، مکارم نگر،لکھنؤ) ۵۶۹،صفحات پر مشتمل ہے اس میں کعب بن مالک انصاری، حسان بن ثابت انصاری،عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیر بن ابی سلمی کو موضوع بحث بنایا گیا ہے، خاکسار نے اس کتاب کا تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے،شعراء الرسول ایک تعارف،ابوسفیان اصلاحی،نعت رنگ،شمارہ:۹،۲۰۰۰ء،ص:۱۳۶۔۱۶۸

۳)محمد صدرالحسن ندوی کا یہ مقالہ بعنوان ''دراسات فی المدائح النبویۃ بالہند'' ہے۔ یہ پروفیسر عبدالباری کی نگرانی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ مقالہ ۲۰۰۷ء میں معہد الدراسات الاسلامیہ اورنگ آباد سے شائع ہو چکا ہے۔اس کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

۴)اس سمینار کی روداد کے لیے دیکھیے : ادب السیرۃ النبویۃ العربی فی العصر الحدیث، الطبعۃ الأولی،قسم اللغۃ العربیۃ وآدابہا جامعۃ علی گراہ الاسلامیہ، الہند، نے۲۰۱۲ء۔۲۰۱۳ء (صفحات ۲۸۰)

۵)وضاحت کے لیے دیکھیے : عربی شاعری میں حمد کا ارتقاء، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی،نقوش قرآن نمبر،شمارہ: ۱۴۶،۲۰۰۱ء، ادارہ فروغ اردو، لاہور،۴/ ۵۸۵۔۶۵۸

۶)ابوالعتاہیہ: ابونواس اور اسماعیل صبری کی مدحیہ شاعری ، ابوسفیان اصلاحی، مجلّہ نعت رنگ کراچی، شمارہ:۷، اگست ۱۹۹۹ء،ص:۱۴۳۔۱۷۴

۷)وضاحت کے لیے دیکھیے :تفسیر نظام القرآن،علامہ حمیدالدین فراہی، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء،ص: ۵۳۱۔۵۳۲

۸)وضاحت کے لیے دیکھیے : سیرۃ النبی ، علامہ سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی ۲۰۰۳ء،

۳۶۶/۴_۳۶۸

۹)تفسیر نظام القرآن،ص۵۳۱،مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا حمیدالدین فراہی اور سید سلیمان ندوی، ابوسفیان اصلاحی، مجلّہ فکرونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان، ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ/جنوری۔مارچ ۲۰۰۱ء، ۳/۳۸، ص:۶۹_۱۰۲

۱۰)وضاحت کے لیے دیکھیے: الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، سرسید احمد خاں، نفیس اکیڈمی، کراچی، پہلا ایڈیشن مارچ ۱۹۶۴ء،ص:۴۱۳_۴۹۳

۱۱)سرسید کی معروف کتاب ''تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام'' میں بشارت رسول پر عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔اور لفظ 'فارقلیط' کی حقیقت دریافت کی گئی ہے۔

۱۲)سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی ۲۰۰۳ء، ۱/۱۲۰

۱۳)یہ مقالہ بزبان عربی ہے، یہ تحقیقی مقالہ راقم الحروف کی نگرانی میں ترتیب دیا گیا ہے۔محترمہ کو علی گڑھ یونیورسٹی نے عربی زبان وادب میں پی ایچ.ڈی.کی سند عطا کی ہے۔

۱۴)شوقی اور اس کا قصیدہ ''الھمزیۃ النبویۃ'' ابوسفیان اصلاحی، مجلّہ نعت رنگ کراچی، شمارہ: ۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء، ص:۲۱۹_۲۴۷

۱۵)وضاحت کے لیے دیکھیے: شعراءالرسول،ص:۱۲۳_۳۷۹

۱۶)ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی نے قصیدہ بردہ کا منظوم ترجمہ کر کے صاحبان اردو پر احسان کیا، دیکھیے فروغ نوا، رئیس احمد نعمانی، مجلس مطالعات فارسی، علی گڑھ، شاعت اول ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء،ص:۹۷_۱۳۹

۱۷)حافظ ابراہیم کے انتقال پر شوقی نے ایک مرثیہ کہا جس میں ان کی شاعرانہ حیثیت کا بھی ذکر ہے۔ دیکھیے: الشوقیات، شوقی بک، مطبعۃ الاستقامہ، قاہرہ، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء، ۳/۲۲_۲۴

۱۸)پورے قصیدے کے لیے دیکھیے: الشوقیات، شوقی بک، مطبعۃ الاستقامہ، قاہرہ، ۱۹۵۳ء، ۱/۳۶_۴۳

۱۹)وضاحت کے لیے دیکھیے: شعراء الرسول،ص:۵۹۷۔۵۱۳، ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی نے قصیدہ،''بانت سعادٗ' کا خوبصورت منظوم ترجمہ کیا ہے۔ یہ ایک بڑی خدمت ہے۔اسی کے ساتھ اختصار کے ساتھ کعب بن زہیر کا اچھا تعارف بھی پیش کیا ہے۔ دیکھیے: چراغ نوا، رئیس احمد نعمانی، اشاعت اول، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء،ص: ۴۰۔۵۴

۲۰)وضاحت کے لیے دیکھیے شعراء الرسول،ص:۱۲۳۔۳۷۹

۲۱)وضاحت کے لیے دیکھیے: داعی السماء،عباس محمود العقاد، دار سعد،مصر، ۱۹۴۵ء،ص: ۱۷۵۔۱۷۸

۲۲)یہ کتاب اپنی جامعیت میں مثالی ہے۔ ۴۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۵ء میں دارالفکر العربی سے شائع ہوا ہے۔

۲۳)'سیرۃ النعمان' مکتبہ برہان دہلی سے جمادی الاول ۱۳۷۶ھ/ دسمبر ۱۹۵۶ء، میں شائع ہوئی ہے۔۲۲۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کی سطور ۱۵ دسمبر ۱۸۹۳ء کو علی گڑھ میں پائے تکمیل کو پہنچی تھیں۔

۲۴)امام شافعی کی یہ کتاب 'المطبعة الکبری الأميريه ببولاق مصر المحمية' سے شائع ہوئی۔اس کا پہلا حصہ ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۵) آزاد بلگرامی کے حیات وآثار کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ (زیراہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور) ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء، ۱/۱۰۴۔۱۱۰، مزید دیکھیے: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (تالیف: السید غلام علی آزاد بلگرامی) تحقیق: الدکتور محمد فضل الرحمٰن الندوی السیوانی معهد الدراسات الاسلامیة ، جامعہ علی کرہ الاسلامیہ، علی کرہ (الہند، الطبعة الاولی ۱۹۷۶ء، (۹۔۱۰۔۹۹Introduction)

۲۶)وضاحت کے لیے دیکھیے: مقالات شبلی، (مرتب مولوی مسعود علی ندوی)، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۳۵۴ھ،۵/ ۱۱۸۔۱۳۵

۲۷)وضاحت کے لیے دیکھیے: موازنہ انیس و بیر، علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین،شبلی اکیڈمی، اپریل ۲۰۰۴ء،ص: ۵۔۸

پروفیسر انوار احمد زئی ۔کراچی

پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر......ایک مطالعہ

ABSTRACT:

Professor Anwar Ahmad Zai has introduced a book 'Pakistan Main Urdu Naat ka Adabi Safar' written by Dr. Aziz Ahsan. Professor Ahmad Zai has applauded the efforts of author of the book and has delineated some salient features of the same with his analytical notes. He has also added some references of Books published in Hyderabad with the names of Poets and compilers of certain collections of devotional poetry, in his article. He has also appreciated the insight of the author to provide literary evaluation of poetic matter presented in the book.

ڈاکٹر عزیز احسن کا نام نعتیہ ادب کے انتقادی حوالوں میں اب استناد کے درجے پر ہے۔موصوف کا پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ بھی نعت کی تاریخ کے ساتھ اس کے ارتقاء اور بطور صنفِ ادب جیسے موضوعات پر مشتمل تھا جسے موصوف نے اس شان سے نبھایا کہ یہ مقالہ صنفِ نعت کی تفہیم اور تحسین کا حوالہ بن گیا۔

یہاں یہ بات کرنا غیر متعلق نہیں ہوگا کہ ڈاکٹر عزیز احسن کے یہاں نقد و نظر کے پیمانے بھی روایتی اور رواجی نہیں ہیں۔ ان کے انتقادی رویے میں جو ارتکازِ فن نظر آتا ہے وہ ان کے درون کے جذبوں کا آئینہ دار ہے۔ وہ محض تحقیق کی غرض سے فن نعت گوئی کا مطالعہ نہیں کرتے بلکہ وہ حُبِّ رسول کی سرشاری کی ناقابل بیان خوشبو سے مشامِ جاں کو معطر کرتے ہیں اور پھر اپنے موضوع کو اسی کیفیت

سے معتبر کرتے نظر آتے ہیں۔ اس قدر یقین سے یہ تاثر قائم کرنے کی وجہ میرے سامنے ان کی تازہ کاوش ہے جسے ''پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر'' کا عنوان دیا گیا ہے۔

نعت ریسرچ سینٹر کراچی کے زیرِاہتمام شائع ہونے والی اس انتقادی دستاویز کو کیا نام دیا جائے؟ یہ سوال مشکل ہے۔ اس لئے کہ عموماً بعض تخلیقات کو آسانی کے ساتھ کسی ایک عنوان کے تحت لے آیا جاتا ہے اور پھر اسے تحقیقی کام، تنقیدی جائزے، تاریخی کاوش یا توسیعی، توصیفی، توجیہی نوعیت کی اصطلاح سے تعبیر کر دیا جاتا ہے مگر یہ سب تقاضے اگر یکجا نظر آئیں تو آپ اس نگارش کو کیا نام دیں گے۔ سوائے اس کے کہ اسے بھی نعت سے نسبت کا صدقہ یا تصرف تسلیم کرلیا جائے اس لئے کہ عزیز احسن کا منشورِ حیات ہی یہ ہے کہ

اک صنفِ سخن جس کا تعلق ہے نبیؐ سے
صد شکر کہ نسبت ہے طبیعت کو اسی سے

''پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر'' میں موجود یہ اشارہ بجائے خود اہم ہے کہ ماضی قریب تک اردو کے علمی خزینے میں نعتوں کی خوشبو تبرک کے طور پر محسوس ہوتی تھی۔ شاعری کے مجموعوں میں حمد و نعت سے آغاز کو ایمانی جمال سے آراستہ اور فکری جہت سے مرصع جان کر تبرک کا استعارہ سمجھا جاتا تھا، اور بس!! پھر یوں ہوا کہ نعت کو جو ازمنہ قدیم ہی سے بطور صنف ہمارے روحانی اور ایمانی ورثے میں اپنا خاص اور مقتدر مقام رکھتی چلی آئی ہے، اسے نئے جذبوں اور نئے اسلوب کے ساتھ کہا جانے لگا جس کے لئے ڈاکٹر عزیز احسن نے اپنی جانب سے ایک عجب دعویٰ کیا ہے جس پر یقین کرنے کو جی چاہتا ہے، وہ کہتے ہیں ''میرے نزدیک اقبال کا یہ شعر جدید نعتیہ شاعری کا نقطۂ آغاز ہے۔''

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اگر ڈاکٹر عزیز احسن کا یہ دعویٰ درست مان لیا جائے تو اقبال کے تخصصات میں ایک امتیاز کا اور اضافہ ہوگا جس پر مزید کام کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی عزیز احسن نے کچھ ایسے شعراء کے ایسے نعتیہ اشعار بھی اس کاوش میں شامل کئے ہیں جن سے ندرتِ اظہار کے نئے دریچے کھلتے ہیں...... فی الحال اس تعلق سے ایک حوالہ!

''باریاب'' میں انور مسعود، جو شعری نسبتوں میں اپنی وجۂ شہرت مزاحیہ و فکاہیہ انداز سے رکھتے ہیں، جب نعت کہتے ہیں تو عجب رنگ کے ساتھ:

وہ چاہتا تھا رہ و رسمِ زندگی بدلے
بگڑ گیا تھا جو اندازِ بندگی بدلے
بھٹک گیا تھا جو اسلوبِ آگہی بدلے
اُسے یہ دُھن تھی کہ اندر سے آدمی بدلے
وہ دورِ حضرتِ گردوں رکاب کیا کہنا
وہ انقلابِ سعادت مآب کیا کہنا

ندرتِ اظہار، شاعر کی ذات سے وابستہ ہوتی ہے مگر اس کو استحسان کی منزل سے گزار کر تقابلی انداز میں نعت فہموں تک پہنچانا اپنی جگہ قابلِ تحسین بات ہے۔

عزیز احسن نے اپنی تازہ کاوش میں کمال یہ کیا ہے کہ پہلے تو آزادی کے بعد نعت کے تعلق سے پاکستان میں ہونے والی یا محسوس کی جانے والی یا تسلیم کی جانے والی ارتقائی کیفیت کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا۔ اس میں ایک طرف تو نعت گو شعراء میں سے ہر ایک کا مختصر ادبی تعارف اور فکری تاثر پیش کیا اور پھر التزام کے ساتھ ان کے نمونہ ہائے کلام دیئے ہیں، دوسری طرف ان تخلیقات کے پس منظر کو اور

رسائل و جرائد کے حوالوں کو مرکوزِ نظر رکھا گیا ہے۔ پھر جن نعت گو شعراء کے مجموعہ ہائے کلام منصۂ شہود پر آ چکے ہیں ان کے حوالے اور اشارے دیئے گئے ہیں جبکہ نہایت اہم اور موضوع سے ذرا مختلف مگر چونکا دینے والا بظاہر لازمی اور ضروری موضوع آخر میں شامل کیا گیا ہے اور یہ حصّہ آدابِ نعت گوئی کے بارے میں۔ گویا کہ نعت کہنے کو طبیعت کس شاعر کی نہیں چاہتی مگر صرف رجحانِ طبع ہی کافی نہیں اس فن کو برتنے اور اس نعمت کو حاصل کرنے کے لئے جس احتیاط، اہتمام، التزام اور احترام کی ضرورت ہے اس کا مختصر نصاب بھی دیدیا گیا ہے۔ اسی لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ نعت پر متذکرہ موضوع کا ہرگز یہ تقاضہ نہ تھا کہ اس آخری باب کو بھی ضبطِ تحریر میں لایا جاتا مگر سچ یہ ہے کہ یہی القائی کیفیت ہے جو عزیز احسن کے جذبۂ حُبِّ رسولؐ کا انعام ہے۔

اس تحقیقی اور تنقیدی (انتقادی) زاویوں پر مشتمل اس تخلیق میں کئی مراحل ایسے آتے ہیں جہاں رک کر بار بار زیرِ بحث ذیلی عنوان پر غور کرنے کو جی چاہتا ہے اور پھر اس میں مصنف کے اپنے خیال کی پرکھ کی داد کے ساتھ ساتھ موضوع کو آگے بڑھانے کو بھی جی کرتا ہے۔ ایسا ہی ایک مرحلہ دورانِ مطالعہ اس وقت آیا جب موصوف نے حضرت ابوالخیر کشفی کے ایک اعتراض کو محاکاتی انداز میں بیان کیا ہے۔ کشفی مرحوم کا اعتراض فیض احمد فیض پر تھا کہ انہوں نے (فیض نے) اتنا کہا اور شاعری کی دنیا میں اہم مقام حاصل کرلیا مگر انہیں نعت کہنے کی توفیق نہ ہوئی۔ یہ اعتراض جب فیض تک پہنچا تو انہوں نے ہاجرہ مسرور کے گھر پر ہونے والی ملاقات میں کشفی مرحوم سے کہا ”آپ تو ادب کے استاد ہیں، کیا آپ اپنے طالب علموں کو اس بُتِ ہزار شیوہ سے متعارف نہیں کراتے جسے غزل کہتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمدردی اور دلِ بیدار کے ساتھ میری غزلوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو نعت کے اشعار مل جاتے“ اور پھر فیض نے اپنا یہ شعر پڑھا۔

شمعِ نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں، تری محفل سے آئے ہیں

بات یہاں تک ہوتی تو موضوع سے متعلق ان کے تقاضے پورے ہوجاتے مگر عزیز احسن نعت گو بھی ہیں اور نعت فہم بھی اس لئے ان سے نہ رہا گیا اور انہوں نے فیض اور کشفی مرحوم کے مکالمے میں خود کو شامل کرلیا (عملاً نہیں تبصرے اور انتقادِ فنِ نعت گوئی کی صورت، اس نگارش کو تکمیل تک لے جانے کے لئے) سووہ رقمطراز ہیں:

> ''فیض صاحب کے مکالمے کے بعد کشفی صاحب تو مطمئن ہوگئے تھے لیکن نعتیہ ادب کو معروضی انداز سے دیکھنے والے تو اس شعر میں بھی ''جگر کے داغ'' کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل سے انتساب مناسب نہیں سمجھتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سراپا رحمت ہیں، ان کی محفل میں تو جگر کے داغ مٹائے جاتے ہیں۔ زخموں کے لئے نگاہِ لطف وکرم کا مرہم فراہم کیا جاتا ہے۔ وہاں داغ نہیں ملتے، داغوں کا مداوا کیا جاتا ہے۔''

یہ ہے معروضی انتقادی رویہ، جس میں بے لاگ تبصرہ اور بے غرض اور برملا اظہارِ تمنا صریرِ خامہ بن جاتا ہے۔ مجھے اس مرحلے پر یہ خیال بھی آیا کہ حضرت فیض نے اپنی غزلوں میں ایسے اشعار کی تلاش کا کام قاری پر کیوں چھوڑ دیا جہاں ان کے بقول بتِ ہزار شیوہ صفت غزل میں کوئی حوالۂ بت شکن بھی آسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے عزیز احسن کی فکری جہت کی تائید میں یہ خیال بھی آیا کہ خود ہم نے بطور سامع بھی اپنے انداز اور رویے سے ایسی غلطیاں کی ہیں جن کے باعث مجرد غزل اور نعت کی تفہیم میں الجھاؤ پیدا ہوگیا ہے۔ مانا کہ نعت گوئی کے لئے کسی بھی صنفی سانچے کی ضرورت نہیں۔ نعت غزل کے انداز میں بھی ہوسکتی ہے اور نظم یا کسی اور صنف کی صورت میں بھی، مگر اس کا اظہار اتنا واشگاف ہونا چاہئے کہ اسے نعت یا نعت کا شعر ہی سمجھا جائے، اسے سمجھانے کے لئے کسی شارح، کسی ناقد، کسی ناصح اور کسی استاد کی ضرورت پیش نہ آئے۔ یہ بات میں اس لئے بھی عرض کررہا ہوں کہ ہم نے بعض غزلوں کو اور خصوصاً فارسی غزلوں کو جو مقتدر شعراء اور اکابر سخنوروں

سے منسوب ہیں انہیں قوالوں کے گائے جانے پر نعت سمجھ لیا ہے، اس کی تصحیح بہت ضروری ہے۔ ایسی مثالیں کئی ہیں، خفیف سے اشارے کے طور پر تو حضرت امیر خسرو کی غزل کے اس مطلع کو بھی بنایا جاسکتا ہے کہ:

خبرم رسیدہ ام شب کہ نگار خواہی آمد
دلِ من فدائے را ہے کہ سوار خواہی آمد

اس غزل کے اگلے اشعار صاف طور پر بلکہ چیخ چیخ کر اسے روایتی غزل بتا رہے ہیں اور قوالی میں غزل سن کر داد دینے پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے بلکہ متدین اکابر اور صوفیا غزلوں کی سماعت بھی بڑی توجہ اور محبت سے کرتے رہے ہیں، مگر انہیں نعت سمجھ کر سننا، اپنی جگہ جواب طلب سوال ہے۔ ایسی دوسری مثال بھی حضرت امیر خسرو کی شہرہ آفاق غزل سے منسوب ہے جس کا مطلع ہے۔

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم

اس مطلع میں پھر بھی خفیف سے نعتیہ اشارے کی موجودگی کو قبول کر بھی لیا جائے تو اس غزل کے اگلے اشعار تو پھر توجہ اور سوچ دونوں کو دعوت دیتے ہیں، یعنی یہ کہ:

پری پیکر نگارے سرو قدِ لالہ رخسارے
سراپا آفت دل بود شب جائے کہ من بودم

خصوصاً آفتِ دل کی ترکیب، تفکرِ مزید کی دعوت دیتی ہے...... البتہ اس غزل کا مقطع یقیناً نعت ہے یعنی یہ کہ:

خدا خود میرِ مجلس بود اندر لا مکاں خسرو
محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

اسی طرح کسی غزل میں التزاماً نعت کا شعر آجائے تو اس کی وجہ سے پوری غزل کو نعت سمجھنا مناسب

نہیں اس لئے یہ عمل عزیز احسن ہی کے انتقادی رویوں کا مطالبہ کرتا ہے۔

نہ جانے کیوں مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ حضرت امیر خسرو کی متذکرہ بالا غزل کے بارے میں ہمارے سوئے ظن ہی کے تناظر میں رحمٰن کیانی نے یہ اشعار تخلیق کیئے جن کا تذکرہ کسی حوالے کے بغیر عزیز احسن نے بھی کیا ہے۔

ان کی توصیف میں بھی سوء ادب کی باتیں
نعت میں ساقی و مے، بزمِ طرب کی باتیں
بے محابانہ قد و عارض و لب کی باتیں
شام ہجراں کا بیاں وصل کی شب کی باتیں
ایسی باتیں کہ اگر منہ سے نکل جاتی ہیں
سن کے بے پردہ خواتین بھی شرماتی ہیں
باعثِ شرم و ندامت ہیں جو سوچیں سمجھیں
حسن اور عشق نگاراں کی رواجی باتیں
قافیوں اور ردیفوں کو بدل کر جن میں
شاعرانِ عجم و ہند کی بنتی نعتیں
تالیاں پیٹ کے سُر تال میں گانے کے لئے
زیرِ محرابِ حرم رقص دکھانے کے لئے

اس تعلق سے ذرا عزیز احسن کا تجزیاتی اور تقابلی جائزہ ملاحظہ فرمائیں، وہ کہتے ہیں کہ:

''حالی سے قبل کی نعتیہ شاعری کا وافر حصہ ایسے ہی مضامین پر مشتمل تھا۔ حالی نے مسدس میں چند نعتیہ بند لکھ کر اس روش کو بدلنے کی کوشش کی اور یقیناً بعد کی شاعری پر حآلی کے نظریۂ نعت کے اثرات مرتب ہوئے اور سیرت النبیؐ کے جواہر نعتیہ اشعار میں اپنی چمک دکھانے لگے۔''

عزیز احسن نے اپنے طویل تجزیاتی مقالے میں خود ہی اپنی محدودات اور مقصودِ تحقیق کو بیان کر دیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''اس مقالے میں ہمیں مختصراً یہ بتانا ہے کہ پاکستان میں نعت میں کن کن شعراء کی شعری کاوشیں منظرِ عام پر آئیں۔ کن کن شعراء نے اس صنف کو باقاعدہ صنفِ سخن کے طور پر اپنایا اور کون کون سے اہل ہنر مدحیہ شاعری میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ نعت گوئی کا علمی سطح پر کن کن لوگوں نے تنقیدی اور تحقیقی جائزہ لیا۔ اور یہ کام کس حد تک اطمینان بخش ہے۔ اسی طرح یہ بھی دیکھنا ہے کہ مختلف شعراء کے انفرادی نعتیہ مجموعوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اجتماعی انتخاب مرتب کرنے میں کن کن اہلِ فکر ونظر نے دلچسپی لی اور ان کی ان کاوشوں سے نعت کو ادبی سطح پر روشناس کرانے میں کیا مدد ملی؟''

اپنے منشور کے اس واشگاف اعلان کے بعد جس طرح اس مقصد کے حصول کے لئے تحقیقی زاویے بنا کر عزیز احسن نے اپنے اہداف پورے کئے ہیں انہیں دیکھ کر مسرت بخش حیرت ہوتی ہے اور رشک بھی آتا ہے۔ کتنا بڑا ذخیرہ نعت ہے جس سے گزرنے کی ہمت کی گئی ہے اور کس قدر وسیع جولانگاہِ فکر ہے جس کا احاطہ کیا گیا ہے اس تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ عزیز احسن کا تازہ کام بھی تحقیقی منصب کے جملہ تقاضے پورے کرتا نظر آتا ہے اور کسی بھی طرح پی ایچ ڈی کے مقالے کا ہم سر ہے۔ خدا کرے کہ انہیں اس کام پر ڈی لٹ کی سند کا مستحق سمجھا جاسکے۔

عزیز احسن کے موجودہ کام میں جو ایک اور امتیازی شان محسوس کی جاسکتی ہے وہ ایک جیسے مضامین یا ایک ہی زمین کی تعریف میں آنے والی نعتوں کا خوبصورت اور بدیہی حوالہ، اکابر شعراء اور خصوصاً فارسی سرمایے سے تعلق کا اشارہ کرتے ہوئے گزرتے ہیں جس کی وجہ سے ایک ہی نظر میں قاری کو

اساتذہ کے کلام سے ہم رنگ جدید شعراء کے انداز کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ان میں خسرو، سعدی، جامی، امیر مینائی، غالب، حالی اور اقبال سب آجاتے ہیں، کچھ اشارتاً کچھ کنایتاً...... اور کچھ صراحتاً

اسی طرح عزیز احسن نے غیر مسلم شعراء اور خصوصاً صاحبانِ کتب شعراء کی نعتوں کا بالالتزام تذکرہ کیا ہے جس سے اندازا ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ کی شخصیت بلاامتیازِ مذہب و مسلک سب کے لئے نمونہ علم و عمل ہے۔ اس نوع کے حوالے تشکیل پاکستان سے قبل بھی ملتے ہیں اور بعد میں بھی۔ یہاں عزیز احسن نے بطور خاص مسیحی نعت گو نذیر قیصر کی شاعری کو بھی موضوع بنایا ہے اور اس ضمن میں جو خلاقانہ فقرہ تشکیل دیا ہے اسے شاعر کے جملہ کلام پر اجمالی تبصرہ کہا جاسکتا ہے، وہ کہتے ہیں:

''نذیر قیصر کی مدحیہ شاعری کا محرک آرزوئے تخلیق کا بے ساختہ پن ہے جس نے اس شاعری کو پرکشش بنادیا ہے''

ان کے صرف دو اشعار

چوموں پاؤں ہجرت والے
ہجرت والے برکت والے
کونپل کونپل شبنم شبنم
لمحے بھیج ، بشارت والے

منفرد انداز، حِسّی کیفیت، محسوساتی منصب اور عقیدت سے آراستہ تمنا۔ مجھے یہاں ایک اور غیر مسلم شاعر یاد آرہا ہے جس کا مولود پاکستان ہے، خطہ نوشہرہ ہے اور جو پاکستان کی تشکیل کے بعد بہت برے حال میں نقل مکانی پر مجبور ہوا تھا اور جس نے اور نعتوں کے ساتھ ایک نعت، نظم کی صورت میں، جدّہ کے مستقر پر اس دوران کہی جب وہ ریاض جانے والی پرواز کے انتظار میں تھا، اس نعت کا روپ اور آہنگ بھی جدا ہے، اس لئے میں نے چاہا کہ اس قدر وقیع اور بسیط کاوش سے آراستہ اس کتاب میں یہ نعت بھی آجائے۔ شاعر کا نام ہے ستیہ پال آنند اور نعت یوں ہے!

حضورِ اکرمؐ

فقیر اک پائے لنگ لے کر

سعادتِ حاضری کی خاطر

ہزاروں کوسوں سے آپؐ کے در پر آ گیا ہے

نبیؐ برحق

یہ حاضری گرچہ نامکمل ہے

پھر بھی اسے قبول کیجئے

حضورؐ، آقائےؐ محترم

یہ فقیر اتنا تو جانتا ہے

کہ قبلۂ دید صرف اک فاصلے سے اس کو روا ہے

اس کے نصیب میں مصطفیٰؐ کے در کی تجلیاں دور سے لکھی ہیں

نبی اکرمؐ

وہ سایۂ رحمتِ پیمبرؐ

جو صف بہ صف نمازیوں کے سروں پہ ہے

اس کا ایک پرتو

ذرا سی بخشش

ذرا سا فیضانِ عفو و رحمت

اسے بھی مل جائے

جو شہہ مرسلیںؐ

دست دعا اٹھائے کھڑا ہے اک فاصلے پہ، لیکن

نمازیوں کی صفوں میں شامل نہیں ہے آقا

عزیز احسن نے یوں تو ہر شاعر اور اس کی خدمات کا نہایت عمدہ اور مربوط طرز میں احاطہ کیا ہے مگر

خصوصیت سے جن شعراء کی کاوشوں کا تفصیلی ذکر کرنا مناسب سمجھا ان میں دیگر کے علاوہ لالہ صحرائی اور صبیح رحمانی شامل ہیں۔ ان دونوں کی علمی کاوشوں کا تقاضہ بھی یہی تھا تاہم میں یہاں بطور خاص ترویج نعت اور تفہیم نعت کے تعلق سے جو کام عزیز گرامی قدر صبیح رحمانی نے انجام دیا اور مسلسل دے رہے ہیں اس کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں چنانچہ موضوعِ متعلقہ کا تقاضہ ہے کہ اسے بطور خاص سمجھا جائے۔ صبیح رحمانی نہ صرف نعت گو ہیں بلکہ انہوں نے اپنے فن کو صرف حمد و نعت گوئی ہی کے لئے وقف کر رکھا ہے اور پھر جب وہ نعت کہتے ہیں تو حسن و جمال کے سارے تقاضے پورے کرنے کے بعد وجدان وشعور کے در وا کرنے کا بھی غیر محسوس اہتمام کرتے ہیں جس کا صرف ایک حوالہ ان کے فن کی گہرائی اور گیرائی کا شاہد بن سکتا ہے۔ مطلع ہے:

ہوش و خرد سے کام لیا ہے

انؐ کا دامن تھام لیا ہے

اس کے ساتھ ہی ان کے کتابی سلسلے ''نعت رنگ'' نے جو عالمی ادب پر اثرات مرتب کئے ہیں اور جویانِ علم کے لئے سامان سیرابی فراہم کیا ہے وہ خاصّے کی چیز ہے اس لئے پاکستان میں اردو نعت کے ادبی سفر میں اس پرچے کا تذکرہ مردف غزل میں ردیف جیسا لازمی درجہ رکھتا ہے۔

عزیز احسن نے اپنے مقالے کے لئے موجود منابع سے ممکنہ حد تک استفادہ بھی کیا ہے اور ان کا احاطہ بھی۔ اس ضمن میں خود عزیز احسن معترف ہیں کہ ''پاکستان میں نعتیہ ادب کی رفتار کا سال بہ سال جائزہ لینے کی روایت حفیظ تائب مرحوم نے قائم کی تھی۔ راجا رشید محمود، غوث میاں، چودھری محمد یوسف ورک قادری اور طاہر قریشی وغیرھم نے نعتیہ کتب کی فہرستیں تیار کیں۔'' عزیز احسن نے ان حوالوں کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ اس ذخیرۂ عظیم و بسیط کا احاطہ ایک مقالے میں ممکن نہیں اس لئے چیدہ چیدہ اشعار کو حوالہ بنایا جا رہا ہے مگر میرا خیال ہے کہ اس خزینۂ بے بدل کا جس طور عطر کشید کیا گیا ہے وہ اس مقالے کو طبلۂ عطار بنا رہا ہے۔

عزیز احسن نے ہر صنفِ سخن میں کہی جانے والی نعتوں سے اپنے مقالے کو مرصع کیا ہے، ان میں نظمیں بھی ہیں، غزلوں کے رنگ میں کہی گئیں نعتیں بھی، رباعی، مخمس، مسدس کے انداز میں آراستہ نعتیں اور پھر سرناموں کے اعتبار سے سلام اور قصیدے کے آہنگ میں کہی گئی نعتیں بھی۔ سلام میں اکبر وارثی میرٹھیؒ، احمد رضا خاں بریلویؒ، حفیظ جالندھری اور ماہر القادری کے مشہور عالم سلاموں کا حسین و جمیل تاثراتی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ اسی طرح قصائد کی طرز میں پیش کئے گئے ہدایۂ نعت کا خصوصیت سے تذکرہ ہے جس میں قدماء کے ساتھ عہد حاضر کے شعراء میں صبا اکبرآبادی کا قصیدہ (دست دعا میں) عبدالعزیز خالد کا منحمنا (طویل میمیہ قصیدہ) اور سبطین شاہ جہاں پوری کا قصیدہ (قلزمِ انوار میں) کی طرزِ ادا کو اہتمام و احترام سے موضوعِ سخن بنایا ہے۔

اسی طرح عزیز احسن نے نہایت محنت اور کاوش سے نعت گو شعراء کی فہرست بھی مرتب کی ہے اور اُن کے مجموعہ ہائے کلام کے ناموں کو بھی ضبطِ تحریر میں لائے ہیں تاہم بعض نام ایسے ہیں جنھیں اس فہرست کا حصہ بنایا جاسکتا ہے۔ ان میں نیر حامدی شامل ہیں جو احمد رضا فاضل بریلوی کے شہرۂ آفاق سلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی تضمین کے حوالے سے مشہور ہونے والے اختر الحامدی کے بڑے بھائی تھے اور ان کا نعتیہ مجموعہ ''نعت نیر'' کے زیرِعنوان موجود ہے۔ جن کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ہوتا ہے دم زدن میں وہ عاصی خطا سے پاک
جس پر ذرا ہو چشم عنایت رسولؐ کی

ان کے برادر اختر الحامدی کی نعت کے مجموعے کا نام ''فکر جمیل'' اور ''نعت نگر'' ہے اس کے علاوہ ان کے دو مجموعے مثنوی کی طرز میں ذکر ولادت اور ذکر سفر معراج کے موضوعات پر بھی نظم کئے گئے اور شائع ہوئے ہیں ان میں سے پہلے کا نام جمالِ رسولؐ ہے اور دوسرے کا کمالِ رسولؐ۔

خلیل مارہروی جو مفتی محمد خلیل خاں برکاتی کے نام سے ایک متدین اور مقتدر شخصیت تھے اور جنہوں

نے تقسیم کے بعد حیدرآباد میں پہلا دینی مدرسہ قائم کیا جو آج تک فیض رسانِ خاص و عام ہے او جس کا نام جامعہ احسن البرکات ہے۔ ان کا مجموعہ نعت بھی ''جمالِ خلیل'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس کی تقدیم معروف محقق ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے تحریر کی تھی۔ درد اسعدی، اسعد شاہ جہاں پوری کے شاگردِ رشید تھے، ان کی نعتوں کا مجموعہ ''چراغ کعبہ'' کے نام سے شائع ہوا اور راقم نے اس کی تقریظ لکھی تھی جبکہ درد اسعدی نے ۷۷ شعراء کے نعتیہ کلام کا انتخاب بھی شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا ''ثنائے خواجۂ کونین''۔ بسمل آغائی کی نعتوں کا مجموعہ ''سلسلہ خواب'' مجلس مصنفین نے ۱۹۸۰ء میں شائع کیا تھا۔ حبیب نقش بندی کے مجموعے کا نام ''نذرِ حبیب'' ہے اور اسے رضوی کتب خانہ اردو بازار لاہور نے ۱۹۹۰ء میں شائع کیا تھا۔ تہور زیدی کے نعتیہ مجموعے کا سرنامہ ''نمود صبح'' تھا اور یہ مجموعہ ۱۹۸۸ء میں حیدرآباد سے شائع ہوا۔ آباد محمدی کی نعتوں کے مجموعے کا نام ''ایوانِ نعت و سلام'' ہے جسے منظر بک ڈپو حیدرآباد نے شائع کیا۔ خادمی اجمیری کے مجموعۂ نعت کا نام ''نکہت و نور'' ہے جسے بزم فروغِ ادب حیدرآباد نے شائع کیا۔ بدر ساگری کا مجموعۂ نعت و حمد ''القلم'' کے زیرِعنوان ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ پیکر اکبرآبادی کے مجموعۂ نعت کا نام ''خیر الوریٰ'' ہے۔ ضامن حسنی کے نعتیہ کلام کے مجموعے کا نام ''ضامنِ حقیقت'' ہے جسے بزمِ فروغ ادب حیدرآباد نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ اسی طرح مقبول شارب کا مجموعۂ نعت بعنوان ''مہرِ جہاں تاب'' ۱۹۸۶ء میں بزم فروغِ ادب حیدرآباد کے زیر اہتمام شائع ہوا۔

ان سب شعراء اور ان کے مجموعہ ہائے نعت کا تفصیلی تذکرہ اور تعارف سہ ماہی ادبی مجلّہ ''عبارت'' کے حیدرآباد ادب نمبر میں موجود ہے تاہم اس وقیع مقالے میں ان ناموں کا اعادہ یقیناً اس موضوع پر تحقیقِ مزید کرنے کے لئے سودمند بھی ہوسکتا ہے اور شاید محرک بھی!!

دراصل نعت گوئی کا سفر کائنات فہمی کا سفر ہے۔ جیسے جیسے زمانہ ارتقاء پذیر رہے گا ویسے ویسے عالمِ امکاں احاطۂ تسخیر میں آتا رہے گا اور یہ ادراک حقیقت میں محتاج وجدان ہوگا۔ جسے عرفان کی ضیا ملے

گی صرف وہی ذاتِ رسالت مآب سے وابستگی اور سیرت رسول ختمیٔ مرتبت کی تفہیم وتقلید سے منزل یاب ہوگا۔ یہ کام ایک طرف محراب ومنبر سے ہوتا رہا ہے، ہورہا ہے، ہوتا رہے گا۔مگر دوسری طرف عہد موجود کے نوجوان کو نئے امکانات سے روشناس کرانے اور طبیعات سے مابعد الطبیعات تک کے سفر سے آشنا کرنے کے لئے نعت گو شعراء کے لفظ ومعنیٰ صوت وآہنگ اور دہانِ سپاس گزاراں ہی کو ذریعہ بنایا جائے تو تاثیرِ افکارِ جمیل سے نشاۃ الثانیہ کی سبیل ہوسکے گی۔اس حوالے اور تعلق سے ہر نعت گو کی سعیٔ جمیل وحسین اور اس ارتقائی سفر کو تجزیاتی تحقیق اور انتقادی استناد سے گزارنے والی شخصیات کو توفیق الٰہی اور کراماتِ رسول محترمؐ سے یقیناً مقبولیت کی منزلت نصیب ہوگی (انشاء اللہ) اور ان میں عزیز احسن جیسے سرتاپا فدائے حبِ نبیؐ کا نام شامل ہو یہ تمنا اس کتاب کے ہر قاری کی ہوگی جو میری بھی ہے اور یہ آرزو بھی اس عزم کے ساتھ جو خاطر غزنوی کی زبان سے یوں ہے۔

آؤ مستقبل کو نکھاریں نعت کہیں
چن لیں حال کی سب مہکاریں نعت کہیں

گنبدِ خضریٰ کی ہریالی آنکھ میں ہے
موسمِ دل پر چھائی بہاریں نعت کہیں

ذکر نبیؐ کی شبنم شبنم چلی ہوا
رحمت کی ہر سو ہیں پھواریں نعت کہیں

ایک سفر ہے عشق سمندر صحرا کا
آؤ کشتی پار اتاریں، نعت کہیں

حاصلِ مطالعہ..........................ڈاکٹر عزیز احسن

کتاب: سِفْرِ نعت   شاعر: جمشید کمبوہ

ہم تھوڑے بہت اردو سے واقف ہونے کے باعث صرف یہ جانتے ہیں کہ ایک لفظ سَفَر ہوتا ہے جس کے معنی انگریزی میں Travel کے ہیں۔اس لیے جب ''سِفْرِ نعت'' ہاتھ میں آئی تو پہلے پہل یہی سمجھے کہ جمشید کمبوہ نے نعت کا سفر طے کرنے پر کتاب کا بھی وہی نام رکھ دیا ہے۔لیکن جب غور سے دیکھا تو کتاب کے نام میں ''س'' کے نیچے زیر پایا اور ''ف'' پر جزم......تو معانی کی جستجو ہوئی۔الحمدللہ! صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری، سجادہ نشین آستانہء عالیہ نوریہ قادریہ و مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ نورالحبیب، کی تحریر میں سِفْر کے معنی بھی مل گئے۔ انہوں نے لکھا......سِفْر نعت (سین کی زیر سے) عربی لفظ ہے جس کا معنی ہے ''کتاب'' اس کی جمع اسفار ہے۔۔۔سو سِفْرِ کا معنی ہوا کتابِ نعت۔۔۔'' (صفحہ ۲۲)

سِفْرِ نعت میں نام کی جدت تو ہے لیکن یہی جدت اردوداں کتاب خواں کو جہانِ معانی کی بھول بھلیوں میں بھی داخل کرسکتی ہے۔ بہرحال علمی دنیا میں کوئی کسی مصنف سے یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنی کتاب کا نام عام فہم ہی رکھے!

کتاب کے نام سے مجھ ناچیز تبصرہ نگار پر جو رعبِ علمی پڑا تو سوچا کلام میں بھی عربیت ہوگی!......لیکن مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ شاعر نے بیشتر اشعار سہلِ ممتنع میں کہے ہیں۔ زبان بڑی سادہ اور بیان کسی قسم کے ابہام اور الجھاؤ سے مبرا ہے۔ ذرا ملاحظہ ہوں یہ چند اشعار:

درودوں کے لب پر سجا کر ترانے
درِ مصطفیٰ پر غلام آگیا ہے
کبھی غلاموں کو دے رہے ہیں وہ باغِ جنت کی راہ داری

کبھی فقیروں کو دستِ رحمت سے جامِ کوثر پلا رہے ہیں
زندگی میں جو بنادے ہر عمل سنت نما
رحمۃ للعلمیں! وہ چشمِ رحمت چاہیے
مرے رو بہ رو ہے یہ جنت کا نقشہ
درو بامِ طیبہ نظر آگئے ہیں
آپ کا فرمانِ عالی مرتسم ہے ذہن پر
ہر نفس قرآن و سنت ہے نظر کے سامنے
عشاقِ محمد ہی یہ راز سمجھتے ہیں
قرآں کی تلاوت بھی توصیفِ رسالت ہے

یہ اشعار بغیر کسی کاوش کے صرف صفحات پلٹتے ہوئے منتخب کر لیے ہیں۔ان چند اشعار کی قراءت سے پوری کتاب کا مزاج، شاعر کا اسلوب اور متن کی شفاف بنت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کتاب پر اپنی تنقیدی بصیرت کا عکس ڈالنے والے کئی حضرات کے نام ضوور ریز ہیں۔ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر عبدالعزیز ساحرؔ، پروفیسر محمد افتخار شفیع، سید ریاض حسین زیدی، راجا رشید محمود، صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری اور صاحبزادہ محمد فیض الحبیب اشرفی۔

''حرفِ عجز'' کی خواندگی سے اندازہ ہوا کہ شاعرِ سفرِ نعت، جواں سال ہیں۔ ان کی پیدائش کا سال ۱۹۷۰ء ہے۔اس عمر میں نعتیہ شاعری کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ''صاحبِ سلسلہ'' ہیں اور ان کا قیام بھی پاک پتن شریف میں ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

> ''ان (جمشید کمبوہ) کی شاعری دراصل نسبت کے حوالے کی شاعری ہے۔یہ نسبت اپنے اندر محبت کا محوری حوالہ رکھتی ہے۔ان کی شاعری میں جا بجا قرآن و حدیث کے حوالے، اسی منزہ نسبت کی دلآویز توسیع ہیں۔ان کی زمینیں نعت کی معروف زمینوں کے علاوہ تازہ کاری اور جدت طرازی کے حُسن سے بھی مالا مال ہیں۔ان کے بیان میں نغمگی و سلاست موجود ہے''۔

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحرؔ رقم طراز ہیں:

''عشق و محبت کا جمالیاتی احساس صداقتِ خیال کے منظر سے طلوع ہو کر جب تخلیق کا لبادہ اوڑھتا ہے، تو اس کے فکری اور معنوی دروبست میں تخلیق کار کی داخلی اور وجدانی کیفیات لفظ و بیان کے قرینوں میں ڈھل جاتی ہیں۔ اس تاثر کی اثر اندازی کی مثالیں جمشید کمبوہ کے پیشِ نظر مجموعے میں جابجا ملتی ہیں''۔

پروفیسر محمد افتخار شفیع نے لکھا:

''یہ نعتیں شستہ اور پاکیزہ ذوقِ سخن کی حامل ہیں۔ ان میں داخلی و خارجی کیفیات بھی ملتی ہیں اور معاشرت، اجتماعی اور کائناتی موضوعات و مسائل کا تذکرہ بھی ہے۔ کیفِ ہجراں اور اشتیاقِ زیارت و دیدار بھی ہے اور سلیقہء مدحتِ سرکار بھی۔ سب سے بڑھ کے جو شے انھیں ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہے وہ سرکارِ مدینہ کے اتباع و تقلید کی دعوت، بارگاہِ رسالت میں استغاثہ، آشوبِ امت کا ذکر اور اسوہء حسنہ پر عمل پیرا ہو کر خدائے عزوجل تک رسائی کا پیغام ہے''۔

تمام ناقدینِ فن کی آراء کا احاطہ کرنا تو اس مختصر تبصرے میں ممکن نہیں لیکن ان چند اقتباسات سے کلام کی عظمت اور کلیم کی سیرت کا اندازہ لگانا بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔ کتاب کا سرورق دیدہ زیب ہے۔ جلد بھی مضبوط ہے اور کاغذ بھی سفید ہے۔ قیمت =/Rs.250 کتاب کے حجم کے اعتبار سے کچھ زیادہ لگتی ہے۔ علمی بک ہاؤس، اردو بازار، لاہور، سے یہ کتاب حاصل کی جاسکتی ہے جبکہ رحمٰن ٹاؤن، پاک پتن شریف کے پتے پر خود شاعر سے رابطہ کیا جاسکتا ہے (سیل نمبر: (0301-7383982

کتاب: حدِ ادراک سے آگے — مصنف: رشید امیںؔ

رشید امیںؔ غزل بھی کہتے ہیں اور حمد و نعت بھی۔ ''حدِ ادراک سے آگے'' ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ ہے۔ نعتیہ شاعری کے میدان میں داخل ہونے والے شعراء کی نیت ان کے کردار و عمل اور تخلیقی رویئے سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ رشید امیںؔ کے کلام سے نعتیہ جہت میں ان کا خلوص بھی جھلکتا ہے اور

ان کے عملی رویوں سے ان کی نعتیہ شاعری کے جذبے کی سچائی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ مذکورہ کتاب میں غزل طور لکھی گئی نعتوں میں اظہار کی سلیقہ مندی اور بیان کی سادگی کے باعث کچھ ایسے اشعار بھی وارد ہوگئے ہیں جن کو سہلِ ممتنع کا درجہ حاصل ہے......مثلاً:

نعت گوئی کا سلیقہ تو نہیں مجھ میں امیںؔ
میں نے لفظوں میں پرودی ہے محبت انؐ کی

اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کی معیت میں حضور پرنور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیج رہا ہے اور اہلِ ایمان کو بھی درود وسلام بھیجنے کا حکم دے رہا ہے۔ نعتیہ شاعری بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنے ہی کی ایک شکل ہے اس لیے رب تعالیٰ کی سنت ادا کرنے کا بڑا ذریعہ بھی یہی ہے۔ رشید امین نے اس حقیقت کا اظہار اس طرح کیا ہے:

شرف سنت ادا کرنے کا رب کی
عطا ہوتا ہے ہر مدحت سرا کو

رشید امین کے ایک شعر کا حوالہ دے کر معروف شاعر و ادیب سید آصف اکبر نے بڑے پتے کی بات کی ہے۔ پہلے شعر ملاحظہ ہو:

نبیؐ کے عشق میں ڈوبا ہوا ہوں
محبت کی علامت بن گیا ہوں

سید آصف اکبر لکھتے ہیں:

''علامت وہ چیز ہوتی ہے جسے دیکھتے ہی اس سے منسوب شے کی طرف ذہن خود بخود چلا جائے۔تو جب شاعر کو دیکھتے ہی حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خیال آئے تو وہ یقیناً محبت کی علامت سمجھا جائے گا''۔

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ شاعر نے خود کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عاشق کی علامت نہیں کہا بلکہ صرف ''محبت'' کی علامت بتایا ہے۔ یہ ادب بھی نعتیہ شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔''حدِ ادراک سے آگے'' کی شعری اقدار پر اپنی تنقیدی آراء دینے والے حضرات میں الحاج بشیر حسین ناظم [مرحوم]، پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر، اور سید آصف اکبر کے نام شامل ہیں۔ رشید امین کو ان کی اس نعتیہ کاوش پر وزارتِ مذہبی امور، حکومتِ پاکستان، نے انعام کا حق دار قرار دے کر انعام سے نوازا ہے۔

کتاب کا ٹائیل معروف شاعر جنید آزر نے بنایا ہے اور واقعی دیدہ زیب ہے۔ کاغذ سفید بھی ہے اور دبیز بھی۔ طباعت دل خوش کن ہے۔ ۱۹۸ صفحات پر مشتمل یہ مجموعہء نعت =/Rs.250 میں بیلا پبلی کیشنز، اسلام آباد سے طلب کیا جاسکتا ہے۔

کتاب: ’’رحمتِ عالمین ﷺ‘‘ (نعتیہ کلام) مصنف: مہر وجدانی

بزرگ شاعر مہر وجدانی نے ۱۹۴۵ء سے شعر و ادب کی دنیا میں قدم رکھا اور تا حیات علم و ادب کی خدمت میں مصروف رہے۔ اردو اور انگریزی زبان میں، مہر وجدانی کی، درسی اور اخلاقی نوعیت کی تقریباً ایک سو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ پیشِ نظر مجموعہء نعت ان کی کثیر اللسانی سوجھ بوجھ کا آئینہ ہے۔ اس میں فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں نعتیہ شاعری کی گئی ہے۔ ان کی قدرتِ کلام کا اندازہ کرنے کے لیے کچھ اشعار پیشِ خدمت ہیں:

فارسی:

ہادیء برحق، امین و مالک و مختارِ کل
بحرِ الطاف و عنایت ، منبعِ جودو سخا
ناوکِ غم ہائے دوراں، در دلم پیوستہ شد
جانبِ من، یک نگاہِ مہؔر محبوبِ خدا

اردو:

رہتا ہے میرے سامنے روضہ رسولؐ کا
میرے تصورات کی جنت ہے دل نشیں
رحمتِ حق تک رسائی ہوگئی
امتی ہونا بھی اک اعزاز ہے
قدم قدم پہ رہے، مہؔر پیرویء رسول
ثبوت عشق کو ممکن نہیں، وفا کے بغیر

ہندی:

من کی اتم اِچھّا ہے یہ مر کے امر ہوجاؤں میں
ان کے گھر میں کیوں نہ جائے جان تو کیول جانی ہے
چندر ما کو کیا دوٹکڑے اشارا کر کے
کیسی دھرتی! کہ ہے امبر پہ بھی ان کی شکتی

انگریزی:

Muhammad was merciful and all

compassionate

Among all the prophets was last and great

For peace and salvation, there is no example.

مہؔر وجدانی نے ''آدابِ نعت'' کے حوالے سے اپنے تنقیدی شعور کا منظوم اظہار کیا ہے۔ یہ اظہار، مقامِ رسالت میں لب کشائی کی جرأت کرنے والے شعراء و ادبا کے لیے ہدایت نامہ ہے اس لیے جوں کا توں یہاں نقل کر دینا ضروری ہے:

اللہ کا محبوب تو، آقا ہے ہمارا، کس منہ سے اسے کہتے ہیں محبوبِ دل آرا ہم
نے اسے اک عام سا محبوب سمجھ کے، ساجن کہا، دلہا کہا، معشوق
پکارا اوصافِ حمیدہ کی وضاحت ہے ضروری، جس طرح سے اللہ نے خود ان
کو پکارا وہ رمز و کنایہ ہو کہ معنی ہوں مرادی، ہم کر نہیں سکتے کوئی مذموم
اشارہ عاشق کے تو اوسان بجا رہ نہیں سکتے، یہ عشق تو اک کیفیت جذب و
جنوں ہے جس نے کہا عاشق ہوں رسولِ عربی کا، اس نے کیا سرکار کی عظمت
سے کنارا یوں اشک بہاتے ہیں کہ آنسو نہیں تھمتے، بس ہجر کے صدمات تخیل
میں ہیں سہتے معنی کے در و بست کا اظہار کریں گے، الفاظ کی ندرت کا بھی
لیتے ہیں سہارا ہم جیسے گنہگاروں کی یہ جرأتِ اظہار، اشعار میں اور محفلِ
یاراں میں یہ گفتار احساس اگر کیجیے تو یہ سوئے ادب ہے، دیوانگیٔ شوق میں
انداز ہمارا کتاب میں تضمین بھی ہے اور ''صاحبِ قرآن کی حیاتِ طیبہ کے
63 سال'' کے عنوان سے 63 قطعات پر مشتمل ایک نظم بھی ہے۔

آخری قطعہ ملاحظہ ہو:

رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کو خود بے تاب تھے حضرت
بشر تھے، اس لیے کچھ روز ان کو بھی بخار آیا
اسی حالت میں اپنے رب کی خدمت میں ہوئے حاضر
تریسٹھ سال کی تھی عمر جس دم پردہ فرمایا

کتاب میں اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی عربی نظم کی لڑی میں موتیوں کی طرح پرو یا گیا ہے اور امِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت بی بی آمنہ کے علاوہ امہات المؤمنین میں حضرتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی منقبتیں بھی ہیں اور تمام امہات المؤمنین کے لیے بھی ایک منقبت ہے۔ کتاب کی جلد بندی اچھی ہے اور کاغذ سفید ہے۔ صفحات ۲۰۰ ہیں۔ اس کتاب پر نہ تو ناشر کا پتہ ہے اور نہ ہی قیمت لکھی گئی ہے شاید اس لیے کہ حضرت مہؔر وجدانی کا تعلق Qtv. سے ہے اور لوگ انہیں اسی حوالے سے پہچانتے ہیں۔

کتاب: نعت شناسی مرتب: ڈاکٹر داؤد عثمانی

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی مرحوم ، ایک ماہرِ تعلیم ، ایک لائق و فائق استاد، سنجیدہ مسائل پر قلم اٹھانے والے ادیب اور ادب کے ناقد تو تھے ہی......ان کا سب سے اہم اور نمایاں وصف ان کی نعت شناسی تھی۔ بلا شبہ نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے کوشاں حلقہء ادباء میں کشفی صاحب کے ادبی قامت کے مساوی کوئی اور شخصیت نظر نہیں آتی۔ انہوں نے تخلیقی اور تنقیدی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نعتیہ ادب کے فروغ میں بھر پور حصہ لے کر اپنے آپ کو امر کر لیا۔

پیشِ نظر کتاب ان تقاریظ ، دیباچوں یا مقدموں اور مضامین پر مشتمل ہے جو کشفی صاحب نے نعتیہ مجموعوں کے حوالے سے قلم بند کئے تھے۔ 248 صفحات کی اس کتاب میں 33 نقد پارے ہیں۔ کشفی صاحب کی تحریر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں وہ جیتے جاگتے نظر آتے ہیں۔ وہ صرف کتاب پر قلم نہیں اٹھاتے بلکہ کتاب میں پیش کیے جانے والے لوازمے کو اپنی ذات میں جذب کر کے دل کی بات کہتے ہوئے قاری کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ کتاب میں لکھے ہوئے ہر لفظ کی معنوی گرہیں اس طرح کھولتے جاتے ہیں کہ قاری کو لفظ لفظ میں جہانِ معانی نظر آنے لگتا ہے۔ کشفی صاحب کا تنقیدی مزاج تاثراتی تنقیدی دبستان سے ہم آہنگ ہے اس لیے ان کی تحریر میں ان کے

تاثرات کی جھلک بہت نمایاں اور زندگی آمیز ہوتی ہے۔

نعت رنگ کے قارئین ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی کی تحریروں سے واقف ہیں اس لیے یہاں ان کی کتاب سے کوئی اقتباس دینے کے بجائے کتاب میں شامل تحریروں کے عنوانات دے کر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا چاہتا ہوں۔ نعت ہی بصیرت ہے (نعیم تقوی کے مجموعہء نعت ''بصیرت'' کی تقریظ)، رفعنا لک ذکرک (راغب مرادآبادی کی کتاب مدحتِ خیرالبشر صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم کا دیباچہ)، قصری نے نعتیہ قصیدے کو نقشِ جمیل بنادیا (قصری کانپوری کی کتاب نورِ ازل پر تنقیدی رائے)، جمالِ حرم (مسرور کیفی کی نعتیہ تخلیق پر تاثراتی تقریظ)، ثنائے حبیب (پیامی مرادآبادی کے نعتیہ کلام پر تحریری تاثر)، پہلی کرن آخری روشنی (اعجاز رحمانی کی کتاب کا دیباچہ)، سرکار کی چاہت والا (جمیل نقوی کی نعتیہ تصنیف ''ارمغان جمیل'' کا مقدمہ)، فیضانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم (ابوالامتیاز ع۔س۔مسلم کی کتاب حمد و نعت کی تقریظ)، اسوۂ احمد مختار اور حافظ کی نعت گوئی (مقدمۂ ارمغانِ حافظ از عبدالغفار حافظ)، تلاشِ جلوۂ حرفِ سپاس (دیباچہ، تقدیس از تابش دہلوی) نسبت ارمان (تقریظ ''سروشِ سدرہ'' مصنفہ ارمان اکبرآبادی مرتبہ ڈاکٹر صدیقہ ارمان)، نعت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٰ وسلم اور اقبال صفی پوری (دیباچہ ''رحمت لقب'' اقبال صفی پوری)، مستقیم لہجے کی شاعری (تبصرہ ''نمودِ صبح'' تہور علی زیدی)، صحیفۂ نعت (تقریظ، صحیفہء نعت، لطیف اثر)، جادۂ رحمت کا مسافر (مقدمہ ''جادۂ رحمت، صبیح رحمانی)، نگاہے یا رسول اللہ نگاہے (تبصرہ: نگاہے یا رسول اللہ نگاہے، نثار خان فتحی)، دل کی شاعری (دیباچہ، کہف الوریٰ، قمر وارثی)، ندائے نوری (دیباچہ، ندائے نوری، مسرت جہاں نوری) نعت نگر کا خوش نوا فقیر (دیباچہ، آنکھ بنی کشکول، آفتاب کریمی)، نعت کے نئے افق (مقدمہ، حرف حرف خوشبو، وقار صدیقی اجمیری)، طلوع (مقدمہ ،طلوع، قمر احمد عثمانی)، نزول پر ایک نظر (دیباچہ مجموعہء نعت، شفیق الدین شارق)، ہشام علی حافظ کی نعتیہ شاعری......ایک تاثر (ہشام علی حافظ کی شعری کاوش محبوب آقاؐ ......کا جمالیاتی تاثر)، امین راحت چغتائی کی نعت گوئی (مضمون مطبوعہ نعت رنگ شمارہ ۱۰، اپریل ۲۰۰۰ء)، غلامِ صاحبِ طیبہ (دیباچہ، نکہت و نور، شاعر لکھنوی)، اساس (دیباچہ ،میثاق، سرشار صدیقی)، کوثری نغموں والا (مقدمہ، کوثریہ، حفیظ تائب)، کیفِ نعت وسلام (تقریظ، خلقِ مجسم، سید محمد حنیف اخگر)، مقبول نقش کا نقشِ عقیدت (دیباچہ، حرفِ ثبات، مقبول نقش)، کشتیٔ عشق کا ساحل، طیبہ (تقریظ، فانوسِ ہفت رنگ، رشیدہ عیاں)، عقیدت کا سفر (تبصرہ، عقیدت کا سفر، افتخار اجمل شاہین)، ثنائے خواجہ اور

اقبال عظیم (تبصرہ، ''زبورِ عجم'' کلیاتِ نعت، اقبال عظیم)، کرم ونجات کا سلسلہ (تبصرہ، کرم ونجات کا سلسلہ، عزیز احسن)۔

درجِ بالا تحریروں کے عنوانات ہی کشفی صاحب کی تنقیدی بصیرت کے آئینہ دار ہیں۔ کشفی صاحب نے ہر کتاب پر لکھتے ہوئے، پہلے تخلیق کار کے جذبے کو دل کی گہرائیوں میں محسوس کیا ہے اور پھر لطافتِ فن کے احساس کو بروئے کار لاتے ہوئے قلم کو جنبش دی ہے اور خاصی حد تک شاعر کے جذبِ دروں اور شعری حسن و جمال کی جلوہ نمائی کی ہے۔ اس کتاب کا لوازمہ کشفی صاحب کے حینِ حیات تیار ہو چکا تھا اس لیے انہوں نے ۸ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ کو لکھا تھا:

''اللہ تعالیٰ نے ہر کام کا وقت مقرر فرما دیا ہے۔ اس کتاب کے مضامین کی کمپوزنگ لاہور میں کرائی گئی تھی مگر یہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ کمپوزنگ کے بعد تصیح اور دوسرے کام نہ کرائے جاسکے......اور پھر ۱۹۹۳ میں مشتاق احمد قریشی صاحب نے اس کام کو اپنے ذمے لیا''۔

لیکن یہ کام کشفی صاحب کے اندازے کے مطابق اس وقت بھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا۔ کیونکہ یہ سعادت ڈاکٹر داؤد عثمانی کا مقدر بنی تھی۔ الحمدللہ! انہوں نے کتاب بڑے سلیقے سے مرتب کی اور صبیح رحمانی نے اس کتاب کو نعت ریسرچ سینٹر، کے زیرِ اہتمام شائع کروادیا۔ ڈاکٹر داؤد عثمانی نے ''پیش نامہ'' کے زیرِ عنوان لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کتاب کے کچھ گم شدہ صفحات کی تلاش جاری ہے اور جیسے ہی وہ مل گئے ان شاء اللہ اگلی کتاب بھی پیش کردی جائے گی!

کتاب کی جلد بھی مضبوط اور خوشنما ہے۔ کاغذ بھی اعلیٰ ہے البتہ قیمت درج نہیں ہے۔

کتاب: کلیاتِ مظہر　　　مصنف: حافظ مظہر الدین مظہرؔ

حافظ مظہر الدین کی نعت گوئی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ان کی مقبولیت اور قبولیت اردو نعتیہ ادب میں بے مثال ہے۔ حافظ صاحب کے نعتیہ مجموعے ''تجلیات''، ''جلوہ گاہ''، ''بابِ جبریل'' اور ''میزاب'' کے ناموں سے شائع ہو چکے تھے۔ لیکن ان کا غیر نعتیہ کلام ''نورونار''، ''شمشیر وسناں''، ''حرب وضرب'' بہت تاخیر سے منصۂ شہود پر آئے بلکہ ''نورونار'' تو غلام مرتضیٰ خاں میکش کے پاس ہی محفوظ رہا۔ اس مجموعے پر میکش نے ۱۹۴۶ میں ''پیش لفظ'' بھی لکھ دیا تھا لیکن طباعت کی نوبت

نہیں آئی۔ بعدازاں یہ مجموعہ ۲۰۰۷ میں نذر صابری کے پاس آ گیا۔لیکن اس کی اشاعت کلیاتِ مظہر میں ارسلان احمد ارسل کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔

حافظ صاحب کی غزل میں کلاسیکی رچاؤ اور ملی درد ہم آمیز ہیں۔ ان کی نظموں میں احساسِ مسلمانی جلوہ آراء ہے۔اصلاحِ قوم اور کھوئی ہوئی قدروں کی تلاش و جستجو ان کے غیر نعیہ کلام میں بھی نمایاں ہے۔نعتیہ کلام کے تو انداز ہی نرالے ہیں۔حافظ صاحب نے غزل اور نظم کہنے کی مشق کا بھرپور مظاہرہ نعت گوئی میں کیا ہے۔اردو اور فارسی میں اچھا خاصا کلام حافظ صاحب کا ورثہ ہے۔ حافظ صاحب کے فیضِ صحبت سے چمکنے والے پیر نصیرالدین نصیر گولڑوی نے ان کی وفات پر خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

نامِ او لافانی از آثارِ نعت
چہرہ اش تابندہ از انوارِ نعت
لطف ختم المرسلیں ﷺ را مظہرے
بود دینِ نعت را پیغمبرے

(حافظ مظہر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا نام ان کے نعتیہ کلام کی وجہ سے لافانی ہوگیا ہے۔ان کا چہرہ نعت کے انوار سے روشن و تابناک ہے۔وہ حضور ختمی مرتبت رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لطفِ خاص کا مظہر ہیں۔وہ نعت گوئی کے دین کے ایک پیغمبر ہیں)۔

حافظ مظہرالدین کی عام شاعری اور نعتیہ شاعری کو سراہنے والوں کی بڑی تعداد ہے ۔کلیاتِ مظہر میں جن حضرات کی آراء شامل ہیں ان میں عنایت اللہ خجستہ، ماہرالقادری، محشر رسول نگری، عابد نظامی، نعیم صدیقی، شفیق احمد ہمایوں، شرقی بن شائق، حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی، امین راحت چغتائی، ریاض حسین چودھری، راجا رشید محمود، پروفیسر محمد اکرم رضا، سید نور احمد قادری، پروفیسر حسن عسکری کاظمی، محمد حنیف نازش قادری، پروفیسر محمد ریاض احمد شیخ، ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد، ڈاکٹر سید ریاض حسین زیدی، ڈاکٹر ناصر عباس نیر، پروفیسر ریاض احمد قادری، سید شاہد حسین شاہد، میاں اویس احمد مظہر، حافظ سلمان مرزا، سید زبیب مسعود، سمیعہ ناز، اصغر نوید، ڈاکٹر سعادت علی ثاقب، ریاض ندیم نیازی، جنید نسیم سیٹھی وغیرہم کے نام شامل ہیں۔جبکہ بہت سے شعراء نے منظوم خراج عقیدت بھی پیش کیا ہے۔

کتاب میں ارسلان احمد ارسل کے پیش لفظ کے علاوہ دیباچہ جناب پروفیسر انوار احمد زئی

کا لکھا ہوا ہے۔ ''نقیبِ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' کے زیرِ عنوان حافظ صاحب کے کلام کا تنقیدی جائزہ راقم الحروف (ڈاکٹر عزیز احسن) نے پیش کیا ہے۔ ''عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سرشار نوجوان'' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد اجمل نیازی نے (مرتبِ کلیاتِ مظہر) ارسلان احمد ارسل کی مساعیِ جمیلہ کو سراہا ہے۔

علاوہ ازیں حافظ مظہرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ کتب پر جن حضرات کی تنقیدی آرا شامل تھیں۔ مثلاً تجلیات کا دیباچہ محمد ایوب نے لکھا تھا۔ جلوہ گاہ میں محمد ایوب اور احسان دانش کی تحریریں شامل تھیں۔ بابِ جبریل میں پیر محمد کرم شاہ الازہری کا پیش لفظ تھا اور میزاب میں حفیظ تائب نے پیش لفظ لکھا تھا...... یہ تمام تحریریں بھی کلیاتِ مظہر میں جمع کردی گئی ہیں۔

کلیاتِ مظہر میں حافظ مظہرالدین کا تقریباً تمام ہی شعری اندوختہ آ گیا ہے۔ ارسلان احمد ارسلؔ نے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ یہ کام انجام دیا ہے۔ علم و ادب اور تخلیقی سرگرمیوں سے وابستہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اساتذہ کرام کے نام اور کام کو اجاگر کرنے کا عزم لے کر اٹھیں اور اپنے ہدف کو حاصل کرنے میں خود اپنی ذات کو فراموش کردیں۔ ارسلان احمد ارسلؔ نے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدح گزاروں کے نام اور کام کو سامنے لاکر ثابت کردیا ہے کہ وہ نعتیہ ادب کے فروغ کے معاملے میں انتہائی مخلص ہیں۔ مدح گزاروں کی صف میں شامل legends میں ارسلان ارسل نے پہلے سید منظورالکونین کا انتخاب کیا اور ان کے فن اور شخصیت پر ''حضور و سرور'' کے نام سے کتاب مرتب کی ......اس کے بعد ''کلیاتِ مظہر'' کی اشاعت کا کارنامہ انجام دیدیا۔

بلاشبہ اس عہد میں جبکہ کتابوں کی خواندگی کا جذبہ ماند پڑ چکا ہے اور کتب کی نکاسی کے امکانات محدود ہوگئے ہیں، ۱۱۶۸ صفحات پر مشتمل کتاب شائع کرنا ایک کارنامہ ہے۔ میں ارسلان احمد ارسل کو کلیاتِ مظہر کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ یہ کتاب صرف Rs.800/= (آٹھ سو روپے) میں ارفع پبلیشرز، بی۔ سمیع سنٹر غزنی سٹریٹ 38۔ اردو بازار، لاہور سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

نام کتب: اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ پیراہن شعر میں......ابوالامتیاز۔ ع۔ س۔ مسلم

اسماء النبی۔صدف ضمائر میں

ابوالامتیاز ع۔س۔مسلم ، ایک متحرک شخصیت ہیں۔وہ کاروباری دنیا میں جتنے فعال ہیں اتنے ہی فعال ادبی دنیا میں بھی ہیں۔ وہ مثبت سوچ رکھنے والے اور اسلامی تشخص کے حامل ، راسخ العقیدہ مسلمان دانشور ہیں۔ساتھ ہی وہ ، ایک راست سمتی لکھاری اور حمد و نعت کے متخصص شاعر بھی ہیں۔گو ان کی ادبی سرگرمیوں کی شش ابعادی جہتیں ہیں لیکن اسلامی ادب اور حمد و نعت میں ان کا اختصاص نمایاں ہے۔

مسلم صاحب کو جو بات حمد و نعت کے دیگر شعرا سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کی تحقیقی روش اور ان کی تنقیدی بصیرت ہے۔انھوں نے صرف شعر نہیں کہے بلکہ اپنے اشعار کا فکری ماخذ و منبع اور اپنے شعری متن (text) کی کنہ جاننے کی کوشش بھی کی اور تلمیحاتی اشاروں کے تمام مآخذ کو جمع بھی کر دیا۔ یہ کام انھوں نے اپنی معروف نظم ''کاروانِ حرم الموسوم بہ مثمنِ مسلم'' میں بڑی جانفشانی کے ساتھ کیا۔ مذکورہ کتاب میں وہ لکھتے ہیں:

> ''نظم مکمل ہوئی تو اس کے حوالوں کا خیال آیا، تاکہ بمصداق ''کُلُّ شَیءٍ یَرْجِعُ اِلیٰ اَصْلِہٖ'' اپنے فکر و خیال کے اصل سوتوں کی طرف رجوع کرسکوں اور جو کچھ کہہ سکا ہوں اس کی بنیاد ڈھونڈ سکوں''۔(کاروانِ حرم......ص ۲۵)

......اور اس طرح انھوں نے قرآنِ کریم، احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تاریخ و سیئر کی کتب سے ۵۱۸ حوالے تلاش کر کے اپنی نظم کے متن کو معتبر بنایا۔

اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ......پیراہنِ شعر میں ......اور......صدفِ ضمائر میں ...... میں بھی مسلم صاحب کی تحقیقی روش اور تنقیدی بصیرت کارفرما ہے۔حمد و نعت کی چار کتب وہ پہلے منظرِ عام پر لا چکے تھے۔اب انھوں نے اپنا تحقیقی مزاج برقرار رکھتے ہوئے ان کتب کا از سر مطالعہ کیا اور ان کے ذہنِ رسا میں یہ نادر خیال آیا کہ''کاروانِ حرم، زبورِ نعت، زمزمہء سلام اور زمزمہء درود'' میں ان کے کہے ہوئے اشعار میں جہاں جہاں بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ مبارک آیا ہے یا انھوں نے شعری بنت کے دوران میں ایک یا ایک سے زیادہ الفاظ کو یکجا کر کے کوئی صفتی نام وضع کیا ہے، ان تمام اسمائے مبارکہ کو تلاش کر کے مع متعلقہ شعر، ایک نئی کتاب میں جمع کر دیا جائے۔یہی کام انھوں نے 'صدفِ ضمائر'' کے ضمن میں بھی کیا ہے کہ جہاں جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آپ صلی

اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، وہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جنہوں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وغیرہ کے ضمائر سے یاد کیا گیا ہے یا پکارا گیا ہے ان تمام اشعار کو یکجا کر کے ضمائر کی کہکشاں سجادی ہے۔

کتاب کے مشتملات کی ایک جھلک دیکھنے سے کتاب کے نام اور مصنف کے کام کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہوسکتا ہے اس لیے میں یہاں کتاب کی دونوں جلدوں سے چند اشعار نقل کرنا چاہتا ہوں۔

اسمِ ذات ......محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم......................................

ہر ضرب میں دل کی ہے اسی نام کی دھڑکن
ہر سانس مری رشتۂ اذکارِ محمدؐ

حامد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم......

وقت کی دھڑکن میں ہے صبحِ ازل سے موجزن
تو محمدؐ بھی ہے حامد بھی ہے اور محمود بھی

مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم......

مانتا ہے شفاعت خدا آپؐ کی
ہیں مُجابِ دعا مجتبیٰؐ آپ ہیں

وضعی اسمائے مبارکہ:

مشکل کشا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم......

سلام ان پر سرِ طوفاں وہ میرا آسرا ہوں
بہر مشکل، بہ اذنِ حق مرے مشکل کشا ہوں

معیارِ انسانِ مکمل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم......

سلام ان پر جو ہیں معیارِ انسانِ مکمل
قیادت میں، خطابت میں تکلم میں مدلل

نقطہء ختمِ سلکِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم......

یومِ ازل سے میرِ سیادت
نقطۂ ختمِ سِلکِ رسالت

یہ شعری نمونے کتاب کی پہلی جلد ''اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیراہنِ شعر میں'' سے نقل کیے گئے ہیں۔اب ان اسمائے مبارکہ کی جھلک ملاحظہ فرمالیجیے جو ضمائر کی شکل میں ،تخلیقی وجدان کا حصہ بنے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم......

''جاؤ کَ'' اختیار ہے ہاتھوں میں آپؐ کے
کیجے مجھے نویدِ شفاعت سے شاد کام

توصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم......

ترے حق میں خود یہ کہے خدا، ہوئی جس سے کوئی کبھی خطا
کرے اس کو عَفُو جو توؐ عطا، مری مغفرت سے نجیب ہو

یہاں ایک بات عرض کرنی ہے۔بعض ادبی حلقوں میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے ''تو، تیرا، تم، تمہارا'' کے ضمائر استعمال کرنا سوٗ ادب ہے۔لیکن وہ لوگ شعر کی نزاکتوں اور لفظ کی حرمتوں سے یا تو واقف نہیں ہیں یا شعر گوئی کے لیے بھی اپنا کوئی نصاب مقرر کرنا چاہتے ہیں۔اس ضمن میں میری رائے اس علمی حلقے کے ساتھ ہے جو شاعری کے تقاضوں اور لفظوں کے برتنے کے سلیقوں کا ادراک رکھتے ہوئے ان ضمائر کے استعمال کو معیوب نہیں جانتا۔یہی وجہ ہے کہ میں نے ع۔س۔مسلّم کے ایسے اشعار کا حوالہ دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کی ہے جن میں ایسے ضمائر استعمال ہوئے ہیں۔

ترا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم......

مانتا ہوں تیرے کہنے سے ، جسے دیکھا نہیں
جو ترا معبود ہے ، میرا وہی معبود ہے

یہ ہیں چند نمونے اس شعری خزانے سے جو ع۔س۔مسلم کی دو ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب '':اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ......پیراہن شعر میں ، اور ......اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ......صدفِ ضمائر میں'' ......کے صفحات میں محفوظ کردیا گیا ہے۔

بلا شبہ نعتیہ ادب میں اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے اشعار کی جمع آوری کا یہ کام بالکل نیا اور انوکھا ہے۔اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جمع آوری کا کام علمی دنیا میں پہلے بھی ہوا

ہے جو بڑا وقیع ہے لیکن کسی ایک شاعر کے شعری نگار خانے میں اسماءُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کتنے لونی عکس (shades) موجود ہیں ان کی ملفوظی مصوری اب تک نظر سے نہیں گزری تھی۔

کتاب میں شامل اہلِ نقد ونظر کی تحریریں، کتاب کے موضوع کو علمی اساس فراہم کر رہی ہیں۔ ساتھ ہی اس تحقیقی کاوش کو تنقید کا منفرد منہاج ثابت کرنے میں وہ اہلِ علم صدفی صدحق بجانب نظر آتے ہیں۔ پروفیسر عبدالجبار شاکر، پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید اور بشیر حسین ناظم وغیرہم نے کتاب کے لیے مقدمہ، دیباچہ اور تقریظ کی شکل میں محققانہ تحریریں لکھ کر کتاب کے علمی، تحقیقی اور تنقیدی وقار کو تقویت دی ہے۔

تحقیق کے نئے رجحان کی حامل اس کتاب کو میں نعتیہ ادب میں اضافے کا باعث سمجھتا ہوں اور دل کی گہرائیوں سے جناب ع۔س۔مسلم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ کتاب کی کمپوزنگ نفیس ہے، کاغذ عمدہ ہے، جلد مضبوط اور سرورق خوشنما ہے ناشر القمر انٹر پرائز لاہور ہیں۔ دونوں جلدوں کی قیمت علی الترتیب =/Rs.1250 اور =/Rs.1050 ہے۔ رابطے کے لیے پتہ ہے:

1/1-3P، دوسری منزل، بلاک 6، PECSH کراچی 75400 --- email: asmuslim@hotmail.com

کتاب: غزل کاسہ بکف مصنف: ریاض حسین چودھری

ریاض حسین چودھری جدید لہجے کے شاعر ہیں اور دنیائے نعت میں انہوں نے تغزل آمیز مدحِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے طفیل ایک نمایاں مقام حاصل کرلیا ہے۔ ریاضِ حسین چودھری کی نعتیہ شاعری صرف ریاضِ فن کی آئینہ دار نہیں ہے بلکہ ان کے جذبے کی پاکیزگی اور اظہار کی ادب آمیزی کی بھی غماز ہے۔ ان کا اسلوب شاعرانہ اور اظہار والہانہ بلکہ مجذوبانہ ہے لیکن اس اظہار میں بھی ایک سلیقہ اور شائستگی ہے۔ اسی سے متبادر ہوا کہ بقولِ میرؔ ع

عشق بن یہ ادب نہیں آتا

ریاض حسین چودھری کے متعدد نعتیہ مجموعے منصۂ شہود پر آ چکے ہیں۔ زیرِ مطالعہ کتاب میں جو نعتیہ تخلیقات پیش کی گئی ہیں ان میں شعری ندرت کے ساتھ ساتھ پیش کش کی ندرت بھی ہے۔ کتاب کی ترتیب اور عنوانات دیکھ کر پیش کش کی اس ندرت کا احساس ہوتا ہے۔ کتاب میں دو حمدیہ

غزلوں کے بعد ''ہشت نعتیہ'' کے زیرِعنوان جونعتیں پیش کی گئی ہیں وہ ہم قافیہ اور ہم ردیف ہیں اور تعداد میں آٹھ۔ ان نعتوں کے مطلعے ملاحظہ فرمانے سے میری بات واضح ہوگی۔

برستی رہتی ہیں ساون کے بادلوں کی طرح
حضورؐ، میری بھی آنکھیں مرے بڑوں کی طرح

ہر ایک ساعتِ دلکش ہے رتجگوں کی طرح
قلم گلاب سمیٹے ہری رتوں کی طرح

فضائے شہرِ پیمبرؐ ہے رم جھموں کی طرح
عرب کی ریت کے ذرے ہیں سورجوں کی طرح

پناہِ مرسلِ آخر میں موتیوں کی طرح
پڑا ہوا ہوں میں ساحل پہ سیپیوں کی طرح

تمام عمر ہو زرتاب ساعتوں کی طرح
درِ حضورؐ پہ گزرے ہوئے دنوں کی طرح

ورق ہے عرشِ معلٰی کی زینتوں کی طرح
ہر ایک لمحہ ہے میرا حضوریوں کی طرح

لکھوں میں نعت، پیمبرؐ کی، سعدیوں کی طرح
گلاب نور کھلیں لب پہ جامیوں کی طرح

وسیع ارض و سما کی ہے وسعتوں کی طرح
کہاں ہے نعت ممالک کی سرحدوں کی طرح

ان مطالع سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے لفظوں کی جمع والی شکلوں سے قوافی بنائے ہیں اور آٹھ طویل غزلیں نعتیہ آہنگ کے ساتھ تخلیق کرلی ہیں جو کتاب کے صفحہ 50 سے 109 تک پھیلی ہوئی ہیں۔ علمِ قافیہ کے اعتبار سے ان قوافی پر کلام بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن شاعری کے جدید عہد میں ہمیں اس طرح کے اجتہاد کو شعری اسالیب کے تنوع کی خاطر سراہنا چاہیے۔

اگلے حصے میں جونعتیں پیش کی گئی ہیں ان کو ''چہار نعتیہ'' کا عنوان دیا گیا ہے اور ان میں چار نعتیں پیش کی گئی ہیں۔ ان نعتوں کا قافیہ ''گلستاں'' اور ردیف ''پہ نظر ہو'' ہے۔ ان چار نعتوں کے بعد والی چار نعتوں کے قوافی ہیں ''آقا، صدقہ، سراپا'' وغیرہ وغیرہ اور ردیف ہے ''حضورؐ کا''۔

اگلے حصے میں ''سہ نعتیہ'' کی جلوہ آرائی ہے جس میں تین نعتیں ہیں ان کے قوافی ''جلی، نبی، رہی'' وغیرہ ہیں اور ردیف ہے ''ہیں آنکھیں''۔ بعد کے حصے میں پھر سہ نعتیہ کے عنوان سے تین نعتیں پیش کی گئی ہیں جو''وثیقہ، یکتا، دنیا'' کے قوافی کے ساتھ ''بھی روشنی'' کی ردیف سے جگمگا رہی ہیں۔ اس حصے سے متصل حصے میں پھر سہ نعتیہ کی جھلک ہے اوران تین نعتوں میں ''شبنمی، کِھلی، ڈھونڈتی'' وغیرہ قافیوں کا اہتمام ملتا ہے جب کہ ردیف ''ہوا'' کو بنایا ہے۔ اگلے منظر نامے میں دو نعتیہ کا عنوان نظر آتا ہے جس میں ''نواؤں، دعاؤں، انتہاؤں'' کے قوافی استعمال کیے گئے ہیں اور ''کے'' ردیف کے طور پر رکھا گیا ہے۔ دونعتیہ کے ایک اور حصے میں ''اتری، کی، ملتی، روشنی'' قوافی ہیں اور ردیف میں ''ہیں'' کی جلوہ نمائی ہے۔ پھر ''ساعتوں ،دھڑکنوں، جگنوؤں'' کو قافیہ بنا کر ''کا ہجوم'' ردیف رکھی ہے۔ دونعتیہ ہی کے تحت ''قلمدان، شان، سامان'' کے قوافی کے ساتھ ''مدینہ'' کو ردیف بنایا ہے۔ پھر اسی سلسلے کو آگے برھاتے ہوئے ''دیدار، بازار، سزاوار، گنہگار'' کے قوافی استعمال کرتے ہوئے ''ہیں آنکھیں'' کا ٹکڑا ،ردیف کے طور پر استعمال کیا ہے۔ آخر میں ''نعت'' کا عنوان دے کر سولہ نعتیں حوالہء قرطاس کی گئی ہیں۔

کتاب کے ابتدائی صفحے پر ایک خوبصورت شعر دیا ہے جو دل موہ لیتا ہے:

لکھے عروسِ شہرِ غزل نعتِ مصطفٰے

قصرِ ادب کے سبز حوالو! ادب، ادب!

ریاض حسین چودھری کے شعرِ عقیدت کا فنی ، اسلوبی اور فکری جائزہ لینے والوں میں دنیائے نعت کے مشاہیر کے نام شامل ہیں۔ مثلاً بشیرحسین ناظم نے کتاب کا پیش لفظ لکھا ہے۔ شیخ عبدالعزیز دباغ نے ریاض حسین چودھری کے ایک مصرعے (ع لکھے عروسِ شہرِ غزل نعتِ مصطفٰےؐ) کو عنوان بنا کر دادِ تحسین دی ہے۔ فلیپ نگاری کا شرف پانے والوں میں ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر سلیم اختر، احمد ندیم قاسمی، حفیظ تائب اور ڈاکٹر ریاض مجید وغیرہم کے اسمائے گرامی نظر آتے ہیں۔

کتاب کا کاغذ، کمپوزنگ، طباعت، جلد بندی، سرورق ، سب ہی کچھ تو معیاری ہے۔ قیمت ہے Rs.250/= ۔۔۔جو کتاب کی نفاست اور طباعت کی عمدگی کے پیشِ نظر بہت مناسب لگتی ہے۔ ناشر: کلر نو پبلی کیشنز۔ لاہور

POEMS IN PRAISE OF THE HOLY PROPHET (P.B.U.H)

By: Al-Hajsyed Shakir Ali Jaffery

Publisher: New-Way Publishers,Shah Faisal Colony Karachi.

Review: Dr.Aziz Ahsan

The booklet 'Poems in praise of the Holy Prophet' is comprised of VII chapters. The first chapter contains some historical back ground besides English version of poem composed by Hazrat Abu Talib in Arabic and translated in poetic form by the author. Chapter II cites historical back ground of starting preaching Islam and turning point of friendly crowd into hostile one. Thereafter the Quraish threatened the Prophet (P.B.U.H) with the worst consequences and approached Hazrat Abu Talib who also tried to plead their cause but the Prophet Muhammad (P.B.U.H) refused their offer by saying 'If they place the Sun on my one hand and the Moon on the other I will not give up my Ordained Task'. Citing this commentary the author has placed poetic translation of one of the most famous Qasida of Hazrat Abu Talib titled 'Qasida-e-Gharrah'. The 3rd chapter of the booklet contains translation of a poem of Hazrat Ali titled 'The Night of Prophet's Migration'. Chapter four is comprised of a short history of migration of Prophet Muhammad (P.B.U.H) along with the song sung by the little girls of Yathrib (old name of Madina Munuwwara) denoting the welcome song for the occasion. History of events of practical actions of the Prophet Muhammad (P.B.U.H) took for forming Islamic Government and putting Ansars and Migrants in brotherhood very successfully. At this juncture the author has selected one of popular Qasidas of Hazrat Hassan Bin Sabit for transcribing into poetic form in English. The author has narrated some back ground of Qasida-e-Burda (Banat Soaad) reporting the hostile attitude of the poet at first and thereafter presenting Qasida in praise of Huzur-e-Akram (S.A.W) in His court for seeking pardon and receiving shawl (Burda) from the Holy Prophet. After citing the back ground the author has placed poetic translation of Qasida-e-Burda. In the last and the 7th chapter of the

booklet the author hinted at farewell pilgrimage of Muhammad (S.A.W) and reported sad demise of Him. Then he wrote: 'On his sad demise, elegies by his kins and companions speak of their heart felt grief. The most pathetic one is that of his daughter, Hazrat Fatima. Free translation into English verse of some of the pieces of her elegy, are presented in these pages.'

The booklet ends on English translation of Elegy on the sad demise of The Holy Prophet composed in Arabic by Hazrat Fatima (R.A.).Though the booklet is very little (comprised of only 48 pages) yet has literary and historical value besides poetic beauty of expression which seems to be an original attempt. The efforts of the author are worth applauding.

SOURCE OF LIGHT (RELIGIOUS RHYMES i.e. Hamd, Na'at, Manqabut & Prayer Pot-pourri)

By:Dr. Saleem Ullah Jundran

Reviewer: Dr. Aziz Ahsan.

Although devotional poetry has been written since the ancient ages in various languages, it could not gain a high literary position in Urdu. Reasons behind it have been traced to a mind-set that does not recognize religion for creative expression. English language does contain some religious texts in the form of poetry but devotional poetry related to Prophet Muhammad (S.A.W) could not flourish in Pakistan, due to lack of interest of poets and traditions in vogue in the literary world.Dr. Saleem Ullah Jundran's poetry however is an exceptional effort to introduce devotional poetryof high fervour in English language for children of Elementary & Secondary Level education. Thank God the poetry written by Dr. Jundran has been acclaimed by The Government of Pakistan in the shape of awarding a Certificate of Commendation for his work in June 2001. The National Book Foundation has also moved

forward with the arrangement of publishing the poetic work of Dr.Jundran.The author of the book aptly defined the work in the words: "Rhymes consist of matching sounds atthe end of verse lines. They create a sense of audible patterns. They bring a pair of words or ideas into a pleasing and memorable relationship with one another."Rhymes start from Allah Almighty's attributes and the journey of matching sounds begins like this:

Allah is One; Allah is One,
He begot none; nor was begotten.
He is Independent in His decree,
None should be worshiped but He.

Poems like Allah Almighty's Grandeur, The Creator and Creatures, Boundless Bounties and ThanksAllah Almighty followed the first one in praise of Almighty Allah. All of the poems carry an equal sense of submission towards the Grandeur of Almighty Allah, created with the utmost humility.The next step is to raise voice for praise of The Holy Prophet (Sall-Allah-o-Alaih-i-Wa Alihee Wa Sallum) titled Light for the Life, which begins with the words:

The Holy Prophet
(Sall-Allah-o-Alaih-i-Wa Alihee Wa Sallum)
Has told us:
How to read;
How to write:

And the poet has covered most of the aspects of prosperous life till the end of the poem which ends with the words:

He (S.A.W) has given us light
To lead the life right.

This beautiful poem is followed by poems titled 'Mercy for All', 'Our Great Saviour', 'The True Redeemer' and 'Fragrant Breath of the Breeze'.After the series of devotional poems in the praise of The Holy Prophet (S.A.W) the poet paid homage to The First Caliph of The Holy

Prophet (S.A.W) Hazrat Abu Bakr Siddique (May Allah be pleased withhim). The poem of Manqabat-e-Siddiq-e-Akbar begins with the words:

Since his childhood, he (R.A.A) was very gentle,
Neither touched wine nor worshipped idol,

this poem ends with the creative expression of throwing light on the real name and reason of his fame with his surname:

Behold! Abdullah (R.A.A) was his real name,
Whereas, Abu Bakr (R.A.A) was acclaimed surname.

Each of the poems carry references of Al Qur'an and Traditions i.e. Hadith of the Holy Prophet (S.A.W).Next poem is comprising of Prayer which starts with the words:

It is indeed Your favour,
If some good we do,
All praises be to You!

At the end of this portion of the book, three pages were allotted to vocabulary i.e. a list of difficult words used in Religious Rhymes, where 63 words have been quoted with words denoting meaning of the difficult words.

The author of the book has delineated some Principles for the Teaching of Poetry lessons in general and Hamd and Na'at in particular. These principles are derived from the unpublished Master's Thesis of the author himself.The author has also paid homage to his parents and dedicated to two poems to them with the titles'How Can I Thank My Kind Mother?' and 'How Can I Thank My Kind Father?'These poems are on one hand, the homage of a devoted son to his parents and on the other hand alesson for children of the nation to respect and love to their parents.At the end of the book the writer has quoted a Hadith of The Holy Prophet Hazrat Muhammad(S.A.W):

'The rewards for a man's actions cease when he dies except in three cases: Sadaqa that continues;knowledge that continues to bring benefit; the

prayers of pious children for the deceased parents.'

(Reported by Hazrat Abu Hurairah Razi Allaho Anho in Muslim).

The Deputy Educational Advisor, CADD Curriculum & Text Book Wing of Islamabad, Dr. Shafqat Ali Janjua, has applauded the effort of the author and termed the same 'fascinating addition in English literature regarding the Pakistani context.'The work of the author deserves appreciation for presenting poems in such a beautiful style with the great cause of building of future generation.

I would like to admire the efforts of the author with a prayer of long live with faith, health and all beauty of this and the hereafter.

صلی اللہ علیہ وسلم

زہے نصیب ، میں سرکار کے دیار میں ہوں
سلاموں اور درودوں کے آبشار میں ہوں

مرا قیام و سفر ہے ہوائے رحمت میں
کب اپنے ہوش میں، کب اپنے اختیار میں ہوں

سبب بنے ہیں حضوری کا میری نعت کے حرف
مجھے ہے فخر کہ میں بھی کسی شمار میں ہوں

نہ اب شعورِ سوال اور نہ اب حواسِ طلب
کرم کے بعد کرم ہی کے انتظار میں ہوں

وہ ''برگ وِابار'' کا عیش وسکوں تو نام کا تھا
میں آج سایۂ فردوسِ برگ وبار میں ہوں

نکالئے مجھے اس قید سے حضور کہ میں
ہوس گزیدہ تمناؤں کے حصار میں ہوں

دعا ہے میری شجر بستگانِ دُور نشین
ملے وہ تم کو بھی ، میں جس صفِ بہار میں ہوں

سلامِ رخصتِ محشر مگر مرے آقا
یہ غم سنائے نہ جا کر کہ پھر غبار میں ہوں

(محشر بدایونی۔مرحوم)

''برگ و ِابار'' محشر صاحب کے مکان کا نام ہے۔(ادارہ)

ﷺ

نعت

تُو ہے سب سے بڑا، اے نبی!
کہہ گیا،
تو خدا تک ستاروں پہ چلتے ہوئے!
تیری شب تاب کملی کے آفاق سے
ہم نے سُورج کو دیکھا نکلتے ہوئے!
جس نے دیکھا نہ ہو
موم ہوتے ہوئے
پتّھروں کو کبھی
درد کی آگ میں
وہ ہمیں دیکھ لے!
وہ ہمیں دیکھ لے
آج در پر ترے
سر پٹکتے ہوئے
اور پگھلتے ہوئے!
گمرہی میں رہے،
ہم جو دن بھر، تو اب
خامشی میں ہماری مناجات سُن
چھین لے اب ہمیں
راہِ تاریک سے
شام ہوتے ہوئے
عمر ڈھلتے ہوئے!
آفرینش سے تھا

وقت کا قافلہ

جستجو میں کہ ہے ''ذات'' کی اصل کیا
تیری دانش پہ آ کر مکمل ہُوا
اِرتقا اپنی راہیں بدلتے ہوئے!
عمر بھر ہم نے دُوری کے صدمے سہے
دشتِ بے مُدّعا میں بھٹکتے رہے
آج تیری حضوری میں آ ہی گئے
گاہ گرتے ہوئے
گہہ سنبھلتے ہوئے!
کوئی عظمت کا تیری بیاں کیا کرے
تیرے ہر اک اشارے میں تھے معجزے
ہم نے دیکھا پہاڑوں کو چلتے ہوئے
آنسوؤں کو صداؤں میں ڈھلتے ہوئے!
عرش کے جسم کو
روحِ ابدال دے
تیرے جود و سخا کی خبر ہے اُسے
کب کوئی بزم سے تیری اُٹھ کر گیا
سر جُھکائے ہوئے
ہاتھ مَلتے ہوئے!

(عرش صدّیقی۔ مرحوم)

نوری ہستی ، پھر بھی انساں
عقلیں غلطاں ، نظریں حیراں

جیسے سورج ، جیسے کرنیں
خود ہی دعویٰ خود ہی بُرہاں

رحمت ایسی ، جیسے دریا
بخشش ایسی ، جیسے باراں

رتبہ اُونچا ، نظریں نیچی
دل میں تسکیں ، چہرہ تاباں

سر در سجدہ ، پابر سِدرہ
حیراں قدسی ، حُوریں ، غِلماں

موتی موتی حکمت دانش!
کرنیں کرنیں ایماں ،عرفاں

خَلوت فِکری ، جَلوت ذِکری
صبحیں خنداں ، راتیں گریاں

بھاری کنبہ ، روزی تھوڑی
حُجرے چھوٹے ، کم ہے ساماں

مقصد اعلیٰ ، رستہ سیدھا
توشہ تھوڑا ، منزل آساں

جینا سادہ ، کھانا کم کم
گدّا مسنَد ، کٹُیا ایواں

مسکینوں پر پَل پَل رحمت
بیواؤں پر ہر دم احساں

دامن سائل کا بھر دینا
خودرہ جانا خالی داماں

سجدہ گہ میں کلیاں چٹکیں
جنگا ہوں میں شعلہ ساماں

پیاری پیاری ، سادہ دعوت
’’بھائی بھائی ،انساں انساں‘‘

کم لفظوں کے چھوٹے فقرے!
معنی وافر ، باتیں آساں

باتیں سچّی ، لیکن میٹھی
سچّے موتی ، لیکن ارزاں

باتوں باتوں میں ہو جائے
شرحِ صد آیاتِ قرآں

مظلوموں کو عزّت بخشی
ڈرتے تھے دنیا کے سلطاں

صحراؤں میں برپا ہل چل
دریاؤں میں اُمڈے طوفاں

مومن سچّے دل سے قرباں
دشمن لرزاں ، حاسد ترساں

(نعیم صدیقی۔مرحوم)

جذبۂ حُبِّ رسولؐ
جادہ پیمائے قبول
ہاتھ پابندِ رسوم
دل دُعا میں مشغول
لبِ خاموش پہ ہے
ہدیۂ نعتِ رسولؐ
ایک خوشبو ہر سمت
ہرطرف پُھول ہی پُھول
یا کبوتر سرِ بام
یا فرشتوں کا نزول
ایک سایہ معدوم
نہ کہیں عرض نہ طول
تیراؐ ہر لفظ حدیث
تیراؐ ہر فعل اُصول
ارض یثرب کے مکیں
حرفِ عاجز ہو قبول

(ڈاکٹر وحید قریشی۔ مرحوم)

سخن کو ان کے حسیں نام سے سجاتے ہیں
ہم اپنا مان اسی صورت سے کچھ بڑھاتے ہیں
بساطِ فکر چمن زار ہو گئی گویا
جو لفظ ہوتے ہیں موزوں ،مہکتے جاتے ہیں
ملی ہے ان کو جو کچھ ان کے رنگ وبو کی رمق
تو پھول جامے میں پھولے نہیں سماتے ہیں
بہ پیشِ نور ازل جائے استعارہ کہاں
جو نقش سامنے آتے ہیں بجھ سے جاتے ہیں
ہے ذاتِ حق اَحَد وحیّ و مالک ودااور
ہم ان حروف میں ان کا بھی نام پاتے ہیں
خدا کی دین یہ گلہائے نعت ہیں،جن کو
ہم اپنی ہیکلِ تخیل پر سجاتے ہیں
ہمیں شکایتِ محرومیِ نظارہ نہیں
انہیں تو ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ پاتے ہیں
کرشمے ہیں اسی نورِ ازل کے ماہ و نجوم
یہ سب انھی کے ہیں جلوے جو جگمگاتے ہیں
ادا ہو کس سے بھلا حق ثنائے خواجہ کا
نہ پوچھئے کہ یہ مضموں کہاں سے آتے ہیں

(شان الحق حقی۔مرحوم)

ﷺ

ہر کسی کو ہو بقدر ظرف عرفانِ رسول   کون کہہ سکتا ہے کیا ہے حدِّ امکان رسولؐ

سِدرہ تک ہی پَر فشانی کر سکے روحُ الامیں
قابِ قوسینِ اَواَدنیٰ تک ہے جولانِ رسولؐ

جتنے پہلے کے صحیفے تھے مُحرَّف ہو چکے
لیکن اَلّاُ نَ کَمَا کانَ ہے قرآنِ رسولؐ

لشکرِ کفار پر جب بھی کرے تیرا افگنی
ربِّ مرسل کا بنے پیکان پیکان رسولؐ

کی طلبگاری کبھی اس نے نہ جز رزقِ کفاف
ہیں فقط ترک وتوکل سازو سامانِ رسولؐ

وقفِ حرماں کر سکیں اس کو نہ آلامِ جہاں
ہو ہویدا جس پہ رمزِ فقر و سلطانِ رسولؐ

ساکنانِ دہر پر بے اختصاصِ خاص و عام
واورِ رحمت ، کشادہ بابِ فیضان رسولؐ

پُر تبسم دیدۂ روشن پسِ دیدہ مگر
فکرِ امت سے رہے نم دیدہ ، مژگانِ رسولؐ

جادۂ سرچشمۂ حیواں منور ان سے ہے
ہیں چراغان شبِ ظلماتِ یاران رسولؐ

یہ نہ تھی قسمت کہ ہم ”اصحاب“ میں ہوتے مگر
ہیں بحمداللہ ازانِ خیلِ اخوانِ رسولؐ

تا ابد آباد ہے وہ میرِ اَقوام و امم
تا قیامِ یومِ دیں ، قائم ہے ایوان رسولؐ

سرنخم تعظیماً اس کے سامنے سب نعت گو
کون ہے جو ہو سکے ہمتائے حسانؓ رسولؐ

اس سے بڑھ کر اے مسلمانو! سعادت کون سی؟
ہوں مرے ماں باپ میرے بچے قربان رسولؐ

مکرِ نفسِ غول سے محفوظ رکھتا ہے مجھے
انتباہِ مشفقِ چشمِ نگہبانِ رسولؐ

من گدائے خوشہ چینِ خرمنِ علمِ نبی
”من فقیرِ طعم خوار ریزۂ خوانِ رسولؐ“

حق جو مداحی کا ہے مجھ سے ادا ہوتا نہیں
گو بحدِ استطاعت ہوں ثنا خوانِ رسولؐ

میں کہ خالدؔ نامی اک یا وہ سرائے ژاژ خا
لکھ سکوں اے کاش حرفِ چند شایان رسولؐ

بخت یاور ہو تو شاید گاہ میرا بھی شمار
ہو سکے منجملۂ خدّامِ خاصانِ رسولؐ

(عبدالعزیز خالد۔ مرحوم)

دے تبسم کی خیرات ماحول کو، ہم کو درکار ہے روشنی یا نبیؐ
ایک شیریں جھلک، ایک نوریں ڈلک، تلخ وتاریک ہے زندگی یا نبیؐ

اے نوید مسیحا! تری قوم کا حال عیسیٰ کی بھیڑوں سے ابتر ہوا
اس کے کمزور اور بے ہنر ہاتھ سے چھین لی چرخ نے برتری یا نبیؐ

کام ہم نے رکھا صرف اذکار سے، تیری تعلیم اپنائی اغیار نے
حشر میں منہ دِکھائیں گے کیسے تجھے، ہم سے ناکردہ کار امّتی یا نبیؐ

دشمنِ جاں ہوا میرا اپنا لہو، میرے اندر عدو، میرے باہر عدو
ماجرائے تحیّر ہے پُر سیدنی، صورتِ حال ہے دیدنی یا نبیؐ

روح ویران ہے، آنکھ حیران ہے، ایک بحران تھا، ایک بحران ہے
گلشنوں، شہروں، قریوں پہ ہے پرفشاں ایک گھمبیر افسردگی یا نبیؐ

سچ مِرے دَور میں جرم ہے، عیب ہے، جھوٹ فنِّ عظیم آج لاریب ہے
ایک اعزاز ہے جہل و بے رہ روی، ایک آزار ہے آگہی یا نبیؐ

راز داں اس جہاں میں بناؤں کسے، روح کے زخم جا کر دِکھاؤں کسے
غیر کے سامنے کیوں تماشا بنوں، کیوں کروں دوستوں کو دُکھی یا نبیؐ

زیست کے تپتے صحرا پہ شاہِ عربؐ! تیرے اکرام کا ابر برسے گا کب؟
کب ہری ہوگی شاخِ تمنا مری، کب مٹے گی مری تشنگی یا نبیؐ

یا نبیؐ! اب تو آشوبِ حالات نے تیری یادوں کے چہرے بھی دھندلا دیئے
دیکھ لے، تیرے تائبؔ کی نغمہ گری، بنتی جاتی ہے نوحہ گری یا نبیؐ

(حفیظ تائب۔ مرحوم)

ﷺ

کوئی ان کے بعد نبی ہوا؟ نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
کہ خدا نے خود بھی تو کہہ دیا، نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

کوئی ایسی ذاتِ ہمہ صفت، کوئی ایسا نورِ ہمہ جہت
کوئی مصطفیٰ، کوئی مجتبیٰ ،نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

بجز ان کے رحمتِ ہر زماں، کوئی ہو تو بتایئے
نہیں ان سے پہلے کوئی نہ تھا،نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

کسی ایسی ذات کا نام لو جو امیں بھی ہو جو اماں بھی ہو
یہ مرے یقیں کا ہے فیصلہ،نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

یہ نگار خانہء روزو شب' اُسی مبتدا کی خبر ہے سب
مگر ایسا جلوہء حق نما، نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

یہ سوال تھا کوئی اور بھی ہے گناہگاروں کا آسرا
تو رواں رواں یہ پکار اٹھا،نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

وہ قدم اٹھے تو بیک قدم ہمہ کائنات تھی زیرِ پا
یہ بلندیاں کوئی چھو سکا،نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

(حنیف اسعدی۔مرحوم)

ﷺ

رحمت کے سحر رنگ نظارے ہیں ہزاروں   اللہ نے جو آپؐ پہ وارے ہیں ہزاروں
انجیل میں انؐ کے لیے عیسیٰؑ کی بشارت   غزلاتِ سلیماں میں اشارے ہیں ہزاروں

حزقیلؑ وملائکؑ سے براہیمؑ دعا تک — ان کے لیے انوار کے دھارے ہیں ہزاروں
واللہ مگر شمسِ ہدایت تو وہی ہیں — مانا کہ ہدایت کو ستارے ہیں ہزاروں
اورنگِ نبوت پہ وہی صدر نشیں ہیں — جو لمحے سرِ عرش گزارے ہیں ہزاروں
عرفانِ الٰہی کا وسیلہ تو وہی ہیں — یہ اسوۂ طاہر کے اشارے ہیں ہزاروں
جس سمت سے آئے ہیں، وہ جس راہ سے گزرے — بکھرے ہوئے اس رہ میں ستارے ہیں ہزاروں
معراج کی شب وقت مگر ٹھہر گیا تھا — صدیوں نے شب و روز گزارے ہیں ہزاروں
حق پھر بھی ادا ہو نہ سکا عشقِ نبیؐ کا — نذرانۂ دل آپؐ پہ وارے ہیں ہزاروں
ان سا تو کوئی شافعِ محشر نہیں ہوگا — یوں حشر میں رحمت کے سہارے ہیں ہزاروں
صد شکر کہ مَیں آپؐ کی دہلیز تک آیا — راہوں میں ملے عشق کے مارے ہیں ہزاروں
قائل نہیں تقسیمِ محبت کے مگر ہم — تم جانو کہ محبوب تمہارے ہیں ہزاروں
ہے کیا درِ احمدؐ کے سوا، کیا کوئی دیکھے؟ — دامن کشِ دل سرؔو نظارے ہیں ہزاروں

(حکیم سرو سہارنپوری۔ مرحوم)

ﷺ

نعت

انسان ہیں وہ بھی، مگر — اُن کا ٹھکانہ شش جہات
رحمت نفس، خیر البشرؐ — اُن کا قدم نقشِ حرم
انسانیت کے واسطے — اُن کا کرم بابِ نجات

اُن کی دعائیں رات بھر
ہر ظلم کی یلغار میں
سب کے لیے سینہ سپر
ہر اک قدم، رفتار میں
صدیوں کا تہذیبی سفر
انسان ہیں وہ بھی، مگر
انسانیت کے واسطے اک دائمی منشور ہیں
وہ آسماں کا نور ہیں
جو خاک سے پیدا ہوا
وہ آفتابِ روح جو ادراک سے پیدا
علمِ حقیقی
ان کے اسمِ پاک سے پیدا ہوا
انسان ہیں وہ بھی، مگر
اُن کا نشاں_ رمزِ حیات
اُن کا پتہ_ اسرارِ ذات
اُن کا زمانہ_ جاوداں

اُن کا جریدہ زندگی
اُن کا قصیدہ کائنات
انسان ہوں میں بھی_ مگر
میرا یہ اندازِ نظر
میرا یہ اعجازِ قلم
میری یہ نظمِ معتبر
میری یہ نعتِ محترم
سب خود پناہی کے لیے_!
سب دادخواہی کے لیے_!

☆

(شبنم رومانی۔ مرحوم)

ﷺ

اُنؐ کے دَر پر گئے گردِ راہِ سفر جسم پر رکھ کے ہم
اور پھر یہ ہوا، پہروں روتے رہے، در پہ سر رکھ کے ہم

راستوں کی ہوا رہنما بن گئی ،سارباں بن گئی
جب چراغ ان کی چاہت کا لیکر چلے ہاتھ پر رکھ کے ہم

جِس کی تقدیر میں فرق کوئی نہیں،شام کوئی نہیں
نور کے شہر سے لائے ہیں،آنکھ میں وہ سحر رکھ کے ہم

اپنے رب سے دُعا مانگتے وقت اب شرم آتی نہیں
ان کی دہلیز سے آئے اپنی دعامیں اثر رکھ کے ہم

اپنی ہررات رکھتے ہیں روشن بہت اور معطّر بُہت
اِک چراغِ وفا ان کی یادوں بھرے طاق پر رکھ کے ہم

(اختر لکھنوی۔مرحوم)

ﷺ

عجیب قریہ ہے
جس کی خوشبو سے سارا عالم مہک رہا ہے
عجیب بستی ہے
جس کی باتوں سے اک زمانہ چہک رہا ہے
عجیب سی روشنی مکانوں سے آرہی ہے
عجیب تابندگی بہرسمت چھارہی ہے
عجب زمیں ہے
کہ آسماں کی بلندیاں ہیچ لگ رہی ہیں

اُحد کے میداں کی سمت جاتی ہوئی یہ گلیاں
بہت ہی پُر پیچ لگ رہی ہیں
مجھے یہ احساس ہی نہیں ہے کہ میں کہاں ہوں
میں کوئی ذرّہ ہوں، یا ستارہ ہوں،
......یا جہاں ہوں
تلاش کرتا ہوں میں وہ چہرہ
جو ساری آنکھوں کا مدعا ہے
مرے خدا میری خشک آنکھوں کو تازگی دے
مرے خدا مجھ کو زندگی دے
مجھے وہ چہرہ دکھا
جسے دیکھنے کی خواہش نے
مجھ کو مرنے نہیں دیا تھا
کبھی بکھرنے نہیں دیا تھا
عجیب قریہ ہے
دل مسرت سے
اور آنکھیں امنڈتے اشکوں سے بھرگئی ہیں

(شہزاد احمد۔ مرحوم)

نعت

یہی جی میں ہے
تری رحمتوں کے حصار میں ترے آستاں پہ کھڑا رہوں
تری اُونٹنی کے سفر میں جو 'اُڑی ریت' اُڑ کے دھنک بنی
اُسے اپنی آنکھ سے چوم لوں، اُسے اپنی جاں میں اُتار لوں
اُسی محترم سے غبار میں، ترے راستوں میں پڑا رہوں
یہی جی میں ہے
یہی جی میں ہے، ترے شہر میں کبھی ایسے گھوموں گلی گلی
ترا نقشِ پا مرے ساتھ ہو

مجھے یوں لگے کہ قدم قدم
ترے ہاتھ میں مرا ہاتھ ہو!
ترا لطف اس کو سکون دے یہ جو سانس سانس ہے بے کلی

....

مرے خوش نظر، مرے چارہ گر، مرے راز داں، مرے مہرباں!
یہ جو چار سو ہے خلا مرے، یہ جو وقت بہتا ہے درمیاں
اسے کھول میرے شعور پر
اسے کھول میرے شعور پر کہ نشاں ملے، یہ نشاں ملے
کہ جو واہموں کے چراغ ہیں یہ جلے ہوئے ہیں کہاں کہاں!

....

یہی جی میں ہے ترے در پہ میں
کبھی ایسے جا کے صدا کروں!
تو پلٹ کے پوچھے جو مُدعا
تو میں بے دھڑک، تجھے مانگ لوں!!

(امجد اسلام امجد۔لاہور)

ﷺ

ہے وہی کنجِ قفس اور وہی بے بال و پری — وہی مَیں اور تمنّا کی وہی بے اثری
لب ملے ہیں سو شب و روز ہیں فریاد کناں — آنکھ پائی ہے سو ہے وقفِ پریشاں نظری
کس سے کیجیے خلشِ سوزشِ پنہاں کا بیاں — کون سنتا ہے یہاں قصۂ شوریدہ سری
السّلام اے شہِ جنّ و ملک و حور و بشر — جس کے قامت پہ کُھلا حُسنِ لباسِ بشری

جس کے نقشِ کفِ پا دامنِ صحرا پہ گُلاب — فیض سے جن کے ہو تپتی ہوئی مٹی بھی ہری
کُو بکو جس کی ضیا مہرِ درخشاں کی طرح — چارسُو جس کی عطا مثلِ نسیم سحری
جس کے گھر میں نہیں ملتے زر و گوہر، وہ غنی — ہاتھ میں جس کے نہ شمشیر نہ خنجر، وہ جری
تیرےؐ اوصاف کہاں اور کہاں میری زباں — طاقتِ وصف سے بالا تری والا گُہری
بہ حسب صاحبِ اسراء و براق و معراج — بہ نسب مطّلبی و قرشیؐ و مُضری
فیض نے تیرے تراشے ہیں جواہر کیا کیا — زور و فقرِ علویؓ، عدل و جلالِ عُمریؓ
کجکلا ہوں کو مبارک ہوسِ مال و منال — اس گدا کو ترےؐ دروازے کی دریوزہ گری
تُو جو چاہے تو بنے مخزنِ انوارِ صفا — یہی جھولی کہ جواب تک ہے گناہوں سے بھری

(خورشید رضوی۔ لاہور)

نعت

رُتوں کی بجتی گھنٹیاں
صدیوں کی گردان
آتے جاتے قافلے
_ تپتا ریگستان

اوجھل سارے راستے

بوجھل پیر، جوان

لیکن اس اندھیر میں

ایک وہ نخلستان

جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں

سب کو ملے امان

(ثروت حسین۔مرحوم)

ﷺ

کیا میسر ہے ، میسر جس کو یہ جگنو نہیں
نعت کیا لکھے گا جس کی آنکھ میں آنسو نہیں

اللہ اللہ رحمۃُ لِلّعالَمینی آپؐ کی
آپ جیسا دہر میں کوئی ملائم خو نہیں

اسم احمدؐ سے مہک اُٹھی ہے بزم کائنات

گلشنِ تخلیق میں ایسی کوئی خوشبو نہیں

اک یہی نسخہ تو جملہ علّتوں کا ہے علاج
آپ کے پیغام میں کس درد کا دارو نہیں

اللہ اللہ مصطفیٰؐ کی سیرت و کردار کا
کون سا پہلو ہے جس میں خیر کا پہلو نہیں

(انور مسعود۔اسلام آباد)

ﷺ

خواب میں کاش کبھی ایسی بھی ساعت پاؤں
آپ کو نعت سنانے کی سعادت پاؤں
راہِ طیبہ میں ہوں ہمراہ ثنا خواں تیرے
حافظ و تائب و افضل کی رفاقت پاؤں
تیری رحمت ہو محافظ مری منزل منزل
چار سو اپنے ، ترا ہالۂ رحمت پاؤں
استقامت ہو عطا گرتے ہوئے جذبوں کو
شر کے ان زلزلوں میں خیر کی مہلت پاؤں!
سب سے آخر میں سہی ،گر نہیں سب سے پہلے
شافعِ حشر! تری میں بھی شفاعت پاؤں
راست فہمی ملے ان بے بصر اندازوں میں
اس گماں زار میں ایقانِ حقیقت پاؤں
کام آئے مرا خوں حرمتِ دیں کی رہ میں

سرِ میدانِ وفا اوجِ شہادت پاؤں
یاد سے تیری ہم آہنگ ہو دھڑکن دھڑکن
ذکر سے تیرے کسی پل نہ فراغت پاؤں
ثانیہ ثانیہ ہو شکر سراپا کی مثال
عمر میں خیر تو اعمال میں برکت پاؤں
دہر میں وجہِ حیات آپ کی الطاف رہیں
حشر میں بہرِ نجات آپ کی رحمت پاؤں
شرف اندوز ہو ذات آپ کے جذبِ حب سے
میں غلام آپ کا ہوں آپ سے عزت پاؤں
ایک پل بھی نہ ریاضؔ آج سے گزرے بے کار
خیر کے واسطے اب عمر کی مہلت پاؤں

(ریاض مجید۔فیصل آباد)

ﷺ

مطافِ کعبہ اقدس میں نعتِ مصطفیٰؐ مانگوں
خدائے روز و شب سے اور مانگوں بھی تو کیا مانگوں

مدینے کے جزیرے پر مری کشتی ہے آ پہنچی
خزانہ سامنے ہو تو بھلا نقشہ میں کیا مانگوں

مرا مقصود کب ہے مال و دولت کی فراوانی
مدینے میں سکونت کا اقامہ اے خدا مانگوں

میں شہرِ علم کی دہلیز پر اے قادر مطلق
ردائے علم میں لپٹے ہوئے ارضِ و سما مانگوں

میں کتنا خود غرض ہوں امتی سلطانِؐ طیبہ کا
کبھی تاجِ انا مانگوں کبھی خاکِ شفا مانگوں

مجھے رکھنا حصارِ عجز میں اے داورِ محشر
بوقتِ عدل بھی تجھ سے حروفِ التجا مانگوں

سوا نیزے پہ آ کر آگ برسانے لگا سورج
خدائے شہرِ طیبہ کی خنک آب و ہوا مانگوں

مہذب ساعتیں پھر لوٹ آئیں یا رسول اللہ
درندوں کا میں اپنی سرزمیں سے انخلا مانگوں

مجھے تفہیم کے لعل و جواھر کی ملے تابش — بیاضِ نعت کے ہر ہر ورق کا حاشیہ مانگوں
میں اربابِ قلم سے یا حبیبؐ اللہ سر مکتب — خلافِ علم و دانش ہر عمل پر تبصرہ مانگوں
مرے آباء نے یہ تاکید کر رکھیّ ہے صدیوں سے — محمدؐ کے وسیلے سے ہمیشہ ہر دعا مانگوں
جہاں لمحے درودِ پاک کا خیمہ لگاتے ہیں — اُسی خیمے کے اندر میں شب غارِ حرا مانگوں
ریاضؔ خوشنوا کو بھی رعایا میں رکھیں شامل — محمدؐ کی غلامی کی خدا سے انتہا مانگوں

(ریاض حسین چودھری۔سیالکوٹ)

ﷺ

استغاثہ

اے خاصہ خاصانِ رسل، ہادی برحق
حالی نے روا رکھا تھا جو طرزِ تخاطب
مجھ جیسے سبک سر کو تو اچھا نہیں لگتا
اے سید الابرار......
''امّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے''[1]
اس ''تُم'' پہ، ''تمہاری'' پہ، تری ''تُو'' پہ، تو مالک
ہے سخت تعجب کہ اک ادنےٰ سایہ انسان
کیا آپ سے اس درجہ تکلّف سے بری ہے؟
اے سرورِ کونین......

میں خاکِ کفِ پا بھی نہیں آپ کی آقا
میں کیا ہوں، فقط اک کفِ خاشاک، خس و خاک
بے وقعت و ناکارہ و بے دانش و نافہم
اور آپ، حضور، اکمل و سرمد، مرے مالک
میں آپ کو ''تُو'' کہہ کے پکاروں؟ مری جرأت؟
میں ''تُو'' کہوں اس صلِّ علیٰ شمس الضحےٰ کو
جس کے لیے حسّان۲ کا لہجہ بھی ہے کمتر؟
اس طرزِ تخاطب پہ زباں میری نہ کٹ جائے؟
اے صدر العلیٰ شہ......

(ہاں، خاک مرے منہ
میں) مگر پوچھ ہی لوں میں
کیا آپ شہ انبیا، کمتر ہیں کسی سے؟
جو آپ کو ''تُو'' کہہ کے مخاطب ہیں سخن میں
یہ ''افسر الشعرا''، یہ ''غزل گو''، یہ ''بیت بند''؟
اے سیّد الابرار......

۱۔خواجہ الطاف حسین حالی

۲۔حضرت حسّان بن ثابت

شہ انبیا کی خدمت اقدس میں اس حقیر شاعر ستیہ پال آنند نے یہ استغاثہ پیش کیا

(ستیہ پال آنند۔امریکا)

ﷺ

سکوں ملا ہے بھلا کب کسی کے دامن میں
سو آبسا ہوں میں نعتِ نبی کے دامن میں

اُجالا آپ ہی کی ذات سے ہوا ورنہ
شعاعِ نور نہ تھی روشنی کے دامن میں

کشادہ قلبی رحمت مآب کیا کہنا
پناہ سب کو ملی آپ ہی کے دامن میں

صحیح کہ فیض رسانی میں کوئی ان سا نہیں
بجا کہ رحمتِ حق ہے انہی کے دامن میں

شعور حق کی عجب روشنی ملی ان سے
وہ آگہی کہ نہ تھی آگہی کے دامن میں

وہ صلح کُل ہیں ہراک صلح انکا نقشِ قدم
انہی کے پھول ہیں سب آشتی کے دامن میں

عروج آدم خاکی انہی کے فیض سے ہے
انہی کا حرف دعا زندگی کے دامن میں

جز ایک اشکِ ندامت جز ایک حرف دعا

نہیں ہے کچھ مری تردامنی کے دامن میں
مجھے تو نعتِ نبی شاد کام رکھتی ہے
یہ اک گہر ہے بہت شاعری کے دامن میں

(پیرزادہ قاسم۔کراچی)

ﷺ

چشمِ نظارہ طلب طیبہ میں کام آئی نہیں
منزلِ دید پہ درکار یہ بینائی نہیں

ایک آواز عمرؓ لہجہ و صدیقؓ آہنگ
دل سے کہتی ہے تجھے اذنِ شکیبائی نہیں

میں نے بھی نذر گزاری تھی متاعِ دل و جاں
شکر صد شکر کہ سرکارؐ نے ٹھکرائی نہیں

گہرِ وصفِ نبیؐ کی ہو سمائی جس میں
بحر تو بحر ہے، دل میں بھی وہ گہرائی نہیں

کون سی راہِ ہدایت ہے جو اس ہادیؐ نے
دل کو دکھلائی نہیں، عقل کو سمجھائی نہیں

کاش اُس بات سے محفوظ رہیں یہ لب و گوش
جو مرے سید و سردارؐ نے فرمائی نہیں

چاکِ پیراہنِ ہستی کو رفو کرتے ہیں
ان کے دیوانے بڑے لوگ ہیں، سودائی نہیں

دل میں اک حرف کیا حبِ نبیؐ نے ایجاد
کہ جو شرمندۂ خاموشی و گویائی نہیں

سیدیؐ آپ کی الفت کے مقابل کوئی شے
ماں نہیں، باپ نہیں، بیٹے نہیں، بھائی نہیں

آپؐ کی شان گرامی ہے خدا کی وہ بات
جو کبھی اُس نے کسی اور میں دہرائی نہیں

رفعتیں آپؐ کے نقشِ کفِ پا سے ابھریں
وہ بلندی نہیں جو زیرِ قدم آئی نہیں

آپؐ کے در سے نہ مردود کیا جاؤں میں
دل کسی اور کرامت کا تمنائی نہیں

سرورا، آپ کی امت پہ مسلط ہیں وہ لوگ
جن کو اللہ کے آگے بھی حیا آئی نہیں

بسکہ باور نہیں آتی یہ حکایت ہم کو
حاکمِ شہر مسلماں ہے، کلیسائی نہیں

جب بھی دنیا کی طرف شوق سے دیکھا جاویدؔ
دلِ بیدار پکارا کہ نہیں، بھائی نہیں!

(احمد جاوید۔لاہور)

ﷺ

دل ونگاہ کی دُنیا نئی نئی ہوئی ہے
دُرود پڑھتے ہی یہ کیسی روشنی ہوئی ہے

میں بس یونہی تو نہیں آ گیا ہوں محفل میں
کہیں سے اِذن ملا ہے تو حاضری ہوئی ہے

جہانِ کُن سے اُدھر کیا تھا کون جانتا ہے
مگر وہ نور کہ جس سے یہ زندگی ہوئی ہے

ہزار شکر غلامانِ شاہِ بطحا میں
شروع دن سے مری حاضری لگی ہوئی ہے

بہم تھے دامنِ رحمت سے جب تو چین سے تھے
جدا ہوئے ہیں تو اب جان پر بنی ہوئی ہے

یہ سر اُٹھائے جو میں جا رہا ہوں جانبِ خلد
مرے لیے مرے آقاؐ نے بات کی ہوئی ہے

مجھے یقیں ہے وہ آئیں گے وقتِ آخر بھی

میں کہہ سکوں گا زیارت ابھی ابھی ہوئی ہے

(افتخار عارف۔اسلام آباد)

زرِ گُل ہُوئی مری گرد بھی کہ ریاضِ عشقِ رسُولؐ ہوں
بڑی پاک خاک ہے یہ گلی، میں اُسی کی دُھول کا پُھول ہُوں

وہ شہنشہِ عرب وعجم، وہ تہہِ فلک حَرَمِ اُمَمؐ
میں اُنہیؐ کی تیغ تبار ہوں، میں انہیؐ کی زرہِ فضول ہُوں

مِرے بادشاہ، مِرے بلی، مہ و مہرِ فاطمہؓ و علیؓ
حسنؓ و حسینؓ مِرے ولی کہ غلامِ بیتِ بتولؓ ہُوں

یہ گُلِ دیارِ علوم ہیں، وہؓ مہِ رُسل کے نجوم ہیں
یہی نکہتیں مِری رُوح ہیں، میں اُنہیؓ کے نُور کی دُھول ہُوں

مِرا فن خطاؤں کی پوٹ ہے، مِرے دل میں نام کا کھوٹ ہے
مِری سمت آئی نہ لَوٹ کر، میں نگاہِ لُطف کی بُھول ہُوں

مِری آنکھ میری ندیم ہے، مری نیند میری گلیم ہے
یہ عطائے ربِ کریمؐ ہے، کہ گدائے رُوئے رسولؐ ہُوں

پسِ نَوم بھی درِ باز ہیں، سرِ بابِ خواب دراز ہیں

مری پُتلیوں کی ہتھیلیاں کہ فقیرِ بابِ قُبول ہُوں

مجھے عُمر بھر ہے یہ دیکھنا ، مِرا جسم ہے مِرا آئینہ
یہ رضائے ربِؐ بہار ہے کہ میں سر بہ جیب ، ببول ہُوں

مری بے حِسی مِرے ساتھ ہے، مِرے ہاتھ میں مِرا ہاتھ ہے
نہ میں اپنے سُکھ پہ نہال ہوں، نہ میں اپنے دُکھ پہ ملوُل ہُوں

مِری گورِ نخلِ چراغ ہو ، کہ یہ گور خاک پہ داغ ہو
مُجھے کیا خبر نہ قُبول ہوں، مجھے کیا خبر کہ قُبول ہُوں

نہ قلندری مجھے زیب دے، نہ سکندری مجھے زیب دے
نہ میں برگِ بیتِ رسولؐ ہوں، نہ میں حرفِ مدحِ رسولؐ ہُوں

(خالد احمد۔ مرحوم)

ﷺ

نطق ہے ذکرِ رسولؐ ربِّ اکرم کے لیے / ہے زباں دراصل وردِ اسمِ اعظم کے لیے
جس کی آنکھوں میں بسا ہو کالی کملی کا جمال / اس کے ہاتھ اٹھتے نہیں کمخواب و ریشم کے لیے
آپؐ کی ہر سانس آیت لوحِ قلب و ذہن پر / آپؐ کی ہستی صحیفہ ابنِ آدم کے لیے
اے خوشا لمحہ کہ پیشِ روضۂ اقدس ہوں میں / کاش نبضِ وقت ہی رک جائے اک دم کے لیے
رات کے بھیگے لبوں پر ذکرِ صلی اللہ تھا / وقت تھا موزوں حدیثِ نالۂ غم کے لیے
عرض کی میں نے ادب سے، اے رسُول ہاشمی / کوئی دارو ، درد کے ناسور کے سَم کے لیے
تشنہ کاموں کے لیے جو قلزمِ انوار تھی / اب ترستی ہے وہ دھرتی عکسِ شبنم کے لیے
عالمِ اسلام ہے محصور چاروں سمت سے / قلبِ مسلم مضطرب ہے امنِ عالم کے لیے
خوف طاری ہے رگ و پے پر مشینی دور کا / نوعِ انساں منتظر ہے ایٹمی بم کے لیے
خون آشامی پہ مائل دشمنانِ دینِ حق! / مستقل خطرہ بنے ہیں برِّ اعظم کے لیے
دیدنی ہے منظرِ جاں چارہ فرمائے حجاز! / کر رہے ہیں زخمِ دل فریاد مرہم کے لیے
کوئی صورت کوئی حل اے رحمت للعالمین! / بے نوا افغانیوں کی سوزشِ غم کے لیے
شعر کی صورت جواب آیا مری فریاد کا / بادِ صبح گہہ نے بو سے چشمِ پُرنم کے لیے
آپ نے شفقت سے فرمایا کہ، اے انور جمالؔ / نسخۂ اکسیر ہے یہ طبعِ برہم کے لیے
”اتحادِ ملّتِ اسلامیہ کی فکر کر ! / قصرِ الّا اللہ کی بنیادِ محکم کے لیے“

(انور جمال۔ملتان)

ﷺ

روشنی کا پیمبر

آسمانوں میں بکھری ہوئی سلطنت کے سفیروں نے مژدہ سُنا
آسمانوں میں بکھری ہوئی سلطنت کے سلاطیں نے سجدہ کیا
روشنی کے پیمبر کو سجدہ کیا
روشنی آگہی بن گئی
روشنی زندگی بن گئی
آسمانوں میں بکھری ہوئی سلطنت کے سفیروں نے مژدہ سُنا
روشنی روشنی جاوداں روشنی
عالمِ رنگ و بو کا نشاں روشنی
بعثتِ لفظ کی داستاں روشنی
نورِ ناطق کا حرف و بیاں روشنی
اور مکاں سے ہے تا لامکاں روشنی
آج پہنچی کہاں سے کہاں روشنی
آج اتری ہے دوشِ فلک پیر سے
کتنی شاداب کتنی جواں روشنی
ظلمتوں کی صفیں سب لپیٹی گئیں
اور پھیلی کراں تا کراں روشنی
آسمانوں میں بکھری ہوئی سلطنت کے سفیروں نے مژدہ سُنا
روشنی کا پیمبر
زمیں _ اندھی کالی زمیں پر
چمکتی ہوئی نور کی ایک چادر بچھانے چلا ہے
وہ چادر کہ جس پر مقدس ستاروں کی جھالر
چمکتے ہوئے زندہ لفظوں کی بیلیں سجی تھیں
وہ چادر جہاں سات افلاک کے سات رنگوں سے

اک قوس سی بن گئی تھی
اور اس قوس کے دونوں جانب
پُرانی زبانوں میں اِک لفظ_ تنہا دہکتا سا اِک لفظ لکھا ہوا تھا
وہ چادر جہاں چار کونوں پہ تھے
چار حرفوں کے چہرے
یہی چار حرفی عبارت بنائے جہاں تھی
یہی روشنی تھی_ یہی روشنی کے پیمبر کا پیغام بھی تھی
اسی چار حرفی عبارت کو میں نے پڑھا تھا
مجھے ''م'' سے ماورائی حقائق کی دولت ملی
مجھے ''ح'' سے حرمت ملی لفظ کی
مجھے ''ب'' سے آنکھوں کی بارش ملی
مجھے ''ت'' سے تُو مل گیا
روشنی کے پیمبر
ترا نام بھی چار حرفی عبارت
ترا کام بھی چار حرفی عبارت
یہی چار حرفی عبارت تو سرمایۂ کُل جہاں ہے
یہی کُن فکاں ہے
یہی لامکاں ہے
یہی جاوداں ہے
اسی چار حرفی عبارت کا وجدان دنیا میں پھر عام کر دے
اسی چار حرفی عبارت کا وجدان دنیا میں پھر عام کر دے
روشنی کے پیمبر
روشنی کے پیمبر

(رشید قیصرانی)

ﷺ

چاند سورج ترے ، ہر ایک ستارہ تیرا
ظلمتِ دہر میں ہر سو ہے اجالا تیرا

گو ترے عہدِ مبارک سے رہا ہوں محروم
تیری سیرت میں نظر آتا ہے چہرہ تیرا

تیری امت ، تری نسبت کے شرف سے
زندہ
تیری نکہت سے مہکتا رہا صحرا تیرا

معجزہ تیری نبوت کا ہے کتنا روشن
یعنی ہے مصحفِ قرآں ، یدِ بیضا تیرا

چاہیے خیر کے ایوان کی تعمیر اگر
کام اس کام میں دیتا ہے سراپا تیرا

شبِ دنیا میں ضیا تیری ہے، اے ماہِ عربؐ
فرش سے عرش تلک طاری ہے ہالہ تیرا

شعر لکھتا ہوں تری نعت کا ، جب بھی آقاؐ
جھلملاتا ہے مرے ذہن میں روضہ تیرا

(لالہ صحرائی ۔ مرحوم)

ﷺ

اس میں شامل ہے رضا و کرمِ عزّ وجل ہر عبادت سے درود آپ کا، اعلیٰ افضل

آپ کے اسم سے ہیں لفظ جہاں میں معنی ورنہ یہ دفترِ صد رنگ و نمو بس مہمل

شفقتیں آپ کی ہر گوشۂ گیتی پہ محیط رحمتیں آپ کی دنیا پہ برستا بادل

آپ کی دین ہے دنیا کو شرف کی منزل ظلمت دہر میں ہیں آپ ہی حق کی مشعل

آپ یکتائے زمانہ ہیں وہ سلطاں جس کا کوئی نقارہ نہ دربار نہ قلعہ نہ محل

آپ نے قیدِ زماں توڑ کے حق کو دیکھا عقل ہے آج بھی زندانیٔ اسباب و عِلل

آپ کی بات بشر کے لیے اسمِ اعظم وجہِ تقلیدِ جہاں آپ کا ہر ایک عمل

آپ کے نام پہ قربان ہزاروں جانیں آپ کے پاؤں کے نیچے مری آنکھوں کے کنول

آرزو ہے کہ یہ بڑھ کر بڑا چھتنار بنے آپ کے پیار کی پھوٹی ہے جو دل میں کونپل

اِک عنایت کی نظر مجھ پہ بھی، آقائے جہاں! اِک اشارہ مری بخشش کا بھی، مولائے مِلل!

اِک جھلک روئے مبارک کی بھی ارزانی ہو زندگانی مری بے برگ ہے، ہو جائے سپھل

میں بھی منجملہء اجرامِ محبت ہو جاؤں آفتابِ افقِ خیر! مجھے بھی اِک پل

اِک تمنا ہے کہ بس اتنی سعادت مل جائے روضۂ پاک پہ روتا ہوں کہ آ جائے اجل

(پرتو روہیلہ۔ پشاور)

ﷺ

ورقِ جاں پہ کوئی نعت لکھا چاہیے ہے
ایسی حسرت کو تقرب بھی سوا چاہیے ہے

ظرفِ بینائی کو دیدارِ شہہ لوح و قلم
وصفِ گویائی کو توفیقِ ثنا چاہیے ہے

حرفِ مدحت ہو کچھ ایسا کہ نصیبہ کُھل جائے
ایسے ممکن کو فقط حُسنِ عطا چاہیے ہے

چشمِ آشفتہ کو اک عہدِ یقیں ہے درکار
دلِ بے راہ کو نقشِ کفِ پا چاہیے ہے

آنکھ غم ناک ہو اور سانس میں اک اسم کی رو
زندہ رہنے کے لیے آب و ہوا چاہیے ہے

مژدۂ غیب ہے اک بابِ حضوری مجھ کو
اتنے امکان کے بعد اب مجھے کیا چاہیے ہے

اس شب و روز کے آشوبِ مسافت میں نصیر
اب مدینے کی طرف بھی تو چلا چاہیے ہے

(نصیر ترابی۔کراچی)

سامنے ہیں سرورِ ﷺ کون و مکاں ، آہستہ بول
اے لبِ لرزاں! دلِ گریہ کُناں! آہستہ بول
اے وفورِ شوق! اے جذبِ رواں! آہستہ بول

یہ سماں ہے صبحِ طیبہ کا سماں ، آہستہ بول
اے غلامِ مصطفےٰؐ! یہ ہے مقامِ مصطفےٰؐ
آپؐ محوِ استراحت ہیں یہاں ، آہستہ بول
میرے اُن کے درمیاں حرفِ سخن کچھ اور ہے
اے زمانے! میرے اُن کے درمیاں آہستہ بول
میں زمینِ گلشنِ طیبہ پہ ہوں محوِ خرام
اے دیارِ کہکشاں! اے آسماں! آہستہ بول
یہ دیارِ سرورِؐ دیں ہے ،ذرا آہستہ چل
آ رہی ہے دل کے کعبے سے اذاں،آہستہ بول
بولنا چاہوں اگر میں اپنے آقاؐ کے حضور
بول اُٹھتا ہے مرا دردِ نہاں ، آہستہ بول
یہ سلامِ زندگی پیشِ امامِ زندگی
بولنے والے ! مثالِ قدسیاں آہستہ بول
لُطف تو جب ہے کہ اُن سے بات ہو بولے بغیر
بول لیکن صاحبِ تسلیمِ جاں! آہستہ بول
رحمتِ کُل سے زبانِ گلفشاں میں بات کر
بات کر، پھر بھی زبانِ گلفشاں! آہستہ بول
بولنا واجب نہیں سرکارؐ کے دربار میں
آپ سُن لیتے ہیں اشکوں کی زباں،آہستہ بول
اُن کو بے حرف وصدا بھی پیش کرتے ہیں سلام
کیا زمیں ،کیا آسماں ،کیا اِنس وجاں،آہستہ بول

(شوکت ہاشمی۔ مرحوم)

جو لب پہ خیر الوریٰؐ کے آیا وہ لفظ فرمان ہوگیا ہے
بہارِ مدحت کا ہے وہ مژدہ ،ثنا کا عنوان ہوگیا ہے

چمک اٹھی پھر حسین محفل، درودِ خیر لبشرؐ کی ضو سے
چلا ہے ذکرِ حضورؐ جب بھی وہ نورِ عرفان ہو گیا ہے

دیارِ طیبہ میں شب گزارے، جہاں محبت کے ہیں نظارے
جو مدتوں سے ترس رہا تھا وہ انؐ کا مہمان ہو گیا ہے

رسولِ اکرمؐ کی پیروی میں گذاری جس نے حیات اپنی
غریب و نادار وہ گدا بھی، جہاں کا سلطان ہو گیا ہے

وہی ہے عشقِ نبیؐ میں کامل ہے، وہی ہے حبِّ نبیؐ کا وارث
رہِ محبت میں چلتے چلتے فنا جو انسان ہو گیا ہے

ملیں ضیائیں مجھے ہنر کی، وقارِ صوت وصدا بھی نکھرا
رسولِ رحمتؐ کا ذکرِ انور، اسی کی پہچان ہو گیا ہے

نہیں ہے گوہرؔ تمہیں سلیقہ کہ پھول الفاظ کے سجاؤ
جو کہہ رہے ہو ثنائے خواجہؐ، خدا کا احسان ہو گیا ہے

(گوہر ملسیانی۔خانیوال)

ہم سمجھتے ہیں پئے نعت، حقیقت اپنی — لفظ در لفظ مجسّم ہے عقیدت اپنی

شرطِ لازم ہے جو توصیفِ نبیؐ کی خاطر — وہ جزالت نہ فصاحت نہ بلاغت اپنی

ہاتھ آیا کوئی پیرا یۂ اظہار ،کہاں — ہوسکی قید نہ الفاظ میں چاہت اپنی

وہ مرے دل کی صداقت سے بخوبی واقف — میں نے دُنیا کو دکھائی نہ محبّت اپنی

پھر کسی اور تعارف کی ضرورت کیا ہے — رنگ جائے جو اُسی رنگ میں سیرت اپنی

کاش یہ بات کسی طور سمجھ لے اُمّت — عزّتِ احمدِ مختار ہے عزّت اپنی

توڑتا ہے کوئی ایمان سے رشتے اپنے — چھوڑتا ہے کوئی دُنیا میں روایت اپنی

ہم کسی ’’ازم‘‘ کے شیدا نہ یہ مسلک اپنا — ہے فقط مذہبِ اسلام ،علامت اپنی

ہٹ سکے گی نہ کبھی گنبدِ خضریٰ سے نظر — اب ایلورہ نہ اجنتہ ہے ضرورت اپنی

قبلہ و کعبہ سے منسوب تمدن اپنا — ٹیکسلا میں نہ ہڑپّہ میں ثقافت اپنی

مانعِ خدمت آفاق ، فرائض نہ سنن — ہو اگر مائلِ تبلیغ طبیعت اپنی

مظہر شانِ عزیمت ہیں مجاھد اپنے — حسنِ تسلیم و رضا ، شرطِ جبلّت اپنی

یادہم سب کو رکھا آپؐ نے معراج کی شب — حشر میں بھی نہ فراموش ہو، اُمّت اپنی

کیوں پئے نعت ظہوری ، وہی عجزِ دانش — چاہتا ہے مرا ابلاغ نہایت اپنی

(سیّدانوارظہوری۔مرحوم)

کاغذ پر وہ نام لکھوں تو رو پڑتا ہوں

میں رحمت کے پُھول چُنوں تو رو پڑتا ہوں

دِل کے بندھن ٹُوٹ گئے ہیں فرطِ غم سے
اب مَیں ان کی نعت کہوں تو رو پڑتا ہوں

جس جس نے بھی ساتھ دیا تھا آنحضرتؐ کا
ان سب کے مَیں نام گنوں تو رو پڑتا ہُوں

جن کی راہیں چُوم رہے ہیں قدسی کب سے
اُن کا پَل بھر ساتھ نہ دوں تو رو پڑتا ہوں

جس کی خاطر پُھول کِھلے ہیں صحرا صحرا
اُس خوشبو کو یاد کروں تو رو پڑتا ہوں

جن کے صدقے پار لگے گی سب کی نیّا
اُن کا مَیں فرمان سُنوں تو رو پڑتا ہوں

اُن کا روضہ چُوم رہے ہوں جب دیوانے
اُس لمحے کا ساتھ نہ دوں تو رو پڑتا ہوں

دن میں کتنی بار ادب سے اُن کا انجمؔ
جی بھر کر مَیں نام نہ لوں تو رو پڑتا ہوں

(انجم نیازی۔ راولپنڈی)

خیال اُس کا مجھے ہر سفر میں رہتا ہے

کہیں بھی جاؤں مدینہ نظر میں رہتا ہے

وہ ہو عروج کا موسم کہ ہو زوال کی رُت
ترےؐ حوالے سے پتّہ شجر میں رہتا ہے

سُلگتی دُھوپ مرا امتحان کیا لے گی
وہ چھاؤں بن کے مری دوپہر میں رہتا ہے

کسی دُکھے ہوئے دل میں اُسے تلاش کرو
وہ اپنے چاہنے والوں کے گھر میں رہتا ہے

ندامتوں میں بھی روشن ہے اک اُمیدِ کرم
کوئی چراغ مری چشمِ تر میں رہتا ہے

اُسی کی دین ہے جاویدؔ ہر حسیں تخلیق
تصوّر اُس کا ہی دستِ ہُنر میں رہتا ہے

(ملک زادہ جاوید۔ بھارت)

پھر رواں فِکر کا اُس سمت سفینہ دیکھوں

ساحلِ چشم سے انوارِ مدینہ دیکھوں

چپّے چپّے پہ نقوشِ کفِ پا ہیں اُن کے
ذرّے ذرّے کی ہتھیلی پہ دفینہ دیکھوں

ایک پیمانِ وفا ، غارِ حِرا سے اَب تک
منتقل ہوتے ہوئے سینہ بہ سینہ دیکھوں

اُن کے احوال ، نمونہ بنی آدم کے لیے
اُن کے اقوال میں انمول خزینہ دیکھوں

کبھی دیکھوں وہ پھڑکتی ہوئی رگ اَبرو پر
اور کبھی رُوئے مبارک پہ پسینہ دیکھوں

اُن کی سیرت میں رنگا جاؤں تو جنّت پاؤں
اُن کی تقلید میں جینے کا قرینہ دیکھوں

''میرے محبوب''! کہا ربّ نے یہ معراج کی رات
''آ مرے پاس ، تجھے زینہ بہ زینہ دیکھوں''

حرمِ پاک سے تا روضۂ اقدسؐ خالدؔ
پا برہنہ جو چلوں ،دن نہ مہینہ دیکھوں

(انور محمود خالد۔فیصل آباد)

ﷺ

قائم ہو جب بھی بزم حساب و کتاب کی
دیکھوں وہاں میں شان رسالت مآب کی
ہاں ! میں بھی سر جھکائے کھڑا تھا حضورِ شاہ
لگتا ہے یوں ، کہ جیسے یہ باتیں ہوں خواب کی

خوں رنگ ہو گئی ہے حضوری کی آرزو
شاید اِسے نصیب ہو صورت گلاب کی
ایماں کے ساتھ جس نے عمل سے کیا گریز
اُس نے تو اپنی آپ ہی مٹی خراب کی
اُن کا سحابِ لطف برستا ہے ہر طرف
کیا بات ہے جنابِ رسالت مآب کی
مجھ پر یہ لطف کم تو نہیں ہے، کہ ہجر میں
کرتا ہوں نذر شعرِ عقیدت جناب کی
اے شافعِ اُمم ! ہے تمنائے عاصیاں
نوبت کبھی نہ آئے سوال و جواب کی
ہر فرد سیرتِ شہِ والا میں ڈھل کے آئے
تجسیم ہو تو یوں ہو نئے انقلاب کی
ظاہر ہو جب شفاعتِ کبریٰ تو ہے اُمید
میں بھی رہوں نظر میں وہاں آں جناب کی
اے کاش اہلِ بزم سبھی یہ صدا سنیں
اللہ نے تمہاری دعا مستجاب کی
پہنچیں حضورِ شافعِ محشر سب اُمتی
حبل المتین تھامے ہوئے الکتاب کی
ہوں گے جو سجدہ ریز شفیع الوریٰ عزیزؔ
برسات ہوگی پھر تو کرم کے سحاب کی

(عزیزؔ احسن۔کراچی)

صلی اللہ علیہ وسلم

تصورِ درِ کعبہ میں وہ مزا ہے کہ بس
وہ لطفِ سجدہ مدینہ میں آگیا ہے کہ بس

خدا کے بعد محمد کا نام آتا ہے
سبق زباں کو وہ دل نے پڑھا دیا ہے کہ بس

درِ نبی پہ مسرت کے آنسوؤں کے سوا
وہ سیلِ اشکِ ندامت کا سلسلہ ہے کہ بس

کلیدِ خلد تو بے شک ہے اتباعِ رسول
مگر خدا نے وہ مژدہ سنا دیا ہے کہ بس

نفس نفس ہے پئے نعتِ مصطفیؐ یارو
درود اتنا مجھے راس آگیا ہے کہ بس

شعورِ نعت نگاری عطا کیا ہے مجھے
خدا نے حمد کا ایسا صلہ دیا ہے کہ بس

ہمارا دین تو اسلام ہے مگر اخگر
نبیِؐ ختمِ رسل بھی تو وہ ملا ہے کہ بس

(حنیف اخگر ملیح آبادی۔مرحوم)

ﷺ

ہوئی ہے رُوح مری جب سے آشنائے درود
لہو میں گونجتے رہتے ہیں نغمہ ہائے درودؐ

درُود ازل ہی سے موجود ہے یہ دنیا میں
حضورؐ آئے تو رکّھی گئی بنائے درود

کھلا یہ منزلِ ہستی کا مجھ پہ رازِ نہاں
نجات کا کوئی رستہ نہیں سوائے درُود

برہنہ لفظ لبوں سے کبھی ادا نہ ہوئے
زباں نے پہنی ہے جب سے مری قبائے درُود

پھر اس کے بعد یہ سوچیں گے گفتگو کیا ہو
جو آئے پہلے سُنے اور پھر سُنائے درُود

ازل سے گونج رہی ہے سماعتوں میں اذاں
بنی بنائی ملی ہے ہمیں فضائے درُود

وہی جو مالک و مختار ہے دو عالم کا
اسی کے نام سے ہوتی ہے ابتدائے درُود

خدا کا شکر ادا کیجیے کہ ہم کو سلیمؔ
بنامِ اسمِ محمدؐ ملی متاعِ درُود

(سلیم کوثر۔کراچی)

بلند ہاتھ میں کاسہ ہے دستِ خالی کا — حرم کی سمت سفر ہے یہ مجھ سوالی کا
کبھی کبھی مری آنکھوں میں آ کے دیکھتی ہے — یہ اشتیاق عجب ہے لہو کی لالی کا
یہ واقعہ ہے کہ سارے جہاں میں شہرہ ہے — حضورؐ آپ کے صحرا کی خوش جمالی کا
خیال بس میں نہیں، لفظ دسترس میں نہیں — قصیدہ کیسے کہوں پیکرِؐ مثالی کا
مجال کیا کہ سمندر کو میں سمیٹ سکوں — کہ میرا ظرف ہے ٹوٹی ہوئی پیالی کا
ملالِ بے ہنری کیا چھپاؤں آپ سے میں — کہ مجھ کو رنج ہے خود اپنی بے کمالی کا
میں اپنے کرب کو سب سے زیادہ جانتا ہوں — سو ترجمان ہوں اپنی ہی خستہ حالی کا
کسے بتاؤں کہ برگ و ثمر کے ہوتے ہوئے — مری زمین پہ موسم ہے خشک سالی کا
حضورؐ وہ بھی تو اک چوبِ خشک تھی جس کو — ملا تھا آپ سے رتبہ مقامِ عالی کا
حضورؐ میں بھی تو سوکھے شجر کی صورت ہوں — مجھے بھی خوف ہے لوگوں سے پائمالی کا
حضورؐ آپ نے تو گردنیں چھڑا دی تھیں — مجھے بھی حکم ہو پھر سے مری بحالی کا
حضورؐ میں نے سنا ہے کہ آپ کے در سے — سوال رد نہیں ہوتا کسی سوالی کا

(سعودؔ عثمانی۔ لاہور)

ﷺ

شہِ حجازؐ کا ہے تذکرہ اذاں کی طرح
یہ ایک اسم ہے ہم کو متاعِ جاں کی طرح

نُقوشِ پائے مُحمدؐ سے جل رہے ہیں چراغ
رہِ حیات چمکتی ہے کہکشاں کی طرح

مجھے زمانے کے گرداب کیا ڈرائیں گے
خیالِ احمد مُرسلؐ ہے بادباں کی طرح

اُنہی کے قدموں کو چھو کر خزف ستارہ ہُوئے
کہ اُن کے پاؤں کی مٹّی ہے آسماں کی طرح

وہ جن کا سایہ نہ تھا اُن کا سایۂ رحمت
غموں کی دھوپ میں ہے سر پہ سائباں کی طرح

کوئی گدا نہ پلٹ کر گیا تہی دامن
نہیں ہے کوئی بھی در اُن کے آستاں کی طرح

دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے شہرِ رسولؐ
کشش نہیں ہے کسی خاک میں یہاں کی طرح

گرفتہ دل ہو فراست اُنہیؐ کو یاد کرو
صعوبتوں میں وہ اک یاد ہے اماں کی طرح

(فراست رضوی۔ کراچی)

توڑ کر جس نے دوبارہ مہِ کامل باندھا
میں نے اس ہاتھ سے یہ ٹوٹا ہوا دل باندھا

بس ارادہ ہی کیا تھا کہ چلوں سوے رسول
ناقۂ شوق نے خود پیٹھ پہ محمل باندھا

استعارہ کوئی محبوب و محبّ کا نہ ملا
میں نے آئینے کے آئینہ مقابل باندھا

مرا رخ بھی اسی جانب ہے کہ طوفانوں میں
اہلِ مکہ نے مدینے ہی کو ساحل باندھا

آپ کی نرم مزاجی کا جو مضموں سوجھا
میں نے کافر کو بھی کافر نہیں غافل باندھا

(لیاقت علی عاصم۔ کراچی)

ﷺ

گیسوئے مشکیں کے خوابوں پر ختن صدقے کروں

سرخیِ لب کے تصور میں یمن صدقے کروں

دھیان میں آئے جو دندانِ مبارک کی چمک
آفتابِ عمر کی ایک اک کرن صدقے کروں

کالی کملی پر فدا ہر عیشِ سنجاب و سمور
بوریے پر ہر سکونِ جان وتن صدقے کروں

سایۂ سرکار پر دنیا کا ہر سایا نثار
قامت اطہر پہ ہر سرو سمن صدقے کروں

خلوت صلِّ علیٰ کے دم سے ہے یہ انجمن
خلوت صلِّ علیٰ پر انجمن صدقے کروں

احمد و یٰسین و طٰہٰ کیا پکاروں کیا کہوں
کس پہ واروں ناطقہ کس پر دہن صدقے کروں

اپنے آقا کا تبسم یاد ہے عاصم مجھے
کیوں نہ ہر خارِ زمانہ پر چمن صدقے کروں

(لیاقت علی عاصم۔کراچی)

ﷺ

آگے قیادتوں کا ، کوئی سلسلہ نہیں

اُس نقشِ پا کے بعد کوئی نقشِ پا نہیں

آؤ ، اگر تلاش تمہیں روشنی کی ہے
یہ آفتاب وہ ہے کہ جو ڈوبتا نہیں

سرکار پرسلام ، کہ اس نام کے سوا
سن کر کسی کا نام ، کوئی جھومتا نہیں

ماں ، باپ ، جان ، بھائی ، بہن ، آپؐ پر نثار
دنیا میں اس قدر کوئی چاہا گیا نہیں

اللہ! کیا رسولؐ عطا کر دیا ہمیں
یہ وہ کرم ہے جس کی کوئی انتہا نہیں

انؐ کا غلام کہہ کے مجھے بس پکاریے
میں اپنا نام ، اپنا نسب جانتا نہیں

بس آئنہ ہے آپؐ کی سیرت کا آئنہ
اس آئنے کے بعد کوئی آئنا نہیں

اظہرؔ یہ راہِ نعت بھی اک پُل صراط ہے
وہ بچ نہیں سکا جو سنبھل کر چلا نہیں

(اظہر عنایتی۔رامپور)

خزاں کا بطلان کر کے آخر بہار ہی سرخرو ہوئی ہے
تریؐ صدا کے محیط میں آ کے زندگی خوبرو ہوئی ہے

میں تیریؐ نسبت کو اوڑھ کر جاوداں سعادت کا ہمسفر ہوں
تری مہک عام میری دنیائے قلب میں کو بہ کو ہوئی ہے

شبِ سفر کی مسافتوں میں دعا کا زادِ سفر عطا ہو
کہ رہ گزاروں کی دُھول بننا ہماری نسلوں کی خُو ہوئی ہے

پھر اپنی آنکھوں کے واسطے مَیں ترے زمانے کی خاک ڈھونڈوں
تری تمنا کی وادیوں میں حیات اک جستجو ہوئی ہے

ازل سے لے کر ابد کے دن تک تری شفاعت کے سائباں میں
ترے کرم سے جہان بھر کو عطا نئی آبرو ہوئی ہے

اور اب تو دیدار کی بشارت مرے مقدر میں بھی رقم ہو
کہ شہرِ قلب ونظر کی فیروزؔ ایک ہی آرزو ہوئی ہے

(محمد فیروز شاہ۔میانوالی)

ﷺ

اندھیروں میں دمکتا ہے، ہوا کے رخ پہ جلتا ہے
چراغ مصطفےٰؐ پر کب کسی کا زور چلتا ہے

ضرورت کیا ہے دیکھوں ، ایمن و افلاک کی جانب
مرے آقا کے روضے میں چراغِ طور جلتا ہے

کوئی مغرب نہیں ہے آفتابِ نورِ عالم کا
وگرنہ ہر ستارہ ، چاند اِک نقطے پہ ڈھلتا ہے

رسول اللہ اس انداز سے تشریف لائے ہیں
زمیں سے جیسے ہیرا ، رات سے سورج نکلتا ہے

بکھرتا ہے نبیؐ کے نام سے اِک رنگ سینے میں
کہ جیسے شام کو آفاق میں سونا پگھلتا ہے

شہِ بطحا کا دشمن ایک ہے بوجہل سے بُش تک
یہ بوڑھا سانپ ہر موسم میں پیراہن بدلتا ہے

بڑا بے چین رکھتا ہے اندھیرے میں مرے آقاؐ
اُجالے میں جو سایہ جسم سے میرے نکلتا ہے

کوئی آواز ہے جو تھام لیتی ہے مجھے انجم
جہاں آنکھیں بہکتی ہیں ، جہاں پاؤں پھسلتا ہے

(ڈاکٹر اشفاق انجم ۔ بھارت)

ﷺ

نعتِ پاک (چہار در یک Four in one)

نوٹ:۔اس نعت کو درج ذیل چار طرح سے پڑھیے۔
(۱)پورے پورے مصرعے پڑھیے۔(۲) بریکٹ سے پہلے درج جزو کو بریکٹ میں درج جُز سے مِلا کر پڑھیے (۳) بریکٹ میں درج جُز کو اُس کے بعد درج جز سے ملاکر پڑھیے۔(۴) صرف بریکٹ میں درج مصرعوں کو پڑھیے۔

للہ اے (محبوب ربِّ ذوالمنن) یاسیّدی!
یاشاہِ دیں (چشم کرم برحال من) یاسیّدی!
اَلحمدُ رب (گیسوئے تومشکِ ختن) یاسیّدی!
صَلِّ علیٰ (دندانِ تودُرِّ عدن) یاسیّدی!
مجبور را (برآستانِ خود طلب) محبوب رب!
بحرِ سخا (یامصطفٰی ، فخرِ زمن) یاسیّدی!
یاسیّدی!(برگشتہ شُد عالم ہمہ) ازبے نوا
بربے نوا(رحمت بکن آقائے من) یاسیّدی!
مہر عطا (نورالہدیٰ ،بدر الدّجیٰ) شمس الضحیٰ!
نورِ خدا (شاہِ عرب،شاہِ زمن) یاسیّدی!
بیمار ام (مجبور اَم ،شاہِ امم) لُطف و کرم
خاموش اَم (دشوار شُد گُفتن سخن) یاسیّدی!
بہر خدا(حال دلِ صابرؔ ببیں) فخر الرّسُل
خیرالوریٰ (سرکار من،شاہِ زمن)یاسیّدی!

(صابرؔسنبھلی،یوپی۔بھارت)

ﷺ

نعتِ اقدس (چہاردرایک۔Four in one)

نوٹ: اس نعت کو درج ذیل چار طریقوں سے پڑھیے۔

(۱) پورے پورے مصرع پڑھیے (۲) بریکٹ سے پہلے لکھے ہوئے الفاظ کو بریکٹ میں درج الفاظ کے ساتھ ملا کر پڑھیے ۔ بریکٹ کے بعد جز کو چھوڑ دیجیے ۔(۳) بریکٹ میں درج جز کو بریکٹ کے بعد درج شدہ جز سے ملا کر پڑھیے ۔ بریکٹ سے پہلے درج الفاظ کو نہ پڑھیے ۔(۴) صرف بریکٹ میں درج جز کو پڑھیے ۔

خدا و ندا (مدینہ میرا مسکن ہو) تو کیا کہنا
جہاں مسکن (وہیں عاصی کا مدفن ہو) تو کیا کہنا
سرِ محشر (حبیبِ ربِّ اکبر کا) سہارا ہو
شہہِ دیں کا (مرے ہاتھوں میں دامن ہو) تو کیا کہنا
حقیقت ہو (شہہِ دیں سے عقیدت میں) مرے مولا
نہایت ہی (محبت میں کُھلا پن ہو) تو کیا کہنا
کرم کرنا (دہائی جب بھی دوں مولا) مصیبت میں
ضرورت پر (مری امداد فوراً ہو) تو کیا کہنا
مقدّر پر (خدا کا فضل ہوجائے) پس مُردن
وہ آجائیں (اندھیری قبر روشن ہو) تو کیا کہنا
زہے قسمت (مدینے میں ہوں جب حاضر) الٰہی میں
ندامت سے (مری آنکھوں میں ساون ہو) تو کیا کہنا
قیامت کو (گزر جاؤں میں پُل سے یوں) تمنّا ہے
رُکاوٹ ہو (نہ اڑچن ہو، نہ الجھن ہو) تو کیا کہنا
یہ خواہش ہے (مجھے دیدِ نبی ہو یوں) کبھی صابرؔ
نہ جالی ہو (نہ پردہ ہو، نہ چلمن ہو) تو کیا کہنا

(صابرؔ سنبھلی، یوپی۔ بھارت)

ﷺ

قول تنقید سے بالا اُنؐ کا
حرفِ آخر ہے حوالہ اُنؐ کا

نام انؐ کا ہے جہاں میں روشن
چاروں جانب ہے اجالا اُنؐ کا
وصفِ رخ انؐ کا بیاں ہو کس سے
رنگ تھا دیکھنے والا انؐ کا
جگ میں سیرت ہے مثالی انؐ کی
سب سے اُسوہ ہے نرالا انؐ کا
لشکرِ دیں کے وہیؐ ہیں سالار
فوجیں انؐ کی ہیں، رسالہ انؐ کا
انؐ کو محبوب ہے بس حسنِ عمل
ماہ رو انؐ کا ہے، کالا انؐ کا
زیست سے اس کی نحوست نہ ٹلی
حکم جس شخص نے ٹالا انؐ کا
خلد میں جائے گا انؐ کے ہمراہ
جو بھی ہے چاہنے والا انؐ کا
ساری مخلوقِ الٰہی میں رئیس
مرتبہ سب سے ہے اعلیٰ انؐ کا

(رئیس احمد نعمانی۔ بھارت)

نہ دل پہ بوجھ رہے گا نہ امتحان میں جان

درود پڑھتے رہو، جب تلک ہے جان میں جان

یہ کس کا نام لیا، روشنی اترنے لگی
یہ کس کا ذکر چلا ، پڑگئی زبان میں جان

اٹھانا بوجھ کوئی کم نہیں تھا قرآں کا
نہ تھی زمین میں طاقت نہ آسمان میں جان

حضورؐ ، حرف تلطف کہ بات بن جائے !
حضورؐ ، بوئے تبسم کہ آئے جان میں جان!

کبھی میں نعت پڑھوں اور کبھی سلام سنوں
کبھی دہن میں ہو میرے کبھی ہو کان میں جان

خوشا وہ سانس جو آئے نبیؐ کی یاد لیے
خوشا کہ مجھ سے ہو رخصت نبیؐ کے دھیان میں جان

بس ایک نامؐ سے چلتا ہے کاروبار حیات
بس ایک فردؐ سے باقی ہے خاندان میں جان

(منیر سیفی۔ مرحوم)

زمین پر جو ترے آستاں کا حصّہ ہے

زمیں کا حصّہ نہیں ، آسماں کا حصّہ ہے

زمیں کو تیری سعادت ، فلک کو تجھ سے شرف

کہ تیرا لُطف و کرم دو جہاں کا حصّہ ہے

کوئی بھی راہ سہی ، تیری پیروی میں تو ہے

ہر اک مسافر اسی کارواں کا حصّہ ہے

ترے نقوشِ قدم سے جو سرفراز ہوئی

وہ مُشتِ خاک مرے جسم و جاں کا حصّہ ہے

جزا کا اہل نہیں ہوں سزا کی تاب نہیں

مرا وجود کہیں درمیاں کا حصّہ ہے

(صفدر صدیقی رضی۔کراچی)

سر بہ سر مصحفِ انوار کوئی اور نہیں
آپ ہیں آپ ہی سرکارؐ کوئی اور نہیں

ہے یہ قرآں سے بھی روشن کہ شہِؐ دیں جیسا
صاحبِ سیرت وکردار کوئی اور نہیں

صنعتِ خالقِ کونین میں اے شاہِ اممؐ
آپ کی شان کا شہکار کوئی اور نہیں

آپ جس منزلِ معراج کو پہنچے آقاؐ !!
ایسی رفعت کا سزا وار کوئی اورنہیں

خواہشِ دیدنبیؐ کس کو نہیں ہے لیکن
ربِّ اکبر سا طلبگار کوئی اور نہیں

پھول رحمت کے بہ ہرآن جہاں کھلتے ہیں
کوئے آقاؐ سا چمن زار کوئی اور نہیں

دیکھ کر جس کو حضورؐ اپنی خبر تک نہ رہے
ہے وہ بس آپ کا دربار کوئی اور نہیں

آپ احمدؐ بھی محمدؐ بھی ہیں محمود بھی ہیں
اِن چراغوں سے ضیا بارکوئی اور نہیں

راستہ قربِ الٰہی کا دکھانے میں قمؔر
جیسے آقاؐ ہیں مدد گار کوئی اور نہیں

(قمؔروارثی۔کراچی)

ہم زمانے میں پھرے، دل کو حرم میں رکھا

حرمِ پاک کو اِس دیدۂ نم میں رکھا

جو بھی لکھا ہے وہ انوار صفت لکھا ہے
اسمِ احمدؐ نے یہ اعجاز قلم میں رکھا

دل کو دُنیا کے جھمیلوں میں اُلجھنے نہ دِیا
اِس کو بس جستجوئے باغِ ارم میں رکھا

دوش پر لے کے صبا مُجھ کو مدینے پہنچی
جذبۂ شوق کو ہر ایک قدم میں رکھا

خاکِ طیبہ کو نگاہوں سے نہ اوجھل جانا
اِس تصّور کو عرب اور عجم میں رکھا

روزِ محشر بھی عنایت کی نظر ہو، جیسے
عمر بھر سایۂ دامانِ کرم میں رکھا

(نورین طلعت عروبہ۔اسلام آباد)

ﷺ

نعت لکھنے کو جو کاغذ پہ لکھا بسم اللہ

آئی جبریل کی فورا ہی صدا ،بسم اللہ

نعت لکھنے کے لیے پہلے دعا مانگتے ہیں
اور پڑھتے ہیں سدا قبل دعا،بسم اللہ

میں نے کاغذ پہ کیا سورہ یسٰین کو دم
اورخامے سے کہا صل علیٰ بسم اللہ

دین اسلام کی نصرت کا جہاں آیا سوال
ایک ہی گھر تھا،کہا جس نے سدا بسم اللہ

مجھ میں طاقت یہ کہاں نعت پیمبر لکھتا
ہے فقیروں پہ یہ آقا کی عطا،بسم اللہ

آنکھ ہے روضے کی جالی پہ،جبیں چوکھٹ پر
موت اب تجھ کو جو آنا ہے تو آ،بسم اللہ

میں نے اک نعت سنانے کی اجازت چاہی
اورنکیرین نے خوش ہوکے کہا ،بسم اللہ

(عقیل عباس جعفری۔کراچی)

لب پہ جب نعت آ گئی ہے
شاخِ جاں بھی مہک اٹھی ہے
آپؐ کی گفتگو میں آ کر
حرف کو روشنی ملی ہے
خوشبوئے خاکِ پائے اقدس
لالہ و گل میں بس رہی ہے
خلد کی راہ ، دو جہاں پر
انؐ پر ایمان سے کھلی ہے
آ گئی بادِ نو بہاری
زندگی پھول پھل رہی ہے
رشک سے تھامنا پڑا دل
ثور پر جب نظر پڑی ہے
لمعہء دہر میں فروزاں
روشنی انؐ کے نام کی ہے
قصویٰ کا بھی نصیب جاگا
آپؐ کے سائے میں چلی ہے
قافلے جا چکے مدینے
حسرت اک دل میں رہ گئی ہے

(خورشید ربانی۔اسلام آباد)

ﷺ

خدا کی بزمِ جہاں پر ہے یہ عنایتِ خاص
کہ دے کے آپ کو بھیجا گیا ہدایتِ خاص

خدا اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں
نگاہِ شوق میں آیت یہی ہے آیتِ خاص

بجز زیارتِ روئے رسول جنت سے
غرض ہی خاص ہمیں ہے کوئی نہ غایتِ خاص

نبیِ خاتم و ختم الرسل ہیں آپؐ بس آپؐ
نہایتوں میں نہایت ہے یہ نہایتِ خاص

ہم امتی ہیں رعایت یہ خاص ہے ہم سے
خوشا کہ حشر کے دن بھی ہے یہ رعایتِ خاص

(اجمل سراج۔کراچی)

ﷺ

ہے جہاں محو خود نمائی میں
خوش ہوں میں آپؐ کی گدائی میں

اسمِ احمدؐ ورق پہ لکھتے ہی
آ گیا نور روشنائی میں

بھیجتی ہوں درود آقاؐ پر
میں فرشتوں کی ہم نوائی میں

کس سے تشبیہہ دوں مرے آقاؐ
آپؐ سا کون ہے خدائی میں

مل گیا ربِّ کائنات مجھے
سرورِ دیںؐ کی رہنمائی میں

لاکھ بدلے چلن زمانے کا
میں رہوں عشقِ مصطفائیؐ میں

نعتؐ کہنے میں ہے جو سرشاری
وہ کہاں ہے غزل سرائی میں

(عنبرین حسیب عنبرؔ۔کراچی)

ﷺ

زندگی شاد کیا کرتی ہے
جب انہیں یاد کیا کرتی ہے
کیسے جگمگ مرے سارے درو بام
عیدِ میلاد کیا کرتی ہے
ان کے ناعت کی سدا رحمتِ رب
آپ امداد کیا کرتی ہے
اپنے آباء کی طرح مدحِ نبی
میری اولاد کیا کرتی ہے
ہو جو ویران تو پھر خانہء دل
نعت آباد کیا کرتی ہے
یادِ سرکارِ دو عالم کی گرفت
غم سے آزاد کیا کرتی ہے
آ پ کے حکم پہ فکرِ صائب
بے دھڑک صاد کیا کرتی ہے
آپ کا فقر و غنیٰ یہ دنیا
آج بھی یاد کیا کرتی ہے
ہر ڈگر عرشؔ اطاعت کے سوا
وقت برباد کیا کرتی ہے

(عرش ہاشمی۔اسلام آباد)

ﷺ

نورِ حق نے اس طرح پیکر سنوارا نور کا
نور گویا بن گیا ہے استعارہ نور کا

ہے کوئی ایسا بشر اس عالمِ امکان میں؟
سر سے پاؤں تک ہو جو اک شاہ پارا نور کا

نور دل ہے، نور سینہ، نور پیکر، نور جاں
نور کا سورہ(۱) ہے گویا استعارا نور کا

جو حجاباتِ خداوندی میں چمکا مدتوں
جالیوں سے دیکھ آیا ہوں وہ تارا نور کا

رات زلفوں کی بلائیں لے کے پیچھے ہٹ گئی(۲)
سانس(۳) لے کر صبح نے صدقہ اتارا نور کا

انشراحِ قلب و سینہ کا بیاں قرآن میں
نور کے دریا میں گویا ہے یہ دھارا نور کا

سرحدِ قوسین سے بھی ماورا معراج میں
بزم''او ادنیٰ'' میں چمکا اک ستارا نور کا(۴)

چاند، سورج، کہکشاں، تارے، دھنک اور روشنی
نور کے دریوزہ گر پائیں اتارا نور کا

ایک درِ بے بہا ہے یا ہے قطرہ نور کا
میری پلکوں پر فروزاں ہے جو تارا نور کا

سینہ بریاں، دیدہ گریاں کیجیے مجھ کو عطا
میرے دل پر بھی ہمیشہ ہو اجارا نور کا

اک نگاہِ لطف فرما دیجیے ہم پر حضور
ہم کو بھی درکار ہے بس اک اشارا نور کا

یا رسول اللہ اپنی کاوشیں مقبول ہوں
یہ ''فروغِ نعت'' بن جائے ادارہ نور کا

(شاکرالقادری۔ اٹک)

(۱) القرآن: سورۂ نور
(۲) والیل اذا عسعس۔ سورۂ تکویر: ۱۷
(۳) والصبح اذا تنفس۔ سورۂ تکویر: ۱۸
(۴) فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ سورۂ نجم، ۲

ﷺ

قلم نے حرفِ ثناء جیسے ہی شروع کیا
فلک نے وجد میں قرطاس پر رکوع کیا

ہوئی جو فکر لکھوں نعت شان کے شایان
حسین شعر نے مطلع معاً طلوع کیا

جو نعت لکھتے ہوئے ایک بھی گرا آنسو
چمکتے چاند نے قرطاس پر وقوع کیا

مرے لبوں نے کیا جب بھی ذکرِ صلِّ علیٰ
بہ صد خضوع کیا اور بہ صد خشوع کیا

اسی کو شان بڑھانی تھی آسمانوں پر
تو اس نے آمدِ سرکار سے رجوع کیا

تو پہلی بار ہُوا آسمان رشک سے زیر
زمیں پہ گنبد خضرا نے جو شیوع کیا

ہمیں حضور نے بخشا تھا سیدھا سادا دین
مناقشات سے ہم نے اسے فروع کیا

صدائے صل علےٰ آرہی ہے مضطؔر کیوں؟
یہ کس کے ذکر کرنے مقطع میں آ، وقوع کیا!

(آفتاب مضطر۔کراچی)

ﷺ

اک مُٹھی ستو ہوں ،روٹی خشک ادھوری ہو

مولا!مجھ سے آپ کی سنت کیسے پوری ہو

نعت توہے محتاط رویوں اورجذبوں کا کام

اتنی بات ہے کہنا جتنی بات ضروری ہو

ہجر کے نم کاغذ پرعشق کے سبز قلم کے ساتھ

ہم نے عرض گزاری دیکھیں کب منظوری ہو

جو مہکا دے اندر باہر جسم کے سب ایوان

میرے دل میں عشق نبی کی وہ کستوری ہو

آپ کی آل کا صدقہ مانگے لفظو ں کا مزدور

نعت کی صورت اب کی بار کھری مزدوری ہو

لفظ ترے خالی تھے ورنہ کیسے ممکن ہو

واسطہ ان کا آئے دعا میں اور نہ پوری ہو

(کاشف عرفان۔اسلام آباد)

ﷺ

ہر آنکھ میں پیدا ہے چمک اور طرح کی
ہے گنبد خضراء کی جھلک اور طرح کی

ہر آن خیالوں میں ہے اس شہر کی ٹھنڈک
چلتی ہے جہاں بادِ خنک ، اور طرح کی

جھونکا کوئی گزرا ہے مدینے کی ہوا کا
اطراف میں ہے آج مہک، اور طرح کی

جب لوٹ کے آتے ہیں مدینے کے مسافر
ہوتی ہے جبینوں پہ چمک، اور طرح کی

اشکوں کی جو برسات ہوئی یادِ نبیؐ میں
پھیلی افقِ جاں پہ دھنک، اور طرح کی

یہ سرورِ عالم کی غلامی کی عطا ہے
رہتی ہے جو لہجے میں کھنک، اور طرح کی

پلکوں پہ جو روشن ہے مدینے کے سفر میں
یہ شمع ہے اے بامِ فلک اور طرح کی

کرتا ہوں میں جب مدحِ محمدؐ کا ارادہ
ملتی ہے مدینے سے کمک اور طرح کی

سرور نے سنا ہے یہی شاہانِ سخن سے
ہے نعت کے لکھنے میں جھجک اور طرح کی

(سرور حسین نقشبندی۔لاہور)

ﷺ

دلوں میں عشق احمد ﷺ کو بسائے ایسی مدحت ہو
ادب کا منصبِ اعلیٰ دلائے ایسی مدحت ہو

عطا حسنِ ارادت ہو، بصیرت بھی ملے مجھ کو
سبق سیرت کا جو ازبر کرائے ایسی مدحت ہو

سلیقہ مجھ کو بھی حسنِ بیاں کا دے مرے مولا
حریمِ حرف میں خوشبو بسائے ایسی مدحت ہو

میں کھو جاتی ہوں اکثر یادِ طیبہ میں، مرے مولا!
رسائی مجھ کو طیبہ تک دلائے ایسی مدحت ہے

وہ مدحت ہو کہ جس میں حرمتِ سرور مجسم ہو
جو میری فکر کو اعلیٰ بنائے ایسی مدحت ہو

ثنائے شاہِ ﷺ طیبہ کا قرینہ بھی میسر ہو
گہر افکار کے ہر سو لٹائے ایسی مدحت ہو

اویسی اور بلالی عشق کی تنویر مل جائے
مرے الفاظ میں خوشبو سمائے ایسی مدحت ہو

یہی اک آرزو ہے نازؔ کی اب اے مرے آقا
درِ اقدس پہ آ کر خود سنائے ایسی مدحت ہو

(سمیعہ ناز۔ برطانیہ)

ﷺ

تھے عالی مرتبہ سب انبیاء اوّل سے آخر تک
مگر سرکار سا کوئی نہ تھا اوّل سے آخر تک

نکل آئیں گے حل سب مسئلوں کے چند لمحوں میں
حیاتِ مصطفےٰ کو سوچنا اوّل سے آخر تک

اتارے جسم و جاں پر سارے موسم شادمانی کے
بدل دی شہرِ ہستی کی فضا اوّل سے آخر تک

جنہیں اُمّی لقب کہہ کر زمانہ یاد کرتا ہے!
وہی ہیں حاملِ علمِ خدا اوّل سے آخر تک

فرشتوں نے مری لوحِ عمل پر روشنی رکھ دی
ثناء خوانِ محمد لکھ دیا اوّل سے آخر تک

ملی ہے کاسۂ فن کو مرے خیرات طیبہ سے
مِرا دیوان ہے ان کی عطا اوّل سے آخر تک

بہارِ نعت سے باغِ سخن لہکا صبیحؔ ایسا
ترو تازہ رہی فصلِ نوا اوّل سے آخر تک

(صبیح رحمانی۔کراچی)

خطوط

ڈاکٹر فتح محمد ملک۔اسلام آباد

۷/ستمبر۲۰۱۴

عظیم مجلّہ ''نعت رنگ'' کا تازہ شمارہ پا کر بہت خوش ہوں۔اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ۔ زیرِ ترتیب شمارے کے لیے ایک مختصر سا مضمون آٹھ دس دِن تک ڈاک کے سپرد کردوں گا۔ اُمید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور جب اسلام آباد تشریف لائیں گے تو اطلاع بخشیں گے۔

......

ڈاکٹر ریاض مجید۔فیصل آباد

۹/مئی ۲۰۱۵

نعت رنگ کو پچیسویں پڑاؤ مبارک—— ہر کام میں بہتر سے بہتر کی گنجائش ہمیشہ ہوتی ہے آپ نے اس مرحلے پر'نعت رنگ' کے بارے میں مشاورت طلبی کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اللہ کرے یہ خیرو برکت کا سبب ہو اور'نعت رنگ' کے قارئین اور اہلِ قلم اخلاصِ نیّت سے'نعت رنگ' کو اپنے مفید مطلب مشوروں سے نوازیں۔

جیسا کہ'نعت رنگ' کے قارئین کو علم ہے اس جریدے کا واحد مقصد اردو کی اصنافِ سخن میں سے نعت کو فکری اوصاف اور فنّی محاسن کے حوالے سے ایک ایسی بلیغ صنف کے طور پر پیش کرنا ہے جس میں ادبیاتِ عالیہ کے سارے محاسن کا عمدگی سے اظہار ہُوا ہو۔اسے محض ایک مذہبی موضوع کا بیان نہ سمجھا

جائے بلکہ اس کی تخلیق میں صرف کی جانے والی مساعی، مہارت، ریاضت اور تخلیقی اقدار کے شمول کو بھی زیرِ جائزہ لایا جائے۔

مقامِ اطمینان ہے کہ ''نعت رنگ'' سے وابستہ اہلِ قلم نے اس صنف کو ایک اعلیٰ ادبی معیار کی حامل صنف کے طور پر متعارف کروانے کی کوشش کی ہے یہاں میں متعارف کو لغوی مفہوم کی بجائے تلازماتی حوالوں میں لے رہا ہوں مقدار کے علاوہ معیار سازی کے لئے کوشاں ذہنوں نے اردو شعریات کے ساتھ اردو تنقیدات میں بھی اس صنف کو ایک عالمانہ جہت سے روشناس کیا یہ رُوشناسی اور تعارف گزشتہ دہائیوں میں اتنا جاندار اور شاندار نہیں تھا جتنا نعت رنگ کی سعیٔ جمیلہ سے ہُوا(جان دار اور شان دار کے الفاظ کثرت استعمال سے اپنی وہ تازگی کھو چکے ہیں جو اِن الفاظ کے آغاز میں آج سے کئی صدیاں پہلے شامل تھی۔) میں قارئین کی توجہ پھر ان الفاظ سے وابستہ مفاہیم کی قدیم تازگی کی طرف لے جانا چاہتا ہوں ''نعت رنگ'' کی تنقیدی جہت نے اس صنف کے نہ صرف آفاق وسیع کئے بلکہ اس صنف کو معیار آشنا بھی کیا۔

جرائد کا تسلسل کئی حوالوں سے ادبی میلانات کو ایک واضح رُخ دیتا ہے اردو رسائل میں نقوش، اوراق، فنون، سیپ ایک طرح کے ادب (افسانہ، نظم، غزل وغیرہ) کی اشاعت کے باوجود میلانات اور پیشکش میں ایک دوسرے سے ذرا مختلف رہے ہیں دراصل رسائل کا وقت کے ساتھ ایک اپنا مزاج بن جاتا ہے ''نعت رنگ'' کا تنقیدی حصہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ جس طرح معیار آشنا اور توازن رُو ہوا ہے یہ نعت ـــــ خصوصاً تنقیداتِ نعت کے لحاظ سے خاص انفرادیت کا حامل ہے اسے نہ صرف بحال رکھنے بلکہ علمی و تحقیقی انداز سے اور زیادہ متوازن رکھنے کی ضرورت ہے۔

''نعت رنگ'' کے آئندہ شماروں کے لئے چند تجاویز ہیں (ان سے آپ کا یا قارئین نعت کا متفق ہونا ضروری نہیں)

۱۔ سرورق سے شروع کرتے ہیں سہ ماہی ''آج'' نے سادگی کے ساتھ رسائل کے جرائد کو ایک تازہ جہت سے رُوشناس کیا ہے اس کے شمارے سٹال اور لائبریری میں بڑے ہوئے دُور سے پہچانے جاتے ہیں ہر نئے شمارے پر رنگ کے فرق اور شمارہ کے نمبر سے'' آج'' کے الگ الگ پرچوں کی شناخت ہوجاتی ہے۔ نعت رنگ کے سرورق کو بھی ایک مخصوص شکل دی جا سکتی ہے۔ ہر شمارہ پر نعتیہ خطاطی کے نمونے بھی دیئے جا سکتے ہیں اسلام آباد سے چھپنے والے رسالے پیغام آشنا کی طرح —— آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ صوفی برکت کی مرتب کردہ کتاب ''اسمائے نبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم'' میں اسماء مبارکہ کی خطاطی حافظ یوسف سدیدی مرحوم نے کی ہے میں نے اپنی نعتیہ کتابوں سیدنا احمد ''سیّدنا محمّد''، سیّدنا الرّحیم، سیّدنا الکریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرورق کی خطاطی اسی کتاب سے لی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ کتابوں کے عنوانات اور خطاطی بھی حافظ یوسف سدیدی مرحوم سے (بہ جذبہ تشکر و دعا) اخذ کرنے کا آرزومند ہوں —— نعت رنگ کے سرورق پر مستقلاً ایک خاص سائز کے بکس میں اس مبارک خطاطی سے استفادہ کیا جا سکتا ہے —— حرمین شریف کی تاریخی تصاویر وغیرہ بدل بدل کر آتی رہیں اور باقی تمام سرورق ریورس میں ایک جیسے پس منظر ('آج' وغیرہ کی طرح) کے ساتھ ہر بار مختلف رنگ میں آتا رہے پُشتے پر شمارہ وار نمبر کے اندراج کے ساتھ ——

۲۔ نوتصنیف —— کے عنوان سے غزل کے علاوہ نعتیہ قصائد اور مثنویات یا دوسری صنف سخن کی اشاعت کی طرح ڈالی جائے یہ حصہ تین چار صفحہ پر مشتمل کسی بھی صنف میں نوتصنیف نعت پارہ پر مشتمل ہو اُس طرح غیر محسوس طور پر ایک دو سالوں میں نعت کے باب میں پُرشکوہ اور محاسن شعری کی حامل اصناف (عام غزلیہ نعتوں کے علاوہ) تخلیق ہوں گی اور ان کی جمع آوری ہو سکے گی۔

۳۔ اس نعت میں —— جیسے کسی عنوان سے بعض نعتوں کے فکری و فنی تجزیاتی مطالعے کی گنجائش

پیدا کی جائے۔نئی اور آزاد نظم کے تعارف کے لئے بیسویں صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائی میں کئی رسائل نے نظموں کے تجزیاتی مطالعے شروع کئے تھے ایک ایک نظم پر تین تین چار چار اہل قلم کی آرا کو اس نظم کے ساتھ شائع کیا جاتا اس سے نظم کے کئی ہے پہلو سامنے آتے۔میرا جی کی کتاب اس نظم میں ایسے ہی جائزوں پر مشتمل ہے بعد میں مولانا صلاح الدین کے زیر اہتمام نکلنے والے جریدے ''ادبی دنیا'' لاہور میں بھی ایسے جائزے شامل ہوتے رہے —— بعض بلیغ مفاہیم کی حامل نعتوں پر ایسے جائزوں سے تنقیداتِ نعت کی نئی جہتیں سامنے آئیں گی۔

۴۔توضیحی مطالعات —— کسی خاص شاعر کی آٹھ آٹھ دس دس نعتیں مختصر تعارف اور تنقیدی کلمات کے ساتھ شائع کرنے کے لئے آنے والے شماروں میں ایک خاص گوشہ وقف کیا جا سکتا ہے۔(مختلف شاعروں کی ایک ایک نعت کے علاوہ)ایسے گوشوں کی اشاعت سے کسی شاعر کی تخلیقی مساعی کا ایک بھرپور تاثر سامنے آئے گا اور یوں زیر مطالعہ شاعر کے فکروفن کے کئی رخ بیک نظر سامنے آئیں گے۔میری نظر میں نعت رنگ کا اب تک سب سے توجہ طلب حصہ نعتیہ شاعری سے تعلق رکھتا ہے اس حصہ پر مزید محنت کی ضرورت ہے۔فکروفن میں بلاغت نادرہ کاری،ہئیت ،لفظیات اورطرِزاد کی تازگی کے پیش نظر اس حصہ کو مقدار ساماں کی بجائے معیار آشنا کرنے اور رکھنے کی ضرورت ہے۔

۵۔ تدوینِ کا پہلو نظر انداز ہو رہا ہے ۱۸۴۰ سے ۱۹۴۰ تک سینکڑوں نعتیہ گلدستے نامے کی مناسبت سے نظمیں (میلاد نامے ،وفات نامے، معجزات نامے ،معراج نامے، پیغمبر نامے، جنگ نامے وغیرہ)شائع ہوئیں بیس چوبیس صفحات سے لے کر اسّی،سوصفحات تک یہ نعتیہ سرمایہ فراموش ہورہا ہے اگر نعت رنگ میں ہر بار ایک کاپی سولہ صفحات تدوینِ نعت کے ذیل میں محفوظ کئے جائیں تو ایسے مختصر نعتیہ کتابچوں کے تعارف کا سلسلہ شروع کیا جا سکتا ہے۔

یہ چند باتیں عجلت میں لکھ دی ہیں اگر ان میں ایک آدھ نکتہ کارآمد ہوتو اس پر غور کیجیے ورنہ نعت رنگ

کے قلمکاروں اور قارئین پر چھوڑ دیجئے پچیس پرچوں کے بعد آئندوں پرچوں کی لے آؤٹ اور مندرجات کی ترتیب کیا ہوگی؟ یہ وقت کے ساتھ خود بخود طے ہوجائے گا۔ نعت رنگ کے آغازِ سفر کے وقت اس بارے میں کون سوچ سکتا تھا اللہ تعالیٰ ایسے کاموں میں خود معاون و مددگار ہوتا ہے —— اکیسویں صدی نعت کی صدی ہے مجھے امید واثق ہے کہ تخلیق، تنقید، تحقیق، تدوین، ترتیب اور پیشکش ان شاء اللہ ہر شعبے میں یہ صنف معیار افزوں راستوں کی طرف گامزن ہوگی۔

'نعت رنگ' کے ذمّے 'نعت نما' کے عنوان سے اب تک کے شائع شدہ نعتیہ اثاثے کی سائنٹیفک بنیادوں پر مبسوط اشاریۂ کتب کی تدوین ہے اس کے لئے الگ مضمون درکار ہے۔ جس میں اس کے لئے رہنما اصول اور ضروری تجاویز کی تفصیلات دی جائیں —— سو یہ کام پھر سہی۔

(ڈائیو ٹرمینل فیصل آباد ڈیرہ اسماعیل کے لیے آمادہ سفر 11:50 pm)

......

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری۔ کراچی

۱۷/ستمبر۲۰۱۴

نعت رنگ ۲۴ موصول ہوا۔ یادفرمائی پر ممنون ہوں ۔ نعت رنگ اور آپ کے سفر کو دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوتی ہے۔ میں آپ کی ابتدائی زندگی سے واقف نہیں کہ قلم اٹھاؤں تو آپ کی شخصیت کے ذکر کے چھیڑتے ہی بول اٹھوں کہ ''ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات'' لیکن اگر ایسا نہ کروں تب بھی آپ کی موجودہ زندگی کا رکھ رکھاؤ بول اٹھتا ہے کہ آپ کے ذوق و مزاج کا علم کیا ہے؟ آپ کا شوق و مطالعہ ادب وفنونِ لطیفہ سے دل چسپی شعر کہنے اور پڑھنے کے اسلوب سے بروا کی ہونہاری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے اگر دس پندرہ سال پہلے کی اٹھان نہ دیکھی تھی تو اس کا غم نہ تھا میں اسی قریبی مدت سے آپ کی زندگی کے انداز کو دیکھ کر رہا ہوں اور اسی دیدہ و مطالعے نے میرے

دل میں ایک ایسا آئینہ بنادیا ہے جس میں آپ کے گزشتہ دور کے تمام حسن و زیبائش کے ساتھ آپ کی تمام باتیں اور نظارے دل کے آئینے میں دیکھ سکتا ہوں۔ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ کی شاعری شہرت ہوچکی تھی خواہ کسی بڑے حلقے میں نہ سہی مگر آپ کے سامعین اور شایقین کا ایک حلقہ ضرور پیدا ہوگیا تھا لیکن نعت خوانی کی مجالس کے تعلق سے آپ کے حسنِ بیان کی خوشبو دور دور تک پہنچ چکی تھی۔

اسی زمانے میں آپ نے خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور تذکار مقدسہ کے مقصد سے ایک مجلّہ علمی و دینی ''نعت رنگ'' کے اجرا کا فیصلہ کیا اگر چہ یہ کام نہ اس وقت آسان تھا اور نہ آج کے بہت ترقی یافتہ دور میں یہ کام آسان ہے میرا اشارہ مجلّے کے کاغذی مجموعے کی اشاعت نہیں بلکہ علمی و دینی پہلو سے اس کی جامعیت، تحقیق کے معیار زبان و بیان کی لطافت اور پیش کش حسن کی رنگینوں اور دل آویزوں کی طرف تھا اور سچ یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ آپ اس مقام کو کبھی حاصل نہ کر سکیں گے لیکن آج میں شرمندہ ہوں، میں بھول گیا تھا کہ:

لیس الانسان الا ماسعی۔ (النجم ۵۳۔۳۹)

انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

عزیز محترم آپ نے جس چیز کی آرزو کی تھی خدا سے جس چیز کو مانگا تھا اور پھر اس کو حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی تھی اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کر دیا۔ آپ نے اپنی سعی و عمل سے خدا کو راضی کر لیا اور آپ کو کامیابی نصیب ہوئی اور میں اپنے تصورات میں کھویا اور خیالات میں ڈوبا رہا اور شرمندگی سے دوچار ہوا۔

اب ''نعت رنگ'' کی نیز یگیاں بیان سے باہر ہیں موضوعات کے شمار کی دشواری، وسعتوں کی پیمائش ناممکن، جدت ترازیاں حیرت انگیز، اسکالز کے لیے تحقیق کے بے شمار موضوعات، تحقیق کے مآخذ اپنے چاہنے والوں کے صبح و شام منتظر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ملک کی حالت کچھ بھی ہو! وہ ترقی کرنے نہ کرے

''نعت رنگ'' نے نعت بندی میں اور اس کے حوالے سے دینی مسائل میں جو عظیم الشان تحریک پیدا کر دی ہے اس جیسا رنگ و روپ صدیوں پہلے تک نظر نہیں آتا میں اس کامیابی اور جدت طرازی کے لیے کہ صرف آپ ہی کو اس وجہ سے پہلے مبارک باد دینا نہیں چاہتا کہ آپ ''نعت رنگ'' کے مرتب ہیں بلکہ آپ کے معاونین ،مجلس مشاورت کے اراکین اور نعت رنگ کے اہل قلم جو کسی پہلو سے بھی نعت کے فن اس کے متعلقات یا کسی اور پہلو سے سو سو صفحے کا مضمون لکھیں یا کسی نے ایک صفحے کا خط لکھا ہو چوں کہ علم و تحقیق یا دین و ادب اور ہیکل نعت کی تعمیر میں سب کا حصہ ثابت ہے اس لیے میں عزیزی آپ کے ساتھ ان تمام حضرات کو بھی مبارک باد کا پہلے مستحق قرار دیتا ہوں میرے نزدیک ''نعت رنگ'' کے صفحات میں جس نے بھی کم و بیش جگہ پائی ہے وہ قابل فخر ہے۔

یہ بھی اللہ کا فیضان ہے اس نے نعت رنگ کی برکات اور اس کے کاغذ ،کتابت اور کمپوزنگ اور اس کی سجاوٹ کی رنگینیاں صرف اسی حد تک محدود نہیں رہی ، بلکہ مطالعہ نعت کے عشق ،اس کی زبان کی لطافت ،اس کے اسلوب کے کمال حسن اور پیش کش کی دل ربائی کو قدرت نے چاند اور تاروں سے مزین زمین پر علم و فن کی ایک نئی دنیا آباد کر دی ہے یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ پچھلے چند برسوں میں نعت کو جو اردو شاعری کی صنف سمجھی جاتی تھی ایک مستقل فلسفہ اور علم و فن تسلیم کر لیا گیا۔

اس انقلاب میں بہت حد تک اس دینی و علمی مجلّے ''نعت رنگ'' کی تاثیر،مقالات اور ان کے مباحث کا حصہ بلکہ آپ کے اخلاص و مروت کا حصہ بھی شامل ہے۔میں نعت رنگ کے شمارہ ۲۵ کی اشاعت پر آپ کے دعا گو بھی ہوں اور نعت کو ادبی صنف سخن کے اعتبار اس کا جائز مقام دلانے کے لیے کی گئی کاوشوں کو بھی خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

......

ڈاکٹر معین نظامی۔لاہور

۱۸/ستمبر۲۰۱۴

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے ۔نعت رنگ کے پچھلے تین شمارے اور اشاریہ موصول ہوا۔اس عنایت کے لیے آپ کا بے حد ممنون ہوں۔

۲۵ ویں شمارے کے لیے کوشش ہوگی کہ کوئی تحریر ارسالِ خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرسکوں ۔دعا ہے کہ آپ استقامت سے خیر و برکت کا یہ کام جاری رکھ سکیں۔

......

رؤف نیازی۔کراچی

۱۰/ اکتوبر۲۰۱۴

نعت رنگ کا شمارہ ۲۴ ملا۔آپ نے بڑا کام کیا ہے۔عصر حاضر میں نعت کا فروغ دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے آپ کی خواہش ہے کہ میں ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کچھ لکھوں سو چند پہلو جن پر میں غور کرتا رہا ہوں پیش کیے دیتا ہوں۔علم کائنات (cosmology) کی تاریخ ہیئت دانوں (astronomers) کے مطابق ۳۵۰۰ سال پرانی ہے ہماری کائنات کے وجود میں آنے کی کھوج اس کے مظاہر کے شاہدوں پر غور وخوض اور فکر ونظر کے ارتکاز کی ابتداء جن ممالک سے شروع ہوئی ان میں سیلون،چین، یونان، اٹلی، انڈیا اور مصر شامل ہیں یہ اعزاز ارسطو (۳۸۴۔۳۲۲ق۔م) کو جاتا ہے کہ اس نے اپنی تصنیف (Decaele on the Heavens) میں بیان کیا ہے کہ ہماری مقدس سرزمیں چھوٹے چھوٹے ۵۵ مقدس کرُوں کے درمیان چکر لگا رہی ہے ہماری زمین سے قریب ترین اور سب سے چھوٹا کرُہ چاند ہے۔حشو وزوائد سے قطع نظر یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ارسطو کا نقطہ نظر دو ہزار سال تک تسلیم کیا جاتا رہا اسے مورخین کی آراء میں کیتھولک فرقہ نے اپنے مفاد میں استعمال کیا اور علم کائنات کی تفہیمت وفروغ کی راہ میں روڑا بنا رہا۔ (The Handy space Answer Book TM

Visible Imfa press-1998,USA.P-12)

حیات و کائنات کی ایسی حقیقت مطلق جس جو فکری ،نظری اور علمی ،عملی تائید حاصل ہو اب تک ممکن نہیں ہوا ہے پیش نظر موجودات ومظاہر کی حقیقت کو فلسفہ حتیٰ الامکان پرکھتا اور برتتا ہے اس کا ہدف اور دائرہ عمل اورنا موجوددونوں کی کنہُ تک پہنچنا ہے تاہم فلسفہ حتمی اور فیصلہ کن نتائج یا یقین دہانیوں سے گریز برتتا ہے۔فشٹے اسے علم وآگہی، کانٹ علم انتقادیات، اورنٹشے اسے تخیل وتصور (Conception) اور ادرک یا احساس (Preception) کی ثانویت میں تقسیم کر کے اسے فلسفہ کی ذیل میں رکھتے ہیں ۔ایک اور جہت اخلاقی و مذہبی اقدار کا توارث اور تسلسل ہے جو تحقیق وتفتیش سے عبارت ہے یہ برٹرینڈ رسل سے منسوب ہے المختصر فلسفہ کا ارتکاز سے عاری مدوجزر اسے کہیں ٹھہرنے نہیں دیتا یہ گھڑی میں تولہ ،گھڑی میں ماشہ میزان معاشرتی زندگی میں اپنی معنویت اور افادیت کھو بیٹھتا ہے اس کے برعکس سائنسی پیش رفت اوراس کے انکشافات بڑی حد تک معاشرہ کوسدھارنے میں ’راہِ راست برد ُگرچہ دور ہست‘ کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں ہر چند کہ سرجیمس کا اصرار ہے کہ سائنس جس مقام پر آکرسکوت واسقرار کا شکار ہو جاتی ہے فلسفہ وہاں سے اپنی پیشِ رفت کا آغاز کرتا ہے وُہپر نے فلسفہ اور سائنس دونوں کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ سائنس ایک جسم ہے، بے روح جسم اور فلسفہ روح ہے ،جسم کے بغیر گویا اس نے دونوں کوایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم قرار دے کر زندگی کے پہیہ کو پھر رواں دواں کر دیا۔

فلسفہ ہو یا سائنس یہ اجتماعی کاوشوں سے صورت پذیر ہوتا ہے جب کہ فن کارتن تنہا پوری انسانیت کے لیے محبت ،ہمدردی اور خیر کا پیغام لے کر طلوع ہوتا ہے ۔فن کار اپنی تخیلاّتی اور تخلیقی سوچ کو رنگوں یا لفظوں کا جامہ پہناتا ہے تو گویا اپنے فن اور ہنرمندی کے توسط سے اپنی جذباتی ،حسیاتی ، جمالیاتی اور تجزیاتی کیفیات کو قارئین ،ناظرین یا سامعین تک منتقل کرتا ہے سامع ،قاری یا ناظر اس سے جو کیف و

سرور یا فکر ونظر کے جن نئے ابعاد سے متعارف ہوتا ہے اس صورت حال کو میور ہیڈ حساس سامع ،قاری یا ناظر کی فطری محرومیوں اور نارسائیوں کی طمانیت وتسکین کا باعث گردانتا ہے فن کا حسن و جمال تخیل کی شادابی میں گھل مل کر ایک صاحب ادراک اور ایک نفس مُطمِنہ کے حامل قاری سامع یا ناظر کو سکون و آسائش مہیا کرتا ہے اس راحت رساں فن کار کو میور ہیڈ ''آفاقی انسان'' کہتا ہے جو مافوق الانسان آفاقیت پر محیط ہونے کے سبب کائنات کا نگراں اور محّرک ہونے کا استحقاق رکھتا ہے اس نکتہ پر آ کر ہماری نظریں ان تقدیس یافتہ ،قابل احترام بابرکت محسنن انسانیت پر آ کر پڑ جاتی ہے جو اپنے اپنے زمان ومکان میں بحثیت انبیاءاکرام تشریف لائے خالق ومخلوق کے درمیان حد ادب کے رابطے اور ضابطے پیش کیے خالق ومخلوق کے درمیان عابدومعبود کی تفریق کو نمایاں کیا، جزا وسزا کا تصور دیا۔ آداب بندگی سکھائے رب العالمین کی آفاقیت اور حاکمیت کا درس دیا اور اس ابدالآباد کی حقانیت کے حضور سجدہ ریزی اور تضرع کی تلقین کی اسی رشد و ہدایت کی آخری کڑی سرورکونینصلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت زیبا ہو یا سیرت مُنزہ ایثار ہو یا انکسار،فکر رسا ہو یا ذکر خدا،عفوو درگزر ہو یا برداشت وصبر،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر پہلو خالق کائنات کی رضامندی اور خوشنودی سے مشروط ہے۔ کیٹس (Johan Keats,1795-1821) نے سچ کہا ہے "Beuty is truth, truth is beauyt"(حسن صداقت ہے اور صداقت حسن ہے)حسن وصداقت کے اس پیکر جمیلصلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تلے آنے والے خزف ریزے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کے لیے کسی گوہر نایاب سے کم نہیں۔ دین ودنیا کی سرخ روئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور نقوش قدم کی پیروی میں مضمر ہے۔

ہماری وجودیت(Existentialism) اور اس کی مظہریات (Phenomenology) کا بنیادی قضیہ یہ ہے کہ ان دونوں میں اولیت یا ترجیح کس کو حاصل ہے؟ فرد کے وجود کو یا اس کے اوصاف کو؟ جرمن

مفکر ہیڈ یگر(Martin Heidegger,1889-1976)اپنی تصنیف"Time and Being" (ہستی و زمان)میں ،فرد کی اس کائنات میں ہوئیت کو(Dasein) سے تعبیر کرتا ہے "Field Theory of Dasein" کے مطابق یہ کہیں ٹک کرنہیں بیٹھتا۔موجودات سے بھری پوری دنیا میں اپنی ذات کو کھوجتا اور اس کی قدر کا تعین کرتا ہے یہ 'وجود' فی العلالم بامعنیٰ اور بامقصد ہے اگر انسان اپنے مختصر عرصہ حیات میں بروقت اپنے اہداف کی تکمیل کر لے تو فبہا بصورت دیگر پچھتاوں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔'وجود' فی العالم کی عارضیت کو ہیڈگر 'Temporal Temporality'،(زمانی عارضیت) کا نام دیتا ہے اس کی دانست میں مغربی فلسفہ وجودیت اور عدم وجودیت اپنی تفہیمیت ، وسعت اور کارکردگی میں ادھورا، نامکمل اور غیر موثر ہے وہ پانچویں صدی (ق۔م) کے چینی فلسفی لازوئے اور سدھارتھ گوتم بدھ (۵۶۰تا۴۸۰،ق۔م) کی تعلیمات اور نگارشات کو جو مذہبی عجز و انکسار، پارسائی ، خدا ترسی ،تقوی و پرہیزگاری اور دنیاوی لہولعب سے پاک شفاف ہیں ان کو افضلیت دیتا ہے ۔جرمن مفکر ہیڈگر کے اس فلسفہ اور اس کی تعلیمات کو ساتر نے فرانس میں متعارف کرایا اور حتی الامکان فروغ دینے کی کوشش کی ۔

دنیا کو کوئی فرد نہ تو عقل کُل ہوتا ہے اور حرف آخر۔خطا ونسیاں کا یہ پتلا حیات و کائنات کی پُر پیچ وادیوں میں دامن سمیٹے ،گرتا پڑتا ،ٹھوکریں کھاتا Zigzag Graph کی صورت اپنی مجوزہ منزل تک پہنچنے کی تگ ودو میں تن من دھن سب کچھ لٹا کر یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے گا عمومی بشریت کا یہی وتیرہ اور طورطریق ہے یہ اعزاز نبیوں اور رسولوں کے حصہ میں آیا ہے جنہیں خالق کائنات نے 'بشریت کی تخصیصیت' کے ساتھ انسانیت کی فلاح اور بہبود کے لیے زندگی کے عمودی (up-right) گراف کے ساتھ اس طلسم حیات کی گوں ناگونی میں بھیجا گویا ایں سعادت بزور بازو نیست۔اس بشریت کی تخصیصیت سے بڑھ کر ایک آخری مقام تکمیلیت کا ہے اس کی واحد

اور اپنی مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی آخری الزماں رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو'بشریت کاملہ' کے مقام پر فائز ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات لاثانی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر منظوم ہو یا منثور خیر الورا سے ماروا کی نامختتم کائنات تک پھیلا ہوا ہے جہاں تک منظوم کا تعلق ہے تو ممکن ہے بعض اذہان میں یہ ابہام پیدا ہو کہ خود قرآن ''سورہ الشعرا'' جو مکی ہے دو سوستائیس (۲۲۷) آیتوں اور گیارہ (۱۱) رکوع پر مشتمل ہے اس میں آیت نمبر ۲۲۴، ۲۲۵ اور ۲۲۶ کا بالترتیب اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

''شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں کہ جو بہکے ہوئے ہیں ....'' (آیت ۲۲۴) ص۱۰۴۲

'' کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک بیاباں میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں......'' (آیت ۲۲۵) ص۱۰۴۲

''اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں ....'' (آیت ۲۲۶) ص۱۰۴۲

آیت نمبر ۲۲۷ میں استثناء کی جو صورتیں ہیں وہ اس طرح ہیں:

سوائے ان کے جو ایمان لائے (۱) اور نیک عمل کیے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا (۲) جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ بھی ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں (۳)۔

[قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر ص۱۰۴۳، مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس]

۱)ان شاعروں کا مستثنیٰ قرار دیا ہے جو صداقت اور حقائق پر مبنی شاعری کرتے ہیں ۔ ص،۱۰۴۳،قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر ص۱۰۴۳، مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس

۲) جو کافر شاعروں کو شاعری میں جواب دیتے ہیں ۔(مثلاً حضرت حسان بن ثابتؓ)،ص

۱۰۴۳، ایضاً

۳) حدیث مبارکہ ہے کہ ''ان (کافروں) کی ہجو بیان کرو، جبریل علیہ السلام بھی تمہارے ساتھ ہیں،ص۱۰۴۳، ایضاً

وجودی وحدت (Ontological Unity) اور عددی وحدت (Numerical Unity) دو مختلف النواع وحدتیں ہیں کلیات اور جزیات دونوں بیک وقت کسی ایک معروض (Object) میں موجود نہیں ہو سکتیں اگر وجودی وحدت پر اصرار ہے تو عددی وحدت سے انکار لازمی ہے اگر وجودی وحدت پر اصرار ہے تو عددی وحدت سے انکار لازمی ہے اگر عددی وحدت کا اقرار ہے تو وجودی وحدت سے دست برداری لازمی ہوگی گویا کل اور اجزاء میں سے کسی ایک عنصر (Factor) اپنا اثبات کرانے کے لائق ہو گا دوسرے عنصر کی نفی لازمی قرار پائے گی ایمانیات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پہلے لات ومنات کی نفی کی جائے اور پھر واحدہ لاشریک کی ذاتِ والاصفات کا صدقِ دل سے اعتراف کیا جائے اور اس اثبات کے بعد پھر دستِ دعا کسی غیر اللہ کے سامنے دراز نہ ہو یہ اعلیٰ وارفع مقام واصل باللہ کا ہے۔

حاشہ للّٰہ کوئی ذات ماسوا خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلمکے ایسی نہیں جو واصل باللہ ہونے کا اعزاز رکھتی ہو۔ایسی تقدیس یافتہ رہبر و محسن انسانیت شخصیت کی جس قدر تعریف وتوصیف کی جائے وہ کم ہے یہی وجہ ہے کہ عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک ہر وہ شاعر جس نے حضور اکرمصلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں ،رفعتوں اور بشری بلندیوں کے بارے میں سوچا وہ آپصلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ نہ کچھ نذرانہ عقیدت پیش کرنے کی کوشش میں مصروف ہوگیا کچھ شعرا کو بہت زیادہ کامیابی نصیب ہوئی اور انہوں نے شعرِ عقیدت ہی کہتے رہنا اپنا شعار بنا لیا۔خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شعرا کی حوصلہ افزائی فرمائی ۔واجب الاحترام ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی نے آسمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت ،افادیت، رفعت اور معنویت کو دو مصرعوں میں سمیٹ کر گویا کوزے

میں دریا بند کر دیا ہے۔

آپ کے نام میں ہر لفظ کا مفہوم ملے   میرے سرکار ہیں ہر دور کی زندہ فرہنگ

شمائل ترمذی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حسان بن ثابت کفار کے الزامات کا منظوم جواب دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں منبر کا اہتمام کرتے تھے تا کہ اس پر کھڑے ہو کر کفار کو للکاریں حضرت جابر بن سمرہؓ بھی گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ اکرام کے ان اشعار سے لطف اندوز ہوتے تھے جو عہد جاہلیت کے بیانیہ کی حیثیت رکھتے تھے ۔ اسی طرح حضرت ژیدؓ سے امُیّہ کے اشعار بھی آپصلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرمائے ۔اس سے ثابت ہوگا کہ شاعری اسلام میں شجر ممنوعہ نہیں ہے ۔ مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ عربی کے شعرا سے فارسی گویانِ عجم میں منتقل ہوا اور وہاں بڑے بڑے شعرا جن میں جامی ،قآنی ،فرید الدین عطار ،سعدی وغیرہ ہم نے نعتیہ اشعار کہہ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ پھر اردو زبان کی ابتداء ہی سے نعتیہ اشعار اردو شعری روایت کا حصہ بنتے رہے ۔فخر دین نظامؔی نے مثنوی کدم راؤ پدم راؤ (جس کا زمانہ تصنیف ۸۲۵ھ تا ۸۳۹ھ مطابق: ۱۴۲۱ء تا ۱۴۳۵ء بتایا جاتا ہے) میں حمد کے بعد نعت ہی کہی ۔پھر تو یہ سلسلہ ایسا چلا کہ غیر مسلم شعرا بھی نعت کہنے لگے۔

پاکستان میں نعتیہ ادب کے فروغ کی تو ایک تاریخ ہے ۔ یہاں نعتیہ شعری اقدار اس طور پھلی پھولیں کہ نعتیہ صحافت کا ایک الگ میدان سج گیا۔ شعرائے اردو نے بڑی کامیاب نعتیں کہیں ۔ حفیظ جالندھری ، ماہر القادری ، بہزاد لکھنوی وغیرہ ہم سے لے کر حفیظ تائب ،عبدالعزیز خالد اور صبیح رحمانی تک بے شمار شعرا نے یہ سعادت حاصل کی ۔ اب نعتیہ شعری سرمائے میں روز افزوں اضافہ ہی ہو رہا ہے ۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اردو کی شائع ہونے والی شعری تخلیقات پر مبنی ۶۰٪ کتب نعتیہ اشعار پر مشتمل ہوتی ہیں۔

میں نے جون کیٹس کا یہ قول نقل کیا تھا کہ ''حسن صداقت ہے اور صداقت حسن ہے''......اس قول کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انسانی فطرت میں جو جمال پرستی رکھی گئی ہے وہ اپنی ارتقاعی (Sublimity based) شکل میں ''صداقت'' پرستی بن کر ان شخصیات کو محبوب بنا دیتی ہے جو سراپا صداقت ہوتی ہیں ۔ یہ بات بلا خوفِ تردیدی کہی جاسکتی ہے کہ کائنات میں صرف اور صرف ایک ذاتِ محمدی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایسی ہے کہ جو بشریت کے محاسن کی تکمیلی شکل میں عالمِ بشری کو میسر آئی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ وہ ذاتِ ستودہ صفات ہر راست فکر انسان کی محبوب ہے ۔نعتیہ ادب کے فروغ کی اساس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی محبوبیت پر قائم ہے اور جوں جوں انسانی شعور ارتقائی منازل طے کرے گا انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی کی طرف متوجہ ہوگا۔لیکن آپ کی شان بیان کرنا آسان نہیں ہے اسی لیے خورشید رضوی نے کہا تھا:

شان ان کی سوچیے اور سوچ میں کھو جایئے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جایئے

اس تناظر میں ''نعت رنگ'' کی خدمات لائق تحسین ہیں ۔میں آپ کے اور مجلس مشاورت کے تمام اراکین کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت انہیں اس کارخیر کا اجر عطا فرمائے ۔(آمین)

......

ڈاکٹر زاہد منیر عامر۔لاہور

۱۵/ستمبر۲۰۱۴

نعت رنگ کا شمارہ ۲۴ اوراس کے بعد نعت نامے اور پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر جیسے تحائف موصول ہوئے ان علمی وادبی ارمغانوں کے لیے ممنون ہوں نعت رنگ سے ناواقف تو پہلے بھی نہیں تھا لیکن استیعاب کے ساتھ دیکھنے کا پہلی بار موقع ملا۔تمجید سے لے کر مقالات تک اور فکروفن سے لے

کرخطوط تک سب جگہوں پر عقیدت ہی کی نہیں حسن ذوق کی بھی کرشمہ کاری نظر آتی ہے جس سے دل خوش ہوا اردو نعت کے ادبی سفر کی جستجو میں ڈاکٹر عزیز احسن صاحب بہت دور تک گئے ہیں اور ایسے ایسے شعرا کے ہاں سے لولوئے لالہ ڈھونڈ لائے ہیں جن سے ادب کا عام قاری واقف بھی نہیں تھا یا وہ متجسس قارئین کی یادداشت سے بھی محو ہو چکے تھے ۔ ڈاکٹر سہیل شفیق صاحب نے تیزی سے اوجھل ہوتی مکتوب نگاری کی دنیا کو سنبھالا دیا ہے اور قیمتی خطوط کا ایک وقیع مجموعہ اہل وطن کی خدمت میں پیش کردیا ہے۔ آنے والے زمانے میں تو مکتوب نگاری ماضی کا ایک فراموش شدہ قصہ بن چکی ہوگی اس لیے یہ مجموعہ خطوط صرف نعت نگاری کے حوالے ہی سے نہیں بلکہ اس دم توڑتی صنف ادب کے حوالے سے بھی اہم ہیں آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خان کی نعت نگاری پر اپنا مضمون ارسال کر رہا ہوں قبول فرمائیں۔

......

پروفیسر محمد اقبال جاوید۔گوجرانوالہ

۴/ستمبر۲۰۱۴

خط ،شخصیت کا عکس ہوتا ہے اور شخصیت مسّرت کے قہقہوں ،غم کے آنسوؤں ،بے نیازی کی داستانوں اور نیاز مندی کی تمناؤں سے عبارت ہے ۔خط ایک مختصر صنفِ سخن ہے ،یہ نثر میں غزل کے ایجاز کا اعجاز ہے ،اس کا حُسن ،اس کی ایمائیت ہے اور اس کا اختصار ،اس کی بلاغت ،یہ ذاتی ہوتے ہوئے بھی آفاقی ہے کہ اِس میں عرض سخن کا نیاز اور جوہرِ فن کا ناز دونوں موجود ہیں _

خط ایک جہانِ راز ہے ،جس کے راز اگر سر بستہ رہیں تو سینوں کو گہر ہائے معانی کے دفینے بنادیں ،آشکار ہو جائیں تو جذبے کی ساری دینا مُشک زار بن جائے__ ،

حق یہ ہے کہ ’’نعت نامے‘‘ نے میری بے کیف تنہائیوں کو فی الواقع ’’مُشک زار‘‘ بنادیا، میں تب سے

اب تک اپنی بے کیفیوں کو اِسی سے بہلا رہا ہوں ۔یہ اس اعتبار سے ایک منفرد تالیف ہے کہ اس کے جملہ مکاتیب ''نعت رنگ'' سے متعلق ہیں اور ''نعت رنگ'' اُس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے زیبائی اور رعنائی لیتا رہا ہے اور لے رہا ہے جو وجہِ وجود کائنات ہے، یہ مجموعۂ مکاتیب اِسی ذات والا صفات صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے مستغیر بھی ہے اور ایک عہد کی نعتیہ تاب وتب کا عکاس بھی :

انداز ہیں جذب اس میں سب شمعِ شبستاں کے
اک حُسن کی دنیا ہے خاکسترِ پرواز!

جناب محمد سہیل شفیق کی خدمت میں سلام اور دعائیں ۔اور کچھ ''یونہی سی'' تحریریں محض ''خانہ پُری'' کے لیے۔

......

ڈاکٹر صابر سنبھلی۔انڈیا

۱۳/اکتوبر۲۰۱۴

ایک طویل مضمون کے بجائے تین چھوٹے چھوٹے مضمون بھیج رہا ہوں ۔تینوں کا موضوع بہرصورت نعت ہے ۔اب لکھا نہیں جاتا بلکہ بیٹھنے میں بھی پریشانی ہوتی ہے ۔ہائی اسکول کے سرٹیفکیٹ میں تاریخ ِولادت ۱۵/ جولائی ۱۹۴۱ء درج ہے ۔گٹھیا نے مزید بے کار کردیا ۔کچھ نعتیں بھی ارسال کررہا ہوں ۔ اگر کوئی پسند ہوتو شامل اشاعت کرلیں ۔Four inone صنعت کو فروغ دینا چاہتا ہوں مگر اکیلا ہی گاڑی کھینچ رہا ہوں کسی طرف سے ہم نوائی نہیں ہوئی ۔ایسی دو نعتیں آپ کو بھی بھیج رہا ہوں ۔ زبیر

قادری کی جانب سے نعت رنگ کا اشتہار تو چھپا ہے ۔اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نمبر چھاپ لیا۔ آپ کے کہنے سے بھیج سکتے ہیں ۔شاید ابھی آپ کی بات نہیں ہوئی ہے ۔بُخل تو نہ کہیے کفایت کہہ لیجیے ۔سارا میٹر باریک پتنگی کاغذ پر لکھ کر بھیج رہا ہوں ۔ڈاک خرچ میں کفایت ہو جائے گی ۔میرا خیال ہے آپ کو یا کمپوزر کو پڑھنے میں دشواری نہ ہوگی ۔امید ہے کہ مزاج گرامی بہ عافیت ہوگا ۔خدا کرے سرحد بند ہونے پہلے میرے مضامین یہاں سے نکل جائیں ۔حالات کچھ اچھے نہیں معلوم ہوتے ۔

......

مفتی غلام حسن قادری ۔لاہور

۱۰/اکتوبر۲۰۱۴

خیریت موجود و خیریت مطلوب ازاں بعد گذارش ہے کہ آپ کے تبرّکات باصرہ نواز ہوئے آپ نے بہت مہربانی فرمائی کہ بن مانگے دیا اور اتنا دیا کہ دامن میں ہمارے سمایا نہیں ۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر بہترین صلہ عطا فرمائے ۔آمین ثمّ آمین بحرمة سیّد الانبیاء والمرسلین ۔علیہ واٰلہ افضلُ الصّلوۃ واکمل التّسلیم ۔

اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنے شمارے میں شرح حدائق بخشش میں سے ہی دو تین اشعار یا پوری ایک نعت کی تشریح لگا دیا کریں تو میرے لیے اعزاز بھی ہوگا اور آپ کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی یا پھر سے سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے ۔بارِ دِگر آپ کا بہت شکریہ

......

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن ۔کوئٹہ

۲۳/نومبر۲۰۱۴

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔خوشی اور شرمندگی بہ یک وقت نازل ہوئیں۔خوشی اس بات کی کہ آپ نے یاد رکھا ،شرمندگی یوں کہ میں آپ اور آپ سے کیے ہوئے وعدوں کو بھول گیا۔ پہلا ازالہ تو یہ چند سطریں ہیں۔ دوسرا جواز یہ کہ میں مسلسل علالت میں رہا۔دو ڈھائی ماہ اسی کی نذر ہو گئے۔ بہ سلسلۂ معالجہ کراچی بھی جانا ہوا دو ہفتے اسپتال اور زبردستی کے تیمارداروں کے گھروں میں رہا۔اسی درمیان میں آپ کی تین کتابیں اور ۲۵ستمبر۲۰۱۴ کا خط آیا ،مگر یہ چاروں چیزیں بند پڑی رہیں۔چار شکر گزاریوں کا بوجھ لیے پھرتا ہوں ۔ازالہ کی ایک صورت یہ ہے کہ میں نے مقالے کے متعلقہ حصے کی عکسی نقل تیار کرالی ہے۔مگر اسے ایسے ذریعے سے سپرد کرنا رہ گیا ہے جو تیز رفتار ہو۔انشاء اللہ ایک دو دن میں یہ بھی ہو جائے گا ۔اس سیاق وسباق میں میری معذرت خواہی کو قبول فرمائیں گے۔نعت رنگ سے متعلق آپ کی فراہم کردہ کتابوں پر جو نگاہ ڈالی ہے اسے سرسری بھی نہیں کہا جاسکتا ۔اب طبیعت قدرے بحال ہوئی ہے اور روز مرہ کے کاموں کو رفتہ رفتہ جزو زندگی بنا رہا ہوں لہٰذا مطالعے کا وقت فراہم ہو جائے گا۔پھر نعت اس کے مباحث اور ذکر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری کس طرح ممکن ہے؟ پڑھنا ہو گا، پڑھ پڑھ کے سمجھنا ہوگا اور سمجھ سمجھ کے پڑھنا ہوگا ۔آپ کی اس خدمت اور نیکی کا صلہ اجر کثیر کی صورت میں عطا ہو آمین۔

میرے معاون کیا ،معاون بھی نہیں ہے ۔سب کچھ مجھے خود کرنا پڑتا ہے۔صبح سے رات تک یونیورسٹی کے تعلیمی ،تدریسی اور انتظامی کام کرنا ہوتے ہیں۔پھر وقت نکالتا ہوں تو دوسرے کام کرتا ہوں ۔ اس لیے جب بھی ممکن ہوا ''نعت'' پر ضرور لکھوں گا۔اب تو آپ سے راہ ورسم پیدا ہوگئی ہے انشاء اللہ نعت رنگ کے لیے ،کچھ تیار کرتے رہنے کی کوشش ،جاری رہے گی ۔محترم ڈاکٹر سید جاوید اقبال صاحب کا بہت احسان ہے کہ وہ آپ جیسے احباب سے متعارف کرادیتے ہیں۔ ورنہ ہم تو بلوچستان میں دور بیٹھے ہیں۔ جو کچھ بھی کرلیں ہمیں کون جانتا ہے اور کسے فرصت ہے کہ ہمیں جانے اور نہ ہی

ہمیں خود متعارفی کے سلیقے آتے ہیں۔کڑوی کسیلی پر پھر معذرت۔

متعلقین کو حسب مراتب سلام و دعا کہیے گا۔زندگی بہ خیر تو اللہ بالمشافہ ملاقات کی راہ بھی ہموار کرے گا۔انشاء اللہ

(۲)

۲۷/ دسمبر ۲۰۱۴ء

گرامی نامہ مرسلہ یکم دسمبر ۲۰۱۴ء تاخیر سے ۱۲ دسمبر کو موصول ہوا۔اس کے تشکر کے الفاظ میری ممنویت کو ادا کرنے سے قاصر ہیں جواب اس سے بھی تاخیر سے لکھ رہا ہوں جس کا کوئی جواز موزوں نہیں! ماسوائے اس کے کہ معذرت پیش کرنے پر اکتفا کر دوں۔

میری نگرانی میں نعت پر کوئی کام پی ایچ۔ڈی سطح پر نہیں ہوا ہے اور نہ ہی ہو رہا ہے آپ نے توجہ مبذول کرائی ہے کوئی لائق ، باذوق اور نعت پر مطالعہ رکھنے والا طالب علم سامنے آیا تو اس کی رضا سے یہ کام بھی انجام دینے کی کوشش کروں گا بہ شرط زندگی؟

''بلوچستان میں اردو حمد و نعت'' کی عکسی نقول کی موصولی کا ایس ایم ایس موصول ہو گیا تھا جس سے تشفی ہو گئی تھی کہ مذکورہ مواد بہ حفاظت آپ تک پہنچ گیا ہے۔میں صبح سے رات تک یونیورسٹی میں واقعتاً بہت مصروف رہتا ہوں اس لیے اکثر ایس ایم ایس جیسے مختصر ''مکتوب جدید'' کے لیے بھی وقت نہیں نکال پاتا ہوں پھر رفتہ رفتہ بھول جاتا ہوں کہ کس کو کیا کہنا ہے؟ یہ خط ان سب کا ازالہ جانیے۔آپ کی بھیجی گئی تینوں کتابیں (میں انہیں تحفے گردانتا ہوں) مطالعے سے گزری ہیں۔نئے ''تحائف'' کا بے چینی سے منتظر ہوں۔اگر جنوری کے ہفتہ اول تک بھیجنا ممکن ہو تو یونیورسٹی کے پتہ پر ارسال کیجیے گا ورنہ یکم مارچ کے بعد زحمت کی گزارش کروں گا کیونکہ یونیورسٹی سردیوں کی تعطیلات کے سلسلے میں بند ہو جائے گی۔امکانات میں ہے کہ میں جنوری یا فروری میں کراچی کا مختصر چکر لگاؤں آنا ہوا تو آپ

سے رابطہ بھی ہوگا اور نعت ریسرچ سینٹر کو بہ نفیس نفیس دیکھنے کی سعادت بھی حاصل ہوجائے گی انشاء اللہ۔

بلوچستان میں رفتارِ تحقیق بہت سست روی سے آگے بڑھی ہے اب رفتہ رفتہ جوش تحقیق بلند ہونے لگا ہے۔ دور نزدیک کے مردوزن اردو تحقیق میں وارد ہورہے ہیں۔ امید ہے ان میں سے چند بلند قامت محقق سامنے آجائیں گے یہ بات میں یہاں ہونے والی ''سندی تحقیق'' کے پس منظر میں کہہ رہا ہوں ۔عمومی تحقیقی کی روایت پہلے بھی کم زور تھی اور اب اس سے بھی زیادہ دگرگوں ہے ۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے انتقال (وسط دسمبر ۲۰۱۴) کے بعد تو یہ اور بھی مدھم ہوگئی ہے ۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے ۔آمین۔

......

ڈاکٹر اشفاق انجم۔انڈیا

آپ کے میسیج اور پھر نعت رنگ نمبر ۲۴ دستیاب ہوئے۔ کئی ماہ کا عرصہ ہوگیا ہے اس دوران بڑی الجھنوں میں مبتلا رہا۔ سوچا کہ ذرا سکون ملے تو رابطہ قائم کروں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

سید صاحب! میری عادت ہے کہ میں اپنی پریشانیوں میں احباب کو شامل کرنا مناسب نہیں سمجھتا کیوں کہ آج کل تو ہر کوئی اپنے آپ میں پریشان ہے۔ بہرحال، اس حال میں بھی آپ کی محبت نے نعت رنگ کے لئے ایک مضمون لکھوا ہی لیا۔ پسند آئے تو شائع فرما دیجئے گا۔

......

ڈاکٹر ناصر الدین صدیقی۔کراچی

۹/ستمبر ۲۰۱۴

مزاج گرامی! ''نعت نامے'' اور ''نعت رنگ ۲۴'' آپ کا محبت نامہ و کتاب برادرِ عزیز جناب پروفیسر

ڈاکٹر حافظ محمد سہیل شفیق صدیقی حفظہ اللہ الباری کے توسط سے موصول ہوئیں۔

بلاشبہ احقر کو آپ سے ۱۹۹۲ء سے ایک قلبی و روحانی تعلق حاصل ہے۔اللہ رب العزت نے ''نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے صدقے میں آپ کی کہی ہوئی نعتوں کو قبولیتِ عام و خاص عطا کیا ہے اور جن محافل میں یہ نعتیں پڑھی جاتی ہیں وہاں ایک سماں بندھ جاتا ہے اور سامعین پر رقت طاری ہو جاتی ہے، جو نعت گو کے جذبۂ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہونے کا غمّاز ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں آپکو فروغِ نعت اور فروغِ حُبِّ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چُن لیا ہے اور آپ کو ایسے مخلصین و محبین کا ساتھ عطا کر دیا ہے کہ :''انشاء اللہ دینِ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام، فروغِ حُبِّ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اِس دارِ فانی سے لے کر اُس دارِ بقا تک آپ اور آپ کے متعلقین و معاونین کو بھی بقا سے ہمکنار کرے گا۔''

ضرورت اس بات کی ہے ویب سائٹ اور سی ڈیز کے نظام کو مزید مؤثر و فعّال بنایا جائے تا کہ کتابوں سے دور نئی نسل انٹرنیٹ کے ذریعے ایسے علمی و تحقیقی کاموں سے بھی استفادہ کر سکے۔اس سلسلہ میں انٹرنیٹ پر بھی ''اشتہاری مہم'' اور ''اجتماعی مکالمہ'' کے پروگرامز پیش کیے جا سکتے ہیں۔اللہ رب العزۃ ہم سب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور کامل اتباع کی توفیق نصیب فرمائے اور دنیا و آخرت میں سرخروئی نصیب کرے۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

......

احمد صغیر صدیقی۔کراچی

۳/ستمبر ۲۰۱۴

’’نعت رنگ‘‘ کا ۲۴واں شمارہ میرے سامنے ہے۔۵۶۰صفحات کا یہ مجلّہ ۸ مقالات ،۹ نعت نگار شعرا کے فکر وفن پر مبنی مضامین کتابی جائزے ۱۱نعتوں اور ۵ حمدوں پر مشتمل ہے ۔اس بار بھی’’نعت رنگ‘‘ نے اپنے اعلیٰ معیار کو برقرار رکھا ہے اور موجودہ شمارہ اپنے Contents کے اعتبار سے پچھلے شماروں سے کسی بھی طرح کم وقیع نہیں ہے۔

شمارے کے بالکل ابتدا میں اہل قلم حضرات سے کچھ گزارشات شائع کی گئی ہیں اس میں ایک یہ ہے کہ ہاتھ سے لکھا ہوا مسودہ کاغذ کے صرف ایک جانب لکھا ہوا ورخوش خط ہونا کہ اغلاط کا امکان نہ رہے۔اس ضمن میں ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ یہ ٹھیک ہے کہ اگر مسودہ صاف صاف لکھا ہوتو کمپوزر کو پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے اور غلطیوں کا امکان کم ہوجاتا ہے (امکان نہ رہنے والی بات درست نہیں) مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر رہاہوں کہ کاغذ کے ایک طرف لکھنے سے غلطیاں ختم ہونے کا امکان کس طرح نہیں رہتا ؟ میں سمجھتا ہوں کہ صرف ایک طرف لکھنے کے لیے یہ جواز درست نہیں بلکہ یہ کاغذ کا زیاں ہے۔میں نے اپنا مسودہ کاغذ کے دونوں طرف لکھا ہے اس کے لیے معذرت خواہ ہوں تاہم صفحہ پر خاصہ بڑا حاشیہ دے دیا ہے تا کہ آپ اس جگہ کچھ لکھنا چاہیں تو لکھ سکتے ہیں ۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کا ابتدائیہ خیال افروز ہے۔یہ بات بہر حال اطمینان کی ہے کہ نعت رنگ جیسے رسائل کی کاوشوں سے اب نعت گوشعرا میں بڑی حد تک بدعتوں سے احتراز کا شعور پیدا ہورہا ہے۔

مدیر گرامی! آپ نے اپنی بات میں رسالے کی تاخیر سے آمد وغیرہ کی وضاحت کی ہے۔بے شک وہ اپنی جگہ مضبوط ہے تاہم عرض کرنا چاہوں گا کہ کسی بھی جریدے یا کتابی سلسلے کی آمد میں سال بھر سے بھی زیادہ تاخیر ہونے لگے تو اس پر خاصہ برا اثر پڑتا ہے ۔بہت سی باتیں پڑھنے والوں کے حافظے میں نہیں رہتی کچھ اس کی جگہ کسی اور جریدے کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔اور بعض یہ سمجھ کر اسے ذہن سے نکال دیتے ہیں کہ شاید بند ہوگیا ہے۔لہٰذا کوشش تو یہی ہونی چاہیے کہ یہ کتاب زیادہ سے

زیادہ چھ ماہ کے اندر لے آئی جائے ۔دیر میں چھپنے والے جریدوں میں لکھتے ہوئے مجھ جیسے لکھنے والوں کوتو یہ خدشہ بھی لاحق رہتا ہے کہ پتا نہیں ان کی تحریر ان کی زندگی میں چھپ سکے گی یا نہیں ۔آپ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ جناب طاہر قریشی اور جناب شہزاد احمد کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی ہے ۔دونوں کو مبارک باد ۔جناب شہزاد احمد کو اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ ڈاکٹر لگ جانے سے وہ مرحوم شاعر شہزاد احمد سے الگ پہچانے جاسکیں گے۔جناب احمد جاوید کی لکھی حمد بہت پسند آئی ۔غالب عرفان کی حمد بھی عمدہ ہے ۔تنویر پھول صاحب کی لکھی حمد میں آخری شعر کی بنت پر توجہ کی ضرورت تھی جو یوں ہے:

پامال ہے یہ گلشن ہستی میں ہو رہا　　　　فریاد لایا پھول ہے تیری جناب میں

یہ شعر کوئی بہت کمزور اور اناڑی شاعر لکھتا تو اس سے صرف نظر کیا جاسکتا تھا مگر......جناب خورشید رضوی کی لکھی حمد بھی اچھی ہے۔مگر اسے ’’صحیح‘‘ مقام پر نہیں لگایا گیا ہے۔

شمارے کا پہلا مقالہ ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کا ہے اور اپنی نوعیت میں الگ ہونے کی وجہ سے خوب ہے ۔ان کی تحقیقی کاوش سراہے جانے کی مستحق ہے ۔قصیدۂ بانت سعاد بھی جناب مولانا اسید الحق قادری کی محنت کا ثمر ہے انھوں نے شاعر کعب بن زہیر کے حالات اور فن سے متعلق معلومات باخبری بخشی ہے ان کا مقالہ اعلیٰ درجے کا ہے ۔جناب ڈاکٹر افضال احمد انور نے اپنے مقالے میں (معنویت لفظ نعت کی روشنی میں یکتائی مصطفیصلی اللہ علیہ وسلم) جس ریسرچ کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابل تعریف ہے انھوں نے لفظ نعت کے کوئی ۲۵ عدد معنی سے ہمیں باخبر کیا ہے اس لحاظ سے یہ مقالہ اور بھی باتوقیر ہوگیا ہے۔ڈاکٹر شہزاد احمد نے جم کر پاکستان میں نعتیہ صحافت کا جائزہ لیا ہے انھوں نے ایک زبردست تحقیقی کام کیا ہے ۔یہ مقالہ لکھنے پڑھنے والوں کے لیے ایک ریفرنس کا کام دیتا رہے گا ۔بھارت کے ڈاکٹر اشفاق انجم نے کچھ غیر منقوط حمد ونعت سے متعلق جو مقالہ لکھا ہے بلاشبہ قابل

تحسین ہے۔ بھارت میں شاعری کی حالت کچھ بہتر نہیں انھوں نے جن راز پرتاپ گڑھی نامی شاعر کی غیر منقوط حمد کا ذکر کیا ہے ان کے اندر کوئی شاعرانہ اوپج موجود نہیں۔ بہرحال ڈاکٹر صاحب نے ان کی غلطیوں سے لوگوں کو آگاہ کر کے اچھا کیا ہے کیونکہ آج کل شعری ادب کے قارئین بھی سخن فہمی سے فاصلے پر نظر آتے ہیں ۔حد یہ ہے کہ آج کل کے بہت سے مدیر بھی کسی ادبی ساکھ کے مالک نہیں انھیں چونکہ اچھی بری شاعری کی تمیز نہیں ہوتی وہ جو کچھ آتا ہے چھاپ دیتے ہیں اس سے ہوتا یہ ہے کہ ایک تھرڈ کلاس شاعر سمجھنے لگتا ہے کہ وہ کوئی معمولی چیز نہیں۔اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے ''ارم'' کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں ان سے سچی بات تو یہی ہے کہ بہت سے شعرا آگاہ نہیں ۔عجیب بات یہ ہے کہ منظر عارفی کے مقالے میں بھی نعت گوئی میں ''ارم'' کے استعمال پر تفصیل سے بات کی گئی ہے اور بہت وضاحت سے اس ضمن میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ان کا مضمون بھی پڑھنے کے لائق ہے۔جناب تنویر پھول نے حمد ونعت میں الفاظ کے مناسب استعمال پر مقالہ لکھا ہے ۔ انھوں نے لکھا ہے شعرا ''خیر الامم'' حضور صلی اللہ علیہ وسلمکی ذات اقدس کے لیے لکھتے ہیں جو درست نہیں کیونکہ خیر الامم سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے یعنی اُمت مسلمہ ۔ میرے خیال میں یہ بات درست نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جس طرح خیر البشر درست ہے اسی طرح خیر الامم بھی درست ہے اور اُمم جمع ہے اُمت کی ۔اُمت کے معنی ہیں ۔گروہ جماعت وغیرہ اس سے صرف اُمت مسلمہ مراد لینا درست نہیں ۔تنویر پھول صاحب نے اپنے مضمون میں بقیہ جتنی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے سب درست ہیں اور شعرا کو ان پر توجہ دینا چاہیے ۔بعض تو بہت دلچسپ اغلاط ہیں مگر دیکھے کون؟ انھوں نے کسی کا مصرعہ لکھا ہے:

؎ ''مدفن میرا طیبہ میں بنے اب کے برس بھی''

یعنی اب تک مدفن ان کا طیبہ میں بنتا ہی رہا ہے اب کے برس بھی بننا چاہئے ۔خوب!انھوں نے ایک

اور بات دلچسپ لکھی ہے کہ اسے ہمارے بے پناہ مشہور ڈاکٹر عامر لیاقت بڑے ترنم سے پڑھتے رہے ہیں ۔اور پھول صاحب کے جملے سے تو لگتا ہے کہ یہ نعت انھی کی لکھی ہوئی ہے ان کا جملہ ہے (ٹی وی میں عامر لیاقت آ کر اپنی ایک نعت ....) پھول صاحب نے اپنے مقالے میں احمد ندیم قاسمی مرحوم کے کچھ اشعار لکھے ہیں کہ ان میں اتنا غرور پایا جاتا ہے ۔فرماتے ہیں (اللہ تعالیٰ سے) ''میں تیرا فن ہوں یہی فن تیرا غرور ہوا_ تری انا کا مری ذات سے ظہور ہوا'' وغیرہ) اب ذکر قاسمی صاحب کا چلا ہے تو سبھی جانتے ہیں کہ ان کی شاعری کسی رتبے کی نہیں تھی اس سے قبل بھی وہ ایک نظم میں لکھ چکے ہیں ''انسان عظیم ہے خدایا''۔یعنی اللہ تعالیٰ کو تو معلوم نہیں لہٰذا شاعر بتا رہا ہے کہ انسان عظیم ہے ۔ پھول صاحب کا یہ مضمون نہایت دلچسپ بھی ہے اور فکر انگیز بھی ۔ڈاکٹر طاہر قریشی نے اپنے مقالے میں ایک مشکل موضوع کو اٹھایا ہے اور ان عناصر سے آگاہ کرنے کی سعی کی ہے جو نعت کی تشکیل میں اہمیت رکھتے ہیں۔صفحہ ۴۹۴ پر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کے الفاظ درج ہیں۔وہ کہتے ہیں ''نعت کے عناصر کیا ہیں ؟اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اگر کوئی نقاد تمام عناصر کی نشان دہی کرنا چاہے......تو یہ کارِ محال ہے''۔ڈاکٹر قریشی نے بہرحال اپنی سی عمدہ کوشش کی ہے۔

جریدے میں ''فکر و فن'' کے حصے میں متعدد شعرا پر مختلف ناقدین نے قلم اٹھایا ہے مثلاً ڈاکٹر ریاض مجید نے لالۂ صحرائی کی غزوات نگاری پر بات کی ہے ۔ڈاکٹر اشفاق انجم نے دادا میاں عطا کے بارے میں لکھا ہے ۔ڈاکٹر عزیز احسن نے سرور سہارنپوری کے فن کا تفصیلی جائزہ لیا ہے ۔ ڈاکٹر عزیز احسن صاحب نے اپنے مقالے میں ایک حدیث نوٹ کی ہے ۔''اے اللہ روح القدس کے ساتھ حسان کی مدد فرما''۔مجھے سمجھانے کے لیے بتائیں یہ ''روح القدس کے ساتھ'' کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے ۔کیا ''اے اللہ حسان کی مدد فرما'' کہنے سے مدد میں کمزوری آجاتی ہے_؟ میں بہت معمولی آدمی ہوں ۔اعتراض نہیں کر رہا ہوں صرف سمجھنا چاہتا ہوں کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ احادیث میں ملاوٹ بہت کی

گئی ہے۔اختر بستوی پر ڈاکٹر سراج قادری اور حافظ افضل فقیر کی نعت گوئی پر جناب گوہر ملسیانی نے قلم اٹھایا ہے۔یہ سلسلے اچھے ہیں ۔نعت گوشعرا سے متعارف کرانے کا عمل قابل ستائش ہے۔لیکن اچھا ہوگا کہ پہلے ان نعت گوشعرا پر جائزے پیش کئے جائیں جو عمدہ نعتوں کی وجہ سے کوئی بڑا مقام رکھتے ہیں مثلاً عبدالعزیز خالد رحمانی کیانی،مظفر وارثی ،حفیظ تائب ،حنیف اسعدی،مولانا ماہرالقادری وغیرہ ۔ڈاکٹر اسلم عزیز نے سید محسن نقوی کی نعت نگاری پر قلم اٹھایا ہے !مضمون تو اچھا ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے یہ لکھنے کے بعد کہ ''وہ نعت کے لیے وہ یوں الفاظ تلاشتا اور تراشتا ہے جیسے جوہری جواہرات کا انتخاب کرتا ہے''۔متعدد ایسے اشعار بہ طور انتخاب لکھے ہیں جن سے ان کے تحسینی لفظوں کی نفی ہوتی ہے ۔دیکھیے یہ اشعار:

(۱) جبریل تیرے در کے نگہ بان کا ہم مزاج / باقی ملائکہ تری گلیوں کے کوزہ گر

(۲) موج صبا کو ہے تیری خوشبو کی جستجو/ جیسے کسی کے در کی بھکارن ہو در بدر

(۳) زلفوں سے خجل شب کی ستارہ بدنی ہے۔

(۴) میں سایۂ طوبیٰ کی خنک رت سے ہوں واقف/مولا تری گلیوں کی مگر چھاؤں گھنی ہے۔

(۵) گلنار گھٹاؤں سے یہ چھلتی ہوئی چھاؤں

(۶) ظاہر ہوا اک پیکر صد رنگ بصد ناز

اب کیا میں تفصیل بھی بتاؤں کہ اشعار اور مصرعے کس طرح ظاہر کر رہے ہیں کہ شاعر کو عمدگی سے الفاظ کے چناؤ کا طریقہ نہیں آتا؟ پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں ملائکہ کو گلیوں کے ''کوزہ گر'' کہا گیا ہے شاعر شاید یہ کہنا چاہتا تھا کہ باقی ملائکہ گلی کے بھکاری ہیں ۔مگر اسے معلوم نہیں کہ ''کوزہ گر'' برتن بنانے والے کو کہتے ہیں ۔اسے ''دریوزہ گر'' کے معنی میں نہیں استعمال کیا جاسکتا۔اب دوسرا شعر دیکھیں ۔موج صبا کو حضور کی خوشبو کی جستجو ہے۔اور وہ در بدر بھکارن کی طرح پھر رہی ہے۔''گویا

اُسے یہ خوشبو مل ہی نہیں رہی ہے ۔حالانکہ اس خوشبو سے تو ساری دنیا مہک رہی ہے جناب ہمارے شاعر کی صبا کا جواب نہیں اور اسی طرح اس کی جستجو کا بھی ۔اب تیسرے مصرعے کو دیکھیے ۔شاعر کہتا ہے کہ حضور کی زلفوں کے سامنے شب کی ستارہ بدنی خجل ہے۔اگر بالوں کی سیاہی کی تحسین پیش نظر تھی تو پھر شب کی تیرگی کا تذکرہ ہونا چاہئے تھا۔''ستارا بدنی'' کا یہاں کوئی محل نہ تھا۔مگر شاعر کواس کی سمجھ ہوتی تو پھر بات بھی بن جاتی ۔اسی طرح بعد کے شعر میں شاعر نے کہا ہے''گلیوں کی چھاؤں گھنی ہے'' ہے نا کمال کی بات چھاؤں درختوں کے چھت وغیرہ تلے ہوتی ہے گلیوں میں نہیں ۔اور یہ گلیوں کا چھاؤں والا مصرعہ اس طرح اور بھی خراب ہوجاتا ہے جب ہم پہلے مصرعے میں ''طوبیٰ کے سائے کی بات پڑھتے ہیں جو ایک درخت ہے۔'' آگے آیئے شاعر صاحب نے فرمایا ہے۔''گلنار گھٹائیں'' ۔ہوسکتا ہوں شاعر نے دیکھی ہوں ۔میں نے نہیں دیکھیں۔اور ممکن ہے شاعر کے مداح ڈاکٹر صاحب نے بھی دیکھی ہوں تو اور بات ۔اور آخری مصرعے میں ''مقصد تخلیق کائنات'' کی تخلیق کے لیے شاعر نے لکھا ہے ۔''ظاہر ہوا اک پیکر صد رنگ بہ صد ناز'' ۔مجھے ''بہ صد ناز'' پر اعتراض ہے۔اس قسم کی باتیں شعرا اپنی معشوقاؤں کے لیے لکھتے ہیں۔ڈاکٹر اسلم عزیز صاحب مجھے معاف کریں ۔میں ان کے اس فتوے سے بھی متفق نہیں کہ محسن تقوی عصر حاضر کا ایک ''بڑا'' شاعر تھا۔

آگے کے حصے میں کچھ شعرا کے بارے میں خصوصی مطالعے ہیں۔یہ بھی ویسے ہی مقالے ہیں جو اس سے قبل کے حصے میں تھے ان میں بھی متعدد نعت گو شعرا کے فکر وفن سے تعارف کرایا گیا ہے۔حزیں صدیقی صاحب تو اس دنیا میں نہیں ہیں مگر انھوں نے اپنے متعدد شعروں میں ''کبریا'' کا لفظ ''خدا تعالیٰ'' کے لیے استعمال کیا ہے جو درست نہیں یہ لفظ ''بڑائی'' کے معنی میں ہے معنی صفت ہے ۔اسم نہیں ۔نعیم بازید پوری قابل مبارک باد ہیں انھوں نے ایک غیر مسلم کے ان خیالات کا ترجمہ ہمیں پڑھایا جس نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے احساسات لکھے تھے۔ان کی نظم بھی خوب ہے۔ڈاکٹر

عزیز احسن کا انٹرویو دلچسپ تھا انھوں نے ہمیں ماہر القادری صاحب کی نعت سنائی ۔کیا خوب ہے۔کیا خوب ہے واللہ۔انھوں نے ''وتیرہ'' کو''وطیرہ'' لکھا ہے ۔نشاندہی میں کوئی حرج نہیں ۔اسی طرح انھوں نے جناب عبدالعزیز خالد کی سادہ سی نعتیہ نظم بھی سنائی ۔ مجھے تو بہت ہی اچھی لکھی ۔کاش وہ کوئی کتاب ایسی بھی لکھیں جس میں اُردو کی بہترین نعتیں موجود ہوں۔ جناب ماہرالقادری ،اور عبدالعزیز خالد صاحب کی یہ دونوں نعتیں بہتریں نعتیں کہی جاسکتی ہیں ۔ جناب رحمان کیانی کی تحریر بھی نظرانداز نہیں کی جاسکتی ۔ جرمن شاعر کی نعت کا ترجمہ بہت اچھا لگا۔

اس سے آگے اس شمارے میں کتابوں پر تفصیلی مضامین ہیں ۔ان میں ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کا مضمون بہت اہم ہے جنھوں نے ایک غیر مسلم مصنف کی کتاب ''ہمارے رسول'' کے بارے میں حقائق سے آگاہ کیا ہے ۔کاش کہ یہ مضمون مصنف ڈاکٹر دھرمیندر کی نظر سے بھی گزرے اور وہ برا ماننے کے بجائے اس پر غور کریں ۔ کچھ بھی ہو ڈاکٹر دھرمیندر نے نیک نیتی سے کتاب مرتب کی ہوگی ۔اب انھیں بہت سی باتوں کا علم نہیں ۔ یہ ایک الگ بات ہے انھیں ڈاکٹر سفیان کی باتوں پر توجہ دینی چاہیے ۔ پروفیسر انوارزئی کا مضمون بھی اچھا ہے اسی طرح ڈاکٹر عزیز احسن کا مضمون جو مزاح نگار انور مسعود صاحب کے نعتیہ کلام سے متعلق ہے اپنی جگہ ٹھیک ٹھاک ہے ۔انور مسعود صاحب کا مصرعہ ہے۔

زندگی دی نبض دے نغمے سریلے ہوگئے

ہمیں یہ معلوم ہوکر خوشی ہوئی کہ نبض نغمے بھی گاتی ہے اور یہ نغمے ''کبھی کبھی'' سریلے بھی ہوجاتے ہیں ۔ڈاکٹر عزیز احسن نے اپنے مضمون میں ڈاکٹر طاہر قریشی کے کام سے ہمیں متعارف کرایا ۔ ڈاکٹر قریشی صاحب اپنے کام پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

حاصل مطالعہ کے حصے میں کتابوں پر مختصر تبصرے ہیں جو ڈاکٹر عزیز احسن نے کئے ہیں ۔ان کے تبصرے اچھے مناسب اور متوازن ہیں ۔''سلامتی کا سفر'' نامی کتاب (مصنف اعجاز رحمانی) پر ان کا

تبصرہ خصوصیت سے پسند آیا۔شاعر کو اسے نہایت توجہ سے پڑھنا چاہیے اوراحسن صاحب کی زرف نگاہی کی تعریف کرنی چاہیے ۔حمیرا راحت کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر احسن نے شاعرہ کی ایک نعت کوٹ کی ہے اس میں مجھے دو شعر ایسے نظر آئے جو کسی بھی طرح نعت کے نہیں کہے جا سکتے ۔آپ انھیں غزل کا شعر ضرور کہہ سکتے ہیں ۔آپ بھی دیکھیں:

بس ایک حرف دعا کا چراغ ہاتھ میں تھا　　　نہ زادراہ تھا کوئی نہ خوش گمانی تھی

اُجالا دل میں نہاں تھا چراغ ہاتھ میں تھا　　　کوئی بھی آندھی کبھی ڈگمگا سکی نہ مجھے

(ویسے آخری مصرعے میں چراغ کا ہاتھ میں ہونا اوراجالے کا دل میں ''چُھپا'' ہونے کی بات بھی توجہ طلب ہے۔)اس حصے میں ایک اور کتاب پر بھی تبصرہ ہے یہ کتاب ہے جناب گوہر ملسیانی کی۔نام ہے''عصر حاضر ہے نعت گو''۔تبصرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں عصر حاضر کے سارے نعت گو نہیں ہیں ۔ اس طرح نام مناسبت نہیں رکھتا ۔اسے MIS LEADING کہا جاسکتا ہے۔ جناب گوہر ملسیانی نے اپنی ایک تحریر میں (جسے تبصرے میں کوٹ کیا گیا ہے)لکھا ہے۔_(میری طبع نازک پر تمام باتیں گراں گزریں)مجھے یہ جملہ دیکھ کر حیرت ہوئی ۔انکسار کا تقاضہ ہے کہ آدمی خود اپنی طبع کے لیے ''نازک'' وغیرہ نہ لکھے ۔بہرحال جناب گوہر ملسیانی نے لکھا ہے ۔ان کے کوٹیشن سے معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کون لوگ تھے جن کی باتیں شاعر کی طبع نازک پر گراں گزری تھیں نہ اس سے اس معروف نعت گو شاعر کا نام معلوم ہوسکا جس کی تضحیک کی گئی تھی کہ بقول ان کے ان نام نہاد سخن وروں کا پتا چل سکا جنھوں نے نعت کو پروپیگنڈہ قرار دیا تھا۔گوہر صاحب کو ایسا کون سا خوف لاحق تھا کہ انھوں نے ان اسلام دشمن قوتوں کو Expose نہیں کیا؟ڈاکٹر عزیز احسن صاحب سے معافی چاہتا ہوں لیکن ان کا یہ لکھنا کہ جناب گوہر ملسیانی ''صاحب اسلوب'' شاعر ہیں میری سمجھ میں نہیں آسکا۔مجھے وہ صاحب اسلوب نظر نہیں آتے ذرا ان کا یہ شعر دیکھیں:

حسن دلکش کا بیاں ہے اوراک صحرا نشیں   اُم معبد کی زباں پر ہیں شمائل آپ کے

کیا اس شعر میں انداز بیاں کچھ ایسا ہے جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ شاعر صاحب اسلوب ہے؟ ویسے میرے خیال میں صاحب اسلوب ہونا کوئی ایسی محسن صفت بھی نہیں کہ اس پر بہت خوش ہوا جائے ۔عموماً صاحب اسلوب شاعر کے ہاں بیان کی یکسائی اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ اُس کا ایک شعر پڑھیں یا دس لگتا یہی ہے کہ ایک ہی چیز پڑھی ہے۔ یقین نہ آئے تو ایک واقعی صاحب اسلوب شاعر سراج الدین ظفر کا شعری مجموعہ غزال وغیرہ پڑھ لیجئے۔ایک لطف کی بات اور ہے کہ اُم معبد نے حضور کا جو سراپا بتایا اُس میں اس کی ذہنی سطح بھی نظر آتی ہے کیونکہ وہ کوئی بہت پڑھی لکھی خاتون نہ تھی۔اس کے بیان سے چند سطریں ملاحظہ ہوں :

''نہ توند نکلی ہوئی نہ چندیا کے بال گرے ہوئے......''

ذرا دیکھیے کیا یہ بیان سراہے جانے کے لائق ہے۔ہمارے گوہر ملسیانی صاحب نے اسے بہ طور خاص کوٹ کیا ہے۔اس جگہ میں واضع طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں تحریروں اور تخلیات پر بات کرتا ہوں۔لکھنے والوں کی شخصیت میرا ہدف نہیں ہوتی ۔گوہر ملسیانی صاحب میرے لیے معزز اور محترم ہیں البتہ میں تمام اچھے لکھنے والوں سے زیادہ کڑے معیار کا تقاضہ ضرور کرتا ہوں انھیں برانہیں ماننا چاہیے۔

اس باب میں شعرا کی تازہ نعتیں ہیں۔یہ حصہ برانہیں ہے ۔خورشید رضوی صاحب سلیمان خمار اور رئیس احمد نعمانی کے چند اشعار متاثر کرتے ہیں۔

خطوط کا حصہ اس جریدے کا سب سے دلچسپ اور سب سے زیادہ پڑھا جانے والا حصہ ہوتا ہے۔اس میں اب تک درجنوں ایسے نکات اٹھائے جا چکے ہیں اور ان پر بحث ہو چکی ہے جو مدتوں سے اذہان میں سوالیہ نشان قائم کئے ہوئے تھے (اگر ان خطوط سے یہ نکات مع جواب ایک جگہ جمع کر کے شائع

کئے جائیں ۔تو یہ ایک نہایت کارآمد کام ہوگا) مجھے اس حصے میں علامہ کوکب نورانی کی کمی محسوس ہو ئی ۔اگر وہ کچھ خفا ہیں تو انھیں منا لینا چاہیے۔

جناب ریاض چودھری نے اپنے خط میں ڈاکٹر شعیب نگرامی کے مقالے کے بارے میں لکھا ہے کہ انھیں اس پر آڑے ہاتھوں لیا گیا میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کی سوچ مناسب نہیں ۔ہم کو کھلے دل و دماغ کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ڈاکٹر نگرامی بہر حال کوئی جاہل آدمی نہیں۔ان کی باتوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے ۔ برا بھلا مت کہیں ۔ریاض صاحب نے خدا جانے کن لوگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے خوشامد کی ڈگڈگی بجاتے ہیں۔شاید ان کا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جنھوں نے ڈاکٹر نگرامی کی حمایت کی تھی ۔ایسی گفتگو موثر نہیں ہوتی۔ریاض چودھری صاحب نے ایک شعر لکھا ہے:

بعد مرنے کے چلے جائیں گے سب سے چھپ کر ایک گھر ہم نے مدینے میں بنا رکھا ہے

اس شعر سے تو یوں لگتا ہے جیسے مدینے میں جو گھر بنایا گیا ہے وہ کوئی چرچ وغیرہ ہے اس میں شاعر چھپ کر جانے کی بات کر رہا ہے۔ عجیب سا شعر ہے ۔ایسے شعر بظاہر بھلے لگتے ہیں لیکن جب اِن میں اترا جاتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ شعر ہے کیسا۔اور یہ کام ہما شما کا نہیں ہوتا۔تنقید کی اہمیت بھی اسی لیے ہے ۔نعت کے اشعار غور وفکر چاہتے ہیں۔اپنے اسی مضمون میں خود ریاض چودھری صاحب نے ڈاکٹر اشفاق انجم کی تحریر سے ایک کوٹیشن دیا ہے جو یوں ہے۔

’’......اگر ایک بھی لفظ نامناسب در آئے تو ساری فضا کو مکدر کر دیتا ہے‘‘

ریاض صاحب نے کسی ادبی ایجاد ’’اکائی‘‘ کا ذکر تحریر فرمایا ہے۔میں نے کبھی پڑھا نہیں۔ اگر کوئی نمونہ خط میں ہوتا تو بات کی جاسکتی تھی۔البتہ میں جب بھی اسطرح کی ادبی ایجادوں کا ذکر سنتا ہوں تو مجھے ’’موجدّوں‘‘ سے ہمدردی ہوجاتی ہے ۔حال میں ایک ناکام افسانہ نگار نے افسانوں کے

میدان میں ایک نئی کہانی کی ایجاد کا سہرا اپنے سر باندھا ہے جو کسی بھی طرح کوئی نئی صنف نہیں۔لطف کی بات یہ ہے کہ ان ''پوپلی'' کہانیوں کو بڑھاوا دینے والے بھی انھیں میسر آ گئے ہیں۔ ریاض چودھری صاحب کے خط سے ان کے جواں سال بھتیجے کی رحلت کی خبر ملی رنج ہوا۔اللہ اسے جوار رحمت میں جگہ دے۔

خطوط میں ایک خط ڈاکٹر مستجاب ظافر صاحب کا ہے۔انھوں نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ میں نے یعنی اس خاکسار احمد صغیر صدیقی نے ''لفظوں'' کو مونث باندھا ہے حالانکہ یہ سارا قصور کمپوزر کا تھا۔ جس نے میرے مصرعے:

''میرے آقا مجھے دلجوئی کے لفظوں سے نواز''

میں ''کے لفظوں'' کے بجائے ''کی لفظوں'' لکھ دیا تھا۔ ڈاکٹر ظافر صاحب نے میری تنقیدی تحریر کے بارے میں بھی چند باتیں لکھی ہیں۔ ان سے عرض ہے کہ مجھے شخصیت سے کچھ لینا دینا نہیں ہوتا میں تو تخلیقات پر بات کرتا ہوں۔میرا لہجہ یا اسٹائل قدرے تلخ یا سخت ہو جاتا ہے۔اس کا مجھے اعتراف ہے لیکن یہ ان کے لیے ہی ہوتا ہے جنھیں میں اہم سمجھتا ہوں۔اہم لوگوں سے میرا تقاضہ بلاشبہ سخت ہوتا ہے۔ہونا چاہیے کہ ان کی غلطیاں ادب پر دوررس اثرات مرتب کرتی ہیں۔ڈاکٹر ظافر صاحب نے صفحہ ۵۵۸ پر اپنے خط میں لکھا ہے:

''میں یہاں احمد صغیر صدیقی کے اٹھائے ہوئے نکات پر کچھ نہیں کہنا چاہتا''

مجھے ان کی اس بات پر اعتراض ہے۔آخر کیوں وہ کچھ نہیں کہنا چاہتے؟ اگر میری باتیں نادرست ہیں تو انھیں بتانا چاہیے۔اور اگر درست ہیں تو ایمانداری کا تقاضہ ہے کہ ان کی تائید کی جائے۔

تنویر پھول صاحب نے اپنے خط میں 'ہمارے رسول' اور ''اللہ کے رسول'' کے بارے میں وضاحت کر دی ہے۔عام طور پر ماضی میں وہ رسالے کے مشمولات پر شرح وبسط کے ساتھ بات کرتے رہے

ہیں مگر اس بار ان کا خط سرسری بھی ہے اور مختصر بھی۔

میں رسالے کے قارئین سے چاہوں گا کہ وہ مضامین وغیرہ پر اپنی رائے ضرور دیا کریں۔ اس سے لکھنے والوں کو پتا چلتا رہتا ہے کہ خلق خدا انھیں کیا کہتی ہے۔ اس طرح اصلاح کا راستہ نکلتا ہے۔ ادب کی اصلاح ہوتی ہے اور ادیب کی بھی۔

ایک اور بات۔ جریدے میں مضامین پر انگلش میں ''Abstract'' لکھنے کی طرح ڈالی گئی ہے۔ اچھی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ کام اُردو میں کیوں نہیں کیا گیا؟ اُردو کے جریدے میں انگلش ایبسٹریکٹ کیوں؟ مدیر گرامی صاحب۔ یہ طرح جو آپ نے ڈالی ہے یہ مہنگی بھی پڑسکتی ہے۔ اس میں ہر مضمون کو پہلے پڑھنا ضروری ہے تبھی اس کی کریم کو ایبسٹریکٹ میں منتقل کیا جاسکتا ہے چلو ابھی تو آپ کو کوئی ABLE آدمی میسر ہے جو یہ کام کرسکتا ہے۔ لیکن اس کی عدم موجودی میں متبادل آسانی سے نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس میں ضرورت ہے ایک ایسے فرد کی جس کی انگریزی اور اُردو دونوں پر گرفت مضبوط ہو اور جو ادب سے بھی ربط رکھتا ہو۔ اور جسے ادبی انگریزی لکھنی آتی ہو۔ بہرحال یہ میرا معاملہ نہیں۔ مدیر گرامی آپ سنسکرت میں بھی ABSTRACT لکھائیں تو میرا کیا جاتا ہے۔ یہ بات تو میں نے بس یوں ہی لکھ دی ہے۔ البتہ وہ دوسری ''طرح'' جو آپ ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ ٹھیک ہے یعنی لکھنے والوں کا یک سطری یا دوسطری تعارف آخر میں آپ سے گذارش ہے اگر میری تحریر آپ شائع فرمائیں تو کتابت کی پروف خوانی احتیاط سے ہونی چاہیے شمارے ۲۲ میں میں نے جو طویل خط لکھا تھا اس میں اس قدر اغلاط تھیں کہ جب میں نے اسے درست کیا تو صفحہ پر قتل عام کا سا سماں تھا۔ ظاہر ہے کہ میری تنقید ان الفاظ کے ساتھ تخلیق کاروں تک نہیں پہنچی ہوگی جو میں نے لکھے تھے اس طرح وہ بے جان اور بودی بھی ہوگئی تھی۔ یہی نہیں اس میں تو سطریں تک مِس کردی گئی تھیں اور بہت سی باتیں بے معنی ہوگئی تھیں۔ اُمید ہے اس بار اِدھر خصوصی

توجہ دیں گے اور چلتے ہوئے کام سے گریز کیا جائے گا۔کتابت کی بہت زیادہ اغلاط رہ جانے سے پرچے کی نیک نامی بھی متاثر ہوتی ہے جسے آپ جیسا مدیر یقیناً افورڈ کرنا پسند نہیں کرے گا۔

……

ڈاکٹر عبدالکریم۔آزاد کشمیر

''نعت رنگ''ارسال کرنے پر سراپا سپاس ہوں۔موسم کی شدت اور لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے بروقت تبصرہ ارسال نہ کرنے پر معذرت۔

''نعت رنگ'' کو ابتدائیہ اور اپنی بات کے علاوہ سات اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں تمجید،مقالات ،فکروفن ،خصوصی مطالعہ ،مطالعات نعت ،مدحت اور خطوط شامل ہیں ۔نعت رنگ کا ابتدائیہ مہمان مدیر پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب نے تحریر کیا ہے اوراُن تمام کثافتوں کی نشاندہی کردی ہے جو برِعظیم کے معاشرے میں سینکڑوں سال ہندوؤں کے ساتھ رہتے رہتے اسلام کے شفاف بدن سے چمٹ گئیں یا جنہوں نے اسلام کی سادگی کو آلودہ کردیا۔

نعت وہ صنفِ سُخن ہے جو اِن کثافتوں سے سب سے زیادہ آلودہ ہوئی۔تاہم مقام شُکر ہے کہ عقیل صاحب جیسے صاحبِ فکر موجود ہیں جواُن وجوہات کا دُرست تجزیہ کرکے صاف اورشفاف تصویر قاری کے سامنے رکھتے ہیں ۔عقائد عام طور پر عقیدتوں سے ہی آلودہ ہوتے ہیں اور یہی سلوک اسلام کے ساتھ اور برگزیدہ ہستیوں کے ساتھ روا رکھا جارہا ہے۔کچھ اصناف میں مبالغہ آرائی کوفروغ دیا گیا اور پھر اُن کی بنیاد پر باقاعدہ ہمارے ہاں فقہی موشگافیاں شروع ہوئیں ۔وطنِ عزیز میں انقلاب بھی اب ان کے ساتھ نتھی کردیے گئے ہیں ۔فرقہ پرستی عروج پر ہے اور ہرفرقہ عقیدت کی بنیاد پر دوسرے کوگردن زدنی قرار دیتا ہے۔اور جنت کے ٹکٹ تقسیم کرتا پھر رہا ہے۔

مقالات کا گوشہ اپنے اندر خوبصورت مقالے رکھتا ہے ۔اگر ایک طرف نعت اورنعتیہ عناصر پر بات

ہے تو نعت گوئی میں لفظ 'ارم' کے استعمال پر سیر حاصل بحث بھی شامل ہے ۔دوسری طرف پاکستان میں نعتیہ صحافت پر ڈاکٹر شہزاد احمد کا ۱۰۲ صفحات کا طویل مقالہ موجود ہے جس کو پڑھنے کے لیے صبر اور تحمل کی ضرورت ہے ۔ غیر منقوط حمد و نعت پر ڈاکٹر اشفاق انجم نے خوبصورت لیکن مختصر مقالہ تحریر کیا ہے ۔ اختتام خوبصورت الفاظ میں کیا ہے کہ ''حمد و نعت میں بے راہ رووں کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ میری دانست میں غلط اشعار کہنے والوں کی گرفت نہ کرنے والے قارئین بھی اُتنے ہی گنہگار ہوں گے جتنے شعرا''۔

تنویر پھول کا حمد و نعت میں الفاظ کے مناسب استعمال پر زور بجا ہے ۔اُنہوں نے کچھ اشعار لے کر اُن کو مثال کے طور پر پیش بھی کیا ہے جیسے ''مدفن مرا طیبہ میں بنے اب کے برس بھی'' پر آواگون کے اثرات موجود ہیں ۔ اُستاد محترم ڈاکٹر شاکر اعوان صاحب کا مقالہ ''عہد رسالت میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' اُن کی کتاب میں پڑھ چکا ہوں ۔فکر و فن کا سب سے معیاری مقالہ ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کا ''سرو سہارن پوری کی نعت گوئی'' لگا ۔اُنہوں نے اپنے اس طویل مقالے میں حکیم صاحب کی نعتیہ شاعری پر تفصیل سے بات کی ہے ۔حکیم صاحب اُن شعرا میں سے ہیں جن کی نعتیں کثافتوں سے پاک ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک باعمل اور صحیح العقیدہ مسلمان تھے ۔اُن سے میں کئی بار ملا ۔فقیر منش اور سادہ لوح تھے ،عزیز احسن نے بعض خوبصورت تبصرے کیے ہیں جیسے اس مصرع پر ''بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصود کائنات'' اور درست تجزیہ کیا ہے کہ صوفیانہ شطحیات کا دائرہ نبوت میں بھی شرک کی سطح پر پہنچ رہا ہے ۔مقصودِ کائنات صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور اس وصف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی شریک نہیں ۔

معصوم بھی ،مظلوم بھی ،دامادِ نبی بھی　　کافی ہے سہارے کے لیے آپؓ کا داماں

آپ کا یہ تحریر کرنا درست ہے کہ یہاں معصوم سے مراد ''معصوم عن الخطاء'' نہیں ۔خصوصی

مطالعہ کے تینوں مضامین بہترین ہیں ۔ڈاکٹر محمد آصف نے کمال مہارت سے حزیں صدیقی کی نعت گوئی پر قلم اٹھایا ہے اوراس کا حق ادا کیا ۔اُنھوں نے صدیقی صاحب کی نعت کے اجتماعی اور انقلابی پہلوؤں پر بھی بات کی ۔اکثر شعرا کے ہاں نعت ذاتی واردات بن چکی ہے تاہم حزیں صدیقی کے ہاں یہ رنگ موجود ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلمکے انقلابی پیغام پر بھی بات کی جیسے:

آدمی پر کُھلا مقصدِ زندگی　　　　آدمیت بڑی معتبر ہوگئی

نعیم بازید پوری کا ''شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلمکی درخواست بریت'' خاصے کی چیز ہے اوراس طرح کے مضامین کا ایک مسلسل سلسلہ ہونا چاہیے ۔ایسے مضامین واقعی ایمان افروز ہوتے ہیں۔ ارنوڈ گریٹ اور وارن ڈرون کی طرح کے کئی کردار ہیں جن کو سامنے لایا جانا چاہیے ،کاش سلمان رشدی تسلیمہ نسرین کی طرح کے کرداروں کو بھی وہ جرات تحقیق ملے جنھوں نے کافروں کو مسلمان کر دیا۔ مطالعات نعت کا سب سے خوبصورت مضمون ڈاکٹر ابوسفیان صاحب کا ہے ۔انہوں نے ''ہمارے رسو ل صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب تنقیدی جائزہ لیا ہے ۔اس کتاب کے مؤلف ڈاکٹر دھرمندر ناتھ ہیں ۔ ابوسفیان تحریر کرتے ہیں کہ ''تیسرے باب میں موصوف اس موضوع کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں کیونکہ قرآنیات اوراحادیث سے اُن کی واقفیت نہ ہونے کے برابر ہے ۔ انہیں کیا پتہ کہ وحدت الشہود اور وحدت الوجود کا اسلام اورذاتِ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔''رکھ لیا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم تاکہ رُسوائی نہ ہو' سے قرآن کے تصورِ الہ اور کان خلقہُ خلق القرآن کے خلاف تصویر اُبھرتی ہے ۔ یہ بات نہایت اہم ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین فرق ہے ۔اس فرق مراتب کو ملحوظ رکھنا ازحد ضروری ہے ۔ کیونکہ ایک خالق ہے دوسرا مخلوق ۔لیکن افسوس کہ بے شمار اہم شعرا نے اس فرقِ مراتب سے آنکھیں میچ لی ہیں ۔

خالی کوئی پلٹا ہی نہیں دَر سے نبی کے　　　　ہندو ہو ، مسلمان ہو ،سکھ ہوکہ کوئی اور

اس طرح کے اشعار کا قرآن وسیرت سے کوئی تعلق نہیں ۔روضہ اقدس کی مٹی کا ماتھے پر لگانا سراسر ہندوتہذیب کے زیر اثر ہے جس کے ڈانڈے قشقہ کھینچے سے جا ملتا ہے:

غبار اُس روضہ اقدس کا ماتھے پہ لگاؤں گا　　　گزر اپنا مدینے میں اگر مثل صبا ہوگا

افسوس کا مقام ہے کہ اس طرح کے تصورات مسلم شعرا کے ہاں بھی موجود ہیں اور اُن پر علمی اعتراضات کو ہمارا فرقہ پرست معاشرہ برداشت نہیں کرتا۔ڈاکٹر ابوسفیان درست طور پر مولف پر نوحہ خواں ہیں ’’کاش کہ یہ ہماری نوحہ خوانی ڈاکٹر دھرمندر ناتھ اور ایرانی سفارت خانہ نئ دہلی کے ثقافتی کونسلر ڈاکٹر علی رضا کو گوش گزار کراتی‘‘۔پروفیسر انوار احمد زئی نے ڈاکٹر عزیز احسن کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا ہے۔نیز انہوں نے عزیز احسن کے نظریہ تحریر وتحقیق کی تعریف کی ۔’’بارِیاب‘‘ کا ڈاکٹر عزیز احسن اور’’عبدِ کامل‘‘ کا ڈاکٹر بشیر عابد نے پُر اثر مطالعہ پیش کیا ہے۔ مدحت میں شامل تمام تخلیقات اچھی ہیں تاہم رئیس احمد نعمانی کی تخلیق کے اشعار پر اختتام کرتا ہوں:

مؤرخوں نے نمایاں نہیں کیا جن کو　　　بہت سے حادثے گزرے ہیں کربلا کے سوا

بحکم شرح ،کہا جاسکے جسے ’معصوم‘　　　نہیں ہے کوئی ملائک اور انبیاء کے سوا

جو غارِ ثور میں بھی ہم نفس تھا ، آقا کا　　　بتاؤ کون تھا؟ صدیقؓ باصفا کے سوا

عمرؓ حبیب خدا کے حبیب تھے ، اس کا　　　کرے گا نہ کوئی انکار ،اشقیا کے سوا

دو بنت پاک نبیؐ جس کی زوجیت میں رہیں　　　یہ رُتبہ کس کا ہے ؟ عثمانؓ باحیا کے سوا

خدا کے ایک ولی تھے ،علیؓ بھی ، سچ ہے ،مگر　　　نہیں ہے کوئی بھی مشکل کُشا خدا کے سوا

اللہ آپ اور آپ کی ٹیم کی صلاحیتوں میں برکت دے۔

……

فراست رضوی۔کراچی

۴/ جولائی ۲۰۱۴

’نعت رنگ‘ کا دیدہ زیب شمارہ پروفیسر انوار احمد زئی صاحب نے عنایت فرمایا،مضامین وکلام کے معیار ووقار نے متاثر کیا۔اس میں بطور مدیر آپ کی کاوشیں اور اخلاص نیت ہر مقام پر ظاہر ہے۔ پاکستان میں آپ نے اپنے اس جریدے کے ذریعے فروغ نعت اور نعت فہمی کی ایک ایسی تحریک کو جنم دیا ہے ،جس کے ثمرات ابھی سے نمایاں ہونے لگے ہیں۔

نعت لکھنا بقول عرفی تلوار کی دھار پر چلنے کا عمل ہے ۔تہذیب وادب کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ شعری جمالیات کا التزام آسان کام نہیں ہے ۔نعت نگاری کے لیے محض سرکارِ دوعالمؐ کی محبت وعقیدت ہی کافی نہیں ہے ۔اس کے لیے اُس ذات عظیم کی حتی الامکان تفہیم بھی چاہیے ۔یوں تو حقیقت محمدیؐ کو خالق کائنات کے سوا کون جانتا ہے ۔مگر ایک امتی ہونے کی حیثیت سے ہمارے ذہنوں میں ختمی مرتبتؐ کا کیا تصور ہے، یہ بات نعت نگاری میں بہت اساسی اہمیت رکھتی ہے ۔رسول کریمؐ کے مقام بشریت اور مقام نبوت کے متوازن تصور ہی سے ایک مودب اوراثر انگیز نعت تخلیق کی جاسکتی ہے ۔ یہاں غزل کے عام محبوب اور محبّ والی کیفیت زیبا نہیں ہے ۔نعت آقا اورغلام کے رشتے پر استوار ہوتی ہے ۔یہاں برابری گستاخی ہے ۔ یہ حفظ مراتب کی دنیا ہے یہاں تعظیم کی کڑی شرطیں ہیں ۔اور انہی پابندیوں اور شرائط میں رہتے ہوئے ایک نعت نگار کو اپنے جمال فن اور تخلیقی شعور کے نگ دکھانے پڑتے ہیں ۔آپ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ آپ نے نعت پر تنقید کا باقاعدہ آغاز کیا اور قدیم اور جدید نعتوں کے مضامین اوراسالیب پر معروف اہل قلم سے انتقادی مقالات لکھوائے ۔جس کی وجہ سے ادب کے عام قاری کو نعت کا ایک نیا شعور ملا۔

نعت پر تنقید کا مطلب دراصل نعت کے فن کا علمی اورادبی محاکمہ ہے ۔یہ بات ’’نعت رنگ‘‘ کے

وسیلے سے مجھ تک پہنچی ہے۔ورنہ شروع شروع میں ’’نعت پر تنقید‘‘ کا جملہ سن کر دل ڈر جاتا تھا کہ کہیں یہ سوئے ادب نہ ہو۔ رفتہ رفتہ ’’نعت رنگ‘‘ کے شماروں سے خیال کی یہ دھند چھٹ گئی اور ادب تو نعت نگاری کے فنی ،لسانی اور ادبی اصول بہت ہی واضح ہوکر ہمارے سامنے آچکے ہیں ۔ یہ کام محمد حسن عسکری سے شروع ہوا، ابوالخیر کشفی کی تحریروں میں اس کا احیاء ہوا اور پھر نعت رنگ نے اسے نعت کے مکمل تنقیدی دبستان میں تبدیل کر دیا۔آپ اور آپ کے رفقاء کی کوششوں سے نعت پر تنقید ایک علاحدہ اور مخصوص مکتب فکر کی حیثیت اختیار کر چکی ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ رحمت ہی سے آپ کو یہ توفیق ملی ہے ،کہ آپ پاکستان میں نعتیہ ادب کے فروغ اوراس کے تنقیدی دبستان کی تشکیل کا تاریخی کام انجام دے سکے ۔

اس تناظر میں صاحب نظر نقاد و محقق اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلمڈاکٹرعزیز احسن کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ’’اردو کے نعتیہ ادب کے انتقادی سرمایے کا تحقیقی مطالعہ‘‘ایک روشن سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔نعت شناسی کے حوالے سے تاریخ ادب میں یہ کتاب ہمیشہ زندہ رہے گی ۔ڈاکٹرعزیز احسن نے اس کتاب کے’’ پیش گفتار‘‘ میں لکھا ہے کہ ’’سید صبیح الدین صبیح رحمانی‘‘ میرے شکریے کے اس لیے مستحق ہیں کہ انہی کی تحریک پر میں نے تنقیدی مضامین لکھے اور انہی کے اصرار پر (ریٹائرمنٹ کے بعد) پی ایچ ڈی کی سطح کا مقالہ لکھنے کا ڈول ڈالا ۔علاوہ ازیں نعتیہ ادب سے متعلق کتب کی فراہمی کی جان لیوا محنت سے بھی انھوں نے بہت حد تک بے نیاز کر دیا ۔‘‘ گویا آپ ہی اردو کے نعتیہ ادب پر لکھے گئے اس وقیع تحقیقی مقالے کے محرک اور بنیاد گزار ہیں ۔ سر سید نے ۱۸۷۹ء میں حالی سے مسدس مدو جزر اسلام لکھوائی تھی اور ،آپ نے ڈاکٹرعزیز احسن سے اردو کے نعتیہ ادب پر ایسی شاندار اور تحقیقی کتاب لکھوائی ۔میری نگاہ میں یہ مقالہ ’’نعت رنگ‘‘ کے شجر ہی کی ایک علمی شاخ ہے ۔بلاشبہ یہ مراتب کاوش سے نہیں فیضان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوتے ہیں ۔

چونکہ خاتم النبیین ، شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت مسلمہ کے لیے ایک مرکز اتحاد ویکجہتی ہیں ۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی نقطہ پر کار کائنات ہے ، اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات کا یہ دائرہ کبھی وجود میں نہ آتا۔خاکم بدہن کون مسلمان ہے جو ختمی مرتبت رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ مانتا ہواور روز حشر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر یقین نہ رکھتا ہو۔ ہر مسلمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اللہ اور قرآن مجید سے آشنا ہوا۔سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات نقطہ وحدتِ امت ہے ۔اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ''نعت رنگ'' کا ہر شمارہ نعت شناسی کے ساتھ ساتھ فرقہ وارانہ منافرتوں کے خلاف اور اتحاد اسلامی کے لیے بھی خدمات انجام دے رہا ہے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ ''نعت رنگ'' اپنی تحریروں کے ذریعے سے نعت نگاری اور نعت شناسی کے جو علمی وادبی معیارات قائم کررہا ہے ، ان معیارات کو برتنے اور برقرار رکھنے کے لیے تفسیر قرآن ،علم حدیث ،کتب سیر، تصوف ،تاریخ اسلام ،صرف نحو،عروض ،ادبیات عالم اور لسانیات کا مطالعہ ناگزیر ہے ۔گویا بلا واسطہ نعتیہ ادب کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم کے فروغ وترویج کا کام بھی ''نعت رنگ'' کے توسط سے ہورہا ہے۔

میرے نزدیک ''نعت رنگ'' نعت کے موضوع پر فقط ایک رسالہ ہی نہیں یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر ہے ۔ یہ ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلمکی ایک انجمن ہے ۔یہ اردو میں صنف نعت کے ادبی اصولوں کو علمی اور تنقیدی بنیادوں پر مرتب کرنے کی ایک خوبصورت کاوش ہے ۔نعت رنگ سارے مسلمانوں کو محبت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آفاقی مرکز پر جمع رکھنے کی ایک مخلصانہ سعی ہے ۔ یہ جریدہ ہمیں سیرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سنہری اصول یاددلاتا ہے اور ان پر چلنے کے ہمارے ارادے کو تقویت دیتا ہے۔

یہ جریدہ ہمیں نئی نئی علمی ،ادبی اوراسلامی علوم کی کتابوں کے مطالعے پر مائل کرتا ہے ۔یہی سبب ہے کہ نعت رنگ نے کم وقت میں نعت کی تاریخ ،تنقید اور تحقیق پر کام کرنے والے منفرد اہل قلم کا اپنا ایک حلقہ پیدا کرلیا ہے ۔ یہ جریدہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر اطہر سے مہکتا ایک چمن ہے جس میں تحسین وتوصیف کے رنگ برنگ پھول مہک رہے ہیں ۔

’’نعت رنگ‘‘ کے شماروں میں آپ نے نعت سے متعلق تقریباً سارے ہی اہم موضوعات پر مضامین ومباحث پیش کیے ہیں ۔لیکن شاید اب بھی نعتیہ ادب کی تخلیق ،تنقید اور تحقیق کے کئی تازہ افق نادریافت ہوں گے کیونکہ یہ صنف جوئے کم آب نہیں بحر بیکراں ہے ۔ دنیا کے دیگر اسلامی مما لک میں اور مختلف زبانوں میں کس طرح کا نعتیہ ادب لکھا جارہا ہے، ان کی اصناف اور مضامین کی نوعیت کیا ہے؟اس پر بھی تحقیق اور ترجمے کے لیے بڑی گنجائشیں موجود ہیں ۔

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغاں ہزار بادۂ نا خوردہ در رگ تاک است

مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ’’نعت رنگ‘‘ اردو دنیا میں نعت شناسی کی ایک نئی تاریخ رقم کرے گا ۔میں آپ کی کامیابیوں کے لیے اور نعت رنگ کی مقبولیت اور استحکام کے لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں ۔ خداوند آپ کی توفیقات میں اضافہ کرے (آمین)

......

ریاض حسین چودھری۔سیالکوٹ

ایک عرصے سے رابطے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوسکی شاید اس میں میرے ازلی تساہل ہی کا عمل دخل ہے پچھلے دو تین تین ماہ چیسٹ انفیکشن کی اذیت میں مبتلا رہا ہوں ۔کھانسی تو بڑی حد تک ختم ہوچکی ہے لیکن بلغم ابھی باقی ہیں ۔خدا کا شکر ہے بلڈ پریشر اور شوگر کے جن قابو میں ہیں ۔اکھڑی ہوئی

سانسیں بھی اعتدال کی راہ پر گامزن ہیں البتہ چلنے پھرنے میں دقت محسوس ہوتی ہے آپ کو یاد ہے کہ ایک بار حاجی محمد رفیق الرفاعی کے ریسٹورنٹ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے گر پڑا تھا اور آپ نے سہارا دے کر اٹھایا تھا صورتحال مزید بگڑ چکی ہے۔قارئین سے التماس ہے کہ میرے لیے صحتِ کاملہ کی دعا فرمائیں۔اس سوچ میں گم رہتا ہوں کہ اگر سرکار مدینہ نے طلب فرمالیا تو چل کر حاضری دوں گا۔کسی نے مجھے بتایا تھا کہ یہ بڑھاپا بڑی مشکل سے گزرتا ہے ربِ کائنات کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جملہ جسمانی عوارض کے باوجود میرا بڑھاپا قابل رشک ہے،خضر حیات صاحب مجھے تنہا نہیں ہونے دیتے۔

کتنے دلکش ہیں بڑھاپے کے مرے شام وسحر
ایک اک لمحہ گذرتا ہے درِ آقا پر

تحدیث نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ اس سال ''غزل کاسہ بکف'' کو صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے ''رزق ثنا'' اور ''خُلدِ سخن'' پر بھی صدارتی ایوارڈ مل چکا ہے۔رزق ثنا پر صوبائی ایوارڈ بھی ملا تھا۔اب کے ''آبروئے ما'' پر صدارتی ایوارڈ (سندِ امتیاز) بھی عطا ہوا ہے۔

یہ سب تمھارا کرم ہے آقا
کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

''زم زم عشق''،جس کا دیباچہ ڈاکٹر عزیز احسن نے تحریر فرمایا ہے پریس میں ہے ممکن ہے اس تحریر کی اشاعت سے قبل آپ کے ہاتھوں میں ''تحدیثِ نعمت'' اور ''دبستان نو'' کو آخری شکل دے چکا ہوں دس بارہ مسودے مزید ہیں وقت کم ہے اور کام بہت زیادہ، جو اللہ کو منظور۔

چراغِ نعت جلتے ہیں مرے چھوٹے سے کمرے میں
مرے آنگن کی چڑیاں بھی درودِ پاک پڑھتی ہیں

اجازت چاہتا ہوں۔خدا حافظ،احباب کی خدمت میں سلام۔

......

گوہر ملسیانی۔خانیوال

دو مضامین ''ادب اور صنفِ نعت کے تقاضے'' اور ''اردو نعت حقائق کے آئینے میں'' سہہ ماہی الزبیر، بہاولپور یا کسی اور جریدے میں شائع ہوئے تھے، میرے ریکارڈ میں موجود تھے ان کی نقول ارسال کر رہا ہوں۔

کچھ شائع شدہ اور کچھ غیر شائع شدہ مقالات میرے پاس ہیں، ان کو ''مقالاتِ نعت'' کے عنوان سے کتابی صورت میں لانے کا ارادہ ہے، چار تو وہ مقالے ہیں جو نعت رنگ میں شائع ہوئے۔ دو تین مقالے ہیں جو ''نعت کے ارکانِ خمسہ'' کے لیے تحریر کیے تھے ان میں دو تو تقریباً مکمل ہیں اور ایک ابھی شروع نہیں کیا ہے۔

میرا خیال ہے نعت رنگ پر مقالے کو مؤخر کر دوں تو یہ کتاب مکمل ہو جائے گی آپ کی رائے کا منتظر ہوں اگر اسی نعت رنگ کے شمارے میں نعت والے مقالے کو شامل کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اسے تحریر کر دوں۔ ہفتہ عشرہ میں ارسال کر سکوں گا۔

......

سلیم اللہ جندران۔منڈی بہاؤالدین

۲۵/ جولائی ۲۰۱۴

آپ کا پیارا، محبت بھرا، معلوماتی ، مفید، علمی ، تحقیقی تنقیدی کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' شمارہ ۲۴ جولائی ۲۰۱۴ نظر نواز ہو چکا ہے یہ آپ کا خلوص کہ آپ مجھ ناچیز کو اعزازی یہ تحفہ پہنچا دیتے ہیں ساتھ پیشگی فون بھی کر دیتے ہیں۔ یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے اپنی نعتیہ کاوشوں کا دائرہ کار نعت ریسرچ سنٹر تک بڑھا دیا ہے ماشاء اللہ! ماشاء اللہ! صد مبارک!

اللہ تعالیٰ عزوجل حضور الصلوٰۃ والسلام کی لازوال ،لجپال ،محبت اور قرب کا صدقہ آپ کو اس مبارک ،مستحسن ،مسنون ،مقدس ،محبوب کام کو آگے بڑھانے کے لیے اور اسے مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے درکار بھرپور وسائل عطا فرمائے آپ کو بہترین افرادی و مادی ذرائع اور اعلیٰ درجہ کے اخلاص سے سرفراز فرمائے !نعت رنگ شمارہ نمبر۲۳اور۲۴ کے درمیانی وقفہ میں جامعہ کراچی سے تین احباب گرامی کی نعت پاک کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کے مقالات کی تکمیل بڑی مسرت افزا خبر ہے ۔انشاء اللہ یہ عمل محققین صاحبان اور ان کے محترم متعلقین کے لیے بارگاہ الٰہی و مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خوشنودی کا باعث ہے۔

پاکستان میں تمام زبانوں میں پبلک رپرائیویٹ سیکٹر میں ماسٹر،ایم فل، پی ایچ ڈی درجہ پر جتنے بھی مقالات قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک لکھے جاچکے ہیں اگر ان کا ایک مفصل ،جامع انڈیکس کوئی محقق تیار فرما دے تو یہ اس شعبہ میں عظیم خدمت ہوگی ۔لاہور سے ایک فاضل دوست جناب حاجی محمد یوسف ورک صاحب نے نعت مبارک کے موضوع پر پیش ہونے والے مطبوعات کو اپنی مختلف اشاعتوں میں اپنی شاہدرہ نعت لائبریری کی طرف سے شائع فرمایا ہے بہر حال اگر ’’پاکستانی جامعات وکلیات پر نعتیہ تحقیق‘‘ کے عنوان کے طور پر مطبوعہ رغیر مطبوعہ ماسٹر/ ماسٹر آف فلاسفی/ ڈاکٹر آف فلاسفی لیول کے سبجیکٹ/ ڈسپلن وائز مقالات کے مکانی و زمانی اشاریہ کے تحت اشاریے تیار ہو جائیں تو اس کی منفرد جہت ہوگی ۔اس کام کے دوران انگریزی زبان میں اس مجوزہ کام کے سلسلہ میں بووقت ضرورت راقم الحروف نعتِ پاک سے متعلقہ اپنے تین (۱) ایم ایڈ (۲)ایم اے (TEFL) (۳) پی ۔ایچ ۔ڈی درجہ کے تحقیقی مقالات کی تفصیل فراہم کرسکتا ہے۔

رمضان المبارک کا جمعۃ الوداع ہے ۔مبارک ،یادگار ساعتیں ہیں جو معزز نعت گو،نعت نگاران نعت رنگ سلسلہ۲۳،۲۴ چوبیس کے درمیان اپنے ابدی گھر روانہ ہو گئے ہیں ان کا کام انہیں انشاء اللہ اس

دنیا میں رہتی دنیا تک زندہ رکھے گا اور دعا ہے کہ اُس جہاں بھی انہیں قرب خدا و مصطفےٰ علیہ الصلوۃ والثناء کی برکات نصیب ہوں !اس نعت رنگ میں شامل محترم ڈاکٹر شہزاد احمد صاحب (کراچی) کا مضمون ''پاکستان میں نعتیہ صحافت: ایک جائزہ'' ماشاء اللہ بہت بڑا کام ،عظیم علمی و تحقیقی سرمایہ، وسیع معلوماتی خدمت اور پاکستان میں ارتقائے نعت کے لیے اہم پیش رفت ہے پھر عرض کر رہا ہوں کہ مستبقل کا کوئی فاضل محقق آپ کے نعت ریسرچ سینٹر کے تعاون سے اگر ان عنوانات پر تحقیق کر لیں مثلاً:

۱) سرکاری و نیم سرکاری جامعات و کلیات (یونیورسٹیز/کالجز) میں نعتیہ تحقیق

۲) پاکستان کے دینی مدارس میں نعتیہ تحقیق

تو اس موضوع پر میری محدود معلومات کے مطابق ابھی بہت تحقیقی کام کی گنجائش اور ضرورت ہے دینی مدارس میں بھی شہادۃ للعالمیہ/درس نظامی وغیرہ کے آخری سالوں میں مقالات لکھے جاتے ہیں ممکن ہے کہ نعت کے موضوع پر بھی بعض دینی مدارس نے عنوانات تجویز کیے ہوں !اس تناظر میں حمد و نعت کا مجموعی کام بھی سامنے آسکتا ہے اسے بھی شمار کر لیا جائے اور اس کی بھی indexing ہو جائے یہ مفید مددگار ہوگا۔

پیارے بھائی ! اگر آپ مسلسل /مستقل ہر نعت رنگ میں تازہ ترین نعتیہ مطبوعات پر ''ریو یو سیکشن'' ''Review-Supplement'' آخر میں شامل کر لیا کریں تو اس سے ''نعت رنگ'' کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جائے گا اکثر تحقیقی جرائد میں کتب پر تبصرے کا کالم آخر میں شامل ہوتا ہے۔ ماہرین کے تبصروں اور آرا سے بھی قلم و فکر کے نئے زاویے پھوٹتے ہیں ماشاء اللہ ! اس شمارہ میں '' حاصل مطالعہ'' کے عنوان سے یہ حصہ شامل ہے ۵۱۴ تا ۵۳۰ صفحات پر درج ہے بہتر اور واضح ہوگا کہ ہر کتاب پر تبصرہ نئے صفحے سے درج ہو اگر زیر تبصرہ کتب کا Scanned ٹائیٹل کا چھوٹا سا عکس ساتھ

دے دیا جائے تو دلچسپی اور توجہ بڑھنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

اس خط کے دوسرے حصے میں آپ کے نعت ریسرچ سینٹر کی خدماتِ عالیہ کی مزید وسعت کی خاطر راقم نے چند ایک معروضات نیک تمناؤں کے تحت تحریر کی ہیں خط کی اس دوسری فیز سے پہلے اس حصے کا اختتام اسی ''نعت رنگ'' میں شامل ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے مضمون میں شامل جناب حفیظ تائب صاحب کے اس شعر پر کرتا ہوں:

ایک نگاہِ خاص ہے درکار شاہِ انبیا   یا رسول اللہ انظر حالنا

(ص:۵۰۵)

نعت ریسرچ سینٹر کی خدمات عالیہ کو مزید وسعت دینے کے لیے چند موضوعات پیش خدمت ہیں:

۱)ہر سال کسی سرکاری/نجی جامعہ کے ہال یا آڈیٹوریم میں ''تحقیق وارتقائے نعت'' یا ''نعت تحقیق وارتقا کے آئینے میں'' کے عنوان کے تحت کانفرنس کے بارے سوچا جائے۔

۲)سالانہ نعت کانفرنس کا عنوان مخصوص بھی سالانہ مقالات کی نسبت سے رکھا جاسکتا ہے۔

۳)اردو نعت کے ساتھ ساتھ نعت ریسرچ سینٹر کے لیے دیگر زبانوں میں نعت پر فروغِ تحقیق کے لیے دیگر زبانوں کے محققین نعت کے ساتھ بھی روابط استوار کیے جائیں۔

۴)نعت مبارک پر تحقیق اور فروغ وارتقاء کے لیے اِس شعبہ کے اصحاب علم وفن کی مدد سے موضوعاتِ نعت کی فہرست مرتب کروائی جائے۔

۵)شعبہ اسلامیات ،شعبہ اردو ،شعبہ صحافت ،شعبہ عربی ،شعبہ انگریزی ،شعبہ فارسی ،شعبہ سندھی ، شعبہ پنجابی وغیرہ میں ماسٹر درجہ ، ایم ۔فل درجہ ، پی۔ایچ ڈی درجہ کے لیے مقالات کے عنوانات عصری تقاضوں کے پیش نظر نعت پر تحقیق کے لیے تجویز کرواتے جائیں۔

۶)الیکٹرونک میڈیا/پرنٹ میڈیا کے کلچرل ونگز کے تحت منعقد ہونے والی محافل نعت کا بھی ریکارڈ

مرتب کرنے کے لیے اسائمنٹس لکھنے ،مضامین تحریر کرنے کی ترغیب دی جائے ۔

۷)سالانہ نعت کانفرنس میں اسلامیات ،عربی ،صحافت ،قرآن وسنت اورلسینگوا ئیجز (لسانیات) کے شعبہ جات کے ایسے مبارک نفوس جن کا اِس موضوع کی طرف خوب میلان ورجحان ہواُن کی مشاورت کے حصول کی سعی وکاوش فرمائی جائے۔

۸)یونیورسٹیز کی سیرت چیئرز کے ساتھ اس سلسلہ میں ربط ومراسلت رکھی جائے۔

۹)ماہرین نصابیات ودرسیات کو ماسٹر لیول پر مذکور ہ بالا متعلقہ شعبہ جات میں نعت مبارک کے موضوع پر ایک کورس رایک پیپر تشکیل دینا چاہیے اورایڈوانسڈ لیول پر بھی یعنی ایم ۔فل رپی ۔ایچ ۔ڈی درجہ بھی کورسز میں اس موضوع کی نمائندگی ہونی چاہیے ۔

۱۰)ملکی نصابیات ودرسیات کے لیے تدریسی کورسز میں نعت سے متعلقہ مواد کی ترتیب وتدوین کے دوران ’’انتخابِ نعت ‘برائے نصابیات ‘‘ پر تحقیقی وفنی مضامین لکھے جانے چاہیں جن میں ضرورتِ نعت، اہمیتِ نعت ،کلاس لیول سے متعلقہ موضوعاتِ نعت ،کلاس لیول سے متعلقہ ادبی محاسنِ نعت ،کلاس لیول سے متعلقہ منتخب شدہ نعت پر مشقی وامتحانی سوالات کی تیاری وغیرہ جیسے عنوانات پر بھی مقالات تحریر کرنے کی ضرورت ہے اس طرف قدم اٹھایا جائے۔

۱۱)اہلِ ثروت اوراہل دل نعت پاک جیسے مبارک و مستحسن تحقیقی کام کو پروان چڑھانے کے لیے ایسے اداروں کی معاونت کے لیے آگے بڑھیں اوران اداروں کو بہتر وسائل اور اچھی سہولیات فراہم کرنے کے لیے مساعی فرمائیں۔

۱۲)نعت رنگ پر ریویوز زیادہ سے زیادہ تعداد میں ادبی و تحقیقی جرائد ،قومی اخبارات میں شائع کروائے جائیں ۔

۱۳)محقّقینِ نعت کا نیشنل رانٹرنیشنل پینل ترتیب دیا جائے ۔ ہر ’’نعت رنگ‘‘ میں کسی ایک محققِ نعت

کا انٹرویو شائع فرمایا جائے!

۱۴) پاکستان کی سرکاری و پرائیویٹ جامعات میں نعت پاک کے موضوع پر لکھے جانے والے معیاری اور مستند مقالات کی طباعت اور وسیع ترسیل کا نعت ریسرچ سنٹر کے فورم سے باقاعدہ اہتمام کیا جائے۔اگر ممکن ہو سکے تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت مبارک پر تعلیم و تحقیق کے لیے ''حسّان فیلوشپ'' (سکالرشپ سکیم) کا اجرا فرمایا جائے۔امید ہے اس میں عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے حصہ ڈالیں گے۔

۱۵)(ا) نعت رائٹرز (ب) نعت ریسرچرز (ج) نعت ری سائیٹرز

(د) نعت کریکولم/سلیبس ڈیزائنرز (محققین نعت) (نعت خوانان،نعت گویان)

(مصنفین نعت) (تدوین کاران / تشکیل کنندگان)

Na'at Researcher Na'at Writers Na'at Reciters

Na'at Designers /Na'at Curriculum

کے ہر زبان میں الگ الگ فورمز کی تشکیل پر توجہ فرمائی جائے۔

۱۶) ارادے بلند،عزائم پختہ،توکل برخدائے عزوجل،تمنائے نظرِ عطائے مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ واللہ کے ہمراہ یہ امید،خواہش اور سوچ بھی وقت کی ضرورت ہے کہ اِس نعت ریسرچ سنٹر کی چاروں صوبائی صدر مقامات پر ذیلی شاخوں کا قیام بھی عمل میں آئے! (آمین ۔ثم آمین)
یا چاروں صدر مقامات پر روابط بہتر تشکیل ہوں۔

......

شاکر کنڈان ۔ سرگودھا

۲۰/ اگست ۲۰۱۴

آپ کی محبتوں کا تحفہ ’’پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر‘‘ اور ’’نعت نامے‘‘ کی صورت موصول ہوا۔ بہت ہی شکر گزار ہوں کہ اپنی عنایات سے نوازا۔

یہ دونوں کتابیں نعتیہ ادب میں بہت ہی اہمیت کی حامل ہیں ۔کل کا ادیب اس کی صحیح اہمیت سے آگاہ ہوگا۔ ’’نعت نامے‘‘ کے مکاتیب جن پہلوؤں اور نعت کی جن جہتوں کو اجاگر کرتے ہیں شاید آج تک لکھے جانے والے نعتیہ مقالے بھی ان کے پاسنگ نہیں ۔ان خطوط میں مختلف اذہان نے جن متنوع پہلوؤں پر سوچا یہ قابلِ تحسین بھی ہے اور قابلِ قدر بھی ۔آپ کو بہت بہت مبارک ۔

آپ سے میں نے عساکرِ پاکستان کے نعت نگاروں کے تذکرے کا وعدہ کیا تھا۔ میں اُس پر کام کر رہا ہوں ۔ میری خواہش ہے کہ ایک ہی دفعہ بھرپور کام کروں ۔دعا کریں ۔ فی الحال ایک اور مضمون حاضر ہے ۔امید ہے پسند آئے گا۔

اہلِ خانہ کو دعائیں ۔احباب کو سلام

......

رئیس احمد نعمانی ۔علی گڑھ

۲۸/ستمبر ۲۰۱۴

۱)’’نعت رنگ‘‘ ۲۴ کے ص ۵۳۹ پر نعت کی اشاعت کے لیے سپاس گذار ہوں ۔ اِس عرض کے ساتھ کہ نعت کے تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں ’’وہی ہے‘‘ کے بعد لفظ ’’حق‘‘ چھپنے سے رہ گیا ہے۔جس سے شعر کے وزن اور معنیٰ دونوں پر منفی اثر پڑا ہے۔

۲)فروغِ نو‘‘اور’’ شعاعِ نوا‘‘ دونوں پر تبصرہ ابھی آپ کے ذمّے باقی ہے۔

۳) ایک نعت جو تادمِ تحریر حتماً غیر طبع شدہ ہے، اِس خط کے ساتھ منسلک ہے۔

۴) ''ہدیۂ سلام بہ حضورِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم'' کی دس کاپیاں علیحدہ پیکٹ کی شکل میں پوسٹ کر رہا ہوں۔ کیا رسید کی توقع رکھوں؟

حضرت حسان بن ثابت کے نعتیہ قصائد کا منظوم ترجمہ زیرِ قلم ہے۔ (کئی قصیدوں کا ترجمہ ہو چکا ہے) دعا کیجیے اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے قصیدوں کا ترجمہ مکمل کرادے (آمین)

……

سعید بدر۔ لاہور

۱۱/ جولائی ۲۰۱۴

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ھمتا کو ہے

حکمراں ہے اک وُہی باقی بُتانِ آزادی

آج آپ کی عنایت خسروانہ کی بدولت نعت رنگ کا چوبیسواں شمارہ ڈاک کے ذریعے ملا۔ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کیونکہ طویل عرصہ کے بعد شائع ہوا ہے آنکھوں کو تازگی اور رُوح کو بالیدگی میسر آئی۔ اتنی خوشی کی بیان نہیں کرسکتا۔ آپ سے بھی نصف ملاقات ہوگئی۔

ٹائیٹل بہت ہی دلکش اور روح پرور ہے اور اس پر عبارت یہ کہ اللہ' ربّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے پایاں مسرت اس لیے ہوئی کہ اس سے قبل ایک صاحب، اللہ کعبہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ایک سفر نامہ (حجاز) شائع کر چکے ہیں۔ ایک احساس ہوا کہ جیسے درمیان میں کوئی رکاوٹ ڈال دی گئی ہو ،حالانکہ کعبہ رکاوٹ نہیں لیکن جانے کیوں ،ہمیں اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی شے اچھی نہیں لگتی۔ آج ایک صاحب ٹی وی پر ''حدیث'' کے لفظ قرآنی آیات کی روشنی اللہ تعالیٰ سے منسوب کر رہے ہیں کہ قرآن نے اللہ کے کلام کو اور اللہ کی بات کو'' حدیث'' کہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ موصوف کا

مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ یہ لفظ رسول پاک سے مخصوص نہیں ہے۔ پتہ نہیں اس ایک ''خاص طبقے'' کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع شان کو گھٹانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

نعت رنگ کے زیر نظر شمارے میں ایک بات خاص طور پر محسوس ہوئی کہ اس کے ۵۶۰ صفحات میں سے ۵۳۴ سے ۵۴۶ تک صرف ۱۲ صفحات میں ۱۰ نعتیں شامل ہیں، باقی سب کچھ تنقید ہی تنقید ہے گویا مختلف احباب اور قابل قدر اصحاب نے ''نعت'' پر محض تنقید فرمانے کا ہی فریضہ ادا کیا ہے خوبیوں کے ساتھ زیادہ تر خامیوں اور کمزوریوں کو اجاگر کیا ہے۔ تنقید نگار کا مزاج ہمیشہ خامیوں کی تلاش کرنا ہی ہوتا ہے وہ اگر ''حسن و قبح'' کی تلاش کے اس دلچسپ شغل میں نعت نگار کی تعریف یا تحسین کے چند جملے لکھتا ہے تو وہ درحقیقت ''بزور وزن بیت'' کے عامل ہوتے ہیں یا پھر ان چند جملوں سے اس کا مقصد خود خود کو ''غیر جانبدار'' ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسے تنقید نگار ابھی موجود ہیں جنھوں نے غالب و اقبال اور ظفر علی خاں پر بھی نشتر زنی سے گریز نہیں کیا۔ یہ کہنے سے میرا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ ان ''بزرگوں'' سے غلطیاں نہیں ہوئیں یا ان کے اشعار میں کہیں سقم موجود نہیں یا پھر وہ ''معصوم عن الخطاء'' تھے یا ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں لیکن فارسی اور اردو زبانوں میں ہمیشہ سے یہ روایت رہی ہے کہ ''خطائے بزرگان گرفتن خطا است'' یعنی بڑوں اور بزرگوں کی غلطیوں یا کمزوریوں کو الم نشرح کرنا بھی ''خطاء'' کے زمرے میں آتا ہے لیکن مغربی افکار سے مسحور و مرعوب ہو کر ہم لوگ اپنے اجداد اور اسلاف کے تابناک اور خوب صورت چہروں پر بھی دھبے لگانے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ محترم المقام جناب صبیح رحمانی آپ نے جب نعت پر ''تنقید'' کا سلسلہ شروع کیا تھا تو راقم نے اس وقت بھی اُن سے اسی ''خدشے'' کا اظہار کیا تھا لیکن آپ اپنی دھن کے پکے ہیں آپ نے اس کام کو آغاز کر کے ہی دم لیا کیا ''تنقید نگار'' حضرات کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ نعت نگاروں پر ہر پہلو اور ہر گہرے گوشے سے حملے کریں اور بالخصوص اگر کوئی نعت نگار پسند نہ

ہوتو اس کی شامت ہی آ جاتی ہے۔ چاہیے تو یہ کہ حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی کی جائے تا کہ اس صنف کو فروغ حاصل ہو۔

راقم کو اس امر کا ذاتی تجربہ ہے کہ جن نو آموز شعرا پر بے جا تنقید کی گئی، انہوں نے شعر کہنے سے ہی توبہ کر لی انہوں نے جب شعر کہنا ہی چھوڑ دیا تو نعت کیا کہنا تھی اس طرح نعت کو نقصان پہنچا۔ کتابوں پر تبصروں کے دوران میں راقم کے اس قسم کے رویہ کی وجہ سے استاذ مکرم ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر انور سدید نے فرمایا:

> ''اردو ادب میں ادیبوں، شاعروں اور اہل قلم کا پہلے ہی ''قحط'' ہے اگر آپ ان کی حوصلہ شکنی کریں گے تو اس شعبہ میں مزید لوگ نہیں آئیں گے میرے رویے کی تبدیلی کے نتیجہ میں تبصرۂ کتب کے لیے رابطہ کرنے والے اصحاب کی تعداد بڑھنے لگی لیکن راقم نے موقع ملنے پر ہر قلمکار کو زبانی کلامی اس کی خامیوں سے آگاہ کر دیا جس کے مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ یہ بات واضح ہے کہ راقم کو یہ دعویٰ نہیں کہ اُسے شعر و شاعری پر عبور حاصل ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ راقم شعر و شاعری کے ''ابجد'' سے بھی واقف نہیں اس کے لیے علم عروض پر عبور حاصل ہونا لازم اور مفید ہے ستم ظریفی یہ ہے کہ ایسے اصحاب بھی تنقید کے ہتھوڑے اور کلہاڑے چلاتے ہیں جنھوں نے خود زندگی بھر ایک نظم، غزل یا نعت نہیں کہی ہوتی''۔

زیر نظر شمارے کے ابتدائیہ میں ڈاکٹر معین الدین عقیل نے قدیم اور جدید نعت کے خدوخال پر بحث کی ہے کہ:

> ''اصلاح بیداری کی تحریکوں اور معاشرتی تقاضوں کے تحت زبان کے مزاج

اور اظہار کی صورتوں میں نمایاں تبدیلی آئی ہے اور جہاں گیت، بارہ ما سے اور دو ہے جیسی عام اور پسندیدہ اصناف میں کمی واقع ہوتی ہے ،وہیں مسلمانوں میں قومی وملّی احساسات کے فروغ اور بیداری کی تحریکوں اور مذہبی مسالک کی باہمی کش مکشوں اور تنازعات کے نتیجے میں بھی جس میں مقام رسالت پر بحث ومباحثہ بھی شامل ہے نعت نگاری نے ماضی یا عہد وسطیٰ کے مقابلے میں عہد حاضر میں بتدریج زیادہ مقبولیت اور توجہ حاصل کی ہے''

جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اب نعت کو ادب کی صنف تسلیم کیا جانے لگا بہرحال بارہ ماسے اور دوہوں کی اصناف میں کمی کا نقصان بھی تو ہوا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے ''عینیت اور غیریت'' کے مسئلے کو خوب اجاگر کیا ہے کہ ''ذات احمدؐ'' کی ''میم'' سے جدا کر کے اُسے ''احد'' بنانے کا عمل محسن کاکوروی جیسے شعرا کرام نے روا رکھا لیکن عہد حاضر میں نعت نگاروں سے اس ''عمل'' اجتناب کرتے ہوئے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتحسین کے معاملے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اس کے لیے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ''سراپا'' بیان کرنے پر زور دینے کے بجائے ان کی سیرت طیبہ کے پہلو اجاگر کرنے پر زیادہ زور دیا ہے اور اُن کی ''تعلیمات'' کو زیادہ عام کرنے کی سعی وکوشش کی جو قابل صد تحسین شعار ہے۔

صفحہ نمبر ۲۵ پر نیویارک سے تنویل پھول صاحب درج ہے جب کہ صفحہ نمبر ۲۱۹ پر ''حمد ونعت میں الفاظ کا مناسب استعمال'' کے عنوان سے تحریر میں صاحب تحریر کا اسم گرامی ''تنویر پھول'' درج ہے اپنی اس دلپسند تحریر میں تنویر پھول صاحب نے بڑی عمدگی کے ساتھ اُن اشعار کا ذکر کیا ہے جن میں ان کے بقول ''فنی اور معنوی تسامحات'' موجود ہیں مثال کے طور پر مولانا ظفر علی خاں کے مشہور شعر ہے:

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں   ایک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

تنویر صاحب کا اعتراض ہے کہ آپصلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک غار ''غار حرا''میں مراقبہ فرمایا تھااور شاعر نے ''غاروں'' استعمال کر کے مبالغہ آرائی کی ہے۔تنویر صاحب! اہل علم وادب نے اسے ''شعری ضرورت'' کے تحت جائز قرار دیا ہےلیکن آپ سائنس کے تحت دواور دو چار ہی کو ضروری سمجھتے ہیں۔اسی طرح احمد ندیم قاسمی کے حمدیہ شعر پران کا یہ اعتراض بظاہر درست لگتا ہے:

مگر جو سوچ لیا میں نے وہ ضرور ہوا

جب کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ:

''میں نے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو پہچانا۔''

تنویر پھول کا یہ کہنا بہرحال درست اور بجاہے کہ حمد ہو یا نعت یا منقبت ''انداز''میں عاجزی وانکساری کی موجودگی ضروری ہے (بلکہ یہ ایمان کا حصہ ہے راقم)مشہور رہے کہ:

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

بہرکیف تنویر پھول کی کاوش قابل قدر ہے نعتیہ اشعار میں احتیاط لازم ولا بدی ہے کیونکہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ:

''رسول اکرمصلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا نہ کرو.........
کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے کے سارے اعمال ہی اکارت جائیں
اور تمہیں اس کی خبر نہ ہو۔''

جناب منظر عارفی (کراچی) نے نعت گوئی میں لفظ ''ارم'' کے استعمال کی مذمت کی ہے کیونکہ اُن کے نزدیک یہ ''شداد'' کے بنائے ہوئے باغ کا نام تھا اور بقول اُن کے ''ارم'' جنت کا نام بھی نہیں ہے بعض لوگ اس لفظ کو مجازاً جنت کے لیے استعمال کرتے ہیں راقم کے خیال میں اگر زبان سے الفاظ

کوترک کرنے کے لیے یہ روش اوررویہ اختیار کیا گیا تو پھر اردو زبان میں بلکہ پنجابی میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ''خدا'' کا لفظ بکثرت استعمال کرتے ہیں جو فارسی میں ''نمبردار'' یا ''چوہدری'' کے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کٹر توحید پرست لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ عشق پر بھی اعتراض کرتے ہیں حکیم الامت نے محبت کے لیے عشق کے لفظ کو خوب استعمال کیا ہے اور اسے خاص معنیٰ عطا کردیے ہیں جس سے عشق الٰہی اور عشق رسول تراکیب عام استعمال ہورہی ہیں ۔اس روش کے تحت ہمیں بہت سارے الفاظ ترک کرنا ہوں گے جو فارسی یا ہندی زبان سے اردو میں درآتے ہیں یہ تو وہی رویہ ہوگا جو فارسی کے مشہور شاعر فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں اختیار کیا تھا اوراس نے بزعم خویش عربی الفاظ کا استعمال نہ کرکے خالص فارسی الفاظ استعمال کرکے ''عجم'' زندہ کرنے کی کوشش کی یہ رویہ آج بھی جاری ہے اس نے کہا:

عجم زندہ کردم بایں فارسی

بہرحال یہ منظر عارفی کا نکتہ نظر ہے۔ شہر کراچی کے ڈاکٹر شہزاد احمد مایہ ناز محقق اور ممتاز دانش ور ہیں انہوں نے ''پاکستان میں نعتیہ صحافت ....ایک جائزہ'' کے عنوان کے تحت طویل اور مبسوط مضمون تحریر کیا ہے اور پاکستان و ہند میں شائع ہونے والے ''نعت نمبروں'' کا مختلف حوالوں سے جائزہ پیش کیا ہے۔ان کی یہ تحقیق قابل قدر اور قابل صد ستائش ہے لیکن معذرت کے ساتھ عرض کناں ہوکہ غالباً کمپوزر کی غلطی سے ''گاہے بگاہے'' کا لفظ چھپ گیا ہے جو اہل علم وادب کے نزدیک غلط ہے یہ لفظ فارسی زبان سے متعلق لفظ ہے جو دراصل ''گاہ بہ گاہ'' ہے (جسے گاہ بگاہ بھی لکھا جاتا ہے) یا پھر اسے ''گاہے گاہے'' لکھتے یا بولتے ہیں بصد معذرت عرض ہے کہ اس گرانقدر مضمون میں روزنامہ امروز کے ۱۹۸۶ء کے ''رحمت اللعالمین'' نمبر کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جو نعت ہی کے حوالے سے راقم نے شائع کیا تھا آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی اخبارات کے ہفت روزہ ایڈیشن جنھیں ''سنڈے

ایڈیشن‘‘کہاجاتا تھاصرف بیس یا چوبیس صفحات پر مشتمل ہوا کرتے تھے لیکن راقم نے یہ’’نمبر‘‘۴۸ صفحات پر شائع کیا تھا اس سے قبل ۱۹۸۵ کے ہفت روزہ میں بھی ۲۴ صفحات میں بیشتر صفحات نعتیہ ادب پر مشتمل تھے یاد رہے کہ جنرل ضیاء الحق کا دور تھا اور چھٹی اتوار کے بجائے جمعہ کو ہوا کرتی تھی اس لیے اسے سنڈے ایڈیشن کے بجائے جمعہ ایڈیشن ہی کہتے تھے۔

مزید براں راقم کو یاد ہے کہ ممتاز صحافی شورش کاشمیری نے بھی اپنی زندگی میں ’ہفت روزہ چٹان‘‘ کا رحمت للعالمین‘‘ نمبر شائع کیا تھا جسے بہت پسند کیا گیا اسی شمارے سے متاثر ہوکر راقم نے ’’رحمت للعالمین‘‘ ایڈیشن شائع کیا۔ آخر میں ’’ہماری ملی شاعری میں نعتیہ عناصر‘‘ پر عزت مآب ڈاکٹر عزیز احسن کا تبصرہ نما مقالہ شامل ہے یہ مقالہ ڈاکٹر طاہر قریشی کا رسئہ فکر ہے لیکن ڈاکٹر عزیز احسن کے تحریر وتبصرہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گراں قدر مقالہ ہے جس میں کم وبیش تمام شعرائے کرام کے نعتیہ کلام کا عمدگی سے جائزہ لیا گیا ہے طاہر قریشی کی یہ کاوش بہر حال تعریف وتحسین کی مستحق ہے۔

مقالہ کے آخر میں اُن حضرات کے بارے میں بعض شعرا کے اشعار کا حوالہ پیش کیا گیا ہے جن کو پہلے بھارت سے ہجرت کر کے مشرقی بنگال (سابق مشرقی پاکستان) آنا پڑا اور پھر سقوط ڈھاکہ کے بعد جب مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا تو ’’بہار‘‘ کے صوبہ سے ہجرت کر کے مشرقی پاکستان آنے والے اپنے ہی ملک میں ’’غیر ملکی‘‘ ٹھہرائے گئے اس لیے ان کا دکھ اور غم دوچند ہوگیا۔ ایک شاعر نے خوب ترجمانی کی ہے:

عیاں ہے آپ پر ہم بے گھروں کا افسانہ   قبول کیجیے دو ہجرتوں کا نذرانہ

بس اک نگاہ کے طالب ہیں آبلہ پا ہم   عذاب دربدری بڑھ رہے ہے روزانہ

سقوط ڈھاکہ کے بعد لاکھوں لوگ اذیت ناک صورت حال کا شکار ہوئے بنگالیوں نے ’’غیر بنگالیوں‘‘ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کردیا۔ مغربی پاکستان یعنی موجودہ پاکستان نے بھی ایک

محدود تعداد کو پاکستان آنے دیا باقی اب تک ڈھاکہ یا بعض شہروں میں مقیم ''خیموں'' میں زندگی بسر کررہے ہیں نہ کوئی ان کا گھر ہے اور نہ بار، بہرکیف وہ عذاب دہ زندگی سے دوچار ہیں۔

اہل پاکستان نے بھی چند برس تک سقوط ڈھاکہ کو یاد رکھا اس کے بعد'' حقیقت ثابتہ'' کو قبول کرلیا۔یہی وجہ ہے کہ سقوط ڈھاکہ پر شعری سرمایہ نہ ہونے کے برابر ہے۔پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کے پرنسپل اور نامور ادب اور محقق ڈاکٹر سید عبداللہ ایک بار راقم کے بات چیت کے دوران میں فرمایا کہ:

''ہم نے سقوط دہلی'' پر بہت آنسو بہائے اور بہت کچھ لکھا لیکن ''سقوط ڈھاکہ'' پر ہم نے نے خاموشی اختیار کرلی اور کچھ نہ کیا۔یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر بالخصوص شعری سرمایہ ہونے کے برابر ہے۔''

'مدحت'' کے حصہ میں ڈاکٹر خورشید رضوی کی نعت خوب ہے مطلع ملاحظہ فرمائیے:

حمد سے نکلا ہوا نام محمد احمد — وراس نام کا کیا خوب ہے احمد، احمدؐ

ڈاکٹر ریاض مجید کی نعت کا مطلع بھی عمدہ اور جاں پرور ہے۔

طیبہ کی چند راتیں وہ مکے کے چند دن — آتے ہیں یاد، آج بھی وہ ارجمند دن

بہرحال ان کی نعت بھی جاندار اور شاندار ہے۔ڈاکٹر ریاض مجید کو ان کی نعتیہ کتاب پر حکومت پاکستان سے ۲۰۱۳ء میں ایوارڈ مل چکا ہے۔

جلے خیموں کے اندر سسکیوں کو چلنا پڑتا ہے — ریاضؔ اتنا بھی کب آساں ہے دشت کربلا بننا

ان کا یہ شعر کتنا دلنواز ہے:

بوقت حاضری سرکار دوعالمؐ کی چوکھٹ پر — بہت اچھا مجھے لگتا ہے حرفِ التجا بننا

پس نوشت:

ملتان کے جناب گوہر ملسیانی نے ''گلاب رُتوں کا شاعر'' کے دلکش عنوان کے تحت جناب حافظ محمد افضل فقیر کے بارے میں معلومات افزا اورروح پرتحریر پیش کی ہے وہ درویش منش لیکن بلند پایہ انسان تھے۔مشہور وشاعر اورنعت نگار حفیظ تائب کی معیت میں ان سے متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہو اوہ پہلے تو اورئینٹل کالج میں پروفیسر کے منصب پر فائز تھے جب نعت کی طرف آئے اورروحانیت کا سفر شروع کیا تو بس اللہ اور رسول مقبولصلی اللہ علیہ وسلمکے ہوکر رہ گئے۔ان کے پاس اپنی کہی ہوئی غزلوں کا کثیر ذخیرہ تھا لیکن ان کے عشق رسولؐ کی ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے کہ جب نعت کہنے لگے توغزلیات کے پیش بہا ذخیرے کوہم سب کے سامنے نذر آتش کردیا۔دوست احباب منع کرتے رہے لیکن وہ باز نہ آئے۔

جان جہاں کے دلکش اورجاں افروز عنوان کے تحت ان کے مجموعہ نعت کے حوالے جناب گوہر ملسیانی نے اس مرددرویش اوررسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق پرنہایت عمدگی سے خامہ فرسائی کی ہے ان کا مزار ضلع شیخورہ پورہ کے ایک گاؤں کوٹ عبداللہ شاہ میں مرجع خاص وعام ہے لوگ وہاں سے آج بھی روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔

بقول گوہر ملسیانی حافظ محمد افضل فقیر نے عربی زبان میں بھی شعر کہے اور۶۳ اشعار پرمبنی ایک قصیدہ لکھا۔انہوں نے رباعیات پرخصوصی توجہ دی اس سے قبل عربی زبان میں رباعی کا رواج نہ تھا کہتے ہیں کہ صرف ایک شاعر ابن الفارض کے سوا کسی نے رباعی نہ کہی۔اس لحاظ افضل فقیر دوسرے شاعر ہیں جنھوں نے عربی زبان میں رباعیات کہیں ۔وہ رباعی کے اوزان اخرب اخرم سے خوب واقف تھے اسی طرح انہوں نے فارسی اورپنجابی میں بھی رباعیات کہیں ۔اردو زبان میں رباعی پیش خدمت ہے:

رسولؐ امیں کی محبت کے راہی عنایت کو ہر گام پر دیکھتے ہیں

حبیبؐ خدا کو تمام اہل ایماں　　　　　دل وجاں سے نزدیک تر دیکھتے ہیں

ایک رباعی میں سیرت نبویؐ کا ذکر کس قدر عمدہ انداز میں کیا ہے:

روشن ہیں سیرت نبویؐ کے تمام نقش　　　　　ہر جلوۂ کمال یہاں بے جواب ہے

طرز نبیؐ کو چھوڑ کے امت ہے لخت لخت　　　　　ناپید ہے سکون، دل و دل اضطراب ہے

ایک دوسری رباعی میں بھی سیرت پاک کی تجلیات کا کس خوبی اور عمدگی سے اظہار کیا ہے:

جب دل ہو غم گردش ایام سے بیتاب　　　　　انؐ کی نگہ لطف ہی دیتی ہے دلاسا

ہر دور میں ہے اس کی تجلی نظر افروز　　　　　تابندہ ہے سرکارؐ کی سیرت گہر آسا

ایک شعر میں خواہش حضوری کو کس سلیقے اور ادب نے بیان کیا ہے:

گر وقت سمٹ جائے، یہ فاصلہ ہٹ جائے　　　　　قدموں سے لپٹ جائے، دل فرطِ محبت سے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن جیسی عشق ومحبت کی وارفتگی ہم کو بھی عطا فرمائے۔اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود وہ ''چھوٹے افراد'' کا احترام کرتے ۔بندہ ناچیز حاضری کے لیے پیش ہوتا تو فرماتے لو ! ''باباجی'' آگئے ۔ایک دن حفیظ تائب نے اعتراض کیا تو فرمانے لگے ! آپ کا کیا؟ میں جو چاہوں، کہوں۔ یہ میری مرضی ہے ۔ایک دفعہ مجھ سے نعت سن کر تڑپ اُٹھے اور اشکبار ہوگئے ۔کہنے لگے کہ باباجی! تمہارے اشعار رُلا دیتے ہیں۔جانے اشعار میں یہ اثر کہاں سے آگیا پھر مسکرا پڑے کہاں سے ڈھونڈ کے لائیں اب ایسے لوگوں کو۔

......

سید ضیاء الدین نعیم۔راولپنڈی

۲۴/ستمبر ۲۰۱۴

’’نعت رنگ‘‘ موصول ہوا۔ بہت شکریہ۔

ماشاء اللہ تمہارے جذبے اور لگن نے ’’نعت رنگ‘‘ کو نعتیہ ادب کا وقیع ترین کتابی سلسلہ بنادیا ہے۔ بالخصوص تحقیقی و تنقیدی کام نے گویا اربابِ ذوق کے لیے رہنما اصول متعین کردیے ہیں۔ جزاک اللہ فی الدارین۔

محترم ڈاکٹر معین الدین عقیل کا ابتدائیہ نہایت قابل قدر ہے۔ جناب حزیں صدیقی میرے استادِ سخن ہیں۔اُن کی نعتیہ شاعری اور شخصیت کا ڈاکٹر محمد آصف صاحب نے بہت بسط وشرح سے جائزہ لیا ہے۔خوشی ہوئی ’’نعت رنگ‘‘ زیرِ مطالعہ ہے۔تفصیلی تاثرات سے انشاء اللہ آگاہ کردوں گا کچھ نعتیں ارسال کررہا ہوں۔رب العالمین تمہیں اپنی خاص عنایتوں کے سائے میں رکھے اور ’’نعت رنگ‘‘ کو اللہ کے بندوں کے لیے بیش از بیش فائدہ مند بنائے۔

......

تنویر پھولؔ۔ نیویارک

۱۵/نومبر۲۰۱۴

نیویارک میں برادرم فیروز احمد سیفی صاحب کی محبت اور کرم فرمائی کے طفیل ’’نعت رنگ‘‘ کا شمارہ نمبر۲۴ نظر نواز ہُوا جسے پا کر دل باغ باغ ہوگیا، اُن کے لئے اور آپ کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔ یہ خبر بے انتہا مسرت کا باعث ہوئی کہ ’’نعت رنگ‘‘ کا اگلا شمارہ سلور جوبلی نمبر ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ’’نعت رنگ‘‘ مستقبل قریب میں اپنے عظیم سفر کی ۲۵ منزلیں طے کرلے گا سبحان اللہ، ماشاء اللہ، جزاک اللہ۔

سر پر صبیح کے ہے سجا تاجِ ’’نعت رنگ‘‘ ممکن نہیں کہ دل سے ہو اخراجِ ’’نعت رنگ‘‘

اے پھولؔ ! جشنِ سیمیں مبارک صبیح کو محبوب اہلِ دل کو ہے معراجِ ’’نعت رنگ‘‘

اب آیئے زیرِنظر شمارے کے حوالے سے کچھ باتیں ہو جائیں ۔سرورق پر بہت خوب صورتی سے ’’ اللہ ربِّ محمد صلی اللہ علیہ وسلم‘ ‘ تحریر ہے یعنی :

گناہوں کو وہ پھولؔ ! بخشے گا بے شک　　　بڑا　مہرباں　ہے　خدائے　محمد

صفحہ نمبر ۲۵ پر راقم الحروف کی حمد کے ساتھ نام ’’ تنویر پھولؔ ‘‘ کی جگہ ’’ تنویل پھولؔ ‘ غلط کمپوز ہو گیا ہے ۔صفحہ نمبر ۲۷ پر ڈاکٹر اشفاق انجم کی جو حمد ہے اُس کے چھٹے شعر کا دوسرا مصرعہ ’’ وہی کہ اخلاص ونشرح والا ، وہی کہ رعد و دخان والا ‘ ‘ شاعر کی نظر ثانی کا طلب گار ہے، ’’نشرح ‘ ‘ کی جگہ ’’فتح ‘ ‘ (سورۃ الفتح) یا ’’ناس ‘ ‘ (سورۃ الناس) یا اسی کا ہم وزن کوئی لفظ استعمال ہوسکتا ہے ۔ ڈاکٹر شہزاد احمد کا مقالہ ’’ پاکستان میں نعتیہ صحافت ‘ ‘ ایک معلوماتی تحریر ہے ،موصوف نے حال ہی میں نعت کے موضوع پر پی ایچ ۔ڈی کی سند حاصل کی ہے جس پر راقم الحروف کی طرف سے دلی مبارک باد۔صفحہ نمبر ۲۲۳ پر راقم الحروف کے مضمون کی تیسری سطر میں ’ ’ حمد اور مناجات ‘ ‘ کی جگہ ’’حمد اور نعت ‘ ‘ کمپوز ہُوا ہے جو درست نہیں ۔ براہِ کرم جملہ اس طرح پڑھا جائے ’’سورۃ الفاتحہ حمد اور مناجات کی یک جائی کا مظہر ہے ‘‘ ۔صفحہ نمبر ۲۲۵ پر لفظ ’’ارم ‘ ‘ کے استعمال پر بحث کی گئی ہے جو معلوماتی ہے اور صفحہ نمبر ۲۱۷ پر ایک دوسرے مقالہ نگار نے تحریر کیا ہے ’’ قرآن وحدیث اور دیگر مذہبی کتابوں میں جن آٹھ جنتوں کا ذکر ہے ’’ارم ‘ ‘ ان میں شامل نہیں ہے ، اس حقیقت سے جاہل وکم علم شعرا بے خبر ہو سکتے ہیں ‘ ‘ ۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہر زبان کا الگ الگ انداز ہے ۔ اردو زبان میں لفظ ’’ارم ‘ ‘ کا حوالہ کسی مخصوص جنت یا جنت کے کسی حصے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مجازاً جنت یا بہشت مراد ہے ، فیروز اللغات ، نسیم اللغات اور جواہر اللغات سب اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں ۔ جو لوگ لفظ ’’عشق ‘ ‘ کی طرح اسے استعمال نہ کرنا چاہیں وہ نہ کریں لیکن استعمال کرنے والوں کو ’’ جاہل وکم علم شعرا ‘ ‘ کہنا مناسب نہیں ۔ غالبؔ جیسا بڑا شاعر بھی لفظ ’’ارم ‘ ‘ کو اسی مفہوم میں استعمال کرتا ہے : ’’ خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

‘‘۔

عربی میں تو لفظ ’’بہشت‘‘ بھی نہیں ہے، کیا اسے بھی استعمال کرنا قابل اعتراض ہوگا؟ عربی میں ’’رقیب‘‘ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے لیکن ہماری غزلوں میں اس کے دوسرے معنی ہیں۔

اردو میں لفظ ’’مولیٰ‘‘ سے مراد ’’آقا‘‘ ہے لیکن عربی میں اس سے مراد ’’آزاد کیا ہُوا غلام‘‘ بھی ہے۔ دیکھنا یہ پڑتا ہے کہ کوئی لفظ کس مفہوم میں استعمال کیا جارہا ہے۔ حال ہی میں کچھ لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑا کہ گوشت اور دالوں کے آمیزے کو ’’حلیم‘‘ کہنا گناہ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے، اسے ’’حلیم‘‘ نہیں بلکہ ’’دلیم‘‘ کہا جائے۔ یہ سب لایعنی باتیں ہیں اور زبان کو محدود کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔ اگر ’’حلیم‘‘ پر اعتراض ہے تو ’’رقیب‘‘ اور ’’حکیم‘‘ کا کیا ہوگا؟ ’’رقیب رُوسیاہ‘‘ اور ’’حکیم صاحب‘‘، ’’حکیم جی‘‘ ان سب کو زبان سے خارج کرنا پڑے گا۔ صفحہ نمبر ۲۳۴ پر نمرود کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ اُس نے بلند ترین مینار یا محل بنوایا تاکہ وہ ابراہیم (علیہ السلام) کے معبود کو تلاش کرے لیکن قرآن پاک میں یہ بات نمرود نہیں بلکہ فرعون اور ہامان کے حوالے سے ہے (سورۃ المومن آیات ۳۶ و ۳۷، نیز سورۃ القصص آیت نمبر ۳۸)۔

ڈاکٹر محمد طاہر قریشی کا مقالہ ’’نعت اور نعتیہ عناصر‘‘ ایک وقیع تحریر ہے جس پر موصوف مبارک باد کے مستحق ہیں۔ صفحہ نمبر ۴۷ ۴ پر نعت کا ایک شعر ہے:

رحمۃ للعالمیں! ، خیرالامم آپ ہی کا سب سے اونچا ہے علم

اس شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ’’خیر الامم‘‘ کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے جو درست نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فخر امم یا شاہِ امم صلی اللہ علیہ وسلم کہنا چاہیے۔ ’’خیر الامم‘‘ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک نہیں بلکہ آپ ؐ کی امت کو ’’خیر الامم‘‘ کہا گیا ہے (سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۱۰۔ علامہ اقبالؒ کی نظم ’’بلادِ اسلامیہ‘‘ میں ایک شعر ہے:

سوتے ہیں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار   نظم عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار

ڈاکٹر عزیز احسن کی تحریر ایک گراں قدر تحقیقی مقالہ ''ہماری ملی شاعری میں نعتیہ عناصر'' ایک قیمتی تحریر ہے جس میں ڈاکٹر محمد طاہر قریشی کے مقالے کا تعارف کرایا گیا ہے۔ ملی شاعری میں حمدیہ و نعتیہ عناصر کے حوالے سے راقم الحروف اپنے ملی نغموں کے مجموعے ''نغماتِ پاکستان'' (صدارتی ایوارڈ یافتہ) میں شامل کچھ اشعار کا ذکر کرنا چاہتا ہے۔ اس مجموعے کی ابتدا اس حمد اور نعت سے ہوتی ہے:

تو ہے سب سے بڑا۔ تیرے ارض وسما   دہر میں جا بجا۔ تیرا چرچا ملا

شکر تیرا خدا!   ملک پیارا دیا

پاک ہے یہ زمیں۔ نام ہے دل نشیں   پرچم سبز ہے۔ خوب صورت، حسیں

شکر تیرا خدا!   ملک پیارا دیا

تیری رحمت ملی۔ خوب دولت ملی   یعنی آزادی کی۔ ہم کو نعمت ملی

شکر تیرا خدا!   ملک پیارا دیا

کام اچھے کریں۔ سچے مسلم بنیں   ہم کو توفیق دے۔ تیری رہ پر چلیں

شکر تیرا خدا!   ملک پیارا دیا

تو ہی رحمان ہے۔ تو ہی منان ہے   ہر نفس پھول پر۔ تیرا احسان ہے

شکر تیرا خدا!   ملک پیارا دیا

(نعت)

مرحبا صد مرحبا آمد شہ ذیشان کی   آپ کے آنے سے عزت بڑھ گئی انسان کی

آپ نے باتیں بتائیں سب کو ہیں رحمان کی
آپ سے امت کو ہے نعمت ملی قرآن کی

دونوں عالم میں بہاریں آپ کے فیضان کی
آپ ہیں اللہ کے محبوب اے پیارے نبی !

خواب میں پائی بشارت حضرتِ حسرتؔ نے تھی
آپ کا جلوہ جو دیکھا کھل گئی دل کی کلی

آج بھی تاریخ میں ہے قولِ حسرت موہانی یہی
آپ نے دی تھی بشارت ملک پاکستان کی

آپ کا احسان ہے بے شک ہر اِک انسان پر
چشمِ رحمت آپ کی ہو اپنے پاکستان پر

ہم عمل کرتے رہیں سنت پر اور قرآن پر
گر عدو حملہ کرے ، ہم کھیل جائیں جان پر

آپ کی الفت جو ہے، بنیاد ہے ایمان کی
آپ ہی بدرالدجیٰ ہیں، آپ ہی نورالہدیٰ

ذکر بے شک آپ کا ،اللہ نے اونچا کیا
گلشن ہستی میں آقا !پھولؔ کی ہے التجا

ہم پہ رحمت کی نظر ، لطف وکرم کا در ہو وا
آپ ہی سے پائیں گے تسکین قلب و جان کی

مشاہدہ ہے کہ کچھ لوگ بلا سمجھے بوجھے حیات النبیصلی اللہ علیہ وسلمکے موضوع پر بحث میں اپنی توانائیاں صرف کرتے ہیں،ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں اور فریق مخالف کو شیطان اور گمراہ قرار دیتے ہیں جبکہ سورۃ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ، ہوسکتا ہے وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ایمان لانے کے بعد فسق میں مبتلا ہونا بہت بری بات ہے، جولوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں‘‘۔

یہاں ایک نکتے کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے،قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ ’’شہیدوں کو مردہ نہ کہو،

وہ زندہ ہیں اور رزق پا رہے ہیں لیکن تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے''۔ ظاہر ہے کہ نبیؐ کا درجہ شہید سے بڑا ہے اس لئے ہمیں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں تردد کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ ہم اسے سمجھ نہیں سکتے، یہ غیب کی باتیں ہیں اور ایمان کی پہلی شرط ہی غیب پر ایمان لانا ہے (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۳)۔ اس بحث کے نتیجے میں ایسا نہ ہو کہ شان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی گستاخی سرزد ہو جائے اور سارے اعمال اکارت ہو جائیں (سورۃ الحجرات، آیات نمبر ۱ اور ۲) جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو عام لوگوں کی موت کی طرح سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بڑا بھائی سمجھو۔ اس بات پر ہنسی آتی ہے کہ زمرہء علما میں شامل ہونے کا دعویٰ کرنے والے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ذرا قرآن پر ہی غور کر لیتے کہ ازواج مطہراتؓ کو قرآن نے امہات المومنین قرار دیا ہے۔ جب وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کم از کم باپ کے برابر تو ہوئے، بڑے بھائی کیسے ہو گئے؟ اب آیئے وفات اور حیات کے مسئلے کی طرف، قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی وفات (انی متوفیک) کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے جبکہ وہ آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے (سورہ آل عمران، آیت نمبر ۵۵)۔ دنیا کی دائمی زندگی کسی کو نہیں ملی، ہاں شیطان کو قیامت تک کی زندگی اُس کی خواہش پر عطا کی گئی ہے۔ آخرت کی زندگی حسب مراتب عطا کی جاتی ہے جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ ایک بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ شہیدوں کو زندہ کہا گیا لیکن ان کی بیوائیں دوسری شادی کر سکتی ہیں جبکہ ازواج مطہراتؓ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا کرنا یا کسی کو اُن کے بارے میں ایسا سوچنا بھی سختی سے ممنوع ہے (سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۵۳)۔ یہ بھی دیکھیں کہ لفظ ایک ہی استعمال ہوتا ہے لیکن دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ کس تناظر میں اور کس کے لئے استعمال ہوا ہے؟، قرآن میں فرمایا ''کل نفس ذآئقۃ الموت'' (ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بھی لفظ ''نفس'' استعمال کیا ہے (سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۲)، نعوذ باللہ کسی کو غلط فہمی کا

شکار نہیں ہونا چاہئے قرآن کو مکمل طور پر سمجھنا چاہئے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہیں۔ دونوں جگہ لفظ ''نفس'' ہے لیکن یہ دیکھا جائے گا کہ کس کے لئے ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات الحی القیوم ہے اس لئے یہاں نفس کے معنی دوسرے ہوں گے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو عام لوگوں کی طرح سمجھنا صریح غلطی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور وفات (دونوں کا دن پیر بتایا جاتا ہے) کی تاریخوں کے بارے میں اختلاف ہے، ولادت کی تاریخ ۹ ربیع الاول، ۱۲ ربیع الاول اور اہل تشیع کی روایات میں ۱۷ ربیع الاول بتائی جاتی ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ وہ ۱۲ ربیع الاول نہیں بلکہ ۲۸ صفر بتاتے ہیں۔ بارہ وفات کے مہینے کی ترکیب عوام الناس کی زبان ہے جس طرح وہ صفر المظفر کو تیرہ تیزی اور ذیقعد کو خالی کا مہینہ کہتے ہیں، اس کی کوئی مستند حیثیت نہیں ہے۔

شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے یا نہ دیکھنے کا معاملہ بھی نزاعی بنا لیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ کوئی نظر اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی، حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر جو روشنی دیکھی تھی اور جسے وہ آگ سمجھے تھے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہی تھا، انھوں نے اسے دیکھا لیکن جب مزید کی خواہش کی تو تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو گئے اپنی وسعت کے مطابق دیدار تو انھوں نے بھی کیا۔ اسی طرح شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر ہے حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں زیادہ ہی دیکھا لیکن کتنا دیکھا؟ یہ ہمیں نہیں معلوم، اسی لئے حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کہ معراج کی شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا (اور قیامت میں جنتی بھی کریں گے جو حدیث سے ثابت ہے) جبکہ حضرت عائشہؓ کی روایت اس کے خلاف ہے لیکن جب معراج کا واقعہ ہوا تھا اُس وقت وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں نہیں آئی تھیں اس لئے اس مسئلے میں جھگڑنا نہیں چاہئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب '' فیوض الحرمین'' کے صفحہ نمبر ۳۳ پر مکہ مکرمہ میں جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس موقع پر انوار کے ظہور کا تذکرہ کیا ہے جو انھوں نے مکہ معظّمہ اور مدینہ

منورہ میں خود محسوس کیا۔ وہ رقم طراز ہیں: ''اس سے پہلے میں مکہ معظّمہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک میں تھا، میلاد شریف کے روز لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے تھے اور وہ معجزے بیان کرتے تھے جو آپصلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے اور وہ مشاہدے جو اعلان نبوت سے پہلے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ یکبارگی انوار ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا ان آنکھوں سے دیکھا اور نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ فقط روح کی آنکھوں سے۔ خدا جانے کیا امر تھا ان آنکھوں سے دیکھا یا روح کی۔ پس میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نور اُن ملائکہ کا ہے جو ایسی مجلسوں اور مشاہد پر موکل و مقرر ہیں اور میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ اور انوارِ رحمت ملے ہوئے ہیں''۔ صفحہ نمبر ۳۵ پر رقم طراز ہیں: ''میں نے دیکھا آں حضرتصلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر امور میں اصلی صورت مقدس میں بار بار، باوجودیکہ مجھے بڑی آرزو تھی کہ روحانیت میں دیکھوں نہ جسمانیت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، پس مجھ کو دریافت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے روح کو صورتِ جسم میں کرنا اور یہ وہی بات ہے جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے کہ انبیاء نہیں مرتے اور اپنی قبروں میں نماز پڑھا کرتے ہیں اور انبیاء حج کیا کرتے ہیں، اپنی قبروں میں وہ زندہ ہیں وغیرہ وغیرہ اور جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجا تو مجھ سے خوش ہوئے اور انشراح فرمایا اور ظاہر ہوئے اور یہ اس واسطے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہیں''۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب '' فیوض الحرمین'' اس لنک پر دیکھی جا سکتی ہے:

https://archive.org/stream/Fuyooz-ulHaramainarabicWithUrduTranslation
/00357_FUYOOZ-UL-HARAMAIN-ur#page/n6/mode/2up

وہ بھی زندہ، شہادت ہے جس کو ملی ‏ ‏ جان لو، جاوداں کوئی اُن سا نہیں

پھولؔ ! بعد از خدا اُن کا ہے مرتبہ　　　　خلق میں بے گماں کوئی اُن سا نہیں

لاہور سے شائع ہونے والے ایک جریدے میں دارالعلوم اٹک سے تعلق رکھنے والے ایک حافظ صاحب نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ اپنی آخری علالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دختر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی۔ میں نے جواباً لکھا کہ حدیث میں ''قیامت کے دن'' کے الفاظ میں نے نہیں پڑھے، یہ حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے اور یہ ایک پیش گوئی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہل بیتؓ میں سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی۔ حافظ صاحب موصوف حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تردد کا شکار تھے اس لئے انھوں نے حدیث میں ''قیامت کے دن'' کے الفاظ بڑھا دیئے۔ دراصل ہم حیات النبیصلی اللہ علیہ وسلمکا صحیح ادراک نہیں کر سکتے جس طرح شہدا کی حیات کا، جو قرآن سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ نبیؑ کا درجہ شہید سے بڑا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ نے اپنے ایک شعر میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس طرح کیا:

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ !　　　　مری چشمِ ظاہر سے چھُپ جانے والے

صبیح رحمانی کا یہ خوب صورت نعتیہ شعر بھی اسی کیفیت کی عکاسی کر رہا ہے:

میں لب کشا نہیں ہوں کہ یہ جانتا ہوں میں　　　　سنتے ہیں وہ صدائیں سکوتِ نگاہ کی

ایک صاحب نے راقم الحروف کے مجموعۂ نعت ''قندیل حرا'' میں ایک نعت پڑھی جس کا مطلع یہ تھا:

آپ جیسا یا نبی ! باحوصلہ کوئی نہیں　　　　کھا کے پتھر دشمنوں کو دے دعا، کوئی نہیں

فرمانے لگے، نعت تو اچھی ہے لیکن آپ نے ''یا نبی !'' کہہ کر اسے قابل اعتراض بنا دیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ قائداعظم محمد علی جناح کو اُن کی وفات کے بعد ''اے قائداعظم !'' کہنے پر تو اعتراض نہیں کرتے (میرا اشارہ اس مشہور شعر کی طرف تھا: یوں دی ہمیں آزادی کہ دنیا ہوئی حیران۔ اے

قائداعظم ! ترا احسان ہے احسان) لیکن نعت میں ''یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم !'' کہنے پر اعتراض کر رہے ہیں ! اس پر وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے ۔

حضرت امام زین العابدینؓ کے یہ اشعار بھی سند کی حیثیت رکھتے ہیں :

یا مصطفیٰ ! یا مجتبیٰ ! اِرحم علیٰ عصیا ننا مجبورۃ اعمالنا ذنب وّ طمع وّ الظلم

یا رحمۃ للعالمیں ! اَدرِک لزین العابدینؓ محبوسِ ایدی الظالمیں فی الموکبِ والمز دحم

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ اشعار حضرت امام زین العابدینؓ کے نہیں ہو سکتے کیونکہ ''زین العابدین'' اُن کا تعریفی لقب تھا اور وہ خود اسے اپنے لئے استعمال نہیں کر سکتے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنا تعریفی لقب ''صدیق'' اپنی مناجات میں بطور تخلص استعمال کیا ہے :

انت حسبی انت ربی انت لی نعم الوکیل انت وافی انت کافی فی مھمّات الامور

این موسیٰؑ این عیسیٰ این یحییٰؑ این نوحؑ انت یا صدیقِ عاصٍ تب الی المولی الجلیل

جو لوگ عید میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ جو سال میں ایک ایک مرتبہ آتی ہیں لیکن وہ یہ بھول گئے کہ حدیث میں جمعہ کو بھی عید المومنین کہا گیا ہے جو سال میں ہر ہفتے ہی ہے ۔ عید اُس خوشی کے دن کو کہتے ہیں جو بار بار آئے ۔ یہ لوگ ''بدعت بدعت'' کی تکرار کرتے ہیں لیکن ''بدعت سیئہ'' اور ''بدعت حسنہ'' کا فرق نہیں سمجھتے ۔ بدعت کا مطلب ہے نئی چیز ایجاد کرنا ، ''البدیع'' اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں شامل ہے جو اسی کا اسم فاعل ہے ۔ اچھی بات اچھی ہوتی ہے اور بُری بات بُری ہوتی ہے ۔

اگر یہ لوگ ہر نئی بات کو بدعت کہہ کر ممنوع قرار دیتے ہیں تو قرآن کو کتابی شکل میں لانے اور نماز تراویح کی پابندی کرنے کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟ مساجد میں برقی پنکھے اور ایئر کنڈیشنر کیوں لگاتے ہیں؟ اونٹ پر سواری کی جگہ کاریں اور ہوائی جہاز کیوں استعمال کرتے ہیں؟ خصوصاً حج

اور عمرے کے سفر کے لئے ۔ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک صاحب نے رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ ، ربنا لک الحمد کے بعد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ بھی کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا اور اُن کی تحسین کی ۔ یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ سعودی عرب والے جشن عید میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے خلاف ہیں لیکن ہر سال اپنا قومی دن بڑے دھوم دھام سے مناتے ہیں ! اُن کے فلسفے کے مطابق تو یہ بھی بدعت ہے اس لئے ممنوع ہونا چاہئے ۔

حمد ونعت میں لفظ ''عشق'' استعمال کرنے کے خلاف جاپان کے ایک اردو اخبار میں ایک صاحب نے یہ بے تکی دلیل پیش کی کہ لفظ ''عشق'' بہت ہی خراب ہے ، کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ اپنی بہو سے عشق کرتے ہیں؟ اتنا خراب لفظ حمد ونعت میں کس طرح استعمال ہوسکتا ہے ! ۔ راقم الحروف نے انھیں جواب دیا کہ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ اپنی بہو کا بوسہ لیتے ہیں؟ آپ کے کہنے کے مطابق لفظ ''بوسہ'' بھی قبیح و مردود ٹھہرا پھر آپ حجر اسود کا بوسہ لینے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ لفظ کس کے لئے اور کس تناظر میں استعمال ہو رہا ہے؟ خط طویل ہو گیا ہے اس لئے اب اجازت دیجئے ۔ ای میل سے رابطہ رکھیے گا ۔

......

انجم نیازی۔راولپنڈی

۱۲/ اکتوبر ۲۰۱۴

آپ کے حکم کے مطابق اپنی کچھ مطبوعات جن کی کچھ جلدیں موجود تھیں ارسال کر رہا ہوں ۔ فہرست حسب ذیل ہے ۔

۱۔حیات انسؓ ۲ ۔ترے جیسا کوئی سورج نہیں ہے (قصیدہ) ۳۔ مناجات ۴ ۔حرا کے مکیں

۵ ۔حرا کے آفتاب ٦ ۔حرا کی خوشبو ۷۔ سیدنا صدیق اکبر (پہلا صحابی) ۸ ۔مرادِ مصطفیٰ ۹۔ ذوالنورینؓ

۱۰۔سیدنا علیؓ ۱۱۔سیدنا امیر معاویہؓ ۱۲۔سیدنا ابوموسیٰ عشریؓ ۱۳۔؟اولیاء۱۴۔آخری لمحہ (غزلوں کا مجموعہ) ۱۵۔ایک تنہا آدمی (خودنوشت سوانح عمری) ۱۶۔روشن ہیں سب ستارے رسالتمآب کے صلی اللہ علیہ وسلم ۱۷۔کرنیں ایک ہی مشعل کی ۔مندرجہ ذیل کتب مکتبہ الفقر ۲۲۳ سنت بورہ فیصل آباد سے بھی دست یاب ہیں۔

۱۔حسنین کریمینؓ ۲۔سیدنا حمزہؓ ۳۔سیّدنا ذوالنّورین ۴۔سیّدنا علی المرتضیٰؓ ۵۔سیّدنا امیر معاویہؓ ۶۔مرادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (سیدنا عمر فاروق) ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں دارالامین لاہور ۵۶۸۷۸۰۰۔۰۳۰۷ سے مل سکیں گی۔

۱۔میری امی جان حفصہؓ ۲۔خدیجۃ الکبریٰؓ ۳۔سیدنا عمرو بن العاص (زیرِطبع)

مندرجہ ذیل کتب کے مسعودّہ جات طباعت کے لیے تیار ہیں۔

۱۔سیّدنا ابوعبیدؓ بن جراح ۲۔سیّدنا سعد بنؓ ابی وقاص ۳۔سیّدنا طلحہؓ ۴۔سیّدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف ۵۔سیدنا زبیرؓ بن الصوام ۶۔بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۷۔ام المومنین سیدہ امِ؟ ۸۔ام المونین سیدہ زینبؓ بنت جحش ۹۔سیّدہ ام المونین زینبؓ بنت خزیمہ ۱۰۔صدیقہ کائنات (سیدہ عائشہ صدیقہؓ) میں عمر کے آخری حصہ میں ۲۷ سال کراس کر چکا ہوں۔چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے صحابہؓ وصحابیات پر کم ازکم پچاس کتابیں لکھ جاؤں اللہ تعالیٰ مہلت اور توفیق عطا فرمائے۔

میں کتابوں کی رائیلٹی نہیں لیتا۔ہر کسی کو چھاپنے کی اجازت دے دیتا ہوں۔کبھی اس طرف تشریف آوری ہو تو زیارت کا شرف ضرور عطا کرنا۔

......

محمد ثاقب رضا قادری۔لاہور

۱۲/مئی ۲۰۱۵

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ فقیر نے ردقادیانیت کے حوالہ سے ایک نیا رخ یعنی ''سُنی صحافت'' کو متعارف کروایا اور بحمداللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی ایک ضخیم جلد فروری ۲۰۱۵ء میں مکتبۂ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔اب اس کی دوسری جلد اخبار اہل فقہ (امرت سر) کی فائلوں سے تیار کی جارہی ہے۔ یہ اخبار مولانا غلام احمد اخگر امرت سری نے ۱۹۰۶ء میں جاری کیا اور تقریباً ۱۹۱۴ء تک جاری رہا۔ مولانا غلام احمد اخگر نے نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے ایک ماہ وار رسالہ بھی جاری کیا تھا جس کا نام'' گلستان رحمت'' تھا۔فقیر قادری کو اگرچہ اس کا کوئی شمارہ نہ مل سکا تاہم اخبار اہل فقہ کے متعدد شماروں میں اس کے اشتہار ضرور نظر سے گزرتے رہے چنانچہ انہی اشتہارات کی بنیاد پر فقیر نے رسائل حسن کے مقدمہ میں درج ذیل تحریر لکھ دی:

''مولانا غلام احمد اخگر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے ہندوستان کی تاریخ کا سب سے پہلا نعتیہ رسالہ بنام'' گلستان رحمت'' جاری کیا۔

مولانا اخگر لکھتے ہیں:

''یہ نعتیہ رسالہ جو ہندوستان بھر میں اکیلا ہے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۵ہجری المبارک (۴نومبر۱۹۰۷ء) کو پہلا پرچہ نکلا- عاشقان رسول کریم کے نور ایمانی کو جلا دینے والا اور قلب محزون کو تسکین بخشنے والا ہے- کون مسلمان ہے جو رسول مقبول علیہ الصلوۃ والسلام کی نعت پڑھنے سننے کا عاشق نہ ہو-''

(اہل فقہ، ۶دسمبر ۱۹۰۷)

اس کے ہر شمارے کے لیے کوئی خاص مصرع طرح رکھا جاتا اور تمام شعراحضرات اسی پر نعتیہ کلام تحریر فرماتے۔شہنشاہ سخن، استاذ زمن مولانا حسن رضا خان حسن فاضل بریلوی سے ایک ملاقات میں مولانا

اخگر نے جب اس رسالے کے اجرا کا ارادہ ظاہر کیا تو مولانا حسن رضا نے اس کی تحسین فرمائی اور تاریخی قطعہ بھی تحریر فرمایا جو کہ حسب ذیل ہے:

اخگر نے کیا نعت میں گلدستہ وہ جاری — بلبل کی طرح غنچہ وگل جس پہ ہوں شیدا
اللہ یہ گلزار پھلے پھولے جہاں میں — ہر پھول سے ہو رنگ ترقی کا ہویدا
نکلے گی تاریخ حسنؔ شاخ قلم سے — انداز گلستاں کے ہیں گلدستہ سے پیدا

۱۳۲۵ھ

(کلیات حسن: ۳۸۷-۴۸۷ مطبوعہ اکبر بک سیلرز، لاہور)

کچھ روز قبل تحقیقی کام کی غرض سے پنجاب پبلک لائبریری (لاہور) جانا ہوا۔ جناب امداد صابری صاحب کی کتاب ''تاریخ صحافت اردو'' کی ورق گردانی کرتے ہوئے فقیر کی نظر ایک رسالہ پر ٹھہر گئی جو کہ نعتیہ ادب کے فروغ میں ۱۸۹۵ء میں جاری ہوا تھا۔ چونکہ اس دریافت سے فقیر کی گذشتہ تحریر یعنی ''گلستان رحمت'' کو پہلا نعتیہ رسالہ قرار دینے کی تردید ہوتی ہے۔ اب آپ کی خدمت میں ان دونوں رسائل کا تعارف پیش کر رہا ہوں، کیونکہ نعتیہ ادب کے حوالہ سے آپ کا تحقیقی کام اب کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے چنانچہ عرض یہ ہے کہ اس موضوع پر تحقیقی بنیادوں پر کام کیا جائے تا کہ سُنی صحافت کا ایک اور رُخ یعنی نعتیہ صحافت سے عوام وخواص متعارف ہوں۔ آپ کی سہولت کے لیے امداد صابری کی کتاب ''تاریخ صحافت اردو'' جلد سوم سے اس رسالہ کا تعارف نقل کر رہا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

''گلدستہ مداح النبی''۔ یہ نعتیہ کلام کا ماہ نامہ گلدستہ جھجر ضلع رہتک سے ۱۸۹۵ء کو شائع ہوا۔ پہلے سولہ (۱۶) صفحات پر، بعد میں بیس (۲۰) صفحات پر نکلنے لگا تھا۔ مہتمم مولوی غلام احمد خاں بریاںؔ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ نمونہ کا پرچہ ڈیڑھ آنہ میں ملتا تھا۔ مسلم پریس جھجر میں طباعت ہوتی تھی۔

اس گلدستہ میں نعتیہ کلام کے ساتھ اپریل ۱۸۹۷ء کے بعد سے ایک ناول بالاقساط چھپنے لگا تھا، اس وقت سے بیس صفحات ہو گئے تھے اور اس کی ابتدا مولانا بریاںؔ نے اپنے ناول ''الحسنات'' سے کی تھی۔ مولانا نے کتب تصوف بھی تالیف فرمائی تھیں۔''

(تاریخ صفحات اردو، جلد سوم، ص ۶۵۵)

اپریل ۱۸۹۷ کے شمارہ سے منتخب نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

اس لیے سیر چمن کرتا ہوں گاہے گاہے نکہت گل سے مجھے شاہ کی بُو آتی ہے

خاک ہم کیوں نہ رہِ عشق نبی میں چھانیں جب وفا کی ہمیں ہر ذرّے سے بُو آتی ہے

مست ہو جائیں نہ کیوں سُونگھ کے خوشبو گل کی یاد جب ختم رسل کی ہمیں خُو آتی ہے

جناب محمد عبدالحیٔ اخترؔ صاحب (طالب علم از امرت سر)

کیا صبا گلشن یثرب سے تُو آتی ہے تجھ سے اللہ کے محبوب کی بُو آتی ہے

وصف گیسوئے محمد کا اثر نطق میں ہے مشک سے بڑھ کے مرے شعر میں بُو آتی ہے

جناب سید مظہر حسین صاحب کے کلام سے کچھ اشعار:

میں مدینہ کو گیا اور نہ کعبہ پہنچا وجہ کیا ہے ابھی اے موت کہ تُو آتی ہے

میں تو حضرت کا فدائی ہوں بتا دے اے حور کیا سبب ہے کہ مرے سامنے تُو آتی ہے

جناب ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب ذبیح دہلوی:

جتنی بڑھتی ہے ترے لطف و کرم کی امید اتنی عصیاں میں مرے نشو و نما آتی ہے

جادۂ طیبہ گر اے شیخ بنے جائے نماز نہر کوثر سے ابھی بہر وضو آتی ہے

جناب قمر الدین صاحب قمرؔ دہلوی شاگرد وحید الدین بیخودؔ دہلوی:

عشق احمد میں یہاں حشر کا بھی خوف نہیں　　　کیا ڈرانے کو شب غم مجھے تُو آتی ہے

مر مٹا خاک ہوا عشق محمد میں قمر　　　سُونگھ لو خاک سے بھی عشق کی بُو آتی ہے

جناب حاجی تجمل حسین صاحب تجمّل جلال پوری مقیم بمبئی:

تیری کیا بات ہے اے شفقت سلطان عرب　　　کام مظلوم کے ہر حال میں تُو آتی ہے

صف مستان نبی کا جو گذر ہوتا ہے　　　توڑ کر ساغر و مینا و سبو آتی ہے

گنبد روضۂ انور کو نظر زائر کی　　　کبھی چوم آتی ہے جا کر کبھی چھو آتی ہے

نزع کا وقت ہے محبوب خدا آتے ہیں　　　اے اجل کس نے بلایا ہے جو تُو آتی ہے

مرے اشعار نہ کیوں کر ہوں تجمّل مقبول　　　عشق احمد کی ہر اک لفظ سے بُو آتی ہے

اللہ کرے کہ کوئی صاحب اس موضوع پر تحقیقی بنیادوں پر کام کرتے ہوئے نعتیہ ادب کے فروغ میں سُنّی صحافت کے کردار کی تاریخ مرتب فرما دیں۔

......

شبیر انصاری۔کراچی

۱۷/ستمبر۲۰۱۴

اتوار ۱۴/ کو آپ سے فون پر جو رابطہ ہوا تھا اس کی پیش رفت میں ''میثاق'' کا نسخہ ارسال خدمت ہے۔علاوہ ازیں بھائی صاحب محترم (سرشار صدیقی) کے نام مشاہیر کے خطوط اور ان کے غیر مطبوعہ نعتیہ کلام کی ترسیل وفراہمی سے متعلق آپ کا پیغام محترمہ بھابھی صاحبہ کی خدمت میں بالمشافہ پہنچا دیا ہے۔امید ہے کہ اس اہم کام کی تکمیل چند دنوں میں ہو جائے گی۔محترمہ بھابھی صاحبہ سے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے اطمینان بخش قرار دیا ہے۔

……

زاہد ہمایوں۔راول پنڈی

۲/ستمبر۲۰۱۴

اُمّید ہے کہ آں جناب کے مزاجِ گرامی بہ خیر وعافیت ہوں گے۔میں الخیر یونی ورسٹی، اسلام آباد کیمپس میں پی ایچ۔ڈی (اُردو) کااسکالر ہُوں۔اہم۔فِل ۲۰۰۷ءمیں علاّمہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد سے کیا۔میرے مقالے کا موضوع مراثی انیس کے جمالیاتی عناصر (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ) تھا۔اپنے مقالے کی ایک کاپی آپ کی طرف منسلک کررہا ہوں۔آپ سے التماس ہے کہ اِسے کتابی شکل میں لانے کے لیے میری معاونت فرمائیں۔میں آپ کا سایۂ شفقت حاصل کرنا چاہتا ہُوں۔

میرے تحقیقی وتنقیدی مضامین ''اخبارِاُردو''،نالۂ دِل اور''نیرنگِ خیال'' میں چھپتے رہتے ہیں۔''اُردو زبان وادب کی تاریخ وتدریس وترویج'' کے نام سے میری ایک کتاب بھی چھپ چُکی ہے۔اُس کی ایک کاپی آپ کی محبّتوں کی نذرکررہاہُوں۔

میں اُردو نعُت کے موضوع پرکام کرنا چاہتاہُوں،آپ ازراہِ مہربانی اس حوالے سے بھی میری مدد کریں۔اگر آپ میری طرف فہرست بھجوادیں۔ایسی فہرست جِس میں درج ہوکہ اُردو نعت کے حوالے کِن کِن موضوعات پر کام ہوچُکا ہے۔یا کوئی ایسا مواد جواِس حوالے سے میری راہ نمائی کرسکے۔تو مجھے بہت آسانی رہے گی۔مُجھے پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے آپ کا پتا دیا ہے۔اُنھوں نے میرا بہت حوصلہ بڑھایا کہ آپ ہی میری راہ نمائی کرسکتے ہیں۔مُجھے اُمّید ہے کہ آپ میری گزارشات پُوری کرکے میری ہمّت بڑھائیں گے۔میں آپ کی اِس کرم فرمائی پر تاحیات آپ کا سپاس گزاررہوں گا۔

اللہ عزّ وجل آپ کو صحتِ کامل اورعُمرِ دراز عطا فرمائے۔(آمین)

نوٹ: میں بے چینی سے آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔شکریہ!موڈبانہ التماس ہے کہ میرے رہائشی پتے پر جواب ارسال کیا جائے۔

......

محمد طاہر حسین۔جھنگ

۷/نومبر۲۰۱۴

خیریت موجود عافیت مطلوب ! جناب کی ارسال فرمودہ کتب بہ ست ملک ربنواز صاحب موصول ہوئیں ،نعت کے حوالے سے ایسا وقیع کام دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ایک ادارہ کا کام کسی فردِ واحد سے انجام پانا یہ توفیقاتِ ایزدی سے ہی ممکن ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست　　　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ رب العزت جناب کے علم وعمل اور عمر میں مزید برکتیں عطا فرمائے تا کہ ایسے علمی ،ادبی اور تحقیقی کاموں کا سلسلہ یونہی چلتا رہے:

اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

میں نے ''نعت رنگ'' پر اپنی ناچیز رائے بطور تبصرہ قلمبند کی ہے جس کی ایک کاپی جناب کی خدمت میں ارسال کررہا ہوں ،خانقاہ کا ترجمان مجلّہ ''آئینہ کرم'' دسمبر کے آخر میں شائع ہوگا،اس میں بھی شامل کردی جائے گی ۔بندہ جناب کے ادارہ نعت ریسرچ سنٹر کیلیے تہ دل سے اپنے مولیٰ کریم کی بارگاہ میں دست بہ دُعا ہے کہ جیسے آپ کی منشاء ہے اللہ تعالیٰ اسے روز افزوں ترقی سے ہمکنار فرمائے ۔

این دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

......

سمیعہ نازؔ۔برطانیہ

بہت ہی مدت کے بعد ’’نعت رنگ‘‘ میں کچھ کہنے کی جسارت کر رہی ہوں۔اپنی کم فہمی کا ادراک ہے مجھے اسی باعث کچھ لکھنے سے ہمیشہ ہی گریز کرتی آئی ہوں اب کی بار خوشی دیدنی تھی کہ رہا نہ گیا۔آپ کو اور ’’نعت رنگ‘‘ کے تمام قارئین کو بہت بہت مبارک باد پیش کرنا چاہتی ہوں جو اس قدر خوش آئند بات ہوئی ہے۔’’ساتویں عالمی اُردو کانفرنس۲۰۱۴‘‘ جو آرٹس کونسل آف پاکستان کراچی کے زیرِ اہتمام منقعد ہوئی اس میں پہلی بار آپ سب کی ان تھک کوششیں رنگ لائیں اور اُردو زبان اور نعتیہ ادب پر بھی باقاعدہ پروگرام تشکیل دیا گیا۔یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے اور ایک خوش آئند قدم ہے۔اور ہمیں اُمید ہے کہ اس بات کو ہمیشہ روا رکھا جائے گا کیونکہ بلاشبہ ہر دور نعت کا دور ہے۔

’’نعت رنگ‘‘ کے حوالے سے بات شروع کرنے سے پہلے میں آپ کو ’’نعت رنگ‘‘ کے تمام قارئین اور بالخصوص جامعہ کراچی سے جن تین احباب نے نعت پر پی ایچ۔ڈی کے مقالات لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔جس میں ڈاکٹر عزیز احسن کا مقالہ ’’اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ‘‘۔ڈاکٹر شہزاد احمد کا مقالہ ’’اردو نعت ...... پاکستان میں‘‘۔اور ڈاکٹر طاہر قریشی کا مقالہ ’’ہماری ملی شاعری میں نعتیہ عناصر‘‘ کی تکمیل پر بہت مبارک باد پیش کرتی ہوں۔اللہ کریم ان کی اس عظیم کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور انہیں نعت کی خدمت کی مزید توفیق عطا ہوتی رہے ۔آمین۔

’’نعت رنگ‘‘ ۲۳ تو بہت ہی مدت گذر جانے کے بعد خُدا خُدا کرکے میسر آیا اور جب تک مجھ تک پہنچا تب تک ’’نعت رنگ‘‘ ۲۴ پریس میں جا چکا تھا۔ممنون ہوں کہ ’’نعت رنگ‘‘ ۲۳ آپ نے محترم ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے دست شفقت میں تھما دیئے ،جب وہ برطانیہ تشریف لا رہے تھے۔عزیز

احسن بھائی صاحب کی از حد ممنون ہوں ،جنہوں نے ''نعت رنگ'' کے ساتھ ساتھ اپنی تمام نادر کُتب مجھ ناچیز کو تحفے میں دیں۔اللہ کریم انکو ہمیشہ سلامت رکھے اور جس کام کا عہد انہوں نے لیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے اور ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔آمین

''نعت رنگ'' ۲۴ کے لیے میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے حتی المقدور کوشش کی اپنی اتنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود کہ ''نعت رنگ'' یو کے تک پہنچ جائے اور الحمد للہ ایک بار پھر سے عزیز احسن بھائی صاحب کے توسل سے ''نعت رنگ'' اورعزیز احسن بھائی صاحب کی کتاب'' پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر'' بھی موصول ہوئی۔جس کے لیے'' تشکر'' کا لفظ چھوٹا پڑ جاتا ہے۔اس کا اجر تو رب تعالیٰ ہی آپ احباب کو عطا فرمائے گا انشاءاللہ۔

''نعت رنگ'' ایک خوبصورت دستاویز کی صورت اختیار کر چکا ہے جس کی ضیا سے روح وقلب منور ہوتے ہیں۔اللہ کریم اس کو مزید عروج عطا فرمائے اور یہ سب آپ تمام احباب کی شب و روز کی محنت کا ثمر ہے۔خوبصورت اور دیدہ زیب سر ورق پر'' اللہ رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' سی پیاری تحریر قلب و جاں کو مسحور کرتی ہے۔ہمیشہ ہی ''نعت رنگ'' میں نعت کے حوالے سے کچھ انوکھا اور اچھوتا کام اور سلسلہ ہی پڑھنے کو ملتا ہے۔جس کے لیے دل سجدہ ریز ہو جاتا ہے کہ رب تعالیٰ اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و رفعت کو کس خوبصورت انداز میں بلند فرماتا ہے۔''نعت رنگ'' کی خصوصیت ہے کہ ہمیشہ انتساب میں علمی ،ادبی شخصیات کو یاد رکھا جاتا ہے اور ہر بار اک نئی شخصیت کے نام ''نعت رنگ'' کا انتساب کیا جاتا ہے۔اس بار بھی بہت خوشی ہوئی یہ دیکھ کر کہ اپنے اکابرین کو کتنی محبت وخلوص کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔

''راجا رشید محمود، خالد شفیق اور ڈاکٹر افضال احمد انور کی نعت شناسی کے نام۔''

''نعت رنگ'' کے تمام جملہ سلسلوں پر بات کرنا نہایت مشکل امر ہے تاہم چند ایک تحریروں پر ضرور کچھ

اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہوں گی۔مقالات سب بہت عمدہ اور وقیع ہیں ۔ان میں شہزاد احمد صاحب نے جو’’ پاکستان میں نعتیہ صحافت‘‘ کا ایک جائزہ پیش کیا ہے، نہایت عمدہ کاوش ہے اور ایک وسیع معلوماتی ریسرچ بھی ۔ علاوہ ازیں مجھے تنویر پھول صاحب کا تحریر شدہ ’’حمد و نعت میں الفاظ کا مناسب استعمال‘‘ اور منظر عارفی صاحب کی تحریر’’نعت گوئی میں لفظ (ارم) کا استعمال‘‘ پڑھ کر بہت اچھا لگا اور میری گذارش ہے کہ اس پر مزید نگارشات ایک سلسلے کی صورت میں شامل کرنی چاہئیں تا کہ تمام نئے لکھنے والے استفادہ کریں۔اس کے علاوہ نعت گوئی پر تمام مضامین ایسے ہیں جیسے’’نعت رنگ‘‘ میں بہار آ گئی ہے رنگا رنگ پھول ہر سو مہک رہے ہیں اور سب کے قلب و روح معطر ہو رہے ہیں۔میں ’’نعت رنگ‘‘ میں تمام لکھنے والوں کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔اللہ کریم آپ سب کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔آمین۔

ڈاکٹر عزیز احسن کے ساتھ ایک مصاحبہ!(انٹرویو) جسے محمد جنید عزیز خان صاحب نے تمام ’’نعت رنگ‘‘ کے قارئین کی نذر کیا ہے ایک بے مثال کاوش اور نعت کی بہت بڑی خدمت ہے۔کیونکہ ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کی کہی ہوئی ہر بات نعت لکھنے والوں کے لیے اک سند کی حثیت رکھتی ہے ۔ایسے انٹرویو خال خال ہی ملتے ہیں۔میں ہدیہ تبریک پیش کرتی ہوں محمد جنید عزیز خان صاحب کو اس کاوش پر۔ایک تنقیدی جائزہ ’’ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ پروفیسر ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی صاحب نے پیش کیا ہے۔ جس میں غیر مسلم شعرا کی عقیدتوں کے پھول محبت رسول میں مہکتے ہوئے ملے، تو آنکھیں برسنے لگیں ۔اور بے ساختہ جو نعتیہ شعر زبان پر آیا وہ شعر اور اس شاعر کا تذکرہ بھی اسی مضمون میں ملا۔

پروفیسر صاحب اپنی تحریر میں یوں رقم طراز ہیں:

’’ہندو شعرا میں کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کا نام امتیازی حثیت کا حامل ہے، جن

کے آداب و انداز میں انفرادیت ہے۔انہوں نے اپنے انداز و آہنگ سے ایک نئی نعتیہ شاعری کی بنیاد ڈالی ہے۔ان کا ایک شعر ان کی بقا کا ضامن ہے:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں   صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

مذکورہ شعر میں کس قدر اعتبار و اعتماد ہے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت کا اعلان کرنے میں کسی طرح کا خوف و ہراس نہیں۔ نیز یہ کتنا قوی تر انداز ہے کہ آپ کی ذات گرامی پر صرف اُمت مسلمہ کا اختیار و اقتدار نہیں۔''

پروفیسر انوار احمد زئی صاحب نے ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے مقالے''اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ'' کا ایک جائزہ بہت خوبصورت اور جامع نقد ونظر کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر عزیز احسن صاحب اوران کے مقالے کا حق تھا،اور میں پروفیسر انوار احمد زئی صاحب کو اس شاندار تحریر پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔ اورانہوں نے آغاز ہی ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے اس شعر سے کیا جو مجھے بے حد پسند ہے۔

اک صنف سخن جس کا تعلق ہے نبی سے   صد شکر کہ نسبت ہے طبیعت کو اُسی سے

پروفیسر انوار احمد زئی صاحب نے کیا خوبصورت بات لکھی ہے اس شعر کی مناسب تشریح بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے حوالے سے۔

''منشور حیات کے اس واشگاف اور تفاخر آفریں اعلان نے عزیز احسن کو نعت گو شعرا کی صف میں تو داخل کرلیا،مگر کیا صنف نعت سے طبیعت کی یہ نسبت اسی حد تک متقاضی تسلیم تھی۔شاید نہیں!!۔اسی لیے عزیز احسن

نے خود کو نعت گوئی سے آگے بڑھ کر نعت کو بطور صنف دیکھنے اور دکھانے کا نازک، وقیع، دل آویز، دل رُبا مگر دل آزما کام بھی کرنے کا بیڑا اُٹھالیا۔ مانا کہ وہ تحقیق کی دل فگار راہوں میں صبر آزمائی اور ذہن آفرینی کی منزلوں سے قبل، انتقادِ نعت کے مشکل مرحلوں سے گذر چکے تھے۔''

پروفیسر صاحب مزید ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ:

''نعتوں کے مجموعے کی اشاعت سے گذر کر نعت گو کی حثیت سے بھی اپنا مقام حاصل کر چکے ہیں۔ جب شعر گوئی کی باریکیوں، تنقید کی نزاکتوں اور تخلیق کے تقاضوں سے بامراد گذر ہو جائے تو پھر محقق کو تحقیق کی گہرائیوں اور گیرائیوں کی شناوری کا یارا ہوتا ہے۔ میں اس حوالے سے ڈاکٹر عزیز احسن کو اس منصب پر متمکن دیکھتا ہوں تو تسلیم بھی کرتا ہوں کہ:

جن کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دو ان کا　　　دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

ڈاکٹر عزیز احسن کے مقالے کے مطالعے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے یہ کام محض سند لینے کے لیے نہیں بلکہ سرکار والاصفات سے سند غلامی لینے کی تمنا میں کیا ہے۔''

دل تو یہی چاہتا ہے کہ اس پر مزید بات کی جائے لیکن پروفیسر صاحب کی اسی آخری بات پر اکتفا کرتی ہوں جو انھوں نے ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے بارے میں تحریر کی۔ اور ان کے ایک اور خوبصورت شعر پر اس تمام جائزے کا اختتام کیا۔

''اس وسیع المطالعہ شخص کے مقالے کو پڑھ کر صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص اپنی فکری اپج اور قلبی لگاؤ کے ساتھ دینی جذبے اور حُب رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کی دولت سے سرشار ہو کر جس راستے پر چل پڑا ہے وہ اسے شخص سے
شخصیت بنا رہا ہے اور وہ اپنے عشق کے زور پر منزل یاب بھی ہو رہا
ہے۔۔۔بس اس کا یہی بڑا انعام ہے کہ اس ہنر آشنا کو حرف آشنائی کا بھی
یارا ہے۔''

شہر ابیات میں خامے کا سفر نازک ہے   مدح سرکار دو عالم کا ہنر نازک ہے

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب نے ایک تحسین آمیز مطالعہ پیش کیا ہے۔''باریاب ایک مطالعہ'' جو کہ انور مسعود صاحب کی کتاب پر ہے۔خط کی طوالت کے باعث شاید ہی میں کچھ مزید لکھتی لیکن جب سے یہ مضمون پڑھا ہے آنکھیں بار بار نم ہوئی جاتی ہیں اور تین دنوں سے اسی کوشش میں ہوں کہ اس خط کو مکمل کر دوں لیکن جیسے ہی میں اس مطالعے میں لکھے فارسی کے شعر کو پڑھتی ہوں میرے دل کی زمین میں ارتعاش پیدا ہونے لگتا ہے۔

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب اپنے مطالعے میں لکھتے ہیں کہ ''انور مسعود کے لیے بھی حفیظ تائب کی ترغیب ہی نعت گوئی کا محرک بنی۔انور مسعود نے ''تقدیم'' میں لکھا ہے:

''مجھے یاد پڑتا ہے کہ حفیظ تائب مرحوم نے ایک روز دوران گفتگو میں فرمایا
کہ بلاشبہ نعت لکھنا آسان نہیں لیکن نعت ضرور لکھنی چاہیے کہ مدح پیغمبر بھی
درود کے ذیل میں آتی ہے۔لہٰذا اپنی بساط کے مطابق اس کارثواب سے
محروم نہیں رہنا چاہیے۔''

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب مزید تحریر کرتے ہیں کہ:

''حفیظ تائب کی وہ بات انور مسعود کے دل میں گھر کر گئی اور انہوں نعت گوئی
کے لیے ذہن کو آمادہ کر لیا۔مدینہ منورہ جاتے ہوئے ایک فارسی قطعہ کہا

جس میں نعتیہ شاعری کا بلند آدرش ان کا رہنما بنا اورانہوں نے حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے شایان شان ''حرف ثنا'' کی بھیک مانگی۔''

یا سکوتم را بہ بزم خود پذیر   یا بدہ حرفے کہ شایانت بود

(یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! یا تو میرا سکوت آپ اپنی بزم میں قبول فرما لیجیے

یا مجھے ایسا حرف عطا فرما دیجیے جو آپ کے شایانِ شان ہو!)

یہ وہ فارسی قطعہ ہے انور مسعود صاحب کا جس کو جتنی بار پڑھتی ہوں آنکھوں سے اشک رواں ہو جاتے ہیں۔اللہ کریم انہیں سلامت رکھے آمین۔

''یارکشائر ادبی فورم'' کی ایک خصوصی پیشکش......''نعتیہ مشاعرہ ڈاکٹر عزیز احسن کے ساتھ''

''یارکشائر ادبی فورم'' نے اپنے قیام سے لے کر اب تک کے تین برس کے قلیل عرصے میں ادبی ورکشاپ، مشاعروں، کتابوں کی تعارفی تقریبات کے علاوہ اور بہت سے اردو کے ادبی افق پر جگمگاتی معتبر شخصیات کے ساتھ تقریبات کا اہتمام کیا۔لنڈن یوکے سے جناب رضا علی عابدی صاحب ،محترمہ بانو ارشد، پاکیزہ بیگ اور بین الاقوامی شخصیات میں، پاکستان سے جناب سیّد صبیح الدین رحمانی ،ڈاکٹر خورشید رضوی ،انتظار حسین، انور مسعود، امجد اسلام امجد، فاطمہ حسن، ڈاکٹر نجیبہ عارف ،سرور حسین نقشبندی،فرحت عباس شاہ، وصی شاہ، ریحانہ روحی، سعود عثمانی ،سیما غزل ، ڈاکٹر صغرا صدف ،سید ذبیب مسعود، ذوالفقار علی حسینی سعودی عرب سے سلمان باسط صاحب تشریف لائے۔ابوظہبی سے ڈاکٹر صباحت واسطی صاحب۔ڈنمارک سے صدف مرزا، فرانس سے ثمن شاہ ،اٹلی سے نصیر ملک اور جرمنی سے توقیر عاطف صاحب۔

اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ایک حالیہ تقریب بہ اعزاز جناب ڈاکٹر عزیز احسن صاحب منعقد کی گئی۔دُنیائے نعتیہ اَدب میں جناب ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں ۔

کثیر الجہت شخصیت کے مالک ہیں۔ ایک نعت نگار، نقاد اور محقق ہیں۔ ''نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی۔ایچ۔ڈی کی سند بھی حاصل کر چکے ہیں۔ نعت ریسرچ سینٹر کراچی پاکستان کے ڈائریکٹر بھی ہیں۔ ان کی نعتیہ ادب میں علمی، ادبی، تحقیقی و تنقیدی گوناگوں خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ''یارکشائر ادبی فورم'' نے ایک نعتیہ مشاعرے کی تقریب کا اہتمام لیڈز شہر میں کیا۔

تقریب کی نظامت راقمہ (سمیعہ ناز) نے کی۔ تقریب کے آغاز میں سب سے پہلے صدارت کے لیے جناب ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کو اور ''یارکشائر ادبی فورم'' کی چیئر پرسن محترمہ غزل انصاری صاحبہ کو سٹیج پر مدعو کیا گیا۔ مہمان خصوصی کے لیے ایک مختصر لیکن جامع سا تعارف پیش کرتے ہوئے (راقمہ) نے جناب ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کو سٹیج پر متمکن ہونے کی دعوت دی۔

سب سے پہلے تسنیم حسن صاحبہ کو دعوت کلام دی گئی۔ اس کے بعد (راقمہ) نے اپنا نعتیہ کلام پیش کیا۔ محترم اشتیاق میر صاحب نے اپنا کلام سنایا۔ محترمہ غزل انصاری صاحبہ نے حمدیہ و نعتیہ کلام حاضرین کی سماعتوں کی نذر کیا۔ اس کے فوراً بعد مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے کمال محبت سے تمام حاضرین کا فرداً فرداً شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے ارشادات و کلام سے تمام حاضرین و سامعین کو نوازا۔ ان کے کلام کو سن کر حاضرین نے بے اختیار خوب داد دی اور ان کی خدمات پر خراج تحسین پیش کیا۔ آخر میں صدر محفل محترم ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے اپنے نعتیہ کلام اور رباعیات سے تمام سامعین و حاضرین کو نوازا۔ گو کہ موسمِ سرما کے باعث باہر سردی تھی مگر ہال میں محبت و ستائش کی گرمی سے ماحول خوشگوار رہا۔ لیڈز، بریڈفورڈ، ڈیوزبری، رادرھم اور دیگر شہروں سے احباب کی شرکت رہی۔ جن میں خصوصی ذوق و شوق کے ساتھ آنے والوں میں پرویز اقبال صاحب، محترم ڈاکٹر راغب صاحب، محترم قیوم

صاحب،محترم ڈاکٹر خالد ضیا صاحب (اسلام آباد، پاکستان) شامل ہیں۔

تقریب کے آخر میں محترم ڈاکٹرعزیز احسن صاحب کی اہلیہ محترمہ طلعت عزیز صاحبہ کو پھولوں کی شکل میں ''یارکشائر ادبی فورم'' کی جانب سے محترمہ تسنیم حسن صاحبہ نے ہدیہ تہنیت پیش کیا۔ایک اعزازی ایوارڈ ''یارکشائر ادبی فورم'' کی جانب سے ڈاکٹرعزیز احسن صاحب کو ڈاکٹر خالد ضیا صاحب نے پیش کیا۔

آخر میں ''یارکشائر ادبی فورم'' کی چیئر پرسن غزل انصاری صاحبہ نے تمام شرکائے محفل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خصوصی طور پر جنا بڈاکٹرعزیز احسن صاحب اور انکی اہلیہ کی شرکت پر تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔اور یوں ایک خوبصورت اور یادگار تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

......

ساجد صدیق نظامی۔لاہور

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے معذرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ آپ کی توجہ اور مہربانی اور یاددہانی کے باوجود بروقت نعت رنگ کے لیے مضمون تیار نہ کرسکا۔

۱۲ نومبر ۲۰۱۴ کو یہ مضمون تیار کر کے لیپرڈ کوریئر سروس کے حوالے کردیا مگر وہ واپس آ گیا۔وجہ تبدیلی پتہ تھی جو پتہ میں نے نعت رنگ شمارہ ۲۳ سے نقل کیا تھا بعدازاں کوشش میں رہا کہ آپ کا موجودہ پتہ دریافت کرسکوں۔ بردرام رفاقت علی شاہد کی مہربانی سے یہ پتہ حاصل ہوا۔بعد کو پھر میری کوتاہی اور تساہل آڑے آ گیا نتیجۃً اب یہ ارسال کیا جارہا ہے جس شمارے میں جگہ ہو وہاں شائع کرنے کا فیصلہ کرلیجیے۔

۱۹۳۸ میں ایوب الرحمٰن عثمانی نے گلدستہ محسن کاکوروی کی شرح لکھ کر لاہور سے شائع کروائی تھی اس میں قصیدہ مدیح خیرالمرسلین کی بھی عمدہ تشریح موجود ہے اگر اس قصیدے کی شرح نعت رنگ کے کسی

شمارے میں شائع ہوتو قارئین کے لیے نہایت فائدہ مند ثابت ہوگی۔

……

(نعت ریسرچ سینٹر کو موصول ہونے والے عطیاتِ کتب)

ادارہ ان تمام نعت پسندوں اور نعت دوستوں کا ممنون ہے جنہوں نے ان کتب کے عطیات سے نواز کر نعت شناسی اور نعت فہمی کو عام کرنے کی اس مہم میں اپنا عملی حصہ ڈالا جو نعت ریسرچ سینٹر کے ذریعے جاری وساری ہے۔رب کریم آپ کو اس کی جزا عطا فرمائے۔آمین۔ص ر

۱	عرفانِ رب کائنات (حمدیہ انتخاب)	قمر وارثی	۲۰۱۴	دبستانِ وارثیہ، کراچی
۲	نئی صدی نئی نعت (نعتیہ انتخاب)	خورشید ربانی	۲۰۱۴	مثال پبلیشرز، فیصل آباد
۳	جہانِ نعت (کتابی سلسلہ)	غلام ربانی فدا	۲۰۱۴	کرناٹک، انڈیا
۴	مصحفِ نعت	تسنیم محبوبی	۲۰۰۸	عبدالطیف نوری، بھارت
۵	خلعت توقیر	شاکر کنڈان	۲۰۱۴	اسلامک میڈیا سینٹر، لاہور
۶	ارمغان ریاض سہروردی (انتخاب)	ڈاکٹر شہزاد احمد	۲۰۱۴	مرکزی انجمن عندلیبان ریاض رسول، کراچی
۷	کلیات ریاض سہروردی	ڈاکٹر شہزاد احمد	۲۱۰۳	مرکزی انجمن عندلیبان ریاض رسول، کراچی
۸	حسنِ انتخاب (خانوادہ ریاض سہروردی کا مختصر نعتیہ انتخاب)	ڈاکٹر شہزاد احمد	۲۰۱۳	مرکزی انجمن عندلیبان ریاض رسول، کراچی
۹	آئینہ ریاض سہروردی	ڈاکٹر شہزاد احمد	۲۰۱۳	مرکزی انجمن عندلیبان ریاض رسول، کراچی
۱۰	انتخاب کلام امیر مینائی (نعت)	ڈاکٹر تنظیم الفردوس	۲۰۱۴	ادارہ یادگار غالب، کراچی
۱۱	نعت انسائیکلو پیڈیا	طہور خان پارس	۲۰۱۴	رنگ ادب پبلی کیشنز، کراچی
۱۲	آرزوئے مدینہ	آرزو ٹونکی	۲۰۱۳	شکیل الرحمٰن، کراچی
۱۳	کلیات ظہور	حافظ محمد ظہور الحق	۱۹۹۹	معاذ پبلی کیشنز، اسلام آباد
۱۴	دل آئینہ ہوا	رفیع الدین راز	۲۰۱۱	رنگ ادب پبلی کیشنز، کراچی
۱۵	صلی علی الرسول	گستاخ بخاری	۲۰۱۴	مثال پبلیشرز، فیصل آباد
۱۶	نور سے نور تک	شاعر علی شاعر	۲۰۱۲	راحیل پبلی کیشنز، کراچی
۱۷	مدح ممدوح خدا	گستاخ بخاری	۲۰۱۲	مثال پبلیشرز، فیصل آباد

۱۸	گل ہائے سلام ومنقبت	اعجاز رحمانی	۲۰۱۳	شیخ شوکت علی اینڈ سنز، کراچی
۱۹	فرات وقت	خورشید بیگ ملیسوی	۲۰۱۲	حلقہ اہل قلم، لاہور
۲۰	احد احد	خیال آفاقی	۲۰۱۳	حمد ونعت ریسرچ سینٹر، کراچی
۲۱	اذان	رحمٰن کیانی	۲۰۱۳ء	رحمٰن کیانی میموریل سوسائٹی
۲۲	اغثنی	عباس عدیم قریشی	۲۰۱۳	اوج پبلی کیشنز، خانیوال
۲۳	تجلیات حمد ونعت	امان خان دل	۲۰۱۳	بزم شمیم ادب، کراچی
۲۴	نورانی حقیقت	قمر وارثی	۲۰۱۴	دبستان وارثیہ، کراچی
۲۵	نیاز	حنیف نازش قادری	۲۰۱۴	نعت مرکز اردو بازار، لاہور
۲۶	حرا کے آفتاب	انجم نیازی	۲۰۱۳	جھنگ ادبی اکیڈیمی، جھنگ
۲۷	مناجات	انجم نیازی	۲۰۰۲	فیض الاسلام، راولپنڈی
۲۸	حرا کے مکین	انجم نیازی	۲۰۰۴	نیازی برادران، میانوالی
۲۹	کوئی سورج تیرے جیسا نہیں ہے	انجم نیازی	ندارد	مکتبۂ النصیر، فیصل آباد
۳۰	اردو نعت گوئی کا تنقیدی جائزہ	پروفیسر ہارون الرشید	۲۰۱۴	میڈیا گرافکس، کراچی
۳۱	کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا	پروفیسر محمد اقبال جاوید	۲۰۱۴	باب حرم عمرہ سروسز لمٹیڈ، فیصل آباد
۳۲	نعت نگینے	نسیم سحر	۲۰۱۴	رو جیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی
۳۳	نعمتِ عظمیٰ	فرقان ادریسی	۲۰۱۳	حلقہ فکر و دانش، کراچی
۳۴	تیرے نشاں شام وسحر (حمدیہ)	نصیر احمد	۲۰۱۴	شمع ادب، لاہور
۳۵	زمزمہ نور	عابد حسین عابد	۲۰۱۴	مصنف، راولپنڈی
۳۶	ماہِ حرا	منظر پھلواری	۲۰۱۴	احسن پبلی کیشنز، فیصل آباد
۳۷	حالہ رحمت	شاہد کوثری	۲۰۱۴	رو جیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی
۳۸	ثنائے سرور	علی رضا	۲۰۱۴	نستعلیق مطبوعات، لاہور
۳۹	محبوب کبریا محمدؐ	عارفہ خان عظمی عارفہ	۲۰۱۴	شاعرہ، کراچی
۴۰	ہدیہ سلام بحضور خیر الانامؐ	رئیس احمد نعمانی	۲۰۱۴	گوشہ معالعات فارسی، علی گڑھ
۴۱	ارمغانِ قلم	عبدالغنی تائب	۲۰۱۴	فروغِ ادب اکادمی، گوجرنوالہ
۴۲	ذوقِ نعت (انتخاب وتذکرہ)	عبدالغنی تائب	۲۰۱۴	بزم نعت پاکستان، حافظ آباد

۴۳	مرے شعور میں جلوہ نما ہے نعت رسول (انتخاب)	عبدالغنی تائب	۲۰۱۳	بزم نعت پاکستان، حافظ آباد
۴۴	سالانہ نعتیہ مشاعرہ ۲۰۱۳ (انتخاب)	عبدالغنی تائب	۲۰۱۳	بزم نعت پاکستان، حافظ آباد
۴۵	سالانہ نعتیہ مشاعرہ ۲۰۱۴ (انتخاب)	عبدالغنی تائب	۲۰۱۳	بزم نعت پاکستان، حافظ آباد
۴۶	ابتدائے سخن	دل نواز دل	۲۰۱۳	التحریر، لاہور
۴۷	انتہائے سخن	دل نواز دل	۲۰۱۳	التحریر، لاہور
۴۸	کربلائے سخن	دل نواز دل	۲۰۱۳	التحریر، لاہور
۴۹	تیرا وجود الکتاب	نسرین گل	۲۰۱۲	الحمد پبلی کیشنز، لاہور
۵۰	نوری طاق (پنجابی نعتیہ کلام)	بشیر حسین ناظم	۲۰۱۴	کرماں والا بک شاپ
۵۱	خیال طیبہ	ضیا محی الدین گیلانی	۲۰۱۴	مصنف، ساہیوال
۵۲	حرف بقا	مبشر حسین سید	۲۰۱۴	شاعر اٹک پاکستان
۵۳	عرفانِ وعقیدت	ابراہیم حسان	۲۰۱۳	بزم حسان، حاصل پور پاکستان
۵۴	عارض چہ عارض	قدر القادری	۲۰۱۵	بزم شعر وادب، حیدر آباد
۵۵	کلیات راہی	نذر محمد راہی	۲۰۱۴	تلاش حق فاونڈیشن، کراچی
۵۶	محاسن (مجموعہ مناقب)	شہزاد مجددی	۲۰۱۵	دارالاخلاص، لاہور
۵۷	گل ہائے نعت	عبدالغنی تائب	۲۰۱۵	فروغ ادب اکادمی، گوجرانوالہ
۵۸	جانِ رحمت	عبدالغنی تائب	۲۰۰۶	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور
۵۹	رزقِ سخن	محمد قاسم کیلانی	۲۰۱۴	علم وعرفان پبلیشرز، لاہور
۶۰	زخمہِ دل	سروسہار نپوری	۱۹۹۵	القمر انٹر پرائز، لاہور
۶۱	لالہ طور	سروسہار نپوری	۲۰۱۲	اقبال اکیڈمی، لاہور
۶۲	ثنائےِ خواجہ	سروسہار نپوری	ندارد	حکیم محمود احمد سہانپوری، راولپنڈی
۶۳	اردو نعت میں تجلیاتِ سیرت	صبیح رحمانی	۲۰۱۵	نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

معروف ادیب وشاعر جناب سید معراج جامی صاحب نے نعت ریسرچ سینٹر کے لیے اپنی لائبریری سے نعتیہ کتب کا ایک اہم ذخیرہ عطا فرمایا ہے۔اس تعاون پر ہم ان کے ممنون ہیں۔درج ذیل کتب جامی صاحب کی عطا کردہ ہیں۔

٦۴	بے مثال	عارف عبدالمتین	۱۹۸۵ کاروانِ ادب، ملتان
٦۵	خورشید نبوت	خورشید ایلچپوری	۱۹۹۳ مصنف، کراچی
٦٦	یارسول عربیؐ	اختر اندوری فدائی	۲۰۰۹ بلال پبلی کیشنز، کراچی
٦٧	مرے آقا	امید فاضلی	۱۹۸۴ءسیپ پبلی کیشنز، کراچی
٦٨	بہار نعت (حصہ دوم)	محمد عزیز خان عزیز	۱۹۹۲ کانپور اکادمی، کراچی
٦٩	لمعات جمال	ذہین شاہ تاجی	۱۹٦٦ مکتبۂ تاج، کراچی
۷۰	انوار رسالت	عبدالروف راسخ	۱۹۹۰ مصنف، کراچی
۷۱	فیضانِ نعت	حکیم روکش اجمیری	۱۹۸۴ بزم نور، حیدرآباد سندھ
۷۲	توشہ آخرت	رشید اندوری	۲۰۰۴ مصنف، اندور انڈیا
۷۳	والنجم	محمد قاسم حبیبی برکاتی	۱۹۹۹ مصنف، کانپور انڈیا
۷۴	میر حجاز	بشیر فاروق	۱۹۹۲ فاروق اکیڈمی، کراچی
۷۵	روشنی ہی روشنی	خورشید انور رضوی	۲۰۰۱ نیرنگ خیال پبلی کیشنز، راولپنڈی
۷٦	خوشبوئے مولا	حسین سحر	۲۰۱۱ سحر سنز، ملتان
۷۷	شعورِ غم	کالی داس گپتا رضا	۱۹۷۹ ول پبلی کیشنز، ممبئی بھارت
۷۸	تیری آواز مکے مدینے	محبوب راہی	۱۹۹۸ مکتبۂ شاداب، حیدرآباد بھارت
۷۹	چشمۂ چشم	کرشن کمار طور	۲۰۱۰ سرسبز پبلی کیشنز، ہماچل پردیش بھارت
۸۰	نور سحر	خادم عظیم آباد	۲۰۱۱ بزم فردوسی، کراچی
۸۱	روشنی ہی روشنی	سعید سلیم	۱۹۹۹ مصنف، فتح پور بھارت
۸۲	مکے سے مدینے	سہیل غازی پوری	۲۰۰۹ شعری دائرہ، کراچی
۸۳	کتاب حمد و نعت	ظفر عمر زبیری	۱۹۹۲ زبیری پبلیشرز، کراچی
۸۴	ردائے عشق	نظیر حسین ساغر چنیوٹوی	۲۰۰٦ ماورا بکس، لاہور
۸۵	محمد رسول اللہ	محمد امین علی نقوی	۱۹۸۹ بزم باب الہدیٰ، فیصل آباد
۸٦	نعتیہ شاعری میں ہیتی تجربے	علیم صبا نویدی	۲۰۰٦ ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی بھارت
۸۷	اسم تاب	علیم صبا نویدی	۲۰۰۵ ٹمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی بھارت
۸۸	حمطایا	عبدالعزیز خالد	۱۹۷٦ مقبول اکیڈمی، لاہور

۸۹	فارقلیط	عبدالعزیز خالد	۱۹۶۵	شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
۹۰	ماذ ماذ	عبدالعزیز خالد	۱۹۷۹	ارمغان اکادمی، لاہور
۹۱	عرفان محبت	مولانا محمد احمد	۱۹۸۲	کتب خانہ مظہری، کراچی
۹۲	رشک قمر	قمر جلالوی	۱۹۷۷	شیخ شوکت علی اینڈ سنز، لاہور
۹۳	وسیلہ محبت	ساحر شیوی	۱۹۹۸	وجے پبلیشرز، نئی دہلی
۹۴	خواب مدینے	محمد یعقوب فردوسی	۲۰۰۱	علوی پبلی کیشنز، لاہور
۹۵	جذبہ محبت	یونس ہویدا	۱۹۸۸	مصنف، کراچی
۹۶	خاک مدینہ	ساحر شیوی	۲۰۰۸	بزم تخلیق ادب، کراچی
۹۷	سراج المنیر	سید منیر علی جعفری	۱۹۸۴	ادارہ منیرا رادب، کراچی
۹۸	اظہار عشق	محی الدین محی انصاری	۱۹۹۸	ریکارڈ اکیڈمی، حیدرآباد
۹۹	سرمایہ حیات	اقبال ارشد	۲۰۰۱	مکتبۂ اہل قلم، ملتان
۱۰۰	دھنک رنگ	سید عبدالباری معینی	۲۰۰۲	بزم شعر و ادب، حیدرآباد
۱۰۱	مرا آئینہ مدینہ	فراغ روہوی	۲۰۰۳	گلستان پبلی کیشنز، کلکتہ
۱۰۲	مدینہ مدینہ پیارا مدینہ	محمد یعقوب فردوسی	۱۹۹۹	گل پبلی کیشنز، گوجرانوالہ
۱۰۳	نعت کا دریا	شمیم صبائی متھراوی	۱۹۹۸	بزم شعر و ادب، اسلام آباد
۱۰۳	ثنائے محمدؐ	ایاز صدیقی	۱۹۹۲	مصنف، ملتان
۱۰۴	رحمتہ اللعالمین	عارف لکھنوی	ندارد	مصنف، کراچی
۱۰۵	فیضان معین	اختر اندوری	۲۰۰۳	دربار ظہوریہ، کراچی
۱۰۶	تطہیر	حسین سحر	۱۹۹۰	کتاب نگر، ملتان
۱۰۷	ثنائے رسول	گہر اعظمی	۱۹۸۷	مصنف، کراچی
۱۰۸	چراغ حرا	شوکت الہ آبادی	۱۹۹۵	مصنف، کراچی
۱۰۹	چراغ راہ حرم	لطیف اثر	۱۹۹۴	وقاص اکیڈمی، کراچی
۱۱۰	حرا تا عرش	سید نبی رضا عظیم آبادی	۱۹۹۲	شعری دائرہ، کراچی
۱۱۱	خوابوں میں سنہری جالی ہے	صبیح رحمانی	۱۹۹۷	فضلی سنز، کراچی
۱۱۲	شوق نیاز	سجاد مرزا	۱۹۹۸	فروغ ادب اکادمی، گوجرانوالہ

۱۱۳	نقش کف پا	وقار احمد وقار صدیقی	۱۹۹۵	بزم تزئین ادب، کراچی
۱۱۴	سیل تجلی	نصیر کوٹی	۲۰۰۲	مصنف، کراچی
۱۱۵	کربلا	ابراہیم اشک	۱۹۹۸	تکمیل پبلی کیشنز، ممبئی
۱۱۶	والضحیٰ	بیکل التساہی	ندارد	علی ہجویری پبلی کیشنز، لاہور
۱۱۷	ازازل	نگار فاروقی	۱۹۹۹	بساط ادب، کراچی
۱۱۸	تسکین قلب	مسعود چشتی	۱۹۹۸	راغب مرادآبادی اکیڈمی، کراچی
۱۱۹	شہر تمنا	غنی دہلوی	۱۹۹۶	اردو اکیڈمی، سندھ کراچی
۱۲۰	نعت نگار	مسرور کیفی	۱۹۹۹	ادارہ فروغ ادب، کراچی
۱۲۱	الہام	خالد عرفان	۱۹۸۶	فاران پبلی کیشنز، کراچی
۱۲۲	تقدیس	حسین سحر	۱۹۸۹	کتاب نگر، ملتان
۱۲۳	صحیفہ حمد	لطیف اثر	۱۹۸۸	وقاص اکیڈمی، کراچی
۱۲۴	نام بہ نام حمد و ثنا	انوار عزمی	۱۹۹۸	انجمن سہروردیہ، کراچی
۱۲۵	حمد نامہ	شیبا حیدری	۱۹۹۸	فیصل الرحمٰن حیدری، کراچی
۱۲۶	ماہ تاب حرا	اطہر سعید صدیقی	۲۰۰۴	راغب مرادآبادی اکیڈمی، کراچی
۱۲۷	تابندگی	خمار انصاری	۱۹۹۵	بزم تخلیق ادب، پاکستان
۱۲۸	جستجو	ضیاالله ضیا	۱۹۹۴	ماڈرن ٹیکنیکل ایجوکیشنل سوسائٹی، کراچی
۱۲۹	لازوال	حفیظ صدیقی	۱۹۹۲	صدیقی پبلی کیشنز، لاہور
۱۳۰	سوئے مصطفیٰ	منیر قصوری	۲۰۰۰	بوصیری منزل، لاہور
۱۳۱	ذوق عرفان	پروفیسر اسرار احمد سہاروی	۱۹۹۸	فروغ ادب اکادمی، گوجرانوالہ
۱۳۲	نقش اولین	زاہد فتح پوری	۲۰۰۳	مکتب آل شفق، کراچی
۱۳۳	صاحبِ خیر البشر	شاعر علی شاعر	۲۰۰۵	شمع بک ایجنسی اردو بازار، لاہور
۱۳۴	سلسلہ انوار کا	خاطر غزنوی	۱۹۹۶	سنڈیکیٹ آف رائٹرز، پشاور
۱۳۵	مدح رسولؐ	راغب مرادآبادی	۱۹۸۳	مصنف، کراچی
۱۳۶	نورِ حرا	نصیر آرزو	ندارد	پاکستان رائٹر فیڈریشن، کراچی
۱۳۷	میخانہ تصور	آباد پیلی پھتیلی	۱۹۸۲	منیلا پیکیجز، کراچی

۱۳۸	نعت پاک کی اہمیت	ساجد صدیقی لکھنوی	۱۹۹۵	کل ہند ثناخوان رسول لکھنؤ، بھارت
۱۳۹	م	غالب عرفان	۱۹۹۹	بزم تخلیق ادب، کراچی
۱۴۰	نفس سخن خوشبو	احمد خیال	۱۹۹۳	بزم خیال، کراچی
۱۴۱	رہبر رہبراں	مسعود احمد جشن	۱۹۹۳	مرکزی انجمن رہبر اسلام، کراچی
۱۴۲	شفاعت	سید قمر زیدی	۱۹۹۱	کتاب نگر، ملتان
۱۴۳	عزب حرم	رحمان خاور	۱۹۹۷	بساط ادب، کراچی
۱۴۴	بوئے گل	شمیم ٹھٹھوی	۱۹۹۷	مصنف، کراچی
۱۴۵	حمد وثنا	محمد امین	۲۰۰۴	ادب نگر پبلی کیشنز، لاہور
۱۴۶	قوسین نشین	حمید یوسفی	۲۰۰۷	ادارہ ابلاغ خودی، روالپنڈی

ممتاز نعت گو پروفیسر ریاض احمد قادری جو خود فروغ نعت کے لیے فیصل آباد میں خاصے سرگرم ہیں انہوں نے بھی نعت ریسرچ سینٹر کے لیے مندرجہ ذیل کتب ہدیہ کی ہیں۔

۱۴۷	ارحم عالم (غیر منقوط)	منظر پھلواری	۲۰۱۳	احسن پبلی کیشنز، فیصل آباد
۱۴۸	نور بہاراں (پنجابی نعت)	ڈاکٹر عبدالستار منعم	۲۰۱۴	احسن پبلی کیشنز، فیصل آباد
۱۴۹	طیب مطیب	حکیم محمد رمضان اطہر	۲۰۰۹	احسن پبلی کیشنز، فیصل آباد
۱۵۰	انوار نعت	پروفیسر محمد سلیم قمر	۲۰۰۷	احسن پبلی کیشنز، فیصل آباد
۱۵۱	شاہکار کن فکاں	قاری سردار محمد	۲۰۰۴	سنگت پبلی کیشنز، فیصل آباد
۱۵۲	شوق نعت (انتخاب نعت)	عبدالغنی تائب	۲۰۱۲	بزم نعت پاکستان، فیصل آباد
۱۵۳	ذوقِ نعت (انتخاب نعت)	عبدالغنی تائب	۲۰۱۴	بزم نعت پاکستان، فیصل آباد
۱۵۴	ثنائے سرور عالم	محمد سلیم محرم	۲۰۰۸	احسن پبلی کیشنز، فیصل آباد
۱۵۵	فیضانِ نعت	اکرم سعید اکرم	۲۰۱۰	احسن پبلی کیشنز، فیصل آباد
۱۵۶	زرعقیدت	ریاض احمد قادری	۲۰۱۱	احسن پبلی کیشنز، فیصل آباد

۲۵ دسمبر کو میاں محمد طیب صاحب کے ہاں محفل میلاد میں شرکت کی غرض سے فیصل آباد حاضر ہوا تو پاکستان میں نعت پر پہلے پی ایچ۔ڈی اور عصر حاضر کے ممتاز نعت شناس ونعت نگار ڈاکٹر ریاض مجید

صاحب ملاقات کے لیے تشریف لائے اور اپنے ساتھ درج ذیل کتب کا تحفہ بھی نعت ریسرچ سینٹر کے لیے لائے ان کتب میں سے اکثر ان کے اشاعتی ادارے نعت اکادمی کی مطبوعہ ہیں۔

۱۵۷	فیض یاب	فوزیہ انجم	۲۰۰۷	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۵۸	روح عالم (غیر منقوط)	یوسف طاہر قریشی	۱۴۱۸ھ	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۵۹	گلشن صل علی	عظمت اللہ خاں	۲۰۰۰	سدرہ پبلی کیشنز، فیصل آباد
۱۶۰	مدحت رسول کی	شکیل اورنگ آبادی	۱۹۹۸	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۶۱	شابیب الرحمتہ (عربی نعت)	حافظ محمد افضل فقیر	۱۴۱۳ھ	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۶۲	سفر لبیک	صفیہ صابری	۱۹۹۰	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۶۳	آئینہ شہادت (مناقب)	مسرور بدایونی	۱۹۹۸	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۶۴	سخن سخن خوشبو	محمد حنیف نازش قادری	۱۹۹۶	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۶۵	نعت و منقبت	سرور بجنوری	۱۴۰۴ھ	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۶۶	سیدنا احمد (پنجابی نعتیہ دیوان)	ریاض مجید	۱۴۱۹ھ	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۶۷	اذن حضوری	عزیز لدھیانوی	۱۹۹۹	فروغ ادب اکادمی، گوجرانوالہ
۱۶۸	قندیل مدحت	احمد شہباز خاور	۱۹۹۶	جمال پبلی کیشنز، فیصل آباد
۱۶۹	حمدیہ قطعات	مسرور دبدایونی	۱۴۱۵ھ	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۷۰	الھم صل علی محمد	ریاض مجید	۱۹۹۴	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۷۱	امبر تیری تھاں	عارف عبدالمتین	۱۹۹۰	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۷۲	آیہ رحمت	مسرور بدایونی	۱۹۸۴	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۷۳	گلشن انور (فارسی نعت)	علامہ انور فیروز پوری	۲۰۰۰	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۷۴	سیدنا محمد (نعتیہ دیوان)	ریاض مجید	۲۰۰۳	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۷۵	الھم بارک علی محمد	ریاض مجید	۲۰۰۵	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۷۶	سیدنا رحیم	ریاض مجید	۲۰۱۱	نعت اکادمی، فیصل آباد
۱۷۷	حرف طبیب	حکیم محمد رمضان اطہر	۱۹۹۷	ادراک پبلی کیشنز، فیصل آباد
۱۷۸	صنف ہزار رنگ (سیدنا محمدؐ)	میرزا امجد رازی	۲۰۰۹	نعت اکادمی، فیصل آباد

۱۷۹ تخریج نو (سیدنا محمدؐ) محمد اجمل سروش ۲۰۱۴ نعت اکادمی، فیصل آباد

معتبر شاعر وادیب سرشار صدیقی مرحوم کے ذخیرہ کتب سے ان کی اہلیہ محترمہ نے حمد ونعت کی درج ذیل کتب نعت ریسرچ سینٹر کو عطا کی ہیں اللہ ان کے اس عطیے کو قبول فرمائے اور سرشار صدیقی مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

حمد ونعت:

۱۸۱	ایوانِ نعت	صبیح رحمانی	۱۸۲	شاخ نور	شوکت ہاشمی
۱۸۳	نورالہدیٰ	ڈاکٹر نثار احمد نثار	۱۸۴	عین النعیم	امداد نظامی
۱۸۵	سبد گل	بقا نظامی عظیم آبادی	۱۸۶	وطن سے وطن تک	ابوالخیر کشفی
۱۸۷	ماہتاب حرا	حافظ اطہر سعید صدیقی	۱۸۸	نسبت	ابوالخیر کشفی
۱۸۹	ازل تا ابد	نگار فاروقی	۱۹۰	رودادِلہو رنگ	جمیل نقوی
۱۹۱	قدبیر بشیر	جسٹس محمد الیاس	۱۹۲	حمد خالق کائنات	ڈاکٹر محمد انور
۱۹۳	ماہ طیبہ	صبیح رحمانی	۱۹۴	شبستانِ حرا	شبیر انصاری
۱۹۵	جمال اندر جمال	قمر وارثی	۱۹۶	طائر مدینہ	راحت علیگ
۱۹۷	چراغ حرا	شوکت الہٰ آبادی	۱۹۸	نام بہ نام حمد ثنا	انوار عزمی
۱۹۹	حمد نامہ	شیبا حیدری	۲۰۰	ابرِ کرم	محمد اکرم
۲۰۱	حمدیہ قطعات	مسرور بدایونی	۲۰۲	نعتیہ مثنویات	حافظ لدھیانوی
۲۰۳	بوستانِ عقیدت	نور احمد میرٹھی	۲۰۴	بصیرت	نعیم نقوی
۲۰۵	مدح رسول	راغب مرادآبادی	۲۰۶	ارمغانِ حمد	شاعر علی شاعر
۲۰۷	جادہ رحمت	راغب مرادآبادی	۲۰۸	آرزو	عبدالملک مضطر
۲۰۹	بحضور خاتم الانبیاء	راغب مرادآبادی	۲۱۰	آنکھ بنی کشکول	آفتاب کریمی
۲۱۱	سلام بحضور خاتم الانبیاء	راغب مرادآبادی	۲۱۲	نعت حبیب کائنات	ڈاکٹر محمد نواز
۲۱۳	گر قبول اختر	ناصر زیدی	۲۱۴	کہف الوریٰ	قمر وارثی
۲۱۵	خوابوں میں سنہری جالی ہے	عزیز احسن	۲۱۶	حمد مری بندگی	طاہر سلطانی

۲۱۷	لاریب	اقبال حیدر	۲۱۸	حضور میرے	انصار الحق قریشی
۲۱۹	المدد یا سیدی رحمت العالمین	راؤ مبین علیگ	۲۲۰	خوشبوئے التفات	رشید وارثی
۲۲۱	تاباں تاباں	لیث قریشی	۲۲۲	نام بہ نام مدحت	انوار عزمی
۲۲۳	ثمرِ بہشت	مظہر حسین رحمانی	۲۲۴	اردو کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر فرمان فتح پوری
۲۲۵	مثنوی رسول	صفوت علی صفوت	۲۲۶	ذکرِ خیر الانام	حنیف اسعدی
۲۲۷	زبورِ سخن	تنویر پھول	۲۲۸	روشنی ہی روشنی	ماجد خلیل
۲۲۹	ایقان	جمیل مظہر	۲۳۰	آپؐ	حنیف اسعدی
۲۳۱	حریمِ اسرار	ادب گلشن آبادی	۲۳۲	کرم بالائے کرم	بہزاد لکھنوی
۲۳۳	ابرِ کرم	ثاقب انجان	۲۳۴	رحمت تمام	نیشنل بنک
۲۳۵	حدائق بخشش	مولانا احمد رضا خاں	۲۳۶	جادۂ رحمت	صبیح رحمانی
۲۳۷	تسکین القلوب	مولوی طفیل احمد	۲۳۸	ہندو شعرا کا نعتیہ کلام	فانی مراد آبادی
۲۳۹	پاکستان کے نعت گو شعرا (جلد سوم)	سید محمد قاسم	۲۴۰	پاکستان کے نعت گو شعرا (جلد سوم)	سید محمد قاسم
۲۴۱	سرکارِ دو عالم	سید تابش الوری	۲۴۲	رہنمائے حیات	انصار الحق قریشی
۲۴۳	التجا	حسن اکبر کمال	۲۴۴	تقویم	صمد انصاری
۲۴۵	رحمتِ یزداں	طفیل ہوشیار پوری	۲۴۶	اقرا	صہبا اختر
۲۴۷	حرف ثنا	محشر بدایونی	۲۴۸	کلیات منور	منور بدایونی
۲۴۹	متاعِ آخرت	منظر ایوبی	۲۵۰	حاضری وحضوری	سجاد سخن
۲۵۱	بدر الدجیٰ	راغب مراد آبادی	۲۵۲	آیات واحادیث رباعی افروز	راغب مراد آبادی
۲۵۳	روشنی میں خدوخال	رفیع الدین راز	۲۵۴	سرورِ کائنات	گوہر اعظمی
۲۵۵	نعت کی تخلیقی سچائیاں	عزیز احسن	۲۵۶	حسرت موہانی کی حمد و نعت گوئی	اصغر کاظمی
۲۵۷	جادۂ رحمت کا مسافر	ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی			

نعت ریسرچ سینٹر کی مطبوعات

1- اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر		ڈاکٹر عاصی کرنالی	600/-
2- اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ		رشید وارثی	350/-
3- نعت میں کیسے کہوں	(تنقید)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	200/-
4- غالب اور ثنائے خواجہ	(تنقید)	صبیح رحمانی	200/-
5- نعت کی تخلیقی سچائیاں	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
6- ہنر نازک ہے	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
7- اردو نعت اور جدید اسالیب	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	120/-
8- نعت نگر کا باسی	(تنقید)	صبیح رحمانی	150/-
9- جادۂ رحمت کا مسافر	(تنقید)	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی	80/-
10- بہشت تضامین	(شعری مجموعہ)	حافظ عبدالغفار حافظ	250/-
11- خیر البشر	(میلاد نامہ)	نور بانو محجوب	200/-
12- نعت اور تنقیدِ نعت	(تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
13- فنِ اداریہ نویسی اور ''نعت رنگ''	(تنقید)	ڈاکٹر افضال احمد انور	200/-
14- ''نعت رنگ'' اہلِ علم کی نظر میں	(مضامین)	ڈاکٹر شبیر احمد قادری	300/-
15- فہرستِ کتب خانہ نعت ریسرچ سینٹر	(کتابیات)	محمد طاہر قریشی	300/-
16- زبورِ حرم	(کلیاتِ نعت)	اقبال عظیم	450/-
17- شہہ لولاک	(شعری مجموعہ)	امان خان دل	150/-
18- جادۂ رحمت	(انگریزی مجموعہ)	جسٹس منیر مغل	200/-
19- اشاریہ ''نعت رنگ''	(بیس شمارے)	ڈاکٹر سہیل شفیق	300/-
20- سرکار کے قدموں میں	(انگریزی ترجمہ)	سارہ کاظمی	500/-
21- شہپرِ توفیق	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	200/-
22- قوسین	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
23- نزول	(شعری مجموعہ)	شفیق الدین شارق	100/-
24- آنکھ بنی کشکول	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	100/-

25- آپ	(شعری مجموعہ)	حنیف اسعدی	150/-
26- کرم ونجات کا سلسلہ	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
27- نعت اور سلام	(شعری مجموعہ)	وحیدہ نسیم	20/-
28- ممدوحِ خلائق	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
29- مرقعِ چہل حدیث	(مجموعۂ احادیث)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	300/-
30- نعتیہ ادب کے تنقیدی نقوش	(تنقید)	پروفیسر محمد اکرم رضا	250/-
31- نعت کے تنقیدی آفاق	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
32- مثنوی رموزِ بیخودی کا فنی وفکری جائزہ	(اقبالیات)	ڈاکٹر عزیز احسن	200/-
33- اُمیدِ طیبہ رسی	(شعری مجموعہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	150/-
34- نعت شناسی	(تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
35- اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ	(تحقیقی مقالہ)	ڈاکٹر عزیز احسن	700/-
36- پاکستان میں اردو نعت	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	300/-
37- نعت نامے بنام صبیح رحمانی	(مجموعۂ مکاتیب)	ڈاکٹر محمد سہیل شفق	1000/-
38- نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے	(تنقید)	ڈاکٹر عزیز احسن	350/-
39- تعلق بالرسول ﷺ کے تقاضے اور ہم	(سیرت)	ڈاکٹر عزیز احسن	52/-
40- دل جس سے زندہ ہے	(ظفر علی خان کی نعتیہ تب وتاب)	ڈاکٹر محمد اقبال جاوید	/-